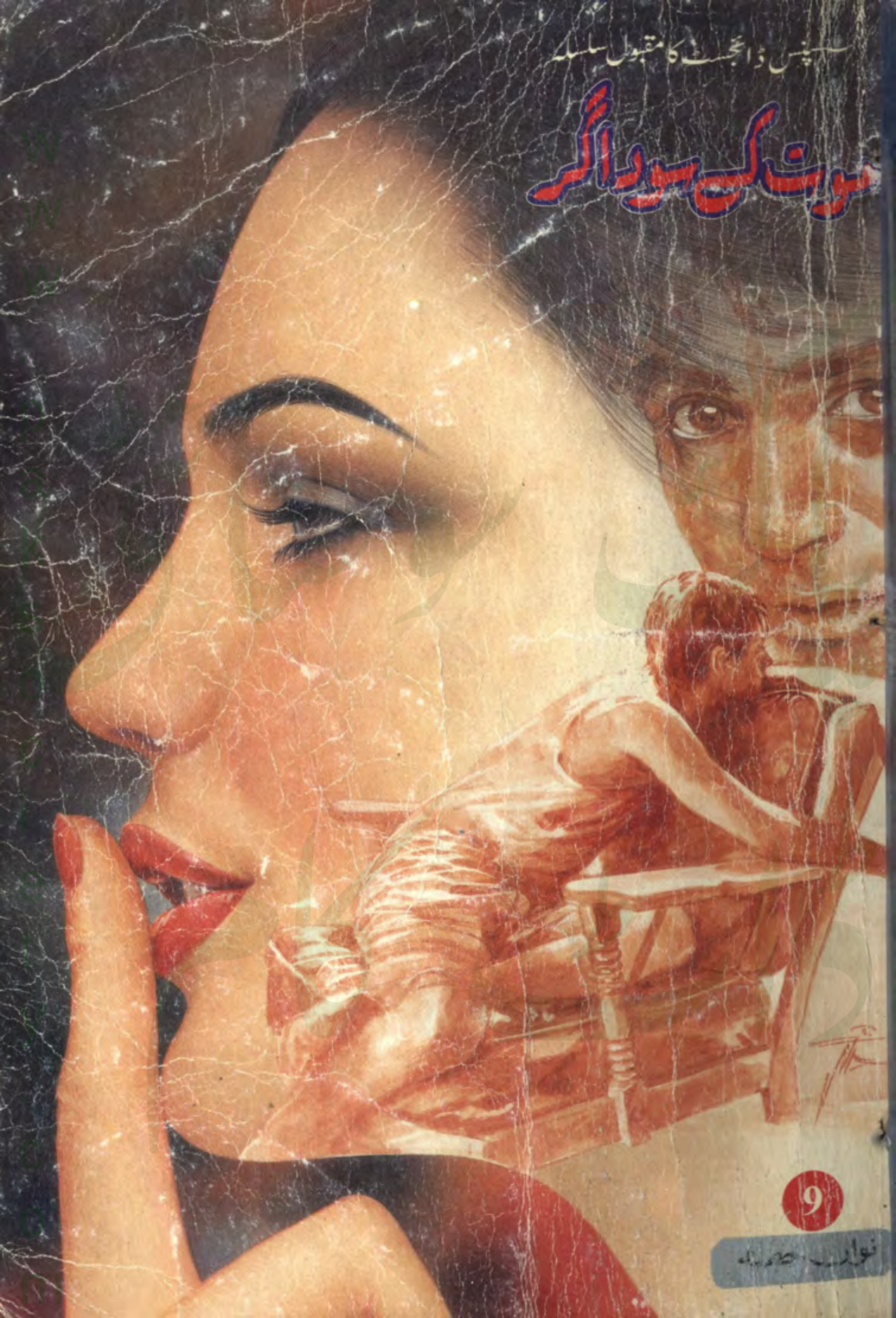

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ
موت کے سوداگر
9
نواں حصہ

قسیم علیم

**سسپنس کا تعمیری سلسلہ۔ آئندہ نسلوں کو زہر فروخت کرنے والوں کی تصویریں**

ایک نوجوان کی خود نوشت۔ اس نے منشیات کے عالمی اسمگلروں کے خلاف ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز سے ان [illegible] کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنا لیا۔ شہر شہر، ملک ملک اور براعظم براعظم [illegible] کھیل کے لیے خاک اڑانا اُس نوجوان کا شغل ہو گیا مگر موت کے سوداگر بھی اس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انہوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک جنگ جو ابھی تک جاری ہے۔

"تمہاری جیبیں بھاری معلوم ہوتی ہیں۔ جامہ تلاشی لینا ہے۔" وہی شخص بولا۔

"ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے، بس تھوڑی سی رقم ہے جس سے تم کو کوئی غرض نہیں ہونا چاہئے۔"

"اسی کی تو ہمیں ضرورت ہے۔۔۔سائیں۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولا اور اس کے دونوں ساتھی بے ساختہ زور زور سے ہنسنے لگے۔

"لیکن انسپکٹر نے ہماری تلاشی لینے کا کوئی حکم نہیں دیا۔ تم ہم سے دور رہو۔"

"جج پھانسی لگانے کا حکم دیتا ہے۔ یہ نہیں کہتا کہ سولی گھاٹ کے کپڑے پہنا کر گلے میں پھندا ڈالا جائے پھر چہرے پر کالی ٹوپی چڑھا کر تختہ گرایا جائے۔ یہ کام تو خود سے کرنا پڑتا ہے۔"

وہ تینوں الجھنے پر آمادہ تھے اس لئے میں نے بحث کو بڑھانا مناسب نہ سمجھا اور اپنی جیبوں میں موجود کئی ہزار کی رقم نکال کر ان کی طرف بڑھا دی۔ "گن کر اس کی رسید دے دینا۔"

"اب یہ سرکار کا مال ہے اور ہم تینوں سرکاری آدمی ہیں۔" وہ بسیار گو ہونے کے ساتھ ہی ستم ظریف بھی تھا۔ "رسید لینے سے پہلے تمہیں یہ بتانا ہوگا کہ تمہارے پاس یہ رقم کہاں سے آئی ہے؟"

مجھے مجبوراً خاموش ہو جانا پڑا۔ وہ لوگ واضح طور پر رقم ہضم کرنے کے چکر میں تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ ایک فرض شناس اور بظاہر ایماندار افسر کی ناک کے نیچے بھی ایسی دھاندلیاں ہو سکتی ہیں۔

"اے لمبا سائیں!" دوسرے سپاہی نے حقیر آمیز انداز میں اوّل خان کو للکارا۔ "تم بھی شرافت سے اپنی جیبیں خالی کر دو ورنہ ابھی موچڑا کھاؤ گے۔"

"ان سے تو خاصا مال ملا ہے" اول خان کی تنخواہ اور اخراجات کی رقم لے کر وہ خوش ہو گئے۔

"بیان میں اس تلاشی کا ذکر کیا تو یہ یاد رکھنا کہ تمہیں دوبارہ اسی حوالات میں ہمارے پاس آنا ہے" ایک سپاہی اپنی رائفل کی نال میرے نرخرے سے لگا کر دھمکی آمیز سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "مال تو چلا ہی گیا۔ ہاتھ پیر کی کوئی ہڈی بے طرح ٹوٹ گئی تو عمر بھر کے لئے معذور ہو جاؤ گے۔"

وہ کھلی بلیک میلنگ تھی۔ اگر ہم تشدد کے خوف سے اپنی زبانیں بند رکھتے تو انسپکٹر کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے ماتحت حوالاتیوں سے کیسی زیادتیاں کرتے ہیں۔ وہ اسی خوش فہمی میں مبتلا رہتا کہ اس کا عملہ بھی اُسی کی طرح ایماندار اور فرض شناس ہے۔

انہوں نے جلدی جلدی وہ ساری رقم اپنی جیبوں میں منتقل کی اور حوالات کو مقفل کر کے باہر نکل گئے۔ دروازے سے چند قدم دور جا کر ان کی آہٹیں معدوم ہو گئیں اور فضا میں سرگوشیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ شاید وہ ایک دوسرے سے الگ ہونے سے پہلے رقم کا ایماندارانہ بٹوارا کر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد ان تینوں میں سے ایک سپاہی آکر' حوالات کے دروازے کے سامنے' راہداری میں پڑی ہوئی چوبی بنچ پر جم کر بیٹھ گیا۔ مالِ غنیمت میں ہاتھ لگنے والی رقم کے حصہ رسدی نے اسے خاصا چاق و چوبند کر دیا تھا۔

کراچی سے اندرونِ سندھ کا ہمارا وہ سفر اس لحاظ سے بہت معلومات افزا ثابت ہوا تھا کہ ہم نے چند ہی روز میں ڈاکوؤں کے وارادات کرنے کے طریقوں سے لے کر پولیس والوں کی گھاتوں تک بہت کچھ جان لیا تھا۔ غلام قادر جیسے افسر سے مل لئے تھے جو اپنے آقا کی خوشنودی کے لئے دن کو رات اور رات کو دن قرار دینے پر آمادہ و تیار رہتا تھا۔ دوسری طرف خیرپور کوتوالی کا انسپکٹر ہمارے سامنے تھا جو کسی لالچ و طمع کے بغیر صرف اپنے فرائض کی انجام دہی میں منہمک رہتا تھا۔

حوالات اور اس سے ملحقہ راہداری میں 'کسی بھی طرف سے دن کی روشنی کا براہِ راست گزر نہیں تھا۔ وہاں ہر وقت بلب کی زرد روشنی کا ہی راج رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے دن اور رات میں تمیز کرنا دشوار تھا۔ اس حوالات کے پختہ فرش پر تین بہت میلے اور بدبو دار کمبل پڑے ہوئے تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ کمرا تین قیدیوں کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

پہلے ہمارا خیال تھا کہ ہمیں انسپکٹر جلد ہی حوالات سے نجات دلا دے گا لیکن جب وقت دھیرے دھیرے گزرتا ہی رہا اور صورتِ حال میں تبدیلی رونما ہونے کے کوئی آثار نظر نہ آئے تو ہم پر رات بھر کے 'جوڑ جوڑ کو ہلا دینے والے سفر کی تکان غالب آنے لگی اور ہم نے کھردرے فرش پر ناچار دو کمبل بچھا لئے اور تیسرے کمبل کو لپیٹ کر مشترکہ سرہانے کے طور پر رکھ لیا۔

اس مرحلے سے پیشتر ہی میں اول خان کو اپنی اور انسپکٹر کی گفتگو کا خلاصہ سنا چکا تھا۔ وہ سب بہت حوصلہ افزا اور سنسنی خیز تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ انسپکٹر نے ملا سرکار کو گھیرنے کے لئے سادھو بیلہ کے دریائی جزیرے کا تعین بھی کر لیا تھا لیکن اول خان کو شکوہ یہ تھا کہ کوتوالی پہنچنے کے بعد انسپکٹر نے ہم سے کسی بھی خیر سگالی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا بلکہ بالکل ہی بے اعتنائی برت رہا تھا اور ہم اس کے ماتحتوں کے رحم و کرم پر رہ گئے تھے۔

اول خان بقول خود نیم عسکری آدمی تھا جو سنگریزوں پر بھی آرام سے سو سکتا تھا۔ وہ پچھلی دوپہر کافی دیر تک سو چکا تھا لیکن حوالات میں دراز ہوتے ہی نیند نے پھر اسے آلیا۔ اسے سوتا ہوا دیکھ کر مجھ پر بھی غنودگی طاری ہونے لگی اور آہستہ آہستہ میں خود بھی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

اچانک یوں محسوس ہوا جیسے پختہ سڑک پر کوئی گھوڑا بدک کر سرپٹ بھاگ نکلا ہو۔ پھر زبردست آہنی جھنکار کے ساتھ کسی تنگ سی فصیل کا دیوہیکل 'فولاد' پھاٹک کھلنے کا شور بلند ہوا۔

وہ سب اس قدر بلند آہنگ اور پرشور تھا کہ میں اپنی نیند کا تسلسل برقرار رکھنے پر قادر نہ رہ سکا اور ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

ابتدا میں خمار کی دھندلاہٹ کی وجہ سے مجھے کچھ نظر نہیں آسکا لیکن میرے کانوں میں جو آوازیں آئیں 'ان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میرا کوئی ڈراؤنا خواب نہیں تھا بلکہ اس حوالات میں واقعی غیر معمولی کارروائی ہو رہی تھی۔

صورتِ حال کے اس سنگین ادراک پر میرے غنودہ اعصاب کا ردعمل بہت شدید ثابت ہوا۔ میں بھڑک کر اپنے میلے اور بدبو دار کمبل سے اٹھا اور اپنی دانست میں کسی دیو پیکر حریف کے وحشیانہ حملے سے اپنا بچاؤ کرنے کے لئے تیار ہو گیا جو اس وقت تک مجھے کہیں نظر نہیں آسکا تھا۔

"صاحب آرہا ہے!" میرے کانوں میں چڑھے ہوئے سانسوں کے ساتھ ایک آواز آئی۔ اس کا مخرج میرے چہرے کے قریب ہی کہیں موجود تھا کیونکہ میں نے بولنے والے کے سانسوں کے بھپکے اپنے چہرے پر محسوس کئے تھے۔

ایک پل کے ہزارویں حصے میں میرے سارے حواس یک بیک بحال ہوگئے۔ اسی کے ساتھ مجھے تین شناسا سپاہیوں میں سے ایک اپنے نزدیک نظر آیا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا جیسے وہ کہیں دور سے دوڑتا ہوا آیا ہو۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں' آنکھوں میں دہشت تھی اور اس کے خشک ہونٹ یوں کپکپا رہے تھے جیسے وہ مجھ سے بہت کچھ کہنا چاہ رہا ہو لیکن اس کی قوتِ گویائی اس کا ساتھ نہ دے رہی ہو۔

"صاحب آرہا ہے تو میں کیا کروں؟" اپنے جبلّی مدافعانہ جذبوں کے تحت میں نے اس غیر ارادی وقفے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے' جارحانہ لہجے میں سوال کیا۔

"ہم سمجھے تھے کہ تم کوئی عام ملزم ہو۔ ہمیں ذرا سا بھی اندازہ نہیں ہوئے تھا کہ تم صاحب کے دوست یا جاننے والے ہو اور کسی اتفاق کی وجہ سے حوالات میں آگئے ہو۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔ اس وقت تک صورتِ حال میرے پلّے نہیں پڑ سکی تھی اور میں سپاہی کی طرف سے بری طرح بدکا ہوا تھا۔

"ہمیں معافی دے دو!" وہ یک بیک گڑگڑاتا ہوا میرے قدموں میں گر گیا۔ "صاحب سے ہماری شکایت نہ کرنا۔ ہم تمہارا ایک ایک پیسہ لوٹا دیں گے۔"

میں نے اپنے پیر چھڑانے چاہے لیکن وہ کسی جونک کی طرح میری پنڈلیوں سے لپٹ گیا تھا اور اپنی پسینے میں ڈوبی ہوئی پیشانی میرے پیروں سے رگڑے جا رہا تھا۔

"یہ پیسے اب اپنے صاحب ہی کو دینا۔" میں نے بے رخی سے کہا "میرے پیر چھوڑ دو ورنہ ٹھوکر مار کر ابھی تمہاری کھوپڑی توڑ دوں گا۔ میں تم جیسے گھٹیا لوگوں کے منہ لگنا پسند نہیں کرتا۔"

"ٹھوکریں مارلو' لیکن خدا کے لئے ہماری شکایت نہ کرنا۔ آج پہلی تاریخ ہے۔ تم سے چھینی ہوئی رقم کے ساتھ ہم اپنی پوری تنخواہیں بھی تمہیں دینے کو تیار ہیں۔ صاحب کو پتا چل گیا تو وہ ہمیں کچا چبا جائے گا۔"

"پرے ہٹو!" میں نے اسے دھتکارا۔ "ایسی حرکتیں کیوں کرتے ہو کہ بعد میں ذلیل ہونا پڑے؟"

اس دوران میں شور شرابے سے اول خان کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے ایک باوردی سپاہی کو میری پنڈلیوں سے لپٹے دیکھا تو نہ جانے کیا سمجھا کہ زقند لگا کر اس پر ٹوٹ پڑا اور پیچھے سے اس کا کالر تھام کر 'اسے کسی بے ضرر کیچوے کی طرح مجھ سے کافی دور' پختہ فرش پر اچھال دیا۔

"یہ تمہیں گرانے کی کوشش کیوں کر رہا تھا؟" اول خان نے نیند میں ڈوبی ہوئی' سرخ آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"پیر پکڑ کر رقم چھیننے والی حرکت پر معافی مانگ رہا تھا۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"اوہ!" اس نے مایوسانہ انداز میں کہا جیسے میرے انکشاف پر اسے شدید مایوسی ہوئی ہو۔ وہ پلٹا اور بے فکری کے ساتھ دوبارہ شکن آلود کمبل پر دراز ہو گیا۔

اسی لمحے راہداری میں کئی افراد کے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی جو بتدریج قریب آتی جا رہی تھی۔

فرش پر پڑے ہوئے سپاہی نے اپنی جگہ سے اٹھنا چاہا لیکن وہ اپنی کوشش میں فی الفور کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس کے چہرے پر ابھرنے والی کرب و اذیت کی علامات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اول خان کی گوریلا کارروائی نے اس کی پشت کے کسی حصے پر شدید ضرب پہنچائی تھی جس پر غالب آنا آسان نہیں تھا۔

"شش... شاید صاحب آرہا ہے۔ خدا کے لئے ہمارے بال بچوں پر رحم کرو!" سپاہی اپنی جگہ پر پڑے پڑے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر خوشامدانہ لہجے میں گھگھیایا۔

کراچی میں میری خطیر رقم زرِ مبادلہ کی صورت میں جہانگیر کی بیوی 'سلمٰی کی تجوری میں محفوظ تھی اس لئے مجھے پیسوں کی کوئی فکر نہیں تھی لیکن اس وقت اپنی گرفت میں آئے ہوئے ایک سرکاری اہل کار کو اس کی بدنیتی اور بدخوئی پر سبق دینا ضروری تھا۔ وہ دوسروں کی داد و فریاد پر دھیان دیئے بغیر اپنی وحشیانہ من مانی کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا اس لئے میں نے اس کی بات پر توجہ دیئے بغیر بے رحمانہ لہجے میں کہا "ہمیں دگنی رقم چاہئے!"

"دے دوں گا۔ جو تم کہو گے' دے دوں گا لیکن وعدہ کرو کہ تم صاحب سے شکایت نہیں کرو گے۔" وہ تقریباً بلبلاتا ہوا بولا کیونکہ اس وقت تک قدموں کی آہٹیں بہت قریب آچکی تھیں۔

"انسان کے بچے ہو تو اب کسی سے زیادتی نہ کرنا' زمین سے اٹھو!"

اس نے اٹھنا چاہا لیکن پھر کراہ کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

اچانک انسپکٹر حوالات کے کھلے ہوئے دروازے پر آکھڑا ہوا۔ اس کے پیچھے کوتوالی کے اہل کاروں کا جلوس موجود تھا جس میں ہم سے رقم چھیننے والے بقیہ دو سپاہی بھی شامل تھے۔

"یہ سب کیا ہے؟" انسپکٹر نے حوالات کے کھلے ہوئے دروازے اور اندر فرش پر پڑے ہوئے سپاہی کو دیکھتے ہوئے حیرت سے سوال کیا "میری اجازت کے بغیر حوالات کا تالا کس نے کھولا اور تم اندر کیا کر رہے ہو؟" اپنے سپاہی سے باز پرس کرتے ہوئے اس نے مجھے بھی اشتباہ آمیز نظروں سے گھورا تھا۔

میں اس صورتِ حال کو ٹالنے کے لئے چھت کی طرف دیکھنے لگا اور فرش پر پڑے ہوئے سپاہی کو اپنے افسر کے سوال کا جواب دینا پڑ گیا۔ "سائیں تالا میں نے کھولا تھا۔"

"مگر کیوں؟" انسپکٹر آنکھیں نکال کر غرایا۔ "کیا ضرورت تھی اس کی؟"

"سائیں! مجھے شبہ ہوا تھا کہ حوالاتیوں کے پاس کوئی اوزار ہے جسے انہوں نے فالتو کمبل میں لپیٹ کر چھپایا ہے۔" سپاہی نے فی البدیہہ ایک مضبوط عذر تراش لیا۔ "یہ دونوں سوئے پڑے تھے اس لئے میں خاموشی کے ساتھ تالا کھول کر حوالات میں داخل ہو گیا۔"

"زمین پر کیوں پڑے ہو؟ اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر بات کرو"

"سائیں! کمر میں چوٹ آگئی ہے..." سپاہی نے مسکین لہجے میں کہنا چاہا مگر انسپکٹر نے غضیلے لہجے میں اس کی بات کاٹ کر گرجنا شروع کر دیا۔

"کیسے چوٹ آئی؟ کس نے پھینکا ہے تمہیں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ یہاں کیا کرتے پھرتے ہو۔ تم نے کوتوالی کا ڈسپلن تباہ کر کے اسے بھگڑ خانہ بنایا ہوا ہے۔"

"میں حوالاتیوں کو ہوشیار ہونے کا موقع دیئے بغیر پنجوں کے بل چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ پنجہ مڑ جانے کی وجہ سے پھسل کر زمین پر گر گیا۔ مجھے کسی نے نہیں پھینکا۔" اس نے مسمسی آواز میں کہا۔

"اسے اٹھاؤ اور لے جاؤ یہاں سے۔" انسپکٹر نے مڑے بغیر غصے میں کہا۔

"فالتو کمبل میں کیا چھپایا ہے تم نے؟" انسپکٹر نے چند قدم آگے بڑھ کر مجھ سے خشک لہجے میں پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ اسے لپیٹ کر تکیہ بنایا ہوا ہے۔ ہم رات بھر کے..."

"بس!" انسپکٹر نے غراتے ہوئے میری بات کاٹ دی "تقریر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری طرح میں بھی رات بھر کا جاگا ہوا ہوں۔ اور صرف اس لئے آرام نہیں کیا کہ کہیں تم بے گناہ نہ

پکڑے گئے ہو۔"

میری جیبیں خالی کرانے والے دو سپاہی اپنے کراہتے ہوئے ساتھی کو اٹھا کر حوالات سے لے جا رہے تھے۔ انسپکٹر نے مڑ کر ناگواری کے ساتھ ان کو دیکھا اور اپنی بات جاری رکھتا ہوا بولا۔ "اپنے ساتھی کو اٹھاؤ۔ مجھے اس سے اپنے دفتر میں کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔ یہ تو بالکل ہی بے سدھ پڑا ہوا ہے۔"

"ہمارا کیا فیصلہ ہونے والا ہے؟" میں نے اول خان کو جگانے سے پہلے پوچھا۔

"پوسٹ مارٹم کی ابتدائی رپورٹ کے مطابق رام دیال دل کا شدید دورہ پڑنے سے مرا ہے۔" انسپکٹر کا لہجہ خلافِ توقع نرم ہوگیا۔ "لیکن مجھے دیکھنا ہوگا کہ تمہاری کہانی میں کتنی صداقت ہے۔ اپنے ساتھی کو بیدار کرو اور اپنے ساتھ لے کر میرے دفتر میں آؤ۔ میں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرسکتا۔"

وہ جس طرح آیا تھا، اسی طرح شانِ بے نیازی کے ساتھ واپس چلا گیا۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو وہ دن کے دو بجا رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ ہم دونوں بہت دیر تک سوتے رہے تھے۔ لیکن حوالات میں وقت کی رفتار ایک جگہ تھمی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہاں اس وقت بھی بلب کی زرد روشنی کے سوا سورج کی کسی کرن کا گزر نہیں تھا۔ عملاً وہاں وہی سماں تھا جو پوپھٹتے وقت دیکھنے میں آیا تھا۔

اول خان سپاہی سے دھینگا مشتی کرکے آناً فاناً میں دوبارہ گہری نیند سو گیا تھا۔ اسے بیدار کرنے میں مجھے خاصی دقّت کا سامنا کرنا پڑا۔ جب اسے علم ہوا کہ رام دیال کی لاش کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے دل کے شدید دورے کو اس کی موت کا سبب قرار دیا ہے تو اس کا نیند کا نشہ فوراً ہرن ہوگیا۔

وہ درحقیقت ایک بہت بڑی خوش خبری تھی۔ اگر ہمارا واسطہ غلام قادر جیسے، کسی راشی افسر سے پڑا ہوتا تو ہمیں ہفتوں بھی اس رپورٹ کی ہوا نہ لگتی اور تفتیش کے نام پر حوالات میں دن رات ہماری رگڑائی ہوتی رہتی۔ یہ انسپکٹر کی فرض شناسی اور انسانیت تھی کہ اس نے ذاتی دلچسپی لے کر ابتدائی پوسٹ مارٹم رپورٹ حاصل کرنے کا بندوبست کیا تھا اور پہلی فرصت میں ہمیں اس کے نتائج سے آگاہ کردیا تھا۔

انسپکٹر کے ساتھ، وین میں خیرپور کی طرف آتے ہوئے میں نے اس کے بارے میں اپنی رائے قائم کرکے اس سے حتی الامکان سچ بولنے کا فیصلہ کرلیا تھا اور اسی فیصلے کے تحت اسے اپنے اور اول خان کے اصل ناموں سے آگاہ کردیا تھا۔ اول خان کا اصل نام ظاہر کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ ... کے بغیر اسپیشل ٹاسک فورس کے افسران، اس کے بارے میں کی جانے والی کسی پولیس انکوائری کی مثبت تصدیق نہیں کرسکتے تھے۔

حوالات کا دروازہ اس بار کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے میرے دل میں خیال آیا کہ باہر نکل کر اندھا دھند ایک طرف دوڑ لگا دوں تاکہ ان بکھیڑوں سے فوراً نجات مل جائے لیکن میں نے اپنے اس خیال کو فوراً ہی کچل دیا۔ جب تک خیرپور کی کوتوالی میں انسپکٹر جیسا افسر موجود تھا، مجھے اس مقام سے خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

راہداری میں ہمارا سامنا ایک سپاہی سے ہوا جو ہمیں حوالات پہنچانے یا بالفاظِ دیگر ہم لوگوں سے رقم چھیننے والوں میں شامل تھا۔ اس نے دور ہی سے دونوں ہاتھ جوڑ کر اپنی شکر مندی کا اظہار کیا اور تیزی سے ہماری طرف آیا۔

"تمہارے بال بچوں کی خیر ہو، آج تم نے ہماری عزت اور نوکری کو بچالیا۔" وہ تشکر آمیز لہجے میں بولا پھر اس نے اپنی جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکال کر مجھے تھمادیا "اس میں تمہاری رقم سے دگنی رقم موجود ہے۔ جلدی میں سوپچاس روپے کم یا زیادہ ہوگئے ہوں تو معاف کردینا۔"

"یہ تم رکھ لو، لیکن آئندہ کسی کو تنگ نہ کرنا۔" میں نے وہ لفافہ اسے لوٹاتے ہوئے کہا "نہ جانے کتنے شریف لوگ حالات کا شکار ہو کر یہاں آپہنچتے ہیں۔ یہاں آنے والا ہر شخص قاتل اور مجرم نہیں ہوتا۔"

اس نے بوکھلا کر دونوں ہاتھوں سے اپنے کان پکڑ لئے "یہ تمہاری امانت تھی۔ اس کا ایک پیسہ بھی اب ہم پر حرام ہے۔" وہ پلٹا۔ اس سے قبل کہ میں مزید کچھ کہتا، وہ تیزی کے ساتھ وہاں سے چل دیا۔

"رکھ لو، پولیس والوں کا مال مقدر والوں کو ہی ملتا ہے۔" اول خان نے مجھے ٹہوکا دیتے ہوئے سرگوشی کی۔ "چور پر مور کا محاورہ شاید ایسے ہی موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔"

اس غیر معروف راہداری سے مڑتے ہی کوتوالی کا وہ حصہ سامنے آگیا جہاں خاصی چہل پہل تھی۔ شاید ہم دونوں پر انسپکٹر کے مہربان ہونے کی خبر پوری کوتوالی میں پھیل چکی تھی کیونکہ درشت چہرے والے ایک سپاہی نے بتیسی پھیلا کر رضاکارانہ طور پر ہماری رہنمائی کا فرض سنبھال لیا۔

اس وقت تک وہ ہمارے لئے انسپکٹر یا صرف صاحب تھا۔ ہمیں اس کا نام معلوم نہیں تھا لیکن اس کے دفتر کے باہر لگی ہوئی تختی سے پتا چلا کہ اس کا نام علی اسد تھا۔ ہمیں اس کے دفتر میں داخل ہونے تک کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی لیکن چق اٹھا کر اندر داخل ہوتے ہی ہم دونوں اپنی جگہ ٹھٹک کر رہ گئے۔

اندر انسپکٹر علی اسد اپنی بڑی سی میز کے پیچھے افسرانہ شان سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے مقابل، میز کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں پر ایک ڈی ایس پی، دو سب انسپکٹر اور دو سفید پوش افراد براجمان تھے۔ وہ ادھیڑ عمر سفید پوش اپنی وضع قطع کے اعتبار سے شہر کے معزز باشندے نظر آرہے تھے۔

"چلے آؤ!" انسپکٹر علی اسد نے اونچی آواز میں ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں کچھ ایسا مقناطیسی تحکم تھا کہ ہمارے قدم خود بخود حرکت میں آگئے۔

"یہ دونوں خالی کرسیاں تمہارا ہی انتظار کر رہی ہیں۔" ہمارے حرکت میں آجانے پر اس نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ وہ اپنے سامنے ڈی ایس پی کی موجودگی سے ذرا بھی مرعوب نظر نہیں آرہا تھا۔

اول خان کی ننگی گردن پر بید کی بھرپور ضرب، اس کے بعد دوستانہ رویّے پھر حوالات میں قید کے بعد انسپکٹر علی اسد کا وہ رویّہ کم از کم میرے لئے طمانیت کا باعث تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس بار انسپکٹر کے سلوک میں کوئی ڈرامائی تبدیلی نہیں آسکے گی۔ وہ اپنے ایک افسرِ بالا اور دو معزز شہریوں کے سامنے ہمیں عزت سے نواز رہا تھا تو اس کے لئے یقیناً کوئی نہ کوئی مستحکم بنیاد تلاش کرچکا تھا اور شاید ہمیں کوئی خوش خبری سنانے والا تھا۔

مجھے مزید خوشگوار حیرت اس وقت ہوئی جب اس نے بقیہ لوگوں سے ہمارا تعارف کرایا۔ اس موقع پر بقیہ چاروں افراد نے گرمجوشی کا مظاہرہ کیا اور ہمارے ساتھ ہاتھ بھی ملائے مگر ڈی ایس پی کے تیور خراب تھے۔ وہ پتھر کے بت کی طرح اپنی کرسی میں جما انسپکٹر کے تعارفی کلمات سنتا رہا اور جب اول خان نے اس سے ہاتھ ملانا چاہا تو اس نے سرد لہجے میں اسے اپنی جگہ واپس بیٹھ جانے کی ہدایت کی۔

"تم لوگوں کے لئے اتنی ہی عزت کافی ہے کہ اسد نے تمہیں اپنے ساتھ میز پر بٹھالیا ہے۔ اب کھال سے باہر آنے کی کوشش نہ کرو اور چین سے اپنی جگہ پر بیٹھے رہو۔"

"میں نے یہ عزت انہیں کسی رعایت کے طور پر نہیں دی ہے، سر!" انسپکٹر نے دھیمی اور سپاٹ آواز میں کہا۔ "یہ لوگ اس کے مستحق ہیں۔ میں ان سے شرمندہ ہوں کہ انہیں غیر ضروری طور پر چند گھنٹے ہماری حوالات میں گزارنے پڑے۔ اس کا ازالہ کرنا میرے یا کسی کے بھی بس سے باہر ہے۔"

"ایک لاش کے ساتھ پکڑے جانے والے کبھی بھی اتنی ہمدردی کے مستحق نہیں ہوتے۔ میرا تجربہ بتاتا ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ دال میں کالا ضرور ہوتا ہے۔" ڈی ایس پی نے بے رخی سے کہا "یہ ان کی خوش قسمتی ہے کہ وہ دل کے دورے سے مرا۔ تم انہیں قتل کے الزام میں بری قرار دے سکتے ہو لیکن یہ نہ بھولو کہ مرنے والا کئی روز پہلے اغوا کیا گیا تھا۔ مغوی مردہ حالت میں ان کی تحویل سے برآمد ہوا ہے اس لئے یہ اغوا کے ملزم یا معاون ملزم ہونے کے شبے سے نہیں بچ سکتے..."

"میں آپ کی رائے سے اختلاف نہیں کرسکتا، سر! لیکن میری صوابدید کے مطابق جو ہونا چاہئے، میں وہی کر رہا ہوں اور اس کے نتائج کی پوری پوری ذمے داری بھی قبول کروں گا...."

وہاں کی صورتِ حال بہت سنگین تھی۔ میں دم سادھے بیٹھا رہا۔ ڈی ایس پی نے باری باری، ہم دونوں کو خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔ اندر کے ابال کی وجہ سے اس کے نتھنے بہت تیزی کے ساتھ پھول اور پچک رہے تھے۔ ہم دونوں کے ناقدانہ بلکہ بے رحمانہ جائزے سے فارغ ہو کر وہ دوبارہ انسپکٹر سے مخاطب ہوگیا۔

"ان دونوں میں یہ زیادہ خطرناک ہے۔" ڈی ایس پی کا اشارہ میری طرف تھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا کیونکہ میں اپنے تمام کرتوتوں سے بخوبی واقف تھا۔ دل ہی دل میں مجھے مان لینا پڑا کہ ضدی، ہٹ دھرم اور بدخو ہونے کے باوجود، ڈی ایس پی آدمی کو پرکھنے میں بے مثال مہارت رکھتا تھا۔

"میں تمہیں لکھ کر دیتا ہوں کہ رہائی ملتے ہی یہ دونوں غائب ہوجائیں گے، تم پہلی ہی پیشی پر انہیں عدالت میں پیش نہ کرسکو گے اور اپنا سر پیٹتے رہ جاؤ گے" ڈی ایس پی کہہ رہا تھا۔

اپنی مہارت اور تجربے کی اس کھلی توہین پر بھی انسپکٹر کی پیشانی پر بل نہیں آیا۔ وہ پہلے ہی کی طرح گمبھیر سنجیدگی کے ساتھ، احترام آمیز لہجے میں بولا "سر! میں آپ سے بحث نہیں کروں گا۔ شاید مجھ میں تجربے کی پختگی اور سختی کی کمی ہے لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ بیان لے کر انہیں رہا کردینا چاہئے۔ انہیں ہر تاریخ پر عدالت میں پیش کرنا میرا کام ہوگا۔ دنیا جانتی ہے کہ رام دیال کو رجب علی نے اغوا کیا تھا، تاوان کے مطالبے اُسی کی طرف سے آتے رہے۔ اسے اور اس کے بیشتر آدمیوں کو ضلع بلکہ ڈویژن کی پولیس اچھی طرح جانتی ہے۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ یہ دونوں سب کچھ ہوسکتے ہیں لیکن رجب علی کے گروہ کے آدمی نہیں ہوسکتے۔ ان کے مستقبل کا فیصلہ میں از خود بھی کرسکتا تھا لیکن متوفی کی حیثیت اور اہمیت کے پیشِ نظر میں نے آپ کو آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ اگر آپ حکم دیں تو وہ یقیناً میرے فیصلے پر حاوی رہے گا۔"

یہ بڑی عجیب بات تھی کہ ہمارے بارے میں دو پولیس افسران کے درمیان سرد جنگ ہو رہی تھی۔ سینئر افسر عمومی طور پر مجھے برا آدمی قرار دے رہا تھا اور میں جانتا تھا کہ وہ سچا تھا۔ اسی طرح انسپکٹر ہم دونوں کو رجب علی کا معاون ماننے پر تیار نہیں تھا اور اس کا تجزیہ بھی سو فیصد درست تھا۔

انسپکٹر نے ہمارے مستقبل کی ذمے داری ڈی ایس پی پر ڈال کر مجھے وحشت میں مبتلا کردیا۔ میرا اندازہ تھا کہ ڈی ایس پی ساری مہارت اور تجربے کے باوجود پولیس والوں کے اس خرانٹ کیڈر سے تعلق رکھتا تھا جو ملزموں کے بارے میں صرف اور صرف تشدد کی زبان جانتے ہیں اور تشدد کے بدترین حربے استعمال کرکے، اپنی تحویل میں آنے والوں سے ان جرائم تک کو اگلوا لیتے ہیں جو انہوں نے شکمِ مادر میں سرانجام دیئے ہوں۔ اپنی آہنی گرفت میں آئے ہوئے کسی بھی ملزم کو چند دنوں کی قلیل سی مدت میں اقبالی

مجرموں کی صف میں لا کھڑا کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے۔

ڈی ایس پی کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی "تم نے اپنا فیصلہ سنانے سے پہلے میری رائے مانگی ہوتی تو اور بات تھی۔ تم جانتے ہو کہ ہمارے محکمے میں ماتحتوں کا لکھا ہوا' تبدیل نہ کرنے کا روایتی اصول رائج ہے۔ تم جو چاہو کر سکتے ہو لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ پولیس افسر بنے یا بنائے نہیں جاتے' وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں۔"

اس کے الفاظ پر میری جان میں جان آئی کہ وہ اپنی رائے انسپکٹر پر مسلط کرنے پر نہیں تلا ہوا تھا۔

"شکریہ سر۔" انسپکٹر نے اپنے سر کو خم دے کر پورے احترام کے ساتھ کہا۔

ڈی ایس پی نے ایک جھٹکے سے اپنی کرسی چھوڑ دی۔ انسپکٹر بھی اٹھا۔ اس کی تقلید میں سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ ڈی ایس پی کی تقلید میں چاروں پولیس افسران یکے بعد دیگرے دفتر سے باہر نکل گئے۔

چند منٹ بعد انسپکٹر علی اسد ایک سب انسپکٹر کے ساتھ واپس اپنے دفتر میں داخل ہوا تو اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ شاید باہر بھی اُس کی اپنے افسر سے کچھ تلخ کلامی ہوئی تھی جو باہر کے چار آدمیوں کے سامنے ممکن نہیں تھی۔

"آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟" انسپکٹر علی اسد نے اپنی کرسی سنبھال کر ان دونوں معززین سے سوال کیا۔ جن میں سے ایک رام دیال کا کزن اور دوسرا سکھر کی ہندو پنچائیت کا سربراہ تھا۔

"ہم نے تمہارا بڑا نام سنا ہے' انسپکٹر صاحب!" پنچائیت کا سربراہ رندھی ہوئی آواز میں بولا "سرگباشی رام دیال کی آتما تو اب شانت ہو گئی۔ ہم اس پر ظلم توڑنے والے' رجب علی کا سر چاہتے ہیں۔ بیچ کے آدمیوں سے ہماری کوئی دشمنی نہیں۔ وہ بے چارے تو اس کے حکم کے غلام ہیں۔"

میرے دل میں اس بوڑھے کے لئے بے اختیار ممنونیت کے جذبات اُمڈ آئے۔

"یہ میرا فیصلہ ہے۔" علی اسد نے دوٹوک لہجے میں کہا "اس کی اہمیت اسی وقت ہے جب مقدمے کی مدعی پولیس ہو۔ اگر تم پرچا درج کروانا چاہو اور اس میں ان دونوں پر اپنے شبے کا اظہار کردو تو میں چاہتے ہوئے بھی انہیں نہیں چھوڑ سکوں گا۔ پھر ان کا فیصلہ عدالت ہی سے ہوگا۔"

"مرنے والا مر گیا۔" رام دیال کا کزن ایک گہرا سانس لے کر بولا "اس سے جیون کی کچھ آس ہوتی تو ہم بھی کچھ کرتے۔ اب ہم ان بکھیڑوں میں پڑ کر کیا لیں گے؟ تم تو اسپتال سے اس کی لاش ہمیں دلوانے کا بندوبست کرو تاکہ ہم اسے سکھر لے جا کر جلد از جلد کریا کرم کا بندوبست کریں۔ کم از کم اس کا مردہ تو خراب نہ ہو۔"

"لاش شام تک تمہیں مل جائے گی۔" انسپکٹر نے انہیں یقین دلایا۔ "تم گاڑی وغیرہ کا بندوبست کر کے پانچ بجے اسپتال پہنچو۔ میں خود وہاں آؤں گا۔"

مزید کچھ رسمی گفتگو کے بعد کاغذی خانہ پُری کے لئے اس نے ان دونوں کو اپنے سب انسپکٹر کے ساتھ روانہ کر دیا اور اس کے دفتر میں صرف ہم دونوں رہ گئے۔

"میں تمہارا احسان مند ہوں' انسپکٹر!" اوّل خان نے جذباتی لہجے میں کہا "ہماری گردن بچانے کے لئے تم نے بڑی جرات سے کام لیا ہے ورنہ تمہارے ڈی ایس پی صاحب..."

"ان کے بارے میں کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے اول خان کی بات وہیں کاٹ دی۔ "اصل خرابی یہ ہے کہ تم اسپیشل ٹاسک فورس کے ایک افسر ہو۔"

"کیا تم نے میرے اس دعوے کی تصدیق کرالی ہے؟" اول خان نے حیرت اور مسرت سے مغلوب لہجے میں پوچھا۔

"تصدیق ہو جانے کے بعد ہی ڈی ایس پی صاحب نے تمہارے معاملے میں دلچسپی لینا شروع کی ہے۔ ایس ٹی ایف ایک خفیہ ادارہ ہے لیکن ہر طرف اس کی کارکردگی کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ ڈی ایس پی صاحب پرانے زمانے کے افسر ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ایس ٹی ایف کا ایک اہم افسر' اگر مشکوک حالات میں ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے تو ہمیں اسے رگڑ دینا چاہئے۔ اگر ہم تھوڑی سی محنت کر کے اس کا تعلق رجب علی سے ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پورے ملک میں ہمارے نام کا ڈنکا بج جائے گا۔ دوہری ترقیاں اور بھاری انعامات اس کے علاوہ ہوں گے۔"

اپنی بات پوری کرتے ہوئی اس نے لفظ محنت پر ذومعنی انداز میں زور دیا تھا۔

"لیکن یہاں تو انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"ایس ٹی ایف کے بارے میں کھلے بندوں بات کرنا سنگین جرم ہے۔ اسی لئے ہم دوسرے حوالوں سے بات کرتے رہے۔ باہر ہماری تھوڑی سی تلخ کلامی بھی ہوئی ہے لیکن ڈی ایس پی صاحب فراخ دل افسر ہیں۔ اپنے ماتحتوں کو ڈانٹ ڈپٹ لیتے ہیں لیکن کسی کی طرف سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتے۔"

"تو کیا ہم خود کو آزاد تصور کریں؟" میں نے اس کے خاموش ہو جانے پر پوچھا۔

"میں تمہاری کہانی سن چکا تھا اس لئے فرصت کے دوران میں میں نے تم دونوں کے الگ الگ بیان تیار کرا لئے ہیں۔ ایس ٹی ایف سے تمہارا تعلق ثابت ہونے کے بعد میں تمہیں ایک منٹ کے لئے بھی خرافات میں نہیں الجھانا چاہتا۔ بیان پڑھ لو۔ اگر مطمئن ہو تو ان کاغذات پر دستخط کردو۔"

اس نے اپنے سامنے رکھی ہوئی ایک سرکاری فائل میں سے چند کاغذات میرے حوالے کئے اور چند اول خان کی طرف بڑھائے۔ جن پر پختہ خط میں سنگلاخ قانونی زبان میں ہمارے بیانات درج تھے۔

میں نے اپنا بیان پڑھنا شروع کیا اور چند ہی سطروں میں بری طرح الجھ گیا۔

"یہ ثقیل زبان میرے لئے بہت مشکل ہے۔ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ بیان تم نے تیار کروایا ہے اور تم ایس ٹی ایف کے خیر خواہوں میں سے ہو۔ میں دستخط کئے دیتا ہوں۔"

میں نے آخری صفحے کے اختتام پر اپنے دستخط کر کے کاغذات اس کی طرف بڑھائے تو اس نے مجھے ٹوک دیا۔ "ہر صفحے پر اپنے دستخط کرو اور آخری صفحے پر دستخط کے نیچے اپنا پورا نام' ولدیت اور پتا بھی لکھو۔"

"تمہارا پتا بھی اول خان ہی کی معرفت ہے" انسپکٹر علی اسد نے ہمارے مکمل کئے ہوئے کاغذات کا جائزہ لیتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "یہ یاد رکھنا کہ ڈی ایس پی صاحب تمہاری طرف سے بہت زیادہ شاکی تھے۔ جاتے جاتے کہہ رہے تھے کہ چھوڑنا ہی ہے تو میں اول خان کو چھوڑوں اور تمہیں بند کر کے مار لگواؤں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ تمہارے سینے میں عجیب و غریب کہانیاں مدفون ہیں جو مجھے حیران کر سکتی ہیں۔ تمہیں روک لینے سے اول خان بھی ہماری دسترس میں رہے گا۔"

"روکنا چاہو تو میں حاضر ہوں" میں نے پرخلوص لہجے میں کہا "جو افسر اپنے قیدیوں کی حیثیت کے تعین کے لئے' شب بیداری کے بعد دن بھر بھی جاگتا رہے' اس کی تحویل میں کسی بے گناہ کی زندگی اجیرن نہیں ہو سکتی۔ ڈی ایس پی صاحب کی باتیں تمہارے دل کو لگی ہوں تو ضرور مجھے روک لو...."

"اب تم باضابطہ طور پر آزاد شہری ہو" وہ میری بات کاٹ کر کاغذات فائل میں رکھتا ہوا بولا "تمہاری اور رجب علی کی ملی بھگت کا قصہ ختم ہوا۔ اب یہ بتاؤ کہ ملا سرکار کے لئے کیا کرنا ہے؟"

"میرے بارے میں تصدیق کرنے کے لئے تم نے یقیناً ایس ٹی ایف کے بڑوں سے رابطہ کیا ہوگا اس لئے مجھے جلد از جلد اپنے یونٹ کو رپورٹ کرنا ہوگا" اول خان کہنے لگا "ورنہ میری فائل کھل جائے گی۔ اگر میں ایک مقررہ مدت میں رپورٹ کرنے میں ناکام رہا تو مجھے مردہ یا دورانِ کار گمشدہ قرار دے دیا جائے گا۔ دونوں صورتوں میں واپسی کے بعد مجھے ریٹائرمنٹ لینا پڑ جائے گا۔ ہمارے یہاں ملازمت جاری رکھنے کے لئے طاقت' ذہانت اور اہلیت کا اعلیٰ ترین معیار برقرار رکھنا پڑتا ہے..."

"اسپیشل سروسز گروپ کی طرح؟" انسپکٹر علی اسد نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"مجھے ان کے معیار کا علم نہیں" اول خان نے بڑی خوب صورتی کے ساتھ بات ٹال دی "میں صرف اپنی فورس کے ضابطوں سے واقف ہوں جو بہت کڑے اور اٹل ہیں۔"

"میں نے جب سے رجب علی کی بچی زندگی کی کہانیاں سنی ہیں میرے ذہن میں ایک منصوبہ پرورش پا رہا ہے۔ اجازت ہو تو اس پر کچھ بات کرلوں؟" میں نے آہستگی سے کہا۔

"کھل کر بات کرو۔ یہ بھول جاؤ کہ میں انسپکٹر ہوں' تمہاری باضابطہ رہائی کے بعد میں تمہارا دوست ہوں۔ ہمارے درمیان جو کچھ بات ہوگی وہ آف دی ریکارڈ ہوگی۔ اس کی بنیاد پر تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"رجب علی کی نومسلم بیوی اور رام دیال کی بھانجی سکھر میں رہتی ہے...."

انسپکٹر علی اسد نے میری بات وہیں کاٹ دی "اس کے بارے میں' میں نے بھی بارہا سوچا ہے لیکن کبھی اس پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کرسکا۔ رجب علی اس کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ حساس ہے۔"

"یہ مجھے بھی معلوم ہے کہ جس دن رجب علی کو پکڑنے کے لئے پولیس نے اس کی بیوی پر ہاتھ ڈالا... وہ جنگلوں سے نکل کر شہروں میں تباہی مچا دے گا مگر میرا منصوبہ کچھ اور ہے" میں نے کہا۔

"بالکل نہیں" انسپکٹر نے سختی سے کہا "اس کے بارے میں سوچنا ہی بے سود ہے۔ میں رجب علی کی طاقت سے واقف ہوں۔ اس کے پاس راکٹ اور ان کے دستی لانچر موجود ہیں۔ شہروں میں اتنا بھاری جانی نقصان ہوگا کہ انتظامیہ اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اس کی بیوی کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گی۔"

"میرے منصوبے کا پولیس اور انتظامیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے" میں نے کہا۔

"اسے بات پوری کر لینے دو" اول خان نے رائے دی "ہم بعد میں تبادلۂ خیال کرلیں گے۔"

"پولیس یا کسی بھی سرکاری محکمے کو درمیان میں لائے بغیر ہم اسے اغوا کر لیتے ہیں" میں نے اپنی تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔ "رجب علی کا سسرال داراسائی ہے۔ اس کی بیٹی کو اغوا کرنے کے بعد ہم فون پر اس سے بھاری تاوان کا مطالبہ کریں گے اور رجب علی کو لامحالہ میدان میں آنا پڑے گا..."

انسپکٹر علی اسد میری اس تجویز پر بھنّا گیا "میں تمہیں یہی سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ ایسی کسی بھی کارروائی کی صورت میں رجب علی مشتعل ہو کر میدان میں آجائے گا۔ اس کا میدان میں آنا' شہریوں کے جان و مال اور امن و امان کے لئے بھیانک خطرہ بن جائے گا۔ میں ایسے کسی بھی تباہ کن منصوبے سے اتفاق نہیں کر سکتا۔"

"تم میری پوری بات سننے کے بجائے بار بار قطع کلامی کر رہے ہو" میں نے احتجاج کیا "ایک بار میری بات مکمل ہونے دو۔ اس کے بعد دل کھول کر اپنی بھڑاس نکال لینا۔"

"تم بالکل غلط اور تباہ کن رخ پر سوچ رہے ہو" وہ چڑچڑے لہجے میں بولا "لیکن خیر، تم بھی اپنے دل کا غبار نکال لو، بات پوری کرلو تو مجھے بتا دینا۔"

وہ اپنی گھومنے والی کرسی کی پشت گاہ سے ٹک کر یوں بے اعتنائی کے ساتھ جھومنے لگا جیسے اسے میری اسکیم کے ناقابلِ عمل ہونے کا پورا یقین ہو۔

"ہم فون پر اس سے مطالبہ کریں گے کہ تاوان کی رقم ملا سرکار کو پہنچائی جائے" میرے الفاظ پر علی اسد چونک کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"یعنی تم ملا سرکار اور رجب علی میں تصادم کرانا چاہتے ہو؟" میری اس اچھوتی تجویز پر حیرت سے اس کی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھی تھیں اور وہ مجھے گھورے جا رہا تھا۔

"یہی سمجھ لو، ان کے درمیان ایک بدترین غلط فہمی پیدا کر کے ہم ان دونوں کو سامنے آنے پر مجبور کرسکتے ہیں۔ اس کے بعد ہم انہیں الگ الگ یا ایک ساتھ اپنا نشانہ بنا سکتے ہیں۔"

"کیا رجب علی یہ یقین کرلے گا کہ اس کی بیوی کے اغوا میں ملا سرکار ہی کا ہاتھ ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"اس سے مل کر میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ قبائلی کھوپڑی کا مالک ہے۔ اس کی انا پر کاری ضرب لگائی جائے تو وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر جذباتی رَو میں بہہ سکتا ہے۔ رام دیال کے اغوا کے معاملے میں کم و بیش ایک کروڑ کی رقم اس کے ہاتھ آئی ہے۔ اسے غلط راہ پر ڈالنے کے لئے ہم تاوان میں ایک کروڑ ہی کا مطالبہ کریں گے۔"

"وہ ملا سرکار کا مرید ہے۔ ملا سرکار کے ایک اشارے پر اپنی ساری جمع پونجی اس کے حوالے کرسکتا ہے۔ وہ ضرور سوچے گا کہ ملا سرکار کو اس کی بیوی کو اغوا کر کے تاوان طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" اول خان میرے ساتھ رجب علی کے پاس ہو کر آیا تھا اس لئے وہ سوالات کرنے کی بہتر پوزیشن میں تھا۔

"زن، زر اور زمین کے معاملات میں انسان کا خون سفید ہو جاتا ہے۔ وہ پیری مریدی کا خیال کرتا ہے، نہ رشتوں کو دیکھتا ہے... ہزاروں کی حد تک تو رجب علی ملا سرکار کی خدمت کرسکتا ہے لیکن مجھے شبہ ہے کہ وہ ایک کروڑ کی خطیر رقم اپنے پیر کو یوں ہی نذر کردے گا۔ وہ سوچے گا کہ ملا سرکار کسی بڑی واردات کے انتظار میں اسے پال رہا تھا اور جوں ہی لمبی رقم اس کے ہاتھ لگی، ملا سرکار اپنے اصل روپ میں سامنے آگیا۔"

"مجھے شبہ ہے کہ وہ اتنی آسانی کے ساتھ ملا سرکار سے بدظن نہیں ہوگا" علی اسد نے کہا۔

"اپنی بیوی کے اغوا کی خبر اس سے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت سلب کرلے گی۔ ایسے میں جب ملا سرکار کے نام سے ایک کروڑ کا مطالبہ اس کے سامنے آئے گا تو وہ غصے میں اور انتقام میں پاگل ہو جائے گا۔"

"ان کی محاذ آرائی سے تم کو کیا فائدہ حاصل ہوگا؟" انسپکٹر علی اسد میرے منصوبے کی جزئیات کو کسی حد تک ہضم کرنے پر آمادہ نظر آنے لگا تھا۔

"سارے ہی بہت خطرناک مفروضے ہیں" میں نے اس کی اجازت سے اپنے لئے سگریٹ سلگانے کے بعد کہا "اغوا سکھر سے ہوگا۔ واردات ہوتے ہی شہر میں کہرام برپا ہو جائے گا۔ اپنی پوزیشن صاف رکھنے کے لئے پولیس پوری قوت کے ساتھ حرکت میں آجائے گی۔ اس طرح سکھر ساری کارروائیوں کا محور بن جائے گا۔ رجب علی کے سسر سے ملا سرکار کے نام پر ایک کروڑ کے تاوان کا مطالبہ کیا جائے گا تو یہ خبر رجب علی تک بھی پہنچے گی اور وہ کھلم کھلا ملا سرکار سے اپنی منافرت کا اظہار کرے گا۔ یہ خبر ملا سرکار کو ملے گی تو وہ تشویش میں مبتلا ہو جائے گا اور رجب علی کے سامنے اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لئے سکھر کا رخ کرے گا جہاں سادھوبیلہ ہی اس کے لئے محفوظ ترین مقام ہے۔ وہاں پہنچ کر وہ رجب علی سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے گا اور وہی وقت ہوگا جب ہم ملا سرکار یا اسی کے ساتھ رجب علی کو بھی مار سکیں گے۔"

"یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب سب کچھ تمہارے مفروضات کے مطابق ہو اور میں نے آج تک اتنے مفروضات کو بیک وقت رونما ہوتے ہوئے نہیں دیکھا" علی اسد نے کہا۔

"یہ تمہارے لئے مفروضات ہیں لیکن میں رجب علی کے ذہن کو پڑھ چکا ہوں۔ مجھے ابھی سے یہ سب اسی طرح ہوتا ہوا نظر آرہا ہے" میں نے پورے یقین کے ساتھ کہا۔

"تم مجھے تذبذب میں ڈال رہے ہو، میں تمہاری صحیح الدماغی پر شبہ نہیں کرسکتا۔"

"ایک راستہ طویل اور غیر یقینی انتظار کا ہے جو ہمارے بس سے باہر ہے۔ ملّا سرکار جیسے خونخوار اور وحشی درندے کو اس کی کچھار سے باہر لانے کے لئے ہمیں یہ چھیڑ چھاڑ کرنی ہوگی۔"

"تمہیں علم ہے کہ سکھر میرے اختیار سے باہر کا علاقہ ہے۔ وہاں میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکوں گا۔ سب کچھ تم کو کرنا ہوگا۔ تم کہیں پھنس گئے تو میرے لئے مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔ میرے دشمن اس بات کو ہوا دیں گے کہ انسپکٹر علی اسد کے چھوڑے ہوئے مجرم سکھر میں دوبارہ پکڑے گئے۔"

"ہماری وجہ سے تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ اس بڑے مقصد کے لئے ضرورت پیش آگئی تو ہم اپنی جانوں پر کھیل جائیں گے" اول خان کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی پھیل گئی "راز داری ہماری تربیت کا پہلا ستون ہے۔ مشن پورا کردیا مرجاؤ۔ ہمارے سامنے دو کے سوا تیسرا کوئی راستہ نہیں ہوتا پھر بھی تم ہماری خاصی مدد کرسکتے ہو۔"

"سکھر میں تمہارے اپنے ذرائع ہیں جن کے ذریعے تم ملا سرکار کی آمد پر نگاہ رکھ سکتے ہو" میں نے کہا "ہمیں اس طرف سے بے فکری ہو جائے تو کام آسان ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ ہمیں ایک ایسے ٹھکانے کی ضرورت ہوگی جہاں ہم رجب علی کی بیوی کو بحفاظت قید رکھ سکیں۔"

"رجب علی کی بیوی ہمارے لئے کوئی مسئلہ نہیں بنے گی۔" اوّل خان کی پُرعزم آواز سن کر میں چونک پڑا۔ اس وقت شاید اس کے وجود میں سویا ہوا جنگجو گوریلا جاگ اٹھا تھا۔

"ملا سرکار کے فتنے کی سرکوبی کے بڑے مقصد کے لئے قربانی دینا ہی ہے تو ہم سب سے پہلے رجب علی کی بیوی کو مار کر کہیں دبا دیں گے۔ اس کا شوہر نہ جانے کتنی بیویوں، بچوں، شوہروں اور بیٹوں کا قاتل ہے" اول خان کی آواز سرد اور سفاکانہ ہو گئی "اس کی قربانی سے ہونے والی ابتدا کا انجام بھی اچھا ہوگا کیونکہ ہمیں ہر وقت اس کے فرار کا دھڑکا نہیں رہے گا۔ ویسے بھی کوئی چھوٹا موٹا بدمعاش رجب علی کی بیوی کو اپنی قید میں رکھنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ اس خبیث کا نام ہی اس علاقے کے بڑے بڑے سورماؤں کا پتّا پانی کردیتا ہوگا۔"

"رجب علی بہت بڑا مجرم اور قاتل سہی لیکن اس کی بیوی بے گناہ ہے" علی اسد نے احتجاج کیا "میں اس کے ساتھ ایسے وحشیانہ سلوک کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔"

"ہم نے اسے نہ مارا تو وہ کہیں نہ کہیں ہمیں مروا دے گی۔ میز کرسی پر بیٹھ کر اخلاقیات اور اصولوں کی بات کرنا بہت آسان ہے۔ کبھی کسی جنگی محاذ پر جا کر دیکھو یا کسی ایسے تاراج شہر کو دیکھو جسے روند کر فاتح فوجیں آگے بڑھ رہی ہوں۔ اصول بنانے والے خود اپنے کرتوتوں کا ذکر کرتے ہوئے شرماتے ہیں... ہم ملّا سرکار اور رجب علی کے خلاف میدانِ جنگ میں اتر رہے ہیں جہاں سب کچھ جائز ہوتا ہے لیکن ہم اس عورت کی حرمت کا پورا لحاظ کریں گے۔ وہ ایک نیک مقصد کے لئے ہمارے ہاتھوں ماری جائے گی۔ کیا پتا کہ اسے شہادت کا رتبہ ہی مل جائے۔"

میں پھریری لے کر رہ گیا لیکن اول خان سے اختلافِ رائے کی جرات نہ کرسکا۔

انسپکٹر علی اسد دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے خالی خالی نظروں سے اس کا چہرہ تکے جا رہا تھا۔

"تم پولیس افسر ہو" اول خان اسی سرد اور بے رحمانہ لہجے میں بولے جا رہا تھا "جب تم کوئی بڑا چھاپا مارتے ہو تو کیا صرف مجرموں اور گناہ گاروں پر گولیاں چلاتے ہو؟ معصوم اور بے گناہ شہری سامنے آتے ہیں تو تمہارے ہتھیاروں کی نالیں بنجر ہو کر بارود اور سیسہ اُگلنا بھول جاتی ہیں؟ میں تمہیں بہلانے یا تمہاری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تمہاری ہاں میں ہاں نہیں ملا سکتا۔ اگر تنویر کے منصوبے پر عمل کرنا ہے تو بھرپور کامیابی کے لئے ہمیں سب سے پہلے رجب علی کی بیوی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے پڑیں گے تاکہ ہم یکسو ہو کر ملّا سرکار کا پیچھا کرسکیں۔"

اول خان سے میری رفاقت زیادہ طویل نہیں تو بہت مختصر بھی نہیں تھی لیکن اس وقت میں نے پیشہ ورانہ امور پر اس کی بھرپور تقریر پہلی بار سنی تھی اور سن کر دنگ رہ گیا تھا۔

وہ ابتدا ہی سے انسپکٹر علی اسد سے مرعوب اور دبا دبا نظر آرہا تھا لیکن اپنی پسند کا موضوع دستیاب ہوتے ہی اس نے انسپکٹر کو بھی بری طرح رگید ڈالا تھا۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پولیس والوں کے ہاتھ سے معصوم اور بے گناہ شہری بھی مرتے رہتے ہیں لیکن ہنگامی طور پر کی گئی کسی اندھا دھند کارروائی میں واضح ارادے کے بغیر کسی کو ناگہانی ہلاک کرنے اور دیدہ و دانستہ کسی بے گناہ کو موت کے گھاٹ اتارنے میں بہت بڑا فرق ہے" خاصے طویل سکوت کے بعد انسپکٹر اپنی مدافعت میں کچھ کہنے کے قابل ہو سکا تھا "لیکن تمہاری بات بھی درست ہے کیونکہ تم پیشہ ور جنگجو ہو جب کہ پولیس افسر بنیادی طور پر لڑاکا نہیں بلکہ منتظم ہوتا ہے۔ اس کی ہر لڑائی اپنی یا دوسروں کی مدافعت میں ہوتی ہے۔ وہ جارح کبھی نہیں ہوتا۔"

"گردن کا منکا ٹوٹنے سے فوری اور آسان ترین موت واقع ہو جاتی۔ ہم اسے کسی بھی تشدد کا نشانہ بنائے بغیر موت کی نیند سُلا دیں گے اس لئے تم تنویر کی دوسری بات بھول جاؤ اور یہ بتاؤ کہ تمہارے سکھر والے مخبر اور معزز دوست اس مشن میں ہمارا کیا ساتھ دے سکیں گے۔"

"میں تمہیں ان میں سے کسی کا نام و پتا نہیں دے سکتا۔" انسپکٹر بھڑک کر بولا۔

"ہم خود ان سے دور رہنا چاہتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ تم سے تازہ ترین معلومات حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟" میں نے جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے کہا "اول خان کا مقصد بھی اتنا ہی ہے۔"

"تم مجھے گھر یا دفتر فون کرسکتے ہو، شناخت کے لئے تم دونوں کوئی فرضی نام استعمال کرسکتے ہو۔"

طویل بحث کے بعد یہ طے ہوگیا کہ کارروائی کی جانی چاہیے۔ اس سلسلے میں انسپکٹر نے رات گئے چند ضروری ہتھیار ہمارے حوالے کرنے کا وعدہ بھی کرلیا جو اسے اپنے ذرائع سے حاصل کرنا تھے۔

ایک اہم مسئلہ سردار رجب علی کے ان مخبروں کا تھا جو خیرپور میں موجود تھے۔ ہم خیرپور سے براہِ راست سکھر کا رخ کرتے تو وہ خبر رجب علی کو بھی مل سکتی تھی اور اس کی وجہ سے کوئی دشواری پیدا ہو سکتی تھی۔ اس لئے ہم نے طے کیا کہ رات میں انسپکٹر سے ہتھیار وغیرہ لینے کے بعد ہم اگلی صبح ڈنکے کی چوٹ پر ٹرین سے کراچی کے لئے روانہ ہوں اور اگلے کسی اسٹیشن پر اتر کر، اپنے حلیوں میں مناسب تبدیلیاں کر کے بس سے سکھر پہنچ جائیں جہاں رجب علی کی بیوی آنے والے بُرے وقت سے بے خبر بے فکری کے ساتھ رہ

رہی تھی۔

○☆○

شہر خوف و ہراس کی زد میں آیا ہوا تھا کیونکہ وہاں بھی آئے دن ڈکیتی، قتل، اغوا اور لوٹ مار کی وارداتیں ہوتی رہتی تھیں۔ پان کی دکانوں پر اور ہوٹلوں وغیرہ میں، جہاں بھی چند لوگ جمع ہوتے، تازہ ترین وارداتوں پر ہی تبادلۂ خیال کرتے ہوئے پائے جاتے۔

ایک طرف وارداتوں کا زور بڑھا ہوا تھا اور دوسری طرف پولیس کسی بھی مجرم کو پکڑنے میں ناکام تھی۔ لوگ کچھ معروف مجرموں کے نام بھی لیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ پولیس بھی ان سے واقف تھی اور جان بوجھ کر ان کی سرگرمیوں سے چشم پوشی برت رہی تھی ورنہ سکھر سدا سے امن و سکون کا گہوارہ رہا تھا۔

ہم دونوں کافی دیر تک گھنٹا گھر اور اس کے آس پاس کے بازاروں میں گھوم پھر کر اس اجنبی شہر کے مزاج کا اندازہ لگاتے رہے۔ میرا خیال تھا کہ امن و امان کی بگڑی ہوئی صورتِ حال اس شہر کی سماجی زندگی پر بھی اثر انداز ہونے لگی تھی اور بازار وغیرہ سرِ شام ہی ویران ہو جاتے ہوں گے۔

اس جائزے کے دوران میں ہی ہمیں ایک ہوٹل میں دو مقامی لڑکوں سے سردار رجب علی کا ذکر چھیڑنے کا موقع مل گیا اور مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ سکھر کے نوجوانوں کے لئے رجب علی ہیرو کا درجہ رکھتا تھا۔

بعد میں اسے ہیرو قرار دیئے جانے کی جذباتی وجہ بھی سمجھ آگئی جو ہمیشہ سے مسلمانوں کی ایک بڑی کمزوری رہی ہے۔ عورت کو جیت کر سب کچھ ہار جانے کو بھی وہ اپنی جیت ہی سمجھتے ہیں۔

رجب علی سکھر کے ہی گلی کوچوں میں پروان چڑھا اور پھر ڈاکو بنا تھا۔ اس نے جس غیر روایتی انداز میں ایک نامور ہندو گھرانے کی دوشیزہ سے پہلی نظر میں محبت کر کے اسے بھی اپنا گھائل بنا لیا تھا، لڑکوں کے نزدیک وہی مردانگی کی معراج تھی۔ لڑکی کے مسلمان ہونے اور پھر رجب علی سے شادی کر لینے پر جہاں سکھر کی ہندو جاتی میں صفِ ماتم بچھ گئی تھی وہاں مسلمانوں میں قومی جشن کا سا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ اس نازک موقعے پر شہر کی انتظامیہ ہوش مندی سے کام لے کر معززینِ شہر کی مدد نہ لیتی تو سکھر میں بہت بڑا ہندو مسلم فساد برپا ہو جاتا۔

رجب علی اور لیلیٰ وتی کے عشق کی اس کہانی نے۔۔۔۔ سکھر میں لوک کہانی کا درجہ حاصل کر لیا تھا اس وجہ سے ہمیں لیلیٰ وتی کے گھر کا پتا دریافت کرنے میں ذرا بھی دشواری پیش نہیں آئی۔۔ گو مسلمان ہونے کے بعد لیلیٰ وتی کا نام تبدیل کر کے راحیلہ رکھ دیا گیا تھا مگر شہر والے اسے لیلیٰ وتی کے نام سے ہی یاد کرنے میں مزہ لیتے تھے۔

"جب اس کا میاں جنگلوں میں رہتا ہے تو لیلیٰ وتی اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی ہوگی؟" ان لڑکوں کی کہانی سن لینے کے بعد اول خان نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا تھا۔

وہ دونوں اول خان کی ناسمجھی پر ہنس دیئے "وہ نر کی بیوی ہے اور نروں کی طرح اکیلی رہتی ہے۔ نوکروں تک کو مغرب سے پہلے چھٹی دے دیتی ہے کیونکہ رجب علی جب بھی اس سے ملنے آتا ہے، اندھیرا پھیلنے کے بعد آتا ہے اور سورج نکلنے سے پہلے جنگل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے۔ رجب علی کے خوف سے بڑے بڑے شہدے اس محلے سے سر جھکا کر گزرتے ہیں۔"

"تو کیا رجب علی اس سے روز ملنے آتا ہے؟" اس بار میں نے سوال کیا۔

"دوسرے تیسرے ہفتے آتا ہے۔ وہ جنگل سے مشکی گھوڑے پر سوار ہو کر، منہ پر ڈھاٹا باندھے نکلتا ہے اور اپنے انتظار میں بھٹکتے ہوئے پولیس والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر لیلیٰ وتی کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ اس کے واپس لوٹ جانے کے بعد ہی لوگوں کو لیلیٰ وتی کی ملازماؤں سے پتا چلتا ہے کہ وہ پچھلی رات آیا تھا۔" بتانے والے نے بھرپور مبالغے سے کام لیتے ہوئے رجب علی کی دلیرانہ آمد و رفت کی پوری تفصیل دہرا دی۔

"پولیس والے اسے اپنے گھر پر کیوں نہیں پکڑ لیتے؟"

"ان بے چاروں کو پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ کب آیا اور کب چلا گیا۔"

"وہ مشکی گھوڑے کو تو پہچانتے ہوں گے۔ اسی کو دیکھ کر رجب علی کی پہچان کر سکتے ہیں۔"

"وہ ہر بار گھوڑے کا رنگ بدل لیتا ہے" دوسرے لڑکے نے تصحیح کی۔

"کاش، کبھی اس سے ہماری ملاقات بھی ہو سکے!" میں نے حسرت سے کہا۔

"مال لے کر یہاں سے کراچی کی طرف چل پڑو۔ اس کے مخبر اسے تمہاری کار کا نمبر پہنچا دیں گے۔ بس پھر روہڑی سے نکلتے ہی کہیں نہ کہیں اس سے ملاقات ہو جائے گی۔" ایک نے کہا، پھر دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"یہ یاد رکھنا کہ وہ کنگلوں کو روکتا ہے نہ اٹھاتا ہے۔ مال والے ہی اُس سے مل سکتے ہیں۔" ان میں سے ایک نے ہماری میز سے اٹھتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں کہا اور ان کی ہنسی تیز ہو گئی۔

وہ واضح طور پر ہمارا مضحکہ اڑاتے ہوئے چلے گئے لیکن مجھے ان کی شوخی پر کوئی ملال نہیں تھا کیونکہ ان سے باتوں ہی باتوں میں کام کی کئی باتیں معلوم ہو گئی تھیں۔

ہوٹل سے اٹھ کر ہم دونوں پیدل ہی لیلیٰ وتی کے کوچے کی طرف چل دیئے جو وہاں سے بہت دور نہیں تھا۔

"شوہر کے انتظار میں اندھیرے سے اجالا ہونے تک، ہر رات گھر میں اکیلی رہتی ہے" اول خان نے دھیمی آواز میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "لگتا ہے اس بار قدرت ہم پر مہربان ہے۔"

"اسے اپنے شوہر پر گھمنڈ ہو گیا ہے۔ سوچتی ہوگی کہ وہ رجب علی کی بیوی ہے۔ جو اسے ٹیڑھی آنکھ سے دیکھے گا، رجب علی اس کی آنکھ نکال لے گا۔"

"اس کا یہ غرور بھی ہمارے حق میں جاتا ہے۔ وہ غیر مسلح ہوگی اور گھر میں بے فکر ہو کر گہری نیند سوتی ہوگی۔ مجھے تو اس بیچاری کا اغوا ابھی سے بچوں کا کھیل معلوم ہونے لگا ہے۔"

باتیں کرتے ہوئے ہم لیلیٰ کے محلّے اور پھر کوچے سے گزرے۔ پرانے شہر میں واقع ہونے کے باوجود وہ محلہ صاف ستھرا تھا۔ اس کی گلیاں کشادہ تھیں اور مکانات کی ظاہری حالت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہاں آسودہ حال لوگ رہتے ہیں جو پیسہ کمانے کے ساتھ ہی اس کے صحیح مصرف سے بھی بخوبی واقف ہیں۔

پوری گلی میں کنگورے دار فصیل والا ایک ہی مکان تھا جو خوش قسمتی سے کونے پر واقع تھا جس کا مطلب تھا کہ اس پر کم از کم دو سمتوں سے طبع آزمائی کی جا سکتی تھی۔ پشت کی طرف سے دو قطاریں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں اس لئے ادھر سے براہِ راست رسائی یا نکاسی کی کوئی صورت نہیں تھی۔

"کیوں نہ ایک بار پھر اسی گلی سے گزرا جائے؟" گلی کے آخری سرے سے ذرا دور نکل جانے کے بعد میں نے تجویز پیش کی جو اول خان نے فوراً ہی رد کر دی۔

"اس حماقت کی ضرورت نہیں" وہ آنکھیں نکال کر سختی سے بولا "دوبارہ گلی میں داخل ہوتے ہی ہم کسی نہ کسی کی نظروں میں آجائیں گے۔ میں نے اس مکان کو اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ وہاں داخل ہونے کا محفوظ بندوبست کرنا اب میرا کام ہے۔ تم اس فکر میں پڑ کر خود کو ہلکان نہ کرو۔"

"اغوا کی ترکیب تو تم نے سوچ لی۔ اب یہ بھی بتا دو کہ اسے کہاں گاڑو گے؟" میں نے جل کر کہا۔

"میں پہلے بھی سکھر آچکا ہوں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ شہر کا صنعتی علاقہ ابھی تک خاصا ویران ہے۔ وہیں کہیں اسے ٹھکانے بھی لگا دیں گے۔"

"صنعتی علاقہ یہاں سے دور ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ کوئی سواری لے لو۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ کوئی کار کرائے پر مل جائے۔ رات کو ہمیں کار کی ضرورت ہوگی۔"

"ہم اجنبی شہر میں ہیں، ہمارے پاس کوئی شناختی کاغذ بھی نہیں ہے۔ اس کے بغیر ہمیں کون گاڑی کرائے پر دے گا؟ ڈرائیور ساتھ ہوا تو رات کو اسے بھی دفن کرنا پڑے گا۔ بلاوجہ کام بڑھ جائے گا۔"

وہ چلتے چلتے اچانک ہی اڑیل ٹٹو کی طرح ایک جگہ جم کر کھڑا ہو گیا۔

"اب کیا ہوا بھائی؟" میں نے اپنا داہنا ہاتھ اس کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے پوچھا۔

"سب کچھ چوپٹ ہو گیا۔" وہ مظلوم سی آواز میں کراہا "یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ کار کہاں سے آئے گی؟ کار کے بغیر تو ہم لیلیٰ کو زندگی بھر اغوا نہیں کر سکتے۔"

"پھر کیا کیا جائے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ انسپکٹر کو فون کرو، وہی کوئی نہ کوئی راہ نکالے گا۔"

"بس تم میں یہی خرابی ہے" میں نے چڑ کر کہا "بہت دھوم دھام سے کسی کام کے بارے میں سوچنا شروع کرتے ہو اور جہاں ذرا سی کوئی دشواری سامنے آجائے وہیں بوکھلا جاتے ہو۔"

"اس میں بوکھلانے کی کیا بات ہے؟ ایک مسئلہ سامنے آیا ہے تو میں اس کا حل بھی بتا رہا ہوں۔"

"اتنی سی بات کے لئے ہم انسپکٹر کو زحمت نہیں دے سکتے۔ وہ ہماری وجہ سے اپنی پوزیشن کے لئے کوئی خطرہ مول نہیں لے گا۔ ناکامی کی صورت میں کار پکڑی گئی تو وہ کہاں جائے گا؟"

"تمہارے ذہن میں اس کے علاوہ کوئی حل موجود ہو تو اس پر عمل کر ڈالو۔"

"رات کے لئے ہمیں کوئی کار چرانا ہوگی۔ اس مسئلے کا وہی بہترین حل ہے۔"

"میں بلاوجہ ہی تمہیں اپنا بڑا نہیں مانتا۔ تمہارا دماغ ہر وقت چوطرفہ کام کرتا رہتا ہے۔ اس کا یہی سب سے بہتر اور مناسب حل ہو سکتا ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

ہم نے وہیں سے ایک رکشا لیا اور فیکٹری ایریا کی طرف روانہ ہو گئے۔

فیکٹری ایریا میں آباد کارخانوں کے ساتھ ہی خودرُو جھاڑ جھنکاڑ سے بھرے ہوئے خالی قطعاتِ اراضی بھی تھے اور کئی ویران احاطے بھی جن میں کسی وجہ سے مشینوں کی تنصیب کی نوبت نہیں آسکی تھی یا تنصیب کے بعد مشینوں وغیرہ کو وہاں سے اکھاڑ لیا گیا تھا۔ رکشا چھوڑنے کے بعد اپنے اس تفصیلی معائنے کے دوران میں ہمیں بسکٹ بنانے کا ایک متروک کارخانہ نظر آگیا۔ جس کے کہن سال در و دیوار سے ویرانی اور بوسیدگی ٹپک رہی تھی۔ اس کے پھاٹک پر بڑا سا زنگ آلود قفل موجود تھا لیکن احاطے کی دیوار کئی جگہ سے گری ہوئی تھی۔

وہاں بظاہر کسی چوکیدار وغیرہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ ہم گری ہوئی دیوار کا ملبہ عبور کر کے اندر پہنچے تو وہاں ہر طرف بربادی اور ویرانی کا راج تھا۔ امتدادِ زمانہ سے شہتیر گلنے کے بعد چھتیں گر چکی تھیں، دیواریں جا بجا منہدم تھیں۔ لمبی لمبی مشینوں پر انچوں کے حساب سے زنگ کے پرت وجود میں آچکے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس فیکٹری کے مالکان اپنے پیچھے کوئی ولی وارث چھوڑ

بغیر وفات پا چکے ہوں یا کسی طویل مقدمے بازی کے نتیجے میں فیکٹری کھنڈر ہو کر رہ گئی ہو۔ اس کا پس منظر جو کچھ رہا ہو، وہ فیکٹری ہمارے مقاصد کے لئے بہت مناسب تھی۔ ہمیں تو صرف ایک لاش ہی کو ٹھکانے لگانا تھا۔ وہ فیکٹری ایسی تھی کہ وہاں ایک پوری پلاٹون کو نیست و نابود کر کے اس طرح چھپایا جاسکتا تھا کہ مہینوں ان میں سے کسی کا سراغ نہ ملتا۔

چلتے چلتے اول خان کی نگاہ فیکٹری کے ٹیوب ویل پر پڑ گئی جو حقیقتاً ایک کھلا ہوا کنواں تھا جس کے دہانے پر شہتیروں کا پلیٹ فارم بنا کر پمپ لگایا اور پائپ کنوئیں میں اتارے گئے تھے۔

کنوئیں میں جھانکنے کے بعد ہم دونوں نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں لیلیٰ وتی کے لئے اس آبی قبر کے انتخاب پر متفق ہو گئے جس کے ہوتے ہوئے ہم زمین کھودنے کی مشقت سے بچ کر اپنا بوجھ بہ آسانی ہلکا کر سکتے تھے۔

اس مقام کا تفصیلی جائزہ لے کر ہم شہر لوٹ آئے اور ایک معمولی سے اقامتی ہوٹل میں اپنے اصلی ناموں سے دو الگ الگ کمرے بک کرا لئے۔

سر چھپانے کے ٹھکانے کا بندوبست کرنے کے بعد ہم نے کھانا کھایا۔ پھر خریداری کے لئے نکل پڑے کیونکہ رات کو رجب علی کے مکان میں داخل ہو۔ نے کے لئے اول خان کچھ ساز و سامان کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

اول خان کی رائے تھی کہ لیلیٰ وتی کے نام نہاد اغوا کے بعد حالات میں تیزی کے ساتھ ڈرامائی تبدیلیاں آنی لازمی تھیں جن کے دوران میں انسپکٹر علی اسد اپنے پورے وسائل سے ہماری مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اگر ملا سرکار کو سادھو بیلہ یا ست بیلہ نامی جزیرے میں ہی گھیرنا پڑ جاتا تو اس کے لئے ہم دونوں ہر اعتبار سے ناکافی تھے۔

وہ جزیرہ پوری طرح آباد اور عملاً سکھر شہر ہی کا ایک حصہ تھا جہاں سے آمد و رفت کے لئے متعدد گھاٹ موجود تھے۔ ان سب کا مکمل محاصرہ کئے بغیر جزیرے میں ملا سرکار جیسے خطرناک مجرم کو چھیڑنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ ایک طرف اپنے دشمنوں کو موجود پا کر وہ کسی بھی دوسرے راستے سے فرار ہو سکتا تھا۔

ان امکانات کے سدِباب کے لئے اول خان اپنے بڑوں سے رابطہ کر کے اسپیشل ٹاسک فورس کی معقول نفری سکھر طلب کرنا چاہتا تھا۔ وہ لوگ دریائی جنگ کی تمام ضروریات سے لیس ہو کر منچلے سیاحوں وغیرہ کے روپ میں وہاں آتے اور اول خان کے ایک اشارے پر میدانِ عمل میں کود پڑتے۔

میرے نزدیک اس احتیاطی تدبیر کے اختیار کر لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ ضرورت پڑنے پر آناً فاناً میں اس فورس کو ملا سرکار کے مقابلے میں میدان میں اتارا جاسکتا تھا۔ ان کی ضرورت پیش نہ آتی تو ملا سرکار کی سرکوبی کے بعد وہ خاموشی سے اپنے مستقر کی طرف لوٹ سکتے تھے۔

اول خان کی محتاط اور مخصوص خریداری کے دوران میں ہم اس موضوع پر متفق ہو گئے اور واپسی پر اول خان نے تار گھر سے اپنے کمانڈر کو فون پر پوری صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔

فون بوتھ میں، میں اس کے ساتھ ہی موجود تھا لیکن مزاج پرسی وغیرہ کے رسمی فقروں کے علاوہ کوئی بات میرے پلے نہیں پڑ سکی کیونکہ ساری اہم باتیں ہندسوں اور حرفوں کی صورت میں کی گئیں جو شاید اسپیشل ٹاسک فورس کی اپنی کرپٹوگرافی میں تھیں جنہیں سمجھنا آسان نہیں تھا۔

"ہمارے ستارے یاور جا رہے ہیں" باہر آ کر اول خان نے مسرت آمیز لہجے میں مجھے آگاہ کیا "سکھر سے چند میل دور ایک موٹر بوٹ دریا میں لنگر انداز ہے جس پر دریائی حیاتیات اور مچھلیوں کی افزائش پر تحقیق کرنے والے مقامی اور غیر ملکی ماہرین کی چار نفری ٹیم موجود ہے۔ ان لوگوں کے تحفظ کے لئے بوٹ پر ایس ٹی ایف کے چھ جوان موجود ہیں۔ ان کے پاس جدید ترین اسلحے سے لے کر چھوٹی کشتیاں اور لائف بوٹس تک موجود ہیں۔۔ کل تک ان جوانوں کی تعداد اٹھارہ کر دی جائے گی اور وہ دریا میں ایسے مقام پر لنگر ڈالیں گے جہاں سے دوربینوں کی مدد سے سادھو بیلہ کے بیشتر گھاٹوں کی نگرانی کی جا سکے گی۔ میرا ان سے وائرلیس پر رابطہ رہے گا۔ یوں سمجھو کہ اب کام کرنے میں مزہ آئے گا۔ میں پوری اتھارٹی اور قوت کے ساتھ ان۔۔۔ اٹھارہ جوانوں کو حرکت میں لا سکوں گا۔"

وہ بہت بڑی خبر تھی۔ رجب علی کے ٹھکانے سے رہائی ملنے کے بعد سے ہم پر بے سرو سامانی کا جو سنگین احساس غالب تھا، وہ یکلخت کافور ہو گیا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ حالات بگڑنے یا قابو سے باہر ہونے کی صورت میں ہم فوری طور پر سکھر کو خیرباد کہہ کر اس محفوظ بوٹ پر منتقل ہو سکتے تھے۔

"بس یہ خیال رکھنا کہ بوٹ کے عملے کے ذریعے کوئی خبر باہر نہ نکلنے پائے۔"

"بوٹ کا سارا عملہ ایس ٹی ایف کے ان چھ جوانوں پر مشتمل ہے۔ وہ سب تربیت یافتہ اور مستند میرینر ہیں۔ عام حالات میں وہ موٹر بوٹ چلاتے اور اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر اپنے اصل روپ میں آ جاتے ہیں۔ در اصل ہمارے کام کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ ہمارے ہر آدمی کو گوریلا لڑائی کی تربیت کے ساتھ ہی کوئی نہ کوئی ہنر یا پیشہ بھی سکھایا جاتا ہے تاکہ اجنبی علاقوں میں وہ عام لوگوں میں گھل مل کر خود کو پوشیدہ رکھ سکیں۔ اس طرح انہیں اپنا اصل کام کرنے میں ناقابلِ تصور سہولتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔"

اس وقت تک ساری ہی خبریں بہت اچھی اور حوصلہ افزا تھیں۔ میں دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ آخر تک ایسی ہی



صورتِ حال برقرار رہے تاکہ ہم ملا سرکار کے فتنے کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر سکیں۔

ملا سرکار اپنے ملک کے لئے زبردست قربانیاں دے کر برسہا برس سے پاکستان میں چپکے چپکے کام کر رہا تھا۔ اس کا یہ کہنا درست تھا کہ اس نے اپنی جوانی برباد کر کے، بڑی ریاضت کے بعد پاکستان بلکہ سندھ کے دیہی معاشرے میں اپنی ساکھ بنائی تھی جس کے ذریعے وہ اپنا منصوبہ پورا کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔

اس کا ظاہر بہت مسکین اور محبت آمیز تھا لیکن اندر سے وہ ایک خوفناک درندہ تھا اور پورے سندھ میں شورش، بدامنی اور دہشت گردی کی تحریک کا روحِ رواں بنا ہوا تھا۔ اس کی حکومت اس کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے اس قدر مضطرب تھی کہ اسلحے کی فراہمی کے لئے ٹی کے سربراہ، جمی لائیڈ کو سیاسی دباؤ کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا مگر میں ان عالمی کڑیوں کو یکجا کر کے اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ اس ہولناک سازش میں ایک بہت بڑا سقم رہ گیا تھا جس سے فائدہ اٹھا کر ایک طویل مدت کے لئے بدترین حالات سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا تھا۔

نجانے وہ ملا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی کی انا پرستی تھی یا اس کے بڑوں کی عاقبت نااندیشی کہ اتنی بڑی اور بین الاقوامی سازش کی بنیاد صرف اور صرف ملا سرکار کے وجود اور کارکردگی پر رکھی گئی تھی۔ فردِ واحد پر انحصار کی جہاں کچھ اچھائیاں تھیں، وہیں بڑے نقصانات بھی تھے۔ خود ملا سرکار نے کبھی ان سرحدی علاقوں میں اپنا جانشین پیدا کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اگر اسے راہ سے ہٹا دیا جاتا تو سازشی سرگرمیوں کے لئے اس کی جگہ اس سے بہتر اور تجربے کار شخص کا تقرر کیا جا سکتا تھا لیکن اس کی وہ ساکھ ہرگز نہ ہوتی جو ملا سرکار نے کئی عشروں میں بنائی تھی۔ اسے سندھ کے عوامی حلقوں اور ڈاکوؤں میں بیک وقت رسائی اور مقبولیت حاصل نہ ہوتی اور اس طرح ملا سرکار کی موت کے ساتھ ہی پڑوسی ملک کا سازشی منصوبہ اپنی موت آپ مر جاتا۔

برسہا برس پہلے بے روزگاری کے عالم میں چرس فروشی سے شروع ہونے والا میرا کیریئر عالمی پیمانے پر ہیروئن کی غیر قانونی تجارت میں الجھ کر ایسے موڑ پر پہنچ گیا تھا جہاں ایک طرف پیشہ ورانہ عالمی رقابتوں سے میری جان کو خطرہ درپیش تھا تو دوسری طرف میں ملا سرکار کا پیچھا کر کے اپنی دانست میں ایک بڑی قومی خدمت انجام دے رہا تھا۔

وہ سب کالے دھن کی ہولناک تباہ کاریاں تھیں۔ ہیروئن کی تجارت سے دنیا کے بہت سے ملکوں میں زیرِ زمین متوازی معیشتیں وجود میں آ چکی تھیں۔ کالا دھن جس طرف چل پڑتا تھا، اپنی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا تھا۔ موت کے سوداگروں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے خرید فروخت کی تمام اہم منڈیوں میں اسلحے کے بیباکانہ استعمال کو اس حد تک فروغ دیا تھا کہ ہیروئن کی تجارت کے ساتھ اسلحے کی اسمگلنگ ایک ناگزیر ضرورت بن گئی تھی۔ غیر قانونی اور جدید ترین اسلحے کی اس بھرمار نے ہر معاشرے میں نیم باغی اور ناآسودہ طبقات کو کھل کر اپنی ایک واضح شناخت قائم کرنے کا موقع فراہم کیا تھا جس کے نتیجے میں ہر طرف اسلحہ برداروں کے جتھے نظر آنے لگے تھے۔

ان خونی گروہوں کی تشکیل اور واضح شناخت کے نتیجے میں باہر سے آنے والوں کا کام بہت آسان ہو گیا تھا۔ وہ براہِ راست ان ہی بگڑے ہوئے، خون آشام ٹولوں پر طبع آزمائی کرتے تھے اور بہت جلد اپنے مطلب کے لوگوں تک پہنچ جانے میں کامیاب ہو جاتے تھے جنہیں عام حالات میں تلاش کرنا ناممکن ہوتا تھا۔ اس لئے مشرق سے مغرب تک، ہر طرف تشدد اور جرائم کی طوفانی لہریں موجزن نظر آ رہی تھیں جنہیں روکنے میں کہیں، کوئی کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔

اہم مقامات کے جائزے اور ضروری خریداری کے بعد ہم دونوں نے اپنا وقت یہی سب سوچتے ہوئے گزارا اور چھ بجے ہم ایک دوسرے سے الگ ہو کر اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

سات بجے میں ایک مختصر سے دستی بیگ میں اپنے حصے کا ضروری سامان لے کر ہوٹل سے نکلا تو چند سو قدم کے فاصلے پر اول خان مقررہ مقام پر میرا منتظر تھا۔

مجھ پر سرسری سی نگاہ ڈالتے ہی وہ بے پروایانہ انداز میں آگے چل دیا اور میں خاموشی سے اسی رفتار سے اُس کے پیچھے چلتا رہا۔ سکھر آنے سے پہلے ہم دونوں نے اپنی ظاہری وضع قطع میں وہ امکانی تبدیلیاں کر لی تھیں جو ہمارے بس میں تھیں۔ ہم نے اپنے سروں پر گہرے رنگوں میں چھپے ہوئے بڑے بڑے رومال لپیٹے ہوئے تھے جو بوقتِ ضرورت نقاب یا کسی حریف کا گلا گھونٹنے کے لئے بھی استعمال کئے جا سکتے تھے۔ ہمارے جسموں پر اسی تراش خراش کے لمبے اور ڈھیلے ڈھالے عوامی سوٹ تھے جو سکھر کی بیشتر آبادی کے استعمال میں تھے۔ اس طرح ہم نے اپنی انفرادیت کو شہری انبوہ میں سمونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

اندھیرا پھیلنے کے ساتھ ہی سکھر کے بازار تیزی کے ساتھ بند ہو رہے تھے۔ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ لیلیٰ وتی کے گھر رات گئے جانا خطرناک ہو سکتا تھا کیونکہ اس وقت ہر شخص ہوشیار اور چوکنا رہتا ہے اس لئے ہماری کارروائی کا آغاز ایسے وقت ہونا تھا جب شہر میں نہ بھرپور چہل پہل ہو اور نہ ہی گمبھیر سناٹا جس میں کتوں کے رونے کی آوازیں بھی میلوں دور تک سنائی دیتی ہیں۔ اول خان نے وقت کے انتخاب میں اس وقت مجھے گہری زک پہنچائی جب اس نے اخبار دیکھ کر واردات کے لئے سوا آٹھ سے پونے نو بجے تک کا انتہائی وقت مقرر کر دیا۔

"کیا تم نے اخبار سے کوئی فال نکالی ہے؟" میں نے استہزائیہ

انداز میں اس سے پوچھا تھا۔

"تم تو بہت ہوشیار ہو' خود ہی اندازہ لگالو" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

جب میں کئی کوششوں کے باوجود اس کی منطق کی تہ تک نہ پہنچ سکا تو اس نے بتایا کہ اس دن ٹیلی ویژن سے ایک بہت مقبول سیریل کی قسط نشر ہونے والی تھی۔ اس کا اندازہ تھا کہ ان اوقات میں بچے اور بڑے' سب ہی اپنے گھروں میں گھسے رہیں گے اور ہم لیلیٰ وتی کو لے کر آسانی سے نکل جائیں گے۔

ساڑھے سات بجے ہم طے شدہ نیم تاریک بازار میں مقررہ علاقے میں پہنچ گئے جہاں چند گلیوں میں قابلِ اعتماد گاڑیاں پارک کی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

میری نیت کرولا پر ہاتھ صاف کرنے کی تھی جبکہ اول خان کا تجربہ شیراڈ کا متقاضی تھا۔ یہ اس کی سوچی سمجھی رائے تھی کہ شہری علاقوں میں کسی بھی گوریلا کارروائی کے لئے شیراڈ بہترین پسنجر کار تھی۔ شاندار پک اپ کی وجہ سے اس کی رفتار پلک جھپکتے میں صفر سے انتہائی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ تنگ اور دشوار راستوں پر اسے کسی کھلونے کی طرح موڑ توڑ کر نہایت آسانی کے ساتھ نکالا جاسکتا ہے جب کہ دوسری گاڑیاں ان آزمودہ خوبیوں سے محروم تھیں۔

دو شیراڈ گاڑیاں ایسے مقامات پر پارک کی ہوئی نظر آئیں جہاں ان پر ہاتھ ڈالنا خطرناک ہوسکتا تھا لیکن تیسری ایک بند دکان کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

اول خان دور کھڑا رہا۔ میں جیب سے چابیوں کا گچھا لے کر شیراڈ کی طرف گیا۔ پہلی چابی کو قدرے آگے پیچھے کر کے گھمانے کے بعد میں نے لیورز کی ساخت کا اندازہ لگایا' پھر پہلی چابی نکال کر دوسری چابی ڈالتے ہی ہلکی سی احتجاجی آوازوں کے ساتھ [illegible] لاک کے انجر پنجر ڈھیلے ہوگئے۔

اگنیشن اور اسٹیئرنگ لاک کا بھی وہی حشر ہوا اور میں نے تیزی سے گاڑی باہر نکال لی۔ اول خان اپنی سمت کا دروازہ کھول کر پھرتی سے پسنجر سیٹ پر آگیا اور میں نے شیراڈ کی سبک رفتاری کے بارے میں اول خان کے دعووں کو عملی طور پر پرکھنا شروع کردیا' جو سو فیصد درست ثابت ہوئے۔

ہمارا شیراڈ بالکل درست جارہا تھا۔ ایک ویران سڑک پر کار دوڑاتے ہوئے میں نے چابی سے اگنیشن آف کیا تو انجن فوراً بند ہوگیا۔ جو چابی گھماتے ہی پھر بیدار ہوگیا۔ میں نے دو تین مرتبہ وہی عمل دہرایا اور مجھے یقین ہوگیا کہ میری زیادتی کے نتیجے میں تالے کے لیورز ضرور ٹوٹے تھے مگر کانٹیکٹ سوئچ پوری طرح فعال تھے۔

اول خان میری ان حرکتوں کو بغور نوٹ کررہا تھا۔ ہنس کر بولا۔

"تم کسی گوریلے کی طرح ذہین' فعال اور حاضر دماغ ہو۔ ایس ٹی ایف میں آنا چاہو تو مجھ سے ایک رینک اوپر آسکتے ہو۔"

"میں کسی ایسی فورس میں شامل نہیں ہوسکتا جس کے سرکاری یا غیر سرکاری ہونے کا تعین ہی نہ کیا گیا ہو۔ مجھے تو آج تک تمہارا رینک بھی معلوم نہیں ہوسکا۔"

"خیرپور میں انسپکٹر علی اسد کی تصدیق کے بعد بھی تمہارے ذہن میں شبہات باقی ہیں؟"

"ایک بار چاہوں تو میں بھی خود کو رانی خان کا سالا ثابت کراسکتا ہوں۔ جب تم خود کچھ نہیں جا۔نتے تو انسپکٹر یا کسی اور کی تصدیق سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

ہمیں چند منٹ سے زیادہ آوارہ گردی نہیں کرنا پڑی۔ ٹھیک آٹھ بجے ہم لیلیٰ وتی کے محلے کی طرف روانہ ہوئے تو سڑکیں اور گلیاں واقعی ویران ہوچلی تھیں' ہوٹلوں اور دوکانوں میں چلتے ہوئے ٹیلی ویژن سیٹس کے گرد لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ ٹیلی ویژن کے کسی کھیل کی مقبولیت کے بارے میں بھی اول خان کا اندازہ درست ہی ثابت ہوا تھا۔

لیلیٰ وتی کے محلے میں گلیاں بالکل ویران پڑی ہوئی تھیں اور ہر گھر سے ٹیلی ویژن کی اونچی آواز سنائی دے رہی تھی۔ لوگوں کے اجتماعی شوق کا وہ مشاہدہ میرے لئے فکر انگیز تھا۔ سلامتی اور فلاح کے راستوں پر پکارنے والے پکار پکار کر تھک جاتے ہیں لیکن چند لوگوں کے سوا کوئی ان کی دعوت کو نہیں سنتا لیکن ٹیلی ویژن' ہیروئن ہی کی طرح معاشرے کو اپنا عادی بنا چکا ہے۔ ناسمجھ بچے بھی اپنے پسندیدہ پروگراموں کی ابتدائی موسیقی خوب پہچانتے ہیں۔ مخصوص سُر اور تال سنتے ہی لوگ یوں ان طلسماتی ڈبوں کی طرف بڑھتے ہیں جیسے کوہِ ندا سے کسی مقناطیسی آواز نے انہیں پکار لیا ہو۔

شہر اور محلے کی طرح لیلیٰ کی گلی بھی ویران تھی اور میدان صاف نظر آرہا تھا۔

دشمن بہت خوفناک اور جری تھا اس لئے سب کچھ دیکھ لینے کے باوجود میرے وجود میں سنسنی خیز تلاطم سا برپا ہوچکا تھا۔ دو مرد ایک عورت کو اغوا کرنے جارہے تھے اور پھر بھی قدرے خائف تھے۔ مجھے وہ فقرے یاد آنے لگے جو میں نے جنگل میں رجب علی کے حواریوں سے سنے تھے۔

وہ ٹھیک ہی کہتے تھے کہ جس گھرانے کا ایک فرد بھی ڈاکو بن جاتا ہے' اس گھرانے کو پولیس' پٹواری' زمیندار اور بدمعاشوں کی دہشت سے نجات مل جاتی ہے۔ ہم پر لیلیٰ کا کوئی خوف نہیں تھا۔ ساری تشویش اس کے سفاک شوہر کی طرف سے لاحق تھی جو ڈاکو تھا اور صرف ہتھیاروں کی زبان میں بات کرتا تھا۔

میں نے لیلیٰ وتی کے دروازے سے تقریباً ملا کر گاڑی روک دی۔

ہم دونوں نے سب... کچھ پہلے ہی طے کرلیا تھا۔ اول خان گاڑی سے اتر کر دروازے پر گیا اور ڈور بیل بجا کر ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ ہم کو علم تھا کہ سورج ڈھلنے کے بعد لیلیٰ وتی اپنے گھر میں اکیلی



ہوتی ہے اس لئے مجھے پورا یقین تھا کہ دروازہ کھولنے کے لئے لیلیٰ وتی خود ہی دروازے پر آئے گی۔

اندھیرا پھیل چکا تھا اور اس کا پیا اندھیرے ہی میں گھر لوٹتا تھا اس لئے ایک امکان یہ بھی تھا کہ وہ گھنٹی کی آواز سن کر غلط فہمی میں مبتلا ہوجائے لیکن میرے ذہن نے فوراً ہی اس خیال کو مسترد کردیا۔

وہ ایک بہت بڑے ڈاکو کی چہیتی بیوی تھی اور ایسا کوئی دھوکا نہیں کھا سکتی تھی۔ رجب علی نے اپنی شناخت کے لئے گھنٹی بجانے کا کوئی نہ کوئی انداز مقرر کیا ہوگا جسے سنتے ہی لیلیٰ اپنے مجنوں کو پہچان لیتی ہوگی۔ لیکن ان کے میل جول کی وہ سحر انگیز کہانی اب جلد ہی اپنے انجام کو پہنچنے والی تھی۔

میرا آخری اندازہ یہ تھا کہ وہ گھنٹی کی آواز سے کوئی دھوکا نہیں کھائے گی بلکہ بند دروازے کی اوٹ سے ہی سوال جواب کر کے اول خان کو ٹالنے کی کوشش کرے گی۔

لیکن ہوٹل میں ملنے والوں نے درست ہی کہا تھا۔ وہ نر کی بیوی تھی اور اتنے بڑے گھر میں' تن تنہا کسی نرہی کی طرح رہتی تھی۔ تیز کھٹکے کے ساتھ اندر کا کنڈا کھلا اور پھر ایک چوبی پٹ پورا کھل گیا۔

میں نے شہابی رنگ' سڈول جسم اور دیومالائی خدوخال والی اُس حسینہ کو دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ کھلے ہوئے چوبی پٹ کے سامنے وہ اپنا بدن تانے اول خان کے مدمقابل کھڑی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے پوری قوت سے میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ لیلیٰ نے میرے اعصاب سن کر کے رکھ دیئے تھے۔

وہ بلاشبہ قدرت کے حسن کا ایک نادر شاہکار تھی۔ اگر سردار رجب علی پہلی ہی نظر میں اس برہمن زادی پر مرمٹا تھا تو وہ بے چارہ بالکل بے قصور تھا۔ لیلیٰ وتی کو دیکھ کر اسے حاصل کرنے کی آرزو نہ کرنا مردانگی کی شان کے خلاف تھا۔ رجب علی نے اس کے قدموں میں اپنا دل پھینک کر اپنی مردانگی کا ثبوت فراہم کردیا تھا۔ لیلیٰ وتی نے اس کے اندر چھپے ہوئے مرد کو پہچان کر' جواب میں فوراً ہی اپنا دل ہار دیا۔ میری دانست میں وہ دونوں بہت عظیم تھے۔ ان کے راستے میں گناہ کی کسی دلدل کا وجود نہیں تھا۔ اول خان کے سفاکانہ فیصلے کے بارے میں سوچ کر میرا دل تڑپ اٹھا اور میں نے ارادہ کرلیا کہ حسن و جمال کی اس پُروقار دیوی کو میں قتل نہیں ہونے دوں گا۔

"کیا بات ہے؟ کون ہو تم؟" آنے والی نے تیوری پر بل ڈال کر درشت لہجہ اپنانے کی کوشش کی لیکن اپنی جھرنے جیسی مترنم آواز کی مٹھاس کو چھپانے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔

"میں ڈانگا ہوں' جنگل سے آیا ہوں" اول خان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ لیلیٰ وتی کے حسنِ بے مثال کے روبرو بھی اسے اپنا رول یاد تھا۔

"کیوں آئے ہو؟ مختصر بات کرو!" وہ ڈپٹ کر بولی۔ اس کا داہنا ہاتھ اس کی پشت پر تھا اور بایاں ہاتھ وہ اپنی نازک سی کمر پر رکھے کھڑی تھی۔

"پولیس اور فوج جنگل میں گھس آئی ہے... کیا تم مجھے اندر نہیں بلاؤ گی؟"

"تم پاگل ہوگیا؟ اکیلے گھر میں عورت کے ساتھ اندر آنے کی بات کرتے تمہیں لاج نہیں آتی؟"

"بڑا سائیں زخمی ہوگیا ہے دیوی جی" اول خان کی آواز رُندھنے لگی "اس نے تمہیں بلایا ہے۔"

"کچھ لائے ہو؟" اس نے اپنا نرم و گداز' بایاں ہاتھ اول خان کے سامنے پھیلا دیا۔ لحظہ بھر کے لئے اس کے چہرے پر تشویش کے سائے لہرائے تھے لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا تھا۔

"اس بری خبر کے علاوہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے' دیوی جی..."

"پھر تم جھوٹے ہو' دفع ہوجاؤ یہاں سے" اس نے چیخ کر اول خان کی بات کاٹ دی "بری خبر لانے والا جب بھی آئے گا رجب علی کی نشانی کے ساتھ آئے گا اور میں اس کے ساتھ چل دوں گی... تم اپنا منہ کالا کرو یہاں سے۔"

اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ بند کرنا چاہا لیکن اول خان نے پھرتی کے ساتھ اپنا پیر اڑا کر اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔ اسی کے ساتھ اس نے پھرتی کے ساتھ اپنا پستول لیلیٰ وتی پر تان لیا۔

"ہائے رام" وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی پھر اس کا پشت کے پیچھے چھپا ہوا ہاتھ بجلی کی سی سُرعت سے سامنے آگیا جس میں ایک چمکتا ہوا دو دھاری خنجر موجود تھا۔

"رجب علی کی ڈیوڑھی پار نہ کرنا" وہ اول خان کے پستول سے ذرا بھی خوف زدہ ہوئے بغیر تحکمانہ لہجے میں بولی "تم نے دوسرا قدم اندر رکھا تو میں یہ خنجر تمہارے سینے میں اتار دوں گی۔"

"تمہارے نازک ہاتھ کانپ جائیں گے لیلیٰ وتی" اول خان کے لہجے میں خون کی پیاس اُمڈ آئی "خون کے بجائے ہم تمہارے بدن کو حنا کی لالی سے سجائیں گے۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"مجھے ہاتھ بھی نہ لگانا" اول خان کو چوکھٹ سے اندر داخل ہوتا دیکھ کر وہ پہلی بار خوف زدہ ہوگئی "جہاں ہو' وہیں سے واپس لوٹ جاؤ' میں رجب علی کی اجازت کے بغیر یہ ڈیوڑھی مر کر بھی پار نہیں کروں گی۔"

"خنجر کے بجائے میرے دل پر اپنی نظروں کے تیر چلاؤ' میں یہیں تمہاری چوکھٹ پر تڑپ تڑپ کر جان دے دوں گا" اول خان کی زبان سے وہ شاعری سن کر میں ششدر رہ گیا۔

مجھے علم تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ اس کے دل کی آواز نہیں تھی۔ اس کا مقصد لیلیٰ وتی کو مشتعل کرنا تھا تاکہ وہ غصے میں آکر کوئی غلطی کر بیٹھے اور اول خان کو اسے زیر کرنے کا موقع مل جائے۔

خنجر پر لیلیٰ وتی کی گرفت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خنجر زنی کے فن سے بھی کسی نہ کسی حد تک واقف تھی۔ اس لئے جب تک اس کے ہاتھ میں خنجر تھا' وہ اول خان کے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔

اس وقت لیلیٰ وتی اپنے دفاع میں اول خان پر خنجر سے وار کر سکتی تھی لیکن اول خان اسے ہلاک کر دینے کی خواہش رکھنے کے باوجود اس پر فائر نہیں کر سکتا تھا۔ فائر کرنے کی صورت میں آناً فاناً میں وہاں بھیڑ لگ جاتی اور ہمیں لیلیٰ وتی کی لاش وہیں چھوڑ کر فرار ہونا پڑتا جس کا واحد مقصد ہمارے منصوبے کی ناکامی ہوتا۔

ہم اس واردات کو اغوا کا رنگ دینا چاہتے تھے اس لئے لیلیٰ وتی کو اس کے گھر سے زندہ سلامت نکال لے جانا ہماری اشد ضرورت تھی۔ اپنی تحویل میں لینے کے بعد ہم اسے زندہ رکھتے یا مار دیتے' اس کا باہر کے کسی آدمی کو علم نہ ہو پاتا۔ وہی ایک نکتہ ہماری کامیابی کی کلید تھا۔

اول خان اس پر پستول تانے' قدم بہ قدم اس کی طرف بڑھتا رہا اور وہ خنجر تھامے الٹے قدموں پیچھے ہٹتی رہی۔ میں گاڑی سے اتر کر جلدی سے اندر داخل ہوا اور دروازہ بند کر کے اس سے لگ کر کھڑا ہو گیا تاکہ اتفاقی طور پر مکان کے سامنے سے گزرنے والے کسی فرد کو اندر رونما ہونے والے واقعات کا علم نہ ہو سکے۔

لیلیٰ وتی نے اول خان کا سامنا بہت دلیرانہ انداز میں کیا تھا۔ شاید اسے اس بات پر ناز تھا کہ وہ رجب علی جیسے بے جگر ڈاکو کی بیوی ہے اس لئے کوئی بھی' کبھی بھی اس کے سامنے آنے کی جرات نہیں کر سکے گا۔ اندھیرا پھیل جانے کے بعد دروازے پر آنا شاید اس کے لئے خلافِ معمول تھا اس لئے وہ خنجر اپنے ساتھ اٹھا لائی تھی۔ اس کے ذہن میں کوئی خوف ہوتا تو وہ خنجر کے بجائے کوئی ایسا ہتھیار اپنے ساتھ لے کر آتی جس کا گھوڑا دباتے ہی نال سے سیکڑوں گولیاں ابل کر اس کے بدخواہوں کے بدن چھلنی کر دیتیں۔

لیکن اول خان کے ڈٹے رہنے سے اس کا سارا ناز و انداز ہوا ہو گیا تھا اور وہ واضح طور پر خوف زدہ نظر آنے لگی تھی۔ اس کے دودھ جیسے حسین اور ملیح چہرے پر خوف کی زردی پھیل گئی تھی اور بڑی بڑی' سیاہ آنکھیں' خوف سے مزید پھیل کر پیشانی پر جا چڑھی تھیں۔

"آخر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" آخر کار اس کی آواز پر تکان غالب آ گئی۔ وہ کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح متوحش اور پریشان نظر آنے لگی تھی۔

"رجب علی نے بہت دن عیش کر لئے۔ اب ہمیں بھی موقع ملنا چاہئے" اول خان کی آواز کسی حریص' ندیدے اور بدفطرت مرد کی آواز میں بدل چکی تھی "رجب علی تمہیں اکیلا چھوڑ کر جنگل میں عورتوں اور شراب سے اپنا دل بہلاتا رہتا ہے۔ جب اس کا دل چاہتا ہے تو کسی جنگلی سؤر کی طرح تمہاری بو پر یہاں چلا آتا ہے۔ میں تمہیں دن رات اپنے دل سے قریب رکھوں گا۔ میرے ہوتے ہوئے تمہاری زندگی میں تنہائی کی کوئی رات نہیں آئے گی۔"

"جنگلی سؤر تم ہو جو شیر کی کچھار خالی دیکھ کر یہاں گھس آئے ہو۔" خوف کے باوجود وہ اپنے غصے اور حقارت پر قابو نہ رکھ سکی۔ "مرد ہوتے تو رجب علی کی موجودگی میں آتے اور اسے گرا کر مجھے جیتنے کی کوشش کرتے.... عورت اپنی زندگی میں صرف ایک مرد کو چاہتی ہے اور رجب علی میرا مرد ہے۔ میں نے اسے قول دیا ہے کہ مجھ پر کوئی بری گھڑی آئی تو میں اپنی جان دے دوں گی لیکن عزت پر آنچ نہ آنے دوں گی۔ یہ خنجر جو میرے ہاتھ میں چمک رہا ہے' میرے اسی وعدے کی یادگار ہے۔ یہ مجھے رجب علی نے دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ میں عزت سے مری تو وہ روتے ہوئے بھی پورے احترام سے میرے جنازے کو کندھا دے گا لیکن اگر میں نے کبھی اپنی آبرو کی قیمت پر زندگی کا سودا کیا تو وہ مجھے زندہ زمین میں گاڑ کر میرے چہرے پر بھیڑیے چھوڑ دے گا۔ جو اس کی سوچ ہے وہی میرا ایمان ہے...... چلے جاؤ' یہاں سے تم کو نامراد اور خالی ہاتھ لوٹنا ہوگا۔"

میرے لئے حیرت کی بات تھی کہ معاملہ اس حد تک بڑھ جانے کے باوجود اس نے شور مچانے یا مدد کے لئے کسی کو پکارنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید اس کی انا اسے خود ہی لڑتا رہنے پر اکسا رہی تھی۔

وہ الٹے قدموں پیچھے سرک رہی تھی۔ دالان سے اس کا رخ دروازے کے بجائے کمرے کی دیوار کی طرف تھا۔ چند ثانیوں کی بات تھی پھر اس کی پشت دیوار سے جا لگی۔ دیوار کا سنگین لمس محسوس کرتے ہی وہ قدرے بھڑکی۔ مگر پھر دیوار کے سہارے تن کر کھڑی ہو گئی۔

اول خان بدستور بڑھ رہا تھا۔ لیلیٰ وتی کے رک جانے کی وجہ سے ان دونوں کا درمیانی فاصلہ لمحہ بہ لمحہ گھٹ رہا تھا اور لیلیٰ وتی کے تنفس کی بڑھتی ہوئی رفتار اس کے سینے کے ہیجان انگیز زیر و بم سے ظاہر ہو رہی تھے۔

"تو تم نہیں مانو گے؟" اس نے حیرت ناک حد تک اپنے لہجے پر قابو پا کر سکون سے پوچھا۔

وہ بلا کی انا پرست تھی۔ ابتدا سے اس لمحے تک وہ لفظوں کی پیکار میں الجھی ہوئی تھی لیکن اس نے کسی کو مدد کے لئے پکارا تھا نہ اول خان سے رحم' معافی یا درگزر کی کوئی موہوم ترین التجا کی تھی۔ نفرین و ملامت کے ذریعے وہ اس معاملے کو باوقار انداز میں اس کے انجام کی طرف لے جانا چاہ رہی تھی جو ہر اعتبار سے اندوہناک تھا۔

"خنجر پھینک دو' اب تم میری دسترس میں ہو!" اول خان کا لہجہ سرد تھا۔



اچانک لیلیٰ وتی کا خنجر والا ہاتھ فضا میں بلند ہوا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ اول خان پر وار کرتی تو وہ اس کی زد میں تھا۔ اول خان بھی اچھل کر ایک طرف ہٹا لیکن لیلیٰ وتی کا وہ ہاتھ اسی سرعت سے نیچے آیا اور خنجر کا دو دھاری پھل' دستے تک اس کے سینے میں بائیں طرف پیوست ہوتا چلا گیا۔

خنجر کے پھل اور دستے کے گرد' لیلیٰ وتی کی تنگ چولی کے سفید کپڑے پر فوراً ہی خون کی گہری سرخی پھیل گئی۔ وار اس قدر کاری تھا کہ لیلیٰ وتی کے منہ سے ایک شدید ہچکی کے سوا کوئی آواز نہ نکل سکی۔ خوابناک انداز میں اس کی غزالی آنکھوں پر شربتی پپوٹے گرتے چلے گئے۔ اول خان بوکھلا کر اس کی طرف لپکا اور اس کی دیوار سے فرش پر پھسلتے ہوئے نرم و گداز وجود کو سہارا دینا چاہا تو اس کے چہرے پر اندوہناک کرب کی سیاہی پھیل گئی۔

ڈاکو کی بیوی اپنے بدن پر اجنبی ہاتھوں کا لمس محسوس کرنے سے پہلے اپنی جان سے گزر چکی تھی۔

"یہ تو مر گئی ڈیئی!" لیلیٰ وتی کے بے جان' مرمریں وجود کو فرش پر ڈال کر اول خان نے معصومانہ حیرت کے ساتھ مجھ سے کہا جیسے اسے لیلیٰ وتی کی موت پر یقین نہ آیا ہو۔

میں دروازہ بولٹ کر کے دالان میں آ چکا تھا۔ میں نے آہستگی سے کہا "کیوں دل چھوٹا کرتے ہو یار! اس بے چاری کو تو بہرحال مرنا ہی تھا۔ تمہیں اس کا احسان مند ہونا چاہئے کہ اس نے خودکشی کر کے تمہیں ایک قتل کے بوجھ سے بچا لیا۔ ویسے یہ بہت عجیب اور پُرعزم لڑکی تھی۔"

"خدا کی قسم' میں نے اسے دیکھتے ہی' اسے زندہ رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس جیسی حسین' دلیر اور باوفا عورت کو تو کوئی سنگدل جنونی ہی مار سکتا ہے۔ میں نے آج تک اس جیسی کوئی دوسری عورت نہیں دیکھی۔"

اس نے غیر ارادی طور پر لیلیٰ وتی کے سینے میں پیوست خنجر نکالنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ میں نے اسے ٹوک دیا اور اسے بھی فوراً ہی اپنی غلطی کا خیال آ گیا۔

لیلیٰ وتی نے نہایت صاف ستھرے انداز میں خودکشی کر لی تھی لیکن ملا سرکار کے گرد اپنا جال مضبوط کرنے کے لئے ہمیں اس کی لاش کو وہاں سے اٹھا کر لے جانا تھا تاکہ اس کے اغوا کا ڈراما رچا کر ملا سرکار اور رجب علی میں جوتے چلوا سکیں۔ لیلیٰ وتی کی خودکشی کا ہم دونوں کے علاوہ کوئی گواہ نہیں تھا۔ ہم اس کی لاش لے جاتے تو کسی کو کانوں کان بھی پتا نہ چلتا کہ لیلیٰ وتی کو مرنے کے بعد لے جایا گیا تھا یا وہ زندہ اغوا کی گئی تھی۔

اس بے مثال اور پُروقار لڑکی کی لاش جوان اور تازہ تھی۔ اس کے دل میں پیوست خنجر نکالا جاتا تو اس کے زخم سے اس قدر خون بہتا کہ لاش کو کار میں لے جانے تک ہم دونوں خون میں نہا جاتے۔ اسی وجہ سے میں نے خنجر زخم میں چھوڑ دینا ضروری سمجھا تھا۔ اس کی چولی پر آیا ہوا داغ اور خنجر کا دستہ ایک تکیے اور چادر کے نیچے چھپایا جا سکتا تھا۔

لیلیٰ وتی کی لاش کو ہم دونوں بہت پھرتی کے ساتھ ڈیوڑھی تک لائے تھے کیونکہ ساڑھے آٹھ بج رہے تھے اور میں ٹیلی ویژن ڈراما ختم ہونے سے پہلے وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

اجرک میں لپٹی ہوئی لاش فرش پر ڈال کر میں نے دروازہ کھولا اور گلی کا جائزہ لیا جو بدستور ویران پڑی ہوئی تھی۔ محلے کے مکین اپنے گھروں میں ڈراما دیکھنے میں منہمک تھے۔

میں نے وزنی بولٹ گرا کر نکاسی کے دونوں پٹ کھول دیئے پھر نیچے جا کر شیراڈ کا عقبی دروازہ بھی کھول دیا۔ ہم دونوں نے بہت تیزی کے ساتھ لیلیٰ وتی کی لاش شیراڈ کی عقبی نشست پر منتقل کی تھی۔ ان کوششوں میں خنجر کا پھل ہلنے جلنے کی وجہ سے لاش کے زخم سے کچھ خون بھی جاری ہوا لیکن ہم مجموعی طور پر کسی مداخلت کے بغیر لیلیٰ وتی کی لاش اپنے ہمراہ لے کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

سردار رجب علی اور لیلیٰ وتی کے مکان کے داخلی دروازے کے دونوں پٹ میں نے دانستہ کھلے چھوڑ دیئے تھے تاکہ ٹیلی ویژن ڈراما ختم ہوتے ہی لیلیٰ وتی کے اغوا کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل جائے۔

شیراڈ کی افادیت کا صحیح ثبوت اس وقت ملا جب بدترین ذہنی دباؤ کے عالم میں ہم آناً فاناً فیکٹری ایریا کی متروکہ بسکٹ فیکٹری میں پہنچ گئے۔ کار چوری کی تھی۔ اس کا انجن طاقتور تھا اس لئے اسے احاطہ کی گری ہوئی دیوار کے ملبے سے گزار کر ہم براہِ راست کنوئیں تک پہنچ گئے جس کے اندر ہر طرف مکڑی کے جالے تنے ہوئے تھے۔

لیلیٰ وتی جیسی باوقار اور پُرشکوہ دوشیزہ کا وہ انجام بہت دل گداز تھا لیکن ہمارے پاس کوئی متبادل راہ موجود نہیں تھی اس لئے ہم نے وہ لاش تکیے' چادر' اجرک اور خنجر سمیت یوں ہی کنوئیں میں ڈال دی۔

کنوئیں کی تہ میں ایک پرشور چھپاکا ہوا اور ہم شیراڈ میں وہاں سے واپس روانہ ہو گئے۔

شیراڈ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ہم نے قینچی والے پل کے قریب ایک میدان کا انتخاب کیا ہوا تھا۔ کار وہاں چھوڑنے کے بعد ہم سڑک تک آئے اور تانگہ لے کر ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔

سب کچھ ہماری توقعات کے عین مطابق بلکہ اس سے بھی آسان انداز میں رونما ہوا تھا۔ ہمارا نصف مقصد حاصل ہو چکا تھا۔

اور اول خان کو کسی قتل کا ارتکاب نہیں کرنا پڑا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ لیلیٰ وتی کے اغوا کے ڈھکوسلے کے بعد ہم ملا سرکار اور رجب علی کو لڑوانے میں کہاں تک کامیاب ہوتے تھے۔

لیلیٰ وتی اور اس کے باپ ہیرا لعل کے فون نمبر ہم دن ہی میں دریافت کرچکے تھے۔ میری دلی خواہش تھی کہ ملا سرکار کے حوالے سے تاوان کا مطالبہ جلد از جلد ہیرا لعل تک پہنچا دیا جائے تاکہ کم سے کم وقت میں اس حکمتِ عملی کے نتائج ہمارے سامنے آنا شروع ہوجائیں۔

اس پیغام رسانی کے لئے ہوٹل کا فون استعمال کرنا خطرناک ہوسکتا تھا اس لئے ہوٹل میں چائے پی کر میں فوراً ہی تار گھر کی طرف چل دیا جہاں فون کی سہولت موجود تھی۔

ہیرا لعل کا ایک نمبر مصروف تھا۔ دوسرے نمبر پر ایک روہانسی نسوانی آواز نے میری کال وصول کی۔ پس منظر میں بہت سے لوگوں کی دھاڑیں مار مار کر رونے اور بَین کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

"مجھے سیٹھ ہیرا لعل سے بات کرنا ہے۔" میں نے سپاٹ اور سرد لہجے میں کہا۔

"پھر کسی وقت بات کرلینا' اس وقت ان کی حالت خراب ہے۔" عورت نے ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان' بدقّت تمام کہا۔ "اُن کی بِٹیا کو بدمعاش اٹھالے گئے ہیں۔"

"انہیں بلاؤ' مجھے بِٹیا ہی کے بارے میں کچھ کہنا ہے۔" میں نے سختی سے کہا۔

"ہائے میرے مَیّا!" عورت کی اضطراری آواز سنائی دی اور وہ مجھ سے کچھ کہے بغیر ریسیور رکھ کر اونچی آواز میں دہائیاں دے دے کر لوگوں کو بلانے لگی۔ اس کی آوازیں مجھے واضح سنائی دے رہی تھیں۔

"ہاں بھائی!" چند منٹ کے انتظار کے بعد ریسیور پر ایک تھکی ہوئی اور بوڑھی آواز سنائی دی "کون ہو اور اس وقت بِٹیا کے بارے میں کیا بات کرنا چاہتے ہو؟"

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' وہ کان کھول کر اور بہت غور سے سننا۔" میں نے تاکید کی۔

"بہت اچھا۔" میری سخت ہدایت اور کرخت آواز نے شاید بڈھے کا دم نکال دیا تھا۔

"تم نے پولیس وغیرہ سے رجوع کیا تو لیلیٰ وتی کی لاش تک کو ترستے رہو گے۔ کسی سے بھی ذکر کئے بغیر اس کے آدمی' رجب علی کو پیغام پہنچا دو کہ چار دن میں ملا سرکار کو ایک کروڑ روپیہ نہ ملا تو لیلیٰ وتی ماردی جائے گی۔"

"ایک کروڑ روپیہ؟" وہ شاید ناک سمیت ہل کر کہہ اٹھا تھا۔

"ہاں' یہ پیغام تمہیں اس لئے دیا جارہا ہے کہ رجب علی جنگل میں ہے۔ وہ دوسروں سے مال لیتا ہے۔ اس کو یہ رقم دینے میں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"ملا سرکار کون ہے؟" ہیرا لعل بہت خوف زدہ محسوس ہورہا تھا۔

"رجب علی سب کچھ جانتا ہے۔ تم ہمارا پیغام اسے پہنچا دو۔ ہم دوبارہ بات نہیں کریں گے۔ چار دن کی مدت تک رقم کا انتظار کیا جائے گا۔ پھر لیلیٰ وتی کی لاش بھیج دی جائے گی۔"

"خدا کے لئے میری بچی کو کوئی دکھ نہ پہنچانا۔" ہیرا لعل کو اس کٹھن گھڑی میں نہ جانے کیوں خدا یاد آگیا "میں نے اسے بڑے ناز و نعم سے پالا ہے......"

وہ نجانے مزید کیا کچھ کہنے والا تھا۔ میرے لئے زیادہ دیر تک بات کرنا خطرناک ہوسکتا تھا اس لئے میں نے مزید کچھ سنے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

اول خان اپنے کمرے میں بہت بے چینی کے ساتھ میرا انتظار کررہا تھا۔

"کیا رہا؟" مجھے دیکھتے ہی اس نے بے تابانہ لہجے میں سوال کیا تھا۔

اُس کی بے چینی پر میں پھیکے انداز میں مسکرادیا "اب تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ چند روز تک ہمیں صرف اور صرف انتظار کرنا ہوگا۔ ویسے میں لیلیٰ کے باپ کو پیغام دے آیا ہوں۔"

"شش!" اول خان نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا "آئندہ اس کا نام بھی نہ لینا۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ آئندہ سے اس کا نام استانی ہوگا۔"

"ٹھیک ہے استاد! جیسا چاہو گے وہی ہوگا۔" میں نے ماحول کا بوجھل پن کم کرنے کے لئے کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ لیلیٰ وتی کی غیر متوقع خودکشی نے ہم دونوں کو ہی ملول اور رنجیدہ کردیا تھا۔

سکھر میں سینہ بہ سینہ چلنے والی خبریں بہت تیزی سے سفر کرتی ہیں۔ ہم نیچے ہوٹل میں بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے کہ لیلیٰ وتی کے اغوا کی خبر سنسنی خیز اضافوں کے ساتھ وہاں بھی پہنچ گئی۔

ہمارے لئے ان افواہوں میں فطری غیر جانبداری کے ساتھ دلچسپی لے کر تبادلۂ خیال میں حصہ لینا ممکن نہیں تھا اس لئے کھانے کے بل کی ادائیگی کے ساتھ ہم جلد ہی اوپر اپنے کمروں میں لوٹ آئے۔

ہم اپنے حصے کا ابتدائی کام کرچکے تھے اور اب ہمارے پاس انتظار کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ اگلی صبح انسپکٹر علی اسد کو فون کرکے میں صحیح صورتِ حال کا اندازہ کرسکوں گا۔



انسپکٹر علی اسد فون پر میری آواز پہچان کر اپنی اضطراری حیرت پر قابو رکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ "آخر کار تم نے اپنے پروگرام کے مطابق کامیابی حاصل کرہی لی؟"

"زندہ رہنے کے لئے کامیاب ہونا ضروری تھا... بصورتِ دیگر ہم خود مارے جاتے۔"

"اس وقت تم کس شہر میں اور کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"سکھر کے مون لائٹ ہوٹل میں وقت گزار رہے ہیں کیونکہ اب ہم صرف انتظار ہی کرسکتے ہیں۔"

"فون پر زیادہ بات نہیں کی جاسکتی۔ میں شام تک خود ہی تم سے ملوں گا۔"

"مگر کیسے؟" اس بار میری حیران ہونے کی باری تھی کیونکہ اُس کی تجویز ہی کچھ ایسی تھی۔

"مجھے خیرپور سے سکھر طلب کرلیا گیا ہے۔ شام تک وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

"تو ہم کس تھانے میں تمہارا انتظار کریں؟ ہمارے لئے زیادہ دیر تک...."

اس نے میری بات درمیان ہی سے کاٹ دی۔ "تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں' میں خود تم سے رابطہ کرلوں گا۔ بس اپنے ہوٹل سے زیادہ دیر کے لئے غائب نہ ہونا۔"

"بہت بہتر!" میں نے گفتگو کا سلسلہ وہیں موقوف کرکے فون بند کردیا۔

میرے لئے وہ بہت بڑی خبر تھی۔ ہم جو کچھ کررہے تھے' اس کے لئے ایک طرف اوّل خان کی اسپیشل ٹاسک فورس کی مدد حاصل ہونے کی قوی امید ہوچلی تھی اور شہری محاذ پر انسپکٹر علی اسد کی آمد ہمارے لئے مددگار ثابت ہوسکتی تھی۔ ہماری نشان دہی پر وہ پولیس کی قوت اور نفری کو ملّا سرکار اور سردار رجب علی کے خلاف نہایت مؤثر طور پر استعمال کرسکتا تھا۔ مجھے محسوس ہونے لگا تھا کہ اس بہانے' ملا سرکار کی موت کا وقت قریب آچکا تھا۔

سردار رجب علی کی بیوی نے اپنے اغوا سے پہلے ہی' اپنے گھر میں خنجر سے خودکشی کرلی تھی لیکن یہ راز پورے شہر میں میرے اور اول خان کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔

لیلیٰ وتی نے اپنے دل میں تیز دھار خنجر اتنی نفاست کے ساتھ گھونپا تھا کہ خنجر کے لگائے ہوئے کاری زخم سے خون کی ایک بوند بھی نہیں بہہ سکی تھی۔ بعد میں اس کی لاش کار تک لے جانے میں ہم دونوں نے بھی پوری احتیاط سے کام لیا تھا اس لئے کسی کو کانوں کان بھی خبر نہیں ہوسکی تھی کہ لیلیٰ وتی کی خودکشی کے بعد اُس کی لاش ایک ویران بسکٹ فیکٹری کے متروک کنوئیں میں پھینک دی گئی تھی۔

اس کے سنسنی خیز اغوا کی خبریں رات ہی سے شہر میں پھیلنی شروع ہوگئی تھیں لیکن صبح تک ان خبروں کے تیور بدل گئے۔ شہر کے رہنے والے امن و امان کی طرف سے فکرمند نظر آنے لگے تھے۔

سننے میں آیا تھا کہ سردار رجب علی کو رات ہی کو اپنی چہیتی بیوی کے اغوا کی خبر مل گئی تھی اور اس کی طرف سے صبح کے چار بجے ایک قاصد نے سکھر پریس کلب کے سکریٹری کو نیند سے بیدار کرکے ایک خط دیا تھا جس کے مندرجات کے بارے میں شہر میں بھانت بھانت کی افواہیں پھیلی ہوئی تھیں۔

ان تمام افواہوں میں صرف دو باتیں مشترک تھیں جو میرے لئے اہم تھیں۔

اول یہ کہ سردار رجب علی نے شہر کی انتظامیہ کو وارننگ دی تھی کہ اگر اگلے چوبیس گھنٹوں میں' لیلیٰ وتی کو زندہ اور باعزت طریقے سے برآمد کرکے اُس کے گھر نہ پہنچایا گیا تو وہ مدت پوری ہوتے ہی رجب علی اپنے مسلح ساتھیوں کے ہمراہ سکھر پر دھاوا بول کر پورے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔

دوسری افواہ میں ملّا سرکار کا نام ہر ایک کی زبان پر تھا۔ سردار رجب علی اس معاملے میں میری توقع کے عین مطابق جذباتی رویّے کا شکار ہوگیا تھا۔ سکھر پریس کلب کے سکریٹری کے ذریعے بھیجے گئے پیغام میں اس نے انتظامیہ کو ملّا سرکار کی طرف متوجہ کیا تھا جو 'غریب اور مظلوم' ڈاکوؤں کو ورغلا کر انہیں اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کررہا تھا۔ افواہوں میں ملّا سرکار کے مذموم عزائم کی تفصیلات تھیں' نہ سردار رجب علی سے ایک کروڑ روپے کے تاوان کی طلبی کا کوئی ذکر تھا۔ شاید رجب علی کی انا نے اُسے تاوان کا ذکر کرنے سے روک دیا تھا۔ وہ خود برسہا برس سے دوسروں سے تاوان وصول کرتا چلا آرہا تھا۔ اس لئے اُس کے لئے یہ اعتراف کرنا کسرِ شان کے مترادف ہوتا کہ اس کا کوئی ایسا حریف بھی میدانِ عمل میں اتر آیا تھا جو لیلیٰ وتی کی بازیابی کے لئے اُس سے بھاری تاوان کا مطالبہ کررہا تھا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ میں لیلیٰ وتی والے معاملے کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے میں کامیاب رہا تھا۔ ناکامی اس حد تک ہوئی تھی کہ ہم لیلیٰ وتی کو زندہ اغوا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے مگر ہمارے دل صاف تھے۔ ہم نے اس نومسلم برہمن زادی کی ذرا بھی بے حرمتی نہیں کی تھی۔ ہماری پوری کوشش رہی کہ اسے زندہ رکھا جائے لیکن وہ اپنے شوہر کی طرف سے غرور کے احساس میں مبتلا تھی اور یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ روئے زمین پر کوئی شخص اسے ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے۔ جوں ہی اسے اندازہ ہوا کہ وہ مشکل میں گھر گئی تھی' اس نے خاموشی کے ساتھ خود ہی اپنی زندگی کا چراغ گل کرلیا۔

اس سے آگے سب کچھ اُسی طرح ہوا تھا جس طرح میں نے سوچا تھا۔

لیلیٰ دتی کے اغوا کی خبر ہر طرف جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی۔ اس کے باپ سے 'ملا سرکار کی طرف سے ایک کروڑ کے نقد تاوان کے مطالبے کی خبر سردار رجب علی تک پہنچ گئی تھی جس کے ردِ عمل میں تحقیق کئے بغیر' سردار رجب علی' ملّا سرکار کے لہو کا پیاسا ہو گیا تھا اور عملی طور پر نہ سہی' زبانی حد تک وہ دونوں حلیف فی الفور ایک دوسرے کے مدِ مقابل آ گئے تھے۔ سردار رجب علی نے غضبناک ہو کر جارحانہ تیور اپنائے تھے کیونکہ لیلیٰ دتی اپنے گھر سے غائب تھی اور اُس کے باپ سے فون پر تاوان کی ادائیگی کا مطالبہ کیا گیا تھا لیکن ملا سرکار کے فرشتوں کو بھی اس پُرپیچ کھیل کے سرپیر کا کچھ پتا نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ خبریں سن کر ملّا سرکار چکرا کر رہ گیا ہو گا۔

یہ ہماری خوش نصیبی تھی کہ ہم گھنے جنگلات میں سردار رجب علی کے منظم گروہ کے ساتھ وقت گزار کر اس خوش اسلوبی کے ساتھ' ملا سرکار کا سامنا کئے بغیر واپس لوٹ آئے تھے کہ ملّا سرکار کے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتا تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ لیلیٰ دتی کے اغوا میں ہم لوگوں کا ہاتھ رہا ہو گا۔ اس لئے سردار رجب علی کا غصہ ٹھنڈا کرنے اور اصل معاملے کا کھوج لگانے کے لئے اسے مدافعانہ رویّہ اختیار کرنا پڑتا جو صرف اسی صورت میں کارگر ثابت ہو سکتا تھا کہ سردار رجب علی افہام و تفہیم کے لئے اس سے ملنے پر آمادہ ہو جاتا۔

سردار رجب علی' ملا سرکار کے خلاف اپنے بغض و عناد کا مظاہرہ کر کے اپنی چال چل چکا تھا اور اب ملّا سرکار کی باری تھی۔ وہ غدّار دہشت گرد اپنی سازش کے ایسے نازک مرحلے پر پہنچا ہوا تھا کہ اس وقت وہ اپنے کسی بھی ساتھی کی بغاوت اور سرکشی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے اُسے ہر قیمت پر اور جلد از جلد رجب علی سے رابطہ کرنا تھا تاکہ وہ اُس سے مل کر نہ صرف پوری صورتِ حال سے واقفیت حاصل کر سکے بلکہ اس سے مصالحت کی راہ بھی ہموار کر سکے ورنہ رجب علی جیسے دلیر' مقبول اور بارسوخ ڈاکو کے لئے ملّا سرکار کو ٹھکانے لگانا مشکل کام نہیں تھا۔

ملا سرکار' سردار رجب علی کے ہاتھوں مارا جاتا یا ہمارے ہاتھوں جہنم واصل ہوتا' دونوں صورتوں میں ہمارے مقاصد پورے ہوتے نظر آ رہے تھے۔

اپنی زندگی میں ملّا سرکار بلا شرکتِ غیرے سندھ کے سارے ڈاکوؤں' دہشت گردوں اور مہم جُو مجرموں کا سرغنہ اور پشت پناہ بنا ہوا تھا۔ وہ جس طرح خطرناک اسلحہ غاروں اور جھاڑیوں میں رکھوا کر ڈاکوؤں کو بشارتیں سناتا پھرتا تھا ان کی وجہ سے جنگلوں کے بیشتر باسی' اس کی روحانی قوتوں کے قائل ہو کر اسے اپنا پیر تسلیم کرنے لگے تھے۔ سردار رجب علی' لیلیٰ دتی کے معاملے میں اس سے بدظن ہو گیا تھا تو ضروری نہیں تھا کہ جنگلوں میں چھپے ہوئے سارے ڈاکو اس کے ہم نوا بن کر ملّا سرکار کے لہو کے پیاسے ہو جاتے۔ ان میں آپس کی دشمنیاں اور خون آشام لڑائیاں عام سی باتیں تھیں۔ کچھ گروہ رجب علی سے مل جاتے تو بعض گروہ ملا سرکار کی حمایت میں ان کے خلاف صف آرا ہو جاتے۔ اس طرح ان قانون شکن قوتوں کے مہلک وسائل ایک دوسرے کی تباہی کے لئے حرکت میں آ جاتے۔ ان کے درمیان چھڑنے والی خون ریز لڑائیاں شہروں اور آبادیوں کو ان کے آئے دن کے حملوں سے نجات دلا دیتیں اور چند ہفتوں کی ہی مدت میں وہ بڑے بڑے مسلح جتھے ایک دوسرے کو اس طرح تباہ کر ڈالتے کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی ایک ہی یورش میں ان کے قدم اکھڑ جاتے اور امن و امان کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل ہو جاتا۔

دوسری طرف آرنیٹ کا سفارت خانہ "کاؤنسلیٹ" اور ملک اسلحے کی فراہمی کے لئے جی لائیڈ کے ذریعے شی پر شدید دباؤ ڈال رہا تھا۔ ان لوگوں کی دانست میں پڑوسی ملک کے خفیہ ادارے' ملا سرکار کی سربراہی میں' اپنے تخریب کاروں کے ذریعے ایسی سازگار فضا پیدا کر چکے تھے کہ سندھ کی ساری امن دشمن قوتیں ان کے ساتھ صف آرا ہو گئی تھیں۔ مہلک' جدید اور دور مار اسلحہ مل جانے پر وہ لوگ حکومت بلکہ ریاست کے خلاف ایک بدترین محاذ کھول کر علاقے کا جغرافیہ بدل دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس پورے منصوبے میں کلیدی کردار ملّا سرکار کا تھا کیونکہ اسلحے کی ہر کھیپ اسی کے حوالے کی جانی تھی۔ اس کی روپوشی کا بہانا بنا کر ویرا لائیڈ اپنے باپ کے بدترین دباؤ کا مقابلہ کر رہی تھی لیکن میں اچھی طرح جانتا تھا کہ آرنیٹ کا ملک بہت بڑی طاقت تھا۔ پاکستانیوں کی خواہشات کے برعکس ان کے کاؤنسلیٹ تک کو ہماری سرزمین پر من مانی کرنے کی خود ساختہ آزادیاں حاصل تھیں۔ انہوں نے ویرا کے بدن میں ایک چپ چھپا کر اس کی نقل و حرکت کی کڑی نگرانی کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان حالات میں ویرا زیادہ دیر تک دباؤ کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔ اگر شی کے بیٹوں یا آرنیٹ کے کاؤنسلیٹ کو شبہ بھی ہو جاتا کہ ویرا ان کے مفادات کے خلاف کام کر رہی ہے تو وہ پُراسرار طور پر کسی دردناک انجام سے دوچار ہو سکتی تھی۔

ویرا لاکھ چالاک اور دلیر سہی لیکن ہیروئن کی بے پناہ دولت کے سہارے دنیا کے حسّاس اور تغیر پذیر علاقوں میں اسلحے کا بھیانک کھیل کھیلنے والی خوفناک بین الاقوامی تنظیموں کے بے اندازہ وسائل کے سامنے فردِ واحد سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھی۔ وہ لوگ پوری بے رحمی کے ساتھ اسے کچل کر اس کا متبادل میدان میں لانے کے اہل تھے۔ اس کھیل کو ناکام بنانے کے لئے ملّا سرکار کا مارا جانا ناگزیر تھا کیونکہ پاکستان کی سرحدوں میں اس جیسا معتبر اور چالاک متبادل کھڑا کرنا کسی کے بس میں نہیں تھا۔

ملا سرکار اس پوری گھناؤنی سازش کا مرکزی ستون' بلکہ محور تھا۔ اسے جہنم واصل کر کے ہم موت کے بین الاقوامی سوداگروں کی ایک بڑی سازش کو ناکام بنا سکتے تھے۔

وہ سب قیاس ہی قیاس تھے جو حقیقت سے قریب تر تو کہے جا سکتے تھے لیکن حقیقت بہر حال نہیں تھے۔ حقیقت جاننے کے لئے ملا سرکار کے ذہن تک رسائی ضروری تھی۔

معاً مجھے اس ٹرانسیٹر کا خیال آیا جو کوٹ مندو کی کارروائی میں ہمارے ہاتھ آیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ انسٹرومنٹ بھی کراچی میں ہماری تحویل میں تھا جس کے ذریعے ملّا سرکار' ویرا سے رابطہ کیا کرتا تھا۔ ان دونوں آلات کی ساخت اور رینج میں فرق تھا لیکن میرا خیال تھا کہ ان دونوں کو آن رکھ کر ہم کسی بھی وقت ملا سرکار کی آواز میں کوئی پیغام سننے کی قوی امید کر سکتے ہیں۔

لیکن مسئلہ یہ تھا کہ کراچی سے ہم سردار رجب علی کے گروہ میں شامل ہونے کا ارادہ کر کے چلے تھے اس لئے کسی ہتھیار سمیت کوئی بھی ایسی چیز اپنے ساتھ نہیں لائے تھے جس کی وجہ سے ہماری حیثیت ڈاکوؤں کی نگاہ میں مشکوک ہو جاتی اور وہ ہمیں مخبر قرار دے کر کوئی اذیت ناک فیصلہ کر گزرتے۔

"ان کا ہونا بہت ضروری ہے۔" اول خان میری بات سنتے ہی بے چین ہو گیا۔ "وہ دونوں اپریٹس اس وقت فیصلہ کن ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"میں بھی سمجھ رہا ہوں کہ اس وقت ہمیں اپنے سارے وسائل کو بروئے کار لانا چاہئے ورنہ ملّا سرکار کے خلاف ہمیں ایسا دوسرا موقع نہیں مل سکے گا لیکن ساری بات فاصلے کی ہے۔ کراچی ہم یہاں سے قریب نہیں ہے۔"

"وہ سلطان شاہ کے پاس ہی ہیں نا؟" اول خان نے سوال کیا۔

اسے میرے اور میرے ساتھیوں کے بارے میں اُسی قدر معلوم تھا جتنا میں نے اسے بتایا تھا۔ اس سے آگے اس نے کبھی مجھے کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی اس لئے سلطان شاہ سے آگے اس کی معلومات صفر تھیں۔

میرا جواب اثبات میں سن کر وہ اسی اضطراب کے عالم میں بولا۔ "کراچی سے سکھر کے لئے تقریباً ہر شام ایک پرواز روانہ ہوتی ہے۔ اگر تم اسے فون کر دو تو شام تک وہ اپریٹس یہاں لا سکتا ہے۔"

"اس وقت تک ہمیں اسی ہوٹل میں رہنا پڑے گا؟" میں نے کہا۔

وہ بے پروائی سے بولا "اس کی فکر نہ کرو۔ انسپکٹر کی کال آئے تو تم چلے جانا۔ میں سلطان شاہ کا انتظار کروں گا اور اگر موٹر بوٹ پر مامور ایس ٹی ایف کے عملے کی طرف سے کوئی خبر آئی تو میں اسے سنبھال لوں گا۔ ہم لوگ دن کی روشنی میں محتاط رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ رات سے پہلے صورتِ حال میں کوئی بڑی تبدیلی رونما نہیں ہو گی۔ اس بہانے سلطان شاہ بھی اس مہم میں شریک ہو جائے گا۔"

میں ایک بار پھر باہر چلا گیا تاکہ کراچی فون کر سکوں۔

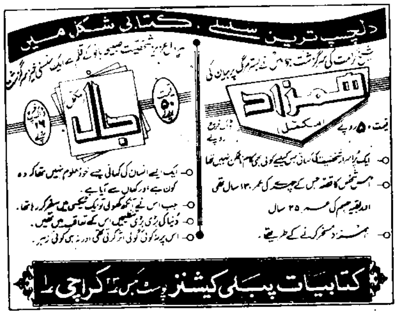
کراچی میں فلیٹ مخدوش ہو چکا تھا کیونکہ آرنیٹ کے قاصد نے ویرا کے بدن میں چھپے ہوئے چپ کے سہارے اس کا سراغ لگا لیا تھا۔ ان لوگوں کو چکر دینے کے لئے ویرا کے بدن سے چپ نکال کر ملک کے شمالی علاقے کی طرف بھیج دیا گیا تھا جہاں وہ کسی آزاد اور بلند پرواز پرندے کے پیر سے باندھ دیا جاتا اور آرنیٹ اپنے مانیٹرنگ یونٹ پر چپ کا تیزی سے بدلتا ہوا محلِ وقوع دیکھ کر اپنا سر پیٹتا رہ جاتا۔

اس کو نچادینے کے لئے ان تینوں نے فلیٹ چھوڑ دیا تھا۔ غزالہ کو میں نے جہانگیر کے گھر منتقل ہونے کا مشورہ دیا تھا جہاں سیٹھ حبیب جیوانی کی بیوی پہلے ہی سے جہانگیر کی قید میں تھی اور اُس کی بیوی سلمٰی چند روز کے لئے اسپتال میں داخل تھی۔ ویرا اور سلطان شاہ کو اس دوران میں کسی ہوٹل میں قیام کر کے ملا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی کا سراغ لگانا تھا لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ دونوں کہاں مقیم ہوں گے۔

ان تینوں کو میرے اصل مشن کی ہوا بھی نہیں لگ سکی تھی۔ میں نے انہیں صرف اتنا بتایا تھا کہ شاید مجھے ایس ٹی ایف کے کسی اعلیٰ افسر کے ساتھ دوبارہ کوٹ مندو جانا پڑ جائے۔ اس موقع پر اگر میں ڈاکوؤں کے ٹولے میں اپنی شمولیت کا ذرا بھی ارادہ ظاہر کرتا تو غزالہ کسی بھی قیمت پر مجھے کراچی سے نکلنے کی اجازت نہ دیتی۔

میں نے پبلک کال آفس سے جہانگیر کے گھر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے فوراً ہی غزالہ کی مہذب لیکن مترنم آواز سنائی دی۔ اور متوقع باز پُرس کے خیال سے میرے دل کی دھڑکنیں اچانک تیز ہو گئیں۔

میری آواز پہچانتے ہی غزالہ شکوے لے بیٹھی "تمہاری بلا سے' میں جہاں بھی ہوں اور جیسی بھی ہوں۔ کچھ بتائے بغیر ایسے گئے ہو کہ پلٹ کر خبر ہی نہیں لی۔"



"میں بہت بری طرح پھنسا ہوا تھا غزالہ!" میں نے نرم بلکہ خوشامدانہ لہجے میں کہا "فرصت پاتے ہی تمہیں فون کر رہا ہوں میں ایک لمحے کے لئے بھی تمہارے خیال سے غافل نہیں رہا۔"

اس نے ابتدا کڑے تیوروں کے ساتھ کی تھی لیکن میرے مسلسل مصالحانہ رویّے اور زہرہ گداز مزاج پرسی نے اس کا سارا جوش و خروش چند ہی ثانیوں میں ٹھنڈا کر دیا۔

"میری آواز سنتے ہی تم۔ نے اپنی شکایتوں کے دفتر کھول لئے لیکن مجھ سے یہ تک نہیں پوچھا کہ میں کہاں اور کس حال میں ہوں؟" میں نے موقع پاتے ہی اسے گھیر لیا۔

"میں تمہاری طرف سے فکر مند ضرور رہی ہوں لیکن میرا دل ہر لمحے یہ گواہی دیتا رہتا تھا کہ تم بالکل خیریت سے ہو۔ یہ بتاؤ کہ اب واپس کب آ رہے ہو اور کہاں سے بول رہے ہو؟"

"میں سکھر میں ہوں اور شاید کل تک واپس لوٹ آؤں۔" میں نے کہا۔

"سکھر!" ریسیور میں اس کی تحیر زدہ آواز ابھری۔ "کیا کل رات بھی تم وہیں تھے؟"

"کیا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟" میں نے ہنستے ہوئے سوال کیا۔

"آج کے اخبارات میں سکھر سے لیلیٰ وتی کے اغوا کی خبریں چھپی ہیں۔" اس کی معنی خیز آواز سنائی دی۔ "وہ سردار رجب علی نامی' کسی بڑے ڈاکو کی نومسلم بیوی ہے۔ اس سے پہلے رجب علی بے شمار مال دار لوگوں کو اغوا کر کے ان کے ورثا سے بھاری تاوان وصول کرتا رہا ہے۔"

"مجھے اس کے بارے میں علم نہیں۔ ویسے بھی فون پر اس بارے میں بات کرنا مناسب نہیں۔ یہ بتاؤ کہ وہ دونوں کس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟" میں نے اس کی بات ٹال کر روا روی میں سوال کیا۔

"گرینڈ ہوٹل میں ہیں اور خیریت سے ہیں۔ تمہارے سامنے سلطان شاہ' ویرا سے کھنچا کھنچا رہتا ہے لیکن اب اُس نے ویرا کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ ذرا فون کر کے اسے سرزنش کر دو ورنہ تمہارے آنے سے پہلے ہی ویرا کچھ کر گزرے گی۔ آج کل اس کی برہمی عروج پر ہے۔"

"ہوٹل کا فون نمبر بتاؤ!" میں نے قدرے غصیلے لہجے میں کہا۔

اپنی سادگی کی وجہ سے غزالہ نے خود ہی مجھے وہ سوال کرنے کا موقع دے دیا تھا جو میرے لبوں تک آ کر رک گیا تھا۔

غزالہ نے ہوٹل کا فون نمبر بتایا اور پھر کہا "اس بار تمہارے چلے جانے پر تمہارے پسماندگان میں سے کوئی بھی خوش نہیں ہے۔ سب لوگ تمہیں یاد کرتے رہتے ہیں۔"

"پسماندگان!" میں حیرت سے بولا۔ "خدا کا خوف کرو غزالہ! ابھی تو میں زندہ ہوں۔"

"پسماندگان زندہ لوگوں کے بھی ہوتے ہیں۔ تم ہمیں چھوڑ کر ہی تو گئے ہو!" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"اور کون کون مجھے یاد کرتا رہتا ہے؟" طویل وقفے کے بعد اُس سے باتیں کرنے میں مجھے لطف آ رہا تھا۔

"جہانگیر تمہاری امانت سے اکتا گیا ہے۔ ان دونوں میں ہر وقت ہاتھاپائی ہوتی رہتی ہے۔"

"جہانگیر اس کے کمرے میں کیوں جاتا ہے؟" میں نے ترش لہجے میں پوچھا۔

"یہی بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اُس عورت کے چہرے اور بدن پر جابجا نیل پڑے ہوئے ہیں۔ کل شام کو جہانگیر کی پیشانی پر بھی ایک ابھار طلوع ہو گیا تھا لیکن مجھے معلوم ہے کہ شام کو فیکٹری سے آ کر پینے پلانے کے بعد وہ پھر اسی کی جڑ میں جا گھسے گا۔ مجھے تو دونوں ہی نفسیاتی مریض معلوم ہونے لگے ہیں۔"

"جہانگیر نے تمہارے ساتھ تو کوئی بدتمیزی نہیں کی؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں۔" وہ جلدی سے بولی "میری بات کا غلط مطلب نہ لینا۔ میرے سامنے تو وہ بے چارہ نظریں بھی اونچی نہیں کرتا۔ کل اسے سمجھانا چاہا تو وہ صفائی پیش کرنے لگا کہ تم نے دماغ درست کرنے کے لئے اس عورت کو اُس کی تحویل میں چھوڑا ہے اور وہ خود اس کی مرمّت کرتے کرتے عاجز آ چکا ہے۔"

"تم ان دونوں کے معاملات سے الگ تھلگ رہو۔ وہ سلمیٰ سے جتنا خوف زدہ رہتا ہے' اس عورت پر اُسی قدر اپنی مردانگی جتا رہا ہے۔ الجھن محسوس کرو تو بلا تکلف کسی ہوٹل میں منتقل ہو جانا۔"

"تم کل آ ہی رہے ہو تو پھر مجھے کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ٹھیک ہے' میں تم سے جہانگیر کے گھر پر ہی ملوں گا۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا اور مزید چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس دوران میں وہاں پیچھے دو آدمی آ موجود ہوئے تھے اور عجلت آمیز انداز میں مجھے گھور رہے تھے۔ میرے پلٹتے ہی وہ دونوں اِدھر اُدھر دیکھنے لگے لیکن ان کی بے تابی میری نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی اور میں ان کے لئے فون چھوڑ کر ایک طرف ہٹ گیا۔ اپنی دوسری کال کے لئے مجھے خود بھی تخلیہ درکار تھا۔

پہلی کال کے پیسے ادا کر کے میں اپنے لئے سگریٹ سلگاتا ہوا باہر آ گیا۔

میدان صاف ہو جانے پر میں نے گرینڈ ہوٹل کا نمبر ملایا۔ سلطان شاہ کا نام سنتے ہی ہوٹل کے آپریٹر نے میری کال اس کے کمرے سے منسلک کر دی۔

"کیا بے ہودگیاں ہو رہی ہیں؟" سلطان شاہ کی آواز سنتے ہی میں نے بگڑے ہوئے لہجے میں بات شروع کی۔ غزالہ سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں مَیں سنجیدگی کے ساتھ سلطان شاہ کی گوشمالی کرنا چاہ رہا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" اس کی تحیر زدہ مدافعانہ آواز ابھری "لیکن تم کہاں ہو اور کس بے ہودگی کا ذکر کر رہے ہو؟"

"تم ویرا کو کیوں تنگ کر رہے ہو؟" میں نے غراتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے اسے بالکل بھی تنگ نہیں کیا۔ تم خود اس سے پوچھ سکتے ہو۔" پھر وہ ایک دم ہی چونکتے ہوئے بولا "معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری غزالہ سے بات ہو گئی ہے۔ اُسی نے میرے خلاف لگائی بجھائی کی ہو گی۔"

"بک بک مت کرو اور فون ویرا کو دے دو۔ وہ جو کچھ بتائے' تمہیں اس پر عمل کرنا ہے۔"

سلطان شاہ نے مزید کچھ کہے بغیر ریسیور ویرا کے حوالے کر دیا۔

"مجھے افسوس ہے ویرا کہ سلطان شاہ تم کو پریشان کر رہا ہے اور میں....."

ویرا نے حیرت کے ساتھ میری بات درمیان سے کاٹ دی۔ "بالکل نہیں' اس سے مجھے ذرا سی بھی شکایت نہیں ہے۔ اب تو وہ خدا خدا کر کے ذرا انسان بنا ہے... یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟"

ویرا کا معصومانہ جواب سن کر میری کھوپڑی بھنّا اٹھی۔ غزالہ آدھی دنیا کی خاک چھان لینے کے باوجود اُلّو کی اُلّو ہی رہی تھی۔ اسے ذرا بھی تمیز نہیں ہو سکی تھی کہ عورت اور مرد کے رشتے میں کیسی کیسی نزاکتیں پنہاں ہوتی ہیں عورت کبھی گالیاں دے کر اور سر پھوڑ کر مرد کی مردانگی اور محبت کو خراجِ تحسین پیش کرتی ہے تو کبھی لچھے دار باتوں کے محبت آمیز قالین میں لپیٹ کر تھوتھنی پر وزنی جوتے رسید کرنے لگتی ہے۔

عورت کے کس فعل سے کب اور کیا مفہوم اخذ کرنا چاہئے' غزالہ اس فن سے یکسر نابلد تھی۔ سلطان شاہ اور ویرا نے اس کے اندازوں کی تردید کر دی تھی اور مجھے یقین تھا کہ جہانگیر کا جواب بھی ایسا ہی ثابت ہوتا۔

میں نے اس موضوع کو وہیں چھوڑ کر ویرا کے ساتھ کوڈ ورڈز میں گفتگو شروع کر دی۔

یہ وہ کوڈ ورڈز تھے جو میرے زمانے میں ٹی میں رائج تھے اور ان ہی کے سہارے ہم لوگ اہم پیغامات ایک دوسرے تک پہنچاتے تھے تاکہ کراس ٹاک کی صورت میں بھی ہمارے راز کسی غیر متعلقہ شخص تک نہ پہنچ سکیں۔

"دونوں ٹرانسمیٹرز موجود ہیں لیکن وہ فلیٹ ہی میں ہیں۔" میری پوری بات سننے کے بعد ویرا نے خفیہ اشاروں کی زبان میں مجھے آگاہ کیا۔ "ہو سکتا ہے کہ آرنیسٹ کے کاؤنسلیٹ کا کوئی آدمی فلیٹ کی نگرانی کر رہا ہو۔"

"تم ادھر کا رخ نہ کرنا۔ سلطان شاہ وہاں جائے اور ٹرانسمیٹر لے کر سیدھے ائرپورٹ کی طرف نکل جائے اس طرح اُس کا پیچھا کرنے والا تم تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

"لیکن وہ سلطان شاہ کے تعاقب میں سکھر تو آ سکتا ہے۔"

"سلطان شاہ کو میں اتنا احمق نہیں سمجھتا کہ وہ بے خبری میں کسی کو اپنے پیچھے لگا کر سکھر تک لے آئے اور اگر ایسا ہو بھی گیا تو میں یہاں اسے سنبھال لوں گا۔"

"لیکن تم سکھر میں کیا کر رہے ہو؟ تم تو ٹھٹ منڈو کے لئے نکلے تھے۔"

"لمبی کہانی ہے۔ یہ سمجھ لو کہ میں اس وقت مُلّا سرکار کی کہانی کے آخری باب پر محنت کر رہا ہوں۔ میرا داؤ چل گیا تو آرنیسٹ کے امریکی آقا خاصی مدت تک اپنے زخم چاٹتے رہیں گے۔"

"پچھلے دو روز سے امریکی سفارت خانہ ذرا کھل کر سندھ کے معاملات پر اظہارِ رائے کرنے لگا ہے۔" ویرا نے مجھے آگاہ کیا۔ "دہشت گردوں اور امن دشمنوں کے خلاف کارروائیوں میں انہیں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں نظر آنے لگی ہیں جن کے حوالے سے وہ حکومت پر اپنا دباؤ بڑھانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"یہ سب پرانے حربے ہیں۔ مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش کا روپ دینے سے پہلے بھی انسانی حقوق کے امریکی' بین الاقوامی اور بھارتی ادارے نیند سے جاگ اٹھے تھے۔ ان بیانات کا مطلب ہے کہ وہ اپنی دانست میں ساری تیاریاں مکمل کر چکے ہیں اور کسی بھی لمحے بلیک کیٹ ٹی کو اسلحے کی بھاری کھیپیں سونپ کر اپنے آپریشن کا آغاز کر سکتے ہیں لیکن وہ اس بات سے غافل ہیں کہ اس مرحلے پر ہم مُلّا سرکار کے خون کی بُو پر لگ چکے ہیں۔"

اندرونِ خانہ ہونے والی گھناؤنی سازشوں سے بے خبر لوگوں کے لئے انسانی حقوق کی سنگین پامالی کے افسانے تشویشناک ہو سکتے تھے۔ وہ یہ بھی سوچ سکتے تھے کہ ایک بڑی عالمی طاقت ہونے کے باوجود' آرنیٹ کا ملک برّاعظم ایشیا کے ایک دور افتادہ علاقے کے مظلوموں کی حالتِ زار پر بھی نگاہ رکھتا ہے۔ اور ان سے ہمدردی کا اظہار کرنا اپنا انسانی فرض تصور کرتا ہے لیکن میرے لئے وہ زہریلے بیانات' جی' ایڈ' شی' ہیروئن کی آمنی' اسلحے کی تجارت اور ملّا سرکار کی بھیانک سازش کی ہی ایک کڑی تھے۔ ایسے بیانات کے ذریعے اپنی مداخلت کا جواز پیدا کرنا ہمیشہ سے بڑی طاقتوں کا ایک محبوب مشغلہ رہا ہے۔

"میں تمہاری کامیابی کے لئے دعا کرتی رہوں گی۔ سلطان شاہ ہر قیمت پر آج رات تک تم سے آملے گا۔ میرا اندازہ ہے کہ اس بار تم کسی لمبے ہی چکر میں ہو۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"اس وقت میں پبلک کال آفس سے بول رہا ہوں" میں نے کوڈورڈز کا سلسلہ موقوف کر کے کہا۔ "باقی باتیں پھر کسی وقت ہوں گی۔ فی الحال خدا حافظ۔"

ان دو فون کالز کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے کوئی بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

اس کھیل کے سارے ہی شریک رفتہ رفتہ جان پکڑتے جا رہے تھے۔ سردار رجب علی بپھرے ہوئے سانڈ کا روپ دھار چکا تھا' ملّا سرکار اپنی پس پردہ کارروائیوں میں مصروف تھا' انسپکٹر علی اسد اپنے محکمے کی مدد کے لئے سکھر پہنچ رہا تھا' اول خان اپنے کمانڈر سے دریائی جنگ کے لئے بھرپور مدد طلب کر چکا تھا مگر میرے لئے کوئی اہم رول ادا کرنے کا موقع پیدا ہوتا ہوا نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ سارا جوڑ توڑ میرا تھا لیکن آخری عملی معرکے میں میری حیثیت ایک تماشائی کی سی ہوتی جا رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ سلطان شاہ کے ٹرانسیٹرز سمیت آجانے پر یہ نقشہ بدل سکتا تھا۔

ہوٹل سے ذرا دور ہی مجھے ٹھٹک کر رک جانا پڑا کیونکہ وہاں فٹ پاتھ کے سہارے ایک پولیس جیپ کھڑی ہوئی تھی جس میں باوردی ڈرائیور ستا رہا تھا۔

میں نے ہوٹل واپس جانے کا ارادہ فی الفور ترک کر دیا اور الٹے قدموں پبلک کال آفس کی طرف ہولیا۔ وہاں سے مون لائٹ ہوٹل کا نمبر ملا کر میں نے اول خان سے بات کی تو پتا چلا کہ انسپکٹر علی اسد کے عملے کے افراد میری تلاش میں ہوٹل پہنچے ہوئے تھے۔

اس بارے میں اطمینان ہو جانے کے بعد میں دوبارہ ہوٹل کی طرف ہولیا۔

جیپ سے آنے والا اے ایس آئی میرے کمرے میں اول خان کے ساتھ چائے نوشی میں مصروف تھا۔ میرے پہنچنے پر اس نے خشک بلکہ قدرے گمبھیر انداز میں مجھ سے ہاتھ ملایا اور چائے کی پیالی خالی کئے بغیر فوراً ہی میرے ساتھ چلنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا جیسے اسے ضرورت سے ایک لمحے زیادہ بھی وہاں رکنے کی اجازت نہ ہو۔

میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اول خان کو کچھ سمجھایا اور اے ایس آئی کے ساتھ چل پڑا۔

جیپ میں شہر سے گزرتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ شہر میں خوف و ہراس کی فضا مزید کچھ گہری ہو چکی تھی اور شہر میں مسلح پولیس کی گاڑیوں کا بھاری گشت جاری تھا۔ ماحول پر ایسی سوگوار اداسی چھائی ہوئی تھی جیسے کوندا سے کسی غیبی آواز نے اس شہر والوں کو کسی مقررہ وقت پر بلاؤں کے نزول کی خبر دی ہو اور انہیں ٹالنا ہر ایک کے بس سے باہر ہو' اس لئے سب ہی ان ہولناک ساعتوں کے آنے اور آکر گزر جانے کا انتظار کر رہے ہوں۔

جیپ میں میرے ساتھ موجود پولیس کے دونوں اہل کار غیر معمولی طور پر خاموش اور سنجیدہ تھے اس لئے میں نے بھی راستے میں انہیں چھیڑنے کی کوشش نہیں کی۔

کوتوالی کے احاطے میں پہنچتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی فعّال جنگی کیمپ میں پہنچ گیا ہوں۔ وہاں ہر طرف پُراسرار اور عجلت آمیز نقل و حرکت کا سلسلہ جاری تھا۔ پولیس کی متعدد گاڑیوں کے ساتھ کئی سویلین ٹرک اور فوجی گاڑیاں بھی موجود تھیں۔ درختوں کے سائے میں کچھ مسلح فوجی اگلے احکام کے انتظار میں سستا رہے تھے۔ گیٹ کے ساتھ ہی سات عدد ایمبولینس گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں جن میں سے پانچ کا تعلق عبدالستار ایدھی کے رفاہی ادارے سے تھا۔

وہ ایک فرد اپنی نیک نیتی اور جدّوجہد کے سہارے اپنے فلاحی کاموں کو ریاستی معیار سے بہت آگے نکال لے گیا تھا جس کا ثبوت شہری انتظامیہ کی دو کے مقابلے میں اس کی پانچ ایمبولینس گاڑیاں تھیں۔

ڈرائیور ہماری جیپ کو عمارت کے بغلی حصے کی طرف لیتا چلا گیا۔ اُدھر بھی بھیڑ بھاڑ کی تقریباً وہی حالت تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سردار رجب علی کی خون آشام دھمکی کے بعد انتظامیہ نے پورے ڈویژن کو خدا کے حوالے کر کے جملہ نفری اور وسائل ڈویژنل ہیڈ کوارٹر' سکھر میں جمع کر لئے ہوں۔

اے ایس آئی کی رہنمائی میں میں ایک دفتر میں داخل ہوا تو بری طرح چونک پڑا۔

میز کے عقب میں انسپکٹر علی اسد اس حالت میں براجمان تھا کہ اس کے سر پر ڈریسنگ موجود تھی جو زخم سے رسنے والے تازہ خون میں بھیگی ہوئی تھی۔ اس کی پھولی ہوئی بائیں آستین سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے زخمی بازو پر بھی ڈریسنگ کی گئی تھی لیکن اس فرض شناس کا چہرہ سکون سے جگمگا رہا تھا۔

اس کے سامنے مزید دو باوردی افسران موجود تھے۔ اے ایس آئی مجھے اس دفتر میں پہنچا کر واپس چلا گیا۔ میں لمحہ بھر کے لئے جھجکا لیکن انسپکٹر نے گونجیلی آواز میں مجھے آگے بلالیا۔

"میٹنگ آدھے گھنٹے کے لئے برخاست!" انسپکٹر نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے افسران سے خوش خلقی سے کہا اور وہ دونوں ہی متجسّانہ انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

"یہ کیا ہوا؟ تم تو بہت بری طرح زخمی نظر آتے ہو؟" تخلیہ میسر آتے ہی میں اپنے ذہن میں اٹکے ہوئے ان دو تجسّس آمیز سوالات کو اپنی زبان پر آنے سے نہ روک سکا۔

"فرائض کی انجام دہی میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے پُرعزم لہجے میں کہا "سردار رجب علی سے ہمدردی رکھنے والے ڈاکوؤں کے گروہ پورے سندھ میں جابجا قومی شاہراہ پر نکل آئے ہیں اور انہوں نے قتل و غارت گری اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا ہے۔ اس وقت ہالا سے گھوٹکی تک' قومی شاہراہ عملاً بالکل بند ہے۔ جو ٹریفک درمیان میں ڈاکوؤں کی زد میں آیا ہوا ہے اسے نکالنے کے لئے فوجی آپریشن شروع کیا جا چکا ہے۔ حیدر آباد اور پنوں عاقل کی چھاؤنیوں سے مسلح دستے چل پڑے ہیں۔ میں خود بھی راستے میں فائرنگ کی زد میں آگیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ جان بچ گئی۔ شاید قدرت کو مجھ سے کوئی بڑا کام لینا ہے ورنہ سڑک کے دونوں طرف سے ہونے والی فائرنگ سے کسی کا زندہ بچ نکلنا محال تھا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے دل پر پوری قوت سے گھونسا رسید کر دیا ہو کیونکہ وہ کشت و خون میری ہی ایک کارروائی کا ردِ عمل تھا۔

"اپنے دل پر اثر نہ لو!" انسپکٹر علی اسد میرے چہرے کے تاثرات سے میرے دلی جذبات بھانپتا ہوا بولا "جلد یا بدیر' یہ دن آنا ہی تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ لیلیٰ دتی کے اغوا کی خبر پردہ منظم ہوئے بغیر' جذباتی ریلے میں باہر نکل آئے ہیں۔ وہ جس جنون کے عالم میں خالی شاہراہ تک پر گولیاں برسا رہے ہیں' اس کے نتیجے میں جلد ہی ان کا سارا میگزین ختم ہو جائے گا۔ وہ بوکھلا کر جنگلوں اور پہاڑوں کا رخ کریں گے تو وہاں پولیس اور فوج کو اپنے استقبال کے لئے تیار پائیں گے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ میرے اندازے سے کہیں زیادہ طاقت ور ہیں۔" میں بڑبڑایا۔

"قطعی نہیں۔ ایک کلاشنکوف بردار بھی کسی ٹرک پر گولیاں برسا کر ٹریفک بند کرا سکتا ہے۔ وہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹے ہوئے ہیں اور سردار رجب علی کا ساتھ دینے کے لئے روہڑی کی طرف آرہے ہیں۔ کئی مقامات پر ہماری فورس نے ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا ہے اور کئی نامی گرامی' اشتہاری مجرم مارے ہیں۔ چند گھنٹوں میں قومی شاہراہ پر پوری طرح ٹریفک بحال کرا لیا جائے گا لیکن مجھے فکر رجب علی کی ہے۔"

"اس سے آخری معرکہ سکھر اور روہڑی میں ہی ہوگا۔ اس نے لیلیٰ دتی کی بازیابی کے لئے انتظامیہ کو چوبیس گھنٹوں کی مہلت دی تھی۔ یہ تو اس کی کھلی ہوئی بدعہدی ہے کہ اس نے وقت پورا ہونے سے پہلے ہی بربریت کا بازار گرم کر دیا۔"

"اس میں رجب علی کا کوئی ہاتھ نہیں۔" انسپکٹر علی اسد نے بڑے تحمل کے ساتھ کہا "تم ان کے طریقۂ کار سے واقف نہیں ہو اس لئے رجب علی پر بدعہدی کا الزام لگا رہے ہو۔ اس نے اپنے جن جن دوستوں کے پاس اپنے قاصد بھیجے ہوں گے' وہ فوراً ہی مشتعل ہو کر نعرے لگاتے اور گولیاں برساتے ہوئے اپنی کمین گاہوں سے نکل پڑے ہوں گے۔ اب انہیں روکنا خود رجب علی کے بھی بس سے باہر ہے۔ ان خونیوں اور جنونیوں کو اسی وقت ہوش آئے گا جب وہ اپنے میگزین کی آخری گولی بھی چلا چکے ہوں گے۔ ویسے بھی مشتعل ڈاکو کے قول اور فعل کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔"

"لیکن یہ تو معصوم اور بے گناہ شہریوں اور مسافروں کا قتلِ عام ہے۔ ڈھائی' پونے تین سو کلو میٹر لمبی شاہراہ پر یہ بھیڑیئے دندناتے پھر رہے ہیں۔ راستے میں گھر جانے والے سیکڑوں مال بردار ٹرک' دسیوں مسافر بسوں اور نجی گاڑیوں کے مسافروں پر تو قیامتِ صغریٰ بیت رہی ہوگی۔"

"اس وقت سندھ کے اس سیکشن پر ٹریفک کا دباؤ کم ہوتا ہے۔ اس لئے زیادہ بھاری نقصان کا امکان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ قومی شاہراہ سے دور واقع شہروں سے بھی پولیس فورس روانہ ہو چکی ہے۔ سانگھڑ' شہداد پور' نوابشاہ' پڈعیدن' سہون' دادو اور لاڑکانہ سے جانے والے جوانوں نے اب تک صورتِ حال کو سنبھال لیا ہوگا۔ میں نے اس وقت تمہیں ان معاملات پر تبادلۂ خیال کے لئے نہیں بلایا۔ میں ملّا سرکار اور رجب علی کے بارے میں کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہتا ہوں لیکن اس سے پہلے لیلیٰ دتی کو میری تحویل میں ہونا چاہئے۔"

"لیلیٰ دتی سے تم کیا کام لینا چاہتے ہو؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سوال کیا۔

"وہ میرا ٹرمپ کارڈ ہوگی۔" انسپکٹر کا لہجہ گمبھیر ہوگیا۔ "میں کسی بھی مرحلے پر اس کی آزادی کو رجب علی کے ہتھیار ڈال دینے سے مشروط کر کے بازی ختم کر سکوں گا۔ تمہارے لئے اب وہ بے کار ہے۔"

"مجھے ڈر ہے کہ اب وہ کسی کے لئے بھی کار آمد نہیں رہی ہے۔"

"کیا؟" انسپکٹر علی اسد فرطِ حیرت سے کہنیوں کے بل میز کے تقریباً وسط تک جھک آیا۔

"ہم اسے زندہ اٹھا لے جانے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔"

"تو کیا تم نے اسے مار دیا؟" انسپکٹر حلق کے بل غرایا۔

اضطراری طور پر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا "میں تمہیں جیل میں سڑا دوں گا۔ تم نے اپنی حد سے تجاوز کیا ہے۔ تم....."

وہ غصے میں آپے سے باہر ہوا جا رہا تھا۔ میں نے اٹھ کر دھیمی آواز میں کہا "تم نے میری پوری بات نہیں سنی۔ پوری بات سن کر تم جو فیصلہ کرو گے مجھے قبول ہو گا۔"

"کیا قصور تھا اُس کا؟" وہ پلٹ کر تیزی کے ساتھ میرے مقابل آیا اور مجھے گھورتے ہوئے غرایا "تم اسے کہیں قید نہیں کر سکتے تھے اس لئے تم نے آسان راستہ اختیار کیا اور اسے مار دیا۔"

"ہم نے اسے نہیں مارا۔ اس نے خود کشی کر لی تھی" میں نے نظریں جھکا کر کہا۔

"تم جھوٹ بکتے ہو..... لاش کہاں ہے اُس کی؟" اس کی آنکھیں قہر کے شعلے اگل رہی تھیں۔

"انڈسٹریل ایریا میں ..... ایک ویران بسکٹ فیکٹری کے کنوئیں میں" میں نے کہا اور اسے خاموش پا کر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "وہ خنجر لے کر دروازے پر آئی تھی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ ہم اسے اٹھا لے جائیں گے تو خلافِ توقع اُس نے اچانک ہی اپنے دل میں خنجر گھونپ لیا۔ وہ خنجر اب بھی اس کے دل میں پیوست ہو گا۔ اگر یہ خود کشی ثابت نہ ہو تو میں تمہاری دی ہوئی ہر سزا بھگتنے کو تیار رہوں۔"

"میری مشکل یہی ہے کہ میں کسی کو سزا نہیں دے سکتا۔" وہ جھلائے ہوئے انداز میں دوسری طرف پلٹ گیا۔ "قانون نے میرے ہاتھ باندھے ہوئے ہیں۔ تم رجب علی سے کسی طرح کم نہیں ہو۔ میرے ڈی ایس پی نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ تم اوّل خان سے زیادہ خطرناک ہو۔ تم جیسے مادر پدر آزاد لوگوں نے ہی ہر طرف بے امنی پھیلائی ہوئی ہے۔"

اس نے غصے اور اضطراب کے عالم میں بڑبڑاتے ہوئے کال بیل بجائی۔ فوراً ہی باوردی اردلی اندر آیا اور کمرے کے وسط میں دونوں ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑا ہو گیا۔

انسپکٹر کئی منٹ تک کبھی مجھے اور کبھی دیوار کو گھورتا اور کمرے میں ٹہلتا رہا۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی اہم معاملے میں کوئی فیصلہ کرنے میں تذبذب کا شکار تھا۔

"جاؤ!" آخر کار اس نے اپنے اردلی کو کوئی ہدایت دیئے بغیر لوٹا دیا۔

"بیٹھ جاؤ!" وہ گہرے گہرے سانس لیتا ہوا اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

میں نے بے چون وچرا اس کے حکم کی تعمیل کی اور اپنی کرسی پر جم گیا۔

وہ چند ثانیوں تک پُرخار نظروں سے مجھے گھورتا رہا پھر نیچی آواز میں بولا "میں نے زندگی میں کبھی خود کو اتنا حقیر اور کم تر محسوس نہیں کیا جتنا آج کر رہا ہوں۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے تم نے اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے مجھے بہت بے رحمی سے استعمال کیا ہو....."

"ایسا نہیں ہے۔ یہ تمہاری غلط فہمی اور بدگمانی ہے۔" میں نے کہا۔

"لاش کو پانی میں گئے بارہ گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا ہے۔ میں فوراً ایک پارٹی وہاں بھیجنا چاہتا ہوں لیکن تمہاری موجودگی میں نہیں بھیج سکتا۔ میرے اوپر والے لاش کی دریافت کا تم سے تعلق پیدا کر لیں گے۔ دیر ہونے کی وجہ سے لیلیٰ وتی کی لاش زیادہ گل گئی تو اس کا پوسٹ مارٹم بھی نہیں ہو سکے گا۔"

"تم کہو تو میں ابھی چلا جاتا ہوں۔" میں نے سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔

"ڈاکوؤں اور رسّا گیروں کی سرپرستی کرنے والے چند سیاستداں میری نظروں میں ہیں۔" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا "حکومت کسی پارٹی کی ہو' یہ گنے چنے لوگ ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔ طاقت کے لئے یہ ڈاکوؤں اور خوفناک مجرموں کو پالتے ہیں۔ دولت کے لئے اسلحے اور ہیروئن سے لے کر اناج تک کی اسمگلنگ کراتے ہیں۔ ان کی یہی بے اندازہ دولت انتخابات میں ہر پارٹی کو ان کے سامنے جھکنے پر مجبور کرتی ہے۔ میں نے ان کی نگرانی شروع کرا دی ہے۔ ان کی مداخلت کے بغیر ملّا سرکار اور رجب علی کی ملاقات ہو سکتی ہے نہ ان دونوں میں مصالحت کی کوئی راہ نکل سکتی ہے۔ مجھے کوئی خبر ملی تو میں تمہیں بتا دوں گا' تمہیں کوئی سراغ ملے تو مجھے خبر کر دینا۔"

اُس کی باتیں حیران کن اور ناقابلِ یقین تھیں۔ کالا دھن ملک میں ایک متوازی معیشت چلا رہا تھا۔ ہیروئن کے دھندے میں ایک نہیں' ہزاروں نو دولتیے پیدا ہو گئے تھے جن کے سامنے زندگی کی ساری اقدار پیسے پر آ کر ختم ہو جاتی تھیں لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہیروئن سے کمایا ہوا کالا دھن سیاست میں بھی اپنا رنگ جما رہا تھا۔

لیکن غور کرنے سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ انسپکٹر کی باتیں بالکل ہی بے بنیاد نہیں تھیں۔ وہ پولیس کا ایک تجربے کار افسر تھا۔ اس نے دنیا کے سرد و گرم کو بہت قریب سے دیکھا تھا اس لئے اس کی بات غلط نہیں ہو سکتی تھی۔ چند نفوس پر مشتمل اور مفلوک الحال سیاسی جماعتیں اپنے عظیم الشان جلسوں کے انتظامات اور سامعین کو لانے' لے جانے کے بندوبست پر لاکھوں روپے کہاں سے خرچ کرتی ہیں؟ اسی چندوں اور حتیٰ کہ کسی بینک اکاؤنٹ کے بغیر بیش قیمت لٹریچر کہاں سے وجود میں آتا ہے؟ سیاسی سودے بازیوں میں دولت کے انبار کہاں سے لگائے جاتے ہیں؟ ان سب سوالات کے جواب انسپکٹر علی اسد کی مختصر لیکن پُرمغز گفتگو میں موجود تھے۔

"میں ایسا ہی کروں گا لیکن اتنا ضرور بتا دوں کہ شاید آج کی رات ہم مون لائٹ ہوٹل کو خیرباد کہہ دیں۔ میں جہاں بھی ہوا وہاں سے تم سے رابطہ ضرور رکھوں گا۔"

"کیوں؟ تم کہاں چلے جاؤ گے؟" اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

اس کے تیور ایسے تھے کہ میں ٹال مٹول کی جرات نہ کر سکا اور آہستہ سے بولا "ست بیلا سے ذرا آگے' دریا میں ایک تحقیقی موٹر بوٹ لنگر انداز ہے۔ ہم شاید اُسی پر چلے جائیں گے۔"

"وہ تو ایک چھوٹا سا اور اچھا خاصا دریائی جہاز ہے۔" وہ چونک کر بولا "اس پر دریائی تحقیق کے بین الاقوامی ادارے کے ماہرین کچھ کام کر رہے ہیں۔ ان سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

وہ میری توقع سے کہیں زیادہ باخبر تھا اور اپنے گرد و پیش پر گہری نظر رکھنے کا عادی تھا۔

"مشن کی نوعیت کے بارے میں تمہاری معلومات بالکل درست ہیں۔" میں نے کہا "لیکن اس علاقے کے مخدوش حالات کی وجہ سے مشن کے دو غیر ملکی اور دو مقامی ماہرین کے تحفظ کے لئے بوٹ کے اصل عملے کی جگہ اسپیشل ٹاسک فورس کے جوان مامور ہیں۔ ہم اس موٹر بوٹ کو ست بیلہ کے قریب لا کر اس جزیرے پر نگاہ رکھنے کی کوشش کریں گے۔ اوّل خان نے اس سلسلے میں ضروری تیاریاں کر لی ہیں۔"

"اس دریائی جہاز کے بارے میں مجھے خیرپور میں بھی خبریں ملتی رہتی تھیں۔ میرا ارادہ تھا کہ یہ ہنگامہ ختم ہونے تک انہیں سکھر سے کافی دور ہٹا دیا جائے تاکہ کسی تصادم میں ان کا نقصان نہ ہو۔"

"میں نے اصل صورتِ حال بتا دی۔ ہمارا ارادہ تو یہاں تک ہے کہ موٹر بوٹ پر موجود چھوٹی تحقیقی کشتیوں پر بھی آدمی دریا میں اتار دیئے جائیں۔ ان پر کوئی شبہ نہیں کر سکے گا اور ہم ست بیلہ کے ہر گھاٹ پر نگاہ رکھ سکیں گے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس موٹر بوٹ پر اسلحہ بھی موجود ہو گا۔"

"یقیناً..... ایسی تیاریوں کے بغیر دریائی سفر کرنا خود کشی کے مترادف ہوتا۔"

"اور اس کی موجودگی کا قانونی جواز؟" اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"میں اس سے لاعلم ہوں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ایس ٹی ایف والے اپنی کارروائیوں میں قانونی ضروریات کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ تم چاہو تو موٹر بوٹ کی باضابطہ تلاشی بھی لے سکتے ہو۔"

"ناممکن!" وہ دانت پیستے ہوئے بڑبڑایا۔ "ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے تلاشی کا وارنٹ جاری کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ موٹر بوٹ مرکزی محکمۂ داخلہ کے خصوصی پرمٹ پر یہاں آئی ہے۔ مقامی انتظامیہ کو اس سے دور رہنے لیکن ضرورت پڑنے پر اس کی بھرپور مدد کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔"

"لیکن میرے مہمان کے طور پر تم جب چاہو' وہاں آ سکو گے۔"

اس کی پیشانی پر بندھی ہوئی سفید پٹیوں پر تازہ خون کا داغ میرے بیٹھے بیٹھے ہی خاصا پھیل گیا تھا۔ اس کے بائیں بازو کے زخم میں بھی شاید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں کیونکہ وہ کئی بار داہنے ہاتھ سے اپنا بایاں بازو سہلا چکا تھا لیکن وہ جن مخدوش حالات سے دوچار تھا انہوں نے اس سے آرام کرنے کا حق چھین لیا تھا۔

وہ زخمی حالت میں بھی کام میں مصروف تھا اور میں جانتا تھا کہ ویران بسکٹ فیکٹری کے متروک کنوئیں سے لیلیٰ وتی کی پھولی ہوئی لاش برآمد ہونے کے بعد اس کے کام میں یک بیک بہت زیادہ اضافہ ہونے والا تھا۔

○☆☆○

سلطان شاہ شام کو مون لائٹ ہوٹل پہنچا تو بہت زیادہ متوحش اور پریشان تھا۔

قومی شاہراہ پر ہالا اور گھوٹکی کے درمیان ہونے والے خوں ریز واقعات کی خبریں کراچی کے شام کے اخبارات نے شہ سرخیوں میں اچھالی تھیں اسی کے ساتھ سردار رجب علی اور لیلیٰ وتی کے غیر روایتی عشق اور شادی کی داستان بھی چھاپی گئی تھی اس لئے سلطان شاہ صورتِ حال سے بڑی حد تک باخبر تھا لیکن اسے پریشانی یہ تھی کہ اس قدر سنگین حالات میں ہم سکھر میں کیا کر رہے تھے اور ان واقعات میں ہمارا کیا رول تھا۔

ہم دونوں کو اطمینان کے ساتھ ہوٹل میں مقیم دیکھ کر اس کی پریشانی تو فی الفور رفع ہو گئی مگر اس کا تجسس بدستور باقی رہا جس کے ازالے کے لئے وقت درکار تھا۔

اس نے بہت بڑی عقل مندی یہ کی تھی کہ ٹرانسیٹر کو دستی سامان کی صورت میں نہیں لایا تھا بلکہ انہیں بہت سی غیر ضروری اشیا اور کپڑوں کے ساتھ ایک ائربیگ میں بند کر کے کاؤنٹر پر دے دیا تھا اس طرح وہ حسّاس آلات جہاز کے بیگیج ہولڈ میں بند ہو کر بآسانی سکھر پہنچ گئے تھے۔ اگر وہ انہیں دستی سامان میں لانا چاہتا تو شاید بورڈنگ لاؤنج میں داخلے سے قبل ہی سیکیورٹی چیک میں پکڑا جاتا اور کراچی ہی میں اندر ہو جاتا۔ عجلت میں' میں نے اس پہلو کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا لیکن غنیمت یہ تھا کہ سلطان شاہ نے احتیاط سے کام لیا تھا۔

میں نے وہ دونوں اپریٹس چیک کئے تو ان کے سیل بخوبی کام کر رہے تھے۔ میں نے ان دونوں کو آن کر کے اپنے سرہانے تپائی پر رکھ لیا۔

اس دوران میں سلطان شاہ' اوّل خان پر اپنی منظم جرح کا آغاز کر چکا تھا۔ اول خان کے ساتھ اس کے بے تکلف ہونے میں ان دونوں کی مشترکہ مادری زبان سے زیادہ دخل اس امر کا تھا کہ اوّل خان اس وقت ہوٹل کے کمرے میں میرے ساتھ موجود تھا۔

اول خان کو میں سلطان شاہ کے بارے میں پہلے ہی بتا چکا تھا کہ وہ روئے زمین پر میرا واحد رازداں اور رفیقِ کار تھا اس لئے اوّل خان نے اپنی کہانی بلا کم و کاست سنانی شروع کر دی۔

سب سے پہلے تو سلطان شاہ کے لئے یہی انکشاف دھماکہ خیز

ثابت ہوا کہ ہم دونوں ڈاکوؤں کے کسی گروہ میں شمولیت کا عزم کرکے کراچی سے روانہ ہوئے تھے تاکہ ملا سرکار کے گھناؤنے کردار کے خدوخال ذرا قریب سے دیکھ سکیں۔ اس کے بعد جوں جوں اول خان کی کہانی آگے بڑھتی چلی گئی۔ سلطان شاہ کی حیرت میں اضافہ ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ وہ زبان ہلائے بغیر کسی سحرزدہ معمول کی طرح گم صم بیٹھا اول خان کی داستان سنتا رہا۔

اول خان خاموش ہوا تو سلطان شاہ کو ہوش آیا کہ وہ اتنی دیر سے کاٹھ کے کسی الو کی طرح خاموش بیٹھا' صرف سنے جا رہا تھا۔ اس نے اپنے ذہن میں آنے والے سوالات کا سلسلہ چھیڑ دیا جو زیادہ دیر تک نہ چل سکا کیونکہ اسی وقت اول خان کے لئے ایک فون کال آگئی۔

اس کال میں اہم بات یہ تھی کہ اول خان نے ہیلو کہہ کر اپنا نام بتایا' لمحہ بھر کے لئے دوسری طرف کا پیغام سنا اور اگلا کوئی جملہ کہے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"چلو!" اس نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پُرعزم لہجے میں کہا۔

"کہاں؟" ہم دونوں نے تقریباً بیک آواز ہو کر اس سے سوال کیا۔

"میرے آدمی کا فون تھا۔ ہوٹل سے کچھ دور ایک لینڈ روور ہمارا انتظار کر رہی ہے۔"

ہمارے پاس کوئی قابلِ ذکر سامان تھا نہ سلطان شاہ ایک سفری تھیلے کے علاوہ کچھ لایا تھا اس لئے ہم تینوں فوراً ہی اپنے کمرے سے نکل آئے۔ اول خان نے اپنے کمرے سے رِسٹ واچ اٹھائی' نیچے پہنچ کر ہوٹل کا بل ادا کیا اور باہر نکل کر ہم اطمینان کی سربراہی میں ایک طرف چل دیئے۔

آن کیے ہوئے دونوں ایرئیس میں نے اسی طرح سلطان شاہ کے سفری تھیلے میں ڈال دیئے تھے۔

ہوٹل سے کچھ دور چل کر ہم اپنی داہنی طرف مڑے تو وہیں' فٹ پاتھ کے سہارے ایک سیاہ لینڈ روور کھڑی ہوئی نظر آگئی جس پر نوابشاہ کی نمبر پلیٹ موجود تھی۔

نمبر پلیٹ دیکھ کر میں ایس ٹی ایف کے منصوبہ سازوں کی بیدار مغزی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ سکھر جیسے شہر میں کراچی یا کسی اور بڑے شہر کی نمبر پلیٹ والی گاڑی ہر ایک کی نگاہوں کا ہدف بن سکتی تھی لیکن نوابشاہ کی نمبر پلیٹ کو بہتیرے لوگ یوں ہی نظر انداز کر سکتے تھے۔

اس لمحے میرے ذہن میں ایک عجیب سا خیال آیا کہ ہم لوگوں میں ہر درجے کی اعلیٰ ترین صلاحیتیں موجود ہیں لیکن عام حالات میں' اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی میں ان صلاحیتوں سے کام لینا ہم جرم کے درجے میں شمار کرنے لگے ہیں۔ جو شخص پوری تن دہی سے اپنا کام سرانجام دے رہا ہو' اس پر بلا تکلف حکومت یا اپنے افسر یا اپنے مالک کا خوشامدی اور چمچہ ہونے کا الزام لگا دیتے ہیں۔ اس عمومی رویّے نے لوگوں میں اپنے فرائض سے لاتعلق برتنے کا موذی مرض پیدا کر دیا ہے۔ ہاں' حالات سنگین ہوں' ادارہ مضبوط ہو' کام کے حوالے سے اپنی قومی شناخت کا پورا یقین ہو یا جزا اور سزا کا اختیار رکھنے والا افسرِ بالا یا مالک براہِ راست نگرانی کر رہا ہو تو ہماری ان ہی زنگ خوردہ صلاحیتوں کو آناً فاناً میں چار چاند لگ جاتے ہیں اور ہم سے پے در پے ایسے معجزے سرزد ہونے لگتے ہیں کہ دوبارہ کاہلی طاری ہونے پر ہم خود اپنی غیر معمولی کارکردگی پر حیران رہ جاتے ہیں۔ بعض لوگ اسے اداروں اور تنظیموں کے انفرادی مزاج کا نتیجہ قرار دیتے ہیں لیکن میری دانست میں یہ انفرادی رویّے ہوتے ہیں جو رفتہ رفتہ اداروں اور تنظیموں کی پہچان بن جاتے ہیں۔

راولپنڈی کا مری روڈ اور اسلام آباد ہائی وے صوبہ پنجاب اور مرکز کا سنگم ہے۔ اس چوراہے پر ٹریفک سگنل کے ایک طرف پنجاب کی ٹریفک پولیس ہوتی ہے جس کے سامنے بسوں اور ویگنوں کا عملہ کھلے ہوئے دروازوں سے باہر جھول جھول کر تماشے دکھاتا ہے' مسافروں کو پکارتا ہے' موقع ہو تو کسی پر آوازے بھی کس لیتا ہے لیکن سگنل پر داہنی طرف مڑنے سے پہلے وہی عملہ دروازے بند کرکے یوں اندر دبک جاتا ہے جیسے اس سے زیادہ قانون پرور مخلوق روئے زمین پر کوئی اور نہ ہو کیونکہ اس طرف اُس کا سامنا اسلام آباد کی چاق و چوبند پولیس سے ہوتا ہے۔ برسہا برس سے ایک دوسرے سے تقریباً پشت لگا کر ڈیوٹی دینے والے سپاہیوں میں سے کسی نے دوسرے کا اثر نہیں لیا۔ ہر فریق بڑی استقامت کے ساتھ اپنی روایات پر ڈٹا ہوا ہے اور باہر سے آنے والے حیران ہوتے ہیں کہ ایک موڑ گھومتے ہی پبلک ٹرانسپورٹ کو کنڈکٹ کرنے والی مخلوق میں اچانک کون سی تبدیلی رونما ہوتی ہے جو وہ نظم و ضبط کے پابند ہو جاتے ہیں۔

اس کا سبب بہت واضح ہے۔ مری روڈ والے سپاہی کو معلوم ہے کہ اس کی قضا و قدر کے مالکان لاہور میں بستے ہیں۔ وہ راولپنڈی آتے ہیں تو سائرن بجاتی ہوئی گاڑیوں کے جلو میں سفر کرتے ہیں تاکہ ہر ایک کو چند ثانیوں کے لئے چاق و چوبند ہونے کا موقع مل جائے لیکن اسلام آباد ہائی وے کے سپاہی ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے ہیں کہ نجانے کب' کس سادہ سی گاڑی میں کون سا خداوندِ نعمت اس شاہراہ پر آنکلے اور ان کی کسی کوتاہی پر وہیں کھڑے کھڑے ان کو وردی سے اتار کر روزگار سے محروم کر دے۔ دونوں طرف کے سپاہی پاکستانی ہیں لیکن جواب طلبی کا خوف ان کے رویّے میں زمین اور آسمان کا فرق برقرار رکھتا ہے۔ مری روڈ اور اسلام آباد ہائی وے کا یہ چوراہا ہماری قومی منافقت' کام چوری اور خود غرضی کا بے مثال شاہکار ہے۔ لیکن یہاں سے گزرنے والے زعما اور قائدین نے کبھی ہمارے اس تضاد میں جھانکنے کی زحمت نہیں کی۔ اور وہ زحمت بھی کیوں کریں۔ ان پر مری روڈ والے سپاہی کی مثال صادق آتی ہے۔ ان زعما اور قائدین کو اچھی طرح



معلوم ہے کہ انبوہ در انبوہ انہیں ووٹ دینے والے' انہیں گدی چڑھا کر پانچ برس کے لئے اپنے گھروں میں جا سوئے ہیں۔ انہیں غمِ روزگار سے ہٹ کر نہ اپنے نمائندوں سے جواب طلبی کی فرصت ہے اور نہ احتساب کا احساس۔ تو پھر ان کے درد کا درماں کیوں کیا جائے؟

ان دگرگوں حالات میں ایس ٹی ایف کا وہ افسر یا شاید کلرک میری نظروں میں عزت افزائی کا مستحق تھا جو ہر کام روٹین میں سر انجام دینے کے بجائے اپنی آنکھیں کھلی رکھنے کا عادی تھا۔

سیاہ لینڈ روور میں صرف ڈرائیور موجود تھا۔ اول خان لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا' ہمیں پیچھے چھوڑ کر اس کے قریب چلا گیا۔ ان دونوں میں باہمی شناخت کے لئے شاید پاس ورڈز کا تبادلہ ہوا اور ڈرائیور نے پھرتی کے ساتھ نیچے آکر عقبی نشست کا دروازہ کھول دیا۔ اس اثنا میں ہم دونوں بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ اول خان نے احترام کے ساتھ پہلے ہمیں سوار کرایا پھر ہمارے ساتھ ہی اس کشادہ نشست پر آبیٹھا اور لینڈ روور غراتی ہوئی' سبک رفتاری کے ساتھ اپنی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔

اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ فضا میں گھور اندھیرے کی چادر تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی۔ بیشتر بازار روشنیوں کی ضرورت پیش آنے سے پہلے بند ہو چکے تھے۔ ہوٹلوں اور پان کی دکانوں پر روشنیاں جل اٹھی تھیں لیکن شہر میں زندگی کی حقیقی رونق مفقود تھی جیسے سردار رجب علی کا آسیب پوری بے رحمی سے نگل گیا تھا۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟" سلطان شاہ نے اول خان سے پوچھا۔

"دیکھتے رہو' کہیں نہ کہیں تو پہنچ ہی جائیں گے۔" اول خان نے مبہم سا جواب دیا۔

اسی لمحے سلطان شاہ کے سفری تھیلے سے ہلکی ہلکی آوازیں برآمد ہونے لگیں جیسے کسی چرخی میں پھنسا ہوا چوہا ہولے ہولے کراہ رہا ہو۔

وہ دونوں ہی اس اشارے کا مفہوم نہ سمجھ سکے لیکن میں نے پھرتی کے ساتھ سلطان شاہ کے سفری تھیلے میں ہاتھ ڈال کر وہ ایرئیس باہر نکال لیا جس میں ہلکی سی تھرتھراہٹ کا احساس ہو رہا تھا۔

آواز کو کنٹرول کرنے والی ناب گھماتے ہی وہ چوں چوں کی آواز واضح انسانی آواز میں تبدیل ہو گئی۔

"غلام رسول کالنگ فار سائیں سرکار' اوور!" وہ بھاری مردانہ آواز وقفے وقفے سے وہی ایک پیغام نشر کیے جا رہی تھی جسے سن کر بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

میرے لئے سائیں سرکار کا نام نیا تھا اور نہ غلام رسول کا' غلام رسول ایک بہت نامور اور کامیاب سیاستداں تھا اس کا نام سنتے ہی مجھے انسپکٹر علی اسد یاد آگیا جس نے امن دشمن کارروائیوں میں بعض سیاستدانوں کے ملوث ہونے کی بات کھل کر کی تھی۔

تیسری بار وہ آواز معدوم ہوتے ہی ایرئیس پر ملا سرکار کی کھردری آواز ابھری۔ "ہاں سائیں! میں حاضر ہوں کیا خیر خبر ہے؟ اوور۔"

"سائیں! میں خود اس سے ملا ہوں۔ اس کا مغز پھرا ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اسے پہلے اپنی بیوی کی رہائی چاہئے۔ اس کے بعد ہی کوئی بات ہو سکے گی۔ اوور!" غلام رسول کی آواز سنائی دی۔

"لیکن میرے ہاتھ صاف ہیں۔ میرے فرشتوں کو بھی لیلیٰ وتی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ یہ کسی بیچ کے آدمی کا حرامی پن ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ وہ مجھ سے کیوں بھڑکا ہوا ہے؟ اوور!" ملا سرکار کی آواز سے دردناک بے بسی ٹپک رہی تھی۔ ان دونوں کی گفتگو سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس بارے میں ان کے درمیان پہلے بھی بات ہو چکی تھی۔

"وہ بالکل چریا آدمی ہے۔ میں خود اُس کے جنون سے پریشان ہوں۔ وہ بولتا ہے کہ راکٹ برسا کر پورے سکھر کو کھنڈر بنا دے گا۔ میرا آدھا کنبہ یہاں رہتا ہے۔ میں سب کو لے کر کہاں جاؤں؟ تم تو بہت پہنچ والے ہو۔ پتا چلاؤ کہ اس کی بیوی کو کس نے اٹھایا ہے؟ اوور!" غلام رسول بھی بہت پریشان تھا۔

"سب پتا چل جائے گا لیکن اس کے لئے وقت درکار ہے اور وہ وقت دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اپنی بیوی کے لئے پاگل ہو کر وہ میرا سارا کھیل تباہ کر رہا ہے۔ اسے کچھ پتا نہیں کہ وہ کیا کھیل کھیل رہا ہے۔ اس کے ستائیس حامی پولیس اور دیہاتیوں کی فائرنگ سے مارے گئے ہیں۔ بائیس آدمی فوج نے پکڑ لئے۔ جو باقی رہ گئے ہیں وہ پناہ گاہوں کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔ پوری تیاری کے بغیر ٹکر لینے کا یہی انجام ہونا تھا۔ پولیس کو بھی ان لوگوں کے خلاف پوری قوت سے کارروائی کرنے کا بہانہ مل گیا ہے۔ میری عقل کام نہیں کر رہی کہ اب کیا ہوگا؟ اسے ہوش نہیں آیا تو یہ بہت برا ہوگا۔ وہ تمہارا ہاری رہ چکا ہے۔ اب بھی تمہارے دسترخوان کا نمک کھاتا رہتا ہے۔ اُسے ایک مرتبہ پھر سمجھاؤ کہ وہ تباہی کے راستے پر چل پڑا ہے۔ اپنے ساتھ ہم سب کو بھی لے ڈوبے گا۔ اوور!"

سلطان شاہ نے کچھ بولنا چاہا تھا کہ اول خان نے سختی سے شِشکار کر اسے خاموش کر دیا۔

"بولنے دو اول خان!" میں نے ہیجان آمیز لہجے میں کہا "یہ کوٹ منصور والا ایرئیس ہے۔ اس کا ٹرانسمیٹنگ بٹن دبائے بغیر ہماری آواز ان تک نہیں پہنچ سکے گی۔"

لیکن ان دونوں میں سے کوئی نہیں بولا۔

ایرئیس پر غلام رسول جیسا بارسوخ آدمی گھٹیا لہجے میں گڑگڑا رہا تھا "سائیں! میں اپنی پوری کوشش کر چکا ہوں۔ تم یقین نہیں کرو گے کہ میں نے اپنی پگڑی اس کے قدموں میں ڈال دی تھی لیکن اس کتے کے دماغ پر لیلیٰ وتی کا بھوت سوار ہے۔ وہ اکیلا تم سے اور حکومت سے ٹکر لینے پر تلا ہوا ہے۔۔۔ اوور!"

لائن پر طویل سکوت چھا گیا۔ وہ لمحے اتنا طول پکڑ گئے کہ مجھے شبہ ہوا کہ کہیں اس نازک موڑ پر ہمارا ایرئیس ہی جواب نہ دے گیا

ہو لیکن اس پر ننھی سی سرخ روشنی بدستور جل رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ اپریٹس کام کر رہا تھا اور ملا سرکار شاید اپنی شیطانی کھوپڑی سے کچھ سوچ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے!" ایک گہرے سانس کے ساتھ آخر کار ملا سرکار کی سفاکانہ آواز ابھری۔ "تم اسے آج رات بارہ بجے سادھو بیلا بلاؤ۔ اسے پیغام بھجوادو کہ سائیں سرکار اتنا مفلس نہیں ہے کہ اسے عورتوں کو اٹھا کر ایک کروڑ کا تاوان لینے کی ضرورت پیش آئے۔ وہ آئے اور کچھ دیے بغیر لیلیٰ وتی کو واپس لے جائے اوور!"

"لیکن سائیں!" غلام رسول کی آواز تحیر زدہ تھی "ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ تمہارے ہاتھ صاف ہیں اور تمہیں لیلیٰ وتی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے؟ اوور!"

"میں اب بھی اپنے اس بیان پر قائم ہوں۔ اوور!" ملا سرکار کی مکارانہ آواز ابھری۔

"یع..... یعنی تم چاہتے ہو کہ میں اسے دھوکے سے سادھو بیلہ بلاؤں؟" غلام رسول کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی جس میں خوف بھی جھلک رہا تھا "وہ بہت ظالم ہے سائیں! اسے میری بدنیتی کا شبہ بھی ہوگیا تو وہ چن چن کر میری ساری آل اولاد کا نام و نشان مٹادے گا... نہیں سائیں' ایسا نہ کرو! اوور!"

"یہ کرنا پڑے گا سائیں غلام رسول!" ملا سرکار کا لہجہ بے حد سرد اور سفاکانہ تھا۔ "وہ ہمیں اس پر مجبور کر رہا ہے۔ پالتو کتا اگر پاگل ہو جائے تو گہری محبت کے باوجود اسے اپنے ہاتھوں سے گولی مارنی پڑ جاتی ہے۔ تم اسے دھوکے سے بلاؤ کیونکہ وہ سیدھی طرح مجھ سے ملنے پر آمادہ نہیں ہے۔ میں پیار اور محبت کے ساتھ اس سے حجت تمام کروں گا۔ اگر وہ راہِ راست پر نہ آیا تو پھر کبھی سادھو بیلہ سے نہیں نکل سکے گا۔ میں اس کی لاش کو وہیں آگ لگوا دوں گا۔ اس جیسے چھوٹے چھوٹے اور حقیر کیڑے ہماری اور تمہاری راہ نہیں کاٹ سکتے.... اوور!"

"نہیں سائیں' میرے بیوی بچے تمہارے غلام' لیکن یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔ سردار رجب علی اکیلا نہیں ہے۔ اس کے بیسیوں جاں نثار ساتھی ہیں اور سب کے سب خونخوار درندے ہیں۔ رجب علی کو تم نے مار بھی دیا تو وہ لوگ میری آل اولاد کے لہو کے پیاسے ہو جائیں گے.... اوور!" وہ تقریباً رو دینے والی آواز میں بولا تھا۔

"رجب علی مر گیا تو اس کے ساتھی خوف زدہ چوہوں کی طرح اپنے بلوں میں گھس جائیں گے۔" ملا سرکار کی آواز خوفناک ہو گئی۔ "تالی کے ان حقیر کیڑوں کے خوف سے تم میرا حکم نہیں ٹال سکتے۔ اوور!"

"مجھے معافی دے دو! سمجھ لو کہ تم نے اس بارے میں مجھ سے بات ہی نہیں کی تھی۔ میں ہمیشہ تمہارا تابعدار رہا ہوں لیکن آج میں تمہارے حکم کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ یہ کام تم کسی اور سے لے لو! اوور!" ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان' غلام رسول نے کسی بلکتی ہوئی رانڈ کی طرح اپنی بات مکمل کی۔

"تم بھول رہے ہو' غلام رسول کہ تمہارا سائیں سرکار اپنی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ واپس لینے کا عادی نہیں ہے۔" ملا سرکار کی سفاکانہ آواز میں غصے کی تلخی گھلنے لگی۔ اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "آج رات بارہ بجے تمہیں ہر قیمت پر رجب علی کو سادھو بیلہ لانا ہے اور بس۔ اس سے آگے میں تمہاری زبان سے ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتا۔ یہ کام صرف اور صرف تم کرو گے۔ اوور!"

ملا سرکار نے بات ایک نازک موڑ پر پہنچادی تھی جہاں غلام رسول کے لئے اقرار یا انکار کے سوا کوئی تیسرا راستہ باقی نہیں رہا تھا۔ وہ ملا سرکار کے تحکمانہ طرزِ تکلم پر ایک دم بھڑک اٹھا۔ "تم مجھے دھونس نہیں دے سکتے۔ میں تمہاری عزت ضرور کرتا ہوں لیکن تمہارا دیا نہیں کھاتا۔ میری مرضی کے خلاف تم مجھے کسی کام پر مجبور نہیں کر سکتے۔ کان کھول کر سن لو کہ رجب علی کے معاملے میں' میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں.... اوور!"

"ایک بار پھر سوچ لو' غلام رسول!" ملا سرکار کی قہربار آواز سنائی دی "تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں اپنا تھوکا ہوا کبھی نہیں چاٹتا۔ یہ کام ہر حال میں تم ہی کو کرنا ہوگا۔ اوور!"

"نہیں کروں گا.... نہیں کروں گا...." ملا سرکار کی تحکمانہ تکرار پر غلام رسول کے اعصاب جواب دے گئے اور اس نے نیم ہذیانی انداز میں چیخنا شروع کر دیا۔ "میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔ میری مدد اور میرے مراسم کے سہارے آج تم سائیں سرکار بنے پھرتے ہو ورنہ تم ایک مسجد کے ملا سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھے۔ یہ نہ بھولو کہ میں نے آج تمہاری طرف اشارہ کر دیا تو تم فنا کر دیئے جاؤ گے یا کسی جیل میں سڑا دیئے جاؤ گے۔ اب میرے منہ لگنے کی کوشش نہ کرو اور رجب علی سے آگے کی کوئی اور بات کرو۔ اوور!"

"مجھے معلوم تھا غلام رسول کہ سانپ کا بچہ سنپولیا ہی ہوتا ہے۔" ملا سرکار کی آواز کسی بپھرے ہوئے سانپ کی غضبناک پھنکار سے مشابہ ہوگئی۔ "شاید تم سرحد پار واقع ان تربیتی اڈوں کو بھول گئے جہاں تم نے اپنے آدمیوں سے سلامی لی تھی جنہوں نے میری دھرتی پر اپنی تربیت مکمل کی تھی.... اوور!"

"بکواس بند کرو۔" غلام رسول کی غضبناک آواز میں کسی نادیدہ انجام کی دہشت سمٹ آئی۔ "مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا بک رہے ہو۔ میرے اس خفیہ سفر کا کہیں کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ اس کمزور حوالے سے تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے۔ میں نے اپنی زندگی کی کتاب سے وہ ورق پھاڑ دیئے ہیں۔ اوور!"

"وہ اوراق میں نے اپنی کتاب میں سجالئے ہیں۔" ملا سرکار کی زہریلی آواز ابھری۔ ان دونوں کی لمحہ بہ لمحہ رنگ بدلتی ہوئی گفتگو بہت بھیانک اور سنسنی خیز تھی۔ میں نے کراچی سے دونوں اپریٹس کسی موہوم سے سراغ کی امید پر منگوائے تھے۔ یہ بات



میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ اس پر میں دو ملک دشمن غداروں کی ایسی ہولناک گفتگو سننے میں کامیاب ہو سکوں گا جس کا تصور ہی میرے لئے سوہانِ روح تھا لیکن میں دم بخود وہ سب سن رہا تھا۔ آپس کی تلخیوں میں الجھ کر وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے کردار کے بخئے ادھیڑ رہے تھے۔ میری نگاہوں میں ملا سرکار تو خیر غیر ملکی ایجنٹ تھا ہی لیکن میں اس موذی کے اصل روپ پر صدمے کا شکار ہو گیا تھا جو معزز اور ثقہ لیڈر ہوتے ہوئے بھی اس ملک کی اینٹ سے اینٹ بجادینے پر تلا ہوا تھا جس کے طفیل اسے عزت و اعزاز سے نوازا گیا تھا۔

"تمہارا خاندان سیاسی ہے غلام رسول! ان اوراق کی وجہ سے صرف تم ہی نہیں' تمہاری آنے والی نسلیں بھی میرے ہم وطنوں کے ہاتھوں بلیک میل ہوتی رہیں گی۔ میں یہاں گھاس کھودنے نہیں آیا تھا۔ تمہاری مٹی کی جڑوں میں مَیں نے ایسے ایسے زہریلے پودے لگائے ہیں جو ایک دن تناور درخت بن جائیں گے جو اپنی مٹی کے لئے بے فیض ہوں گے لیکن ان کے سائے سے ہم لوگ فیض یاب ہوں گے۔ شاید تمہیں یاد نہیں کہ تھر کے تپتے ہوئے صحرا میں وہ دونوں تقریبات کھلے آسمان تلے' سورج کی جلتی ہوئی کرنوں کے سائے میں منعقد کی گئی تھیں۔ تم نے تصویریں نہ بنانے کی ہدایت کی تھی۔ تم سرحد پار سے آئے ہوئے' ہمارے خفیہ مہمان تھے اس لئے بظاہر ہم نے تمہاری بات مان لی تھی مگر ہم جوہر شناس ہیں۔ ہم نے تمہاری قدر و قیمت بھانپ لی تھی اس لئے ٹیلی اسکوپک لینسوں کی مدد سے ہم نے تمہاری ساڑھے سات گھنٹے کی مصروفیات کی وڈیو فلمیں بنالی تھیں۔ ان تین کیسٹوں کی ایک نقل ہمارے ہیڈ کوارٹر میں محفوظ ہے' دوسری جیسلمیر کے اڈے پر' تیسری شاہ پور کے تربیتی کیمپ کی خفیہ لائبریری میں اور چوتھی میرے پاس ہے۔ اب بتاؤ کہ تم رجب علی کی دیوانگی سے ڈرتے ہو یا میری طاقت کو سات سلام کرو گے؟ اوور!"

ایک مرتبہ پھر طویل وقفہ آگیا جس کے بعد غلام رسول کی رُندھی ہوئی اور شکست خوردہ آواز ابھری "مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟ میں پوری نیک نیتی سے تمہارا ساتھ دوں گا۔ اوور!"

"تُو شودر ذات کے کنجروں اور چماروں سے بھی بدتر ہے جو تھوڑی دیر کے لئے بھی اپنی ہرزہ سرائی پر قائم نہیں رہ سکا۔" ملا سرکار کی آواز سے اس قدر خشونت ٹپک رہی تھی جیسے وہ سامنے ہوتا تو اپنے ناخنوں سے غلام رسول کا چہرہ ادھیڑ کر اس کی آنکھیں نکال لیتا۔

"کان کھول کر سن لے کہ مجھے اپنے دیوی دیوتاؤں کی آشیرباد حاصل ہے۔ یہ راج سنگھاسن اکھنڈ بھارت کا تھا اور اکھنڈ بھارت جنم کر رہے گا۔ تو اس کے سیوکوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اگر تو نے میرے خلاف رجب علی سے گٹھ جوڑ کرنے کی کوئی بھی کوشش کی تو کل صبح ہی میرے چیلے تیری فلم کے تینوں کیسٹ آرمی انٹیلی جنس والوں کو پہنچادیں گے۔ پھر تیرا جو حشر ہوگا' وہ تو خود سمجھ سکتا ہے۔ اوور!"

"نہیں سرکار' ایسا نہیں ہوگا۔ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ میں نے تم پر اعتماد کیا اور تم نے میرے اس اعتماد کو فریب دے کر میرے خلاف مواد اکٹھا کر لیا۔ یہ تو سامنے کی بات ہے کہ تم بازی جیت گئے ہو۔ اب وہی ہوگا جو تم چاہو گے۔ میں لیلیٰ وتی کی واپسی کا سہانا سپنا دکھا کر آج رات کے بارہ بجے' سردار رجب علی کو سادھو بیلہ بلا لیتا ہوں۔ اس سے آگے میری کوئی ذمے داری نہیں ہوگی۔ اوور!"

"ذمے داری ہوگی یا نہیں ہوگی' یہ میں تجھے سادھو بیلہ ہی میں بتاؤں گا۔" ملا سرکار اس کے ساتھ مسلسل تضحیک آمیز لہجے اور انداز میں بات کر رہا تھا۔ "تو میرا اکلوتا آدمی نہیں تھا۔ ہر طرف میرے ملاقاتی موجود ہیں۔ خود رجب علی کل تک میرے پسینے پر اپنا خون بہانے کو تیار رہتا تھا لیکن میں نے اپنی گردن کسی کے ہاتھ میں نہیں دی تھی۔ تو اکیلا آدمی ہے جسے میں نے اپنا اہم ترین ٹرانسمیٹر دیا ہوا تھا اور اس کی وجہ سے تجھے اب تک یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ دن یا رات میں تو جب چاہے' سائیں سرکار سے رابطہ کر سکتا ہے لیکن اب میں یہ رعایت واپس لے لوں گا۔ رات کو سادھو بیلہ میں' مَیں یہ ٹرانسمیٹر واپس لے لوں گا۔ اوور!"

"تم نے میرے ساتھ بہت ظلم کیا ہے۔ اس وقت تمہاری باتیں سن کر میں اندر سے بالکل ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا ہوں۔ مجھ میں تمہارے مقابلے کی تاب نہیں رہی ہے۔ اس وقت تم میرے ساتھ جو سلوک چاہو' کر سکتے ہو۔ میں زندگی بھر تمہاری وفاداری اور غلامی کا عہد کرتا ہوں لیکن خدا کے واسطے مجھے وہ تمام کیسٹ لوٹا دو جو تم نے میرے جیسلمیر اور شاہ پور کے خفیہ دورے کے موقع پر بنائے تھے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری بے اعتدالیوں کی وجہ سے میری آنے والی نسلیں اس سرزمین پر سر جھکا کر مجرموں کی طرح چلیں۔ اوور!"

"غلطی اور بے اعتدالی جب تک انسان کے من میں رہتی ہے اس کی اپنی امانت ہوتی ہے۔ کسی کو اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلتا لیکن جب وہ سرزد ہو جاتی ہے تو تاریخ کا ایک حصہ بن جاتی ہے۔ یہ پنسل سے لکھی ہوئی تحریریں نہیں ہوتیں' جنہیں آسانی سے مٹایا جا سکے۔ تو آنے والے ایسے وقت کے بارے میں سوچ رہا ہے جب تیری یہ دھرتی قائم رہے گی مگر میری آنکھوں میں اکھنڈ بھارت کے خواب بسے ہوئے ہیں۔ اکھنڈ بھارت بن گیا تو تیرے کرتوت تیرے کارنامے بن جائیں گے اور تیری آنے والی نسلیں ان کارناموں پر فخر کریں گی۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے سینوں پر اکھنڈ بھارت کے بڑے بڑے قومی اعزاز سجا دیئے جائیں۔ اس لئے اب تو ان فلموں کو بھول جا۔ تیرے مقدر میں جو کچھ لکھ دیا گیا تھا وہ تو نے اپنی زبان کی تیزی سے خود پورا کرا لیا۔ کیسٹ پہلے بھی تھے اور اب بھی میرے پاس ہیں۔ تو مجھ سے بدکلامی نہ کرتا تو بے خبری میں سکھ کے ساتھ اپنے دن پورے کر لیتا لیکن اب تو جب تک

زندہ رہے گا' جاننے کے عذاب میں مبتلا رہے گا۔ یہ میری طرف سے تیری گستاخیوں کی سزا ہے اور تو جانتا ہے کہ میں اپنا تھوکا ہوا کبھی بھی نہیں چاٹتا... اوور اینڈ آل۔"

ایریس خاموش ہوگیا۔ لینڈ روور میں چھائی ہوئی تاریکی بھیانک سناٹے میں ڈوب گئی۔

نہ جانے کتنی دیر تک ہم تینوں' سکتے کے عالم میں دم بخود بیٹھے رہے پھر میں چونکا تو مجھے احساس ہوا کہ لینڈ روور ساکت تھی اور اس کا انجن بھی بند تھا۔

ہم تینوں ملا سرکار اور غلام رسول کی گفتگو سننے میں اتنے زیادہ منہمک رہے کہ ہمیں پتا ہی نہیں چل سکا کہ گاڑی اپنا سفر مکمل کرکے کسی تاریک ویرانے میں رک چکی تھی اور اس کا ڈرائیور اپنی نشست سے اتر کر نیچے' کچھ فاصلے پر چہل قدمی کرکے وقت گزار رہا تھا۔

ہم تینوں ایک دوسرے سے کچھ کہے بغیر تیزی کے ساتھ نیچے اتر آئے۔

ہمیں اترتا ہوا دیکھ کر ڈرائیور سرعت سے ہماری طرف آیا اور اس نے ہمارے ہاتھوں سے سامان کے دونوں تھیلے لے لئے جن میں ملا سرکار کے دو ٹرانسیٹر اور دو پستولوں کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھی۔

"تم ٹرانسیٹر پر ہونے والی گفتگو سن رہے تھے؟" اول خان نے اس سے پوچھا۔

"سن ضرور رہا تھا لیکن مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔ میری توجہ راستے پر مرکوز تھی۔"

"شاباش! میں تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا۔ ان معاملات کا تعلق ملکی سلامتی کے اہم ترین امور سے ہے۔ اپنے کسی چھوٹے یا بڑے کے سامنے تم بھول کر بھی ان باتوں کا ذکر نہیں کروگے۔"

"میں جانتا ہوں' سر!" اس کا لہجہ پُرعزم اور مضبوط تھا۔

اس دوران میں مَیں نے دیکھا کہ وہ مقام تاریک ضرور تھا لیکن بالکل ہی ویران نہیں تھا۔

ہماری لینڈ روور ایک نیم پختہ راستے کے اختتام پر رکی تھی۔ اس سے آگے نرم جھاڑیوں اور خودرو گھاس سے بھرا ہوا قطعۂ زمین تھا۔ زمین کے اختتام پر نقل و حرکت کے پُراسرار آثار پائے جارہے تھے اور وہیں تاروں کی چھاؤں میں دریا کا پانی جھلملا رہا تھا۔

ہم' ڈرائیور کی رہنمائی میں ایک چکر کاٹ کر آگے بڑھے تو پتا چلا کہ وہ ایک دریائی گھاٹ تھا جہاں اندھیرے میں دو افراد ایک موٹر بوٹ کے ساتھ ہمارے منتظر تھے۔

"اباسین کے مہمان آگئے ہیں!" ان دونوں کی چمکتی ہوئی' استفسار طلب نگاہوں کے جواب میں ڈرائیور نے ان کو ہماری پوزیشن سے آگاہ کیا اور ان دونوں کے ہاتھ احتراماً پیشانیوں تک اٹھتے چلے گئے۔

اول خان مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ تحقیقی موٹر بوٹ کا سرکاری نام اباسین تھا۔

وہاں موجود دونوں افراد تنومند اور مستعد تھے۔ ان کے جسموں پر صرف سفید بنیان اور خاکی نیکر موجود تھا۔ ان کی تمام حرکات و سکنات میں خالص فوجی انداز جھلک رہا تھا۔

اس مقام پر دریا کا کنارا غالباً قدرے گہرا تھا اس لئے کشتیاں وغیرہ لگانے کے لئے خشکی پر ایک چوبی پلیٹ فارم بنا ہوا تھا جس کے ذریعے ہم یکے بعد دیگرے' بغیر کیبن والی موٹر بوٹ میں اتر کر پلاسٹک کی بنچوں پر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور ہمیں ان دونوں کے حوالے کرکے واپس لوٹ چکا تھا اور لینڈ روور کے انجن کی آواز تیزی کے ساتھ دور ہوتی جارہی تھی۔ اس کی تیز روشنیاں تاریکی میں دور دور تک پھیل رہی تھیں۔

ہمارے سوار ہونے کے بعد ایک شخص نے موٹر بوٹ پر آکر وھیل سنبھال لیا۔ دوسرے نے پلیٹ فارم پر بندھا ہوا موٹا رسّا کھول کر بوٹ کے مختصر سے عرشے پر پھینکا اور خود بھی وہیں آکودا۔ انجن اسٹارٹ ہوا اور موٹر بوٹ دریا کے رواں پانی میں گھوم کر آہستہ آہستہ ایک طرف چل پڑی۔

وہ غالباً کوئی دریائی کھاڑی تھی جہاں تیز دریائی بہاؤ سے بچا کر گھاٹ بنایا گیا تھا کیونکہ اس کے پیچ و خم سے نکلتے ہی ہمیں نہایت دلفریب منظر نظر آنے لگا۔

ہمارے سفر کی سمت میں کم از کم تین منزلوں پر مشتمل ایک دریائی جہاز تیرتا ہو نظر آیا۔ اس کی خوابناک روشنیوں کی ترتیب سے اندازہ ہو رہا تھا کہ جہاز پر عرشے سے اوپر بھی کم از کم دو منزلوں پر کیبن بنے ہوئے تھے۔ خاکی نیکروں والوں نے بتایا کہ وہی... اباسین تھا جو ایک مقام پر لنگرانداز تھا۔

میرے ذہن میں موٹر بوٹ کا روایتی تصور کبھی بھی انجن سے چلنے والی کشتی سے آگے نہیں بڑھ سکا تھا حالانکہ مغربی سمندروں میں ہم کافی دنوں تک ٹی والوں کی جہاز نما گن بوٹ پر بھی قابض رہے تھے۔ مجھے محسوس ہوا کہ اباسین کے لئے صرف موٹر بوٹ کہنا ناکافی تھا۔ شاید اسی لئے انسپکٹر علی اسد اسے بار بار دریائی جہاز کہہ رہا تھا۔

اباسین سے آگے' بائیں طرف سادھو بیلہ کا دریائی جزیرہ جھلملا رہا تھا۔ اندھیرا پھیل جانے کی وجہ سے جزیرے پر روشنیوں کا سیلاب سا آیا ہوا تھا۔ دریا کے تیز رو پانی میں پڑنے والے' روشنیوں کے انعکاس سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی بہت بڑا جہاز اپنے بے شمار مسافروں سمیت پانی پر تیر رہا ہو۔ اس سے اور آگے الٹی کمان کے ساتھ موٹے موٹے تاروں سے معلق ایوب برج اور اس پر رواں ٹریفک کی خوابناک روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ ایوب برج کے پس منظر میں قینچی والے پل کا ہزاروں ٹن وزنی' آہنی ڈھانچہ اداسی کے دھندلکے میں لپٹا ہوا تھا۔

دریا کے پانی کا بہاؤ تیز تھا اور ہم اس وقت دھارے کی مخالف سمت میں سفر کر رہے تھے اس لئے ہماری موٹر بوٹ کی رفتار قدرے سست تھی اور وہ بہاؤ کے مقابلے میں قدرے ترچھے زاویئے سے سفر کر رہی تھی لیکن پھر بھی تقریباً نصف گھنٹے کے سفر کے بعد ہماری بوٹ اباسین کے پہلو سے جالگی۔

اوپر سے رسّا پھینکا گیا جو عرشے پر باندھ کر بوٹ کو لنگرانداز کر دیا گیا اور ہم تینوں رسوں سے بنی ہوئی سیڑھی سے جھولتے ہوئے اوپر پہنچ گئے۔

وہاں موجود افراد نے غیر فوجی انداز میں سیلوٹ کرکے اوّل خان کو تعظیم دی اور ان میں سے ایک آدمی آگے آگیا جس کے بدن پر خاکی ڈانگری چڑھی ہوئی تھی۔ اس کا نام عرفان تھا اور وہی اباسین کے کپتان کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

ہم تینوں کے لئے اباسین کی دوسری منزل پر صاف ستھرے کیبن تیار تھے لیکن اول خان نے آرام کرنے کے بجائے فوراً ہی عرفان کے ساتھ مذاکرات شروع کردیئے۔

اباسین پر اسپیشل ٹاسک فورس کے چھ افراد پہلے سے موجود تھے۔ بارہ افراد ہلکے اور درمیانی اسلحے کے ساتھ شام کو پہنچ گئے تھے۔ اٹھارہ میں سے دو افراد اس گشتی موٹر بوٹ پر مامور کردیئے گئے تھے جس کے ذریعے ہم کنارے سے اباسین پر لائے گئے تھے۔ متوقع خطرات اور تصادم کے پیشِ نظر چاروں تحقیقی سائنس دانوں کو واپس کراچی بھیج دیا گیا تھا۔ امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال پر وہ خود بھی خائف تھے اس لئے اباسین کو مکمل طور پر اسپیشل ٹاسک فورس کا آپریشن سینٹر بنانے میں عرفان کو کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

"سادھو بیلہ کے مکینوں کے معمولات کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"لوگ سیدھے سادے ہیں۔ سورج غروب ہونے کے بعد جزیرہ آمدورفت کے لئے عموماً بند کردیا جاتا ہے۔ ساری سرگرمیاں دن کے اجالے میں شروع ہو کر دھندلکے کے وقت ختم ہوجاتی ہیں۔ ہولی' دیوالی اور دوسرے تہواروں کے موقع پر پولیس کی کڑی نگرانی میں آمدورفت کے معمولات میں ڈھیل دے دی جاتی ہے۔ ان سب کارروائیوں کا واحد مقصد جزیرے کی ہندو آبادی کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔"

"لیکن آج کی رات بہت نازک ہے۔ رات کے بارہ بجے تین مقامی اور بین الاقوامی دہشت گرد اس جزیرے پر یکجا ہونے والے ہیں۔ ہمیں ان کو زندہ یا مردہ' ہر حالت میں پکڑنا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ احتیاط بھی لازمی ہے کہ ہماری کارروائی میں وہاں کی مقامی آبادی کو کوئی گزند نہ پہنچے۔"

"بارہ بجے سادھو بیلہ پر آدھی رات اتر آتی ہے۔ ہمارے لئے یہ وقت بہت مناسب رہے گا۔ اپنی نگراں کشتیاں ہم جزیرے کے چاروں طرف پھیلا دیتے ہیں۔ ہمارے آدمی کوئی روشنی استعمال کئے بغیر بھی ہر گھاٹ کی نگرانی کرسکیں گے۔ رات کی تاریکی میں دور تک دیکھنے کے لئے ان کے پاس انفراریڈ گاگلز ہیں۔ ہمارا ان سب سے ٹرانسیٹر پر رابطہ رہے گا۔ کسی بھی مشکوک مرحلے پر وہ ہماری ہدایت پر کارروائی کرسکیں گے۔"

"میں ان کے داخلے کے موقع پر انہیں چوکنّا نہیں کرنا چاہتا۔" اول خان نے فکرمندانہ لہجے میں کہا "وہ کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ تین ٹولیوں میں آئیں گے۔ ہم نے کسی ایک کو چھیڑا تو بعد میں آنے والے اپنا راستہ یا پروگرام تبدیل کرلیں گے۔ ہمارے لئے وہ تینوں ہی اہم ہیں۔ اگر ہم آج کی رات انہیں پکڑنے میں ناکام رہے تو پھر ان کا سایہ بھی ہمارے ہاتھ نہیں آسکے گا۔"

عرفان نے پیچیدہ اور فنی مسائل چھیڑ دیئے جو ہمارے لئے ناقابلِ فہم تھے اس لئے میں سلطان شاہ کو اشارہ کرتا ہوا' کیبن سے باہر نکل گیا۔

اباسین کسی بھی طرح ایک چھوٹے سے تفریحی جہاز سے کم نہیں تھا۔ نچلے حصے میں انجن روم' کارگو ہولڈ اور تحقیقی مقاصد کے لئے ایک مختصر سا برف خانہ تھا۔ اس سے اوپری منزل پر عملے کے لئے کیبن اور دو تجربہ گاہیں تھیں جو انواع و اقسام کے حساس آلات اور محلولوں سے بھری ہوئی تھیں۔ دوسری منزل پر افسران اور مہمانوں کے لئے چار پُرتعیش کیبن تھے اور یہ سہولتیں یہیں ختم ہوجاتی تھیں۔ ان آرام دہ کیبنوں کی اوپری منزل پر اباسین کا برج تھا جہاں نیوی گیشن کے آلات کے ساتھ ہی جہاز کے کپتان کا کمرا تھا جہاں سے وہ اباسین کی سمت اور رفتار کنٹرول کرتا تھا۔ نیوی گیشن روم میں ایک بڑی سی دوربین بھی موجود تھی۔

نیوی گیشن روم میں موجود شخص نے میری فرمائش پر دوربین کا رخ ست بیلہ کی طرف گھما کر اس کا فوکس درست کیا اور میرے لئے جگہ چھوڑ کر ایک طرف ہٹ گیا۔ دوربین کے آئی پیس سے جھانکتے ہی میں ست بیلہ کا منظر دیکھ کر حیران رہ گیا! اس کے عدسے بہت طاقتور تھے اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اباسین اور ست بیلہ کا درمیانی فاصلہ گھٹ کر بمشکل بیس پچیس فٹ رہ گیا ہو۔

گنجلک نقش و نگار والے در و دیوار اور کلس والے اونچے مندر کے گرد و نواح میں' غور کرنے پر لوگ بھی چلتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ میں نے دوربین کو اس کے وزنی پیڈسٹل پر آہستہ آہستہ گھمانا شروع کیا اور ست بیلہ کی گنجان آبادی میری نگاہوں کے سامنے سے گزرنے لگی۔

وہاں ایک عظیم الشان مندر کے علاوہ سارے مکانات کم و بیش ایک جیسی عامیانہ ساخت کے تھے۔ ان میں سفید رنگ کی ایک حویلی قدرے ممتاز نظر آتی تھی۔ میں نے کئی بار پوری آبادی کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ملا سرکار اور رجب علی کی ملاقات کے لئے اس جزیرے پر مندر یا پھر سفید حویلی کے علاوہ کوئی تیسری مناسب عمارت موجود نہیں تھی۔ اگر یہ طے ہو جاتا کہ وہ دونوں کہاں ملنے والے تھے تو پھر پوری آبادی کو کسی سنگین دشواری سے دوچار کئے بغیر ان دونوں کو وہیں گھیرا جاسکتا تھا۔ میری دانست میں غلام رسول کو پکڑنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

وہ اپنے خلاف موجود فردِ جرم ملا سرکار کی زبانی سن چکا تھا۔ اس کا ایک موہوم سا حوالہ ہی اس خبیث رہنما کو عرش سے فرش پر لا سکتا تھا۔

میرے ہٹتے ہی سلطان شاہ پُراشتیاق انداز میں دوربین سے چپک گیا۔

"اوپر منکی برج پر بھی ایک چھوٹی سی دوربین لگی ہوئی ہے۔" ایس ٹی ایف کے اہل کار نے مجھے آگاہ کیا "وہ ذرا کمزور دوربین ہے۔ لیکن بلندی پر ہونے کی وجہ سے وہاں سے بالکل ہی الگ منظر نظر آئے گا۔"

منکی برج میرے لئے ایک نیا نام تھا۔ میری دلچسپی دیکھتے ہوئے وہ مجھے نیوی گیشن روم سے باہر لایا اور برج پر ایک آہنی زینے کے پاس آکھڑا ہوا۔ وہ آہنی زینہ برج فلور سے عموداً اوپر اٹھتا چلا گیا تھا۔ حفاظت کے لئے اس کے ساتھ نیم دائرے میں آہنی جنگلا لگا ہوا تھا۔ تقریباً بیس فٹ کی بلندی پر اس زینے کا اختتام ایک مختصر سے پلیٹ فارم پر ہوا تھا جہاں سرخ بلب جل رہا تھا۔

میں وہ عمودی زینہ چڑھتا ہوا آخری سرے پر پہنچا تو وہاں زینے پر پیر ٹکا کر بیٹھنے کے لئے ایک تنگ آہنی کرسی بنی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے اسٹینڈ پر میرین ٹیلی اسکوپ موجود تھی۔

اپنی پوزیشن درست کرکے میں نے اپنے گردوپیش میں دریا کے بہتے ہوئے پانی پر نگاہ ڈالی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی لمبے بانس کے آخری سرے پر ٹک کر دریا میں ڈگمگا رہا ہوں۔ میں نے فوراً ہی دوربین سنبھال لی۔

منکی برج سے ست بیلہ کا منظر بالکل ہی مختلف اور دلفریب نظر آرہا تھا۔ بلندی میں چند فٹ کے فرق سے آبادی کے سارے ہی زاویئے یکسر بدل گئے تھے۔

میں شاید دیر تک اس نظارے میں کھویا رہتا لیکن نیچے والے کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"سر! آپ کے لئے کوئی فون کال ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

اس انکشاف پر مجھے قدرے حیرت ہوئی کہ اباسین پر فون بھی موجود تھا۔ میں تیزی کے ساتھ زینے سے نیچے آیا اور آتے ہی میں نے اپنا سوال کرڈالا۔

"ریڈیو لنک سے ہمیں سکھر کا ایک فون نمبر ملا ہوا ہے۔" اس نے بتایا "لیکن باہر کے لوگوں کو یہ فون نمبر معلوم نہیں ہے۔ پتا نہیں آپ کے لئے کس کی کال آگئی ہے؟"

میں نیوی گیشن روم سے ملحق ریڈیو روم میں پہنچا تو آپریٹر نے فون کا ہیڈ گیئر میرے حوالے کردیا۔

میں نے ہیڈ گیئر سر پر چڑھایا تو ریسیور میرے کانوں سے چپک گئے اور ماؤتھ پیس میرے دہانے کے سامنے فضا میں معلق ہوگیا۔ وہ ایک نرم پائپ کے سہارے ہیڈ گیئر سے منسلک تھا۔

میرے اندازے کے عین مطابق دوسری طرف انسپکٹر علی اسد موجود تھا۔

"کوئی خیر خبر؟" میری آواز سنتے ہی اس نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔ اس کی آواز سے پریشانی اور شدید تکان کے ملے جلے اثرات مترشح تھے۔

"میری کہانی ذرا لمبی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے زخموں کا کیا حال ہے؟ تمہاری آواز سے تکان اور بیزاری کا اظہار ہو رہا ہے۔" میں نے اس کی مزاج پُرسی کی نیت سے پوچھا۔

"یہ سب چلتا رہتا ہے۔" وہ بے پروائی سے بولا "تم میرا فون نمبر نوٹ کرلو۔ میں نے اباسین سے رابطہ رکھنے کے لئے کراچی سے خاص طور پر دو موبائیل فون منگوالئے ہیں۔ اس نمبر پر تم ہر وقت مجھ سے بات کرسکتے ہو۔"

"نگرانی کے نتائج کیا رہے؟" میں نے اس کا بتایا ہوا نمبر نوٹ کرکے پوچھا۔

"فی الحال کامیابی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔" اس کی آواز میں مایوسی اور جھلاہٹ نمایاں تھی۔

"تمہاری فہرست میں شاید غلام رسول کا نام نہیں تھا؟" میں نے پوچھا۔

"غلام رسول؟" اس کی تحیر آمیز آواز سے بے یقینی جھلک رہی تھی "وہ تو بہت سیدھا اور کھرا آدمی ہے۔ ایسے کھپلوں سے وہ بہت دور بھاگتا ہے۔ تم اس کا نام کیوں لے رہے ہو؟"

"اگر تم اس کے بارے میں اتنی خوش فہمی کا شکار نہ ہوتے تو آج تم کامیابی کی خبر سنا رہے ہوتے۔ اپنے آدمی فوراً اس کے پیچھے لگادو۔ آج کی رات وہ کہیں نہ کہیں گرفت میں آجائے گا۔"

"کھل کر بتاؤ۔ ایسی گول مول باتوں پر میں کسی شریف اور معزز آدمی کی پگڑی اچھالنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اس کا ماضی آئینے کی طرف شفاف اور بے داغ ہے۔"

"فی الحال میں زیادہ آگے نہیں جاسکتا لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ ملا سرکار کے لئے کام کر رہا ہے اور اسی سلسلے میں رجب علی سے بھی اس کا رابطہ ہے۔ وہ ملا سرکار... اور رجب علی میں مصالحت کرانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ اور شاید آج رات بارہ بجے ان کی ملاقات کا بندوبست کرانے والا ہے۔"

"میرے خدا! اگر تمہاری باتیں درست ہیں تو ہم کس پر اعتبار کرسکتے ہیں؟ وہ تو اپنی ہر تقریر میں ملک' قوم اور وطن سے محبت کے نقارے بجاتا رہتا ہے۔ وہ لوگوں میں میل ملاپ کے لئے جرگے اور پنچائتیں ضرور کراتا رہتا ہے لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ ملا سرکار کے لئے کام کرتا ہوگا۔"

"ہم ہر ایک کو اپنے معیار پر دیکھتے اور پرکھتے ہیں لیکن یہ بازی گر اپنے اصل چہرے نقاب در نقاب چھپائے رہتے ہیں۔ یہ اپنی طبعی عمر پوری کرکے پوری شان و شوکت سے مرجاتے ہیں لیکن ہم ان کے اصل روپ سے کبھی واقف نہیں ہوپاتے۔ رجب علی کو پورا یقین ہے کہ لیلیٰ وتی ملا سرکار یا اس کے آدمیوں کے قبضے میں ہے۔ وہ اپنی بیوی کی رہائی سے پہلے ملا سرکار کی صورت بھی نہیں

یکھنا چاہتا لیکن غلام رسول اسے گھیر لے گا۔ وہ اسے لیلیٰ وتی کی اپسی کا فریب دے کر آج رات بارہ بجے ست بیلہ لائے گا اور ہاں ملا سرکار اپنے خونیں عزائم کے ساتھ اس کا منتظر ہوگا۔"

"تو کیا ملا سرکار نے رجب علی کو ہلاک کرنے کا پکا ارادہ کرلیا ہے؟"

"وہ اسے سمجھانے اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کرے گا یکن رجب علی' لیلیٰ وتی کے فراق میں افہام و تفہیم کی منزل سے ت دور نکل چکا ہے۔ تم جانتے ہو کہ لیلیٰ وتی کو دنیا کی کوئی طاقت اپس نہیں لوٹا سکتی اس لئے رجب علی کا جنون ختم نہیں ہوگا۔ ا سرکار کہتا ہے کہ پالتو کتا پاگل ہوجائے تو اسے گولی مارنے کے سوا وئی چارۂ کار نہیں رہتا۔ آج رات اور کچھ ہو یا نہ ہو' رجب علی ردر مارا جائے گا۔"

"اسے تو مرنا ہی چاہئے لیکن اس کا بہتر انجام پھانسی گھاٹ پر رتا۔ اس کے حامیوں کی شورش کچل دی گئی ہے لیکن اس سے پلے پانچ بے گناہ آدمی ان کی خونریزی کی نذر ہوگئے۔ سترہ اسپتالوں ں ہیں۔"

"ان کے بھی ستائیس آدمی مارے گئے ہیں۔ بائیس پکڑ لئے گئے ہیں۔ یہ تعداد بڑھ بھی سکتی ہے۔"

"میری نگاہ میں ہزار ظالموں کا خون بھی ایک مظلوم کے خونِ حق کی برابری نہیں کرسکتا لیکن تمہیں یہ اعداد و شمار اور خبریں ہاں سے مل رہی ہیں؟"

"میں ملا سرکار کے مقابلے پر بلاوجہ ہی نہیں آیا ہوں۔ میں ی اپنا کچھ دم خم رکھتا ہوں۔ اب تم غلام رسول کی خبر لو۔ وہ نکل یا تو پھر تم اس کا سراغ کھو دوگے۔"

"اگر سادھو بیلہ میں ہونے والے اجتماع کے بارے میں ماری خبر درست ہے تو پھر وہ تینوں بچ کر نہیں نکل سکتے۔ مجھے علوم ہے کہ وہ وہاں کس ٹھکانے پر آئیں گے۔"

"تمہارا اشارہ سفید حویلی کی طرف تو نہیں ہے؟" میں نے ال کیا۔

"تم واقعی بہت کچھ جانتے ہو" اس نے اعتراف کیا "سفید یلی وہاں گنیش آشرم کہلاتی ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ بھاری نفری ے ساتھ ادھر کا رخ کرنا خطرناک ثابت ہوگا اور وہ لوگ بچ کر نکل نے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ انہیں بے خبری کی حالت میں اپا مار کر پکڑنا ہوگا۔"

"میری معلومات اور تمہارے تجربات کے اشتراک کے باوجود ن میں سے کوئی بچ نکلا تو یہ اس کی خوش بختی اور ہماری بدقسمتی ی۔ تم اپنے طریقے پر کام کرو۔ ہم دریائی راستوں پر نگاہ رکھیں ے۔"

"میں غلام رسول کو خود ہی دیکھتا ہوں۔" انسپکٹر علی اسد نے ن کا سلسلہ منقطع کردیا۔

میں نے وہیں برج پر کھلی ہوئی فضا میں کرسیاں ڈلوالیں اور سلطان شاہ کو ہدایت کی کہ وہ کیبن سے دونوں ٹرانسیٹر اوپر ہی لے آئے۔ میرا اندازہ تھا کہ ہماری وہ رات ریڈیو روم میں مہم کی نگرانی کرتے ہوئے ہی گزرے گی۔

اس وقت میری رسٹ واچ آٹھ بجا رہی تھی۔ ملا سرکار کی دی ہوئی ڈیڈلائن میں چار گھنٹے باقی تھے لیکن میرا قیاس تھا کہ اندھیرا پھیل جانے کی وجہ سے کھیل کسی بھی وقت شروع ہوسکتا تھا۔

تھوڑی دیر میں سلطان شاہ کے ساتھ اول خان بھی برج پر ہی آگیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس نے آتے ہی سوال کیا "نیچے عرشے سے کشتیاں پانی میں اتاری جارہی ہیں۔ ان کے بارے میں شاید تم کوئی بہتر مشورہ دے سکو۔"

"وہ جنگی اور نیم فوجی تیاریاں ہیں۔ ان کے بارے میں تم مجھ سے بہتر فیصلے کرسکتے ہو۔ دیکھتے نہیں یہاں کتنی خوشگوار اور خنک ہوا چل رہی ہے۔ یہاں تازہ ہوا کھا کر میں اپنی کھوپڑی کو اعتدال پر لانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ عین وقت پر دماغ نے ساتھ دینے سے انکار کردیا تو یہ پوری مہم ناکام ہوسکتی ہے۔"

اول خان میرے قریب ہی خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ سلطان شاہ نے دونوں اپریٹس آن کرکے وہیں پڑی ہوئی تپائی پر رکھ دیئے اور ریلنگ سے جھک کر نیچے کا نظارہ کرنے لگا۔

"چھ آدمی پہلے سے موجود تھے' بارہ کی کمک آجانے کے بعد میری نفری اٹھارہ ہوگئی ہے۔" اول خان... مجھے اپنی حکمتِ عملی سے آگاہ کرتے ہوئے بولا "ان میں سے دو آدمی اس موٹربوٹ پر اباسین کے قریب موجود رہیں گے جس کے ذریعے ہم کنارے سے یہاں آئے تھے۔ بارہ آدمی پلاسٹک کی سولوبوٹس میں دریا میں اتارے جارہے ہیں۔ یہ سب جدید اور دور مار اسلحے سے لیس ہوں گے اور ایک خاص فارمیشن میں سادھو بیلہ کے گرد پھیل جائیں گے۔ ان سولوبوٹس میں ہلکے پھلکے آؤٹ بورڈ انجن بھی موجود ہیں جو ان لوگوں کو تیزی سے نقل و حرکت کا موقع فراہم کرسکیں گے۔ یہ سب اباسین کی ریڈیو فری کوئنسی پر ہم سے اور آپس میں رابطہ برقرار رکھیں گے۔ عرفان سمیت چار آدمی اباسین پر ہی رہیں گے کیونکہ کم از کم چار نفری عملے کے بغیر رات کو اباسین کے انجن اسٹارٹ کرکے' اسے حرکت میں لانا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔"

"لیکن سولوبوٹس والے شدید ضرورت کے بغیر اپنے انجنوں سے کام نہیں لیں گے۔ آس پاس کے پانیوں میں ماہی گیروں کی کشتیاں منڈلا رہی ہیں۔ انجنوں کی آواز سے ان کے کان کھڑے ہوسکتے ہیں۔ یہ خطرہ بھی ہے کہ ان میں ملا سرکار یا سادھو بیلہ والوں کے مخبر بھی ہوں اور اپنے آقاؤں کو دریا میں غیر معمولی نقل و حرکت کی خبریں پہنچادیں اس لئے ہمیں پوری احتیاط سے اپنا محاصرہ مکمل کرنا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"تم بلا وجہ انکسار سے کام لیتے ہو۔ دیکھ لو کہ میں ماہی گیروں کی بادبانی کشتیوں کو بالکل بھول گیا تھا" وہ اٹھتے ہوئے بولا اور میرے مشورے اپنے عملے تک پہنچانے کے لئے گھوم کر اسٹار بورڈ سائیڈ پر چلا گیا۔

اس کے پکارنے کے چند ثانیوں کے بعد ہی عرفان تقریباً دوڑتا ہوا برج پر آگیا۔

اول خان نے انجنوں کے بارے میں اپنی تفصیلی ہدایت ختم کی تو میں نے کہا " سولوبوٹس کا محاصرہ مکمل ہونے پر اباسین کی ساری روشنیاں بجھادی جائیں گی اور انجن اسٹارٹ کرکے ہم ست بیلہ سے اپنا فاصلہ کم کرلیں گے تاکہ دوربینوں وغیرہ کی مدد سے جزیرے پر کڑی نگاہ رکھی جاسکے۔"

" اباسین کا انجن چلانے سے ماہی گیر نہیں چونکیں گے؟" اول خان نے الجھن کے ساتھ سوال کیا۔

" ضرور چونکیں گے لیکن اس وقت سولوبوٹس اپنی پوزیشن لے چکی ہوں گی اور دریا سے کسی ماہی گیر کو جزیرے کی طرف نہیں لوٹنے دیں گی ۔ مجھے یقین ہے کہ ان ماہی گیروں کے پاس مواصلات کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہوگا۔ ہمارا آپریشن ختم ہونے تک انہیں کھلے دریا ہی میں رہنا ہوگا۔"

" اباسین کو چلانے کے لئے چار آدمی کیوں درکار ہوں گے؟" عرفان کے چلے جانے کے بعد میں نے اول خان سے دھیمے لہجے میں دریافت کیا کیونکہ نیوی گیشن روم والا آدمی ہمارے قریب ہی موجود تھا۔

" ریڈیو روم میں ہروقت آدمی رہتا ہے۔ ایک نیوی گیشن کے لئے، دوسرا انجن روم میں ہونا چاہئے۔ عرفان وھیل سنبھالے گا۔ یہ چار آدمی کم از کم درکار ہوتے ہیں۔"

" فی الحال انجن روم والے آدمی کو منکی برج پر چڑھا دو۔ وہ وہاں سے چاروں طرف نگاہ رکھ سکے گا۔"

میری ہدایت پر دور مار ہتھیاروں اور ان کے میگزین کی بھاری مقدار بھی برج پر ہی پہنچادی گئی۔ عقبی محاذ کے لئے عرفان نے ڈیک پر بھی ہتھیار ماؤنٹ کرلئے تھے اور ایک آدمی کے ساتھ اسی طرف چلا گیا تھا۔

جوں جوں وقت گزرتا جارہا تھا ہم سب پر ہی اعصابی تناؤ مسلط ہوتا جارہا تھا۔

جہاز کے ریڈیو سسٹم سے منسلک ایک چھوٹا سا دستی اپریٹس بھی ہمارے قریب رکھا ہوا تھا جس پر چند منٹ بعد ہی سولوبوٹس کی طرف سے ناقابلِ فہم اشاراتی زبان میں پیغام آنے لگے۔

" دریا کا بہاؤ تیز ہے لیکن وہ سب ہی مہارت کے ساتھ اپنی اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔" اول خان نے سولوبوٹس والوں کی ابتدائی رپورٹیں سن کر مجھے بتایا۔

اسی لمحے ریڈیو روم سے میرے لئے فون کال کا پیغام آیا۔ وہ بھی کوڈز میں تھا اور ٹرانسمیٹر پر آیا تھا۔ اسے سن کر اول خان چو[نکا] کہ میرے لئے اباسین پر کس کا فون آسکتا تھا۔ میں نے اسے بتا[یا] کہ انسپکٹر علی اسد نے پہلے بھی فون کیا تھا۔

" غلام رسول لاپتا ہے۔" میری آواز سنتے ہی انسپکٹر نے مایوسانہ لہجے میں مجھے آگاہ کیا" وہ عموماً دو چار حواریوں کے بغیر کہی[ں] نہیں جاتا لیکن آج وہ اکیلا غائب ہے۔"

" وہ یقیناً رجب علی سے ملنے گیا ہوگا۔" میں نے پُروثوق لہ[جے] میں کہا۔

" آخر کار اسے سادھو بیلہ پہنچنا ہے۔ وہاں سے وہ بچ کر نہ[یں] نکل سکے گا" اس کی تلخ آواز ابھری " میرے فون کرنے کا مقص[د] تمہیں صرف یہ بتانا تھا کہ اس کے بارے میں تمہارے شبہات بڑ[ی] حد تک درست معلوم ہوتے ہیں۔"

" وہ میرے شبہات نہیں تھے۔ یوں سمجھ لو کہ میں نے اس[کی] زبان سے اقبالِ جرم سنا تھا۔ وہ عدالتی زبان کے مطابق اب ملز[م] نہیں رہا بلکہ مجرم بن چکا ہے۔"

" میں سادہ پوشوں کی ایک پارٹی کے ساتھ سادھو بیلہ کی طرف روانہ ہو رہا ہوں۔ تمہیں دریا کی طرف سے حملہ کرنا پڑ جائے تو خیال رکھنا کہ ہم آپس میں ہی نہ ٹکرا جائیں۔"

" اپنی روانگی کچھ دیر کے لئے ملتوی کردو تو بہتر رہے گا۔" م[یں] نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"کیوں؟ اس سے کیا فرق پڑ سکتا ہے؟" اس نے چونکنے انداز میں پوچھا تھا۔

" میں نہیں چاہتا کہ ست بیلہ پر کوئی بھی ایسی غیر معمولی بات نوٹ کی جائے جو انہیں اپنا پروگرام بدلنے یا ملتوی کرنے پر مجبور کردے۔ تم پونے بارہ بجے ادھر جاؤ تو انہیں پروگرام بدلنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔"

" میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔" اس کی اضطراری آواز ابھری " میں خود بھی کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ تمہارے مشورے کی روشنی میں، میں ا[پنے پرو]گرام پر نظرثانی کرتا ہوں۔"

میں واپس آیا تو [...] آگ کی بوتل' ایک گلاس ا[ور] آئس پاٹ رکھا ہوا تھا۔

" یا مظہرالعجائب!" میں نے آسمان کی طرف دیکھ کر حیرت [سے] کہا " اس سرکاری موٹربوٹ پر یہ انعامات کہاں سے برس ر[ہے] ہیں۔ میں تو اس وقت بوند بوند کو ترس رہا تھا۔"

" اور مجھے تم پر ترس آرہا تھا۔ تمہاری بری عادتوں سے واقف ہوجانے کے بعد اب میں تمہارے چہرے سے تمہاری ضروریات اندازہ لگالیتا ہوں۔"

" شرابی کو شراب نہ ملے تو اس کے چہرے پر یتیمی برسنے [لگتی] ہے۔" سلطان شاہ بڑبڑایا۔

" بعض لوگ شرابی نہ ہونے کے باوجود صورت سے ہی [...]



[مع]لوم ہوتے ہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"خدا شکر خورے کو شکر ضرور دیتا ہے۔" اول خان نے بات [...]کراتے ہوئے کہا " دونوں غیر ملکی ماہرین پینے کے عادی تھے۔ یہ [...]ل ان ہی کے کریٹ میں سے نکلوائی ہے۔"

کریٹ کا ذکر سنتے ہی میں نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ بلیک [...]ل اپنے گلاس میں انڈیلی' اس میں برف کے چند ڈلے ڈالے [او]ر ایک ہی گھونٹ میں چوتھائی گلاس خالی کردیا۔

عرفان ایک آدمی کے ساتھ عرشے پر تھا۔ تیسرا آدمی ریڈیو [رو]م میں مصروف تھا اور چوتھا منکی برج پر اپنی آبزرویشن پوسٹ پر [ج]ا بیٹھا تھا اس لئے برج پر ہم تینوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔

ہم لوگ وہیں بیٹھے' پنیر' نمکین گوشت کے پارچوں اور ڈبل [رو]ٹی کے ساتھ اپنارات کا کھانا کھا رہے تھے کہ اچانک اباسین [کے] ٹرانسمیٹر پر آنے والا ایک پیغام سن کر اول خان بے تابانہ [اند]از میں اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

"کیا خبر ہے؟" اس نے اونچی آواز میں منکی برج والے سے [پو]چھا۔

" سب ٹھیک ہے۔ جزیرے پر سناٹا ہے اور روشنیاں گل [ہو]نے کی وجہ سے بتدریج اندھیرا پھیلتا جارہا ہے۔" منکی برج والے [کی] آواز دھیمی لیکن نمایاں تھی۔

"پل کی طرف دیکھو۔۔۔ ادھر کچھ ہو رہا ہے۔" اول خان کی [اض]طراری آواز ابھری۔

"کیا بات ہے؟ ادھر کیا چیک کرانا چاہ رہے ہو؟" میں نے [سو]ال کیا۔

" پل کی طرف سے دریا کے سینے پر کچھ متحرک روشنیاں [سا]دھو بیلہ کی طرف آتی ہوئی نظر آرہی ہیں۔ رات کے وقت بیڑیوں [او]ر کشتیوں میں سفر کرنے والے عموماً لالٹینیں استعمال کرتے ہیں۔ [س]ولوبوٹس والوں نے ڈوبتی' ابھرتی روشنیاں تو دیکھی ہیں لیکن ان کی [تع]داد اور سمت کا تعین نہیں کرسکے۔"

" یہ رجب علی یا ملا سرکار کے آدمی بھی ہوسکتے ہیں۔" وہ [انک]شاف سن کر میں مضطرب ہوگیا " خرانٹ قسم کے مجرم اپنے قافلِ[...]تماد حفاظتی انتظامات کے بغیر کبھی کسی نئی جگہ نہیں جاتے۔"

" تو انہیں روکا جائے؟" اس غیر متوقع صورتِ حال پر اول [خا]ن بوکھلایا ہوا تھا۔

" ہرگز نہیں!" میں نے سخت لہجے میں کہا " ہوسکتا ہے کہ یہ [ان] ہی میں سے کسی کا ہراول دستہ ہو۔ ان سے چھیڑ چھاڑ کی گئی تو [ا]ن کے پیچھے آنے والے رک جائیں گے۔"

اس دوران میں منکی برج والا ان یرقان زدہ روشنیوں کو اپنی [دو]ربین ٹیلی اسکوپ کی گرفت میں لینے میں کامیاب ہوگیا تھا اور بتارہا [تھ]ا " وہ کم از کم سات بیڑیاں ہیں اور بہاؤ کے رخ پر ہونے کی وجہ [س]ے چپوؤں کے سہارے چلائی جارہی ہیں۔ ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سادھو بیلہ پر لنگر انداز ہوں گے یا اس کے قریب سے آگے گزر جائیں گے۔ ان میں سوار لوگوں کی تعداد کافی معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہر کشتی میں تنکوں جیسے لمبے لمبے کئی چپو چلتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔"

مجھے برج پر سے کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ میں لپک کر نیوی گیشن روم میں گھس گیا۔ میں نے دوربین کی مدد سے دریا کا پورا پاٹ چھان ڈالا لیکن کچھ بھی نہیں دیکھ سکا۔

اول خان نے اپنے ٹرانسمیٹر کے ذریعے فوراً ہی عرفان اور اس کے ساتھی کو طلب کرلیا۔

"سب لوگ پوزیشن لے چکے ہیں۔ آگے سے کچھ مشکوک بیڑیاں بھی چلی آرہی ہیں۔ روشنیاں گل کرو اور انجن چلا کر لنگر اٹھا دو۔ یہاں سے ہم زیادہ دور تک نظر نہیں رکھ سکتے۔"

عرفان کو اپنے تینوں ساتھیوں کی ضرورت تھی اس لئے منکی برج خالی ہوگیا۔

"تم ایک رائفل لے کر اوپر چلے جاؤ لیکن میری اجازت کے بغیر فائر نہ کرنا۔" میں نے کہا۔

"ان دریائی راستوں پر سفر کرنے والے اسمگلر اور ڈاکو بہترین پیراک ہوتے ہیں۔" عرفان نے جاتے جاتے' رک کر کہا " یہ خطرہ دیکھتے ہی بے خوف و خطر اپنی کشتیاں چھوڑ کر دریا میں کود پڑتے ہیں اور لمبے لمبے زیرِ آب اسٹروک مارتے ہوئے دریا کے کسی محفوظ کنارے پر نکل جاتے ہیں جہاں انہیں تلاش کرنا دشوار ہوتا ہے۔"

عرفان اپنے کیبن میں جا گھسا۔ ایک آدمی نیچے انجن روم کی طرف چل دیا اور سلطان شاہ منکی برج پر چڑھ گیا۔ اسی لمحے اباسین کی ساری روشنیاں گل ہوگئیں اور ہم اندھیرے میں کھڑے رہ گئے۔

اندر نیوی گیشن پینل میں روشن ننھے ننھے سبز' سرخ اور زرد بلبوں کی روشنی بھی اس وقت بہت تیز محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے ایک طرف اوٹ لے کر اپنے لئے سگریٹ سلگائی اور اسے ہتھیلی میں چھپا کر ہلکے ہلکے کش لینے میں مصروف ہوگیا۔ سات کشتیوں کی آمد کی خبر نے مجھے قدرے متردد کردیا تھا۔

چند ثانیوں بعد اباسین کے کسی حصے میں زندگی کی لہر جاگی اور برج کے قریب سے گزرتی ہوئی عمودی چمنی میں سے ہلکا ہلکا دھواں خارج ہونے کے بعد معدوم ہوگیا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ اباسین ست بیلہ کے ساتھ ساتھ' ہولے ہولے آگے رینگ رہا تھا۔

آخر کار دریا کے سینے پر لرزتی اور ڈولتی ہوئی وہ یرقان زدہ روشنیاں ہمیں بھی نظر آگئیں جن کے بارے میں سولوبوٹس سے خبریں آرہی تھیں۔

" یہ رجب علی کے تو نہیں' ملا سرکار کے ساتھی ہوتے ہیں۔"

میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"تم یہ دعویٰ کیسے کرسکتے ہو؟" اول خان نے آہستگی سے سوال کیا۔

"رجب علی' لیلیٰ وتی کے فراق میں دیوانہ ہو رہا ہے' اس وقت اُسے سامنے کی باتیں نہیں سوجھ رہیں تو وہ دور کی کیا سوچے گا؟ پھر اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ غلام رسول تھوڑی دیر پہلے ہی اس تک پہنچنے میں کامیاب ہوا ہو۔ ان حالات میں رجب علی کو اپنے آدمی ادھر بھیجنے کا وقت کہاں مل سکا ہوگا؟ یہ یقیناً ملا سرکار کے حامی ہیں جو آج کی رات ست بیلہ میں اپنے سائیں سرکار کی حفاظت کے لئے آرہے ہیں۔ ہم نے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے دریا میں حصار قائم کیا ہے اور یہ لوگ جزیرے کے کنارے پر اپنا گھیرا ڈالیں گے۔"

"تو پھر تمہاری کیا رائے ہے؟" اس نے پہلو بدل کر پوچھا۔ "انہیں آنے دیا جائے؟"

"میرے خیال میں یہی بہتر ہوگا۔" میں نے سگریٹ کا ٹوٹا چٹکی سے سمندر میں اچھالتے ہوئے کہا "اپنے آدمیوں کو ہدایات دے دو کہ ان کا راستہ بالکل کھلا چھوڑدیں اور ان سے کوئی تعرض نہ کریں۔"

اول خان نے فوراً ہی اپنے اپریٹس پر سولوبولس والوں کو کوڈ ورڈز میں ہدایات دینی شروع کردیں۔

سلطان شاہ نے اوپر سے بولنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ میں نے ڈانٹ کر اسے خاموش کردیا۔ "نیچے آکر بات کرو۔ ہوا کے دوش پر آواز دور تک جائے گی۔"

وہ فوراً ہی منکی برج سے نیچے اتر آیا اور ہیجان آمیز لہجے میں بولا۔ "وہ واقعی سات کشتیاں ہیں اور ان پر کسی بھی طرح پچاس سے کم آدمی سوار نہیں ہیں۔"

"یہ انسپکٹر علی اسد کے آدمی تو نہیں ہیں؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد سلطان شاہ نے چونک کر کہا۔

میرا منہ بن گیا۔ "بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔ یہ سات کشتیاں جس گھاٹ پر لگیں گی' وہاں ہلچل مچ جائے گی اور پل بھر میں پورے ست بیلہ کو پتا چل جائے گا کہ گھاٹ پر لوگ اتر رہے ہیں۔ انسپکٹر کا مشن خفیہ ہوگا۔ وہ یوں ڈنکے کی چوٹ پر آیا تو روئے زمین پر اس سے بڑا کوئی احمق نہ ہوگا اور پھر اسے اتنے بڑے لاؤ لشکر کی کیا ضرورت ہے! اس کے ساتھ تو دس پانچ آدمی بھی کافی ہوں گے۔"

عرفان اپنے کیبن سے برج پر نکل آیا۔ "ہم ڈیڑھ ناٹیکل میل آگے بڑھ آئے ہیں۔"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کیونکہ اس وقت ست بیلہ ہمارے بائیں ہاتھ پر آچکا تھا۔ سامنے نظر آنے والا پل بھی واضح ہوگیا تھا۔ پانی کے بہاؤ میں وہ روشن بلکہ نیم روشن جزیرہ کسی بڑے جہاز کی طرح ڈولتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"بس ٹھیک ہے' لنگر ڈال کر انجن بند کردو اور اپنی جگہ سنبھال لو۔"

اول خان کی واضح ہدایت سنتے ہی وہ مستعدی کے ساتھ یوں اپنے کیبن میں جاگھسا جیسے وہ برسوں سے اول خان کی ماتحتی کر[illegible] چلا آیا ہو۔ اول خان حقیقی طور پر اباسین کا کمانڈر بنا ہوا تھا۔

ساتوں کشتیاں دریا پر تیرتی ہوئی بلا روک ٹوک ست بیلہ [illegible] جنوبی گھاٹ سے جالگیں۔ ہم اندھیرے میں چھپے ان کا جائزہ لے[illegible] رہے۔ میں نیوی گیشن روم کی دوربین سے ہر فرد کو صاف دیکھ[illegible] تھا۔ وہ سب ہی خوفناک وضع قطع والے مسلح افراد تھے جن میں [illegible] بیشتر کے دونوں شانے ہتھیاروں سے بوجھل تھے۔

گھاٹ کے قرب و جوار میں کسی غیر متوقع روزی کے انتظ[illegible] میں سوئے ہوئے ملاح اور خلاصی بھی شاید ان لوگوں نے اپنی بانہ[illegible] میں گھسیٹ لئے تھے کیونکہ گھاٹ پر بھیڑ خاصی بڑھ گئی تھی۔

پھر وہ لوگ جزیرے کے کنارے کنارے پھیلنے لگے۔ سار[illegible] تیاریاں اسی انداز میں ہو رہی تھیں جو میری توقعات کے عین مطابق تھا۔ وہ بھیڑ بھاڑ بمشکل بیس منٹ تک برقرار رہی اور آخ[illegible] کار جزیرے کے گرد مسلح نگہبانوں کی پوشیدہ فصیل میں تحلیل ہوگ[illegible] ...کشتیوں سے اترنے والوں کی تعداد کسی طرح ستر سے کم نہیں تھی۔

"یہ مقابلہ سخت ہوتا نظر آرہا ہے۔" اول خان نے کہا "اگ[illegible] یہ واقعی ملا سرکار کے جاں نثار ہیں تو ان میں سے کثرت کا صفایا ک[illegible] بغیر ملا سرکار تک رسائی حاصل نہیں ہوسکے گی۔"

وہ بول رہا تھا لیکن میرے ذہن میں بدلے ہوئے حالات ک[illegible] مطابق ایک نئی حکمت عملی ترتیب پارہی تھی۔

ساڑھے دس بجے فضا میں ایک موٹربوٹ کے انجن کا تیز شو[illegible] سنائی دیا۔ وہ آواز بہت تیزی کے ساتھ قریب آتی جارہی تھی۔ [illegible] نے ایک مرتبہ پھر سلطان شاہ کو منکی برج پر چڑھادیا۔ جتنی دیر میں [illegible] جائزہ لے کر نیچے اترا' اتنی دیر میں دریا کی لہروں میں جھاگ اڑا[illegible] ہوئی وہ تیز رفتار اسپیڈ بوٹ دریا کے چوڑے پاٹ میں نمودار ہو[illegible] جزیرے کی اوٹ میں روپوش ہوچکی تھی۔ خاص بات یہ تھی کہ اس [illegible] پر بھی مکمل اندھیرا تھا۔

اباسین والے ٹرانسمیٹر پر مسلسل آوازیں گونج رہی تھیں [illegible] سولوبولس والے ہیجانی انداز میں بولے جارہے تھے۔ وہ بتا رہ[illegible] اسپیڈ بوٹ یوں ناگہانی طور پر نمودار ہوئی تھی کہ انہیں پیشگی اطلا[illegible] دینے یا ہدایت لینے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ کرنل نے بتایا ک[illegible] ان لوگوں نے اسپیڈ بوٹ کو جزیرے کے مشرقی گھاٹ پر لنگر انداز ہوتے دیکھا تھا۔ ادھر اندھیرا ہونے کی وجہ سے یہ نہیں دیکھا جا[illegible] کہ اس بوٹ سے کتنے آدمی آئے تھے۔

"یہ ملا سرکار معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی اسی سمت سے [illegible] ہے جدھر سے سات کشتیاں آئی تھیں۔" سلطان شاہ نے را[illegible]



ظاہر کی۔ "ہمارا اصل شکار تو آہی گیا ہے۔ کیوں نہ کھیل شروع ہوجائے؟"

"رجب علی کا ہاتھ آنا بھی ضروری ہے ورنہ اس کے ہاتھوں مزید بے گناہ آدمی مارے جائیں گے۔ اسے پتا چل گیا کہ لیلیٰ وتی مرچکی ہے تو نجانے وہ کیا گل کھلائے گا۔ بات پولیس کے ہاتھوں میں چلی جانے کے بعد زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہ سکے گی۔ تھانے اور تفتیشی عملے کے علاوہ اسپتال اور مردہ خانے والے بھی بہت کچھ جان لیتے ہیں۔"

میری ابتدا سے ہی کوشش تھی کہ ست بیلہ کو ان سب کے لئے چوہے دان بنالیا جائے لیکن ملا سرکار بہت چالاک اور مکار تھا۔ اس نے وہاں قدم رکھنے سے پہلے ہی جزیرے کو شیر کی کچھار بنالیا تھا جہاں وار کرنے کے لئے بڑے دل گردے والے سورماؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔

"تم نے اس کی اسپیڈ بوٹ کی طوفانی رفتار پر غور کیا تھا؟" میں نے اول خان سے پوچھا۔

"گولی کی طرح نکل گئی تھی۔" اس نے مختصر سا تبصرہ کیا۔

"ہماری دو نفری موٹربوٹ اس کی رفتار کا مقابلہ کرسکے گی۔"

"مجھے اندازہ نہیں۔ اس بارے میں عرفان ہی کوئی رائے دے سکے گا۔ اس نے بھی اپنے ٹرانسمیٹر پر سولوبولس والوں کے پیغامات سن کر اسے دیکھا ہوگا۔"

کشتیوں اور جہازوں کی ساخت اور ان کی کارکردگی عرفان کی پیشہ ورانہ کمزوری تھی۔ میرا سوال سنتے ہی اس نے ملا سرکار کی اسپیڈ بوٹ کی کارکردگی اور خواص پر ایک طولانی تقریر شروع کردی اور پھر اپنی موٹربوٹ پر آیا تو دیر تک اسی کی خوبیاں گنواتا رہا۔ پیچیدہ اصطلاحات اور دقیق اعداد و شمار کے اس جنگل میں کام کی بات صرف اتنی تھی کہ ملا سرکار کی اسپیڈ بوٹ بلاشبہ بہت تیز رفتار تھی لیکن اباسین کے ساتھ موٹربوٹ اس سے بھی اعلیٰ اور ارفع تھی کیونکہ اسے مداخلت کاروں وغیرہ کے تعاقب کے لئے ہی اباسین سے منسلک کیا گیا تھا۔

میں تاریک برج پر پاؤں پسارے بلیک ڈاگ سے شغل کرتا رہا۔ انتظار کے ان طویل اور صبر آزما لحات کے اعصاب شکن اثرات سے خود کو بچائے رکھنے کا وہی ایک ذریعہ میری دسترس میں تھا۔ مجھے ان بیچاروں پر ترس آرہا تھا جو اس ذوق سے محروم تھے اور محض انتظار میں سوکھ رہے تھے۔ گیارہ بجے کے بعد جب گھڑی کی سوئیاں بارہ کی طرف سفر کرنے لگیں تو میرے اعصاب پر بھی تناؤ چھانے لگا۔ ہمارے کان لہروں کے شور میں ابھرنے والی کسی بھی نئی آواز کے منتظر تھے۔ آنکھیں کسی نئی بوٹ کی متلاشی تھیں لیکن وہاں ہر طرف ایک گمبھیر سی یکسانیت کا راج تھا۔

ٹھیک پونے بارہ بجے ملا سرکار کا کوٹ منڈو والا اپریٹس یک بیک جاگ اٹھا۔

"غلام رسول فار سائیں سرکار... اوور!" وہ آواز سنتے ہی ہم سب اپنی جگہوں پر سنبھل کر بیٹھ گئے اور میں نے آواز قدرے تیز کردی۔

"سائیں سرکار... اوور!" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ملا سرکار کی تکبر آمیز' کرخت آواز ابھری۔

"سائیں' ہم چلنے والے ہیں' رجب علی میرے ساتھ دوسرے کمرے میں موجود ہے لیکن چلنے سے پہلے وہ تم سے کوئی ضروری بات کرنے پر اڑا ہوا ہے۔ کہتا ہے کہ بات کئے بغیر سادھو بیلہ نہیں جائے گا... اوور!"

"کیا تم نے اسے بتادیا ہے کہ تمہارے پاس میرا اپریٹس ہے؟ اوور!" ملا سرکار کی آواز درشت ہوگئی۔

"نہیں سائیں' ایسا کیسے ہوسکتا تھا؟ اوور!" سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا گیا۔

"تمہارا کیا اندازہ ہے؟ وہ کیوں بات کرنا چاہتا ہے؟ اوور!"

"وہ جنگلی آدمی ہے' سائیں! میرا خیال ہے کہ اسے کچھ شبہ ہوگیا ہے۔ وہ لیلیٰ وتی کی آواز سن کر یہ یقین کرنا چاہتا ہے کہ وہ واقعی تمہارے ساتھ سادھو بیلہ پر موجود ہے اوور۔"

"اسے بتادو کہ مجھ سے بات نہیں ہوسکتی۔" ملا سرکار کی آواز سرد اور سفاکانہ ہوگئی۔ "وہ خود گنیش آشرم میں کئی بار مجھ سے ملنے آچکا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ یہاں فون نہیں ہے۔ اوور!"

"میں سب کچھ کہہ چکا ہوں مگر وہ پھر بھی ضد کر رہا ہے سائیں!" غلام رسول کی آواز سے بے چارگی مترشح تھی۔ "ایسا لگتا ہے جیسے اس کا دماغ الٹ گیا ہو۔ ایک بات کہتا ہے اور پھر اسی کی رٹ لگا دیتا ہے۔ دوسرے کی کوئی بات' کوئی دلیل دھیان سے نہیں سنتا۔ اوور!"

"نہیں سنتا تو اسے اپنے نوکروں کی مدد سے باندھ لویا اُسے چائے میں نشہ پلادو۔ آج رات وہ بچ کر نکل گیا تو میں اپنے ہاتھوں سے تمہاری چمڑی گرادوں گا۔ اوور!" ملا سرکار کی آواز میں بھیانک تلخی پیدا ہوگئی۔

"وہ میرے گھر پر نہیں ہے۔ میں اس کے سسر کی ویران حویلی میں اُس کے ساتھ اکیلا ہوں۔ اس نے ان سب کو نواب شاہ بھیج دیا ہے۔ وہ خود اوپر سے زیور نکالنے گیا ہے تو میں تم سے بات کر رہا ہوں۔ ہاتھا پائی کرکے میں اکیلا اس موذی سے نہیں جیت سکتا' وہ میری پسلیاں توڑ ڈالے گا... اوور!"

"میں کچھ نہیں جانتا غلام رسول' اسے یہاں لاؤ یا وہاں.... بے بس کرو۔ یہ تمہارا کام ہے۔ تم ناکام رہے تو اگلی صبح کا سورج تمہاری بدبختی کا ماتم کرتا ہوا طلوع ہوگا... اوور اینڈ آل۔"

اس نئی گفتگو نے میری طبیعت بدمزہ کردی۔ ملا سرکار نے اتنے نازک اور ادھورے موڑ پر گفتگو کا سلسلہ ختم کیا تھا کہ آنے والے لمحوں کے بارے میں کچھ قیاس کرنا ہی ممکن نہیں رہا تھا۔

مجھے بس ایک ہی امید تھی کہ میری بلکہ ہماری طرح ملا سرکار بھی سردار رجب علی کے بارے میں اندھیرے میں تھا اور اگر غلام رسول اسے ست بیلہ لانے میں ناکام ہو جاتا یا سکھر ہی میں بے بس کر لیتا تو لازمی طور پر ملا سرکار سے ٹرانسیٹر پر رابطہ کرتا اور یوں مجھے بھی صورتِ حال کا اندازہ ہو جاتا۔

لمحہ بھر کے لئے میں نے سوچا کہ انسپکٹر علی اسد کو فون کر کے اسے لیلیٰ وتی کے باپ کے گھر دوڑا دوں لیکن اپنا وہ ارادہ میں نے فوراً ہی ترک کر دیا۔ میری رِسٹ واچ بارہ بجا رہی تھی اور اس وقت انسپکٹر علی اسد کو سکھر کے بجائے ست بیلہ کے کسی اہم مورچے پر ہونا چاہئے تھا۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" سلطان شاہ مایوسانہ لہجے میں کہہ رہا تھا "رجب علی کی رگ نہ اتری تو ہم ساری رات یوں ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے؟"

"یہ غلام رسول کے لئے زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ وہ رجب علی کو شیشے میں اتارنے کے لئے اپنا سارا زور لگا دے گا۔ دیر تو ہو سکتی ہے لیکن وہ رجب علی کو ست بیلہ لے آئے گا۔"

"مجھے امید نہیں۔" اول خان بھی وہ گفتگو سن کر بد دل ہو گیا تھا۔ "جب آدمی موت کی بو پا لیتا ہے تو بہت وحشی اور خود سر ہو جاتا ہے۔ رجب علی کی چھٹی حس نے اسے خطرے سے آگاہ کر دیا ہے ورنہ وہ آخری لمحات پر ایک نئی شرط عائد نہ کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ غلام رسول ہی کو مار دے۔"

ہماری وہ قیاس آرائیاں صورتِ حال کو نہیں بدل سکتی تھیں۔ ہر طرف چھایا ہوا گمبھیر سکوت جسم و جان کی گہرائیوں تک میں اترنے لگا تھا۔ بے یقینی اور اندیشوں میں گھرے ہوئے ایسے صبر آزما لمحات میں نے کبھی نہیں گزارے تھے۔ میں ہولے ہولے بلیک ڈاگ کی بوتل اپنے معدے میں اتارتا جا رہا تھا۔

ایک بجے کے بعد اچانک اباسین کے ریڈیو سسٹم پر سولوبوٹس کی طرف سے پیغامات آنے لگے۔ سکھر کی طرف سے ایک کشتی ست بیلہ کی طرف آ رہی تھی۔

اس کشتی پر کوئی سازشی قافلہ نہیں تھا اس لئے اس پر موجود لالٹینوں کی روشنی میں سولوبوٹس والوں نے اپنی انفرا ریڈ گاگلز کی مدد سے یہ دیکھ لیا تھا کہ دو کشتی بانوں کے ساتھ صرف دو مسافر تھے۔ ان میں ایک رجب علی اور دوسرا غلام رسول ہونا چاہئے تھا کیونکہ وہی ہماری دلی توقعات تھیں۔

بیچ منجدھار میں آ کر اس کشتی کا رخ جزیرے کے اس مشرقی گھاٹ کی طرف ہو گیا جہاں ملا سرکار اترا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ آنے والے وہی دونوں تھے جن کا ہم سب کو انتظار تھا۔

میں سن چکا تھا کہ رجب علی پہلے بھی گنیش آشرم آتا رہا تھا اس لئے اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ملا سرکار کے آستانے پر پہنچنے کے لئے کون سا گھاٹ قریب پڑتا تھا۔

"اب ہم سب کو چوکنا رہنا ہو گا۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "جی تھری رائفلوں میں بڑا میگزین ڈال کر ہمیں سب سے پہلے جزیرے کے کناروں پر چھپے ہوئے محافظوں پر باڑھ مارنی ہیں۔ ان کے قدم اکھاڑے بغیر ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ بھاگنے والوں پر بھاری گولا باری بھی کی جا سکتی ہے لیکن کارروائی کے آغاز کا اشارہ میری طرف سے ملے گا۔ اس سے پہلے کوئی فائر نہیں ہو گا۔"

"تو تم کہاں جا رہے ہو؟" اول خان نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"میں نیچے موٹر بوٹ پر جا رہا ہوں۔ سلطان شاہ میرے ساتھ ہو گا۔"

"پھر میں اکیلا کیا کر سکوں گا؟" میرے ارادے سے واقف ہوتے ہی اول خان بوکھلا گیا۔

"تم چار آدمی ہو۔ تم چاہو تو پورے جزیرے کو دریا میں غرق کر سکتے ہو۔ صرف ریڈیو روم والے کو اس کی جگہ سے نہ ہٹانا۔ باقی آدمی فائرنگ کا دباؤ رکھیں گے۔"

"تو کیا اباسین اندھیرے میں یوں ہی کھڑا رہے گا؟" اول خان نے پوچھا۔

"ہاں۔ یہ ہمارا مضبوط دفاعی قلعہ ہو گا۔" میں نے کہا "تم ملا سرکار کی اسپیڈ بوٹ کی رفتار دیکھ چکے ہو۔ اباسین پر رہ کر ہم اس پر نگاہ تک نہ رکھ سکیں گے۔ ایک آدمی منکی برج سے گنیش آشرم کے در و دیوار کو چھلنی کر دے تو یہ بڑا کام ہو گا۔ جی تھری کی مدد سے یہ ٹارگٹ حاصل کیا جا سکتا ہے۔"

"ہمارے پاس جی تھری سے بھاری گنیں بھی ہیں۔" اول خان نے کہا "کراچی سے ہمارے لئے بہترین ہتھیار بھیجے گئے ہیں۔ ایسی تین گنیں نیچے بوٹ پر بھی ہیں۔ سولوبوٹس بھی ان ہی سے لیس ہیں۔ ان کا فائر پاور قابلِ رشک ہے۔ خود کار پوزیشن پر یہ اس طرح میگزین خالی کرتی ہیں کہ گن لوڈ کرنے والوں پر وقت پڑ جاتا ہے۔"

"ہمارا ٹرانسیٹر پر رابطہ رہے گا۔" میں نے کہا "ہمارے پیغامات پکڑے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے اس لئے سب لوگوں کو بتا دو کہ کھلی کھلی عام فہم زبان میں بات کریں کیونکہ تمہارے کوڈ میرے لئے ناقابلِ فہم ہیں۔ ملا سرکار والے دونوں ایریئس میں لے جا رہا ہوں تاکہ وقتِ ضرورت انہیں استعمال کر سکوں۔"

"تو تم سادھو بیلہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر چکے ہو؟" اول خان نے پُر تشویش لہجے میں پوچھا۔

"یہ سب حالات پر منحصر ہے۔ سادھو بیلہ پر حملہ کرنا پڑا تو ہمیں چھپے ہوئے پہرے داروں اور گنیش آشرم کو نشانہ بنانا ہو گا میں جانتا ہوں کہ ست بیلہ کی آبادی بے گناہ ہے۔ ان کی بے خبری میں کوئی غدار ملا سرکار کو گنیش آشرم استعمال کرنے کا موقع دیتا ہے لیکن مجبوری کی حالت میں ہمیں یہ قدم اٹھانا ہو گا۔ سچ پوچھو تو میرا ارادہ نہیں واپسی پر گھیرنے کا ہے۔ ساتوں کشتیاں تمہارے نشانے پر ہوں گی۔ ملا سرکار اپنی اسپیڈ بوٹ میں ہو گا جسے میں سنبھال لوں گا۔ غلام رسول پر ہر وقت ہاتھ ڈالا جا سکتا ہے۔ رہا رجب علی تو اس کا فیصلہ ملا سرکار ہی کر دے گا۔ واپسی پر ان لوگوں کو گھیرنا ہر اعتبار سے بہتر ثابت ہو گا۔"

"پھر تم سادھو بیلہ پر حملے کی جزئیات پر کیوں غور کر رہے ہو؟"

"صرف ضرورت کے تحت۔ یہ نہ بھولو کہ جزیرے پر پولیس فورس بھی پہنچ چکی ہے۔ ان کی ذرا سی لغزش یا بے صبری ہمارا بنا بنایا کھیل بگاڑ سکتی ہے۔ انہوں نے کوئی بھی کارروائی کی تو ملا سرکار کے آدمی جزیرے پر قیامت مچا دیں گے۔ اور اس افراتفری میں کچھ پتا نہیں چلے گا کہ کون کدھر نکل گیا۔"

"حیرت کی بات ہے کہ انسپکٹر نے بہت دیر سے ہمیں فون نہیں کیا۔" سلطان شاہ بولا "بارہ بجے کے بعد تو اسے لازماً تم سے رابطہ کرنا چاہئے تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ گنیش آشرم ہی کے کسی حصے میں گھسے بیٹھے ہوں اور وہاں سے فون کرنے کا موقع نہ ہو۔ اس وقت ہم سب ہی حالات کے قیدی بنے ہوئے ہیں۔"

اول خان میرے فیصلے پر مطمئن نہیں تھا۔ برج سے نیچے آ کر اس نے کہا کہ اتنے بڑے مقابلے میں موٹر بوٹ بہت زیادہ غیر محفوظ تھی جب کہ اباسین واقعی ایک قلعہ تھا لیکن وہ مجھے میرا فیصلہ بدلنے پر آمادہ نہ کر سکا اور میں سلطان شاہ کے پیچھے اباسین کے قریب لنگر انداز موٹر بوٹ پر اتر گیا۔

"سولوبوٹ ون' جزیرے کے مشرقی گھاٹ کی طرف چلو!" میں نے بوٹ پر قدم رکھتے ہی کہا۔ مجھے اول خان سے معلوم ہو چکا تھا کہ بوٹس کی فارمیشن کیا تھی۔ مشرقی گھاٹ کے مقابل دریا میں موجود سولوبوٹ کو ایک نمبر دیا گیا تھا۔ یہ نمبر داہنی طرف بڑھتے چلے گئے تھے اور اباسین سے آگے بارہویں سولوبوٹ پر ختم ہو گئے تھے۔

میری ہدایت سنتے ہی ایک جوان نے انجن اسٹارٹ کیا' دوسرے نے رسّا کھولا اور موٹر بوٹ ہلکی رفتار سے مشرق کی طرف چل پڑی۔ جہاں سولوبوٹ نمبر ایک تاریکی میں اپنی ڈیوٹی پر مامور تھی۔ "اس کا تھراٹل وغیرہ آرڈر میں ہے؟" میں نے ایک گن اٹھاتے ہوئے موٹر بوٹ کے بارے میں سوال کیا۔

"یس سر! اس وقت رفتار بڑھائی تو انجن کی آواز دور تک پھیلے گی۔ لڑائی چھڑ گئی تو پھر آپ اس کی رفتار بھی دیکھ لیں گے۔ تین منٹ میں ہم جزیرے کا چکر مکمل کر لیں گے۔"

"کمانڈر کالنگ فار ایوری باڈی!" اچانک ٹرانسیٹر پر اول خان کی بھاری آواز ابھری "اب سب لوگ کوڈ کے بجائے اردو میں رپورٹ کریں گے۔ موٹر بوٹ اس وقت سیکنڈ ان کمانڈ ہے۔ جب تک میری طرف سے روکا نہ جائے' ایم بی کے ہر آرڈر پر عمل کیا جائے گا۔۔۔ اوور اینڈ آل۔"

"ایس بی ون ٹو اباسین!" چند ثانیوں بعد ریڈیائی شور میں ایک آواز سنائی دی۔ "مشرقی گھاٹ پر گہرا اندھیرا ہے۔ کشتی کی روشنیاں ناکافی ہیں۔ کچھ پتا نہیں کہ ادھر کیا ہو رہا ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

"ایس بی فائیو ٹو اباسین!" توقف کے بعد ایک نئی آواز سنائی دی۔ "کنارے پر تین مسلح آدمی ایک جگہ جمع ہو کر سگریٹیں پی رہے ہیں۔ وہ تینوں میری فل رینج میں ہیں۔ اوور اینڈ آل۔"

طویل سکوت کے بعد ست بیلہ کے اطراف میں ہلچل شروع ہوئی تو ہر طرف سے پیغامات بھی آنے لگے۔ وہ لوگ ہر تبدیلی سے اپنے کمانڈر کو کلی طور پر آگاہ رکھ رہے تھے۔

موٹر بوٹ میں سفر کرتے ہوئے میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ ماہی گیروں کی تمام کشتیاں اباسین کے قرب و جوار سے کہیں غائب ہو چکی تھیں اور دریا پر عملاً ہم لوگوں کی حکمرانی تھی۔

"یہ غریب ماہی گیر بہت سادہ لوح اور ڈرپوک ہوتے ہیں سر!" میرے استفسار پر دراز قامت جوان نے کہا "وہ سب ہماری پُراسرار نقل و حرکت سے خوفزدہ ہو کر' اپنے جال سمیٹ کر دریا میں نیچے چلے گئے ہیں۔"

نیچے کے لفظ پر میں چونکا لیکن اگلے ہی لمحے میری سمجھ میں آ گیا کہ اس کی زبان میں اوپر کا مطلب منبع کی سمت اور نیچے کا مطلب ڈیلٹا کی سمت ہوتی ہے۔

میں دل ہی دل میں حساب لگا رہا تھا کہ رجب علی نے کشتی سے اتر کر ملا سرکار تک پہنچنے میں کتنا وقت لیا ہو گا۔ ملا سرکار کی سمجھانے بجھانے والی بات محض ایک طفل تسلی تھی ورنہ میں جانتا تھا کہ رجب علی جب ملا سرکار کو لیلیٰ وتی کے بغیر اپنے روبرو دیکھتا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا اور اسی لمحے ملا سرکار بھی اپنی کینچلی اتار کر اپنے اصل روپ میں اس کے مدِ مقابل آ جاتا اور بات آناً فاناً میں نمٹ جاتی۔ سمجھنے کی نوبت آتی اور نہ سمجھانے کی۔

خیر سگالی سے خونریز دشمنی کی اس فضا میں پہنچنے کے لئے' میری دانست میں پندرہ بیس منٹ کافی تھے اور یہی ہوا کہ جب میں نے ایس بی تھری کے قریب موٹر بوٹ روکنے کی ہدایت کی تو گولی چلنے کی کسی آواز کے بغیر ست بیلہ کی طرف سے ایک دلدوز مردانہ چیخ سنائی دی۔ ٹرانسیٹر پر یکے بعد دیگرے پیغامات آنے لگے۔ وہ چیخ ہم نے ہی نہیں' ایس ٹی ایف کے اور لوگوں نے بھی سنی تھی اور وہ ہمیں چیخ کے بارے میں بتا رہے تھے۔

"اباسین ٹو ایم بی!" ایک پیغام ختم ہوتے ہی اچانک اول خان لائن پر آ گیا "ہماری طرف چیخ کی آواز واضح نہیں تھی اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اوور!" اول خان کی آواز سے الجھن ظاہر ہو رہی تھی۔

"میں نے نہ صرف آواز سنی ہے بلکہ شاید پہچان بھی لی ہے۔" میں نے اپنے ایریئس کا بٹن دبا کر کہا "اسے کسی بے آواز ہتھیار

سے مارا گیا ہے لیکن مرتے مرتے اپنی پوری قوت سے چیخ کر اس نے ملا سرکار کے لئے مشکل پیدا کر دی ہے۔ اس چیخ پر انسپکٹر حرکت میں نہ آیا تو مجھے حیرت ہوگی۔ اوور!"

"اوور اینڈ آل" اول خان نے دوسروں کے لئے لائن خالی ہونے کا اعلان کر دیا۔

چند منٹ اسی طرح گزر گئے کہیں سے کوئی خبر نہیں آرہی تھی۔

پھر اچانک اول خان ہی کی آواز ابھری۔ "ایم بی! ابھی ابھی سفید حویلی کے پیچھے ایک بہت بڑا شعلہ بھڑکا ہے اور اب وہاں آگ جل رہی ہے۔ اوور!" اس بار اس کی آواز سے ہلکا سا جوش جھلک رہا تھا۔

"ہلکی سی سرخی میں نے بھی دیکھی ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔ "شاید وہ مرنے والے کی لاش جلا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب ان کی خود اعتمادی کو مجروح کرنا ضروری ہو گیا ہے تاکہ وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلنے کی کوشش کریں۔ ان میں بھگدڑ نہ مچی تو ایسا نہ ہو کہ اصل مجرم ساتوں میں سے کسی ایک کشتی میں نکل جائے اوور!"

"تو کیا تم چاروں طرف سے فائر کرانا چاہتے ہو؟ اوور!" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں کمانڈر! میں نے تمہارے پاس دو بے آواز رائفلیں بھی دیکھی ہیں۔ اپنے کسی بہترین نشانچی سے گنیش آشرم کے اندر ایک فائر کرادو۔ دوسرا وار سکھر والی شمالی سمت سے ایس بی فائیو کرے گا..... ہیلو ایس بی فائیو! سگریٹ پینے والے تینوں مسلح آدمی اب بھی تمہاری رینج میں ہیں؟ اوور!"

"یس سر!" ایس بی فائیو سے فوراً ہی جواب آیا "اب وہ چار ہو گئے ہیں اور کنارے پر کھڑے ہوئے بے پروائی سے سگریٹیں پی رہے ہیں۔ ہلکے سے ایک ہی برسٹ میں چاروں ڈھیر ہو جائیں گے۔ اوور!"

میں ایس بی فائیو کی خوشی کو سمجھ رہا تھا۔ اُسے اس مہم میں پہلا شکار کھیلنے کا اعزاز حاصل ہونے والا تھا اور وہ اس اعزاز کو حاصل کرنے کے لئے بے چین ہو گیا تھا۔

ایس بی فائیو اور اباسین کے درمیان جزیرہ حائل تھا اس لئے ایس بی فائیو اباسین سے ہونے والے فائر کا شعلہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں نے اسے اسٹینڈ بائی کرا کے اول خان کو بے آواز فائر کرانے کا مشورہ دیا۔ منکی برج کی واضح بلندی سے ایک شعلہ ٹوٹے ہوئے تارے کی طرح جزیرے کی طرف تیر گیا۔

"ایس بی فائیو! فائر......" میری آواز خود کار رائفل کے مسلسل فائر کی ہولناک گونج میں معدوم ہو گئی۔

رائفل صرف چند سیکنڈ کے لئے چلی تھی اس کی گونج میں چار کربناک انسانی چیخیں بھی شامل ہو گئیں اور اسی کے ساتھ جزیرے کی طرف سے اچانک اندھا دھند گولیاں چلنے لگیں۔

"ایوری بڈی! ہماری طرف سے کوئی جوابی فائر نہیں ہوگا۔ سولو بوٹس کو جزیرے سے محفوظ فاصلے تک پیچھے ہٹا لے جاؤ۔ جزیرے کی واٹر لائن پر نگاہ رکھو۔ جو کشتی یا جاندار ادھر سے نکل کر کھلے پانی میں آئے، اسے کنٹرولڈ فائر سے تباہ کر دو۔ جب تک وہ جزیرے سے نکل کر کھلے پانی میں نہیں آتے انہیں غافل اور بدحواس رہنے دو۔ وہ یہی سمجھتے رہیں گے کہ ان ہی میں سے کسی سے غلطی سے فائر ہوا ہے.... اوور ٹو کمانڈر!"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اول خان کی آواز آئی "لیکن بے آواز فائر پہچان لیا گیا ہوگا۔ عرفان کا نشانہ بے خطا ہے۔ اس نے گنیش آشرم کے احاطے کا نشانہ لیا تھا۔ اوور!"

"ہم نے پانی میں پہلا پتھر پھینک دیا ہے۔ اب انتظار کرو..... اوور اینڈ آل۔"

"لیکن انسپکٹر اور اس کی پارٹی کہاں غائب ہے؟" سلطان شاہ نے سوال کیا "ابھی تک ان کے وجود کا کوئی ثبوت یا اشارہ نہیں مل سکا۔" وہ اس بارے میں تشویش میں مبتلا نظر آرہا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ جزیرے پر پہنچنے میں کامیاب ہی نہ ہو سکے ہوں۔"

"ایسی صورت میں انسپکٹر تم سے فون پر ضرور رابطہ کرتا۔ اسے معلوم ہے کہ تم اباسین پر ہو۔"

سلطان شاہ کا آخری سوال فکر انگیز تھا۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ انسپکٹر علی اسد بہت دلیر اور تجربے کار افسر تھا لیکن ملا سرکار ایک گرگِ باراں دیدہ تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ انسپکٹر اپنی یا اپنے کسی ماتحت کی ہلکی سی لغزش کے نتیجے میں ملا سرکار کے آدمیوں کے ہتھے چڑھ گیا ہو۔

میرے لئے وہ موہوم سا امکان بھی تکلیف دہ تھا لیکن انسپکٹر کی طرف سے طویل خاموشی ایسے منفی امکانات کی بنیاد فراہم کر رہی تھی۔ اس کی طرف سے کسی کارروائی کے شواہد سامنے آئے تھے نہ اس نے مجھے فون کیا تھا۔ یہ بہت غیر معمولی بات تھی۔

جزیرے کے گرد پھیلے ہوئے ملا سرکار کے محافظ کئی منٹ تک فضا میں اندھا دھند گولیاں برساتے رہے۔ قیامت کی اس گھن گرج سے جزیرے کے سوئے ہوئے امن پرور باسی ہڑبڑا کر بیدار ہوئے اور ادھر سے آہ و بکا کا ایک دردناک طوفان فضا میں اٹھنے لگا۔ خوفزدہ عورتوں اور بچوں کی لرزہ خیز چیخیں ہر لحاظ سے قابلِ رحم تھیں۔

وہ چند منٹ تک وحشیانہ انداز میں اندھا دھند فائرنگ کرتے رہے۔ پھر انہیں خیال آیا کہ وہ ہوا اور پانی میں اپنا میگزین خود ہی برباد کر رہے ہیں جب کہ جوابی فائر کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا۔ یہ احساس ہوتے ہی ان کی فائرنگ کا زور ٹوٹنے لگا اور پھر رفتہ رفتہ فائرنگ تھم گئی لیکن جزیرے کی آبادی میں پیدا ہونے والا خوف و ہراس بدستور برقرار تھا۔ دہشت زدہ ہذیانی چیخوں کا ملا جلا شور کانوں کے پردے پھاڑے دے رہا تھا۔

"ہیلو ایم بی!" اول خان کی آواز آئی "جزیرے کے جنوبی گھاٹ پر، اباسین کے سامنے بھیڑ جمع ہونے لگی ہے۔ شاید وہ لوگ بھاگنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ یہ لو! ایک کشتی کے رسے کھول دیئے گئے اور اب وہ پانی میں چکراتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے۔ دوسری کشتی بھی تیزی سے بھرتی جا رہی ہے...... اوور!"

"جب تک وہ تمہاری رینج میں رہتے ہیں، انہیں بالکل نہ چھیڑو، زیادہ سے زیادہ ڈاکوؤں اور کشتیوں کو بیچ میں آنے دو پھر انہیں ایک ساتھ ہی بھاری اسلحے سے اڑا دینا..... اور سولو بوٹس والے اپنے انجن اسٹارٹ کر لیں۔ کسی بھی لمحے دریا میں دشمن کا ہانکا شروع ہو سکتا ہے۔ مشرقی اور جنوبی گھاٹ کے علاوہ وہ لوگ کسی اور سمت سے بھی نجی کشتیاں کھول کر فرار ہونے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ اوور اینڈ آل۔"

مجھے معلوم تھا کہ چور کے پاؤں نہیں ہوتے اور ملّا سرکار چور ہی نہیں قاتل، سازشی، غدار، دہشت گرد اور ڈاکوؤں کا سب سے بڑا سرغنہ بھی تھا۔ حالات بگڑتے ہوئے دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے بھی ست بیلہ ٹھہرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ نہ صرف فوراً فرار ہوتا بلکہ فرار کے لئے تیز ترین ذریعے پر انحصار کرتا جو اس کی اسپیڈ بوٹ کی صورت میں مشرقی گھاٹ پر موجود تھا۔ ایک بار خطرہ بھانپ لینے کے بعد وہ کسی سست رفتار کشتی میں اپنے مقدر کا انتظار کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے ذہن کو خطرے کی اس سطح پر لانے کے لئے ہی میں نے گنیش آشرم پر ایک بے آواز فائر کرایا تھا۔ اور اب مجھے یقین تھا کہ وہ کسی بھی لمحے مشرقی گھاٹ سے نکل پڑے گا اس لئے میں ساری سمتیں چھوڑ کر سولو بوٹ نمبر ایک اور دو کے درمیان موجود تھا۔ جہاں سے وہ گھاٹ نظر آرہا تھا۔ باقی معاملات میں نے اول خان کی صوابدید پر چھوڑ دیئے تھے۔

درختوں میں چھپا ہوا وہ تاریک گھاٹ مشکوک سرگرمیوں کے لئے بہترین مقام تھا لیکن وہاں سے باہر آتے ہی ملا سرکار اور اس کے حواری پوری طرح میری زد میں آجاتے۔ وہ ایک ایسا مبارک لمحہ ہوتا جس کے انتظار میں، مَیں مدت سے اس خبیث سازشی کا پیچھا کرتا پھر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس رات مجھے ملا سرکار سے دو دو ہاتھ کرنے کا موقع ضرور ملے گا۔

"ہیلو ایم بی! سات میں سے تین بھری ہوئی کشتیاں کھلے ہوئے پانی میں آچکی ہیں۔ گھاٹ پر مسلح آدمیوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے اور وہ سب ایک دوسرے سے پہلے کشتیوں میں سوار ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں تینوں کشتیوں اور اس ہجوم پر بیک وقت فائر کھلوانے جا رہا ہوں...... اوور!"

"یہ سب موذی درندے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی بچ کر نہ نکلنے پائے۔ اوور اینڈ آل۔" میں نے پُرجوش لہجے میں کہا تاکہ میری آواز سننے والے دوسرے لوگوں کے حوصلے بھی بڑھ جائیں۔

ہولناک بارودی دھماکوں کی روشنی میں تاریک اباسین اس حد تک منور ہو گیا کہ اس کے برج پر موجود انسانی ہیولے تک نظر آنے لگے۔ ان سے ورے چار دھماکوں کے پس منظر میں دو آٹومیٹک رائفلیں تواتر کے ساتھ چل رہی تھیں۔ آتش و آہن کی اس برسات کی زد میں آکر مرنے اور جھلسنے والے انسان نما درندے، اپنی پوری آوازوں کے ساتھ جہنمی بلاؤں کی طرح چیخ رہے تھے لیکن وہ امان کی ایسی مبارک رات تھی جس میں امن و امان کے دشمنوں کو ست بیلہ کے نواح میں دور دور تک پناہ میسر نہیں تھی۔ ملّا سرکار کی اندھی تقلید کرنے والوں پر ان کے اپنے گھناؤنے اعمال جہنمی آگ کی صورت میں نازل ہو رہے تھے اور وہ خود اسی بے بسی سے دوچار تھے جس میں وہ برسوں سے بے گناہوں کو مبتلا کرتے چلے آرہے تھے۔ وہ اپنے اعمال کی مہلت پوری کر چکے تھے اور اس رات مکافاتِ عمل سے دوچار تھے۔

کانوں کے پردے پھاڑ دینے والے چار بارودی دھماکوں کے بعد اباسین پھر اندھیرے کا جزو بن گیا لیکن اس کے برج سے چار رائفلوں کی گولیاں، امید کے جگنوؤں کی طرح ست بیلہ کے جنوبی گھاٹ کی طرف تیرتی رہیں۔

اباسین سے ہونے والی اس خوفناک جوابی کارروائی نے ست بیلہ تو کیا، شاید سکھر اور روہڑی جیسے شہروں کو بھی ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔ ملا سرکار ان آوازوں کے بعد ست بیلہ میں نہ رک سکا اور بلبلا کر باہر نکل آیا۔

اس کی اسپیڈ بوٹ شروع ہی سے پانی پر تقریباً اڑتی ہوئی تاریک گھاٹ سے باہر نکلی تھی۔ اس کے پہلوؤں پر دور دور تک اڑنے والی پانی کی پھواریں تاروں کی روشنی میں سفید چادروں کی طرح جگمگا رہی تھیں۔

"نو فائر.... اسپیڈ بوٹ کو میں خود دیکھوں گا۔ میری واضح ہدایت کے بغیر جزیرے کا محاصرہ ختم نہیں ہونا چاہئے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا "ریڈیو آپریٹر! تم اپنے فون پر سکھر کوتوالی کو اطلاع دو کہ ست بیلہ پر ڈاکوؤں کے ایک بڑے گروہ سے مقابلہ جاری ہے۔ اوور اینڈ آل!" میں نے اپنے ساتھیوں کو تیار رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنی ہدایت مکمل کیں۔

اسپیڈ بوٹ جوں ہی ذرا قریب آئی، سلطان شاہ نے بڑے دہانے کی گن سے تیز روشنی کا ایک گولا اس سے داہنی طرف پھینکا اور فضا چند ثانیوں کے لئے دور تک منور ہو گئی۔

اسپیڈ بوٹ میں صرف تین افراد تھے۔ ان میں ملا سرکار بھی تھا۔ وہ باریش تو پہلے سے تھا لیکن اس وقت اُس کی زلفیں بھی بڑھی ہوئی تھیں۔ بے ترتیب داڑھی اور الجھی ہوئی زلفوں کے ساتھ اس وقت وہ کوئی وحشی درندہ نظر آرہا تھا۔ روشنی ہوتے ہی اُس نے دہشت زدہ ہو کر اپنا سر کلائیوں میں چھپا لیا تھا لیکن میں اس سے پہلے ہی اپنے اس منحوس حریف کو اچھی طرح پہچان چکا تھا جو ہمیشہ چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر میرے ہاتھوں سے نکل جاتا تھا۔

روشنی کا گولا پھینکنے کا جہاں تک ہمیں یہ فائدہ ہوا کہ ہم نے اپنے اصل ٹارگٹ کو پہچان لیا، وہیں ان لوگوں نے بھی دریا میں دور تک پھیلی ہوئی ہماری نفری کو دیکھ لیا اور وہ اندھا دھند گولیاں

برساتے ہوئے ہماری پہلی اور بارہویں سولوبوٹ کے درمیان سے سیدھے نکلتے چلے گئے۔ ان کا رخ مشرق کی طرف تھا۔

اسپیڈ بوٹ کی روشنیاں اس بار بھی بند تھیں۔ لیکن دریا کے سینے پر بنائی ہوئی اس کی سفید دھار کی وجہ سے اس پر نگاہ رکھنا دشوار نہیں تھا۔ ہماری موٹربوٹ اسی راستے پر بڑھتی رہی۔

وہ لوگ پیچھے کی طرف مسلسل فائر کررہے تھے۔ لیکن تیز رفتاری کی وجہ سے وہ ہماری بوٹ کا صحیح نشانہ لینے سے قاصر تھے۔ ہماری بوٹ کی رفتار ایک دم تیز ہوئی لیکن میں نے بھاری بدن والے کو سختی کے ساتھ اسپیڈ بوٹ سے قریب ہونے سے روک دیا میں اپنا اور ان کا درمیانی فاصلہ بڑھانا چاہتا تھا۔

جب اسپیڈ بوٹ کچھ دور نکل گئی تو میں نے اپنی بوٹ کے ناخدا کو رفتار بڑھا کر اس کا پیچھا کرنے کی اجازت دے دی۔ اسی کے ساتھ میں نے میگزین لگی ہوئی رائفل سنبھال کر اسپیڈ بوٹ پر فائرنگ شروع کردی۔

میں نے درمیانی فاصلہ بڑھانا اس لئے ضروری سمجھا تھا کہ میں نے بھانپ لیا تھا کہ ان کے ہتھیاروں کی مار ہماری رائفل سے کہیں کم تھی۔ فاصلہ بڑھا کر ہم ان کی رینج سے نکل گئے تھے۔ لیکن وہ تینوں ہر لمحے ہماری زد میں تھے۔

ہماری موٹربوٹ میں میگزین کی پیٹیوں کی کوئی کمی نہیں تھی اس لئے میں اسپیڈ بوٹ پر بہت تسلسل کے ساتھ گولیاں برسا رہا تھا۔ ان کی طرف سے بھی فائرنگ کی جارہی تھی۔ لیکن ان کی گولیاں ہم تک پہنچنے سے پہلے ہی پانی میں سرد ہوئی جارہی تھیں جب کہ ہماری گولیاں ان سے آگے تک جارہی تھیں۔

اچانک میرا وار چل گیا اور اسپیڈ بوٹ سے بیک وقت دو کریہہ چیخیں ابھریں۔ مسلسل فائر کا یہی ایک فائدہ تھا کہ جب تک نشانہ خطا ہورہا تھا گولیاں برباد ہورہی تھیں لیکن ایک نشانہ سچا ہوتے ہی اس متحرک ٹارگٹ پر دوسرا آدمی خود بخود میری زد میں آگیا۔ وہ دونوں ہی چیخیں خاصی کریہہ تھیں۔ مگر میں جانتا تھا کہ میرا مقابلہ ملا سرکار جیسے چالاک اور مکار حریف سے تھا اور ویسے بھی اسپیڈ بوٹ پر تین افراد سوار تھے جن میں سے کم از کم ایک بالکل محفوظ تھا اس لئے میں نے فائرنگ کے تسلسل میں ذرا بھی فرق نہ آنے دیا۔ تیسرے کو مار لینے سے پہلے' تساہل ہمارے حق میں مہلک ثابت ہوسکتا تھا۔

پھر اچانک ایک عجیب بات ہوئی کہ اسپیڈ بوٹ خطرناک حد تک چھوٹے نیم وا دائرے میں چکر کاٹ کر اسی رفتار سے ہماری طرف آنے لگی۔ اس وقت ہماری رفتار بھی ساٹھ ناٹ سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ مجھے گمان گزرا کہ ملا سرکار اسپیڈ بوٹ کو ہماری موٹربوٹ سے ٹکرانا چاہتا ہے۔ اس صورتحال پر میرے ہاتھ پاؤں بری طرح پھول گئے۔ لیکن بھاری بدن والے نے بڑی مہارت کے ساتھ ہماری موٹربوٹ کا رخ اسپیڈ بوٹ سے کاٹ کر دریا کے کنارے کی طرف کرلیا۔

تصادم کا خطرہ ٹل گیا لیکن ملا سرکار کی حکمت عملی میری سمجھ میں اس وقت آئی جب اس کی طرف سے چلائی ہوئی دو گولیاں ہمارے سروں پر سے گزر گئیں۔ وہ اپنی جان پر کھیل کر واپس لوٹا تھا تاکہ ہمیں اپنی رینج میں لے کر ختم کرسکے۔ اس مرحلے پر میں ذہنی جھٹکے سے فوراً نہ سنبھل سکا لیکن سلطان شاہ اور دراز قامت نے رائفلیں سنبھال کر دوبارہ گھومتی ہوئی اسپیڈ بوٹ پر فائر کھول دیا اور انہیں وہیں رہ کر دوسرا وار کرنے کا موقع دیئے بغیر فرار پر مجبور کردیا۔

چند ثانیوں بعد ہم بھی اپنا چکر پورا کرکے اسپیڈ بوٹ کے تعاقب میں بڑھے تو ان لوگوں نے ہماری فائرنگ کے زد سے باہر نکلنے کے لئے اپنی رفتار بہت تیز کردی۔ وہ مقابلے سے نہیں بلکہ ہمارے ہتھیاروں کی رینج سے خائف تھے۔

اسی وقت سلطان شاہ یا دراز قامت میں سے کسی کا نشانہ کام دکھا گیا۔ اس بار ملا سرکار اور اس کے دونوں ساتھی بیک وقت گولیوں کی باڑ پر آگئے تھے۔ ان کی دلخراش چیخوں کے ساتھ ہی اسپیڈ بوٹ اپنی رفتار کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے ہم سے دور ہونے لگی۔

لحہ بھر بعد ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ تینوں ہی ہلاک یا شدید زخمی ہوچکے تھے اور شاید ان میں سے کوئی تھراٹل سے الجھ گیا تھا اس لئے اسپیڈ بوٹ اپنی رفتار پر دوڑ رہی تھی لیکن اس وقت اس پر کسی کا کوئی کنٹرول نہیں تھا۔

وہ ایوب برج کے نیچے سے گزر کر خطرناک انداز میں لینس ڈاؤن برج کے آہنی ڈھانچے کے لئے بنی ہوئی کنکریٹ کی دیو پیکر بنیادوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کوئی بھی ہوش مند شخص اس رفتار سے ایسی سمت میں سفر کرنے کی جرات نہیں کرسکتا تھا۔

پلک جھپکتے میں اسپیڈ بوٹ اپنی اسی رفتار کے ساتھ کنکریٹ کی اس مستحکم بنیاد سے جا ٹکرائی اور ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ فضا میں بوٹ اور اس کے سواروں کے پرخچے اڑ گئے۔ وہ بھیانک منظر اس قدر لرزہ خیز اور دلخراش تھا کہ ملا سرکار سے آخری درجے کی نفرت ہونے کے باوجود میں نے کچکچا کر اپنی آنکھیں بھینچ لیں۔ بھاری بدن والے نے اسپیڈ بوٹ کے مقدر کا اندازہ لگاتے ہوئے عین آخری لحات پر موٹربوٹ پر نصب تمام سرچ لائٹس روشن کردی تھیں جن کی وجہ سے اندھیرے میں رونما ہونے والا حادثہ اور بھیانک ہوگیا تھا۔

اسپیڈ بوٹ کے ملبے کے ساتھ فضا میں انسانی اعضا اڑتے ہوئے صاف نظر آئے تھے اس لئے وہاں رک کر وقت برباد کرنا بے سود تھا۔ میں نے موٹربوٹ کو اباسین کی طرف موڑنے کا حکم دے دیا۔

وہاں فضا پر سکوت چھایا ہوا تھا۔ فائرنگ کا ہولناک شور دم توڑ چکا تھا مگر فضا میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو موجود تھی۔ جزیرے پر خوف ودہشت سے چلانے والے تھک کر یا سہم کر یوں خاموش ہو چکے تھے جیسے سکوتِ مرگ نے ان کی زبانیں بھی تالو سے چپکا دی ہوں۔ دریا اپنی ازلی روانی کے ساتھ رل ترل کرتا ہوا بہے جارہا تھا۔ سولوبوٹس والوں نے بھی میدان صاف ہونے پر اپنے انجن بند کردیئے تھے۔

ہماری موٹربوٹ پر تیز روشنیاں دیکھ کر شاید اول خان کو ہوش آیا "ہیلو ایم بی! ادھر تو سب کا صفایا ہوگیا۔ اباسین کے میگافون پر انٹ ڈپٹ کر میں نے جزیرے والوں کو بھی خاموش کرادیا۔ یہ بتاؤ کہ ملا سرکار کا کیا رہا؟ وہ مارا گیا یا کسی کنارے پر اتر کر بھاگ نکلا؟ اوور!"

"اسپیڈ بوٹ اپنی پوری رفتار کے ساتھ لینس ڈاؤن برج کی سنگلاخ بنیادوں سے ٹکرائی اور ہر شے کے پرخچے اڑ گئے۔" میں نے اپنی بوٹ کے پائلٹ کو جزیرے کا چکر لگانے کا اشارہ کیا "جو موت ملا سرکار کا مقدر بنی ہے اس سے بری اور دردناک موت کا تصور تک کرنا محال ہے۔ اوور!"

"اس کے تمام سُورما بھی وحشی درندوں کے ریوڑ کی صورت میں بھاگتے ہوئے مارے گئے ہیں۔" اول خان نے کہا "ان میں سے دس پانچ ہی بچے ہوں گے ورنہ بیشتر کی لاشیں دریا کی تیز لہریں اپنے ساتھ بہا کر لے گئیں یا پھر وہ سب جنوبی گھاٹ کے قرب و جوار میں بے گور و کفن پڑے ہوئے ہیں۔ اوور اینڈ آل۔"

سلطان شاہ نے موٹربوٹ کی سرچ لائٹس کا رخ داہنی اور بائیں طرف گھما دیا تھا۔ ہماری داہنی جانب سولوبوٹس ننھے ننھے آبی کھلونوں کی طرح جزیرے کا محاصرہ کئے کھڑی تھیں۔ بائیں طرف جزیرے کا ویران مگر سرسبز کنارہ تھا جس پر اداسی ہی اداسی برس رہی تھی۔

ہماری موٹربوٹ دھیمی رفتار سے جزیرے کا طواف کرتی رہی۔ کچھ فاصلے پر' سولوبوٹ نمبر پانچ کے مقابل' مجھے ان پانچ مسلح ڈاکوؤں کی مڑی تڑی ہوئی لاشیں نظر آئیں جو شاید ایک جگہ جمع ہو کر ہیروئن یا چرس والی سگریٹیں پی رہے تھے کہ گولیوں نے ان کے بدن چھلنی کردیئے۔

اس سے آگے میدان پھر صاف تھا۔ ست بیلہ کے گرد اپنا چکر پورا کرکے میں اباسین کی طرف' جزیرے کے جنوبی گھاٹ کی طرف پہنچا تو وہاں زندگی کی بے ثباتی اور عبرت کا ایک عجیب ہی سماں تھا۔ گھاٹ کے قرب وجوار میں اُدھڑی ہوئی لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ جتنی لاشیں نہیں تھیں' اس سے زیادہ ہتھیار وہاں کیچڑ میں لتھڑے ہوئے پڑے تھے۔ اس گھاٹ پر سات میں سے ایک بھی کشتی موجود نہیں تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ کچھ کشتیاں اپنے مسافروں کے بغیر ہی دریا میں بہہ نکلی تھیں۔

دوسری طرف دریا کا پانی سدا کی طرح صاف اور شفاف تھا۔ اس میں زخمیوں کا لہو تھا نہ مرنے والے ڈاکوؤں کی لاشیں' ڈوبنے والی کشتیاں تھیں نہ ... تھا۔ مہران جل اپنی دھرتی کی ان ساری آلائشوں کو اپنے سینے میں سمیٹتا ہوا جھاگ اڑاتے سمندروں کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ دلدوز مناظر دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اندر سے خالی ہوگیا ہوں۔

اتنی بڑی تعداد میں پرندوں کی طرح مارے جانے والے وہ سب لوگ قاتل' ڈاکو' باغی اور سب سے بڑھ کر ملا سرکار جیسے خوفناک' غیر ملکی دہشت گرد کے پیروکار تھے لیکن بہرحال وہ انسان ہی تھے۔ ان سے لوگوں کے باپ' بھائی' بیٹے اور شوہر کے رشتے تھے۔ وہ اپنی وحشیانہ حرکتوں کی سزا بھگت چکے تھے لیکن اپنے پیچھے رہ جانے والوں کے لئے وہ زندگی بھر کا ایک روگ بن گئے تھے۔ انہوں نے اپنی داغ دار زندگی اور ذلت کی موت سے اپنے کنبوں کے روشن چہروں پر رسوائی کی ایسی سیاہی مل دی تھی جس سے پیچھا چھڑانا کسی کے اپنے بس میں نہیں تھا۔

میں نے اشارہ کیا اور موٹربوٹ کا رخ اباسین کی طرف موڑ لیا گیا۔

اسی لمحے مجھے انسپکٹر علی اسد یاد آیا اور میرے دل میں ایک آگ سی بھڑک اٹھی۔ وہ زندہ ہوتا تو اتنی دیر تک خاموش اور نچلا بیٹھنے والا نہیں تھا۔ کہیں نہ کہیں سے فون کرکے مجھے اپنی خبر ضرور دیتا۔

میں نے موٹربوٹ دوبارہ جنوبی گھاٹ کی طرف مڑوالی۔ جوں ہی بوٹ کنارے سے لگی' میں کود کر کنارے پر اتر گیا اور بوجھل دل کے ساتھ ایک ایک لاش کو الٹ پلٹ کر ان میں اپنے عظیم دوست کو تلاش کرنے لگا جس سے میری شناسائی کی مدت زیادہ طویل نہیں تھی لیکن جس کی فرض شناسی اور انسان دوستی نے میرے دل میں اس کے لئے عزت واحترام اور محبت کے جذبات پیدا کردیئے تھے۔

**خاک وخون** اور کیچڑ میں لتھڑے ہوئے ان دہشت ناک اور بے جان چہروں میں سے کوئی بھی میرا شناسا نہیں تھا۔ اپنی وضع قطع سے وہ تمام لاشیں ہی سردار رجب علی کے ساتھیوں کی معلوم ہورہی تھیں جو انسانوں کے غول سے بچھڑ کر جنگلوں اور ویرانوں میں بربریت اور سفاکی کی نت نئی داستانیں وجود میں لاتے رہے تھے۔ میرے دل سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ انسپکٹر علی اسد ایک دلیر اور اصول پرست افسر تھا۔ اگر وہ کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیئے بغیر بھگوڑوں کے ریوڑ میں کسی بھٹکی ہوئی گولی کا نشانہ بن جاتا تو مجھے بڑا قلق ہوتا۔ اپنی مجرمانہ زندگی میں اور اس سے بڑی حد تک تائب ہوجانے کے بعد بھی مجھے سرکاری اہل کاروں میں کوئی ایسا فرض شناس اور مخلص افسر نہیں مل سکا تھا جس نے مجھے انسپکٹر علی اسد کی ذات کی طرح متاثر کیا ہو۔

یہ درست ہے کہ اس نے ہماری جیپ سے رام دیال کی لاش برآمد ہونے کے باوجود ہمیں قید میں نہیں رکھا تھا بلکہ ہمیں رہا کر کے ہمارے ساتھ لیلیٰ وتی کے اغوا کی سازش میں بھی شریک ہوگیا تھا لیکن وہ اُس کی اپنی حکمتِ عملی تھی۔ سردار رجب علی اور تالا

سرکار کو جلد از جلد گھیرنے کے لئے اس سے بہتر منصوبہ وجود میں آ ہی نہیں سکتا تھا۔

انگریزی کا ایک مقولہ ہے کہ کامیابی سے زیادہ کوئی چیز کامیاب نہیں ہو سکتی۔ بعد کے ' بلکہ کچھ دیر قبل رُونما ہونے والے واقعات نے یہ ثابت کردیا تھا کہ سردار رجب علی اور ملّا سرکار کے درمیان لیلیٰ وتی کے اغوا اور بھاری تاوان کے مطالبے کے تنازعے کو وجود میں لانے کی میری تجویز کامیاب رہی تھی اور انسپکٹر علی اسد نے اس سے اتفاق کرکے اپنے فرائضِ منصبی میں کوئی خیانت نہیں کی تھی۔

اس منصوبے کے نتیجے میں سردار رجب علی غالباً ملا سرکار کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکا تھا اور ملا سرکار خود میری نظروں کے سامنے چیتھڑوں کی صورت میں جنم واصل ہو چکا تھا۔

ملّا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی کے بارے میں انسپکٹر کی معلومات بہت محدود تھیں۔ اس خبیث کی زہرناکی اور اہمیت سے میں پوری طرح واقف تھا۔ ملک کے خلاف ہونے والی ایک بہت بڑی بین الاقوامی سازش میں ملّا سرکار کلیدی اہمیت کا مالک تھا۔ ایک طرف اُس نے اپنی تقدس مآب پوزیشن کے حوالے سے اور شاید

اپنے دو چار غیر ملکی گرگوں کی مدد سے ' سندھ کے گھنے اور دشوار گزار جنگلات میں اپنے ہزاروں پیروکار پیدا کر لئے تھے جو حکومت ' انتظامیہ اور قانون سے کھلی بغاوت کرنے کے بعد اپنی کشتیاں جلا چکے تھے اور بہتر مستقبل کے لئے صرف اور صرف اُسی سے رجوع کر سکتے تھے تو دوسری طرف ملّا سرکار نے اپنے ملک کے بین الاقوامی روابط کے ذریعے اپنے ان اندھے پیروکاروں کے لئے جدید ترین ' مہلک اور خود کار ہتھیار ' اسلحہ اور گولا بارود جمع کرنے کے انتظامات کر لئے تھے۔ جس دن وہ ہتھیار ' گولا بارود سمیت ان مفرور مجرموں اور ملزموں کی تحویل میں چلے جاتے ' اسی دن ملا سرکار ایک اشارے پر سندھ میں خون کے دریا بہا سکتا تھا۔ اس کا منصوبہ اتنا بھیانک اور روح فرسا تھا کہ اس کے مضمرات اور نتائج کا قیاس کرتے ہوئے بھی ہول آنے لگتے تھے۔ ملا سرکار کی عبرت ناک موت نے ان امکانات کے روبہ عمل آنے کی ساری راہیں مسدود کردی تھیں۔

اس منصوبے کو من و عن بروئے کار لانے کے لئے سب سے پہلے تو یہ ضروری تھا کہ سندھ کے علاقے میں فوری طور پر بلیک کیٹ ٹی کا کوئی بہترین نعم البدل پیدا کیا جائے جو اپنی جعلی روحانی اور کراماتی قوتوں کی وجہ سے نہ سہی ' کسی اور بنا پر ہی ڈاکوؤں ' لٹیروں اور قاتلوں کے گروہوں میں یکساں طور پر مقبول اور مقتدر ہو تاکہ اُس کے ایک اشارے پر وہ سماج دشمن عناصر ہتھیار سنبھال کر اپنی کمین گاہوں سے اہم دیہی اور شہری ٹھکانوں پر حملہ آور ہو کر ریاستی نظم و نسق کو مفلوج اور تاراج کر سکیں۔

وہ کوئی آسان کام نہیں تھا کیوں کہ ملا سرکار جیسے فطین اور سازشی دماغ نہ درختوں میں اگتے ہیں جنہیں ڈالی سے توڑ کر اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کیا جا سکے ' نہ اس ایٹمی دور کے فتنہ طراز لوگ آسانی کے ساتھ دو چار دن میں کسی جعلی پیر کے روحانی اور کراماتی جھانسوں میں آ سکتے ہیں۔ ملّا سرکار نے اندرونِ سندھ میں صاحب کرامت بزرگ کا رتبہ برسا برس کی ریاضت اور قربانیوں کے بعد حاصل کیا تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ اس کی جگہ آنے والا کوئی اجنبی سازشی دو چار دن یا ہفتوں میں اس جیسے اختیارات اور اثر و رسوخ کا مالک بن جاتا۔ اس لئے ملا سرکار کے جنم واصل ہو جانے سے اس بھیانک ' بین الاقوامی سازش میں ایک ناقابل تلافی خلا پیدا ہو گیا تھا۔

ملا سرکار کے غیر ملکی آقا اپنے اثر و رسوخ اور سفارتی دباؤ کو کام میں لا کر جی لائیڈ کو پاکستان کی سرزمین پر غیر قانونی ہتھیار اور ان کا اسلحہ اسمگل کرنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ دوسری طرف جنگلوں میں ان ہتھیاروں کے بھوکے ہزاروں چور ' ڈاکو ' قاتل اور معاشرے کے باغی بھی موجود تھے لیکن ان ہتھیاروں کو ضرور ... مندوں تک پہنچانے والا ' قابلِ اعتماد اور بارسوخ سازشی خود ہی اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔

انسپکٹر علی اسد نے میری اور اوّل خان کی عملی اعانت کر کے جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا ' وہ بہ حسن و خوبی پایہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا اور میری دلی آرزو تھی کہ وہ اپنے اس کارنامے پر خوش ہونے کے لئے زندہ و سلامت موجود ہو۔ میرا خیال تھا کہ وہ پولیس کے محکمے کے ان چند حسّاس اور فرض شناس افسروں میں سے ایک تھا جو سندھ میں بڑھتی ہوئی لاقانونیت اور بدامنی کے اسباب پر گہری نظر رکھتے تھے اور کسی بھی قسم کی ذاتی منفعت کی پروا کئے بغیر ان اسباب کی بیخ کنی کے لئے مؤثر طور پر کوششیں کرتے رہتے تھے۔ ڈاکوؤں اور قاتلوں کے سربراہوں کے علاوہ وہ ملّا سرکار کے مکروہ کردار سے بھی باخبر تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ علاقے کی کئی اہم سیاسی شخصیتیں ان بدکردار عناصر کی سرپرستی اور پشت پناہی میں ملوّث تھیں۔ اس نے اُن میں سے چند کی نگرانی بھی شروع کرائی ہوئی تھی لیکن یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس بار غلام رسول جیسا اہم سیاستدان ملا سرکار کا آلۂ کار بنا ہوا تھا اور غلام رسول ایسے لوگوں میں سے تھا جن پر انسپکٹر علی اسد جیسا تجربہ کار اور گھاگ افسر بھی کبھی شبہ نہیں کر سکتا تھا۔

"ہیلو ایم بی ' تم گھاٹ پر کیا ڈھونڈتے پھر رہے ہو؟ اوور۔" اچانک ٹرانسیٹر جاگ اٹھا۔

"میں انسپکٹر کی سلامتی کے بارے میں فکر مند تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ مرنے والوں میں اس کی لاش موجود نہیں ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ بھگدڑ اور افراتفری میں وہ ہمارا ہی نشانہ نہ بن گیا ہو ... اوور۔" میں نے اوّل خان کو آگاہ کیا۔

"محاذ پر ہر طرف موت کا سناٹا راج کر رہا ہے۔ دشمن نیست و نابود ہو چکا ہے۔ اب تمہارا اگلا پروگرام کیا ہے؟ واپس آرہے ہو یا وہیں رکو گے؟ اوور۔"

"کوتوالی کو اس معاملے کی اطلاع دے دی گئی ہے؟ اوور۔" میں نے سوال کیا۔

"ہاں ' وہاں سے مسلح پولیس کی بھاری نفری سادھو بیلہ کے لئے روانہ ہو چکی ہے۔ چند منٹ پہلے ایس پی نے خود فون کر کے یہ اطلاع دی تھی۔ اوور۔"

پولیس والوں کا کام کرنے کا ایک علیحدہ انداز ہوتا ہے۔ وہ بیشتر مواقع پر اپنی اس روایتی خوش فہمی کی وجہ سے مار کھا جاتے ہیں کہ ان کی وردی کے احترام اور خوف کی وجہ سے کوئی مجرم ان پر ہتھیار نہیں اٹھا سکے گا لیکن جدید ترین ہتھیاروں کی نت نئی اقسام چور بازاروں میں دستیاب ہونے کے ساتھ ہی ' دنیا کے ہر خطے میں مجرموں کی نفسیات میں بہت خوں ریز اور جارحانہ تبدیلیاں آئی ہیں۔ مجرم کوئی واردات کرنے کے بعد بلا کسی روک ٹوک فرار ہو سکیں تو اور بات ہے لیکن ان کی مزاحمت کی جائے یا ان کا راستہ روکا جائے تو وہ قانون کے محافظوں کے مقابلے میں بھی ڈٹ جاتے ہیں اور اپنے ہتھیاروں کی برتری کی وجہ سے فریق مخالف کو اپنے سے زیادہ جانی نقصان سے دو چار کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی جان کو فرائض کی انجام دہی پر فوقیت دینے والے اہلکار کبھی بھی واردات کے دوران میں دخل اندازی کا خطرہ مول نہیں لیتے۔ فائرنگ کا شور اور زخمیوں کی داد و فریاد زیادہ ہی قریب سے سنائی دے تو موقع سے ٹل جاتے ہیں اور اس وقت تک جائے واردات کا رخ نہیں کرتے جب تک کہ جرم مکمل ہو جانے کے بعد وہاں میدان صاف نہ ہو گیا ہو۔

میرے دل میں پولیس کے فرض شناس اہل کاروں کے لئے عزت و احترام کا ہر جذبہ موجود تھا لیکن اس محکمے کی عمومی شہرت کی وجہ سے میں ست بیلہ میں صرف انہی کی کارروائیوں پر انحصار نہیں کر سکتا تھا۔

ملا سرکار کے بہت سے ساتھیوں کی لاشیں اس دریائی جزیرے کے کناروں پر بکھری ہوئی تھیں۔ کچھ کو دریا کی بے رحم موجیں اپنے بہاؤ میں نگل گئی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ دریا میں تیر کر ان میں سے کوئی بھی کسی دوسرے کنارے پر پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہوگا کیونکہ ان کو ٹھکانے لگانے کے لئے سولو بوٹس میں مسلح جوانوں نے جزیرے کا محاصرہ کیا ہوا تھا لیکن یہ ضرور ممکن تھا کہ ہر طرف موت کو سایہ فگن دیکھ کر ان میں سے چند مکار لوگ دوبارہ جزیرے میں جا گھسے ہوں۔ ایسے دو چار مسلح ڈکیت بھی جزیرے پر چھپے ہوتے تو وہ پولیس والوں اور مقامی آبادی کے لئے بہت بڑا خطرہ ثابت ہو سکتے تھے۔ موت کو سامنے پا کر وحشی درندہ بن جانا ' ان کے لئے فطری امر ہوتا اور ایسے مجرموں کو کسی روایتی کارروائی سے زیر کرنا آسان نہیں ہوتا اس لئے میں چاہتا تھا کہ اول خان کی اسپیشل ٹاسک فورس کے پیشہ ور کمانڈو بھی اپنا محاصرہ برقرار رکھتے ہوئے چاروں طرف سے جزیرے میں داخل ہو جائیں اور جہاں بھی مزاحمت کے آثار دیکھیں ' اپنی پیشہ ورانہ مہارت سے انہیں نیست و نابود کر دیں۔

"پولیس والوں کو بالکل اندازہ نہیں ہو سکے گا کہ ان کے آنے سے پہلے یہاں کیا کھیل کھیلا جا چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ملا سرکار کے کچھ آدمی اب بھی ست بیلہ میں چھپے ہوئے ہوں۔ میری رائے ہے کہ تم کو بھی اپنے آدمیوں کے ساتھ جزیرے پر آ جانا چاہئے۔ آپریشن مکمل ہونے تک ہمیں یہاں رکنا ہو گا۔ اوور"

"کمانڈر ٹو سولو بوٹس" اول خان نے مجھ سے مزید کچھ کہے بغیر ہدایات جاری کرنی شروع کر دیں "ہر بوٹ اپنی پوزیشن سے سیدھ لے کر جزیرے پر بڑھے اور کمانڈوز اپنے ہتھیاروں کی کٹ کے ساتھ جزیرے پر اتر آئیں۔ ہر شخص اپنے راستے میں دیکھ بھال کرتا ہوا سفید عمارت کی طرف بڑھے گا۔ ہمیں وہیں جمع ہونا ہے۔ اوور ٹو ایس بی ون۔"

"ہدایات پر پوری طرح عمل ہو گا سر!" سولو بوٹ ون والے کی آواز ابھری۔ "اوور ٹو ایس بی ٹو۔"

اس طرح باری باری ہر سولو بوٹ سے ہدایات کی موصولی کا اقرار کیا گیا۔ وہ سلسلہ مکمل ہوتے ہی اول خان ایک مرتبہ پھر لائن پر آ گیا۔ "ایس ایم بی، اب اپنی موٹر بوٹ اباسین کی طرف بھیج دو۔ اوور"

"اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟ اوور" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"اباسین بڑی موٹر بوٹ ہے۔ اسے گھاٹ تک لانے کی کوشش کی گئی تو کنارے کے اتھلے پانی میں مٹی میں پھنسنے کا خطرہ ہے اباسین سے کناروں تک آمد و رفت کے لئے موٹر بوٹ ہی استعمال کی جاتی ہے۔ اوور۔"

میں نے ہاتھ ہلا کر بوٹ کے دو نفری عملے کو اباسین کی طرف لوٹ جانے کی ہدایت کی اور خود اول خان سے مخاطب ہو گیا۔ "لیکن اباسین کو دریا میں بھی تو اتارا گیا ہو گا؟ اوور"

اس کی ہلکی سی ہنسی کی آواز ابھری۔ پھر وہ بولا "میں تمہاری الجھن سمجھ رہا ہوں۔ یہ کارروائی کرین وغیرہ کے ذریعے عمل میں آتی ہے یا پھر اسے ٹوکر کے گہرے پانی میں اتارا جاتا ہے۔ اوور۔"

"اب یہ بات چھڑ ہی گئی ہے تو میری یہ الجھن بھی دور کر دو کہ اباسین نے کراچی سے یہاں تک دریا کے پاٹ پر بنی ہوئی آبی رکاوٹوں کو کیسے عبور کیا ہو گا؟ اوور"

"آبی راستوں کے بارے میں مجھے بھی زیادہ علم نہیں ہے لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ کوٹری بیراج سے آگے صرف سیلابی موسم میں فاضل پانی گزرتا ہے ورنہ دریا کا یہ حصہ سال بھر عملاً خشک رہتا ہے۔ اباسین کو تحقیقی مقاصد کے لئے کراچی سے ٹریلر پر لایا گیا تھا اور بالائی سندھ کے کسی مقام پر دریا میں اتارا گیا تھا۔ دریا کے محدود علاقے میں کام مکمل ہونے کے بعد شاید اباسین کو اوپر بھیج دیا جائے گا۔ ایس ٹی ایف کے مقاصد حاصل ہونے تک یہ موٹر بوٹ انہی مضافات میں سرگرم رہے گی۔ دریائی راستوں پر کنٹرول اور ان کی ناکہ بندی کے لئے ایسے متحرک بیس اسٹیشن کی ضرورت کو اب بہت سے سرکاری ادارے بھی تسلیم کرنے لگے ہیں۔ کشتیوں اور بیڑیوں میں بیٹھ کر پولیس ڈاکوؤں کا قلع قمع نہیں کر سکتی۔ اوور"

"تو کیا مقامی اور غیر ملکی ماہرین کی تحقیقی جماعت بھی تم لوگوں کی اپنی اختراع ہے؟ اوور" میرے لئے اسپیشل ٹاسک فورس کا کردار رفتہ رفتہ پراسرار بنتا جا رہا تھا۔

"نہیں، نہیں۔ وہ سائنس دان واقعی ہمارے مہمان ہیں اور صرف اباسین کی موجودگی سے استفادہ کر رہے ہیں۔ ان کی اباسین پر آمد سے ایس ٹی ایف کو بھی ایک آڑ مل گئی ہے۔ وہ لوگ ہمارے ملک کے لئے بیش قیمت تحقیقی مواد اکٹھا کر رہے ہیں جس کے نتیجے میں دریا کے کناروں پر آباد علاقوں میں خوشحالی کی لہر دوڑ سکتی ہے۔ اوور"

"اور اس پر بھی تمہارا یہ دعویٰ برقرار ہے کہ تمہیں ایس ٹی ایف کے سرکاری یا غیر سرکاری ہونے کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے؟ اوور"

"یہ واقعی ایک راز ہے۔ ہم لوگوں کے اطمینان کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ ایس ٹی ایف کا ہر قدم قومی مفادات سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ ہمیں ملک اور قوم کے مفادات کے خلاف کوئی کام نہیں سونپا جاتا۔ اسی اطمینان کی وجہ سے ہمارا ہر افسر اور جوان اپنا مقررہ ٹارگٹ حاصل کرنے کے لئے سردھڑ کی بازی لگا دیتا ہے ...... اچھا موٹر بوٹ آ گئی ہے۔ میں عرفان کو ہدایات دے کر تمہاری طرف آ رہا ہوں۔ اوور اینڈ آل"

اول خان کے آنے تک ایریئس پر وقفے وقفے سے اُس کے آدمیوں کے پیغامات آتے رہے۔ وہ سولو بوٹس کو خشکی پر چھپا کر جزیرے میں گھس چکے تھے اور اپنی پوزیشنوں کے بارے میں اپنے کمانڈر کو خبریں دے رہے تھے۔ ان پیغامات میں کوئی جواب طلب بات نہیں تھی اس لئے میں خاموش ہی رہا۔ دوسری طرف اوّل خان بھی خاموش ہی رہا۔

موٹر بوٹ اپنی تیز روشنی والی سرچ لائٹ سمیت واپس جا چکی تھی اور میں ایریئس اپنے گلے میں لٹکائے اپنی رائفل سمیت تاریک گھاٹ پر متعدد لاشوں کے درمیان کھڑا ہوا تھا۔ اس وقت میرے ذہن میں خیالات کی ایک ہولناک یلغار جاری تھی۔ ویسے تو ملّا سرکار کی سازش ہی یہ تھی کہ سندھ کے منتخب علاقوں میں اپنے اندھے معتقدین کے سہارے قتلِ عام، سرکشی اور بغاوت کی آگ بھڑکا کر اس دھرتی پر خون کی نہریں بہا دے اور لوگوں کے مختلف طبقوں کے درمیان نفرت کی ایسی آگ بھڑکائے کہ وہ علاقہ اپنے شجر سایہ دار سے ٹوٹ کر کسی پکے ہوئے پھل کی طرح اس کے آقاؤں کی جھولی میں جا گرے۔ لیکن اس رات ست بیلہ پر جو کچھ ہوا، اس کا ملّا سرکار کے منصوبے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ جو کچھ ہوا وہ اس کی توقع اور وہم و گمان کے بالکل برعکس ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں نہ جانے کتنے جیتے جاگتے انسان موت کی دیوی کی بھینٹ چڑھ گئے۔

اس منصوبے کے تار و پود میرے اپنے تھے لیکن اس کے نتیجے میں جو دو حلیف ایک دوسرے کے حریف بن کر آپس میں مقابلے پر اترے، وہ دونوں ہی سنگدل و سفاک اور ریلا کے انا پرست تھے۔ سردار رجب علی تو پھر بھی اپنی ناک نیچی کر کے غلام رسول کے ہمراہ ملّا سرکار سے مذاکرات کے لئے ست بیلہ آ پہنچا تھا لیکن ملّا سرکار نے ایک بھاری نفری کو اس معرکے کا ایندھن بنا دیا تھا۔ وہ خود بھی مرا تھا اور اپنے ساتھ سب کو لے مرا تھا۔

اتنے انسانوں کی اجتماعی ہلاکت اس لحاظ سے افسوسناک تھی کہ وہ سب جیتے جاگتے انسان، ماؤں کے بیٹے، بچوں کے باپ، بیویوں کے سہاگ یا بہنوں کے بھائی تھے لیکن انہوں نے دردناک موت کا راستہ اپنی پسند اور مرضی یا شوق سے اختیار کیا تھا، جس زندگی کو بہتر بنانے کے لئے وہ ڈاکے ڈال کر دولت کے انبار سمیٹ رہے تھے آخر کار وہ زندگی ہی صفحۂ ہستی سے مٹ گئی تھی۔ ان کے ہاتھوں جو مظلوم لٹتے، مرتے اور برباد ہوتے رہے، ان کی آہیں اثر لا کر رہی تھیں۔ سارے ظالم مکافاتِ عمل کی ہولناک چکی میں پس کر رہ گئے تھے۔

لیلیٰ وتی نے خودکشی کر لی تھی، سردار رجب علی کی لاش شاید گنیش آشرم کی تازہ چتا میں جل رہی تھی، ملّا سرکار کا وجود بے شمار چیتھڑوں میں تبدیل ہو کر پل کی سنگلاخ بنیادوں، آہنی ڈھانچے اور دریا کی غضب ناک لہروں پر بکھر چکا تھا۔ اس کے حواری اپنے بعد زندہ رہ جانے والوں کے لئے عبرت کا شاہکار بن کر اندھیرے گھاٹ پر بکھرے ہوئے تھے۔

بوٹ کے آتے ہی گھاٹ ایک بار پھر بھرپور روشنی میں نہا گیا۔ دوسری طرف اباسین والوں نے بھی ایک ہوٹر بجا کر موٹر بوٹ کی تمام روشنیاں جلا دیں۔

ان روشنیوں کی وجہ سے ماحول کا بوجھل پن قدرے کم ہو گیا اور میں اوّل خان کے ساتھ آبادی کی طرف چل پڑا۔

کسی ناگہانی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم دونوں نے اپنی بھری ہوئی رائفلیں ہاتھوں میں سنبھال لی تھیں جنہیں ضرورت پڑنے پر ایک اشارے سے حرکت میں لایا جا سکتا تھا۔

"یہ برا ہوا کہ ملّا سرکار زندہ گرفتار نہ کیا جا سکا۔" راستے میں اوّل خان نے حسرت آمیز لہجے میں دھیمی آواز میں کہا۔

"جو کچھ نہ ہو سکے اس پر افسوس کرنا بے سود ہوتا ہے۔ جو کچھ ہو چکا ہے اس کے روشن پہلوؤں پر غور کرو گے تو خود بخود اس کی افادیت کے قائل ہوتے چلے جاؤ گے۔"

"اس کے علاوہ کیا افادیت ہو سکتی ہے کہ ملّا سرکار کا فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا؟"

"غلام رسول جیسا مخلص غدار اور ملّا سرکار کا ساتھی ثابت ہوا ہے۔ بلیک کیٹ ٹی زندہ پکڑا جاتا تو اس کے انکشافات نہ جانے کن کن چہروں کو بے نقاب کر ڈالتے۔"

"داغ دار چہروں کو تو ہر قیمت پر بے نقاب کیا جانا چاہئے۔ یہی لوگ اپنے اجلے بہروپ سے لوگوں کو فریب دے کر درپردہ ان کا سودا کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ ملّا سرکار کے مر جانے سے وہ سب سکھ کا سانس لیں گے کہ ان کے راز اُسی کے ساتھ دفن ہو جائیں گے۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ ہمیں ملّا سرکار کا نام گول کر جانا چاہئے۔ میں نے اس کی اسپیڈ بوٹ کو جس انداز میں پاش پاش ہوتے دیکھا ہے، اس کے بعد ملّا سرکار کی لاش کا نام و نشان ملنا بھی محال ہو گا۔"

"اس سے ہمیں کیا فائدہ ہو گا؟" میری بات اول خان کی سمجھ میں نہیں آ سکی لیکن وہ چونکا ضرور تھا۔

"انسپکٹر علی اسد غیر سرکاری طور پر غلام رسول کی زبان کھلوا سکے گا۔ جب وہ اسے بتائے گا کہ ملّا سرکار اس کی ذاتی تحویل میں ہے اور جیسلمیر اور شاہ پور والے کیسٹ بھی اسے مل چکے ہیں تو غلام رسول کو بولنا ہی پڑے گا۔ اس کے مرتبے کا سیاسی آدمی وطن دشمنی اور غداری کے الزامات کا سامنا کر کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ عوام میں بدنامی اور پھر پھانسی یا خودکشی سے خود کو بچانے کے لئے وہ انسپکٹر کے سامنے گھٹنے ٹیک دے گا۔"

"لیکن انسپکٹر خود ایک اہم سرکاری افسر ہے۔ غلام رسول اُس سے اعتراف کیوں کرے گا؟"

"بہتیرے سرکاری افسر موٹی مرغیوں کو بلیک میل کر کے سودے بازی کرتے ہیں۔ سودا بن جائے تو سرکاری ریکارڈ میں ایسے مستند مجرموں کی بھی فائلیں سادہ رہتی ہیں۔ سودا نہ بنے تو اخبارات کو سنسنی خیز خبریں ہاتھ لگتی ہیں اور ایسے افسروں کو انعامات اور ترقی سے نوازا جاتا ہے۔"

"یہ نشیب و فراز تم سمجھ سکتے ہو۔ میرا ذہن ان گتھیوں کو سلجھانے سے قاصر ہے۔ اب تک تم نے مجھے جو کام بھی سونپا، وہ میں پوری ذمے داری سے سرانجام دیتا آ رہا ہوں۔"

باتیں کرتے ہوئے بھی ہم اس اجنبی دریائی جزیرے میں غافل نہیں ہوئے تھے۔ اوّل تو ویسے ہی کافی رات گزر چکی تھی، پھر کچھ دیر پہلے وہاں آہن و آتش کی جو برسات ہوئی تھی اس کے نتیجے میں ہر طرف پُرہول ویرانی کا راج تھا۔ مجھے یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ اس جزیرے کو ملکی گرڈ سسٹم سے بجلی فراہم کی جاتی تھی یا جزیرے پر کوئی الگ پاور اسٹیشن موجود تھا لیکن وہاں اس وقت بھی خاصی روشنیاں جل رہی تھیں۔

اول خان نے جزیرے پر برپا ہونے والے کہرام اور شور و غل پر قابو پانے کے لئے اباسین کے میگافون سسٹم سے جو دھمکیاں نشر کی تھیں ان کے نتیجے میں پوری آبادی پر ایک غیر فطری سا سکوتِ مرگ چھا گیا تھا جسے کہیں کہیں سے ابھرنے والی، بوڑھے اور شب بیدار مریضوں کی آہیں یا سہمے ہوئے بچوں کے رونے کی آوازیں توڑ رہی تھیں۔ آبادی کے بیشتر مکانوں میں ہونے والی روشنی سے وہاں بیداری کے آثار مل رہے تھے لیکن سڑکوں اور گلیوں میں حیرت ناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے جزیرے کے تمام باسی اپنے گھروں میں دبک کر اس طوفانِ بلا کی دوسری لہر کا انتظار کر رہے ہوں جس نے تھوڑی دیر پہلے ست بیلہ کی پُرسکون فضا کو بارود اور خون کی بُو سے بوجھل کر دیا تھا۔

"جزیرے کے لوگ بہت امن پرور اور قانون کے وفادار معلوم ہوتے ہیں" سرخ اینٹوں سے بنی ہوئی ایک سڑک پر سے گزرتے ہوئے اوّل خان خود ہی بول پڑا۔

"جزیرے پر قدم رکھتے ہی تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کر لیا؟" میں نے سوال کیا۔

"خوفناک دھماکوں اور بھاری فائر کے نتیجے میں جزیرے کی سوئی ہوئی آبادی میں خوف و دہشت کی لہر دوڑ گئی تھی۔ عورتوں... بچوں اور مردوں کا شور کانوں کے پردے پھاڑے دے رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ سب دہشت زدہ ہو کر اپنے گھروں سے باہر نکل آئے تو گیسوں کے ساتھ گھُن بھی پس جائے گا۔ اوپن شوٹنگ میں ملّا سرکار کے ساتھیوں کے ساتھ دس پانچ شہریوں کا مرجانا عین ممکن تھا۔ اس لئے میں نے پوری آبادی کو اگلا حکم ملنے تک 'خاموشی کے ساتھ اپنے گھروں کی چار دیواری میں محدود رہنے کا حکم دیا تھا۔ میں نے انتباہ کیا تھا کہ جو شخص اپنے گھر سے باہر نظر آیا' اسے للکارے بغیر شوٹ کردیا جائے گا۔ میری وہ دھمکی کارگر رہی۔ تم دیکھ رہے ہو کہ چڑیا کا بچہ بھی باہر نظر نہیں آرہا۔"

"وہ حکم تم نے کس اختیار کے تحت دیا تھا؟" میں نے سنجیدگی کے ساتھ پوچھا۔

"ایس ٹی ایف والوں کو ہر اختیار خود بخود حاصل ہوجاتا ہے۔ تم پھر بھول رہے ہو کہ ہم غیر سرکاری لوگ ہیں اور کسی قانون کے تحت کام کرنے کے پابند نہیں ہیں۔"

"یہی واقعہ کسی مہذب ملک میں پیش آیا ہوتا تو تم کو جزیرے کی پوری آبادی کو خوف زدہ کرکے حبسِ بے جا میں رکھنے کے سنگین الزام کا سامنا کرنا پڑجاتا۔"

وہ تلخ انداز میں ہنس دیا "تم کس مہذب ملک کی بات کررہے ہو؟ امریکا؟ روس؟ یا برطانیہ؟ ان میں سے تم کس کو مہذب سمجھتے ہو؟"

"روس کے علاوہ دونوں ہی مہذب اور ترقی یافتہ معاشرے ہیں جہاں انسانی حقوق اور آزادیوں کا پورا پورا احترام کیا جاتا ہے۔"... میں نے اسے چھیڑنے کے لئے گمبیر سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"جن ملکوں میں سارا کام صرف نام اور سَرنیم چلتا ہو' جہاں کسی سے اُس کے باپ کا نام پوچھنا سخت معیوب اور خلافِ تہذیب سمجھا جاتا ہو اور بیشتر نوجوان جوڑے پے در پے اپنے ساتھیوں کو تبدیل کرکے حرامی بچوں کو جنم دے رہے ہوں' جہاں نہ صرف اُن حرامی بچوں کو بلکہ ان کی ماؤں اور ان کے نامعلوم باپوں کو بھی قانون کا پورا تحفظ حاصل ہو' ایسے اخلاق باختہ معاشروں کو میں نفس زدہ جانوروں کے جنگمٹ سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ چند برسوں کی بات ہے پھر شاید ملکہ معظمہ کی اولادیں بھی شادی کے چلن کو بھول کر کتّے بلیوں کی طرح اپنے ساتھی تلاش کریں گی۔ ان لوگوں کے یہاں انسانی حقوق اور آزادیوں کا ایک ڈھونگ ضرور ہے مگر انہوں نے پوری پوری قوموں کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔ آئرلینڈ' جنوبی امریکا' مشرقِ وسطیٰ اور افریقہ میں ان کے قزاق فوجی کن ضابطوں پر عمل کرتے ہیں؟ ان کے ٹینک ہزاروں زندہ انسانوں کو روند کر خندقوں میں دفن کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ ان کے جہاز زہریلی گیسوں کے بم برساتے ہیں۔ ان کی ایم آئی اور سی آئی اے کیا کرتی ہے؟ انسانی حقوق کیا صرف انہی کے شہریوں کے لئے اتارے گئے ہیں؟ رنگ دار نسلوں والے انسان کیا چھوت کی بیماریاں پھیلانے والے کیڑے ہیں جنہیں موقع ملتے ہی چُن چُن کر ہلاک کردینا چاہئے؟ ہم لوگ جو کچھ کرتے ہیں' وہ ان نام نہاد قوموں کے کالے کرتوتوں کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ہم اپنی سچ بات بھی دوسروں تک پہنچانے سے معذور ہیں اور مہذّب قومیں مواصلات کے ہر منبع پر قابض ہیں۔ جب اور جہاں ان کے مفادات مجروح ہونے لگتے ہیں تو وہ اتنے تسلسل اور تواتر کے ساتھ ریڈیو' ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعے جھوٹ بولنا اور پروپیگنڈا کرنا شروع کردیتے ہیں کہ تم جیسے سادہ لوح لوگوں کے پورے پورے انبوہ اُن کے دام میں آجاتے ہیں۔" اس کا لہجہ بہت تلخ تھا۔

"تم بلاوجہ جذباتی ہوگئے۔ میں تو تم سے مذاق کررہا تھا۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"میرے جذباتی ہونے کی وجہ تھی" وہ چیخ کر بولا "تمہارا اور ہمارا اشتراک ملّا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی کے حوالے سے ہوا ہے لیکن تمہیں اندر کے معاملات کا علم نہیں ہے۔ ہمیں خبریں ملی ہیں کہ ایک پڑوسی ملک کی شے پر امریکا سندھ کے معاملات میں گہری دلچسپی لے رہا ہے۔ اس کے بعض سفارت کار یہاں تخریبی سرگرمیوں میں ملوّث ہیں۔ ان کے مشتبہ لوگوں سے روابط ہیں لیکن ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ ایک ... بڑی طاقت کا معاملہ ہے اس لئے ہم اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور ہیں۔ وہ لوگ ملا سرکار کی پشت پناہی کررہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ سکھر کے ان واقعات میں اُس کا نام اچھالا جائے تو وہ لوگ ست بیلہ میں مجرموں کی ایک بڑی تعداد کی تباہی اور ہلاکت پر واقعی انسانی حقوق کی پامالی کا اسکینڈل کھڑا کردیں۔ اسی وجہ سے میں تمہاری اس تجویز پر چونکا تھا کہ ہمیں ان واقعات سے ملّا سرکار کا نام گول کردینا چاہئے۔"

اس بار اول خان کی باتیں سن کر میں بھونچکا رہ گیا۔ اسے میں نے شروع سے آخر تک صرف ملا سرکار کے بارے میں اعتماد میں لیا تھا۔ اسے ٹی سے میرے مراسم کا علم تھا نہ اس بین الاقوامی جرائم پیشہ تنظیم میں ویرا کے وجود کی بھنک مل سکی تھی۔ اسی طرح میں نے ملا سرکار کو اسلحہ کی فراہمی میں آرنیٹ نامی سفارت کار کی گہری دلچسپی کے بارے میں اسے کوئی بات بتائی تھی۔ مجھ پر اس وقت پہلی بار یہ راز فاش ہوا کہ اسپیشل ٹاسک فورس ملکی سلامتی کے بارے میں غیر ملکی ریشہ دوانیوں سے بڑی حد تک واقف تھی اور کوئی اہم پہلو اُن کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھا۔

"لیکن تم نے مجھ سے آج تک ان معاملات کا ذکر نہیں کیا؟" میں نے اُس سے شکوہ کیا۔

"ہم لاکھ آزاد اور خود مختار سہی لیکن پھر بھی ایک ڈسپلن کے پابند ہیں۔ ابھی تک تم ہمارے لئے ایس ٹی ایف سے باہر کے آدمی ہو اس لئے میں نے تم سے صرف مشترکہ معاملات پر گفتگو کی تھی۔ اس وقت بھی تم مجھے تاؤ نہ دلاتے تو میں ان معاملات میں... بین الاقوامی طاقتوں کی دلچسپی کا ذکر نہ چھیڑتا۔ مجھے امید ہے کہ اس حسّاس موضوع پر میری گفتگو تم صرف اپنی ذات تک محدود رکھو گے۔"

"میرے ساتھ بھی کچھ یہی صورتِ حال ہے۔ میرا خیال تھا کہ تم بعض باتوں کی اصل روح تک نہیں پہنچ سکو گے اس لئے میں نے تم سے ان کا ذکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی لیکن اب تمہاری باتیں سن کر مجھے احساس ہوا ہے کہ ہمیں اس بارے میں پہلے ہی دن تبادلۂ خیال کرلینا چاہئے تھا۔"

"تو کیا ملا سرکار کے مشن سے بین الاقوامی دلچسپیوں کے بارے میں تم بھی کچھ جانتے ہو؟"

"اس اعتبار سے بہت کچھ کہ تم نے صرف خبریں سنی ہیں جب کہ میں بعض واقعات کا چشم دید گواہ ہوں۔ اس تجربے سے گزرنے کے بعد مجھے ملّا سرکار ایک مہیب اژدہا نظر آنے لگا تھا۔"

"تم مجھے اس بارے میں بتاؤ" وہ ایک دم ہی پُرجوش نظر آنے لگا "ہم اگر اس سفارتی مجرم کے ہاتھ پیر توڑنے میں کامیاب نہ ہوسکے تو اس معاملے کو کم از کم اس حد تک ضرور لے جائیں گے جہاں یہ ملک چھوڑنا اُس کے لئے ناگزیر ہوجائے گا۔ ایسے موذیوں کی بیخ کنی ہمارا محبوب ترین مشغلہ ہے۔"

"تم نے آرنیٹ کا نام ضرور سنا ہوگا؟" میں نے اُس سے سوال کیا۔

"اچھی طرح سنا ہے۔ وہ اپنے مطلب کے لوگوں سے رابطے بڑھانے میں خاص مہارت رکھتا ہے اور ایک سفارت خانے کے کراچی کے کاؤنسلیٹ میں کام کرتا ہے۔"

"تم بالکل ٹھیک سمجھے۔ وہ پاکستان میں اپنے ان ایجنٹوں پر کڑی نگاہ رکھتا ہے جن کے جسموں میں' اُن کی لاعلمی میں ننھے ننھے چپ پیوست کردیے گئے ہیں۔ جن سے نشر ہونے والے طاقتور ریڈیائی سگنل' آرنیٹ اپنے ویڈیو مانیٹرنگ یونٹ پر وصول کرتا ہے اور ان کی اسکیننگ کے ذریعے وہ کسی بھی وقت کسی خاص شخص کی قیام گاہ کا سراغ لگا سکتا ہے۔ اُس نے اسی طرح میری ایک غیر ملکی دوست کا سراغ لگا کر' اپنے مقاصد کے ذریعے اسے فوری ملاقات کا پیغام بھیجا تھا۔ ملاقات... ہونے پر اس نے اپنے سفارتی فون پر اس لڑکی کی امریکا بات کروائی۔ اس کے ذریعے وہ ہتھیاروں کے ایک بہت بڑے اسمگلر پر دباؤ ڈالنا چاہتا تھا تاکہ بلیک کیٹ ٹی کو جلد از جلد ہتھیار فراہم کردیے جائیں۔"

"اب وہ لڑکی کہاں ہے؟" اوّل خان نے وہ کہانی سن کر اضطراری طور پر سوال کیا۔

"میں نے اس کے بدن سے چپ نکال کر اسے غائب کردیا ہے۔"... میں نے ویرا کے بارے میں کوئی تفصیل ظاہر کئے بغیر سرسری طور پر بتایا "چپ پشاور روانہ کردیا ہے۔ وہاں میرا ایک آدمی اسے کسی چیل یا عقاب کے پیر سے باندھ کر اسے اڑا دے گا تاکہ آرنیٹ اپنے ویڈیو اسکینر پر سر کھپاتا رہے۔"

"ان لوگوں نے اپنی سازشوں پر عمل درآمد کے لئے جدید الیکٹرونک ایجادات سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ کشیدگی کے پچھلے دنوں میں ہماری تمام اہم دفاعی اور جوہری تنصیبات سے سازو سامان کی مشتبہ کھیپیں ہٹادی گئی تھیں جن کے بارے میں شبہ تھا کہ ان میں ایسے سینسر چھپا دیے گئے ہیں جن کے خود کار ریڈیائی اشارے حملہ آور طیاروں کی میلوں دور سے بالکل صحیح رہنمائی کرسکتے ہیں۔ ان میں بعض سینسر ایسے بھی ہیں جو خاص ساخت کے میزائلوں کو اپنی طرف راغب کرتے ہیں۔ ایسی مشینیں جن تنصیبات میں موجود ہوں گی وہاں کسی بھی وقت کوئی میزائل پھینکا جاسکتا ہے جو ہر رکاوٹ کو توڑتا ہوا اپنے سینسر پر گرے گا اور ہر طرف تباہی پھیلا دے گا۔"

میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن اُسی وقت ایک قریبی گلی سے ایس ٹی ایف کے دو ہتھیار بند کمانڈو نکل کر ہمارے ساتھ شامل ہوگئے۔ ان کا تعلق سولو بوٹ نمبر آٹھ اور نو سے تھا۔

تھوڑی دیر میں ہم چاروں گنیش آشرم کی سفید عمارت پر پہنچ گئے جہاں مشرقی سمت سے آنے والے چار کمانڈو ہم سے پہلے پہنچ کر پھاٹک پر قابض ہوچکے تھے۔

تفصیلی ہدایات دینے کے بعد اوّل خان نے اپنے دو جوانوں کو وہیں پھاٹک پر چھوڑا اور بقیہ چار کو اپنے ساتھ لے کر اس وسیع و عریض عمارت میں داخل ہوگیا۔

منقّش چوبی پھاٹک کے دیو ہیکل سنگی ستونوں سے اندرونی درو دیوار تک' گنیش آشرم کے چپّے چپّے پر رام' شیام' گنیش' کالی' لکشمی اور دوسرے دیوی دیوتاؤں کی ابھری ہوئی مورتیاں موجود تھیں جو پتھریلی سِلوں پر بہت مہارت کے ساتھ تراشی گئی تھیں۔

پھاٹک سے داخل ہونے کے بعد ایک بڑی سی مسقف ڈیوڑھی تھی جس میں چھت سے کانسی اور چاندی کی بنی ہوئی بہت سی گھنٹیاں لٹک رہی تھیں۔ ان سب کو نیچے جھولتی ہوئی ایک ریشمیں ڈوری سے اس طرح منسلک کیا گیا تھا کہ ڈوری کھینچتے ہی وہ تمام گھنٹیاں اپنے مخصوص ترنم میں بیک وقت بج اٹھتی تھیں۔ اس ڈیوڑھی میں دونوں طرف بغلی کمرے تھے جو اس وقت تاریک اور ویران پڑے ہوئے تھے۔

"جو جہاں ہے' وہیں رہے! حرکت کرنے والے کو چھلنی کردیا جائے گا" اوّل خان کے آدمی دو ٹکڑیوں میں ان دونوں کمروں میں گھس گئے۔ اپنی سرچ لائٹس کی روشنی میں انہوں نے سوئچ بورڈ تلاش کرکے کمروں کو روشن کردیا تھا۔

کمروں میں کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ ڈیوڑھی سے آگے دالان تھا جس میں کھلے آسمان کے نیچے ایک چبوترہ تھا اور دیواروں کے ساتھ کُل چھ دروازے نظر آرہے تھے جو شاید کمروں میں کھلتے تھے۔ ڈیوڑھی کے بالکل سامنے برجیوں اور کلسوں والی ایک مندر

نما عمارت تھی جس میں روشنی نظر آرہی تھی۔

ان چاروں جوانوں نے تیزی کے ساتھ ان کمروں کا بھی جائزہ لے ڈالا جن میں رہائش کے جملہ آثار ہونے کے باوجود کوئی موجود نہیں تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ گنیش آشرم والے بھی افراتفری میں نکل بھاگے ہیں۔ اب ہمیں مندر کے پیچھے والے میدان کو دیکھنا چاہئے۔ وہاں پر جلنے والی چتا کی ہلکی سی سرخی اب بھی فضا میں نظر آرہی ہے۔"

میں نے اول خان کی رائے کی تائید کی اور ہم سب مندر کی طرف بڑھ گئے۔

وہاں کی نیم روشن اور پُراسرار فضا میں پہنچنے سے قبل ہی ہم دبی دبی سسکیوں کی آواز سن کر چوکنّے ہوگئے۔ دو رویہ سنگی مجسموں کے درمیان سے گزر کر ہم اندر پہنچے تو وہاں بھگوان کی قدِ آدم مورتی کے سامنے ایک موٹا تازہ' جٹا دھاری مہنت سر کے بَل گرا ہوا گھٹ گھٹ کر رو رہا تھا۔ اس کا گیروا لبادہ اس کے اوپری بدن سے ڈھلک گیا تھا لیکن وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر بھگوان سے رشتہ جوڑنے میں منہمک تھا۔

جب ہمارے وزنی قدموں کی دھمک بھی اس کے استغراق میں خلل انداز نہ ہوسکی تو ہم جوتے اتار کر اندر داخل ہوگئے کیوں کہ وہاں ہندوؤں کی کسی عبادت گاہ کی سی پُراسراریت پوری طرح موجود تھی اور ہم اپنی محدود کارروائی میں مقامی ہندوؤں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔

"اے پنڈت!" اول خان نے اس کے قریب پہنچ کر اپنی رائفل کی سرد' آہنی نال سے اس عابدِ نیم شب کے برہنہ شانے کو چھوا تو وہ یوں اچھل کر سجدے سے اٹھا جیسے اس کے شانے پر بچھّو آگرا ہو۔

پتھر کے بھگوان اپنی ابدی لاتعلقی کے ساتھ جوں کے توں کھڑے ہوئے تھے۔ وہ بے چارے اپنی تخلیق کے لئے خود اپنے بندوں کی سنگ تراشی کے محتاج تھے اس لئے وہ اپنے پجاری کے لئے کیا کرسکتے تھے؟ ان کی پتھریلی نگاہیں خلا میں کسی نادیدہ نقطے پر مرکوز تھیں۔

اس اُدھیڑ عمر شخص کے چہرے سے کھوپڑی تک 'کہیں بھی کسی بال کا وجود نہیں تھا۔ داڑھی' مونچھوں کے ساتھ ہی شاید وہ بھویں بھی روز منڈواتا تھا اس لئے اُس کے چہرے کی جِلد پر عجیب سی روغنی چمک موجود تھی لیکن ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور چہرے پر خوف کی علامات تھیں جیسے وہ اپنے بھگوان کے سامنے سربسجود ہو کر اپنے اعمال کے انجام سے پناہ مانگتا رہا ہو۔

"تمہارے علاوہ یہاں اور کون کون ہے؟" اول خان نے اس سے ذرا بھی متاثر ہوئے بغیر درشت لہجے میں سوال کیا۔

"کوئی نہیں' مہاراج! اس سمے تو میں اکیلا ہی ہوں" وہ گڑگڑا کر بولا۔

"ویسے یہاں اور کون کون ہوتا ہے؟" اول خان کی آواز کرخت اور تحکم آمیز ہی رہی۔ گیروے لبادے والے کی نرمی عاجزی اور انکسار سے وہ کوئی اثر قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

"صحن کی طرف بنے ہوئے کمروں میں پانچ پنڈت رہتے ہیں۔" وہ اشارہ کرتا ہوا بولا۔

"وہ کہاں ہیں؟"

"وہ سکھر گئے ہوئے ہیں' مہاراج!" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر گھگیاتا ہوا بولا۔

"کیوں؟" اول خان نے پیر پٹخ کر تُند لہجے میں سوال کیا۔ وہ اس شخص کے مختصر ترین جوابات پر مشتعل ہوتا ہوا نظر آرہا تھا مگر میں نے دخل انداز ہونا مناسب نہیں سمجھا۔

"قسمت سے آج وہ سب ہی بیمار ہوگئے تھے۔ دو کو بخار چڑھ آیا تھا۔ تیسرے کو ہیضہ ہونے والا تھا۔ باقی دو بھی اونگھ رہے تھے۔ وہی تینوں ساتھیوں کو علاج کے لئے سکھر لے گئے۔"

"اور تم کون ہو؟" اول خان نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"میں یہاں کا بڑا سیوک ہوں۔" اول خان کی چبھتی ہوئی نظروں کی تاب نہ لا کر اُس نے اپنا سر جھکا لیا۔ "میرا نام بخشی لعل ہے۔ میں نے اسی آشرم میں ہوش سنبھالا تھا۔"

"تھوڑی دیر پہلے یہاں کون لوگ آئے ہوئے تھے؟" اس کی حیثیت کا تعین ہوتے ہی اول خان نے اپنے ترکش سے اہم ترین سوال کا تیر داغ دیا۔

"کچھ مُسلے تھے" اس نے قدرے سہمی ہوئی آواز میں کہا "وہ سب ہتھیار بند تھے۔ انہوں نے مجھے کمرے سے نکال کر یہاں ٹھیٹر دیا۔ باہر کافی دیر تک انہوں نے سبھا جمائی۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ وہ یہاں کیا کرتے رہے۔ میں تو بری گھڑی کا اندازہ لگاتے ہی یہاں رام کے قدموں میں گر گیا تھا۔ تم نے ہی آکر مجھے ہوش دلایا ہے ورنہ میں تو اتنی دیر تک اپنے آپے میں ہی نہیں تھا۔ من میں ڈوب کر بھگوان کی پرارتھنا کر رہا تھا۔"

"تم نے یہاں سے ابھرنے والی چیخ سنی تھی؟" اول خان کا لہجہ زہریلا ہوگیا۔

اس نے پورے اعتماد کے ساتھ اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔

"بعد میں خوب گولیاں چلیں' لوگ مارے گئے' پورا ستِ چیخوں سے لرز رہا تھا۔ اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟" اول خان نے پوچھا۔

بھووں کے فطری سائے سے محروم اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ تحیّر زدہ معصومیت کے ساتھ بولا "تم مجھ سے سوگند لے لو جو میرے پاپی کانوں نے کچھ بھی سنا ہو۔ میرا تو خیال ہے کہ تم مجھ سے مذاق کر رہے ہو یا میں اب بھی کوئی سپنا دیکھ رہا ہوں۔"

اس کے جواب پر اوّل خان غضب ناک ہوگیا "مندر کے پچھلے میدان میں آگ کس نے لگائی ہے؟"

"مجھے ذرا سی مہلت دے دو۔" وہ ہانپتا ہوا بولا "میں باہر نکل کر آشرم کا ایک چکر لگا لوں' تب ہی ان باتوں کا کوئی جواب دے سکوں گا۔ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ میری بے خبری میں یہاں کیا انیائے ہوا ہے۔ وہ ہتھیار بند مُسلے ابھی یہیں دندنا رہے ہیں یا جاچکے ہیں؟ مجھے بس مہلت دے دو۔"

چند ثانیوں قبل وہ کہہ چکا تھا کہ باہر صحن میں مسلّح مسلمانوں نے کافی دیر تک اپنی سبھا جمائی تھی۔ اس طرح اُس نے یہ اعتراف کرلیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی آمد اور روانگی کے وقت سے باخبر تھا جب کہ فوراً ہی' دوسرے سانس میں' وہ ہر بات سے لاعلمی ظاہر کر رہا تھا۔ وہ بہت باریک نکتہ تھا جسے شاید اول خان نوٹ نہیں کرسکا لیکن میں ابتدا ہی سے اس گفتگو کا ایک ایک لفظ پوری توجہ سے سن رہا تھا۔

اس وقت تک بخشی لعل کی اداکاری بہت کامیاب اور ہر شک و شبے سے بالاتر تھی لیکن اس کی غلط بیانی کا احساس ہوتے ہی یک بیک میرے دماغ میں گرمی چڑھ گئی۔

میں نے پوری قوت سے اس کے پُرگوشت رخسار پر ایک تھپڑ رسید کیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا ایک مورتی سے جا ٹکرایا "ہائے رام! تم مجھ پر یہ انیائے کیوں ڈھا رہے ہو؟"

"میں تیری ہڈیاں توڑ دوں گا" میں نے اس کے گھٹنے پر پوری قوت کے ساتھ ٹھوکر رسید کی اور وہ اپنی بے ساختہ چیخ پر قابو نہ رکھ سکا۔ "ہم صرف سچ سننے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ اگر تو نے ہمیں چکر دینے کی کوشش کی تو پیچھے جلتی ہوئی چتا میں تو بھی زندہ مرے گا اور کوئی تجھے بچانے کے لئے نہیں آئے گا۔"

وہ مضبوط اور جان دار آدمی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس نے جھوٹ بولنے کی تیاری کی ہوئی تھی اس لئے میرے پہلے وار کو جھیل گیا اور مزاحمت پر تل گیا۔

اس کا اصرار تھا کہ اس نے جو کچھ کہا اسے سچ مان لیا جائے اور میری چھٹی حِس اس کے بیان میں سفید جھوٹ کے علاوہ کچھ اور دریافت نہیں کرسکی تھی۔

اول خان کو شاید اس کی معصومانہ گفتگو نے متاثر کیا تھا اس لئے وہ اس پر ہاتھ اٹھانے میں پہل نہ کرسکا لیکن جب میں نے بخشی لعل کے چہرے پر پہلا تھپڑ رسید کیا تو غنیمت یہ ہوا کہ اول خان نے حیرت کے باوجود زبان نہیں کھولی اور خاموشی کے ساتھ اس تماشے کا نیا انداز دیکھتا رہا۔

مجھے یقین ہوگیا تھا کہ بخشی لعل جھوٹ بول رہا تھا اس لئے میں نے اس پر بے رحمانہ تشدّد شروع کردیا۔ مندر نما اس عمارت میں اس کی کریہہ چیخیں گونج رہی تھیں۔ اس کے گیروے لبادے کا اوپری پلّو فرش پر گھسٹ رہا تھا' وہ میری مار سے بچنے کے لئے بار بار پہلو بدل رہا تھا لیکن اس وقت اسے کہیں امان نہیں تھی۔

ایک بار موقع پاتے ہی وہ بھونڈے انداز میں اچھل کر صحن کی طرف بھاگا لیکن اس بار اوّل خان کے ایک آدمی نے اس کے لبادے کا لہراتا ہوا پلّو تھام کر اسے روکا' بخشی لعل نے پلّو چھڑا کر اسی طرح آگے بھاگ نکلنے کے لئے جب پورا زور لگایا تو اس آدمی نے اچانک ہی لبادے کا سرا چھوڑ دیا اور بخشی لعل مُنہ کے بل فرش پر جا پڑا۔

"ہمارے نرغے میں' وہ کراہتا ہوا زمین سے اٹھا تو اس کے دہانے' ناک اور پیشانی کے زخموں سے خون کی دھاریں بہہ نکلی تھیں۔ مفت کے حلوے مانڈے پر پلا ہوا اس کا بدن ڈھیلا پڑ چکا تھا اور وہ بری طرح خوف زدہ نظر آرہا تھا۔

"بول' ورنہ اب میں فائر کر کے تیری پنڈلیاں چھلنی کردوں گا۔" میں نے اس کی پنڈلیوں کا نشانہ لیتے ہوئے غرا کر کہا۔

"یہاں نہیں۔" وہ دونوں ہاتھ فضا میں لہرا کر گڑگڑایا۔ "مجھے کسی محفوظ جگہ پر لے چلو۔"

اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر میری طرف دیکھا اور میری معنی خیز نظروں کا سامنا کرتے ہی بوکھلا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہم تیرے باپ کے نوکر نہیں ہیں۔ بولنا ہے تو یہیں بول ورنہ مرنے کے لئے تیار ہوجا!" میں نے اسے گھورتے ہوئے قہربار لہجے میں پھنکارا۔

"میں مار دیا جاؤں گا۔" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی' خوف زدہ آواز برآمد ہوئی "تم اُسے نہیں جانتے' وہ ہزار آنکھیں رکھتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اب بھی یہیں کہیں چھپا ہوا ہو۔ زبان کھولتے ہی مجھے مار ڈالے گا۔"

"یہ خطرہ تجھے مول لینا پڑے گا۔" میں نے بڑھ کر اس کی گردن پر ایک زوردار ہاتھ رسید کرتے ہوئے کہا کیونکہ اس کا چہرہ اس دوران میں بری طرح خون آلود ہوچکا تھا اور میں اس کے گندے خون میں اپنے ہاتھ آلودہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"وہ ...... وہ مسلے نہیں تھے!" وہ رک رک کر سرگوشیانہ آواز میں بولا۔

"ابے! تو کیا تیرے باپ تھے؟" اس کی آڑ موڑ سے میرا پارہ پھر چڑھنے لگا۔

میرے بگڑتے ہوئے تیور دیکھ کر وہ فوراً ہی بول پڑا "ملّا سرکار اپنے آدمیوں کے ساتھ آیا تھا۔"

"تو نے اُس کا نام لیا ہے لیکن دیکھ لے کہ کہیں سے گولی چلی نہ کوئی پتھر آیا۔ اب خیریت چاہتا ہے تو رکے بغیر پوری کہانی سناتا چلا جا ورنہ ہم تیرے بیان کے محتاج نہیں ہیں۔"

اُس کا بیان بہت طویل اور پُرپیچ تھا۔ اپنی صفائی پیش کرنے کی

کوشش میں اُس نے کئی بار ضمنی کہانیاں بھی شروع کردیں مگر میں نے دخل اندازی کر کے اسے اصل موضوع تک محدود رہنے پر مجبور کردیا۔

بخشی لعل بھی بلیک کیٹ ٹی کو ملاّ سرکار ہی کے نام سے جانتا تھا لیکن دوسروں کے برعکس اسے یہ معلوم تھا کہ ملاّ سرکار جعلی پیر ہے اور روپ بدل کر انڈین سیکرٹ سروس کے کسی بڑے مشن پر کام کررہا ہے۔وہ ڈاکوؤں اور بدمعاشوں کی سرپرستی کرتا تھا۔اس لئے اُس سے بخشی لعل کی روح فنا ہوتی تھی۔

ملاّ سرکار بخشی لعل کے بچپن کے ایک دوست کی چٹھی لے کر اُس سے ملا تھا۔وہ دوست برصغیر کی تقسیم کے وقت سکھر سے بھارت چلا گیا تھا اور وہیں مقیم تھا۔جب تک ملا سرکار کی پیری مریدی کا جعلی دھندا نہیں جما' وہ کبھی کبھار گنیش آشرم آیا کرتا تھا۔ وہاں وہ لوگوں سے ملتا ملاتا بھی تھا لیکن اپنی سرگرمیوں کا دائرہ بڑھانے کے ساتھ ہی اس نے بخشی لعل کو بلیک میل کرنا شروع کردیا۔نچلے درجے کے سیاہ کار سادھوؤں اور پجاریوں کی طرح بخشی لعل بھی عورتوں کا رسیا تھا۔اپنا شوق پورا کرنے کے لئے اس نے ٹونے ٹوٹکے اور جادو منتر کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا جس کی آڑ میں وہ توہم پرست اور پریشان عورتوں کا شکار کھیلا کرتا تھا۔آشرم میں رہنے والے دوسرے پنڈت بھی دامن بچا کر اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھولیا کرتے تھے اس لئے ست بیلہ کے سادہ لوح شہریوں کو ان مقدس کمینوں کی اصلیت کا علم ہی نہیں ہوسکا۔

ملاّ سرکار کسی پیشگی پروگرام کے بغیر ہی اچانک گنیش آشرم پہنچتا تھا اور براہِ راست بخشی لعل کے سر پر مسلّط ہونے کی کوشش کرتا تھا اس لئے اس نے کئی بار بخشی لعل کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔بخشی لعل نے پنڈتوں کی طرح' ملاّ سرکار کو بھی سُندر ناریوں کی پیشکش کر کے اسے اپنے رنگ میں رنگنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ملا سرکار پیدائشی اور گھاگ سیکرٹ ایجنٹ تھا۔شاید وہ جانتا تھا کہ ایک اچھے سیکرٹ ایجنٹ کو بھرپور کامیابی کے لئے شراب اور شباب سے دور رہنا چاہئے اس لئے اُس نے بخشی لعل کی ایسی ہر رشوت کو ہنس کر ٹال دیا لیکن جب اس کے پہلے مطالبے پر بخشی لعل نے گنیش آشرم میں تخلیہ فراہم کرنے سے انکار کیا تو ملاّ سرکار نے اسے دھمکی دی کہ وہ ست بیلہ والوں کو اس کے کالے کرتوتوں سے باخبر کردے گا اور بستی کی ان عورتوں کو پنچائیت میں کھڑا کردے گا جنہیں اس نے بچشم خود بخشی لعل کے ساتھ دیکھا تھا۔

بخشی لعل کی پرورش ہی حرام پر ہوئی تھی۔وہ آشرم کے نذرانوں وغیرہ سے محروم ہونے کے بعد اپنے لئے دو وقت کی روٹی بھی نہیں کما سکتا تھا اس لئے اس نے ملا سرکار کے ہاتھوں بلیک میل ہونا قبول کرلیا۔

بخشی لعل کے ساتھ رہنے والے پنڈت پانڈے یہ سمجھ کر آشرم سے غائب ہوجاتے تھے کہ شاید بخشی لعل کے پاس ست بیلہ کی کوئی معزز عورت آنے والی ہوگی۔ملا سرکار اپنے کسی آدمی کے ذریعے بخشی لعل کو پیغام بھجواتا تھا۔پھر مقررہ وقت پر قریبی گھاٹ سے گنیش آشرم پہنچ جاتا تھا۔

آشرم میں دور دور کے نامی گرامی قاتل' ڈاکو اور رسّہ گیر ملاّ سرکار سے ملنے آتے تھے۔بخشی لعل کو ان کی محفلوں میں بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔جب تک گنیش آشرم پر ملاّ سرکار' اس کے چیلوں اور ملاقاتیوں کا قبضہ رہتا' وہ کسی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح احاطے میں چکراتا رہتا اور ان سب کے رخصت ہونے کے بعد اپنے کمرے میں گھس کر سوجاتا۔

رفتہ رفتہ ملاّ سرکار کے ارادتمندوں کا حلقہ اتنا وسیع ہوگیا کہ اس کے ست بیلہ آنے سے پہلے دس بیس ہتھیار بند ڈاکو خاموشی کے ساتھ جزیرے کے مشرقی گھاٹ پر اتر کر اپنی خفیہ کمین گاہوں میں رینگ جاتے۔وہ گھاٹ گنیش آشرم سے بہت قریب تھا اور ملاّ سرکار بھی اپنی آمد و رفت کے لئے اسی گھاٹ کو پسند کرتا تھا کیونکہ اس طرح وہ آبادی میں داخل ہوئے بغیر اور مختصر سا فاصلہ طے کر کے آشرم میں پہنچ جاتا تھا۔

اس رات ملاّ سرکار بہت مختصر سی مدت کے نوٹس پر ست بیلہ پہنچا تھا۔اس کے قاصد کے آتے ہی بخشی لعل نے اپنے ساتھیوں کو سکھر روانہ کردیا تھا۔

بخشی لعل کے بیان کے مطابق وہ اس بھاری مسلّح نفری کی آمد سے بے خبر تھا جو دوسرے گھاٹوں سے جزیرے پر اتری تھی البتہ اس رات گنیش آشرم آنے والوں کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔

آٹھ دس خطرناک ڈاکو ملاّ سرکار کے ساتھ آئے تھے پھر آدھی رات گزرنے کے بعد' گنیش آشرم سے باہر پہرا دینے والے' چار افراد کو اپنے ہتھیاروں کی زد پر قیدی بنا کر لائے تھے۔وہ چاروں ہی سادہ لباس میں ملبوس تھے۔بخشی لعل سے میں نے ان کے جو حلئے سنے ان کے مطابق ان میں انسپکٹر اسد علی بھی تھا۔

ایک بجے کے بعد سردار رجب علی' غلام رسول کے ہمراہ ست بیلہ پہنچا تھا۔ان کی گنیش آشرم میں آمد پر سردار رجب علی سے ملاّ سرکار کی خاصی تلخ کلامی ہوئی جس کے نتیجے میں ملا سرکار نے اپنے ہاتھ سے' بے آواز پستول کی ایک گولی رجب علی کے سینے میں اتار دی اور وہ بھیانک چیخ مار کر ختم ہوگیا۔

بخشی لعل کے لئے وہ تجربہ بہت ڈراؤنا تھا۔ملاّ سرکار کے سارے ملاقاتی اس کے ہاتھ پیر چوم کر اس سے ادب و احترام سے ملتے تھے اور دھیمی' عاجزانہ آواز میں گفتگو کیا کرتے تھے جب کہ اس رات رجب علی نے اونچی اور غصیلی آواز میں ملاّ سرکار کو دل کھول کر گالیاں سنائی تھیں اور اس پر بہت سے الزامات بھی عائد کئے تھے۔

دوسری بڑی بات یہ تھی کہ ملاّ سرکار نے برسہا برس سے گنیش آشرم کو اپنا گڑھ بنایا ہوا تھا لیکن وہاں کبھی کسی کی نکسیر تک نہیں



...ی گئی تھی۔دھیمی آوازوں میں ہدایات اور معلومات کا تبادلہ ...تا اور صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے وہ سب گنیش آشرم سے نکل ...تے لیکن اس رات ملاّ سرکار نے مشتعل ہو کر اپنے ہاتھوں سے ...ب علی کا خون کیا تھا۔غصے میں وہ اس حد تک دیوانہ ہوگیا تھا کہ ...نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر سب پر گرجنا برسنا شروع ...دیا جس کی وجہ سے بخشی لعل کو وہاں ہونے والے پورے کھیل ...علم ہوگیا۔

غلام رسول' سردار رجب علی کو کچھ ضمانتیں دے کر ست بیلہ ...تھا۔ملاّ سرکار نے گرما گرمی میں اسے مار ڈالا تو غلام رسول نے ...طراری طور پر احتجاج کیا اور اس وقت ملاّ سرکار نے غصے میں ...ے چاروں سادہ پوش پولیس والوں سمیت گنیش آشرم کے تہ ...نے میں بند کرادیا جس کا راستہ مندر میں رام کی مورتی کے عقب ...واقع تھا۔

اس کے بعد ملاّ سرکار کو ہوش آیا تو اسے سردار رجب علی کی ...ں کی فکر ہوئی۔اس کے ساتھ آنے والوں نے پیشکش کی کہ وہ ...لاش کو دریا میں دبادیں گے یا بیڑی میں اپنے ساتھ لے جا کر ...ے جنگل میں کہیں بہادیں گے مگر ملا سرکار نے ان میں سے کوئی ...ز قبول نہیں کی۔سردار رجب علی اس علاقے کا بڑا اور با اثر ...تھا۔اس کے قتل کی بھنک ملتے ہی اس کے حامی مشتعل ہو کر ملاّ ...ار سے باغی ہوسکتے تھے۔لیلیٰ دتی کے اغوا کے بعد سردار رجب' ...نے اپنے آدمیوں میں ملاّ سرکار پر الزام تراشیاں شروع کردی ...ں۔اس موقع پر یک بیک اس کی لاش دریا یا جنگل سے برآمد ...تو سردار رجب علی کا قتل براہِ راست ملاّ سرکار کے کھاتے میں ...دیا جاتا۔

سردار رجب علی کی لاش کا نام و نشان مٹانے کے لئے ملاّ ...ار نے اپنے آدمیوں سے مندر کے عقب میں واقع آشرم کے ...طے میں چتا تیار کرائی اور رجب علی کی لاش پر گیلنوں مٹی کا ...چھڑک کر اسے آگ لگوا دی۔وہ اپنے آدمیوں سمیت وہاں ...' لاش کے راکھ ہوجانے کا انتظار کررہا تھا کہ اچانک کسی ...ب سے ایک بے آواز گولی آئی اور ان سب کے سروں پر سے ...رگئی۔

اس واقعے نے ملاّ سرکار کو بدحواس کردیا۔اسے گمان ہوا کہ ...طرح مسلح آدمیوں نے جزیرے کو اپنے حفاظتی حصار میں لیا ...تھا' اسی طرح سردار رجب علی کے کچھ حامی بھی جزیرے میں ...ے میں کامیاب ہوگئے تھے اور ایک بے آواز فائر کرنے کے بعد ...ی بھی لمحے گنیش آشرم پر حملہ آور ہوسکتے تھے۔

اس وقت بخشی لعل کو پہلی بار علم ہوا کہ ملاّ سرکار کے ساتھ ...رم میں داخل ہونے والوں کے علاوہ بھی بہت سے لوگ جزیرے ...پھیلے ہوئے ہیں اور فضا پر خون ریز تصادم کا سنگین خطرہ منڈلا رہا ...ے۔

ابھی ملاّ سرکار کسی نتیجے پر پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ فضا آٹومیٹک رائفل کے ہولناک فائر سے لرز اٹھی۔اسی کے ساتھ متعدد لرزہ خیز انسانی چیخیں بھی فضا میں ابھریں۔

سب لوگ سمجھے کہ سردار رجب علی کے آدمیوں نے دھاوا بول دیا ہے۔ملاّ سرکار نے "بھاگو" کا نعرہ لگایا اور وہاں بدترین افرا تفری پھیل گئی کیونکہ چیخوں کے ساتھ ہی ست بیلہ پر ہر طرف گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں اور جزیرے کے خوابیدہ مکینوں نے بھی نیند سے اٹھ کر دہشت سے چیخنا چلّانا شروع کردیا تھا۔

پل بھر میں میدان صاف ہوگیا اور بخشی لعل کھلے آسمان تلے تنہا کھڑا رہ گیا۔

اسے اندازہ تھا کہ وہ قیامت خیز فائرنگ اور ہلاک و زخمی ہونے والوں کی فلک شگاف چیخیں سکھر تک کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیں گی اور کسی بھی لمحے پولیس جزیرے پر قابض ہوجائے گی اس لئے وہ دوڑتا ہوا مندر میں گیا اور رام کی مورتی کے سامنے اپنا سر زمین پر ٹیک کر خوف سے رونے لگا۔

سب کچھ اتنی تیزی کے ساتھ اور اس قدر غیر متوقع طور پر ہوا کہ پانچوں قیدیوں کو تہ خانے سے نکال لے جانے یا مار ڈالنے کے بارے میں ملاّ سرکار کچھ سوچ ہی نہیں سکا۔

ایک لمحے کے لئے بخشی لعل نے بھی ملاّ سرکار کے پیچھے فرار ہونے کے بارے میں سوچا لیکن فوراً ہی وہ ارادہ ترک کردیا۔وہ بھاگ جاتا تو ان واقعات کی پوری ذمے داری اسی پر ڈال دی جاتی۔اس کے ناقابلِ ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری ہوجاتے اور وہ زندگی بھر کسی شہر کا رخ کرنے کے قابل نہ رہتا۔

اس کے لئے جنگلوں میں محرومی اور بے بسی کی پُرصعوبت زندگی گزارنے سے بہتر تھا کہ پولیس کا سامنا کیا جاتا اور گیان دھیان کی اثر انگیز کہانی تراش کر اپنا دامن صاف رکھنے کی کوشش کی جاتی۔

○☆○

تہ خانے کا مقفل دروازہ کھلوا کر ان پانچوں کو باہر نکالا گیا تو انسپکٹر علی اسد ملاّ سرکار کے سامنے بے بس ہوجانے پر خفت کا شکار ضرور تھا مگر اسی کے ساتھ بہت زیادہ مشتعل بھی تھا کیونکہ اس نے ملا سرکار کی اس رات کی مجلس میں ابتدا سے ہی شرکت کی تھی اور وہ ہر بات کا چشم دید گواہ تھا۔

اس نے بھی کم و بیش وہی باتیں دہرائی تھیں جن کا اعتراف بخشی لعل کرچکا تھا۔اگر اس میں کوئی اضافہ ہوا تھا تو وہ انسپکٹر اور اس کے آدمیوں کے پکڑے جانے کی کہانی تھی۔

انسپکٹر علی اسد ست بیلہ کے گرد سولو پولس کا محاصرہ قائم ہونے سے پہلے ہی اپنے تین سادہ پوش' مسلح ماتحتوں کے ہمراہ اس جزیرے پر پہنچے اور پھر گنیش آشرم کے قریب چھپنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ان لوگوں نے بیڑیوں میں سوار' مسلح ڈاکوؤں کے جتھوں

کو ست بیلہ کی طرف آتے دیکھا تھا پھر اپنے قریبی کناروں پر ان کی موجودگی بھی محسوس کی تھی۔

ملا سرکار کے جزیرے پر وارد ہونے کے بعد اس کے محافظ بہت چوکنے ہو گئے تھے۔ انسپکٹر کو یقین تھا کہ وہ لوگ محفوظ اور حریف کی نگاہوں سے پوشیدہ تھے لیکن حقیقت یہ تھی کہ گھنے جنگلات میں اپنے شب و روز گزارنے والے ڈاکوؤں اور قاتلوں کے حواسِ خمسہ بہت صیقل ہو چکے تھے۔ ان کی آنکھیں کسی آلے کی مدد کے بغیر، اندھیرے میں دور تک دیکھ سکتی تھیں اور ان کے کان پتا کھڑکنے کی موہوم سی آواز بھی سن لینے پر قادر تھے۔

وہ لوگ انسپکٹر وغیرہ کو تاڑ چکے تھے۔ اندھیرا گہرا ہو جانے پر، انہوں نے شکاری چیتوں کی طرح خاموشی اور مکاری کے ساتھ اس چار نفری ٹیم پر دھاوا بولا اور آناً فاناً میں انہیں غیر مسلح کر کے اپنا قیدی بنالیا۔

انسپکٹر اور اس کے ماتحت ہتھیاروں کی زد پر گنیش آشرم میں لائے گئے تو کئی ڈاکوؤں اور مجرموں نے ان نیک نام پولیس افسران کو پہچان لیا۔

ملا سرکار بہت انا پرست آدمی تھا۔ اس نے انسپکٹر کو اس کی مکمل بے بسی کا احساس دلانے کے لئے اپنے تین آدمیوں کی نگرانی میں اپنے قریب ہی موجود رکھا۔ اس طرح ان چاروں سادہ پوشوں کو غلام رسول کے ہمراہ، سردار رجب علی کی آمد دیکھنے اور جھگڑا سننے کا موقع مل گیا۔

سردار رجب علی کے قتل پر غلام رسول نے لب کشائی کی جرات کی تو ملا سرکار نے طیش کے عالم میں غلام رسول کے ساتھ ان چاروں کو بھی تہ خانے میں ڈلوا دیا۔

انسپکٹر، غلام رسول جیسے دوغلے سیاسی رہنما کے گھناؤنے کردار کے بارے میں فون پر میری گفتگو سن چکا تھا لیکن پھر بھی اسے سردار رجب علی کے ہمراہ، ملا سرکار کے روبرو آتے دیکھ کر اسے شدید ذہنی صدمہ پہنچا جس پر وہ آخری لمحات تک غالب آنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

اسے قلق اس بات کا تھا کہ لاقانونیت، امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال اور ڈکیتی کی بڑھتی ہوئی وارداتوں میں وڈیروں اور زمینداروں کے ساتھ ہی نام نہاد سیاسی رہنماؤں کے ملوث ہونے کے بارے میں اسے نجی ذرائع سے کچھ معلومات حاصل ہوئی تھیں جن کے سہارے اس نے متعدد مشتبہ افراد کی مستقل نگرانی شروع کرائی ہوئی تھی لیکن پھر بھی غلام رسول اس کے چنگل سے صاف بچا رہا تھا۔

تہ خانے کا دروازہ بند ہوتے ہی انسپکٹر، غلام رسول پر برس پڑا۔ اس نے غلام رسول کو دل کھول کر ننگی ننگی گالیاں دیں۔ اسے غدارِ اعظم اور اپنی ماں کا آشنا تک قرار دے ڈالا لیکن غلام رسول نے اپنی مدافعت میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ وہ سر جھکائے اس کی ساری الزام تراشیاں سنتا رہا۔

غلام رسول کی مسلسل خاموشی نے انسپکٹر علی اسد کو مشتعل کر دیا اور وہ غصے میں بے قابو ہو کر اپنے شکار پر ٹوٹ پڑا۔ غلام رسول ایک معزز گھرانے کا بگڑا ہوا آدمی تھا۔ دھول دھپا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس نے اپنی مدافعت کرنے کی کوششیں کیں لیکن بری طرح ناکام رہا۔

جب ہم نے اس کو تہ خانے سے باہر نکالا تو اس کا چہرہ شدید ضربات سے نیلا اور اودا ہو رہا تھا۔ نچلا ہونٹ پھٹا ہوا اور داہنی آنکھ نیلی ہو کر اتنی سوج گئی تھی کہ اس کی وہ آنکھ تو بند ہو کر رہ گئی تھی۔

تھوڑی دیر میں پولیس بھی ست بیلہ پہنچ گئی لیکن وہ لوگ آشرم تک نہ پہنچ سکے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکے ہوں گے کہ ایسی جگہ مجرموں کا اڈا بنی ہوئی تھی۔

یہ پولیس پارٹی اٹھارہ نفوس پر مشتمل تھی لیکن ان میں انسپکٹر سے اونچے عہدے کا کوئی افسر نہیں تھا اس لئے اس کی کمان انسپکٹر علی اسد کے ہاتھ میں ہی رہی۔

دریا عبور کرنے کے بعد ہم سب پولیس والوں کی پک اپ میں لد کر سکھر کوتوالی پہنچے تو وہاں صبح صادق کا وقت ہونے کے باوجود چہل پہل تھی اور نچلے درجے کے اہل کار پوری طرح چاق و چوبند نظر آ رہے تھے۔

"ڈی آئی جی صاحب بھی پہنچے ہوئے ہیں" انسپکٹر، میرے ہمراہ پک اپ سے اترتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا "بس اب آئی جی صاحب کی کمی رہ گئی ہے۔"

سارے مجرم ست بیلہ پر ہی مارے گئے تھے۔ اس مقابلے میں صرف دو قیدی ہمارے ہاتھ لگ سکے تھے جن میں ایک بخشی لعل اور دوسرا غلام رسول تھا۔

انسپکٹر علی اسد سب سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے سلطان شاہ، اول خان کے ساتھ چل رہے تھے۔ ہمارے پیچھے کے سادہ پوش ماتحت دونوں قیدیوں کو ہتھکڑیوں میں لئے چل رہے تھے۔

ست بیلہ سے پولیس پارٹی کی واپسی کی خبر پوری کوتوالی میں پھیل چکی تھی۔ اس پولیس آپریشن کی نوعیت اتنی اہم تھی کہ ڈویژن کا اعلیٰ ترین پولیس افسر بھی بستر چھوڑ کر اپنے دفتر آنے پر مجبور ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں پولیس لائنز میں رہنے والے افسران کو بھی منہ اندھیرے اپنی میٹھی نیند قربان کر کے وردی پہن کر کوتوالی آنا پڑ گیا تھا۔

ہم لوگ سیڑھیاں طے کر کے برآمدے میں پہنچے ہی تھے کہ ایک کمرے سے ڈی آئی جی، متعدد افسران کے جھرمٹ میں بید ہلاتا ہوا نمودار ہوا۔

انسپکٹر علی اسد اس وقت یونیفارم میں نہیں تھا لیکن ... کی وجہ سے اس نے اٹینشن ہو کر اپنے افسرِ اعلیٰ کو سیلوٹ کیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آپریشن سے کامیاب لوٹے ہو" ڈی آئی جی نے آگے بڑھ کر انسپکٹر کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مربیانہ انداز میں کہا "تمہارے جوان تو خیریت سے لوٹے ہیں نا؟"

"یس سر! جزیرے پر ڈاکوؤں اور ان کے ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد ماری گئی ہے لیکن ہمارے کسی آدمی کی نکسیر تک نہیں پھوٹی، البتہ زندہ صرف دو ہی آدمی ہمارے ہاتھ آ سکے۔"

اس وقت پہلی بار ڈی آئی جی نے ہمارے پیچھے آنے والے قیدیوں کو دیکھا۔

پہلے اس کے چہرے پر شدید حیرت اور بے یقینی کے آثار نظر آئے پھر اس نے بے اعتباری سے تقریباً ہکلاتے ہوئے انسپکٹر سے پوچھا "کیا یہ غلام رسول صاحب ہیں؟"

"یس سر! آپ نے ٹھیک پہچانا۔ بدقسمتی سے یہ غلام رسول صاحب ہی ہیں" انسپکٹر علی اسد نے مضبوط مگر سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"السلام علیکم سر!" ڈی آئی جی نے لپک کر غلام رسول کو سلام کیا۔

میں نے مڑ کر دیکھا کہ غلام رسول کے مسخ شدہ چہرے پر سوجے ہوئے ہونٹوں کے درمیان سے اس کے سفید دانتوں کی قطاریں نکلنے لگیں جیسے وہ مسکرا رہا ہو۔

غلام رسول کو تعظیم دیتے ہی ڈپٹی انسپکٹر جنرل غصیلے انداز میں انسپکٹر پر برس پڑا "تم نے ایسی معزز اور محترم ہستی کی یہ کیا درگت بنائی ہوئی ہے؟ ان کے ہاتھ فوراً آزاد کردو۔"

"یہ معزز اور محترم ہستی رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہے سر" انسپکٹر کا لہجہ پُرعزم تھا "آپ دفتر میں میری کہانی سن لیں۔ پھر مجھے جو حکم دیا جائے گا، قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے میں اس پر عمل کروں گا۔"

"انہیں ہتھکڑیوں سے آزاد کر کے عزت اور احترام کے ساتھ میرے دفتر میں لاؤ" ڈی آئی جی پیر پٹختے ہوئے دہاڑا اور اپنے ارد گرد موجود لوگوں کو ڈس مس ہونے کی ہدایت دیتا ہوا تیزی کے ساتھ اپنے دفتر میں داخل ہو گیا۔ انسپکٹر کے چہرے پر اپنی توہین کے احساس سے غصے کی سرخی پھیلنے لگی۔

اس وقت تک انسپکٹر علی اسد کے ساتھیوں کو میری یا اول خان کی اصلیت کی ہوا بھی نہ لگ سکی تھی۔ ڈی آئی جی کے غائب ہوتے ہی وہاں موجود لوگوں میں سنسنی خیز سرگوشیاں شروع ہو گئیں کیونکہ غلام رسول کو اس علاقے کا بچہ بچہ اچھی طرح جانتا تھا اور لوگ اس کی خوبیوں کے گن گاتے نہیں تھکتے تھے۔

"غصہ تھوک دو اور وہی کرو جو ڈی آئی جی صاحب نے کہا ہے" انسپکٹر کے کسی شناسا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے سمجھایا "اس سے بحث فضول ہے۔ تمہاری کوئی بات نہیں سنیں گے۔"

"وہ بستر سے اٹھ کر دفتر میں آ بیٹھے ہیں، انہیں کچھ پتا نہیں کہ ست بیلہ میں کیا ہوا ہے۔ انہیں میری رپورٹ لئے بغیر کوئی حکم جاری کرنے کا حق کہاں سے مل گیا؟" علی اسد زخمی سانپ کی طرح پھنکارا۔

"افسر افسر ہی ہوتا ہے" اسی مہربان نے مشورہ دیا "تم اس سے بہت جونیئر ہو۔"

"میں کسی کا زر خرید غلام نہیں ہوں، تیمور خان" انسپکٹر علی اسد دانت پیستے ہوئے دھیمی آواز میں بولا "میرا نام علی اسد ہے اور میں صرف قانون کا غلام ہوں۔ میں اسے ہتھکڑی میں ہی ڈی آئی جی صاحب کے کمرے میں لے جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ وہ میرا کیا بگاڑ لیتے ہیں۔"

اس نے غصے میں دونوں قیدیوں کی ہتھکڑیوں کے کڑے اپنے آدمیوں سے چھین لئے اور انہیں لے کر ڈی آئی جی کے دفتر کی طرف چل پڑا۔

صورتِ حال غیر متوقع طور پر اچانک ہی مخدوش ہو گئی تھی۔ انسپکٹر دونوں قیدیوں کے ساتھ اکیلا ہی اپنے افسرِ اعلیٰ کے کمرے میں جانے پر تُلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میں نے لپک کر دونوں زنجیروں کے کڑے اس کے ہاتھ سے لے لئے اور ان میں سے ایک اول خان کو تھما دیا۔ وہ میرے ساتھ ہی لگا ہوا تھا۔

"زنجیریں مجھے دو، میں اکیلا اندر جاؤں گا" وہ جھلائے ہوئے لہجے میں مجھ پر غرایا "یہ میرا اور ان کا معاملہ ہے۔ تم باہر کے آدمی ہو، تمہیں درمیان میں آنے کی ضرورت نہیں۔"

"وہ ہمیں تمہارا سادہ پوش ماتحت سمجھتا رہے گا" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "یہ کسی کا نہیں، ملک و قوم کی سلامتی کا معاملہ ہے۔ بات اتنی بڑھ گئی ہے کہ غلام رسول کو اس وقت کوتوالی سے جانے کی اجازت مل گئی تو وہ سرحد پار کر کے ہمیشہ کے لئے پڑوسی ملک میں رُوپوش ہو جائے گا اور ہمارے فرشتے بھی اس کی گرد کو نہیں پا سکیں گے۔ ہمارا ساتھ رہنا ہر اعتبار سے سود مند ثابت ہو گا۔"

اس رات انسپکٹر علی اسد بری طرح ناکام ہوا تھا۔ اس آپریشن کا سارا کریڈٹ ہمیں جاتا تھا اس لئے وہ مجھ سے بحث کرنے کی جرات نہ کر سکا، بس مجھے گھور کر رہ گیا۔

اس وقت تک خوف و دہشت سے بخشی لعل کی حالت بہت ابتر ہو چکی تھی لیکن ڈی آئی جی کے احترام آمیز رویّے کی بنا پر غلام رسول کا کھویا ہوا اعتماد قدرے بحال ہو چلا تھا۔

انسپکٹر کے پیچھے، ہم دونوں قیدیوں کو لے کر ڈی آئی جی کے وسیع و عریض کمرے میں داخل ہوئے تو اپنے محبوب رہنما کو بدستور آہنی زیور سے آراستہ دیکھ کر، اس کی کھوپڑی سنک گئی۔

"انسپکٹر!" وہ غصے سے لرزتی ہوئی آواز میں بولا "کامیابی کے گھمنڈ میں تم گستاخی اور حکم عدولی کے مرتکب ہو رہے ہو۔ میں نے

تمہیں حکم دیا تھا کہ غلام رسول صاحب کی ہتھکڑی کھول دو۔"

"ابھی یہ خطرناک مجرم میری تحویل میں ہے' سر! روزنامچے میں اس کی گرفتاری کا اندراج ہونے پر' آپ جو چاہیں' فیصلہ کرسکتے ہیں۔ میں اسے رہا نہیں کروں گا۔"

"رہا نہیں کرو مگر یہ ہتھکڑی کھول دو" وہ غصے میں اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوگیا "تم نہیں جانتے کہ غلام رسول صاحب وی آئی پی ہیں۔ ہم محکمۂ داخلہ کی اجازت کے بغیر ان کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ اپنی اس حرکت پر تم اپنی نوکری سے معزول کئے جاسکتے ہو۔"

"خواہ میں نے اسے قتل میں مدد دیتے ہوئے' رنگے ہاتھوں پکڑا ہو؟"

"یہ جھوٹ اور افسانہ طرازی ہے" غلام رسول نے پہلی بار پُرسکون لہجے میں اپنی زبان کھولی۔

ڈی آئی جی کو اس کی آواز سنتے ہی جھٹکا سا لگا اور وہ بوکھلا کر بولا "سر! میں اپنے اس گستاخ ماتحت کی حرکتوں پر آپ سے سخت شرمندہ ہوں۔ آپ تشریف رکھیں۔ یہ ابھی خود آپ کی ہتھکڑی کھولے گا ورنہ میں اسی وقت اسے معطل کرکے لاک اپ میں ڈلوادوں گا۔"

غلام رسول ایک کرسی پر جا بیٹھا میں نے اس کی زنجیر ڈھیلی کردی اور کڑا تھام کر فدویانہ انداز میں اس سے قدرے دور کھڑا ہوگیا۔

"اس پر بدنصیبی کا سایہ منڈلا رہا ہے" غلام رسول نے بیٹھتے ہی بولنا شروع کردیا "مجھے رات کو کچھ نامعلوم لوگوں نے اغوا کرلیا تھا۔ وہ مجھے یرغمال بنا کر میرے گھر والوں سے بھاری تاوان وصول کرنا چاہتے تھے۔ اغوا کرنے کے بعد انہوں نے مجھے بے ہوش کردیا۔ مجھے ہوش آیا تو میں ایک تہ خانے میں قید تھا۔ اب سے کچھ دیر پہلے تمہارے ان سادہ پوش آدمیوں نے مجھے اس تہ خانے سے نکالا اور مجھے مارنا شروع کردیا۔ اس وقت مجھے پتا چلا کہ میں سکھر کے بجائے ست بیلہ پہنچ چکا تھا اور گنیش آشرم کے تہ خانے میں قید تھا۔ وہ آشرم شاید ڈاکوؤں اور مجرموں کا اڈا بنا ہوا ہے۔ وہی لوگ مجھے اپنا یرغمالی بنائے ہوئے تھے لیکن تمہارے آدمیوں کو غلط فہمی ہوگئی ہے کہ میں یرغمالی نہیں تھا بلکہ ڈاکوؤں سے ملا ہوا ہوں۔ میں انہیں یہ موٹی سی بات بھی نہیں سمجھا سکا کہ میں اگر ان کا ساتھی ہوتا تو تہ خانے میں اکیلا قید نہ ہوتا۔"

غلام رسول کے اس سفید جھوٹ پر میں بھونچکا رہ گیا۔ دہانہ وغیرہ زخمی ہونے کی وجہ سے اس کی آواز بگڑ گئی تھی لیکن اس نے اپنی من گھڑت کہانی ایسی معصومانہ سادگی کے ساتھ سنائی تھی کہ ڈی آئی جی جیسا خرانٹ اور تجربے کار افسر بھی اپنی عقیدت کی وجہ سے اس پر من وعن ایمان لے آیا۔

"یہ جھوٹ بول رہا ہے" انسپکٹر علی اسد اپنی بے توقیری پر تلملا کر بولا "اس کی اصلیت کا صرف میں ہی نہیں' میرے ساتھی بھی گواہ ہیں۔ بخشی لعل بھی بتائے گا کہ سچ کیا ہے اور جو... کیا ہے۔"

"شٹ اپ!" ڈی آئی جی نے اسے پھٹکارا "تم جھوٹے... سازشی ہو' مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ تم جھوٹے کیس بنا کر شہرت حا... کرتے رہے ہو لیکن اب میں تمہیں سیدھا کردوں گا۔"

"میں ابھی اور اسی وقت اس نوکری سے استعفا دیتا ہو... انسپکٹر بھی بپھر گیا۔

"استعفا!" ڈی آئی جی زہریلے انداز میں ہنسا "تم خود... والے ہو' انسپکٹر! محکمے کے طریقۂ کار کو اچھی طرح جانتے ہو... تحویل میں آیا ہوا ملزم موت کی آرزو کرتا ہے مگر ہم اسے ج... کے لئے سسکا سسکا کر زندہ رکھتے ہیں۔ وہ ہر روز دسیوں با... ہے اور زندہ ہوتا ہے لیکن اسے موت نہیں آتی۔ تم استعفا... اتنی آسانی سے اپنی جان نہیں چھڑا سکتے۔ ویسے بھی تمہارے ا... کی منظوری کا اختیار آئی جی صاحب کو ہے۔ تمہارے استعف... پہلے میں تمہیں اسی وقت معطل کررہا ہوں اور تم کو لاک ا... ڈال رہا ہوں۔"

اس نے اپنے اردلی کو بلانے کے لئے گھنٹی کے بٹن پر ا... دی اور اس وقت تک نہیں اٹھائی جب تک بوکھلایا ہوا ار... کے سامنے آموجود نہ ہوا۔

"اکبر خان کو بلاؤ" ڈی آئی جی نے تحقیر آمیز انداز... دیا۔ اردلی پھرتی کے ساتھ باہر نکل گیا۔

"یہ ظلم' اندھیر اور ناانصافی ہے" انسپکٹر نے تلخ... احتجاج کیا "تم اپنی مرضی کے مطابق قانون کی دھجیاں نہ... سکتے' تمہیں اپنا فیصلہ بہت مہنگا پڑے گا۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ حوالاتیوں کو مخصوص اوقات م... سیل کی سیر کرائی جاتی ہے" ڈی آئی جی ظالمانہ ہنسی کے سا... "دو چار بار برف کی سل پر لٹا کر جوتے لگائے جائیں گے تو تم... دماغ کے سارے کیڑے خود بخود جھڑ جائیں گے۔ دو ٹکے کے... افسروں کو معززین اور شرفا کی عزت سے کھیلنے کی آزادی... جاسکتی۔"

پھر وہ گفتگو میں کوئی وقفہ دیے بغیر عاجزانہ لہجے میں غلا... سے مخاطب ہوگیا "ہتھکڑیاں کھلنے کے بعد آپ یہاں سے جا... لئے آزاد ہوں گے۔ میں اپنے اس نالائق ماتحت کی... حرکتوں پر' آپ سے تہِ دل سے معافی کا خواستگار ہوں۔"... دیکھ لیا کہ اس نے اپنی حماقت کی کتنی بڑی قیمت ادا کی ہے... میں یہ ایک بااختیار پولیس انسپکٹر کے اعلیٰ منصب سے... ایک حوالاتی ملزم بن گیا ہے۔"

"لیکن روزنامچے والی بات کا کیا ہوگا؟" غلام ر... سلامتی کے کسی پہلو سے غافل نہیں تھا۔



"اسے بھول جائیں۔ ایک ملزم کو سرکاری ریکارڈ تک رسائی حاصل نہیں ہوتی۔ میں سب کچھ ٹھیک کرلوں گا۔ اگر آپ محکمۂ داخلہ سے اس واقعے کی شکایت نہ کرنے پر رضامند ہوجائیں تو اس پورے واقعے میں سرے سے آپ کا ذکر ہی نہیں آنے پائے گا۔ ایسی معمولی باتیں ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے" غلام رسول نے قدرے توقف کے بعد فراخ دلانہ لہجے میں کہا "اسے سزا مل جانے کے بعد میرے لئے شکایت کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ لیکن اس محکمے کے افسروں کی تربیت پر توجہ دینی بہت ضروری ہے۔"

اس دوران میں میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ ڈی آئی جی' غلام رسول کی خوشامد میں لگا ہوا تھا اس لئے مجھے آنکھوں ہی آنکھوں میں اول خان سے تبادلۂ خیال کا موقع مل گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ میرا ذہن پڑھ چکا تھا اور میں کسی بھی فیصلہ کن اقدام کے لئے اس گھناؤنے کھیل کے اختتام کا منتظر تھا۔

لمحہ بھر بعد ہی بھاری بدن والا' ایک پستہ قامت ڈی ایس پی اپنی پتلون کی بیلٹ درست کرتا ہوا کمرے میں آیا اور ڈی آئی جی کو سیلوٹ کرکے اس کی میز کے سامنے منجمد ہوگیا۔

"علی اسد معطل ہوچکا ہے۔ تلاشی لے کر اسے غیر مسلح کردو اور اس کی جیب سے ہتھکڑیوں کی چابی نکال کر مجھے دے دو۔" ڈی آئی جی نے ڈی ایس پی کو حکم دیا۔

اول خان نے اپنی جگہ سے حرکت کرنی چاہی لیکن میں نے اسے گھور کر وہیں روک دیا۔

ڈی ایس پی اکبر خان نے علی اسد کی جیب سے چابیاں نکال کر اپنے افسرِ اعلیٰ کی خدمت میں پیش کردیں۔

"اسے لے جاؤ اور فی الحال لاک اپ میں ڈال دو" ڈی آئی جی نے اسے اگلا حکم دیا۔

اس کے چہرے پر لمحہ بھر کے لئے خفیف سی حیرت تیرتی ہوئی نظر آئی جو فوراً ہی معدوم ہوگئی۔ اس نے نہایت سرد مہری کے ساتھ علی اسد کو اپنے ساتھ آنے کی ہدایت کی تھی۔

اس لمحے مجھے اندازہ ہوا کہ ملازمتوں میں پیشہ ورانہ رقابت کیسے کیسے رنگ دکھاتی ہے۔ ہم لوگ اس وقت سکھر کی کوتوالی میں موجود تھے لیکن انسپکٹر علی اسد خیرپور تھانے کا افسر تھا جسے سردار رجب علی کے خطرے سے نمٹنے کے لئے خصوصی طور پر سکھر طلب کیا گیا تھا۔ وہ طلبی جہاں علی اسد کے لئے اعزاز کی بات تھی وہاں سکھر کے افسران کے لئے اس کی آمد شاید بغض وحسد کا باعث بن گئی تھی۔ اسی لئے علی اسد کے خلاف حکم سن کر اکبر خان نے کسی ہمدردانہ ردِعمل کا اظہار نہیں کیا تھا اور مشینی انداز میں اسے وہاں سے حوالات کی طرف لے جانا چاہ رہا تھا۔

اس اثنا میں ڈی آئی جی نے بہت چابک دستی کے ساتھ غلام رسول کی ہتھکڑی کھول دی تھی۔

"میں تمہاری فرض شناسی اور اہلیت سے متاثر ہوا ہوں؟" غلام رسول نے گرمجوشی کے ساتھ ڈی آئی جی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "میں اپنے تلخ تجربے کی کوئی باقاعدہ رپورٹ تو نہیں کروں گا لیکن افسرانِ بالا سے تمہارے لئے انعام اور تعریفی سند کی سفارش ضرور کروں گا۔"

"یہ میرے لئے بہت بڑی عزت افزائی ہوگی" وہ کھیسیں پھیلا کر بولا۔

غلام رسول جانے کے لئے نکاسی کے راستے کی طرف مڑا لیکن میں نے للکار کر اسے وہیں روک دیا۔

"جو جہاں ہے' وہیں ٹھہرا رہے۔ یہ بازی اب ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

میری آواز سن کر انسپکٹر علی اسد اس کمرے سے باہر نکلتے نکلتے پلٹ پڑا۔ اس کے چہرے پر شادیِ مرگ کی سی عجیب کیفیت طاری ہوگئی تھی کیونکہ اسے ناامیدی کے اندھے کنوئیں میں امید کی بھرپور نِدا سنائی دی تھی۔

اکبر خان بھی حیران و پریشان کمرے میں لوٹ رہا تھا۔

میری آواز سنتے ہی ڈی آئی جی غصے میں آگ بگولا ہوگیا۔ اس کی دانست میں ایک سادہ پوش سپاہی کی وہ جرات ناقابلِ معافی تھی۔ اس کا ہاتھ فوراً ہی اپنے بیلٹ ہولسٹر کی طرف گیا تھا۔

"ہینڈز اَپ!" اول خان نے نہایت پھرتی کے ساتھ اپنی جدید ترین' خودکار رائفل ڈی آئی جی پر تان لی۔

اس لمحے ان لوگوں کو پہلی بار کسی گڑبڑ کا ادراک ہوا کیونکہ اس جدید ترین ساخت کی رائفلیں پولیس کے اسلحہ خانے میں سرے سے موجود ہی نہیں تھیں۔

میں نے وقت ضائع کئے بغیر ڈی آئی جی اور اکبر خان کو غیر مسلح کردیا۔

"تم لوگ کون ہو اور یہاں کیسے آئے ہو؟" ڈی آئی جی نے پہلی بار پُرتشویش انداز میں ہم دونوں کی اہمیت کو سمجھنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ اسپیشل ٹاسک فورس کے اعلیٰ افسران ہیں" ہم سے پہلے ہی انسپکٹر علی اسد فخریہ لہجے میں بول پڑا "سادھو بیلہ میں پولیس فورس کی طرف سے ایک گولی بھی نہیں چلائی گئی۔ ڈاکوؤں کا سدِباب ان ہی کے جوانوں نے کیا ہے اور یہ لوگ اوّل سے آخر تک سارے واقعات کے عینی شاہد ہیں۔"

"اسے دوبارہ ہتھکڑی لگادو" میں نے اکبر خان کو ہدایت کی اور غلام رسول کا متورم چہرہ یک بیک تاریک پڑگیا۔

"میں اباسین کا فرسٹ ان کمانڈ ہوں" اول خان نے رائفل اپنے شانے سے لٹکا کر اپنی جیب سے ایک کاغذ نکالا اور ڈی آئی جی کی طرف بڑھا دیا۔

اس کاغذ پر نگاہ پڑتے ہی ڈی آئی جی کا چہرہ دھلے ہوئے کپڑے

کی طرح سفید پڑگیا اور وہ عجیب سے انداز میں اپنی کرسی پر گرگیا۔
"میں آپ لوگوں کو اپنے محکمے کا سپاہی سمجھ رہا تھا" وہ نحیف آواز میں بولا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن ہم نے یہاں جو کچھ دیکھا اور سنا' وہ سب شرمناک ہے۔ انسپکٹر علی اسد کی معطلی اور غلام رسول کی رہائی کے احکام تم نے کس اختیار کے تحت دیے تھے؟" اول خان نے سخت اور تحکمانہ لہجے میں سوال کیا "کیا کسی بہروپیے کے چہرے سے نقاب ہٹا دینا اتنا ہی سنگین جرم ہے؟"

"مجھے قانون کی متعدد دفعات کے تحت صوابدیدی اختیارات حاصل ہیں" ڈی آئی جی نے کمزور مدافعانہ لہجے میں کہا "میرے دونوں احکام قانونی اعتبار سے بالکل درست اور جائز ہیں۔"

"مجھے قانون نہ پڑھاؤ آفیسر" اول خان اسے خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے بولا "صوابدیدی اختیارات صرف مفادِ عامہ میں اور قانون کی بالادستی کے لئے استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ ذاتی پسند اور ناپسند یا اَنا کی خاطر نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ تم نے دونوں معاملات میں اپنے اختیاراتِ منصبی سے سنگین تجاوز کیا ہے۔"

"اگر آپ کی یہ رائے ہے تو میں نادم ہوں اور اسی وقت اپنے احکام واپس لیتا ہوں" اس کا چہرہ فق ہوگیا تھا۔ اول خان کے باوقار رویّے نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

غلام رسول ہتھکڑی لگنے کے بعد دوبارہ کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ میں نے بڑھ کر اس کی پنڈلی پر ٹھوکر رسید کی اور غرّا کر کہا "کھڑے ہو جاؤ اور فوراً سچ اگلنا شروع کردو ورنہ تم ڈی آئی جی صاحب کی زبانی' ان کے محکمے کا طریقۂ کار سن ہی چکے ہو۔ وہ انسپکٹر پر نہیں' اب تم پر آزمایا جائے گا۔"

"مجھے کچھ نہیں معلوم کہ تم لوگ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟" وہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔

"دروازہ بند کرکے اندر سے بولٹ کرلو" میں نے سرد لہجے میں اکبر خان سے کہا اور اس کا سروس آٹومیٹک اسے لوٹاتے ہوئے بولا۔ "ہم قانون کے پشت پناہ ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم کوئی جذباتی حماقت نہیں کرو گے۔ ہماری شناخت تمہارے ڈی آئی جی صاحب نے دیکھ لی ہے۔"

"یس اکبر" ڈی آئی جی نے میری تائید کی "یہ فیڈرل اتھارٹی کے تحت کام کررہے ہیں' ہمیں ان سے پورا پورا تعاون کرنا ہوگا۔ اس میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں رہی ہے۔"

اکبر خان نے دروازہ بند کرکے اندر سے بولٹ چڑھا دیا اور پستول ہولسٹر میں اڑس کر وہیں جم گیا۔

"ملّا سرکار کو تم نے کب سے اپنا باپ بنایا ہوا ہے؟" میں نے غلام رسول کو گھورتے ہوئے بے رحمی سے سوال کیا۔

"میں کسی ملّا سرکار کو نہیں جانتا" اس نے کسی ضدّی بچے کی طرح اپنا سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

میرے اور اول خان کے علاوہ' اس وقت تک کسی کو غلام رسول کے گھناؤنے کرتوتوں کا پوری طرح علم نہیں تھا۔ انسپکٹر کو صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ غلام رسول کی ملّا سرکار کے ساتھ ملی بھگت ہے۔ یہ بات بھی میں نے اسے فون پر بتائی تھی اور قدرے تردّد کے بعد اس نے میرے الزامات کو قبول کرلیا تھا۔

"مجھے مجبور نہ کرو کہ اسے تمہارے رُوبرو لانا پڑے۔ ہم نے تم پر کچّا ہاتھ نہیں ڈالا ہے۔ تم سے پہلے وہ ہماری تحویل میں آچکا ہے اور اُس نے سب کچھ اگل دیا ہے۔ تمہیں سزا دلوانے کے لئے ہمارے پاس متعدد ٹھوس شہادتیں ہیں۔ اس وقت تو میں تمہاری زبان سے ڈی آئی جی کو تمہارے کرتوت سنوانے چاہتا ہوں۔"

میرے اس انکشاف نے غلام رسول پر بہت برا اثر ڈالا اور اس کے تنے ہوئے شانے یک بیک نیچے ڈھلک گئے۔ ملّا سرکار کی گرفتاری کی خبر اس کے لئے ذہنی صدمے سے کم نہیں تھی۔

"اس نے تمہیں ایک طاقتور ٹرانسیٹر دیا ہوا تھا جس پر تم دونوں' جب چاہتے ایک دوسرے سے رابطہ کرسکتے تھے۔ پچھلی رات بھی تم اس سے باتیں کرتے رہے۔ تمہیں اندازہ ہوچکا تھا کہ ملّا سرکار' سردار رجب علی کو قتل کرنے کا مصمم ارادہ کرچکا ہے لیکن پھر بھی تم اسے گھیر گھار کر ست بیلہ لے آئے کیونکہ ملا سرکار تمہیں بلیک میل کرنے پر تُل گیا تھا اور تم اپنی عزت اور ساکھ کی بربادی کا صدمہ جھیلنے کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ تمہارے دوسرے جرائم کی تفصیل الگ ہے لیکن سردار رجب علی کے قتل کی سازش تیار کرنے اور قتل میں اعانت کے جرائم بہت واضح ہیں۔ یہ تمہیں پھانسی کے پھندے تک نہ بھی لے جاسکے تو تمہیں لمبی مدت کی سزا ضرور ہو جائے گی۔"

"تم اتنا کچھ جان چکے ہو تو اب مجھ سے کیا سننا چاہتے ہو؟" غلام رسول نے تھکی ہوئی' شکست خوردہ آواز میں کہا۔

میرے تیے تلے حملوں نے اس کی مدافعانہ صلاحیتوں کو تباہ کرکے رکھ دیا تھا۔ اسے ڈی آئی جی کی حمایت سے جو عارضی سہارا مل گیا تھا وہ بھی ختم ہوچکا تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اول خان کو ملی ہوئی فیڈرل اتھارٹی نے ڈی آئی جی کی انا کے غبارے سے ساری ہوا نکال کر اسے کیچوے کی طرح حقیر اور بے ضرر بنا دیا تھا۔ ڈی آئی جی کی شرمناک پسپائی کے بعد' غلام رسول میرے مقابلے میں تنہا رہ گیا تھا اور میں اس کے بارے میں اتنا کچھ جان چکا تھا کہ صرف باتوں ہی باتوں میں اسے لبِ گور پہنچانے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔

لیکن ملّا سرکار کی عبرتناک موت کے بعد غلام رسول واحد اور بڑا مجرم تھا جو قانون کی تحویل میں آسکا تھا۔ جو کچھ ہوتا رہا تھا وہ ماضی بن چکا تھا۔ اصل اہمیت اس بات کی تھی کہ ماضی کے چرکوں سے کوئی سبق سیکھ کر آئندہ کے لئے ایسی منصوبہ بندی کی جائے کہ کوئی غلام رسول یا ملّا سرکار ملک کی بنیادوں میں ... نہ



بھر سکے۔ اس کے لئے غلام رسول کا زندہ رہنا ضروری تھا۔ اس کے تفصیلی بیان کی بہتیری کڑیاں ہمارے کام آسکتی تھیں۔

"ہم شروع سے اب تک پوری کہانی سُننی چاہتے ہیں" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"غلام رسول! تم پر لعنت ہو' میں مرکر بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ تم جیسا مثالی کردار کا حامل سیاست داں بھی ملک و قوم کا اتنا بڑا غدار ثابت ہوسکتا ہے" ڈی آئی جی نے غصیلے اور ملامت آمیز لہجے میں کہا "تم اچھی طرح جانتے ہو اور میرا خدا اس بات کا گواہ ہے کہ میں نے ان معزز افسروں کے سامنے تمہاری جو حمایت کی' اس میں میری ذات کے کسی مفاد کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس وقت تک میں تمہاری گھناؤنی اصلیت کو نہیں سمجھ سکا تھا۔ میں صدقِ دل سے وہی کچھ کہہ رہا تھا جو سمجھتا تھا۔ تم نے اپنے ساتھ میرا بھی مُنہ کالا کردیا ہے۔"

"تو پھر تھوک دو میرے چہرے پر" غلام رسول نے سرد اور عجیب سی آواز میں کہا "مجھے ذبح کردو۔ مجھے تماشا بنانے کی کوشش کیوں کررہے ہو؟"

"تم زندہ رہو گے غلام رسول! تم کو قانون کی عدالت کا سامنا کرنا ہوگا۔ تم پر جرح ہوگی' بال کی کھال نکالی جائے گی۔ تمہارے دوست' رشتے دار' گھر والے اور بال بچے تمہیں کوڑھی سے زیادہ برا سمجھنے لگیں گے۔ ملّا سرکار کا ساتھ دے کر تم نے بھری دنیا میں یکہ و تنہا رہ جانے کا پورا بندوبست کرلیا ہے۔ غداروں کے لئے عبرت کا نمونہ بن جانا تمہارے لئے نوشتۂ دیوار ہے۔ اس ہولناک انجام سے دنیا کی کوئی طاقت تمہیں نہیں بچاسکے گی" میں نے اسے اندر سے بالکل ہی توڑ پھوڑ دینے کی نیت سے نہایت سرد اور سفّاکانہ لہجے میں امکانات کی منظر کشی کرتے ہوئے کہا۔

"میں تخلئے میں کچھ بات کرنی چاہتا ہوں" اس نے وحشت زدہ انداز میں اپنے چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے کہا "کیا تم میری خاطر اس بھیڑ میں کمی کرسکتے ہو؟" ڈی آئی جی اس کی بات سن کر استفہامیہ انداز میں میری طرف دیکھنے لگا۔

"یہاں جو کچھ ہوا یا اب ہورہا ہے' اس کے بارے میں تم اپنی زبان سختی کے ساتھ بند رکھو گے" قدرے توقف کے بعد میں نے ڈی ایس پی اکبر خان سے کہا "بخشی لعل کو لے جاؤ اور اس حرامزادے کا بیان قلم بند کرو۔ گنیش آشرم کو اسی مردود نے ملّا سرکار کی محل سرا بنایا ہوا تھا۔"

اکبر خان سمجھ گیا کہ اس کی وہاں موجودگی غیر ضروری ہوچکی تھی۔ وہ زنجیر تھام کر بخشی لعل کو اس کمرے سے لے گیا۔ بخشی لعل' کنوئیں سے نکلے ہوئے کسی زخمی گدھے کی طرح نہایت خاموشی اور دل سوزی کے ساتھ مسلسل آنسو بہانے میں مصروف تھا۔ اس کے نکل جانے کے بعد انسپکٹر علی اسد نے دروازہ دوبارہ بولٹ کرلیا۔

اس وقت کمرے میں میرے اور اول خان کے علاوہ ڈی آئی جی تھا یا انسپکٹر علی اسد۔ سلطان شاہ پہلے ہی باہر رک گیا تھا۔

"یہ کم از کم افراد ہیں۔ کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" ڈی آئی جی اس وقت بری طرح سہما ہوا تھا۔ اس کا سارا دبدبہ اور طنطنہ ہماری ایک ہی بھبکی میں رخصت ہوچکا تھا۔ اس نے غلام رسول کو مخاطب کرتے ہوئے ہم دونوں کے چہروں پر نگاہ رکھی تھی۔ ہم ذرا بھی برافروختگی کا مظاہرہ کرتے تو وہ دبک کر وہیں خاموش ہو جاتا۔

"ہم ... میری تیس کروڑ سے اوپر کی دیہی اور شہری جائداد ہے" غلام رسول نے تھوک نگلتے ہوئے رک رک کر' نیچی آواز میں کہنا شروع کیا "اس میں زرعی زمینیں بھی ہیں اور تجارتی عمارات بھی۔ یہ میری کُل بساط ہے۔ اس حد کے اندر میں تمہیں زبان بند رکھنے کا مُنہ مانگا معاوضہ دینے کو تیار ہوں۔"

اس کی پیش کش پر اول خان کا بھڑکنا فطری امر تھا لیکن میں نے اسے آنکھ مارتے ہوئے بات سنبھال لی "کیا یہ تمام زرعی' تجارتی اور رہائشی جائدادیں اور جاگیریں تمہاری اپنی ہیں؟"

"سو فیصد' میں بلا شرکتِ غیرے ان کا مالک ہوں" میرا رویّہ اس کے لئے حوصلہ افزا ثابت ہوا تھا "اس میں کسی دوسرے کی ایک دمڑی بھی نہیں ہے۔ میرے بعد یہ میرے بیوی بچوں کا ہوگا۔"

"پورے قانونی اختیار کے ساتھ تم ان اثاثوں کی کتنی مالیت ہمیں منتقل کرسکتے ہو؟"

لمحہ بھر کے لئے وہ گہری سوچ میں پڑ گیا پھر تفکر آمیز لہجے میں بولا۔ "قانونی طور پر تو میں ڈیڑھ دو لاکھ سے زیادہ نہیں دے سکتا۔ میرے سارے اثاثے دوسروں کے یا فرضی ناموں پر ہیں۔ ہاں' قبضہ میرا ہے۔ میں دو چار دن میں تمہاری مرضی کے مطابق انتظامات کرا سکتا ہوں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں خدمتِ خلق کے جذبے سے ان کے پاس دوسروں کے کام لے کر آتا ہوں اس لئے کوئی دیر نہیں لگاتا حالانکہ وہ سب میرے اپنے کام ہوتے ہیں۔"

"تیس کروڑ اور دو لاکھ" میں نے دھیمے سے کہا پھر پوچھا "تم انکم ٹیکس وغیرہ دیتے ہو؟"

"نہیں ..." وہ بولا "ڈیڑھ دو لاکھ کی جو آبائی زمین ہے اس سے زرعی آمدنی ہوتی ہے جس پر عشر اور ڈھل وغیرہ تو ہے لیکن انکم ٹیکس نہیں ہے ......"

"اس کا مطلب ہوا کہ تیس کروڑ میں تقریباً سارا ہی کالا دھن ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا "انکم ٹیکس کی چھوٹ ہے تو تم کروڑوں کی زرعی جاگیریں بھی دکھا سکتے تھے۔"

"جو لوگ سیاست میں کما کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور نمود و نمائش پر اتر آتے ہیں' وہ عموماً مُنہ کے بل گرتے ہیں اور ساکھ کھو بیٹھتے ہیں۔ میں پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوں ۔ڈھنڈورا پیٹوں یا نہ پیٹوں' یہ سب میرا ہی ہے۔ میں نے یہ اثاثے اپنے خون پسینے سے بنائے

ہیں۔یہ سب میرے اپنے مسائل ہیں۔ تمہاری دلچسپی کی بات صرف یہ ہے کہ میں اپنے ان خطیر اثاثوں میں مُنہ مانگا حصہ دینے کے لئے تیار ہوں۔ اپنی ساکھ اور نیک نامی کے سہارے میں یہ نقصان جلد ہی پورا کرلوں گا۔"

"تمہارے ان اثاثوں کی تشکیل میں ملّا سرکار کا کیا رول رہا ہے؟" میں نے بھینچتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

میرے سوال پر وہ چونک پڑا اور الجھے الجھے انداز میں بولا۔ "ہمیں اب اپنی توجہ لین دین کے معاملے تک محدود رکھنی چاہئے۔ تم مجھے غیر ضروری باتوں میں الجھا رہے ہو۔"

میں نے پوری قوت سے اس کے چہرے پر تھپڑ رسید کیا اور وہ کراہتا ہوا، کرسی سمیت پیچھے الٹ گیا۔

"رشوت سے تم جیسے خود غرض کمینوں اور بے ضمیروں کو خریدا جاسکتا ہے، غلام رسول!" میں نے اس کی پیشانی پر ٹھوکر رسید کرتے ہوئے کہا "میں تو تجھے کرید رہا تھا، اب تجھے کروڑوں کے ان اثاثوں کے بارے میں جواب دہی کرنی ہوگی۔ تیرے پاس یہ پیسہ کیسے اور کہاں سے آیا؟"

مجھے رشوت خوری پر آمادہ پاکر اس نے جو تھوڑی بہت ہمت پکڑی تھی، وہ پھر جواب دے گئی۔ اس بار میں نے اسے کرسی پر نہ بیٹھنے دیا بلکہ اس کے روبرو ہی کھڑا رہا۔

چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے کمزور آواز میں، ایک بار پھر ہمیں لالچ دینا چاہا اور اس بار انسپکٹر علی اسد غضب ناک تیوروں کے ساتھ اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے غلام رسول کو پشت کے بل قالین پر گرایا اور اس کے سینے پر سوار ہوکر اس کے سر اور چہرے پر مُکّوں کی برسات کردی۔

غلام رسول کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیوں کا جوڑا لگا ہوا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کے ہاتھ پشت پر لاکر نہیں باندھے گئے تھے ورنہ گرتے ہی اس کا کوئی بازو ٹوٹ سکتا تھا۔ اس وقت اُس کے دونوں ہاتھ سلامت تھے لیکن وہ ان سے کوئی کام نہیں لے سکتا تھا۔

اس نے انسپکٹر کی وحشیانہ ضربات کو تڑپ تڑپ کر بچانا چاہا لیکن انسپکٹر دن رات ضدی مجرموں کی سرکوبی کا تجربہ رکھتا تھا۔ اس کا کوئی بھی وار رائیگاں نہیں گیا لیکن اس نے اتنی احتیاط ضرور رکھی تھی کہ اس کی مار سے غلام رسول مرنے یا بے ہوش ہونے کی منزل تک نہ پہنچ سکے۔ وہ ہانپتا ہوا، غلام رسول کے سینے پر سے اترا تو غلام رسول کا خون میں ڈوبا ہوا، ورم آلود چہرہ کسی ایسے ہیوی ویٹ باکسر کی یاد دلا رہا تھا جو پورے پندرہ راؤنڈ تک رِنگ میں اپنے مضبوط حریف سے مار کھاتا رہا ہو۔

غلام رسول کے سارے کس بل نکل گئے تھے۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ وہ ہم لوگوں کو کسی بھی صورت میں اپنے فرائض سے انحراف پر آمادہ نہیں کرسکے گا بلکہ خود اپنی مشکلات میں اضافہ کرتا رہے گا اس لئے اُس نے ہتھیار ڈال دیے اور مشینی انداز میں ہمارے ہر سوال کا جواب دیتا چلا گیا۔

اس کی زبان سے تیس کروڑ کے اثاثوں کا ذکر سن کر میں ششدر رہ گیا تھا۔ کسی نیک نام سیاست داں کے لئے اس قدر مالدار ہونا کوئی اچھا شگون نہیں تھا اور وہ میرے لئے ایک نئی بات بھی تھی اس لئے میں نے اپنی باز پُرس کی ابتدا اسی موضوع سے کی جس کے نتائج محیر العقول تھے۔

ملا سرکار کے نمائندے کی حیثیت سے غلام رسول کے ڈاکوؤں سے کوئی مراسم نہیں تھے لیکن ایک جاگیردار کے طور پر اس کی صرف سردار رجب علی سے دوستی تھی۔ یہ دوستی ان دنوں سے چلی آرہی تھی جب رجب علی ڈاکو نہیں بنا تھا لیکن سکھر میں اپنی دلیری اور بے خوفی کی بنا پر خاصا نام پیدا کرچکا تھا۔

جب وقت بدلا اور رجب علی نے ڈاکے ڈالنے شروع کئے تو قانون کی گرفت سے بچنے کے لئے وہ اِدھر اُدھر چھپتا رہا۔ اسی دوران میں غلام رسول نے کئی بار اسے اپنی زمینوں پر پناہ دی کیونکہ اس ابتدائی دور میں سندھ کے گھنے جنگلات ڈاکوؤں کی باقاعدہ پناہ گاہوں میں تبدیل نہیں ہوئے تھے۔

ان احسانات کے بدلے میں، سردار رجب علی نے ایک انتخابی مہم کے موقع پر غلام رسول کو خطیر مالی امداد فراہم کی۔ غلام رسول کا حریف زبردست مالی حیثیت کا حامل تھا اور پیسے کے بل اسمبلی میں پہنچنے کا پختہ عزم لئے بیٹھا تھا۔ رجب علی کی مالی امداد اونٹ کے مُنہ میں زیرہ ثابت ہوئی۔ اس علاقے کی بڑی بڑی برادریوں کے سربراہ امیدواروں سے کھل کر سودے بازی کررہے تھے۔ غلام رسول اپنے حریف سے ہر اعتبار سے بہتر تھا لیکن ووٹوں کے مالی مطالبات کے نیلام میں بولی لگانا اس کے بس سے باہر تھا۔

ان دنوں سردار رجب علی نے غلام رسول کو ملّا سرکار سے ملوایا۔ وہ ملا سرکار کے مشن کا درمیانی دور تھا۔ وہ ایک عالم باعمل کی حیثیت سے کوٹ مندو میں اپنے پنجے گاڑنے میں کامیابی حاصل کرچکا تھا اور دوسرے مرحلے میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لئے کوشاں تھا۔ اسے غلام رسول کی ذات میں سرمایہ کاری سودمند نظر آئی۔ اس نے غلام رسول کی انتخابی مہم کے لئے مُنہ مانگی رقم فراہم کیں اور غلام رسول اس کے احسانات کی گٹھری اپنے سر پر لادے، اسمبلی میں پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔

غلام رسول کے مُنہ کو خون لگ گیا تھا۔ پیسے کی طاقت اس کے لئے کرسی کے انعام کی صورت میں سامنے آئی تھی اس لئے اس کی دبی دبی خواہشات کے اظہار پر ملّا سرکار نے اسے پیسہ بنانے کے گُر سکھانے شروع کردیے جن میں اناج کی سرحد پار اسمگلنگ سب سے آسان تھی۔ دو مرتبہ غلام رسول کی وی آئی پی کار، ہیروئن کی کھیپ پولیس چوکیوں کے درمیان سے گزار کر مقامی خریداروں تک پہنچانے کے لئے استعمال کی گئی جس کے صلے میں اسے بھاری رقمیں ملیں۔

جوں جوں غلام رسول جرائم میں ملوّث ہوتا چلا گیا، اسی طرح ملّا سرکار بھی بتدریج اس کے سامنے کھلتا رہا اور جب غلام رسول کو علم ہوا کہ ملا سرکار مقامیوں کو سرحد پار لے جاکر تخریب کاری کی تربیت دلاتا ہے تو اس کے لئے واپسی کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا تھا۔

اسی دوران میں سرحدوں پر گڑبڑ کے آثار نمودار ہوئے تو مالدار ہندو سندھ سے فرار ہونے لگے۔ ملّا سرکار کے ایما پر غلام رسول نے انہیں اپنا مال و اسباب اور نقدی سرحد پار لے جانے میں بھرپور مدد دی جس کے انعام میں وہ ہندو اپنی جائدادوں کے مختار نامے اس کے نام پر بنوا گئے۔ بعد میں ملا سرکار نے اسے بتایا کہ جانے والے ہندوؤں کو پڑوسی ملک میں، ان کی چھوڑی ہوئی زمینوں اور جائدادوں کا معاوضہ دے دیا گیا تھا اور پاکستان میں متروکہ، ایسی ساری املاک اس کی ہوچکی تھیں جن کے مختار نامے اس کے نام پر بنے ہوئے تھے۔

غلام رسول نے تجربے کی غرض سے چند سودے کئے اور جب کسی بھی مرحلے پر کوئی دشواری پیش نہ آئی تو اس نے مختار ناموں پر اکتفا نہ کرتے ہوئے ایسی تمام جائدادیں اپنے گھر والوں، غریب اور اَن پڑھ رشتے داروں اور فرضی ناموں پر منتقل کرالیں جن کا تخمینہ وہ تیس کروڑ بتاتا تھا۔

اپنی کامیاب انتخابی مہم کے کٹھن دنوں میں غلام رسول نے ملا سرکار کی بنائی ہوئی جس دلدل میں پہلا قدم رکھا تھا وہ روز بہ روز گہری ہوتی چلی گئی اور جب اس نے متروکہ جائدادوں کی رجسٹریاں مکمل کرائیں تو وہ گردن تک اس دلدل میں غرق ہوچکا تھا۔ ملا سرکار کی ذات سے خوف محسوس کرنے کے باوجود وہ اس سے ترکِ تعلق کی کوئی کوشش کرنے کی جرات نہیں کرسکا۔ اوّل تو وہ ملا سرکار کے یک طرفہ احسانات کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ دوم وہ یہ جانتا تھا کہ ملا سرکار اس سے ناراض ہوا تو اس کے گھپلوں کا راز فاش کرکے اسے دربدر ہونے پر مجبور کرسکتا تھا۔

پھر صوبے میں باحیثیت لوگوں کے اغوا اور تاوان کی وصولی کی کہانیاں چل پڑیں۔

اس وقت تک غلام رسول اسمبلی کے معزز رکن سے نیک نام سیاسی رہنما کے منصب پر آچکا تھا۔

جب یکے بعد دیگرے اس کے کئی شناساؤں کو یرغمال بنا کر ان کی بساط کے عین مطابق زرِ تاوان کے مطالبے کئے گئے تو غلام رسول کے کان کھڑے ہوئے کیونکہ ملا سرکار اس سے اُس کے ملنے جلنے والوں کے مالی حالات کے بارے میں کرید کرید کر معلومات حاصل کرتا تھا۔ غلام رسول کے استفسار پر اس نے اعتراف کرلیا کہ وہ غلام رسول کو اپنے مخبر کے طور پر استعمال کررہا تھا۔

اپنے سیاسی منصب کی وجہ سے غلام رسول ذی حیثیت لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا تھا۔ مٹھی بند رہنے تک ملا سرکار اس سے اُن لوگوں کے بارے میں پوچھ کچھ کرتا تھا جنہیں وہ ذاتی طور پر جانتا تھا لیکن بات کھل جانے کے بعد ملّا سرکار اسے ان لوگوں کے نام فراہم کرنے لگا جن کے بارے میں اسے معلومات درکار ہوتی تھیں۔

غلام رسول کے لئے یہ احساس سوہان روح تھا کہ وہ ملا سرکار کے لئے جن لوگوں کے بارے میں معلومات فراہم کرتا، وہ بہت جلد کسی نہ کسی بڑی پریشانی کا شکار ہوجاتے تھے۔ کوئی قتل کردیا جاتا، کسی کے گھر ڈاکا پڑتا، کسی کو تاوان کے لئے یرغمال بنالیا جاتا یا کسی کا بچہ پُراسرار طور پر اٹھالیا جاتا۔

جب غلام رسول سے نہ رہا گیا تو اس نے ملّا سرکار سے اس بارے میں شکوہ کیا۔

"میرے پاس قارون کا خزانہ نہیں ہے۔" برسوں گزر جانے کے باوجود غلام رسول کو ملّا سرکار کا مکّارانہ جواب لفظ بہ لفظ یاد تھا۔ "میں تم جیسے دوستوں پر پانی کی طرح پیسہ بہاتا ہوں تو وہ کسی کان سے نہیں آتا۔ یہ پیسہ مجھے اسی سرزمین پر حاصل کرنا ہوتا ہے۔ پہلے صرف تم میرے دوست تھے جو سیاست میں کودے تھے۔ اب میرا حلقۂ احباب بہت وسیع ہوچکا ہے۔ میں ضرورت کے وقت اپنے دوستوں کے کام آنے کو عبادت کا درجہ دیتا ہوں۔"

اسی لمحے غلام رسول نے اندازہ لگالیا کہ ملّا سرکار ملک نہ سہی، صوبے کی جڑوں تک میں اترنے کا تہیہ کرچکا ہے اور ایک دن ایسا آنے والا ہے جب وہ سندھ کا راسپوتین ثابت ہوگا جو کچھ نہ... ہوتے ہوئے بھی اپنے وقت کا بے تاج بادشاہ تھا۔

غلام رسول نے ملا سرکار کو ایسے نوجوان اور سرگرم سیاسی کارکنوں کے کوائف بھی فراہم کئے جو محرومیوں کے جہنم میں سلگنے کی وجہ سے سرکشی کی حدوں کو چھونے لگتے تھے۔ ملّا سرکار کے کارندے ایسے نوجوانوں کے ذہنوں میں بغاوت کے جراثیم کی پرورش کرتے پھر مالی امداد کے بہانے ان کو اپنے مذموم عزائم کے لئے خرید لیا جاتا تھا۔ ایسے لڑکوں کو سرحد پار لے جاکر چار ہفتوں تک دہشت گردی اور گوریلا لڑائی کی تربیت دی جاتی تھی پھر دو ہفتوں تک سرکاری خرچ پر ہندوستان کے مشہور تاریخی اور تفریحی مقامات کی سیر کرائی جاتی تھی۔ اس سیر کے دوران میں سینئر اور تجربے کار انسٹرکٹر پاکستان اور نظریۂ پاکستان کے خلاف ان کچے ذہنوں کی برین واشنگ کرتے رہتے تھے۔

سرحد پار چھ ہفتے گزارنے کے بعد جب وہ لڑکے اپنے جسموں پر ہتھیار سجا کر اپنے ملک میں واپس آتے تھے تو پُرجوش سیاسی کارکن کے بجائے حد سے زیادہ خطرناک دہشت گرد اور گوریلے بن چکے ہوتے تھے۔

غلام رسول خاموش ہوا تو میں اسے سرد نگاہوں سے گھورنے لگا۔

"مجھے معلوم ہے کہ اب میں بچ نہیں سکتا۔" وہ بوکھلا کر بھرّائی ہوئی آواز میں بولا "میرے مقدر کا فیصلہ تم لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس لئے میں نے تمہیں بلا و کاست سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"سب کچھ نہیں بلکہ کچھ کہو۔ کام کی باتیں تم نے چھپالی ہیں جو تم سے اگلوائی جائیں گی۔"

"نہیں" وہ گھبرا کر بولا "میں نے دانستہ کچھ نہیں چھپایا۔ بھول چوک ہوگئی ہو تو اور بات ہے۔"

"تو ذرا سوچ کر بتاؤ کہ تم کبھی سرحد پار گئے ہو؟" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"گگ...... گیا ہوں!" وہ خوف زدہ لہجے میں بولا "ایک بار گیا ہوں۔ لیکن میرے اس سفر کا کہیں کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ میں نے وہ سفر ذاتی حیثیت میں خفیہ طور پر کیا تھا۔"

"غنیمت ہے کہ تمہارا حافظہ کام کررہا ہے۔ تم وہاں کیوں گئے تھے؟"

"وہ سفر کر کے میں نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا لیکن ملّا سرکار کا اصرار تھا کہ میرا وہاں جانا بہت ضروری ہے۔ سرحد پار تربیت حاصل کرنے والے لڑکوں کو جب یہ علم ہوگا کہ ان کے ہم وطن دانشور' معززین اور سیاست دان بھی ان کے سرپرستوں کے ساتھ ہیں تو ان کے حوصلے بلند ہوں گے۔ اس کا کہنا تھا کہ پاکستان سے کئی افراد ان تربیتی کیمپوں کے خفیہ دوروں پر آچکے ہیں۔ لیکن وہ اس کا بدترین فریب تھا۔ اپنے اُسی سفر کے نتیجے میں' مَیں آج اس حال کو پہنچا ہوں۔"

"اس سفر کا تمہاری حالت سے کیا تعلق نکل آیا؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"اس سفر سے پہلے میں ملا سرکار کی ہدایت پر جو کچھ کرتا رہا' وہ جرائم کے زمرے میں آنے کے باوجود سنگین نہیں تھا۔ کبھی بات کھل جاتی تو مجھے زیادہ سے زیادہ چند برس کی سزا کا سامنا کرنا پڑتا لیکن دہشت گردوں کے خفیہ تربیتی کیمپ کا دورہ مجھے غدّار قرار دلوا سکتا تھا۔ میں نے جانے سے پہلے کہہ دیا تھا کہ جیسلمیر اور شاہ پور کے تربیتی اڈوں پر میری کوئی تصویر نہ اتاری جائے لیکن میری خواہش اور ملّا سرکار کے وعدے کے برعکس' میری لاعلمی میں ٹیلی اسکوپک لینسوں کی مدد سے میری ویڈیو فلم بنائی گئی جو ملّا سرکار کے دعوے کے مطابق ساڑھے سات گھنٹے کی تین ویڈیو کیسٹوں پر مشتمل ہے۔"

"تمہیں کب علم ہوا کہ تمہاری فلم تیار کی گئی ہے؟" انسپکٹر نے حیرت سے پوچھا۔

"آج رات!" غلام رسول اپنے مصائب کے تسلسل میں یہ بھول گیا تھا کہ رات گزر چکی تھی اور تھوڑی دیر میں نئے دن کا سورج طلوع ہونے والا تھا۔

"سردار رجب علی کو ملّا سرکار کی نیت پر شبہ ہوگیا تھا" غلام رسول کہہ رہا تھا "اس نے لیلیٰ وتی کی آواز سنے بغیر سادھو بیلہ آنے سے صاف انکار کردیا تھا۔ میں نے ملا سرکار کو بتا دیا کہ اسے لانا میرے بس سے باہر ہے۔ اس نے مجھے ہر قیمت پر اسے لانے کا حکم دیا۔ اس کے لب و لہجے میں جھلاہٹ سے مجھے یقین ہوگیا تھا کہ وہ اپنی طرف سے رجب علی کا دل صاف نہیں کرسکا تو اسے بے دریغ ہلاک کردے گا۔ میں اپنے انکار پر اڑا رہا تو ملا سرکار نے پہلی بار میرے ویڈیو کیسٹوں کا ذکر کیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ میں رجب علی کو جزیرے پر نہ لایا تو وہ کیسٹوں کا راز فاش کردے گا۔ اس دھمکی کے آگے میں بے بس ہوگیا۔ آج میں نے سادھو بیلہ کا رخ نہ کیا ہوتا تو اس وقت آرام سے اپنی ٹھنڈی خواب گاہ میں سو رہا ہوتا۔"

اس کا آخری بیان اس کی اور ملّا سرکار کی اس لاسلکی گفتگو کے عین مطابق تھا جو ہم ہوٹل سے دریا کی طرف سفر کرتے ہوئے ایس ٹی ایف والوں کی جیپ میں سن چکے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ سچ ہی کہہ رہا تھا۔

"اسے بھی لاک اپ میں بھجوا دو۔" میں نے انسپکٹر سے کہا اور وہ غلام رسول کو اپنے ہمراہ لے کر چل دیا۔

غلام رسول انسپکٹر علی اسد سے بہت خوف زدہ تھا کیونکہ گنیش آشرم کے تہ خانے میں پہلی بار بھی وہ اسی کے ہاتھوں سے پٹا تھا اور اس کی آخری ٹھکائی بھی اسی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔

انسپکٹر کو ڈی آئی جی کے دفتر میں ہونے والی گفتگو سے زیادہ دلچسپی تھی کیونکہ وہ غلام رسول کو اپنے ماتحت عملے میں سے کسی کے حوالے کر کے چند ہی ثانیوں میں واپس لوٹ آیا۔ اس بار سلطان شاہ بھی اس کے ہمراہ تھا۔

"تم لوگ اپنے اس ساتھی کو بالکل ہی بھولے ہوئے ہو۔ بیچارہ باہر بیٹھا ہوا بور ہو رہا تھا۔" اس نے اندر آتے ہی سلطان شاہ کے بارے میں وضاحت کی اور دونوں ہمارے قریب کرسیوں پر براجمان ہوگئے۔

"اب تمہاری باری ہے۔" میں سنجیدگی کے ساتھ ڈی آئی جی سے مخاطب ہوگیا "اس وقت میں نے بڑے مجرم کی گوشمالی کے خیال سے تمہارا معاملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔"

"میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں نے جو کچھ کیا' اس میں میری بدنیتی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ میں خلوص دل سے جو کچھ سمجھ رہا تھا میں نے اسی پر عمل کرنے کی کوشش کی تھی۔" اس نے شکست خوردہ لہجے میں آہستہ سے کہا "اور میں اپنے اس رویے پر آپ سے معافی بھی مانگ چکا ہوں۔ آپ نے اس قصے کو طول دیا تو میرا کیریئر تباہ ہو سکتا ہے۔ معطلی اور کسی الزام کے تحت برطرفی عمل میں آئی تو مجھے باعزت ریٹائرمنٹ کے فوائد سے بھی محروم ہونا پڑے گا۔"

"میں تم جیسے تُند خو افسروں کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا" میں نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "جس شخص کے دل میں قانون کی حرمت کا پاس نہ ہو اور جو قانون کو اپنی مرضی کا غلام سمجھتا ہو' اسے تمہاری کرسی پر بیٹھنے کا کوئی حق نہیں۔ تم نے انسپکٹر کے ساتھ جو رویّہ اختیار کیا اس سے ذاتی عناد کی بو



آتی ہے۔"

"اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اول خان اچانک ہی انسپکٹر سے پوچھ بیٹھا۔

"میرے دل میں اپنے افسر کی طرف سے بال آگیا ہے اس لئے میں اپنی زبان بند ہی رکھوں گا۔" اس نے کہا "میں نے اپنی پسند و ناپسند کو کبھی اپنے فرائض پر حاوی نہیں ہونے دیا ہے۔"

"یہ تمہارا ایک ادنیٰ ماتحت ہے" میں نے طعن آمیز لہجے میں ڈی آئی جی سے کہا "لیکن اس کے خیالات تم سے کہیں زیادہ بلند اور پاکیزہ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم دخل انداز نہ ہوتے تو آج تم نے اسے تباہ کردیا ہوتا۔"

"البتہ میں ایک بات ضرور بتانا چاہوں گا۔" انسپکٹر نے کہا۔ "یہ ایک کھلا راز ہے اور اگر بات ہمارے آئی جی صاحب تک گئی تو بالکل ہی کھل جائے گی کہ ہمارے ڈی آئی جی صاحب کرپشن کے معاملے میں بُری شہرت کے مالک ہیں اور لین دین کر کے قانون کو اپنی صوابدید کے مطابق گھما لیتے ہیں۔ تم اس شہر میں نوارد ہو اس لئے تمہیں اس پہلو سے باخبر کرنا' میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ مجھ سے ان کی پرخاش کا سبب یہی ہے کہ میں بڑے بڑے معاملات میں بھی کبھی سودے بازی نہیں چلنے دیتا اسی وجہ سے مجھے ڈویژنل ہیڈ کوارٹر سے ہٹا کر خیرپور میں ڈال دیا گیا ہے۔"

"تم گھر جا کر آرام کرو!" اول خان نے کرسی چھوڑتے ہوئے' ڈی آئی جی سے کہا "تمہارے مستقبل کے بارے میں اگلے چند گھنٹوں میں کوئی فیصلہ کر کے تمہیں گھر پر باخبر کردیا جائے گا۔"

"اس طرح روانگی میں میری سبکی ہوگی۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا "آپ لوگوں کے روانہ ہوتے ہی میں کوتوالی چھوڑ دوں گا۔ اس طرح عملے پر میرا کچھ بھرم رہ جائے گا۔"

"اس وقت تک تم میرے حکم کے تحت انسپکٹر علی اسد کی نگرانی میں رہو گے۔ تم نے میری ہدایت کے خلاف کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو نتائج کی ذمے داری تم پر ہوگی" اول خان نے سنگین لہجے میں کہا۔

"میں اپنے دفتر سے کچھ نامکمل فائلیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔"

"یہ نہیں ہوسکے گا' سر!" اس بار انسپکٹر بولا تھا "ادھوری فائلیں ہی متعلقہ کیسوں پر فریقین سے سودے بازی کے ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ ان میں ایک ایک گواہ کے کئی کئی بیان ہوتے ہیں جن پر تاریخ تک کا اندراج نہیں ہوتا۔ سودے بازی میں جو کچھ طے پاتا ہے' اس کے مطابق فائل مکمل کرلی جاتی ہے اور فاضل کاغذات ضائع کردیے جاتے ہیں۔ ریکارڈ سرکاری ملکیت ہے۔ اب اس کو کوئی نہیں چھیڑ سکے گا۔"

"انسپکٹر کی رائے حرفِ آخر ہے۔" میں یہ کہہ کر دفتر سے نکل گیا۔

ہم لوگوں کے ساتھ ست بیلہ سے پولیس کی ساری نفری واپس نہیں آئی تھی۔ دو پارٹیاں جزیرے پر لاشوں کی تلاش' گنتی اور اسپتال روانگی کے لئے رک گئی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ ست بیلہ اور ابا سین پر ہمارا کام ختم ہوچکا تھا۔ جو کچھ باقی رہ گیا تھا' اسے سنبھالنے کے لئے پولیس کا عملہ کافی تھا۔

وہ ساری ہی جاگتے اور بھاگ دوڑ کرتے ہوئے گزر گئی تھی اس لئے فارغ ہوتے ہی مجھ پر کسل مندی طاری ہونے لگی اور ہم لوگ ایک پولیس جیپ میں ہوٹل مون لائٹ کی طرف روانہ ہوگئے۔

انسپکٹر نے جیپ کے باوردی ڈرائیور کو ہمارے ساتھ ہی رکنے کی ہدایت کردی تھی۔

پچھلی شام کو ہم اسی ہوٹل سے عام اور بے ضرر مہمانوں کے روپ میں رخصت ہوئے تھے۔ صبح سویرے رائفلوں سے لیس ہو کر ایک باوردی سپاہی کے ساتھ دوبارہ وہاں پہنچے تو استقبالیہ کاؤنٹر پر اونگھتا ہوا کلرک ہمیں دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"اگر ہوٹل میں ٹھہرنا ہے تو' سر! یہاں اس سے اچھے ہوٹل بھی موجود ہیں" ہمارا مدعا سن کر سپاہی نے رضاکارانہ طور پر مشورہ دیا "اس کے علاوہ کئی سرکاری اور نیم سرکاری ریسٹ ہاؤس بھی ہیں۔"

کوتوالی میں میرے اونگھتے ہوئے ذہن میں کسی ریسٹ ہاؤس کا خیال ہی نہیں آیا تھا ورنہ علی اسد آناً فاناً میں ہمارے قیام کا بندوبست کرا سکتا تھا۔ اس وقت تھکان سے میرا حال اتنا برا ہو رہا تھا کہ دو قدم بھی چلنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ جلد از جلد بستر میسر آئے اور اس پر جوتوں سمیت دراز ہو جاؤں اس لئے میں نے کانسٹیبل ڈرائیور کا شکریہ ادا کیا اور کلرک کے ساتھ کمروں کی طرف چل دیا۔

میں تو پہلے کمرے میں پہنچتے ہی بستر پر گر گیا۔ وہ دونوں کلرک کے ساتھ چلے گئے۔ میں خنک فضا میں نرم اور آرام دہ بستر سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ وہ دونوں اپنے کمرے دیکھ کر پھر میرے سر پر نازل ہوگئے۔

"اب کیا پریشانی ہے؟" سلطان شاہ کو ٹرانسیٹرز والا تھیلا کھولتے دیکھ کر میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا "اسے کیوں کھول رہے ہو؟"

"کوتوالی میں' مَیں نے جو کچھ کیا وہ میرے حقیقی اختیارات سے ماورا تھا۔" اول خان نے سمجھانے والے لہجے میں کہا "ڈی آئی جی ڈویژنل سطح کا سب سے بڑا اور بااختیار پولیس افسر ہوتا ہے۔ مجھے فوری طور پر اپنے کمانڈر سے بات کرنی ہوگی تاکہ وہ کراچی میں آئی جی سے مل کر بات کو سنبھال سکے۔"

"جو چاہے کرتے رہو' لیکن خدا کے لئے مجھے نہ چھیڑنا۔" میں نے کروٹ بدل کر ایک تکیہ اپنے سر پر رکھ لیا۔

مجھے علم تھا کہ سلطان شاہ کے تھیلے میں اس وقت کم از کم چار مختلف اپریٹس موجود تھے۔ ان میں سے دو کا تعلق ملا سرکار سے تھا۔ ایک ٹرانسیٹر وہ تھا جس پر ملا سرکار کراچی میں ویرا سے بات کیا کرتا تھا اور دوسرا ملا سرکار کی کوٹ مندو والی کمین گاہ سے ہمارے ہاتھ لگا تھا۔ اسی پر ہم نے ملا سرکار اور غلام رسول کی گفتگو سن کر ست بیلہ والے آپریشن کا پروگرام بنایا تھا۔ اس ساخت کا ٹرانسیٹر ملا سرکار کے زیر استعمال ہونے سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ اسے یہ علم نہیں تھا کہ اسی ساخت کا ایک اپریٹس میرے قبضے میں بھی آچکا ہے جس پر میں اس کی گفتگو سن سکتا ہوں۔ اسے اس امر کا شبہ بھی ہو جاتا تو وہ اسی لمحے اس مخصوص ساخت اور فریکوئنسی کا استعمال ترک کر دیتا کیونکہ رازداری اس کے پیشے کا پہلا اصول تھا۔

تیسرا اپریٹس محدود رینج کے لئے تھا۔ اس کے ذریعے اول خان اباسین اور اس کے عملے سے رابطہ کر سکتا تھا۔ چوتھا ٹرانسیٹر وہ اباسین سے ہی لایا تھا۔ اس کی رینج پانچ سو میل کے دائرے تک تھی جس کی مدد سے وہ کراچی اسٹیشن سے بھی بات کر سکتا تھا اور اس وقت وہ شاید اسی پر طبع آزمائی کرنے والا تھا۔

میں اس کی کارروائی میں بظاہر کوئی دلچسپی لئے بغیر اسی کروٹ سے بستر پر پڑا رہا۔ چند ثانیوں کے بعد کمرے کی فضا میں اول خان کی واضح لیکن ناقابلِ فہم آواز گونجنے لگی۔

"ڈی ڈی ڈمپل ڈیلٹا تھری 'گیلے کاما" وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہی نامانوس الفاظ دہرا تا رہا جس کا مطلب تھا کہ وہ کال میسیج بھی کوڈ ورڈز میں ہی نشر کر رہا تھا۔

اس وقت اندازاً صبح کے ساڑھے پانچ بج چکے تھے اور مجھے توقع نہیں تھی کہ اول خان کو دوسری طرف سے کال کا کوئی جواب مل سکے گا لیکن میرا وہ قیاس غلط ثابت ہوا۔

اسپیشل ٹاسک فورس کی پُراسرار تنظیم کی نوعیت سرکاری رہی ہو یا غیر سرکاری' یہ حقیقت ناقابلِ تردید تھی کہ اس کے اہل کار حد سے زیادہ فرض شناس تھے اور خود کو ہر وقت آن ڈیوٹی تصور کرتے تھے کیونکہ اول خان نے پانچویں بار انہی مہمل الفاظ کی تکرار کی تو دوسری طرف سے ایک خوابیدہ آواز میں جواب آگیا۔

نیند کے گہرے خمار میں ڈوبی ہوئی وہ مردانہ آواز میرے لئے اجنبی تھی۔ اس نے جو کچھ کہا وہ بھی میرے لئے ناقابلِ فہم تھا کیونکہ اس نے اول خان کے خفیہ پیغام کا جواب کوڈ ورڈز میں ہی دیا تھا۔

اول خان کئی منٹ تک اس شخص سے بات کرتا رہا۔ درمیان میں دوسری طرف سے بھی کچھ پوچھا یا بتایا جاتا رہا۔ اس تمام گفتگو میں صرف ڈی آئی جی کے الفاظ ایسے تھے جو میرے پلے پڑ سکے اور انہی کی بنیاد پر میں نے یہ اندازہ لگایا کہ اول خان اپنے ارادے کے عین مطابق اپنے اوپر والے کو سکھر کوتوالی کے واقعات سے آگاہ کر رہا تھا۔

گفتگو مکمل ہو جانے کے بعد اول خان نے ٹرانسیٹر کا سلسلہ منقطع کیا اور سلطان شاہ سے مخاطب ہو گیا۔ "تم کراچی سے روانہ ہوئے تو وہاں کے حالات کیسے تھے؟"

"سب ٹھیک ٹھاک تھا۔" سلطان شاہ کی قدرے تحیر زدہ آواز سنائی دی۔

"لیکن اب وہاں کی صورتِ حال مخدوش ہے۔ بغیر نمبر پلیٹ والی پُراسرار گاڑیوں میں کچھ نقاب پوش شہر کے گنجان آباد علاقوں میں گولیاں چلاتے ہوئے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ان منظم وارداتوں میں چار آدمی ہلاک اور سترہ زخمی ہو چکے ہیں۔ کوئی مجرم پکڑا نہیں گیا۔ شہر میں ہر طرف خوف و ہراس کی لہر پھیل گئی ہے۔"

وہ خبر پریشان کن اور تشویشناک تھی۔ میں اپنے چہرے پر سے تکیہ ایک طرف پھینک کر ان دونوں کی گفتگو میں شریک ہونے پر مجبور ہو گیا۔

"یہ واقعات شہر کے کن علاقوں میں ہوئے ہیں؟" سلطان شاہ ... وال کیا تھا۔

"کیا تمہارے لئے اس بات کی بھی کوئی اہمیت ہے؟" میں نے اس کے لہجے میں غیر معمولی تشویش کی جھلک محسوس کرتے ہوئے تجسس آمیز انداز میں سوال کیا۔

"میں نے ویرا کے بدن سے برآمد ہونے والا چپ شربت خان آفریدی کو دیا تھا۔" اس نے پُر تفکر لہجے میں کہا "کل صبح مجھے پتا چلا کہ آخری لمحات پر ملیریا کا بدترین حملہ ہونے کی وجہ سے وہ سفر پر روانہ نہیں ہو سکا تھا۔"

غنیمت یہ تھا کہ میں اول خان کو پہلے ہی ملا سرکار کے معاملات میں آرنیٹ کے ملک اور مقامی سفارت خانے کی گہری دلچسپی سے آگاہ کرتے ہوئے چپ کے بارے میں بتا چکا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ میں نے اسے شی یا ویرا کی اصلیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ ویسے میرا اندازہ تھا کہ مجھ سے رجوع کرنے سے پہلے اسپیشل ٹاسک فورس والے میرے ماضی کے بارے میں اپنے طور پر معلومات حاصل کر چکے تھے اور ملکی سلامتی کے بارے میں میری لگن اور نیک نیتی سے مطمئن ہونے کے بعد ہی انہوں نے مجھ سے روابط بڑھانے کے سلسلے کا آغاز کیا تھا۔ یہ ان لوگوں کی اعلیٰ ظرفی تھی کہ میری کارکردگی سے واقف ہونے کے بعد انہوں نے مجھے کبھی میرے ماضی کے حوالے سے شرمندہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور ہمارے درمیان' ابتدا سے اِس وقت تک اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔

لیکن سلطان شاہ کی زبان سے ویرا کا نام سنتے ہی اول خان بری طرح چونکا تھا "یہ تم کس ویرا کا ذکر کر رہے ہو؟" اس نے براہ راست سلطان شاہ سے ہی سوال کیا تھا۔



"تو کیا تم بھی کسی ویرا کو جانتے ہو؟" سلطان شاہ کے بولنے سے پہلے ہی میں نے اول خان پر سوال داغ دیا۔

اس نے اپنے سر کو پُر اعتماد انداز میں اوپر سے نیچے کی طرف جنبش دی اور بولا "میں صرف ویرا لائیڈ نامی ایک غیر ملکی لڑکی کے بارے میں جانتا ہوں جو آفت کی پرکالہ ہونے کے ساتھ ہی بلا کی ذہین بھی ہے۔"

میں نے ایک گہرا سانس لے کر پوچھا "اس کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟"

"میری معلومات کے مطابق وہ ہیروئن اور ہتھیاروں کے ایک بہت بڑے بین الاقوامی اسمگلر جمی لائیڈ کی ناجائز بیٹی ہے لیکن مغرب کے زوال یافتہ معاشرے میں ولدیت کا تعین کرتے ہوئے جائز اور ناجائز کی کوئی تفریق نہیں کی جاتی۔ جمی لائیڈ وہ ارب پتی مجرم ہے جس نے امریکی صدر ... کی انتخابی مہم میں ستر کروڑ ڈالر کا انتخابی فنڈ اپنے کالے دھن سے فراہم کیا تھا۔"

بین الاقوامی امور کے درونِ پردہ رازوں کے بارے میں اس کی معلومات قابلِ رشک تھیں۔ "اس کا مطلب ہے کہ امریکی سیاست اور معاشرے میں بھی مجرم اسی قدر اثر و نفوذ رکھتے ہیں؟"

"برائی ہمیشہ اوپر سے نیچے کی طرف سفر کرتی ہے۔ امریکا آج کل خود کو تیسری دنیا کا اَن داتا سمجھتا ہے۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ امریکا اس دور کی واقعی ایک بڑی قوت اور ... قوم ہے۔ ان کی اچھائیوں اور برائیوں کو دوسری ہر قوم قابلِ تقلید سمجھتی ہے۔ جو خرابی ان کے یہاں جنم لیتی ہے' جلد یا بدیر وہ دوسری قوموں میں بھی تیزی کے ساتھ سرایت کر جاتی ہے۔ سیاسی ... کو سماج دشمن قوتوں کا سہارا لینے کی تربیت انہی لوگوں نے دی ...۔"

"لیکن ہم اس کا تدارک کرنے سے قاصر ہیں؟" میں نے اس ... سوال کیا۔

"یہ شطرنج کا سا کھیل ہے۔ جو مہرے سامنے لائے جاتے ہیں وہ ... کے بکرے ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد کسی اور کو بچانا ہوتا ہے تم ... کہ انسپکٹر علی اسد صحیح راستے پر چل رہا تھا۔ وہ بعض مشتبہ ... ندانوں کی نگرانی بھی کرا رہا تھا لیکن وہ سب قربانی کے بکرے ... ان کو مشکوک سرگرمیوں میں ملوث کرنے کا مقصد اس کے ... کچھ اور نہیں رہا ہوگا کہ غلام رسول کو انسپکٹر جیسے افسروں کی ... سے اوجھل رکھا جائے۔ اگر تمہارے پاس ملا سرکار کا زیرِ ... ال اپریٹس نہ ہوتا تو ہمارے فرشتے بھی غلام رسول کی سدا بہار ... نائی پر شبہ نہیں کر سکتے تھے۔"

"تمہارے روشن خیالات واقعی فکر انگیز ہیں۔ ابتدا میں میرا ... زہ تھا کہ تم گرد و پیش سے بے خبر رہ کر لڑنے بھڑنے والے ... ہو لیکن تم اپنی آنکھیں کھلی رکھنے کے عادی ہو۔"

"دوسری جنگِ عظیم کے بعد جاسوسی کا جو نظام ... سرد جنگ کی کوکھ سے ابھرا ہے اس کی ایک بہت بڑی خرابی ہے کہ ہم اپنے بارے میں اتنے باخبر نہیں ہوتے جتنا دوسروں کے بارے میں جانتے ہیں۔ میں بذاتِ خود ملا سرکار اور غلام رسول کے گٹھ جوڑ سے بے خبر تھا لیکن یہ جانتا ہوں کہ امریکا میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر اور پینٹاگون چیف کے علاوہ جمی لائیڈ تیسرا فرد ہے جو دن یا رات میں' کسی بھی وقت صدرِ امریکا تک فون پر یا بنفسِ نفیس رسائی حاصل کر سکتا ہے۔"

"ان حالات میں تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے چھوٹے بڑے تمام ملکوں پر جرائم پیشہ افراد کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی ہے اور جلد یا بدیر دنیا پر انہی کی حکمرانی ہوگی" سلطان شاہ بولا۔

"تم نے مجھے کہاں الجھا لیا؟" اول خان اپنا سر جھٹک کر معصومانہ انداز میں ہنس پڑا "میں نے تم سے ویرا کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"بتاتا ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا "لیکن اس سے پہلے یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ تمہاری قابلِ رشک معلومات کے مطابق آج کل ویرا کہاں ہے؟"

وہ زور زور سے ہنستا ہوا بولا "پاکستان میں بلکہ شاید کراچی میں" پھر وہ فوراً ہی سنجیدہ ہو گیا "یہ اندازہ تو میں نے تمہاری باتوں سے لگایا ہے ورنہ وہ آخری بار انگلینڈ میں دیکھی گئی تھی اس کے بعد سے لاپتا ہے۔ دراصل ہمارے ہوائی اڈوں پر امیگریشن والوں کا ایگزٹ اور اِنٹری کنٹرول سسٹم اتنا ناقص ہے کہ ہمیں بین الاقوامی مجرموں تک کی آمد و رفت کا پتا نہیں چلتا۔ کوئی بدنصیب اپنی کسی حماقت کی وجہ سے خود ہی اپنی گردن شکنجے میں دے بیٹھے تو اور بات ہے۔"

"تمہارا اندازہ صحیح ہے۔ ویرا کراچی میں ہے۔ میں نے چپ کے ذریعے جس لڑکی کی نگرانی کا ذکر کیا تھا' وہ ویرا ہی ہے اور آج کل میرے ہی ساتھ ہے۔" میں نے کہا۔

"اوہ خدا!" وہ اپنا سر تھام کر رہ گیا "تم نے اپنی آستین میں سانپ پالا ہوا ہے۔ تم اپنے ساتھ مجھے بھی مروا دو گے۔ اسے پہلی فرصت میں یہاں سے دفع کرنے کی کوشش کرو۔"

"کیوں نہ اسے تمہاری تحویل میں دے دیا جائے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بے سود ہوگا۔ ہماری الجھنیں بڑھ جائیں گی۔ اور ہم زیادہ عرصے تک اسے اپنی قید میں نہیں رکھ سکیں گے۔ کسی نہ کسی بین الاقوامی معاہدے کی آڑ لے کر امریکی سفارت کار ویرا کو یہاں سے نکال لے جائیں گے۔ اپنے اہم مہروں کو وہ کبھی اور کہیں نہیں پٹنے دیتے اسی لئے ان کے ایجنٹ کھل کر اپنے ملک کے لئے کام کرتے ہیں۔"

"لیکن اس وقت ویرا ہماری اور پاکستان کی مدد کر رہی ہے۔ وہ

درمیان میں نہ ہوتی تو جمی لائیڈ کے گرگے اب سے بہت پہلے ملا سرکار کو ہتھیاروں سے لدے ہوئے جہاز دے چکے ہوتے۔ وہ اپنے باپ کے اس منصوبے میں دیدہ و دانستہ رکاوٹیں ڈال رہی ہے۔ اسی وجہ سے آرنیٹ نے اسے اپنے کاؤنسلیٹ میں بلوا کر سیٹلائیٹ فون پر اس کی' جمی لائیڈ سے بات کرائی تھی۔ وہ لوگ اب فوری طور پر ملا سرکار کو ایکشن میں دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"اس میں تمہارا کوئی ذاتی کمال ہو تو ہو ورنہ میرا تجربہ یہی بتاتا ہے کہ وہ تم سے مخلص نہیں ہو سکتی۔ اگر تمہاری باتیں درست ہیں تو پھر وہ کسی اور زیادہ بڑی کامیابی کی امید پر ملا سرکار کو ڈبل کراس کر رہی ہے۔ یہ کٹ تھروٹ بزنس ہوتا ہے۔ اسے اپنے مقاصد حاصل ہونے کی امید ہوئی تو وہ تمہیں بھی بے دریغ داؤ پر لگا دے گی۔"

"چھوڑو خانا' تم کس سے الجھ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے چڑچڑے لہجے میں کہا "اس نے ڈیڈی کو الّو کا گوشت کھلا دیا ہے۔ ویسے بھی یہ خوبصورت عورتوں پر اندھا دھند بھروسا کرنے کا عادی ہے۔ جب تک کسی سے مار نہیں کھائے گا' یہ اپنے اصول نہیں بدلے گا ........ تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ کراچی میں فائرنگ کن علاقوں میں ہوئی ہے؟"

"پہلے پٹھان کالونی اور بنارس چوک کے علاقوں میں خونریزی ہوئی پھر لانڈھی میں داؤد چورنگی کے علاقے میں اندھا دھند فائرنگ کی پے در پے کئی وارداتیں ہوئیں۔ ان سے شربت خان آفریدی کی بیماری کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" اول خان نے آخری سوال الجھن آمیز لہجے میں کیا تھا جیسے سلطان شاہ کی بات اس کے پلے نہ پڑ سکی ہو۔

"میں سمجھ گیا۔" سلطان شاہ پُرجوش لہجے میں بولا "میرا خیال ہے کہ میں ان وارداتوں کے بارے میں صحیح نتیجے پر پہنچا ہوں۔ اگر میرا خیال درست ہے تو شہر میں کہیں اور گولیاں نہیں چلی ہوں گی۔"

"یہ درست ہے۔" اول خان نے اعتراف کیا۔ "کمانڈر نے انہی دو علاقوں میں گڑبڑ کی خبر دی ہے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ اس بارے میں تم نے کیا رائے قائم کی ہے اور اس کا کیا سبب ہے؟"

"یہ سب شربت خان کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ وہ پٹھان کالونی میں کرائے کی ایک کوٹھری میں اکیلا رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ طبیعت بگڑ جانے کی وجہ سے وہ لانڈھی میں اپنے ماموں کے گھر منتقل ہو گیا ہو جو داؤد چورنگی پر ہی رہتا ہے۔"

"بات سے بات مل رہی ہے۔ کمانڈر نے یہی بتایا کہ پہلے پٹھان کالونی وغیرہ میں اور پھر داؤد چورنگی پر گولیاں چلائی گئی تھیں لیکن میں اب بھی پوری بات سمجھنے سے قاصر ہوں۔" اول خان بولا۔

"شاید میں اس کی پوری بات سمجھ گیا ہوں" میں نے وضل

دیتے ہوئے کہا "وہ چپ ویرا کے جسم میں پوشیدہ تھا۔ آرنیٹ قاصد نے وہ فلیٹ دیکھ لیا تھا جہاں ویرا مقیم تھی۔ آرنیٹ نے دفتر میں ویرا کو ہدایت کی تھی کہ وہ اسے مطلع کئے بغیر اپنا تبدیل نہیں کرے گی لیکن چپ دریافت ہوتے ہی میں نے ویرا وہاں سے ہٹا دیا اور فلیٹ مقفل کر دیا۔"

میں نے قدرے توقف کے دوران میں سگریٹ سلگائی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا "شاید آرنیٹ کو دوبارہ ویرا کی ضرور پیش آئی ہوگی۔ اس وقت اُسے پتا چلا کہ ویرا غائب اور فلیٹ مقفل ہے۔ اس نے یقیناً اپنے ویڈیو اسکینر کے ذریعے ویرا کا سراغ چاہا ہوگا۔ اس دوران میں چپ ویرا کے جسم سے نکل کر شربت خان آفریدی کی تحویل میں چلا گیا تھا اس لئے اسکینر نے پٹھان کالونی کے اس مکان کی نشاندہی کی ہوگی جہاں شربت خان ملیریا بخار میں پھنک رہا تھا۔ اس گنجان آباد علاقے کی تنگ و تاریک گلیوں میں کسی اجنبی کا مشکوک انداز میں داخل ہونا ناممکنات سے ہے اس لئے آرنیٹ نے اپنی دانست میں ویرا لائیڈ کو خوفزدہ کرنے کے لئے اپنے کسی نمک خوار کے ذریعے کرائے کے قاتلوں سے ان اطراف میں فائرنگ کرائی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس وقت وہاں نگرانی کرنے والے ایسے افراد بھی موجود رہے ہوں گے جو ویرا پر نگاہ پڑتے ہی اسے اغوا کر کے آرنیٹ تک پہنچا دیتے۔ اس دوران میں شربت خان اپنی ذاتی وجوہ کی بنا پر پٹھان کالونی سے لانڈھی منتقل ہو گیا۔ آرنیٹ اپنے ویڈیو مانیٹرنگ یونٹ پر ویرا کی نگرانی کرا رہا ہوگا۔ جوں ہی چپ کی لانڈھی میں موجودگی کا تعین ہوا' اس کے پالتو افراد نے کرائے کے غنڈوں سے وہاں دہشت گردی کی کارروائی کرا ڈالی۔ سلطان شاہ کا اندازہ درست معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت آرنیٹ کو کسی وجہ سے ویرا کی ضرورت ہے اور وہ اس تک رسائی کے لئے کسی بھی حد تک جانے پر تلا ہوا ہے۔"

"لیکن جب شربت خان پٹھان کالونی سے نکل کر لانڈھی جا رہا تھا تو نگرانی کرنے والوں نے اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" اول خان نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تم بھول رہے ہو کہ چپ اس قدر مختصر سا الیکٹرانک آلہ ہے کہ وہ ویرا کے ایک پرانے زخم میں چھپا دیا گیا تھا۔ نگرانی کرنے والے چپ کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ چپ کی موجودگی کو تو صرف آرنیٹ کا ڈیڈیو مانیٹرنگ یونٹ ہی دیکھ سکتا ہے۔ نگرانی کرنے والے ان تنگ و تاریک گلیوں سے کسی سفید فام لڑکی کے برآمد ہونے کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکے ہوں گے کہ چپ اس بیمار شخص کی تحویل میں ہے جو رکشا یا ٹیکسی میں لاد کر لے جایا جا رہا ہے۔"

"میں نے کمانڈر کو آرنیٹ کے بارے میں بریف کر دیا ہے۔" اول خان انتقامی جذبے سے مغلوب لہجے میں بولا "مجھے امید



آرائی کی گئی تھی کہ ڈی آئی جی کو آپریشن ست بیلہ میں عدم تعاون کے الزام کے تحت ملازمت سے عارضی طور پر معزول کر دیا گیا تھا تاکہ مذکورہ افسر کے کردار کے تعین کے لئے آزادانہ طور پر تحقیقات ہو سکیں۔

ست بیلہ کے واقعات کے بارے میں افواہیں تو صبح سویرے ہی کراچی میں گشت کرنے لگی تھیں جن میں سیکڑوں افراد کی ہلاکت کی کہانیاں تھیں اور اس بارے میں شہر میں اتنی سنسنی پھیلی ہوئی تھی کہ لوگ رات کو شہر کے دو علاقوں میں ہونے والی اندھا دھند فائرنگ کو بالکل ہی بھلا بیٹھے تھے لیکن پھر شام کے اخبارات میں شائع ہونے والی تفصیلات نے ان افواہوں کا زور توڑ دیا کہ ڈاکوؤں کی بھاری نفری نے ست بیلہ کا محاصرہ کر کے پورے جزیرے کی آبادی کو ہلاک یا زخمی کر دیا اور خود معمولی سا جانی نقصان اٹھا کر دریائی راستے سے گھنے جنگلات میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

لیکن ویرا اور غزالہ کے لئے وہ کہانیاں قابلِ قبول نہیں تھیں۔ انہیں پورا یقین تھا کہ اخبارات نے بھی اصل واقعات شائع نہیں کئے ہیں جو کہیں زیادہ سنگین اور سنسنی خیز ہو سکتے تھے۔

شام کی پرواز سے سلطان شاہ کے ہمراہ کراچی پہنچ کر میں نے گرینڈ ہوٹل کا رخ کیا جہاں ویرا مقیم تھی۔

آرنیٹ کے آدمیوں سے بچے رہنے کی کوشش میں وہ اپنا بیشتر وقت ہوٹل کے کمرے میں گزارتی تھی اس لئے ہمیں وہیں مل گئی۔ اس کے کمرے کے خوبصورت ڈبل بیڈ پر شام کے کئی انگریزی اخبارات بکھرے ہوئے تھے۔

"یہ سب کیا ہے؟ سکھر میں تم کیا کر رہے تھے؟" ہمیں دیکھتے ہی اس نے بلا کسی تمہید کے اخبارات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنکھیں نکال کر سوال کیا۔

"ہم نے بھی راستے میں اخبارات ہی پڑھے ہیں" میں نے اس کے بستر پر دراز ہوتے ہوئے بے پروائی سے کہا "مجھے حیرت ہے کہ ہم سکھر میں ہوتے ہوئے بھی ان سنگین واقعات سے بے خبر رہے۔"

"اور تم کیا کہتے ہو؟" وہ سلطان شاہ کی طرف گھوم کر غرائی۔

"میں تو معصوم شاہ کے مزار کے مینار پر چڑھ کر شہر کا نظارہ کر رہا تھا" وہ معصومیت سے بولا۔

ویرا نے بے دردی سے دھکا دے کر اسے ایک صوفے پر گرا دیا اور خود اس کے سر پر مسلط ہو گئی۔

ویسے تو ویرا بہت خوبصورت و سبک اندام لڑکی تھی لیکن اپنی خصوصی تربیت کی وجہ سے وہ مار دھاڑ کے شعبوں میں ایسی طاق ہو چکی تھی کہ اپنے اصل رنگ میں آتے ہی مردمار لڑکی نظر آنے لگتی تھی۔ اس سے پیشتر بھی وہ بارہا سلطان شاہ سے لڑتی اور الجھتی رہی تھی لیکن اس وقت اس کے رویّے میں کچھ ایسی لطیف سی تبدیلی

خلفہ معاملات کی دیکھ بھال کے لئے دو دن تک یہاں رکنا ہوگا۔ سکتا ہے کہ اس دوران میں ہی ایس ٹی ایف والے آرنیٹ پر ہاتھ ڈال دیں۔ تم دیکھ لینا کہ اس حرامزادے کا ایسا حشر کر دیا جائے کہ وہ بوکھلا کر پاکستان سے بھاگ جائے گا۔ ہم لوگ جس کی راہ پر جائیں' اسے سُکھ کی نیند تک نصیب نہیں ہوتی۔"

اس کے خلاف سرکاری سطح پر کارروائی کیوں نہیں کی جاتی؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"ثبوت۔ اس کے خلاف ثبوت کہاں سے فراہم کئے جائیں؟ ثبوت مل جائیں تو اس کا سفارت خانہ اسے باعزت طور پر ں سے واپس بلا لے گا۔ یہ نہ ہوا تو حکومتِ پاکستان اسے ندیدہ شخصیت قرار دے کر مقررہ مدت میں ملک چھوڑ دینے کا دے سکتی ہے۔ لیکن بڑی طاقتوں کے معاملے میں ہر حکومت سفارتی محاذ آرائی سے گریز کرتی ہے۔ ہم لوگ تو جسمانی طور پر ایسی سزا دیں گے کہ وہ کبھی نہیں بھول سکے گا۔"

"ملا سرکار کی موت کے بعد یہاں ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔" نے کہا "اب ہمیں فوری طور پر کراچی پہنچنا ہے۔ ہم آج ہی کی پرواز پکڑنے کی کوشش کریں گے۔"

"دو روز بعد میں بھی کراچی میں تم سے آملوں گا۔ اگر ویرا رے لئے واقعی کارآمد ہے تو تمہیں اس کو ہر قیمت پر آرنیٹ چنگل سے بچائے رکھنا ہوگا۔"

"تم فکر نہ کرو' میں بھی اُسے نچا کر رکھ دوں گا۔" میں نے چتے ہوئے کہا اور بستر پر دراز ہو گیا۔

○☆☆○

ست بیلہ کے خون ریز آپریشن کا سہرا سرکاری طور پر انسپکٹر علی کے سر باندھا گیا تھا کیونکہ ریکارڈ میں اسپیشل ٹاسک فورس کا وجود تھا اور نہ ابا سین کے کسی غیر تحقیقی کردار کا۔ اس مہم مارے جانے والے لوگوں میں جن لوگوں کی لاشیں شناخت ہو سکیں وہ سب ہی مسلمہ قاتل' ڈاکو اور اغوا کرنے والے تھے جو نوعیت کی متعدد وارداتوں میں ملوث اور پولیس کو مطلوب تھے۔ مجرموں کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر بھاری انعامات بھی مقرر تھے۔ لیکن ان خبروں میں ملا سرکار' غلام رسول یا سردار رجب علی کا ذکر نہیں تھا۔ ان تینوں میں سردار رجب علی کی اپنی جگہ کوئی ت نہیں تھی لیکن مقتولین کی فہرست میں اس کا نام شامل ہوتا تو دلی کے اغوا اور ملا سرکار کی طرف سے بھاری تاوان کے نام مطالبے کے حوالے سے ملا سرکار کے کردار کا تعین بھی قیاس یوں کی زد میں آجاتا اس لئے اس آپریشن کی بنیادی نوعیت سیاسی اور خفیہ معاملات کو بالکل الگ کر کے ڈاکوؤں کی سرکوبی جاگر کیا گیا تھا۔

البتہ سکھر رینج کے ڈی آئی جی کی معطلی کی خبر اخباری نمائندوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی۔ اس بارے میں قیاس

آئی کہ میں زیرِ لب مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

جب میں نے سکھر سے فون کیا تو غزالہ نے مجھ سے سلطان شاہ کی شکایت کی تھی کہ اس نے ہوٹل میں ویرا کی زندگی اجیرن کی ہوئی تھی لیکن جب میں نے ویرا اور سلطان شاہ سے بات کی تو ان دونوں نے الگ الگ بتایا کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی شکایت نہیں تھی بلکہ مکمل ذہنی ہم آہنگی کے ساتھ گزارہ کر رہے تھے۔

ویرا مغرب کے بگڑے ہوئے' مادر پدر آزاد معاشرے کی ایک نمائندہ لڑکی تھی۔ وقت گزارنے یا دل بہلانے کے لئے عارضی طور پر کسی کے ساتھ مکمل مل جانا اور بات تھی لیکن میں بہت عرصے پہلے یہ محسوس کر چکا تھا کہ دنیا کی ہر مشرقی عورت کی طرح اُس کے دل کے نہاں خانوں میں بھی یہ خواہش شدت کے ساتھ پروان چڑھ رہی تھی کہ اس کا بھی کوئی اپنا مرد ہو جو اس کی ذاتی ہمت اور بے خوفی سے قطع نظر اس کی حفاظت اور کفالت کی ذمے داری اٹھانے کا دعوے دار ہو۔ کسی بھی حسین و جمیل کے نرم لطیف سراپا کو درحقیقت اس کے مرد کا وجود ہی دوسرے مرد کی بے باک اور ہتک آمیز نظروں سے محفوظ رکھ سکتا ہے اور ویرا اپنی آزاد روی کی وجہ سے حاصل ہونے والے وسیع تجربے کی بنا پر اس راز کو پا چکی تھی۔

اس کے لئے یہ صدمے کی بات تھی کہ روم میں ڈان مریانو نامی' عورتوں کے جس دلّال نے اسے پیشہ ور کال گرل کی حیثیت سے ہمہ گیر تربیت دی' وہ خود اس کا سگا باپ' جمی لائیڈ تھا جو خوبصورت عورتوں کے ہجوم میں گِھرا رہنے کے شوق میں روم کے ان رنگین مزاج امرا کی کاسہ لیسی کرتا رہتا تھا جنہیں وہ درجنوں کے حساب سے خرید کر اپنا درباری غلام بنانے کی استطاعت رکھتا تھا۔ اپنے باپ کی اس سنگ دلی اور خود غرضی کے انکشاف نے اسے مَردوں کی صنف سے متنفر نہیں کیا بلکہ وہ ایک محبوب یا شوہر کی ضرورت کی اور زیادہ قائل ہو گئی کیونکہ ایک سچا محبوب یا شوہر ہی اپنی عورت کی عزت و آبرو کا مضبوط نگہبان ثابت ہو سکتا ہے ورنہ عورت زندگی بھر ایک آوارہ بلبل کی طرح نت نئے شکاریوں کے جال میں پھنستی اور چند پر کتروا کر دوبارہ اڑتی رہتی ہے اور جب اس کے استخوانی ڈھانچے پر سے رنگ' روپ اور جوانی کے سارے حسین پر نوچ لئے جاتے ہیں تو وہ کسی خزاں رسیدہ درخت کی ننگی شاخ پر پناہ لے کر دنیا کو اپنے درد کے دوہے سناتے سناتے' ایک دن پٹ سے گر کر مر جاتی ہے۔

مغرب کے مَردوں کی بے راہ روی اور خود غرضی کو وہ پسند نہیں کرتی تھی۔ اس معاشرے میں اس نے خود کو مردوں کا شکاری سمجھ لیا تھا۔ اسے یہ زعم تھا کہ وہ جسے اور جب چاہتی ہے اپنے دام میں پھانس لیتی ہے اور اس سے دل بھر جانے پر اسے ٹھوکر لگا کر دوسرے شکار کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتی ہے۔

اپنے اسی زعم میں وہ میری طرف متوجہ ہوئی تھی۔ لاہور کے لائیڈز کالج کے تجربات نے اسے مجھ سے قریب ہونے کا موقع فراہم کیا لیکن جب بات معاملے پر آئی تو اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ میں حسن کے داموں اپنی قیمت لگوانے والا کھلاڑی نہیں تھا۔

ویرا کے لئے وہ ایک انوکھا تجربہ تھا۔ اسے گمان ہوا کہ غزالہ میرے پاس تھی اس لئے میں اسے نظر انداز کر رہا تھا۔ اس نے غزالہ کی مجھ [illegible] ملیں دور کر کے بھی دیکھ لیا لیکن دوستی ہونے کے باوجود' وہ میرے دل میں ان نرم و نازک جذبوں تک نہ اتر سکی جو مضبوط رشتوں کی بنیاد ہوتے ہیں اور اب میرے ساتھ غزالہ کے آملنے کے بعد شاید ویرا مجھ سے بالکل ہی نا امید ہو چکی تھی۔

سلطان شاہ کے ساتھ اس کے رویّے میں لطیف سی تبدیلی دیکھ کر میں نے سوچا کہ ویرا "گندم اگر بہم نہ رسد' بھُس غنیمت است" کے مصداق اس کی طرف مائل ہو چکی تھی۔ میں گندم کے منصب کا دعوے دار تھا نہ سلطان شاہ کو بھُس سمجھتا تھا۔ مگر صرف' تو نہیں اور سہی والا نظر آتا تھا۔ اگر سلطان شاہ کو اس واردات پر کوئی شکایت نہیں تھی تو یہ اس کے اور ویرا کے لئے بہتر ہی تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے کھونٹے پر اچھی طرح گزارا کر سکتے تھے۔

اس وقت ویرا کا انداز کسی پُر اعتماد بیوی کا سا تھا جو یہ جانتی ہو کہ شوہر اس کی باز پرس کے آگے نہیں ٹھہر سکے گا اور ہوا بھی یہی کہ سلطان شاہ نے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیئے۔

"سر پر کیوں سوار ہو رہی ہو؟ الگ بیٹھو تو ابھی بتاتا ہوں کہ میں نے معصوم شاہ کے مینارے سے کیا دیکھا تھا۔"

سلطان شاہ نے سکھر میں آخری دن میرے ساتھ گزارا تھا لیکن آخری معرکے کے بارے میں اسے پوری پوری معلومات حاصل تھیں اس لئے میں اسے اور ویرا کو باتوں میں مصروف چھوڑ کر فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

سلسلہ مل جانے پر دوسری طرف سے غزالہ نے ہی فون اٹھایا تھا۔

"میں نے سوچا کہ کراچی آگیا ہوں تو اپنے پسماندگان کی خیریت بھی معلوم کر لوں۔" میں نے اس کی آواز پہچانتے ہی اس کا کہا ہوا لفظ اسی پر لوٹا دیا۔

"میں نے غلط نہیں کہا تھا" وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے بولی "سب لوگ اس طرح اداس اور ایک دوسرے سے روٹھے روٹھے رہتے تھے جیسے ان کا کوئی مربی یا سرپرست اس دنیا سے کوچ کر گیا ہو۔ جہانگیر تو اٹھتے بیٹھتے تمہیں ہی یاد کرتا رہتا تھا۔"

"مسز جیوانی کا کیا حال ہے؟" میں نے پوچھا حقیقت یہ تھی کہ میں نے اپنے خلاف حبیب جیوانی کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے اس کی حسین و جمیل بیوی کو اغوا تو کر لیا تھا لیکن اب وہ اپنے گلے کی چھچھوندر بنتی نظر آ رہی تھی۔ اس بے گناہ عورت کو قتل کرنے میں کوئی بے مقصد جرم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے رہا کر دیتا تو وہ کسی بھی وقت اور کہیں بھی سامنا ہونے پر جہانگیر کو فوراً پہچان سکتی تھی جو اپنی دُھن میں اس کے ساتھ شیر و شکر ہو چکا تھا۔

"وہ جہانگیر سے پٹتی ہے اور خوش رہتی ہے۔ لیکن تم اپنے دوستوں کے لئے مصائب خریدنے میں بہت ماہر ہو۔"

"کیوں؟ اب کیا ہوا؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"سلمیٰ کل شام کو اسپتال سے گھر آگئی تھی۔ مسز جیوانی کو دیکھتے ہی اس کا پارہ چڑھ گیا۔ جہانگیر سے اس کی خوب لڑائی ہوئی۔ اس نے میری بھی کوئی بات سننے سے انکار کر دیا اور لڑ جھگڑ کر نائٹ کوچ سے لاہور چلی گئی۔"

"یہ اچھا ہوا" میں نے گہری سانس لے کر کہا "اب میں یکسوئی کے ساتھ' دو چار دن میں مسز جیوانی کے مسئلے کا کوئی حل نکال سکوں گا۔ سلمیٰ کی موجودگی ہم سب کے لئے عذاب ہو جاتی"

"غضب خدا کا!" غزالہ کی تحیر آمیز آواز ابھری "جہانگیر کا گھر بگڑنے کی نوبت آگئی ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ یہ اچھا ہوا! تمہیں جہانگیر سے ذرا بھی ہمدردی ہوتی تو تم ایسی بات نہ کہتے۔"

"میں ان دونوں میاں بیوی کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں" میں نے ہنستے ہوئے کہا "زیادہ دنوں تک ان کے درمیان کوئی کھٹ پٹ نہ ہو تو دونوں ہی کے پیٹ میں مروڑ ہونے لگتے ہیں۔ جہانگیر لاہور جا کر اس کی ذرا سی خوشامد در آمد کرے گا تو وہ خوشی خوشی گھر لوٹ آئے گی۔ وہ میکے جانے کا کوئی سنہرا موقع ضائع نہیں کرتی۔"

"یہ سب تمہارے سوچنے کی باتیں ہیں۔ میری ایماندارانہ رائے تو یہ ہے کہ تم بہت بے دردی سے اپنے مقاصد کے لئے جہانگیر کو استعمال کرتے ہو اور وہ چغد تمہارے جھانسے میں آجاتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کہاں ہو اور سکھر کے ست بیلہ کا کیا چکر ہے؟ ان خبروں نے تو مجھے پریشان کر دیا تھا۔"

"گرینڈ ہوٹل میں ہوں' چاہو تو یہیں آجاؤ۔ پھر کھل کر باتیں کر لیں گے۔"

"تمہاری رائے کے مطابق' سلمیٰ کے چلے جانے کے بعد جہانگیر کے گھر میں میدان صاف ہو چکا ہے تو تم ادھر ہی کیوں نہیں آجاتے؟ اب تو ویرا بھی دو چار دن کے لئے یہاں رہ سکتی ہے۔"

"تمہاری تجویز معقول ہے۔ ذرا جہانگیر سے میری بات کرا دو۔ اسے بھی اپنی آمد کے بارے میں بتا دوں۔"

"وہ ابھی فیکٹری سے واپس نہیں آیا۔" غزالہ نے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ!" اس انکشاف پر میں اپنی حیرت پر قابو نہیں رکھ سکا۔ "تو اب وہ فیکٹری جانے لگا ہے؟"

"گھر سے تو یہی کہہ کر نکلتا ہے اور شام کو مغرب سے پہلے گھر واپس نہیں آتا۔"

"اس نے اپنے دفتر میں بہت خوبصورت اور سانولی سلونی اسٹینو رکھی ہوئی ہے۔ یہ بتاؤ کہ جہانگیر کی غیر حاضری میں مسز جیوانی کہاں ہوتی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ عقبی خواب گاہ میں مقفل رہتی ہے۔ جہانگیر نے اس کمرے میں ایک چھوٹا فریج رکھوا دیا ہے جس میں خورد و نوش کی اشیا بھری رہتی ہیں اس لئے دن میں کوئی اس کمرے کا قفل نہیں کھولتا۔ جہانگیر شام کو واپس آنے کے بعد خود ہی اس کی خاطر تواضع میں لگا رہتا ہے۔ ملازمین تک سے اس کا واسطہ نہیں پڑتا۔"

"لیکن تم سے تو اس کی ملاقات ضرور ہوئی ہو گی؟ میں نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

"نہیں!" غزالہ کے جواب نے مجھے خوش کر دیا "مجھے معلوم ہے کہ وہ تمہاری قیدی ہے۔ جلد یا بدیر تم اسے رہا کر ہی دو گے اس لئے میں اس کی نظروں سے بچتی رہی ہوں۔ اس نے گھر میں میری آوازیں سنی ہوں تو اور بات ہے۔"

"پھر تم نے کیسے دیکھ لیا کہ اس عورت کے چہرے اور بدن پر جا بجا نیل پڑے ہوئے ہیں؟"

"پہلی رات کو جب خوابگاہ سے دھما چوکڑی کی آوازیں آئیں تو میں پریشان ہو گئی۔" اس کی خفت آمیز آواز سنائی دی۔ "مار دھاڑ کا وہ سلسلہ تھوڑی دیر کے بعد موقوف ہو گیا لیکن میں ساری رات ایک پَل کے لئے بھی سو نہ سکی۔ اگلے روز جہانگیر کی غیر حاضری میں مَیں نے ایک کھڑکی سے اس کی خوابگاہ میں جھانکا تو وہ بہت مختصر لباس میں اپنے جسم کے زخم خوردہ حصوں پر مرہم وغیرہ لگا رہی تھی۔ تیسرے دن جہانگیر کی پیشانی پر بھی ایک نیلا ابھار جگمگا رہا تھا اس لئے مجھے اندر کے حالات جاننے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔"

"ٹھیک ہے غزالہ! ہم تینوں ادھر ہی آ رہے ہیں اور اب وہیں ڈیرہ جمائیں گے۔" میں نے وہ پیغام دے کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

ویرا کو شاید یہ توقع تھی کہ میں فون پر ہی غزالہ کو ست بیلہ کی کہانی سنانے بیٹھ جاؤں گا اس لئے وہ سلطان شاہ سے اپنی جارحانہ باز پرس کا سلسلہ منقطع کر کے میری طرف کان لگائے بیٹھی تھی۔ میرے فارغ ہوتے ہی بول پڑی "میری رضامندی کے بغیر تم نے کیوں کہا کہ ہم تینوں ادھر جا رہے ہیں؟"

"تم نہیں جانا چاہتیں تو شوق سے نہ جاؤ!" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا "شاید تم کو علم نہیں ہے کہ آرنیٹ کو شدت کے ساتھ تمہاری تلاش ہے۔ کل شام کو شہر میں گولیاں بھی تمہاری ہی وجہ سے چلی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم ہوٹل کے مقابلے میں جہانگیر کے گھر پر زیادہ محفوظ رہو گی۔"

"بکواس" وہ بے اعتباری سے بولی "تم سکھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تمہیں کیا پتا کہ آرنیٹ کیا کر رہا ہے؟"

"یقین نہ ہو تو آرنیٹ کو فون کر کے دیکھ لو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی وقت تم کو بلانے پر اصرار کرے۔"

ہمیں بھی جھوٹے کو اس کے گھر تک پہنچانا خوب جانتی ہوں۔" ویرا نے ریسیور اٹھاتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔

"یہ تو خود ہی گھر جا رہا ہے۔ تم اسے کہاں پہنچاؤ گی؟" سلطان شاہ نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے ریسیور چھین لیا۔ "میں تمہیں فون کرنے سے نہیں روکتا لیکن یہ کال جہانگیر کے گھر سے ہی ہونی چاہئے۔ وہاں اسپیکر فون پر ہم لوگ بھی آرنیٹ صاحب کے ارشادات عالیہ سن سکیں گے۔"

"اور اگر آرنیٹ کے بارے میں تمہاری رائے غلط ثابت ہوئی تو؟" ویرا نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تم دوبارہ اسی ہوٹل میں واپس لوٹ آنا۔" میں نے پورے خلوص کے ساتھ کہا۔

گرینڈ ہوٹل مہنگا ٹھکانہ تھا۔ ہمارے پاس رقم کی کمی تھی اس لئے وہاں سے چلتے ہوئے ہم نے کمرے کا حساب بے باق نہیں کیا، برے وقت کے لئے ایسا ایک آدھ ٹھکانا ہونا ضروری تھا۔

وہ سفر ٹیکسی میں طے کیا گیا۔ ڈرائیور کی موجودگی میں کوئی بات نہیں کی جا سکتی تھی اس لئے ویرا، سلطان شاہ کے ساتھ عقبی نشست پر خاموش بیٹھی رہی۔ میں اگلی نشست پر اکیلا بیٹھا مافیا، سیٹھ حبیب جیوانی، سپر ڈان اور سینڈو کے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔

میری دانست میں ملا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی کے نیست و نابود ہو جانے سے ہماری سرزمین پر دشمنوں کے تخریبی مشن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا تھا جس کے ازالے کے لئے دنوں، ہفتوں یا مہینوں کی نہیں بلکہ برسوں کی محنت درکار تھی۔ ملا سرکار کے مرجانے کے بعد جمی لائیڈ بھی پاکستان میں کسی اور کو غیر قانونی ہتھیار فراہم کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔ دوسری طرف اول خان کی اسپیشل ٹاسک فورس اس سازش کی بو سونگھ چکی تھی اس لئے مجھے قوی امید تھی کہ قانون شکن اور سرکش عناصر کے ذریعے سندھ میں بدامنی، خانہ جنگی اور پھر بغاوت کی صورت حال پیدا کرنے کی ساری کوششیں خاک میں مل جائیں گی۔

ان سارے مسائل اور خرابیوں کی جڑ مجھے نظر آ چکی تھی۔ وہ سارا کھیل ہیروئن سے حاصل ہونے والے بے دریغ کالے دھن سے پروان چڑھ رہا تھا اور جب تک پاکستان میں ہیروئن کی پیداوار اور اس کی مغرب کی طرف اسمگلنگ کا کاروبار جاری تھا، ہمارا ملک بین الاقوامی ریشہ دوانیوں سے محفوظ نہیں تھا۔ طاقت کے نشے میں چور، مغرب کے سیاسی ناخداؤں کے نزدیک ایٹمی ہتھیار بنانا جتنا سنگین جرم تھا اتنا ہی سنگین جرم یہ تھا کہ ان کے بلکتے ہوئے نوجوان خریداروں کو ان کی پسند کی جنس، ہیروئن مہیا کی جائے۔

ٹی جو ایک مشن کے تحت پاکستان کی مقامی آبادی میں ہیروئن کی کھپت بڑھانے کے لئے اس کے فروغ کے لئے کام رہی تھی، میری پے در پے چالوں کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی تھی۔ ہیروئن کی پیداوار اور تقسیم کے ذرائع ان کی گرفت سے نکل کر مافیا کی تحویل میں آ رہے تھے۔ میرے نزدیک مافیا ایک غیر سیاسی اور خالص مجرمانہ تنظیم تھی جو رنگ، نسل، مذہب اور علاقے کی کسی تفریق کے بغیر ہر طرف جرائم کے فروغ کے لئے کوشاں تھی۔ اس کے وسائل کا بڑا حصہ ہیروئن کی آمدنی پر مشتمل تھا۔ وہ بہترین ہیروئن مناسب ترین داموں پر خرید کر ان منڈیوں کی طرف روانہ کرتے تھے جہاں اس زہرناک سفوف کے سب سے زیادہ دام ملتے تھے اور ان دنوں ایسی منڈیوں میں امریکا سرفہرست تھا۔

ٹی اور مافیا کا دھندا ایک ہی تھا لیکن دونوں کے مقاصد اور طریقہ کار میں بنیادی فرق کی وجہ سے میں نے مافیا میں شمولیت اختیار کی تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ میں مافیا میں رہ کر بھی ہیروئن کے انسداد کے لئے کام کر رہا تھا لیکن تشویش کی بات یہ تھی کہ جمی لائیڈ ہر قیمت پر مجھے پکڑنا چاہتا تھا اور شاید بعض شرائط پر مافیا کا سپر ڈان مجھے اس کی تحویل میں دینے پر رضامند ہو چکا تھا۔ بلیک کیٹ ٹی کی سرکوبی سے فارغ ہوتے ہی وہ مسئلہ میرے سر پر سوار ہو گیا تھا۔

سفر کے اختتام پر ٹیکسی رکی تو میرے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی ویرا اور غزالہ نے یک زبان ہو کر ست بیلہ کے بارے میں سوالات کی یلغار کر دی اور میں نے مختصر ترین الفاظ میں انہیں وہاں پیش آنے والے حقیقی واقعات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

ان دونوں کے لئے وہ کہانی حیرت انگیز بلکہ ناقابل یقین تھی۔

ویرا ان دنوں میری ہمدرد اور غم گسار بنی ہوئی تھی لیکن اس کے مزاج کا کچھ پتا نہیں تھا وہ کسی بھی وقت مجھ سے بدظن ہو سکتی تھی۔ اس لئے میں نے اس کہانی میں سے غلام رسول کا کردار حذف کر دیا کیونکہ وہ قومی سلامتی اور خودداری کا ایک اہم موضوع بن سکتا تھا۔ اس کا تذکرہ حذف کر دینے کے بعد سکھر کوتوالی میں ڈی آئی جی سے ہونے والی زبانی جھڑپ کا ذکر بھی غیر ضروری ہو گیا تھا اس لئے جب ویرا نے سکھر رینج کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل کی معطلی کے بارے میں سوال کیا تو میں نے اسے مقامی انتظامیہ کا اندرونی معاملہ قرار دے کر اپنی جان چھڑالی۔

"اور تم کہتے ہو کہ اتنے بڑے کشت و خون میں تمہارے کسی آدمی کو خراش تک نہیں آئی؟" میری کہانی مکمل ہونے پر ویرا نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"اسے اتفاق یا خوش قسمتی ہی کہہ سکتی ہو۔ اگر اول خان کے آدمی دریا میں موجود تحقیقی بوٹ پر قبضہ کر کے اپنا مورچا نہ قائم کرتے تو ہمیں بھی بھاری جانی نقصان پہنچ سکتا تھا۔" میں نے کہا۔

میں نے ان دونوں کو اول خان اور ان کے آدمیوں کے رول کے بارے میں سب کچھ بتا دیا لیکن اسپیشل ٹاسک فورس کی ماہیت، مقاصد، اختیارات اور وسائل کو نظرانداز کر دیا تھا کیونکہ اس کا بھی قومی سلامتی سے گہرا تعلق تھا۔



"یہ سوال جواب تو ہوتے ہی رہیں گے۔" سلطان شاہ نے دخل دیتے ہوئے کہا "تم لوگوں کو سارے واقعات بلا کم و کاست سنا دیے ہیں۔ ان پر غور کر کے اپنا سوال نامہ مرتب کر لینا جس پر بعد میں بات ہوتی رہے گی۔ فی الحال آرنیٹ کی فکر کرو۔ اس وقت سات بج رہے ہیں، وہ اپنے دفتر سے نکل گیا تو بات کل پر ٹل جائے گی۔"

"وہ ٹھیک پانچ بجے اپنا دفتر چھوڑ دیتا ہے۔" ویرا اسے چڑانے والے انداز میں بولی "میرے پاس اس کے گھر کا فون نمبر بھی ہے میں اس سے وہیں بات کروں گی......"

"بس یہ دھیان رہے کہ اس وقت تم لانڈھی میں مقیم ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"لانڈھی میں کیوں؟" ویرا نے مجھے گھورتے ہوئے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"اس لئے کہ آرنیٹ کے ویڈیو مانیٹرنگ یونٹ کے مطابق کل شام تم پٹھان کالونی سے لانڈھی منتقل ہوئی ہو۔" سلطان شاہ نے کہا "کل اس نے تمہیں خوف زدہ کرنے کے لئے انہی علاقوں میں اندھا دھند فائرنگ کرائی ہے۔"

"مجھے وضاحت سے سمجھاؤ!" ویرا سنجیدہ ہو کر بولی "اگر یہ محض تمہارے قیاسات ہیں تو مجھے اس سے گفتگو میں محتاط رہنا ہو گا ورنہ بات بگڑ بھی سکتی ہے۔"

سلطان شاہ اسے چیپ کی کراچی سے روانگی میں حائل ہونے والی اتفاقی رکاوٹ اور اس کے بعد کے واقعات پر روشنی ڈالنے لگا۔ ویرا بہت غور سے اس کی بات سن رہی تھی۔

اس دوران میں، میں جہانگیر کی خوابگاہ کھلوا کر اسپیکر فون نکال لایا اور اسے ڈرائنگ روم کے فون ساکٹ سے منسلک کر دیا۔

سلطان شاہ سے پورا پس منظر سمجھ لینے کے بعد ویرا اسپیکر فون کا سوئچ آن کر کے آرنیٹ کے گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

ویرا کو پہلی ہی کوشش میں مطلوبہ نمبر مل گیا۔ دوسری طرف سے دو گھنٹیاں بجتے ہی ریسیور اٹھا لیا گیا اور اسپیکر فون پر کسی غیر [illegible] کی طویل ہیلو سنائی دی۔

"میں ویرا لائیڈ بول رہی ہوں اور مسٹر آرنیٹ سے بات کرنا چاہتی ہوں" ویرا نے کہا۔

"میں آرنیٹ ہی بول رہا ہوں" دوسری طرف سے ابھرنے والی آواز کی شائستگی یکلخت کٹکھنے کتے کی سی غراہٹ میں تبدیل ہو گئی "تم اس وقت کہاں سے بول رہی ہو؟"

"میں لانڈھی میں ہوں اور بہت بری طرح خوفزدہ ہوں" ویرا نے ہم لوگوں کو آنکھ مار کر مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں اس لمحے واقعی خوف و ہراس سمٹ آیا تھا۔

"ہونا چاہئے" آرنیٹ کی آواز سے بے رحمی مترشح تھی "تم فوراً اسی وقت میرے پاس آؤ۔"

"میں نہیں آ سکتی" ویرا نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا "کچھ درندے میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ لانڈھی سے پہلے میں ایک اور ٹھکانے پر تھی۔ ان درندوں کی دہشت گردی سے گھبرا کر وہاں سے لانڈھی آئی تو یہاں بھی میری کمین گاہ کے قرب و جوار میں خون ریزی ہوئی۔ مجھے ڈر ہے کہ میں نے باہر قدم نکالا تو میں مار ڈالی جاؤں گی۔"

"لانڈھی سے پہلے تم کہاں تھیں؟" آرنیٹ کی آواز سے تحکم جھلک رہا تھا۔

"پٹھان کالونی میں تھی۔ کل شام ہی وہاں سے لانڈھی آئی ہوں۔ تم نے بھی اخبارات میں پڑھ لیا ہو گا کہ نامعلوم دہشت گردوں نے ان ہی دو مقامات پر اندھا دھند فائرنگ کر کے بہت سے لوگوں کو ہلاک اور زخمی کر ڈالا تھا، اس کے بعد سے میں کھڑکی سے باہر جھانکنے کی ہمت بھی نہیں کر سکی ہوں۔"

"میں نے تمہیں سختی سے ہدایت کی تھی کہ مجھ سے اجازت لئے بغیر تم اپنا ٹھکانا تبدیل نہیں کرو گی، پھر تم اپنے فلیٹ سے پٹھان کالونی کیوں گئیں؟" آرنیٹ کی آواز درشت ہو گئی۔

"میری بھی کچھ ترجیحات ہیں" ویرا نے قدرے برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "فلیٹ میں مجھے اپنی جان کا خطرہ تھا اور میرے پاس تم سے رابطہ کرنے کا وقت نہیں تھا۔"

"تمہیں وقت نکالنا چاہئے تھا" اس نے زور دے کر کہا۔ "اب میں تمہاری حفاظت کا ذمے دار ہوں۔"

ویرا استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی "وہ مجھے ذبح کر کے چلے جاتے اور تمہارے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو پاتا کہ میں زندہ ہوں یا قتل کی جا چکی ہوں۔ تمہارا تو یہ حال ہے کہ تمہیں ابھی معلوم نہیں کہ میں فلیٹ چھوڑ کر شہر کے کس حصے میں روپوش ہو گئی تھی؟ میں اپنی زندگی دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑنے کی عادی نہیں ہوں۔"

اسپیکر فون پر آرنیٹ کی خونخوار غراہٹ سنائی دی لیکن وہ ایک گھاگ سفارت کار تھا اور معاملات کی نزاکت کو فوراً ہی بھانپ لینے میں خاص ملکہ رکھتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس وقت ویرا اس کی دسترس سے نکلی ہوئی تھی اور زیادہ سختی دکھا کر وہ اسے اپنی گرفت میں نہیں لا سکتا تھا اس لئے اگلے ہی لمحے اس کا لہجہ نرم ہو گیا۔

"تم نے یہ غور نہیں کیا کہ شہر کے صرف ان دو علاقوں میں گولیاں کیوں چلیں جہاں تم موجود تھیں؟" جملے کی تکمیل تک اس کے لہجے کی نرمی مربیانہ انداز میں ڈھل چکی تھی۔ "گولیاں چلانے والے تمہارے محافظ تھے۔ تمہارے دشمنوں کو تم سے دور رکھنے کے لئے انہیں وہ تمام خطرات مول لینے پڑے اور تم دیکھ لو کہ ان کی نگہبانی کے نتیجے میں تم اب تک صحیح و سلامت ہو اور مجھ سے فون پر بات کر رہی ہو۔ تم باہر نکلتے ہی دیکھو گی کہ بہت سے لوگ

تمہیں اپنے حفاظتی حصار میں لے لیں گے اور عزت واحترام کے ساتھ تمہیں میرے پاس لے آئیں گے۔"

میرا دل چاہا کہ آرنیٹ کے اس مکارانہ سفید جھوٹ پر دل کھول کر قہقہے لگاؤں اور اسے بتادوں کہ وہ دوغلا سفارت کار ویرا کا سُراغ کھو چکا تھا اور دراصل چپ کے نشر کئے ہوئے اشارات کا تعاقب کررہا تھا۔ پٹھان کالونی اور پھر لانڈھی کی داؤد چورنگی کے علاقے میں اندھا دُھند گولیاں برسانے والے اس کے آدمی ویرا کے محافظ نہیں بلکہ اس کے شکاری تھے جو اُسے خوفزدہ کرکے اس کی کمین گاہ سے باہر ہانک کر اس پر جال پھینکنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔

لیکن ایسا کرنا قرینِ مصلحت نہیں تھا۔ اس وقت آرنیٹ اپنے کرتوتوں اور سفید جھوٹ کی بِنا پر ویرا کے حلیف کے بجائے ایک خطرناک حریف کا روپ دھار چکا تھا۔ وہ ویرا کو فریب دے کر اپنے جال میں پھانسنا چاہ رہا تھا اور دوسری طرف میری کوشش یہ تھی کہ اس کی خوش فہمیوں کو خاک میں ملائے بغیر اس کے عزائم سے آگاہی حاصل کروں کہ وہ ویرا سے کیوں ملنا چاہتا تھا؟ اس لئے میں نے اپنی اس بے ساختہ خواہش کو اپنے سینے ہی میں دفن کرلیا۔

لیکن ویرا بھی منطق لڑانے اور بال کی کھال نکالنے کے فن میں طاق تھی۔ اس نے فوراً ہی سوال داغ دیا "جب میں فلیٹ سے نکل کر پٹھان کالونی اور وہاں سے نکل کر لانڈھی آئی تو میرے یہ مردود محافظ کہاں مرے ہوئے تھے؟ ان مواقع پر انہوں نے میری حوصلہ افزائی کے لئے سامنے آنے کی ہمت کیوں نہیں کی؟"

کئی ثانیوں کے لئے اسپیکر فون پر سکوت چھایا رہا۔ ویرا نے اسے سوچ میں ڈال دیا تھا۔

"تم میری حیثیت اور مرتبے کو بھول کر مجھ سے الجھ رہی ہو!"

غیر معمولی سکوت کے بعد آرنیٹ کی گمبھیر آواز سنائی دی۔ اس بار وہ انگریزی الفاظ چبا چبا کر ادا کررہا تھا "یہ سب باتیں میں تمہیں فون پر نہیں سمجھا سکتا۔ مجھ سے ملو گی تو بہت سی باتیں خود بخود تمہاری سمجھ میں آجائیں گی۔ تمہیں مجھ پر اعتماد کرنا چاہئے۔"

"عام حالات میں شاید مَیں ایسا ہی کرتی لیکن اس وقت میں خود کو اپنے نادیدہ دشمنوں میں گھرا ہوا محسوس کررہی ہوں۔ میرے اردگرد گولیاں برسائی گئی ہیں' خون بہایا گیا ہے۔ جب تک مجھے یقین نہیں ہوجاتا کہ خطرات سے نمٹنے کا مؤثر بندوبست کرلیا گیا ہے' مَیں کسی احمق کی طرح سڑک پر آکر مرنے کی حماقت نہیں کروں گی۔ مجھے یہ جاننے کا حق ہے کہ اگر تم میری حفاظت کروا رہے ہو تو اب تک تمہارے آدمی کہاں سوئے ہوئے ہیں؟"

"تم بلاوجہ جذباتی ہورہی ہو' ویرا ڈارلنگ!" آرنیٹ کی مکارانہ آواز نرم اور شیریں ہوگئی "ان دونوں مواقع پر حالات مختلف تھے۔ میں نے انہیں تم سے دور رہ کر' تمہاری حفاظت کرنے کا حکم دیا تھا' لیکن اب حالات بدل چکے ہیں۔ وہ تم پر نظر پڑتے ہی تمہیں اپنے مضبوط حصار میں لے لیں گے۔"

"کیا تم یہ بتاؤ گے کہ تمہارے آدمیوں کی دی ہوئی اطلاعات کے مطابق میں دونوں مواقع پر کس لباس اور حلئے میں اپنے ٹھکانوں سے روانہ ہوئی تھی؟" ویرا کا لہجہ قدرے تلخ ہوگیا۔

"تم بھول رہی ہو کہ میں کوئی مقامی بدمعاش نہیں' بلکہ ایک سپر طاقت کا معزز سفارت کار ہوں" آرنیٹ کا لہجہ سخت اور تادیبی ہوگیا" براہِ راست نگرانی کرانے والوں میں سے کسی نہ کسی کو یہ بھی معلوم ہوگا مگر میں جزئیات میں الجھ کر اپنا قیمتی وقت برباد کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ میں صرف نتائج پر نظر رکھتا ہوں۔ میرے نزدیک اہمیت صرف اس بات کی ہے کہ تم آج بھی لانڈھی میں بخیر و عافیت موجود ہو۔"

"تو کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ تم پٹھان کالونی میں بھی میری موجودگی سے باخبر تھے؟"

"بے خبر رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" اس کی آواز میں برہمی عود کر آئی "میں نے تمہیں متنبہ کردیا تھا کہ تمہارے بدن میں خفیہ طور پر ایک چپ پیوست کردیا گیا ہے اور تم کہیں بھی میری نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکو گی۔"

"پھر تم نے ابتدا میں یہ سوال کیوں کیا تھا کہ لانڈھی سے پہلے میں کہاں تھی؟"

"اُس وقت مجھے تمہاری سرکشی کا اندازہ نہیں تھا۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ تم سچ بولتی ہو یا جھوٹ؟"

"تمہیں مجھ پر شبہ تھا تو میں بھی تم پر شبہ کرنے میں حق بجانب تھی" ویرا نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"تمہیں کیا شبہ تھا مجھ پر؟" آرنیٹ کی برہم آواز اس بار خاصی بلند تھی۔

"یہی کہ تمہارا کوئی آدمی میری حفاظت نہیں کررہا اور میں پوری طرح اپنے دشمنوں کے رحم وکرم پر ہوں۔"

"اور اب کیا رائے ہے تمہاری؟" آرنیٹ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چلا تھا۔

"مجھے تمہاری باتوں پر یقین آگیا ہے۔" ویرا نے میری طرف دیکھ کر داہنی آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

"اوہ! خدا کا شکر ہے کہ میں نے تمہیں قائل کرلیا" اطمینان کے گہرے سانس کے ساتھ آرنیٹ کی آواز آئی۔

"تم میرے پیشے سے واقف ہو۔ اگر میں محض کسی کے منہ سے مرعوب ہونے کی عادی ہوتی تو اب سے برسوں پہلے کہیں گمنامی کی موت مرچکی ہوتی۔ جس طرح تم ایک نظام کے پابند ہو اُسی طرح میں اپنے اندر کی آواز کے سہارے فیصلے کرتی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم نے میری گفتگو کا برا نہیں منایا ہوگا۔"

"پھر تم مجھ سے ملنے کب تک آرہی ہو؟" آرنیٹ کا لہجہ اعتدال پر آچکا تھا۔

"میں وقت نہیں دے سکتی لیکن یہ میرا وعدہ ہے کہ میں جلد از جلد تمہارے گھر پہنچوں گی۔ وہاں تمہاری حفاظت کرنے والوں کی تو خاصی نفری ہوگی؟" ویرا نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے پوچھا۔

آرنیٹ کی متکبرانہ ہنسی کی آواز ابھری' پھر وہ بولا "یہاں کی انتظامیہ اپنے سربراہوں سے زیادہ میری حفاظت کے لئے فکر مند رہتی ہے۔ کیونکہ میرے کاؤنسلیٹ کی حفاظتی ترجیحات میں میرا نام سب سے اوپر ہے۔ مقامی محافظ میرے احاطے کے گرد ہوتے ہیں لیکن اندر سی آئی اے کے ایجنٹ مامور ہیں۔ میں انہیں ہدایت دے دوں گا۔ ان میں سے کوئی تم سے تعرض نہیں کرے گا۔ تم جب چاہو' بے خوف وخطر میرے پاس آسکتی ہو۔"

"لیکن میرا پاس ورڈ کیا ہوگا؟" ویرا نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"یہ سب دقیانوسی باتیں ہیں۔ وہ لوگ دستی اسکینر سے تمہاری جامہ تلاشی لیں گے۔ تمہارے خفیہ چپ کے سِگنل پر جوں ہی اسکینر پر آواز گونجے گی' تمہیں اندر آنے کی اجازت مل جائے گی۔"

ویرا نے معنی خیز نظروں سے ہماری طرف دیکھا پھر آرنیٹ سے بولی "میں آنے سے پہلے یہ جاننا چاہوں گی کہ ہماری ملاقات اس قدر ضروری کیوں ہوگئی ہے؟"

"بلیک کیٹ ٹی کے معاملے پر کچھ بات ہوگی۔ پیش رفت رک جانے پر ہمیں سخت تشویش ہے۔"

"لیکن اس میں میری کسی کوتاہی کا دخل نہیں ...... وہ رُوپوش اور مفقود الخبر ہے۔"

"میری تشویش کا سبب بھی یہی ہے" آرنیٹ نے اعتراف کیا۔ "ایک شخص کی وجہ سے سارا منصوبہ خراب ہورہا ہے۔ ہم زیادہ دیر تک اُس کی واپسی کا انتظار نہیں کرسکتے۔"

"میں اس سلسلے میں کیا کرسکتی ہوں؟ مجھے دوسرا نام بتاؤ' میں اس سے معاملات طے کرلوں گی" ویرا نے رُکھائی سے کہا "ایک طرف تو یہ حال ہے کہ تم چپ اور آدمیوں کے ذریعے میری پل پل کی نقل وحرکت کی خبر رکھتے ہو لیکن بلیک کیٹ ٹی کے بارے میں اس قدر مجبور اور بے خبر دکھائی دیتے ہو۔"

"تم ہمارے لئے بہت اہم ہو اس لئے تمہاری ہر لمحے حفاظت کی جارہی ہے" آرنیٹ کی مفاہمانہ آواز ابھری "بلیک کیٹ ٹی ہمارے لئے اتنا اہم نہیں ہے' بلکہ وہ تو سرے سے ہمارا آدمی ہی نہیں ہے۔"

"وہ کہیں پاتال میں تو نہیں اتر سکتا۔ تمہاری بے خبری میرے لئے ناقابلِ فہم ہے۔"

اسپیکر فون پر آرنیٹ کے ایک گہرے سانس کی آواز ابھری پھر وہ بولا "تم فون پر بات کو غیر ضروری طور پر طول دے رہی ہو' تمہیں معلوم ہے کہ ان گھٹیا ایشیائی ملکوں میں ٹیلی فون پر گفتگو کرنا غیر محفوظ اور خطرناک ہوتا ہے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس وقت اور کون ہماری باتیں سن رہا ہوگا۔"

"لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ٹیلی فونک گفتگو کی بنیاد پر کوئی مقامی افسر تم پر ہاتھ ڈالنے کی جرات نہیں کرسکتا۔ تمہاری قومیت نے تمہیں اس سرزمین پر سُپرمین کا درجہ دلوایا ہوا ہے۔"

"تم بضد ہو تو سن لو کہ کل آدھی رات کے بعد سے میں بلیک کیٹ ٹی کی سلامتی کی طرف سے بہت فکر اور تشویش میں مبتلا ہوگیا ہوں" آرنیٹ کی آواز سے واقعیؔ اُس کی تشویش جھلک رہی تھی۔

"ظاہر ہے کہ اس تشویش کا سبب کوئی برا خواب ہوگا نہ تمہاری بے خوابی۔ اس کا کوئی نہ کوئی مضبوط سبب بھی رہا ہوگا جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو۔"

"ہم اپنے ایجنٹوں کی سلامتی سے باخبر رہنے کے لئے ان کے جسموں میں ایسے سینسر نصب کردیتے ہیں جو علاقائی اسٹیشن کے لئے اُن کے دل کی دھڑکنیں نشر کرتے رہتے ہیں۔ ملا سرکار کے سینسر کے سِگنل کل رات سے موقوف ہوچکے ہیں۔"

آرنیٹ کے وہ فقرے میرے لئے چونکا دینے والے تھے' بین الاقوامی سراغ رسانی اور اسپائنگ میں جدید ترین ایجادات سے کام لینا' ہر دور میں ذمے داروں کا ایک محبوب مشغلہ رہا ہے لیکن آرنیٹ کے ذریعے باربار ناقابلِ یقین سی باتیں سامنے آرہی تھیں۔ نت نئی اور تیز ترین سفری سہولتوں کی وجہ سے جغرافیائی فاصلے اپنی اہمیت کھو بیٹھے تھے اور دنیا کا ہر علاقہ' ہر قوم کی دسترس میں تھا۔ اپنے اپنے ملکی مفاد کے لئے خفیہ طور پر کام کرنے والے ہزاروں میل دور جاکر پُرخطر مہمات سر کرتے رہتے تھے اور اپنے بڑوں کو فیکس' سیٹلائیٹ فون یا طاقتور ٹرانسمیٹرز پر اپنی سلامتی اور کارکردگی کی رپورٹیں دیتے رہتے تھے۔ ان کی طرف سے رابطے میں طویل تعطل پیدا ہوتے ہی بڑوں کو ان کی سلامتی کی طرف سے فکر

لاحق ہو جاتی تھی اور دوبارہ رابطہ بحال نہ ہونے پر یہ تصور کر لیا جاتا تھا کہ وہ اپنے مشن میں کہیں کام آ گئے ہوں گے۔

لیکن آرنیٹ کے ملک نے اس فن کے تمام پہلوؤں کو انتظار اور قیاس آرائیوں کے دائرے سے نکال کر سائنسی کلیوں سے منسلک کر دیا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ لوگ اپنے ایجنٹوں کے دلوں کی دھڑکنیں، حساس اور جدید ترین سینسرز کے ذریعے سنتے ہوں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحیح صورتِ حال کے ادراک کے لئے، وہی سب سے بہتر، موثر اور منفرد بندوبست تھا۔ وہ کسی بھی وقت یہ اندازہ لگا سکتے تھے کہ ان کا کوئی خاص آدمی ناموافق حالات میں پھنس کر قیدی بنایا جا چکا ہے یا اس کی زندگی کا چراغ ہی گل ہو چکا ہے۔

آرنیٹ کے اس انکشاف پر ویرا نے چونک کر میری طرف دیکھا تھا لیکن اسپیکر فون آن ہونے کی وجہ سے ہم میں سے کوئی بھی زبان کھولنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"تم اپنے ایجنٹوں کو بے رحمی کے ساتھ مشینوں میں تبدیل کرنے کے عزائم رکھتے ہو" ویرا کہہ رہی تھی "آج اُن کے جسموں میں سینسرز اور چپ لگاتے ہو، کیا پتا کہ کل ان کے دل و دماغ کی جگہ بھی مائیکرو کمپیوٹر نصب کرانے لگو تاکہ وہ لوگ اپنی فہم و فراست سے کام لینے کے بجائے صرف تمہاری ہدایات کے تابع رہیں۔"

"تمہارے سائنس داں اپنی تجربہ گاہوں میں ایسے تجربات پر کام کر رہے ہیں۔ روبوٹ اب دقیانوسی ہو گیا ہے۔ تم کسی بھی دن سن لوگی کہ بایونک آدمی وجود میں آ چکا ہے۔ جانوروں پر ہونے والے تجربات جس دن کامیابی سے ہم کنار ہو گئے، اسی دن دنیا میں انقلاب آ جائے گا" وہ اپنی رَو میں بولے چلا گیا پھر اچانک ہی اسے دھیان آ گیا کہ وہ اپنی پٹڑی سے اتر چکا تھا۔ وہ چڑچڑے لہجے میں بولا۔ "یہ تم نے مجھے کن فضول باتوں میں الجھا لیا؟ میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ ملا سرکار کی سلامتی کا سنگین معاملہ سامنے آ جانے کے بعد تم کتنی دیر میں مجھ تک پہنچ سکتی ہو؟"

"جلد از جلد!" وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے ویرا کے چہرے پر کرختگی عود کر آئی تھی "اگر ملا سرکار کے دل کی دھڑکنیں بند ہو چکی ہیں تو وہ اب اس جہاں میں نہیں ہوگا۔ میرا تو خیال ہے کہ ایک مردے پر اپنا سر کھپانے اور وقت برباد کرنے کے بجائے اگر تم دہلی سے رابطہ کرو تو بہتر رہے گا اور وہ جلد از جلد ملا سرکار کا متبادل یہاں بھیج دیں گے۔ اگر تم سینسر کے ذریعے اس کے دل کی دھڑکنیں سننے میں ناکام ہو چکے ہو تو اب میں اور تم تو کیا، ساری دنیا مل کر بھی بلیک کیٹ ٹی کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکے گی۔ ہمیں ہر حالت میں اُس کے متبادل کے بارے میں سوچنا ہوگا۔"

"میرے لئے یہی سب الجھنیں ہیں۔ اتنی بات میں بھی جانتا ہوں کہ اب ہمیں جلد از جلد ملا سرکار کا متبادل میدان میں اتار دینا چاہئے۔ یہ وقت گزر گیا تو شاید سندھ میں ایسے سازگار حالات ...سوں پیدا نہیں ہو سکیں گے۔ ہمارے لئے یہ ابھی یا پھر کبھی نہیں



والا معاملہ بن چکا ہے۔ لیکن میں اپنی معلومات دہلی کو منتقل نہیں کر سکتا۔"

"کیوں؟ اس میں کیا مجبوری ہے؟ آخر کو وہ دہلی ہی کا آدمی تھا اور تم سے مل کر اپنا کام سرانجام دے رہا تھا۔ تمہارے ڈائریکٹر کو بھی معلومات کے اس تبادلے پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔"

"یہ باتیں تمہاری سمجھ سے بالا ہیں۔ ہم نے بلیک کیٹ ٹی کے سینے میں جو سینسر چھپایا ہے، اس سے دہلی کے حکام بے خبر ہیں، اس حوالے سے بات کرتے ہی شدید سیاسی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔ اس علاقے کے لوگ بہت تنگ نظر اور خود غرض ہوتے ہیں۔ دہلی والے لامحالہ یہ سوچیں گے کہ ہم نے بلیک کیٹ ٹی کے ساتھ ہی، نہ جانے دوسرے کتنے لوگوں کے جسموں میں سینسر اور چپ لگائے ہوئے ہوں جو اُن کے تنخواہ دار ہوتے ہوئے ہمارے لئے کام کر رہے ہوں۔ دوستوں کے خلاف جاسوسی کرنے کے الزام سے ہم حتی الامکان بچنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ اس طرح ہمارے سارے دوست ہماری طرف سے بدگمانیوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ہم اپنی ساکھ بگاڑنے کا یہ خطرہ کسی بھی قیمت پر مول نہیں لے سکتے۔"

"او کے ڈیئر!" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی "یہ تم لوگوں کی رواداری ہے کہ ساکھ اور اعتماد کی فکر کرتے ہو ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا دوست بن جانے کے بعد کسی بھی ملک کے سامنے کوئی دوسری راہ باقی نہیں رہتی۔ تمہاری ساری بے اعتدالیوں اور چیرہ دستیوں کے باوجود وہ تمہارے گُن گانے پر مجبور ہوتے ہیں کیونکہ یہ بھیڑ کے بچے اور بھیڑیے کی دوستی ہوتی ہے۔ اس دور میں مساویانہ دوستی کا تصور صرف غریب اور پسماندہ قوموں میں باقی رہ گیا ہے۔ تم اس سے مستثنیٰ ہو۔"

"تم بہت بولتی ہو، ویرا!" اس کی آواز سے برہمی کے ساتھ ہی بے بسی بھی جھلک رہی تھی "میں اس وقت فون پر ہوں، تم آؤ گی تو دیکھو گی کہ اس دوسری ملاقات میں، میں بھی خوش کلامی کا ریکارڈ قائم کر دوں گا۔"

"او کے ڈیئر..... بائی" ویرا نے فوراً ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔

اسپیکر فون کے بند ہوتے ہی ہم سب نے بیک وقت بولنا شروع کیا پھر ایک دوسرے کو اپنی بات پوری کرنے کا اخلاقی موقع دینے کے لئے سب ہی یک بیک خاموش ہو گئے۔

مکمل سکوت کے عالم میں ہم چاروں احمقانہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے پھر مضحکہ خیز صورتِ حال پر ہم سب ہی کی ہنسی چھوٹ گئی جو دیر تک جاری رہی۔

"تمہارا اندازہ سو فی صد درست تھا" سنجیدگی کی فضا بحال ہوتے ہی ویرا نے اعتراف کیا۔

"اور تم نے یہ بھی سن لیا کہ اسے اپنے سینسر کی وجہ سے ملا سرکار کی موت کا بھی علم ہو گیا ہے۔"

"یہ تو وہ شعبدے ہیں جو کسی نہ کسی مجبوری کی وجہ سے ...ارے سامنے آ گئے۔ ان لوگوں نے نہ جانے کہاں کہاں اپنے جال بچھائے ہوئے ہوں گے، بڑی قومیں ہزار پا بلا سے کسی طرح کم نہیں ...ہیں۔ ان کا ایک پیر کاٹو تو دس دوسرے پیر اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ سائنسی ایجادات کو تخریبی راہوں پر ڈال کر انہوں نے ...ود کو ایک عفریت بنا لیا ہے" غزالہ بولی۔

"پھر تم کب جا رہی ہو، اپنے اس دوست سے ملنے؟" میں نے ...ر اسے سوال کیا۔

"تمہارے قیاسات کی تصدیق ہو جانے کے بعد میں فکر مند ...گئی ہوں۔"

"فکر مندی سے کام نہیں بنے گا۔" میں نے لگی لپٹی رکھے بغیر ...ما "اس نے تمہیں یہ تاثر دیا ہے کہ کسی اہم موضوع پر مشورہ ...رنے کے لئے اُسے تمہاری ضرورت یا تلاش ہے لیکن اس کے ...رائے کے غنڈے شہر میں جو حرکتیں کرتے پھر رہے ہیں ان کی بنا ...مجھے پورا یقین ہے کہ وہ خبیث تمہیں اٹھوانے کے چکر میں تھا۔ ...ن کے آدمیوں کو کہیں تمہاری جھلک بھی نظر آ جاتی تو وہ نہایت ...بے رحمی کے ساتھ تمہیں اغوا کر کے آرنیٹ کی تحویل میں پہنچا ...یتے۔ اس کے مشتعل ہونے کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ تم نے اس ...اجازت کے بغیر اپنا ٹھکانا بدل لیا تھا۔"

"تمہارے کہنے کے مطابق اس کے آدمیوں نے کل جس ...ت پٹھان کالونی اور رلانڈھی میں اندھا دھند گولیاں چلائیں اس ...ت ملا سرکار کا بال بھی بیکا نہیں ہوا تھا۔ اس کی موت رات دو ...بجے کے بعد واقع ہوئی تھی۔ ایسی صورت میں کیا یہ نہیں سمجھا ...سکتا کہ ملا سرکار کی موت کے بعد آرنیٹ کے عزائم میں تبدیلی ...نما ہوئی ہے؟"

"تبدیلی تو اسی وقت زیرِ غور لائی جا سکتی ہے جب ہمیں یہ علم ...کہ اس کے اصل عزائم کیا تھے؟ کل رات تک وہ تمہیں ...ٹھوانے کے لئے اتنا بے چین کیوں تھا کہ اس نے شہر کے امن و ...امان کو درہم برہم کرنے کا خطرہ بھی مول لینے سے گریز نہیں کیا؟ ...ن کا جواب تلاش کرنے کے بعد ہی ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔" میں ...نے کہا۔

"ویرا ملا سرکار کو اسلحہ اور ہتھیار فراہم کرنے میں تاخیری ...حربوں سے کام لے رہی ہے۔" اس بار سلطان شاہ نے اپنی رائے ...ظاہر کی تھی۔ "جب کہ ملا سرکار اور آرنیٹ کے اندازوں کے ...مطابق اندرونِ سندھ کی فضا شورش یا خانہ جنگی کے لئے سازگار ...ہو چکی ہے اس لئے وہ ویرا کو ہتھیاروں کی بلا تاخیر فراہمی پر مجبور کرنا ...چاہتا ہوگا۔"

"ہتھیاروں کے معاملے میں اس کی براہِ راست رسائی جی ...ایچ کیو تک ہے۔ اسے ایسی کون سی مجبوری لاحق ہے کہ وہ میرے ...ملک کے شہر کے کنوؤں میں بانس ڈلوانے پر مجبور ہو جائے؟" ویرا نے ...سوال کیا۔

"عمدہ سوال ہے" میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ "جی، لائیڈ ...ہتھیاروں کی کھیپ گودی یا پھر کسی خفیہ کھاڑی تک بھجوانے کا بندوبست کر سکتا ہے لیکن پاکستان میں اس کی ترسیل کی ذمے داری کون قبول کرے گا؟ آرنیٹ خود سامنے نہیں آ سکتا۔ اس کے آدمیوں کو ملا سرکار کی سازش کے سرپیر ہی کا کچھ پتا نہیں ہے۔ اس لئے اس قصے کی تکمیل کے لئے ویرا کا کردار بہت اہم اور ناگزیر بن چکا ہے۔ سازش کا درمیانی حصہ یہی پایۂ تکمیل کو پہنچا سکتی ہے۔"

"تو کیا وہ مجھے زبردستی مجبور کرنا چاہتا تھا؟" ویرا نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"قرائن سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔" میں نے کہا۔ "کم از کم کل رات تک اس کے عزائم یہی تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ملا سرکار کے دل کی دھڑکنوں کے سگنل غائب ہونے پر اس کے ارادوں میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی ہو۔ پھر تم ابھی تک اس کے لئے لاپتا تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری اس فون کال نے بھی اس کے دل میں تمہارے لئے کوئی نرم گوشہ پیدا کر دیا ہو۔"

"اس کے پاس تو اب بھی میرا کوئی سراغ نہیں ہے۔ اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں اُس کی کسی ہمدردی کی بھی محتاج نہیں ہوں۔ دیکھا جائے تو میں اُس کی ایک اہم ضرورت بن چکی ہوں لیکن میرے لئے اس کی کوئی وقعت نہیں ہے بلکہ چپ سے چھٹکارا حاصل کر لینے کے بعد تو میں اس سے دور ہی رہنا چاہتی ہوں۔"

"اُس نے بھی تمہیں اپنے سینے سے لگانے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا ہے۔" سلطان شاہ کی زبان میں خارش ہونے لگی۔ "ملو گی تو وہ تمہیں دو چار فٹ دور ہی رکھے گا۔"

"تم نے پھر بکواس شروع کر دی؟" ویرا اس پر آنکھیں نکال کر غصیلے لہجے میں غرائی۔

"لیکن تم تو اس سے وعدہ کر چکی ہو کہ جلد از جلد وہاں پہنچو گی؟" میں نے کہا۔

"میرے سامنے اس وقت دو راستے ہیں۔ اول یہ کہ اس سے محاذ آرائی سے گریز کرتے ہوئے، اس سے دور رہوں۔ اسے پتا ہی نہ چلنے دوں کہ میں کہاں اور کس روپ میں ہوں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ سلطان شاہ کے بیمار دوست سے چپ لے کر جلد از جلد کہیں بھیج دیا جائے تاکہ آرنیٹ یہ سمجھتا رہے کہ میں شہر چھوڑ کر کہیں اور جا چکی ہوں۔ دوسرا راستہ کھلی محاذ آرائی کا ہے۔ میں اپنی جگہ کسی اور لڑکی کو چپ دے کر آرنیٹ کے گھر بھیج دوں۔ چپ کی وجہ سے حفاظت کرنے والے دھوکا کھا جائیں گے۔ لیکن جب آرنیٹ ایک اجنبی لڑکی کو اپنے سامنے دیکھے گا تو اپنا سر پیٹنے پر مجبور ہو جائے گا۔ لڑکی کی تلاشی لینے پر چپ برآمد ہو گا تو آرنیٹ سمجھ لے گا کہ میں اس کے حلقۂ اثر میں رہنے سے منکر ہو گئی ہوں.....“

"لیکن تم نے یہ سوچا ہے کہ آرنیٹ، تمہارا آلۂ کار بننے والی لڑکی کا کیا حشر کرے گا؟" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔ "وہ تمہاری بغاوت کی ساری جھلاہٹ، اس معصوم

گناہ لڑکی پر اتار ڈالے گا اور اسی کے ساتھ شہر میں تمہاری تلاش کی مہم پوری شدومد کے ساتھ شروع کرادے گا۔"

"اس کے پاس جانے والی لڑکی معصوم اور پارسا نہیں ہوگی۔" ویرا بے پروائی سے بولی۔

"گناہوں کی ایسی پوٹ تم نے کہاں پالی ہوئی ہے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"لی مارکیٹ کے سستے اقامتی ہوٹلوں میں سفید فام سیاح لڑکیاں خاصی تعداد میں پائی جاتی ہیں۔"

"غضب خدا کا! تم لی مارکیٹ سے اس حد تک واقف ہو؟" سلطان شاہ بولا۔

"تم بھول رہے ہو کہ ہیروئن میری فیلڈ ہے۔" ویرا استہزائیہ لہجے میں بولی۔ "اولڈ ٹاؤن کے وہ علاقے' ہر قسم کی تیز اور سستی منشیات کے سب سے بڑے خریدار ہیں۔ لمبی سیاحت پر نکلنے والے لڑکے لڑکیاں جب تنگ دستی اور مالی پریشانیوں کا شکار ہو کر چھوٹے موٹے جرائم اور جنسی ترغیبات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو لی مارکیٹ کے تنگ و تاریک مگر سستے اقامتی ہوٹل ہی ان کے لئے بہت زرخیز ثابت ہوتے ہیں۔ وہ چار دن کے لئے یہاں آتے ہیں لیکن سفید چمڑی پر مقامیوں کی وارفتگی اور پھر فیاضی کے سہارے مہینوں بلکہ برسوں کے لئے یہیں جم جاتے ہیں۔ اخراجات کے لئے مناسب رقم اور خود فراموشی کے لئے من پسند نشہ ملتا رہے تو بھلا کس بدبختی کا یہاں سے جانے کو دل چاہے گا؟ کراچی سے اکتا جانے کے بعد یہ لوگ پشاور میں ڈیرے ڈال دیتے ہیں۔ ان لوگوں سے ذرا سے مالی لالچ کے سہارے کوئی بھی کام لیا جاسکتا ہے۔"

"تو گویا تم اپنی جگہ ایسی ہی کسی ضرورت مند مگر سفید فام لڑکی کو پھانس کر آرنیٹ کے پاس بھیجنے کا ارادہ رکھتی ہو۔" سلطان شاہ اس بار سنجیدہ تھا۔ "اگر آرنیٹ نے مشتعل ہو کر اسے قتل ہی کر ڈالا تو اس خود غرضی پر تمہارا ضمیر تمہیں ملامت نہیں کرے گا؟ وہ لڑکیاں لاکھ مجرم سہی لیکن قتل کی سزاوار تو ہرگز نہیں ہوں گی۔"

"وہ اس کا مقدر ہوگا۔ یہاں ٹھہرنے والا ہر مفلوک الحال سفید فام اتنی رقم جمع کرنے کے چکر میں رہتا ہے کہ اس کی مدد سے' یہاں سے واپسی پر ایک دو کلو ہیروئن اپنے ساتھ لے جاسکے اور پھر اس کے سہارے لکھ پتی بن سکے۔ تم ان باتوں سے بے خبر ہو مگر میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ پاکستان کی اعلیٰ اور سستی ہیروئن' مدفون خزانوں اور سونے کی کانوں کی طرح اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جن لوگوں کے بنیادی عزائم اس قدر حریصانہ ہوں' ان کا زندہ رہنا ان کے قتل ہوجانے سے زیادہ مہلک ہوتا ہے کیونکہ تمہارے نظام میں فرد کے بجائے قوم یا معاشرے کی [illegible] پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔"

"تم ہمارے مذہب پر اتھارٹی کب سے بن گئیں؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔ وہ [illegible] کے بارے میں ہدایات دے کر اسی وقت واپس آئی تھی۔

"میں جہاں بھی جاتی ہوں وہاں کی زبان اور کلچر سے واقفیت حاصل کئے بغیر نہیں جاتی۔ مجھے اسلام کے بارے میں تمہارے بہت سے شہریوں سے زیادہ معلومات ہیں۔ تم میں سے بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہونے کو کافی سمجھ لیا ہے اور اپنے مذہب کی مبادیات تک سے بے خبر ہیں۔ یہ پوری پوری عمریں اسی بے خبری کے عالم میں گزار دیتے ہیں لیکن ان کا من پسند مولوی جوں ہی یہ ہولناک انکشاف کرتا ہے کہ فلاں ملعون نے ان کے دین کے فلاں اصول کی تردید' توہین یا سنگین خلاف ورزی کی ہے تو ایسے تمام پیدائشی مسلم' پتھر سے کلاشنکوف تک سنبھال کر سڑکوں اور گلیوں میں نکل آتے ہیں۔ میں تمہارے مذہب کے بارے میں ایسے بے خبروں سے کہیں زیادہ باخبر ہوں۔ مغربی معاشرہ اپنی بنیادی اکائی یعنی فرد کی اصلاح پر زور دیتا ہے۔ وہاں مجرم کو کڑی سزا دینے کے بجائے جیل میں اس کی اصلاح پر دھیان دینے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ مگر میں جانتی ہوں کہ یہ نظریہ بری طرح ناکام رہا ہے۔ جیل سے جو بھی باہر آتا ہے وہ پہلے سے زیادہ بڑا مجرم بن کر آتا ہے۔ جیلوں کی مراعات نے پیشہ ور مجرموں کے دلوں سے سزا کا خوف ختم کردیا ہے۔ اس کے برعکس تمہارے یہاں مستند مجرم کو عبرت ناک سزائیں دینے کا حکم ہے۔ ایک چور کا ہاتھ کاٹا جائے تو ہزاروں دوسرے افراد ایسے فعل سے باز رہتے ہیں۔ انسانیت کے نام نہاد دعوے دار ان سزاؤں کو ظالمانہ قرار دیتے ہیں مگر میری رائے میں عالمی بہبود کا راز اسی نظریے میں ہے۔ اس کے تحت منشیات کی اسمگلنگ کرنے والے موت کے [illegible] ہیں۔ اگر میری جگہ جانے والی لڑکی ماری گئی تو میں سمجھوں گی کہ اس کے خلاف تمہارا نظامِ فطرت حرکت میں آیا ہے۔"

"تمہاری یہ طویل تقریر اپنی جگہ' میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارے ذہن میں اس صورتِ حال سے نمٹنے کا کوئی تیسرا راستہ بھی ہے یا تم اس سے آگے جانے پر آمادہ نہیں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"تیسرا راستہ اس کی ہدایت پر عمل کرنے کا ہے' جس سے خائف ہوں۔" اس نے کسی آڑ موڑ کے بغیر واضح الفاظ میں اعتراف کرلیا۔ "ایک طرف اُسے میرے باپ' جمی لائیڈ کا بھرپور تعاون حاصل ہے اور دوسری طرف اسے یہاں غیر معمولی سفارتی مراعات حاصل ہیں۔ ایسے مضبوط مخالف کا سامنا کرنے کا احساس ہی میرے لئے گھٹن کا سبب بن جائے گا۔"

"ملا سرکار کی موت کے بعد صورتِ حال میں ڈرامائی تبدیلی رونما ہوئی ہے۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اب اسے مخلص کارندوں کی ضرورت ہے۔ اگر تم چپ جیب میں ڈال کر اس کے پاس چلی جاؤ تو اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہو سکے گا کہ تم نے پٹھان کالونی اور لانڈھی میں اس کے کارندوں کو بھٹکایا تھا۔ اگر تم اس سے مل بیٹھنے پر آمادہ ہو جاؤ تو اس کا [illegible] پڑھنے اور اپنی حکمتِ عملی مرتب کرنے میں خاصی مدد مل سکے گی۔"

"میں اس سے مل کر واپس لوٹنے میں کامیاب ہوگئی تو ٹھیک ہے لیکن یہ سوچو کہ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو کیا ہوگا۔ تم لوگوں کو کانوں کان بھی پتا نہیں چل سکے گا کہ مجھ پر کیا گزری ہے۔"

"اس کا تمام تر انحصار تمہارے اپنے رویے پر ہوگا۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "تم نے شرف آباد والے فلیٹ سے پٹھان کالونی اور وہاں سے لانڈھی منتقلی کے بارے میں اسے جو کہانی سنائی' وہ خاصی اثر انگیز تھی۔ اس طرح تم نے اس کے ذہن میں اپنے فرضی دشمنوں کا ہوّا کھڑا کر دیا ہے۔ ان فرضی دشمنوں کی آڑ لے کر سلطان شاہ' آرنیٹ کی قیام گاہ سے قریب ترین' کسی محفوظ مقام تک تمہارا پیچھا کر سکتا ہے اور تم بھی آرنیٹ کو بتا سکتی ہو کہ تم اپنا تعاقب کرنے والے کو بڑی مشکل سے جُل دے کر اس کے گھر تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی ہو۔"

"اگر تمہارے لئے اس کے آئندہ عزائم سے آگاہ ہونا اسی قدر ضروری ہے تو میں اس مشن کی خاطر یہ خطرہ بھی مول لینے کے لئے تیار ہوں لیکن ان تمام کارروائیوں میں تمہیں یہ بات ذہن نشین رکھنی ہوگی کہ میں نہ پاکستانی ہوں اور نہ تمہارے ملک کی نمک خوار۔ میری اصل منزل اب شی پر قبضہ کرنا ہے۔ میں اپنے باپ کو اس کی زندگی ہی میں معزول کر کے اس کی مسند پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہی ہوں تاکہ ایک دن وہ مجبور ہو کر خود کو میرا باپ تسلیم کرنے پر آمادہ ہوجائے۔"

"فی الحال شی ہمارے معاشرے کی رگوں میں ہیروئن کا زہر پھیلانے کی کوشش کر رہی ہے۔" میں نے گمبھیر سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اگر تم وعدہ کرو کہ شی کے اقتدار پر قابض ہونے کے بعد تم شی کی ترجیحات کو بدل دو گی اور پاکستان سے حاصل ہونے والی سو فیصد ہیروئن ہمارے ملک سے باہر لے جاؤ گی تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے پورا پورا تعاون کیا جائے گا۔"

"تم خریداری اور باہر اسمگلنگ کے طویل المیعاد معاہدے کرنے پر آمادہ ہو جاؤ تو میں قبائلی مَلکوں اور خانوں سے بات کر کے آزاد علاقے میں ہیروئن سازی کی دس بیس نئی فیکٹریاں کھڑی کرادوں گا جو صرف تمہارے لئے کام کریں گی۔" سلطان شاہ نے معاملات پوری ہوتے ہی پیشکش کی۔

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ اگر مجھے آرنیٹ کے پاس بھیجنا ہے تو تمہیں پہلے اپنے دوست سے چپ لانا ہوگا۔ اس کے بغیر میں آرنیٹ کا رخ نہیں کر سکتی۔" اس نے سلطان شاہ سے کہا۔

"لیکن تم خود شربت خان کے پاس نہیں جاؤ گے۔" میں نے تنبیہ کے ساتھ کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اس علاقے کی نگرانی کرنے والے بدمعاشوں میں سے کوئی تمہیں بھی جانتا ہو۔ اپنے کسی معتبر کارندے کے ذریعے شربت خان سے چپ منگوالو۔"

"چپ یہاں آئے گا تو یہ مکان بھی آرنیٹ کی نظروں میں ابھر آئے گا۔" غزالہ کی آواز پُرتشویش تھی۔

"ہمیں چپ کے ذریعے نشان دہی کا طریقہ معلوم ہے اس لئے ہم آرنیٹ کی نگاہوں سے بچے رہیں گے۔ چپ آدھے گھنٹے سے زیادہ یہاں نہیں رہے گا۔ اس طرح آرنیٹ کو اتنا وقت ہی نہیں مل سکے گا کہ وہ اپنے اسکینر پر اس علاقے کا تعین کر کے اپنے کسی آدمی کو یہاں بھیج سکے اور وہ اپنے دستی آلے کی مدد سے ہم تک پہنچ سکے۔ اس سے پہلے ہی چپ یہاں سے کہیں اور منتقل کردیا جائے گا اور آرنیٹ ہمارا سراغ نہیں پاسکے گا۔"

"وہ علاقے کا تعین بھی نہ کر سکے تو زیادہ بہتر ہوگا۔" غزالہ نے اپنی رائے پیش کی۔ "گرینڈ ہوٹل کے کمرے ابھی تک تمہارے پاس ہیں۔ یہ کام وہیں کیوں نہ انجام دیا جائے؟"

اس کی بات معقول تھی اس لئے ہم تینوں نے فوراً ہی اسے تسلیم کرلیا۔

طے یہ پایا کہ سلطان شاہ اسی وقت ویرا کے ساتھ گرینڈ ہوٹل چلا جائے۔ ویرا کو وہاں چھوڑ کر وہ چپ کی بازیابی کی مہم پر روانہ ہوجاتا۔ چپ حاصل کرنے کے بعد وہ دوبارہ گرینڈ ہوٹل واپس آتا۔ ویرا چپ لے کر ایک ٹیکسی میں آرنیٹ کے گھر کی طرف روانہ ہوجاتی اور سلطان شاہ جہانگیر کی اس چھوٹی کار میں اس کا تعاقب شروع کر دیتا جو میں اسی وقت اس کے حوالے کر رہا تھا۔ ان دونوں کی واپسی گرینڈ ہوٹل ہی میں ہونی تھی۔

"تو یہ کہو کہ ہم دونوں کو دھندے سے لگا کر تم کچھ وقت غزالہ کے ساتھ تخلیئے میں گزارنا چاہتے ہو۔" ویرا نے وہ معاملات طے ہونے پر ایک بلند آہنگ قہقہہ لگا کر کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی۔ حیا سے اس کا چہرہ گلنار ہوگیا تھا۔

ویرا کا اگلا تبصرہ خاصا جارحانہ تھا جس کا جواب دینا غزالہ کے بس سے باہر تھا اس لئے وہ شرمسارانہ انداز میں ڈرائنگ روم سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔

شہر کی فضا پر رات کا اندھیرا گہرا ہو چلا تھا اور میری ایماندارانہ رائے یہ تھی کہ ویرا کو ڈھلتی ہوئی رات کا سناٹا پھیلنے سے پہلے اپنے مشن سے لوٹ آنا چاہئے۔ اس لئے میں نے اُس کی ہرزہ سرائی کی پروا کئے بغیر اسے فوری طور پر سلطان شاہ کے ساتھ وہاں سے روانہ کردیا۔

حقیقت یہ تھی کہ اس وقت میرے ذہن پر سیٹھ حبیب جیوانی اور مسز جیوانی کا مسئلہ سوار تھا جس سے ویرا یکسر بے خبر تھی اور میں تخلیہ میسر آنے پر اس مسئلے کا کوئی حل تلاش کرنا چاہتا تھا۔

اپنی غیر حاضری کے دوران میں سینڈو اور مافیا کے دوسرے اراکین سے میرا رابطہ سرے سے منقطع رہا تھا اور مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ اس محاذ پر کیا صورتِ حال تھی۔

میں ڈان تھری کی سفارش پر مافیا میں شامل ہو کر اتنی تیزی کے ساتھ اوپر آیا تھا کہ سیٹھ حبیب جیوانی کے برے دنوں میں مقامی مافیا کی سربراہی مجھے سونپ دی گئی تھی۔ میری وہ سرخروئی سیٹھ

حبیب جیوانی کو ایک آنکھ بھی نہیں بھاتی تھی اور وہ میرے وجود کو اپنے اقتدار کے لئے خطرہ سمجھ کر میرے خلاف در پردہ ریشہ دوانیوں میں مصروف ہوگیا تھا۔ بظاہر وہ میرا خیر خواہ بنا ہوا تھا لیکن اس کے دل میں میری طرف سے کینہ پروان چڑھ رہا تھا۔

ایک طرف وہ مجھے ڈھیل دے رہا تھا اور میں کچھ اس کی نرمی، کچھ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ٹریڈلائن کے دفتر سے کافی عرصے سے غائب تھا۔ اور وہ میری اسی غیر حاضری کو سپرڈان یا ڈان تھری کے سامنے میری غیر ذمے داری کے ثبوت کے طور پر پیش کرنا چاہتا تھا۔ اس کی ان ہی مکارانہ سرگرمیوں کی وجہ سے میں نے اس کی بیوی کو اغوا کیا تھا تاکہ وہ ذہنی پراگندگی کا شکار ہونے کی وجہ سے میرے خلاف سوچنے کے قابل نہ رہ سکے۔

اس طرف کی خبریں حاصل کرنے کے لئے میں نے ٹریڈلائن کا نمبر ملایا لیکن دوسری طرف سے سینڈو کے بجائے کسی اور کی آواز سن کر مجھے سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ بولنے والے نے بتایا کہ سینڈو کی واپسی کے بارے میں وہ وقت کا کوئی تعین کرنے سے قاصر تھا۔ میں نے سیٹھ حبیب جیوانی کو بتایا ہوا تھا کہ میں ملک کے شمالی علاقے میں اپنے ایک بزرگ رشتے دار کے گھر پر صاحب فراش تھا اس لئے میں نے سینڈو کے لئے کوئی پیغام چھوڑے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

میری اگلی فون کال سیٹھ حبیب جیوانی کے لئے تھی۔ وہ گھر پر موجود تھا اور دوسری طرف سے اسی نے ریسیور اٹھایا تھا۔

"کیا حال ہے چیف؟" میں نے اس کی آواز پہچانتے ہی بے تکلفی کے ساتھ سوال کیا۔

"اوہ' ڈیبی؟" اس کی تحیر زدہ' اضطراری آواز ابھری۔ "تم کہاں سے بول رہے ہو؟"

"ملتان کے ایک ہوٹل سے بول رہا ہوں۔ کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان معلوم ہو رہے ہو؟"

"ہاں' پریشان تو ہوں۔ لیکن تم ملتان کیسے پہنچ گئے؟ تم تو شمالی علاقے میں اپنے کسی عزیز کے گھر پر بیمار پڑے ہوئے تھے اور سفر کرنے سے یکسر معزور تھے۔"

"غیر معینہ مدت کے لئے تو کسی کے گھر بیمار بھی نہیں پڑا جاسکتا۔ میں نے اب واپسی کا سفر قسطوں میں شروع کیا ہوا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "ملتان میں میرا پہلا پڑاؤ ہے۔ اگلی منزل صادق آباد یا سکھر میں ہوگی۔ دو تین روز میں' میں کراچی واپس لوٹ آؤں گا۔ اپنے شہر سے دور رہ کر بیماری بھی زیادہ پریشان کرنے لگی ہے۔"

"تو کیا تم ٹرین سے سفر کر رہے ہو؟" اس نے حیرت کے ساتھ سوال کیا تھا۔

"مجبوری ہے۔" میں نے کمزور آواز میں کہا۔ "صحت کی خرابی کی بنا پر ڈاکٹروں نے فضائی سفر سے روکا ہوا ہے ورنہ میں تو کئی دن پہلے کراچی آچکا ہوتا۔ تم نے ابھی تک اپنی پریشانی کے اسباب پر لوئی بات نہیں کی۔"

"میرے تمام آدمی الو کے پٹھے ہیں۔ اس وقت میں بڑ[ی] شدت کے ساتھ تمہاری کمی محسوس کر رہا ہوں۔ کئی دن پہلے می[ری] بیوی کو میرے گھر سے اغوا کرلیا گیا تھا۔ سینڈو اپنے آدمیوں [کے] ساتھ دن رات جھک مارنے کے باوجود اس کا کوئی سراغ نہی[ں] لگاسکا ہے۔ تم خود سمجھ سکتے ہو کہ جو شخص اپنی بیوی کی حفاظت کرسکے' اس کے بارے میں ڈان کی کیا رائے ہوگی۔"

"تو کیا کوئی ڈان کراچی میں آیا ہوا ہے؟" میں نے معص[وم] لہجے میں سوال کیا۔

"وہی پرانی کہانی ہے۔" اس کے لہجے سے بے زاری ع[یاں] تھی۔" ابھی تک تو کوئی نہیں آیا لیکن کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کر[ب] کون سا ڈان ہمارے سروں پر سوار ہوجائے۔ کسی کے آنے [سے] پہلے میں اپنی بیوی تک پہنچنا چاہتا ہوں۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ڈان یہاں آکر مدر مافیا کے کا[ر] ہرکاروں کو بھی تمہاری بیوی کی تلاش پر مامور کردے۔ وہ تمہ[اری] بیوی ہونے کے ساتھ ہی ایک مافیا چیف کی بھی بیوی ہے۔ ا[س کا] اغوا مقامی اور مرکزی تنظیم کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے۔ نقاہ[ت کی] وجہ سے میں ایک دو دن کے لئے ملتان میں آرام کرنا چاہ رہا تھ[ا] حکم دو تو میں پہلی ٹرین سے کراچی کے لئے روانہ ہوسکتا ہوں۔ [شہر] میں گنے چنے پیشہ ور لوگ ہیں جو اس واردات میں ملوث ہ[و سکتے] ہیں۔ ان ہی سے چھیڑ چھاڑ کرکے کوئی کام کی بات اگلوائی ج[اسکتی] ہے۔ تمہاری بیوی میں جرائم کی دنیا سے باہر کا کوئی آدمی [دلچسپی] نہیں لے سکتا۔"

"یہی چھوٹی سی بات سینڈو کی کھوپڑی میں نہیں سما رہی۔" میری ہمدردانہ قیاس آرائی سنتے ہی وہ مکارِ اعظم ایک دم پھٹ [پڑا۔] "وہ ہر روز پُراعتماد یقین دہانیاں کراتا ہے اور رات کو منہ ا[ٹھا کر] ناکامی کا اعلان کردیتا ہے۔"

"تم برا نہ مانو تو ایک امکان اور بھی ہے۔" میں نے م[عذرت] خواہانہ لہجے میں ابتدا کی اور اس کی اجازت کا انتظار کئے [بغیر] زہریلا تبصرہ جاری رکھا۔ "اگر تمہاری بیوی کسی کے عشق [میں مبتلا] تھی اور اُس کے ساتھ بھاگ گئی ہے تو سینڈو کیا' میں خود بھ[ی کچھ نہیں] کرسکوں گا لیکن اس بارے میں تم ہی کچھ کہنے کی پوزیشن می[ں ہو۔"]

مافیا کے مقامی بیورو کا چیف' اس وقت ایک پٹا ہوا [مہرہ تھا۔] عام حالات میں وہ شاید مجھے اس موضوع پر لب کشائی کی ا[جازت] بھی نہ دیتا لیکن اس وقت وہ میری دی ہوئی اس تنگ گلی [سے بڑی] آسانی کے ساتھ نکل گیا۔

"کم از کم میں اُس کے کسی عاشق کے وجود سے واقف [نہیں] ہوں۔" ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز سنائی د[ی۔]

"اس نے ہر برے وقت میں جس طرح میرا ساتھ دیا ہے ا[س کی بنا] پر میں نے کبھی بھی اس پر نظر رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ ا[گر اس نے] میری چشم پوشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ا[پنی] [illegible]



محبت کی پینگیں بڑھائی ہوں تو میں اس سے لاعلم ہوں۔"

اس وقت اس موذی کی تھوتھنی میری جوتی تلے آگئی تھی اس لئے میں اس کے ساتھ کوئی رعایت کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں نے اس کی انا کو تہس نہس کرنے کی نیت سے کہا۔ "میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا لیکن تم بتاتے ہو کہ وہ حسین' جوان اور خوش بدن عورت ہے۔ جب تک تم جرمنی میں سزا بھگتتے رہے' وہ یہاں ایک فلیٹ میں تنہا رہتی رہی۔ جوان' حسین اور دلکش عورتوں کے لئے اتنی طویل تنہائیاں عذاب ثابت ہوتی ہیں اور وہ جلد ہی کہیں نہ کہیں' کسی نہ کسی آشنا کے سامنے سر ڈال دیتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہجر کے دنوں کا وہ گناہ' اب اس کے گلے پڑ گیا ہو اور وہ اسی کے ساتھ نکل گئی ہو۔"

میری بات مکمل ہوگئی تھی لیکن وہ سمجھا کہ میرے کچوکے شاید جاری رہیں گے اس لئے وہ بے ساختہ بول اٹھا۔ "بس ڈیبی' اب چپ ہوجاؤ۔ تم تو یہ سب اس طرح بتا رہے ہو جیسے تم اس کے محرم راز رہے ہو۔ وہ بری یا بھلی' جیسی بھی تھی' میری بیوی تھی۔ اور میں اسے' زندہ یا مردہ' ہر حالت میں اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے' چیف!" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں کراچی پہنچتا ہوں۔ پھر دیکھوں گا کہ تمہاری بیوی کی تلاش کے سلسلے میں' میں کیا رول ادا کرسکتا ہوں۔"

میرا ہاتھ اس کی دُکھتی ہوئی رگ پر پڑ گیا تھا' وہ تلملا اور بلبلا کر اس موضوع سے بھاگنا چاہ رہا تھا لیکن میں اسے گھیر گھار کر اسی موضوع میں الجھا کر ذلیل کئے جارہا تھا اس لئے ہماری گفتگو زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکی اور میں نے فون کا سلسلہ منقطع کرکے ایک سگریٹ سلگائی اور صوفے پر پاؤں پسار کر دراز ہوگیا۔

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔" غزالہ کی ملامت آمیز آواز سن کر میں چونک پڑا۔ وہ میری لاعلمی میں نہ جانے کس وقت ڈرائنگ روم میں آکر ایک گوشے میں بیٹھ گئی تھی۔

"کس بارے میں رائے زنی کی کوشش کر رہی ہو؟" میں نے پہلو بدل کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے' تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"تم نے حبیب جیوانی کے دل میں اس کی بیوی کی طرف سے بدگمانی کا بیج بو کر اچھا نہیں کیا۔"

"میں سوچے سمجھے بغیر کوئی لفظ اپنی زبان سے نہیں نکالتا۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر دھوئیں کے مرغولے اگلتے ہوئے کہا۔ "وہ پہلے گناہ گار رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن اب وہ جس شوق کے ساتھ جہانگیر کے ساتھ کھیل رہی ہے' اس کی بنا پر اُسے ہر الزام دیا جاسکتا ہے۔ وہ کھل کر اپنے شوہر سے بے وفائی کی مرتکب ہو رہی ہے۔"

"لیکن وہ ہماری قیدی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حالات سے سمجھوتے کے تحت وہ جہانگیر کی چیرہ دستیاں برداشت کر رہی ہو تاکہ جلد از جلد رہائی حاصل کرسکے۔" [illegible]

"مجھے چکر دینے کی کوشش نہ کرو۔ اس سے پہلے تم خود مجھے بتا چکی ہو کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مار دھاڑ کرنے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش رہتے ہیں۔" میں نے قدرے ترشی کے ساتھ کہا۔

"پھر اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" غزالہ نے بحث جاری رکھنے کے بجائے سوال کیا۔

"خانم سے ملاقات کروں گا۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس وقت تک میرے ذہن میں اس خاتون سے ہونے والی پوری گفتگو کا ایک خاکہ مرتب ہوچکا تھا اور میں اس کے سنگین نتائج سے بھی پوری طرح آگاہ تھا۔ ان نتائج کی بھنک مل جانے پر غزالہ کسی بھی قیمت پر مجھ سے اتفاق نہ کرتی لیکن میرے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا تھا۔

میں نے مسز جیوانی کی خواب گاہ کے ہضمی قفل میں چابی گھمائی تو میں اس کی طرف سے کسی بھی ناخوشگوار ردِ عمل کا مظاہرہ برداشت کرنے کے لئے تیار تھا لیکن دروازہ کھلنے تک کچھ بھی نہیں ہوا۔ دروازہ کھلا تو میں نے دیکھا کہ وہ سامنے ہی' پُرتکلف بستر پر پورے سنگھار کے ساتھ دراز تھی اور اس کی پُرشوق نگاہیں کھلتے ہوئے دروازے پر مرکوز تھیں۔ اس کے اطمینان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت دروازے پر کسی شناسا چہرے کی جھلک دیکھنے کی توقع کر رہی تھی جو میری دانست میں جہانگیر کے سوا اور کون ہوسکتا تھا؟

مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ ہڑبڑا کر بستر سے اتری اور اپنا لباس درست کرتے ہوئے غصے سے مجھے گھورنے لگی۔

اسے قدرت نے دلکش خدوخال کے ساتھ سرخ و سفید رنگت سے نوازا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی' اس کے بشرے پر غصے کی وجہ سے جو تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کی وجہ سے غزالہ کے قیاسات کی فوری تائید ہوگئی کیونکہ مسز جیوانی کے دہکتے ہوئے رخساروں پر نیل اور خراشوں کے نشانات بہت نمایاں تھے جن کی ایجاد میں جہانگیر کے علاوہ کسی اور کا دخل نہیں ہوسکتا تھا۔

میں نے اس شعلۂ بداماں خاتون سے نگاہیں چار ہوتے ہی' اپنے سر کو خم دے کر اسے تعظیم پیش کی۔

"تم پھر آگئے؟" اس نے مجھے قہربار نگاہوں سے گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ہاں مادام!" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "جب تک تم یہاں گلچھرے اڑا رہی ہو' میں تمہاری نگرانی کرنے پر مجبور ہوں کیوں کہ اس وقت تم میری ہی تحویل میں ہو۔"

"لل... لیکن جہانگیر نے تو بتایا تھا کہ اب تم درمیان سے ہٹ چکے ہو اور میری دیکھ بھال کی ذمے داری اس پر آگئی ہے۔" میرے انکشاف پر اس نے قدرے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ بہت ندیدا اور خود غرض آدمی ہے۔" میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ "اس نے تمہیں رام کرنے کے لئے یہ کہانی تراش لی

ہوگی ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ابتدا سے اس لمحے تک تم میری ہی تحویل میں رہی ہو۔"

"لیکن اتنے طویل وقفے کے بعد تم کیوں آئے ہو؟ میں تمہاری منحوس صورت نہیں دیکھنا چاہتی۔ جہانگیر تم سے کہیں زیادہ شریف اور قابلِ اعتماد آدمی ہے۔" وہ جھلّائے ہوئے، غصیلے لہجے میں غرائی۔

"میرا نام پیڈرو ہے مادام!" میں نے دانت نکال کر سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "جہانگیر عورتوں سے ہٹ کر لطف اندوز ہوتا ہے اور میں ان کی بوٹیاں تل کر کھانے میں لطف محسوس کرتا ہوں۔ تم نے جہانگیر کے ساتھ خاصا وقت گزار لیا ہے۔ اس کی سعادت مندی کے سامنے تم اپنے سیاہ کار شوہر کو بھی بھول بیٹھی ہو اس لئے میں تمہیں یہ یاد دلانے آیا ہوں کہ اب تمہاری واپسی کا وقت قریب آگیا ہے تم کو یہاں سے اپنا بستر بوریا سمیٹ لینا چاہئے۔"

"تم جو کوئی بھی ہو، اول درجے کے خبیث اور بدمعاش ہو۔" وہ تنک کر بولی۔ "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم نے مجھے کیوں اغوا کرایا تھا اور اب کیوں رہا کرنے پر آمادہ ہوگئے ہو؟"

"سیدھی سی بات ہے کہ جہانگیر تمہیں دیکھ کر تمہارے سوکھے عشق میں مبتلا ہوگیا تھا۔ دوسری طرف مجھے سیٹھ حبیب جیوانی کی کسی دُکھتی رگ کی تلاش تھی، اس لئے میں نے جہانگیر کے عشق کے سوکھے پودے کی جڑوں کو تمہارے دلکش وجود کی نمی سے سیراب کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اب جہانگیر کے ارمان بھی پورے ہوچکے ہیں اور میرا کام بھی بن گیا ہے۔"

وہ واقعی خاصی غصہ ور عورت تھی۔ اس نے سائیڈ ٹیبل سے پرفیوم کی ایک شیشی اٹھا کر میری طرف دے ماری۔ میں اس کی طرف سے پہلے سے ہوشیار تھا مگر پھر بھی اپنا سر بچا لینے کے باوجود میں فضا میں اڑ کر آتی ہوئی اس شیشی کو لپکنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ شیشی دیوار سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہوگئی اور خوابگاہ تیز خوشبو میں نہا گئی۔

"تمہارا کیا کام بنا ہے؟" اس نے غراتے ہوئے سوال کیا۔ "جب تک میں تمہارے مکروہ عزائم نہیں جان لوں گی، میں اس گھر سے باہر قدم نہیں رکھوں گی۔ تم دیکھو گے کہ میرا اغوا تمہیں مہنگا پڑے گا۔"

"اس کا مجھے پورا اعتراف ہے۔" میں نے خلوص کے ساتھ کہا۔ "ان چند دنوں میں جہانگیر کی صحت گر گئی ہے۔ اس کی پیشانی پر ایک ابھار طلوع ہوچکا ہے۔ اس گھر کے اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں۔ مزید تشویش کی بات یہ ہے کہ تم اب آسانی کے ساتھ جہانگیر کا پیچھا چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہو۔ اگر مجھے یقین ہو کہ میرے عزائم سے واقف ہونے کے بعد تم یہاں سے چلی جاؤ گی تو میں ابھی بلکہ اسی وقت تمہیں اپنا ہمراز بنانے پر آمادہ ہوں......"

"تم .... الو کے پٹھے....." غصے اور بے بسی کے ملے جلے جذبات سے اس کی آواز بھرا گئی۔ "تمہیں معلوم ہے کہ میں یہاں قیدی ہوں، اپنی مرضی سے نہیں رہ رہی ہوں۔ اور تم پھر بکواس کئے جارہے ہو۔ جس طرح تم مجھے میری مرضی کے بغیر یہاں لائے ہو، اسی طرح میری مرضی کے بغیر مجھے باہر پھنکوا بھی سکتے ہو۔"

"اس گھر کے کچھ اصول ہیں۔ یہاں مہمان اپنی مرضی سے آتا ہے اور ہماری مرضی سے واپس جاتا ہے۔ جب کہ قیدی ہماری مرضی سے آتا ہے اور اپنی مرضی سے واپس جاتا ہے۔ ہم دو طرفہ زبردستی کے قائل نہیں ہیں۔ تمہیں یہ جان کر خوشی ہوگی کہ تم نے یہاں جو وقت بھی گزارا ہے، وہ ویڈیو کے طلسماتی فیتے پر محفوظ کرلیا گیا ہے۔ یہاں سے جاتے ہوئے، چار ویڈیو کیسٹ یادگار کے طور پر تمہیں بھی دیے جائیں گے تاکہ تم اپنے فلیٹ کی کربناک تنہائی میں ان متحرک یادوں سے لطف اندوز ہوسکو۔ اگر سیٹھ حبیب جیوانی ہمارے کسی مطالبے سے منحرف ہونے کی کوشش کرے گا تو ہم تمہاری مدد اور تعاون کے خواستگار ہوں گے۔ جس دن تم اس سے اپنی بات منوانے میں کامیاب نہ ہوسکیں، اس دن ہم یہ تمام ویڈیو کیسٹ اس کی خدمت میں بھی ارسال کردیں گے۔ وہ ویسے بھی ان دنوں اس آدمی کی تلاش میں ہے جو اس کی جرمنی میں قید کے دوران میں تمہاری تنہائیوں کے زخم پر مرہم رکھتا رہا تھا۔"

اس عورت پر میرے الفاظ کا ردِعمل حیرت ناک حد تک شدید ثابت ہوا۔ ویڈیو کا ذکر آتے ہی اس کا چہرہ دھواں ہوگیا اور آنکھیں فرطِ حیرت سے کشادہ ہو کر پیشانی پر جا چڑھیں۔ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ نقاہت زدہ انداز میں ڈبل بیڈ کے ایک کنارے پر ٹک گئی۔ اپنے سولہ سنگھار کے باوجود، وہ پل بھر میں برسوں کی بیمار نظر آنے لگی تھی۔

"تت.... تو.... کیا جہانگیر بھی میرے ساتھ اداکاری کر رہا تھا؟" اس کے دہانے سے نحیف و نزار سی آواز برآمد ہوئی۔ "اسے معلوم تھا کہ ہم دونوں کی ویڈیو فلم بنائی جارہی ہے؟"

"میں تو سیدھا سادہ، بدمعاش آدمی ہوں۔" میں نے اسے خوف زدہ کرنے کے لئے دانستہ وہ کنجلک فقرہ استعمال کیا۔ "میں تمہیں مار پیٹ کر راہِ راست پر لانا چاہتا تھا لیکن جہانگیر تمہیں دیکھتے ہی، تم پر فدا ہوگیا۔ یہ آئیڈیا اسی کا تھا کہ میں تمہیں اس کے حوالے کردوں اور پھر تیل کی دھار دیکھوں۔ میں نے ایک کیسٹ کے کچھ حصے دیکھے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس نے اپنا کام بحسن و خوبی سرانجام دیا ہے۔ ان کی وجہ سے تم سیٹھ حبیب جیوانی کو ہمارا بے دام غلام بنانے میں پوری طرح تعاون کرتی رہو گی۔"

"یعنی تم مجھے بلیک میل کا مواد اکٹھا کرنے کے لئے اغوا کرکے یہاں لائے تھے؟" اس نے بے یقینی کے ساتھ نقاہت زدہ آواز میں کہا۔ "یہ گھناؤنا امکان تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔"

"ہر چھوٹا جرم ہمیشہ کسی بڑے جرم کی بنیاد بنتا ہے۔ تمہیں اغوا ہوتے ہی یہ سمجھ لینا چاہئے تھا کہ ہمارے مقاصد کچھ اور ہیں۔ تم سب کچھ بدل سکتی تھیں لیکن اپنی جبلت کو بدلنا تمہارے بس سے باہر تھا۔ حبیب جیوانی کے ساتھ تم ایک دلی ٹھگی، سعادت مند ہو تھیں۔ جہانگیر چٹنے اور خوش رہنے والے فرماں بردار عاشق کے روپ میں سامنے آیا تو تمہاری دبی ہوئی خواہشات کھل کر سامنے آگئیں۔ بنیادی طور پر تم شوخ اور دھول دھپّے میں خوش رہنے والی عورت تھیں اس لئے ہمیں اپنی ویڈیو فلم کے لئے ضرورت سے زیادہ مواد مل گیا اس لئے اب تمہیں قید رکھنا بے سود ہے۔"

"نہیں.... یہ نہیں ہوسکتا۔" وہ دھیمی، ہذیانی آواز میں بڑبڑائی۔ "میری ویڈیو حبیب کے سامنے نہیں آسکتی۔"

"ہرگز نہیں آئے گی۔" میں نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔ "اگر تم اپنا کام خوش اسلوبی کے ساتھ کرتی رہیں تو یہ فلم حبیب کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکے گی۔ اس فلم کو اس کے علم میں لانا یا نہ لانا تمہارے اختیار میں ہوگا۔"

"یہ بہت مشکل کام ہے۔" وہ بڑبڑائی۔ "میں اس سے جتنی رقم مانگتی ہوں، وہ بلا کسی تعرض مجھے دے دیتا ہے۔ میں یہ ذمے داری قبول نہیں کرسکتی۔ تم جتنی رقم چاہو، وہ مجھ سے لے سکتے ہو۔ اپنے معاملات میں وہ رازداری کا قائل ہے۔ بہت سی باتیں میرے علم میں ہی نہیں آتیں اور آ بھی جائیں تو وہ اپنے کاروباری معاملات میں بہت ضدی طبیعت کا مالک ہے۔ جو من میں آتا ہے وہی کرتا ہے۔ میری کسی بات پر کان نہیں دھرتا۔"

"وہ تمہارا شوہر ہے۔ اس سے نمٹنا تمہارا اپنا مسئلہ ہے۔" میں نے سرد مہری اور بے رخی کے ساتھ کہا۔ "اگر وہ اتنا سرکش ہے کہ اپنی بیوی کی بات بھی نہیں مانتا تو میں ان ویڈیو کیسٹوں کے ذریعے اس کی خانگی زندگی کو جہنم بنا دوں گا۔ تذلیل اور بدترین شکست کا احساس اسے آخر کار میرے قدموں میں ڈال دے گا۔"

"ہوسکتا ہے کہ یہ فلمیں بھی اس کے فیصلوں پر اثر انداز نہ ہوسکیں؟" اس نے مستفسرانہ لہجے میں کہا۔ "تمہیں علم ہوگا کہ وہ مافیا چیف ہے۔ اور مافیا کے عہدے دار جان دے کر بھی اپنے رازوں کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔"

"اسی وقت تک جب تک ان کے شریکِ زندگی کا کردار بے داغ ہو۔" میں نے اس کی بات مکمل ہوتے ہی ٹکڑا لگایا۔ "تمہاری کمزوریوں کا علم ہوتے ہی وہ عفریت اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائے گا۔ اگر ان ویڈیو فلموں کے ٹوٹے چند بدنام سینماؤں کو دے دیے گئے تو وہ کہیں بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ ہم اس جیسے خودسر لوگوں کو اپنے قدموں میں جھکانا جانتے ہیں۔"

"یہ کن ٹوٹوں کی بات ہو رہی ہے؟" مجھے اپنے عقب میں جہانگیر کی تحیر زدہ آواز سنائی دی۔ شاید وہ اسی وقت وہاں پہنچا تھا اس لئے پوری گفتگو سے لاعلم تھا۔

"اوہ، جہانگیر،" اس کی آواز سن کر مسز جیوانی تڑپ کر بستر سے اٹھی تھی۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اس قدر ذلیل اور کمینے ہو کہ مجھ سے محبت کا سوانگ رچا کر چوری چھپے میری فلمیں بناؤ گے اور پھر تمہارا یہ ساتھی ان فلموں کے سہارے مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کرے گا۔ تم دونوں بہت گھٹیا اور ناقابلِ اعتماد آدمی ہو۔"

اس کی بات سن کر جہانگیر بھونچکا رہ گیا۔ اس نے سٹپٹائے ہوئے انداز میں میری طرف دیکھا لیکن غنیمت یہ تھا کہ اس نے مسز جیوانی کے ایک ہی مکالمے سے پوری بات سمجھ لی تھی۔

"میرا کام تم سے عشق لڑانا تھا۔ تم اس بات کی گواہ ہو کہ میں جب بھی تم سے ملا، پورے ذوق و شوق سے اپنے کام میں مصروف رہا۔" اس نے مسز جیوانی کا کوئی لحاظ کئے بغیر نہایت ڈھٹائی کے ساتھ کہا۔ "اس سے آگے جو کچھ ہوا، اس میں میرا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ فلم سازی جیسے گھٹیا کام پیڈرو کے ذمے تھے۔"

جہانگیر کا لاتعلقانہ رویّہ دیکھ کر مسز جیوانی مایوسی کے ساتھ دوبارہ بستر پر بیٹھ گئی اور اس کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو ڈبڈبانے لگے۔ وہ اس وقت خود کو اپنے ہی بچھائے ہوئے جال میں پھنسا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

"تم روانگی کی تیاری کرلو۔ آج رات تم اپنے شوہر کی چھت کے نیچے بسر کرو گی۔" میں اسے آخری ہدایت دیتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ جہانگیر میرے ساتھ ہی اس کمرے سے باہر آیا تھا لیکن پوری صورتِ حال کا ادراک ہوتے ہی اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"کیا تم نے واقعی کوئی ویڈیو فلم بھی بنائی ہے؟" اس نے بوکھلائے ہوئے، رازدارانہ لہجے میں مجھ سے سوال کیا تھا۔

"وہ ایک بلف تھا جو چل گیا۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "دراصل میں اپنے حلق کی اس چھچھوندر سے چھٹکارا پانے کا فیصلہ کرچکا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ فلم کی دھمکی کے بعد یہ اپنے شوہر کے سامنے اپنی زبان نہیں کھولے گی۔"

"اس کی حالت بتا رہی تھی کہ تم اس کے ساتھ بہت سختی اور بے دردی کے ساتھ پیش آئے ہو۔ وہ ایک معزز خاندان کی حساس عورت ہے۔ اگر تمہاری اجازت ہو تو میں تھوڑی دیر کے لئے اس کی دل جوئی کرلوں۔"

"ہرگز نہیں۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "اب تمہارا سایہ بھی اس کے قریب نظر آیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ تم پانچ منٹ میں میرے سارے کئے دھرے پر پانی پھیر دو گے۔ عورتوں بلکہ خوبصورت عورتوں کے آنسو تمہیں بہت تیزی کے ساتھ ہوش و خرد سے بیگانہ کردیتے ہیں۔ تم اس سے دور رہو گے۔"

"اس پر میرا امپریشن خراب ہوجائے گا۔" وہ مایوسی کے ساتھ سر جھکا کر بولا "میں اسے تخلیئے میں صرف اتنی سی بات سمجھانا چاہ رہا تھا کہ اس کے ساتھ پیش آنے والے ناخوشگوار واقعات میں میرا کوئی دخل نہیں ہے۔"

"وہ تمہاری منگیتر یا بیوی نہیں ہے جو تم اپنے بارے میں اس کی رائے کی طرف سے اتنے فکرمند ہو۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "یہاں سے گلو خلاصی ہونے کے بعد وہ شاید تمہیں پہچاننے سے بھی انکار کردے گی۔"

"میں بھی اسی بات کا خواہش مند ہوں۔" اس نے پھرتی کے ساتھ میری تائید کرتے ہوئے کہا۔ "اس کا میاں' مافیا کا چیف ہے۔ اگر اس نے میری نشان دہی کر دی تو وہ میری کھال کھینچ کر اس میں بھُس بھروا دے گا۔"

جہانگیر کا وہ تبصرہ اس قدر بے ساختہ تھا کہ میں' نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسنے پر مجبور ہو گیا۔

"میں نے تم دونوں کی ویڈیو فلم کا چکر اسی لئے چلایا ہے کہ مسز جیوانی کے ذہن پر اپنی بدنامی کا دباؤ رہے اور وہ ہم لوگوں کے بارے میں اپنی زبان کھولنے کی ہمت نہ کر سکے......"

"لیکن ویڈیو فلم سے اس کی صحت پر کیا اثر پڑے گا؟" جہانگیر نے دبے دبے الفاظ میں احتجاج کیا۔ "ان چند دنوں میں میرے اور اس کے تعلقات رسمی اور واجبی سے ہی رہے ہیں۔"

"بلاوجہ پارسائی جھاڑنے کی کوشش نہ کرو۔" میں نے اسے پھٹکار دیا۔ "تم دونوں کے سارے کرتوت میرے علم میں ہیں۔ اگر تم دونوں کے تعلقات واجبی تھے تو پھر تمہاری پیشانی پر گومڑ کس نے ایجاد کیا ہے؟"

وہ غیر ارادی طور پر اپنی پیشانی سہلاتے ہوئے' خفّت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا "اس نشان کا مسز جیوانی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دفتر میں میرا سر دروازے سے ٹکرا گیا تھا۔"

میں نے بات بڑھانے سے گریز کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی۔ جہانگیر اپنی جھینپ مٹانے کے لئے اپنے کمرے کی طرف چل دیا اور میں غزالہ کی خواب گاہ کی طرف ہو لیا۔

سکھر کے واقعات کے بارے میں غزالہ کے ذہن میں بہت سے تشنہ سوالات موجود تھے جن کے بارے میں اس نے زبان نہیں کھولی تھی۔ اس وقت تخلیہ میسر آتے ہی اس نے یکے بعد دیگرے سوالات کرنے شروع کر دیئے اور میں' بستر پر دراز ہو کر اس کی دلچسپ جرح سے لطف اندوز ہونے لگا۔

ہمیں باتیں کرتے ہوئے چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ ایک دبی دبی سی نسوانی چیخ نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ وہ ادھوری چیخ سنتے ہی میرے ذہن میں مسز جیوانی کا خیال آیا تھا۔ میں ننگے پاؤں دوڑتا ہوا وہاں پہنچا تو جہانگیر میرے پہنچنے سے پہلے ہی اپنی چابی سے اس کمرے کا دروازہ کھول چکا تھا اور وحشت کے عالم میں دروازے سے باہر ہی رکا ہوا تھا۔

اس کے پیچھے پہنچتے ہی میں نے بھی وہ اندوہناک منظر دیکھ لیا۔ مسز جیوانی ماہیِ بے آب کی طرح بستر پر تڑپ رہی تھی۔ اس کے سینے سے خون کی دھاریں جاری تھیں اور مسہری کے نیچے قالین پر پڑی ہوئی' پھل کاٹنے والی چھری کا خون آلود پھل اُس کی خود کشی کی کہانی سنا رہا تھا۔

جب تک وہ زندگی کی فسوں خیز رعنائیوں کا شاہکار تھی' جہانگیر کسی ندیدے بچے کی طرح' حیلے بہانوں سے اس کی طرف لپکتا رہا تھا لیکن اس وقت اسے اپنے خون میں غلطاں' موت کی دہلیز پر تڑپتا ہوا دیکھ کر اس نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کی جیسے اسے خوف رہا ہو کہ قریب جانے پر قزاقِ اجل مسز جیوانی کو بھول کر اس پر ٹوٹ پڑے گا۔

میں جہانگیر کو ایک طرف دھکیل کر پھرتی کے ساتھ قریب المرگ مسز جیوانی کے قریب جا پہنچا' جو بستر پر پڑی' بری طرح تڑپ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کرب و اذیت کے ہولناک آثار نمایاں تھے۔ اس نے شاید چھری سے اپنے دل پر کاری زخم لگایا تھا کیونکہ اس کے بائیں پہلو سے زندہ اور گرم گرم خون بہت تیزی کے ساتھ ابل رہا تھا۔

اس کے زخم سے جریانِ خون کی رفتار اتنی زیادہ تھی کہ چند ہی لمحوں میں اس کے تر و تازہ اور سرخ و سفید چہرے پر موت کی بھیانک زردی نے ڈیرے ڈال دیئے تھے اور وہ تھوڑی دیر کی مہمان نظر آ رہی تھی۔ وہ ایسی صورتِ حال تھی جس کا سدِباب کرنا ہمارے بس سے باہر تھا۔ مسز جیوانی کی کربناک چیخ سن کر غزالہ بھی وہیں آ گئی تھی اور سہمے ہوئے انداز میں اس حسین و جمیل خاتون کے مرنے کا منظر دیکھ رہی تھی لیکن جہانگیر اپنی محبوبہ کے اس الم ناک انجام کو دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔ دروازے سے آگے آ کر اس نے مسز جیوانی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور پھر بوکھلا کر ایک دیوار کی طرف گھوم گیا۔ اس وقت سے وہ مسلسل بستر کی طرف پشت کئے کھڑا تھا اور مرتی ہوئی مسز جیوانی کے نرخرے سے برآمد ہونے والی ہولناک آوازوں پر بار بار اس کا بدن بری طرح کانپ رہا تھا۔

میں بے بسی کے ساتھ اس عورت کو مرتے ہوئے دیکھتا رہا جو اپنے شوہر سے بے وفائی کے ارتکاب کے بعد میری نگاہ میں موت کی سزاوار ہو چکی تھی۔ یہ غنیمت تھا کہ مجھے اس کے بارے میں کوئی سنگین فیصلہ نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس نے اپنے لئے خود ہی وہ راہ اختیار کر لی تھی جو میرے مقاصد کے لئے ہر اعتبار سے مناسب تھی۔ مسز جیوانی کی خود کشی پر جہانگیر کے ہاتھ پیر پھول گئے کیونکہ وہ اس کی چھت کے نیچے مری تھی لیکن غنیمت یہ تھا کہ اس کے ملازمین میں سے کسی کو اس واقعے کی بھنک نہیں مل سکی تھی۔

اس کی لاش خون میں بری طرح لتھڑ گئی تھی اس لئے میں نے بہت احتیاط کے ساتھ ردی میں سے ایسے اخبارات نکالے جن کی مدد سے کسی بھی قسم کا سراغ نہ مل سکے۔ متعدد اخبارات سے اس کے زخم اور بدن سے خون خشک کرنے کے بعد میں نے اس کے زخم کے مقام پر کئی اخبارات کی موٹی سی تہ باندھ دی تاکہ نقل و حرکت کے نتیجے میں زخم سے رِسنے والا خون اس تہ میں جذب ہو سکے۔ اس لاش کو ایک غیر استعمال شدہ' نئی چادر میں باندھ کر میں نے جہانگیر کی مدد سے کار کی ڈکی میں مقفل کر دیا۔

جہانگیر کو ایسے دھندوں سے کنارہ کشی اختیار کئے ایک طویل مدت ہو چکی تھی اور پھر وہ مسز جیوانی سے اپنی رفاقت کے باعث بہت زیادہ بوکھلایا ہوا تھا اس لئے میں خود ہی لاش کو ٹھکانے لگانے چل دیا۔



بہترین صورت تو یہ ہوتی کہ حبیب جیوانی کو اپنی بیوی کی لاش اپنے گھر کے آس پاس ہی ملتی مگر میں کوئی بڑا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا اس لئے ڈیفنس کے بلاک نمبر سات کے اس ویران علاقے کی طرف روانہ ہو گیا جہاں ملیر ندی کے ڈیلٹا کے کنارے میرینا کلب کی تعمیر کا کام اپنے ابتدائی مراحل سے گزر رہا تھا۔

تاریک اور ویران سڑکوں پر کار ڈرائیو کرتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ اس سمندری خلیج کا کنارہ بے شک تاریک اور سنسان رہتا تھا لیکن ادھر جانے والے راستے پر دن رات چوکیدار ضرور موجود رہتا تھا' جو کچھ اور دیکھے یا نہ دیکھے لیکن جہانگیر کی کار کا نمبر ضرور نوٹ کر سکتا تھا اور جب اگلے دن وہاں سے ایک لاش برآمد ہوتی تو کار کے نمبروں کے سہارے پولیس جہانگیر کی فیکٹری پر بھی پہنچ جاتی کیونکہ وہ کار ایس جے گارمنٹ ہی کے نام پر رجسٹرڈ تھی۔

میں نے راستے ہی میں کار کچے راستے پر اتار دی اور ہیڈ لیمپس گل کر کے جھاڑیوں کے درمیان' انجن بند کر دیا۔ اپنی زندگی میں' مسز جیوانی بہت سبک اندام اور ہلکی پھلکی نظر آتی تھی لیکن مرنے کے بعد اس کی لاش کسی مردہ چٹان کی طرح وزنی ہو گئی تھی۔ تیسری کوشش میں' میں نے اس گٹھری کو ڈکی سے نکالا اور وہیں زمین پر ڈال دیا۔

چند منٹ بعد ہی میں ایک لمبا چکر لینے کے بعد جہانگیر کے گھر کی طرف واپس جا رہا تھا۔

جہانگیر کے گھر پر بظاہر کوئی بڑی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ وہ غزالہ کے ساتھ مل کر خون آلود چادر' گدے اور تکیے کے ٹکڑوں کو کچن باسکٹ میں نذرِ آتش کرنے میں مصروف تھا کہ ویرا واپس لوٹ آئی اور ان کے سروں پر مسلط ہو گئی۔ وہ دونوں اس کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ ویرا نے جب خون آلود اشیا کے بارے میں پے در پے سوالات کئے تو وہ دونوں اسے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکے جس کے نتیجے میں ویرا ان کا ہاتھ بٹانے کے بجائے منہ پھلا کر ڈرائنگ روم میں آ بیٹھی اور بلیک ڈاگ کی بوتل کی مدد سے اپنا موڈ بحال رکھنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئی۔

مجھے دیکھتے ہی وہ اسکاچ کے گلاس کو بھول کر مجھ پر برس پڑی۔ "میں تم لوگوں کے ساتھ خود کو گلے گلے دلدل میں غرق کر چکی ہوں مگر تم پھر بھی مجھ کو الگ سمجھتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ میری گاڑی تمہارے ساتھ نہیں چل سکے گی۔"

"تم آج تمہیں کیا سوجھ رہی ہے؟" میں نے اس کے گلاس سے ایک گھونٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

"جہانگیر' غزالہ کے ساتھ مل کر کچن میں خون آلود چادر کے ٹکڑے اور گدا جلا رہا ہے اور مجھے بتا رہا ہے کہ سلمٰی کے لیے فرج میں رکھی ہوئی خون کی تھیلی پھٹ جانے سے بستر خراب ہو گیا ہے۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"تمہیں اس کی بات پر یقین کیوں نہیں آیا؟" میں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"اچھا!" وہ مجھے گھورتے ہوئے غرائی۔ "تم بھی اس کی طرف داری کر رہے ہو؟ اگر خون کی تھیلی ہی پھٹی تھی تو اسے بستر اور چادر کو دھو کر صاف کر لینا چاہئے تھا' جلانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور تم کہاں سے آ رہے ہو؟"

"جس تھیلی میں سے خون بہا تھا' اسے ٹھکانے لگانے گیا تھا۔" میں نے اس کے تیور بھانپتے ہوئے' سچ بولنے ہی میں عافیت سمجھی۔ "جہانگیر اب حد سے زیادہ بے لگام ہو گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس نے اس عورت کو خریدا تھا لیکن اسے رام کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ عورت نے اپنی عزت کو خطرے میں دیکھ کر خود کشی کر لی ہو گی۔ ابھی تک مجھے جہانگیر سے بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا ہے۔ عورت کے مر جانے کے بعد ہی مجھے اس کے وجود کا علم ہوا تھا۔"

"اور غزالہ' جو یہاں رہ رہی ہے' وہ بھی اس عورت کے وجود سے لاعلم تھی؟" ویرا نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"پتا نہیں' ابھی ان دونوں سے بات کرتا ہوں۔" میں نے ایک اور گھونٹ لے کر اس کا گلاس اسے لوٹا دیا اور کسی بے چینی کا مظاہرہ کئے بغیر' اطمینان سے گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا۔

کچن میں وہ دونوں ہی بہت زیادہ متوحش اور پریشان تھے۔ مسز جیوانی کے معاملے کو نمٹاتے ہوئے ہم سب ہی یہ بات بھلا بیٹھے تھے کہ ویرا اس بدنصیب عورت کے وجود سے لاعلم تھی اور کسی بھی مرحلے پر ہنگامہ کھڑا کر سکتی تھی۔

"وہ ہماری جان کو آئی ہوئی ہے۔" مجھے دیکھتے ہی جہانگیر نے ہیجان آمیز' ہذیانی لہجے میں کہا۔ "کہہ رہی تھی کہ وہ پولیس کو فون کر رہی ہے۔ اگر ہم سے خون کی بوتل ضائع ہوئی ہے تو ہمیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں' ٹیسٹ رپورٹ تازہ اور باسی خون میں بہت آسانی کے ساتھ فرق دریافت کر سکتی ہے۔"

"مجھے بہلانے کی کوشش مت کرو۔" میں نے اسے آنکھ مارتے ہوئے اونچی اور درشت آواز میں کہا۔ "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے اس عورت کو کس سے اور کتنی رقم کے عوض خریدا تھا اور اس کی خود کشی کے کیا اسباب تھے؟ ہم اس کی لاش ٹھکانے لگا چکے ہیں اس لئے اب تمہیں ہر قیمت پر سچ بولنا ہو گا۔"

میرے لئے وہ اداکاری ناگزیر تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں ویرا چھپ کر ہماری گفتگو نہ سن رہی ہو۔ اس لئے میں نے ایسے نپے تلے الفاظ کا سہارا لیا تھا کہ جہانگیر میری مفروضہ کہانی کا تانا بانا سمجھ سکے۔

غنیمت یہ ہوا کہ میرے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ دیکھ کر وہ میرا مفہوم سمجھ گیا اور شرمسار لہجے میں بولا "بنگالی لڑکیوں کا ایک دلال اسے لایا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ پناہ کی متلاشی' ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی جو غیر قانونی طور پر شہر میں مقیم ہیں۔ وہ کسی معزز

خاندان کی اغوا کی ہوئی عورت معلوم ہوتی تھی۔"

"تو اب تم زندہ انسانوں کی خرید و فروخت جیسے گھٹیا دھندے میں بھی ملوث ہو گئے ہو؟" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"وہ بہت حسین تھی۔ تم نے اسے مرنے سے پہلے دیکھا ہوتا تو شاید تم بھی اس کی بولی لگانے پر آمادہ ہو جاتے۔" جہانگیر کا لہجہ پُرسوز اور بہت زیادہ مدافعانہ تھا۔ "وہ کل ہی میرے یہاں لائی گئی تھی۔ متعدد کوششوں کے باوجود اس نے مجھے اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا لیکن میرے سر پر یہ جنون سوار تھا کہ وہ میری زر خرید ہے۔ آج دفتر سے آکر میں نے اسے وارننگ دی تھی کہ آج کی رات اسے اپنی قیمت چکانی ہوگی کیوں کہ میرے ساتھی مجھ سے آملے ہیں۔ شاید میری اسی دھمکی سے وہ دہشت زدہ ہو گئی اور چند منٹ بعد ہی اس نے اپنے دل میں پھل کاٹنے والی چھری گھونپ کر خود کشی کر لی۔"

"تم نے یہ کہانی ویرا کو کیوں نہیں سنائی؟" میں نے کرخت لہجے میں پوچھا۔ "کیا تم کو اندازہ ہے کہ تم اپنے غیر ذمے دارانہ رویے سے اس کے دل میں کیسی خطرناک غلط فہمیوں کو جنم دے رہے ہو؟"

"وہ تمہاری دوست ضرور ہے لیکن ہمیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس پر اس حد تک بھی اعتماد کیا جا سکتا ہے۔" اس بار جہانگیر کے بجائے غزالہ نے میری بات کا جواب دیا تھا۔ "اس نے بھی ہم سے افہام و تفہیم کی کوئی کوشش نہیں کی اور خون کی بوتل ضائع ہونے کی کہانی سن کر تنک کر یہاں سے چلی گئی۔ اس نے مجھے یہ تک نہیں بتایا کہ وہ سلطان شاہ کو کہاں چھوڑ آئی ہے۔"

غزالہ کے آخری فقرے پر میں بھی چونک پڑا۔ ویرا سلطان شاہ کے ہمراہ آرنیٹ سے ملنے گئی تھی۔ ویرا کو گرینڈ ہوٹل میں چھوڑ کر سلطان شاہ کو لانڈھی سے جیپ واپس لانا تھا جسے ساتھ لے کر ویرا، آرنیٹ کے گھر جاتی اور سلطان شاہ محفوظ فاصلے سے اس کا تعاقب کرتا رہتا۔ واپسی پر ان دونوں کو جیپ سمیت گرینڈ ہوٹل میں رک کر ہمیں فون کرنا تھا۔ ویرا کی وہاں موجودگی اس پروگرام میں گڑبڑ کی غمازی کر رہی تھی۔ سلطان شاہ لاپتا تھا اور اگر جیپ ویرا کی تحویل میں تھا تو اس کا زیادہ دیر تک جہانگیر کے گھر میں ٹھہرنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ آرنیٹ اپنے ویڈیو مانیٹرنگ یونٹ پر ویرا کی قیام گاہ کا سراغ لگا سکتا تھا۔

"ویرا اب ہم میں سے ہے۔" میں نے ان دونوں سے زیادہ ویرا کو سنانے کے لئے کہا۔ "وہ ہمارے ہر راز میں شریک ہے۔ اس سے کبھی بھی کوئی بھی بات چھپائی نہیں جائے گی۔ اسے اور ہمیں ایک ساتھ جینا مرنا ہے۔ آئندہ کسی نے اس کے ساتھ بے اعتمادی کا مظاہرہ کیا تو وہ میری طرف سے بدترین سزا کا مستحق قرار پائے گا جس کا تعین ویرا کرے گی۔"

"یہ ہمارے درمیان پہلا اور آخری سمجھوتا ہے۔" ویرا نے میرے عقب سے نمودار ہو کر کچن میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "میں اس کے نفاذ پر کڑی نگاہ رکھوں گی، جس کسی نے اس سے انحرا کیا، اسے میں اپنے ہاتھوں سے جوتے لگاؤں گی۔"

وہ میری توقع کے عین مطابق، کچن کے آس پاس چھپ میری اور ان لوگوں کی گفتگو سن رہی تھی۔

"لیکن اس سمجھوتے کا اطلاق تم پر بھی ہوگا۔" غزالہ اسے یاد دلایا "تم نے ہمیں ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ سلطان شا تم کہاں چھوڑ آئی ہو۔ وہ بھی اس سمجھوتے کا ایک اہم ف ہے۔"

"وہ میرا غیر ارادی ردِعمل تھا۔" ویرا کا لہجہ نرم پڑ گیا۔ "سلطان شاہ ہی یہاں اتار کر گیا ہے۔ جیپ اس کی تحویل میں اس لئے وہ آرنیٹ کو چکر دینے کے لئے شہر کی سڑکیں ناپتا ہے۔ وہ ایک گھنٹے کے بعد گرینڈ ہوٹل پہنچے گا تاکہ اس مدت میں کوئی ٹھوس حکمتِ عملی طے کر سکیں لیکن اس وقت اس خون بستر کو ٹھکانے لگانا سب سے اہم مسئلہ ہے جو اس چھت کے ایک عورت کی خود کشی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔"

اپنی بات مکمل کرنے سے پہلے ہی وہ بڑھ کر خون آلود ٹکڑ جلتی ہوئی کچن باسکٹ میں ڈالنے لگی۔

"آرنیٹ کے ساتھ تمہاری ملاقات کیسی رہی؟ وہ تم سے کے لئے اس قدر بے چین کیوں تھا؟" میں نے پوچھا۔

"اسلام آباد میں ان لوگوں کے سفارت خانے میں ایک انٹرلائنوں والا ایک کارڈیو ریکارڈر ہے جو ایک ہزار میل کے فا میں اپنے سینسر کے ذریعے ان لوگوں کے دلوں کی دھڑکنیں سنتا ر ہے جن کے جسموں میں وہ سینسر نصب ہیں۔ ایسی ہی ایک جدید تر لیکن چھوٹی مشین کراچی کاؤنسلیٹ میں بھی ہے۔ اس مشین اصول یہ ہے کہ جب تک ان کے کارندوں کے دل کام کرتے ر ہیں، مشین خاموش رہتی ہے۔ جوں ہی کسی کی موت واقع ہوتی اور اس کے دل کی دھڑکنوں کے سگنل آنے موقوف ہو جاتے ہیں مشین پر اس مخصص کا نمبر سرخ ہندسوں میں روشن ہو جاتا ہے ا الارم بجنے لگتا ہے جو اس امر کا اعلان ہوتا ہے کہ متعلقہ مخص موت واقع ہو چکی ہے۔" اس نے اپنے ہاتھ روکے بغیر محیر العقول کہانی سنانی شروع کر دی۔ "کل رات کو جس وق ملا سرکار کی اسپیڈ بوٹ پل کی بنیادوں سے ٹکرا کر تباہ ہوئی ہو آرنیٹ کو اسی وقت مشین پر الارم بجنے کی اطلاع مل گئی۔ ملا سر اس کے لئے اتنا اہم آدمی تھا کہ فون پر خبر ملتے ہی، وہ بستر چھوڑ اپنے دفتر پہنچ گیا اور اسے یقین کر لینا پڑا کہ ملا سرکار زندہ نہیں تھا۔

"ملا سرکار کی موت سے پہلے اسے میری ضرورت اس پیش آئی کہ اسے میرے باپ کی طرف سے پیغام ملا تھا کہ خلیج ایک بندرگاہ میں گولا بارود اور ہتھیاروں سے لدی ہوئی ایک لا تیار کھڑی ہوئی تھی جو میری ہدایت پر فوری طور پر کراچی کی طر روانہ ہو سکتی تھی۔ آرنیٹ چاہتا تھا کہ میں ملا سرکار کا انتظار کر کے بجائے خود اس تک رسائی حاصل کروں اور ڈلیوری

معاملات طے کرکے خلیج سے لانچ کو روانہ ہونے کی ہدایت دے دوں مگراب صورتِ حال بالکل بدل گئی ہے۔"

"یہ برا ہوا کہ آرنیٹ کو ملا سرکار کی موت کا علم ہوگیا۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "میرا خیال تھا کہ اس کی موت کی خبر پوشیدہ رہے گی تو اس کے اوپر والے انتظار اور بے یقینی کے عالم میں اپنا خاصا وقت برباد کریں گے......"

"اب بھی یہی ہوگا۔" ویرا نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "کیونکہ کارڈیو ریکارڈر سی آئی اے والوں کی جدید ترین ایجاد ہے۔ وہ لوگ انڈین حکام کو ملّا سرکار کی موت کی اطلاع دے کر اپنی مشین کا راز فاش نہیں کریں گے۔"

"اگر وہ اس کی موت کو چھپائیں گے تو ہتھیاروں سے بھری ہوئی لانچ کہاں لے جائیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"اب پالیسی بدل گئی ہے۔ وہ لوگ انڈین حکام پر زور ڈالیں گے کہ ملا سرکار کی کارکردگی ناقص ہے اس لئے اس کا کوئی متبادل میدان میں اتارا جائے' اسی کے ساتھ' وہ چاہتا ہے کہ میں ہتھیار کراچی منگوالوں۔"

"ہتھیاروں کی اتنی بڑی کھیپ کہاں کھپاؤ گی؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"اس نے مجھے دو بڑے تاجروں کے نام دیئے ہیں جو ہر سال کروڑوں کا مال امریکا سے درآمد کرتے ہیں۔ درآمدی ڈیوٹی بچانے کے لئے وہ ہر کھیپ کے کاغذات میں ہیر پھیر کرتے ہیں۔ کاغذات پر کچھ اور ظاہر کیا جاتا ہے لیکن پیٹیوں میں مال کچھ اور آتا ہے اور مقامی حکام کی ملی بھگت سے وہ سب بندرگاہ سے کلیئر ہوجاتا ہے۔"

"ہتھیاروں کے معاملے میں وہ تاجر تمہاری کیا مدد کرسکیں گے؟" میرا وہ سوال قطعی غیر فطری تھا۔

"مجھے ان کو بلیک میل کرنا ہوگا۔ اگر میں ان کے گھپلوں کے دستاویزی ثبوت سنٹرل بورڈ آف ریونیو کے کسی فرض شناس افسر تک پہنچادوں تو پچھلے کئی برس سے جاری گھپلوں کی بنیاد پر انہیں ڈیوٹی اور جرمانے کے طور پر تیس چالیس کروڑ روپیہ دینا پڑ جائے گا۔ اس دھمکی کے سہارے میں ان کا کوئی گودام حاصل کرسکتی ہوں۔ لانچ سے ہتھیاروں وغیرہ کی ساری پیٹیاں 'ٹرکوں کے ذریعے گودام میں پہنچادی جائیں گی اور مناسب وقت آنے پر باغیوں تک پہنچادی جائیں گی۔"

"یہ کام آرنیٹ خود ہی کیوں نہیں کرتا؟" غزالہ نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"سرکاری طور پر وہ اس گندے کھیل میں سامنے نہیں آسکتا۔" میں نے کہا۔ "اس کے اعلیٰ منصب کے پیش نظر یہی بات بہت بڑی ہے کہ وہ اپنے ملک کی کسی کمپنی کے تجارتی جرائم کی دستاویزی شہادتیں ویرا کو دے رہا ہے۔ مقامی تاجروں کے ساتھ جو سلوک ہوگا' وہ اپنی جگہ پر ہے لیکن تجارتی دستاویزات میں غلط بیانی اور گمراہ کن ردوبدل کی بنیاد پر مقامی حکام ان امریکی کمپنیوں کو پاکستان کے ساتھ تجارت کے معاملے میں بلیک لسٹ بھی کر[illegible] ہیں۔ دیکھا جائے تو آرنیٹ ان سب کی تکمیل ویرا کے ہاتھ[illegible] دے رہا ہے۔ لوگوں کی سیاسی اور معاشی مجبوریوں سے فائدہ[illegible] انہیں اپنے مفادات کے لئے استعمال کرنا تو عام سی بات ہے[illegible] یہ میرے لئے ایک انکشاف ہے کہ بڑی طاقتیں ہر ملک [illegible] طبقے کو لالچ کی دلدل میں پھنسا کر اپنے مفادات کے لئے اس[illegible] کرتی ہیں۔"

"پیسے کی حرص اس دور میں ایک ایسا روگ بن گئی ہے جسے[illegible] شخص بڑی خوشی کے ساتھ پال لیتا ہے۔" جہانگیر نے آخری [illegible] نذرِ آتش کرکے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگوں کی باتیں میرے [illegible] نامانوس اور بڑی حد تک ناقابلِ فہم ہیں مگر میں اتنا ضرور جانتا[illegible] کہ آج کل کے سرمایہ دارانہ نظام میں ارتکازِ زر اور لالچ کی [illegible] زیادہ اہمیت ہے۔ علاقائی اور مقامی حکمرانوں سے لے کر [illegible] الاقوامی طاقتوں تک' ہر ایک اپنے کٹر مخالفین کو ناروا ڈھیل [illegible] کر مالی بدعنوانیوں پر اکساتا ہے اور وقت پڑنے پر ان کمزوریوں [illegible] سہارے انہیں غلط کاموں پر مجبور کرتا ہے یا زبان بندی پر [illegible] کرلیتا ہے۔"

غزالہ جلی ہوئی اشیا کی راکھ نالی میں بہانے میں مصروف [illegible] اور ہم تینوں ڈرائنگ روم میں آگئے۔

"ہماری باتوں پر تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔" میں[illegible] جہانگیر کو آگاہ کیا۔ "ہم ایک طویل مدت تک اس ملک اور قوم[illegible] مفادات کے خلاف کام کرتے رہے لیکن اب شاید قدرت کو[illegible] بے بسی اور بے چارگی پر رحم آگیا ہے۔ ہمارے ہاتھوں سے[illegible] درپے چند ایسے کارنامے سرزد ہوئے ہیں جو اگر منظرِ عام پر آجا[illegible] تو ہمیں اعلیٰ ترین شہری اعزاز بھی مل سکتے تھے۔"

"غزالہ مجھے بتا چکی ہے کہ تم نے ملا سرکار یا بلیک کیٹ[illegible] موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔" اس نے مجھے آگاہ کیا۔ "[illegible] واقعی اتنا خطرناک تھا کہ اس کے خاتمے پر حکومت تمہیں [illegible] اعزاز بھی دے سکتی ہے؟"

"یہ ٹیوشن تم بعد میں بھی لے سکتے ہو۔" ویرا نے اپ[illegible] بلیک ڈاگ کا نیا گلاس بناتے ہوئے ترش لہجے میں کہا۔ "وقت [illegible] سے گزر رہا ہے' ایک گھنٹا پورا ہوتے ہی سلطان شاہ گرینڈ ہو[illegible] پہنچ کر ہمیں فون کرے گا۔ اگر ہم اس وقت تک کسی فیصلے [illegible] سکے تو وہ بے چارہ' چپ کے ساتھ' ساری رات شہر کی سڑکیں [illegible] ناپتا رہے گا۔"

"اس حماقت کی ضرورت ہی نہیں تھی۔" میں نے بگڑ کر [illegible] "تم دونوں کو معلوم تھا کہ آرنیٹ کے زر خرید غنڈے پٹھان [illegible] کی گلیوں میں گھسنے کی جرات نہیں کرسکتے تھے۔ اس علاقے [illegible] سلطان شاہ کے دوستوں اور رشتے داروں کی بہتات ہے [illegible] بھر کے لئے' چپ کو ایک لفافے میں بند کرکے کسی کے [illegible] چھوڑ سکتا تھا۔ آرنیٹ سمجھتا کہ تم شب بسری کے لئے [illegible]



[illegible] کے گھر رہ گئی ہو۔ ہم لوگ رات بھر میں کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچ [illegible] وہاں سے چپ دوبارہ حاصل کرلیتے۔"

میری بات نہایت معقول تھی لیکن ویرا میرے سامنے سیدھے [illegible] انداز میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھی' اس لئے چڑ کر [illegible] مشکل یہ ہے کہ ہماری کھوپڑیوں میں تمہارے فتنہ پرور بھیجے [illegible] ذرّہ بھی نہیں ہے۔ ایک گھنٹا مکمل ہونے پر گرینڈ ہوٹل سے [illegible] شاہ کا فون آئے تو اسے یہ راہ بھا دینا۔"

"یہ میرا مسئلہ ہے۔ میں اس سے نمٹ لوں گا۔ تم یہ بتاؤ کہ [illegible] سے کیا وعدے وعید کرکے آئی ہو؟"

"مجھے یہ اندازہ تو ہوگیا ہے کہ آرنیٹ ایک سفارت کار [illegible]" جہانگیر نے معذرت خواہانہ انداز میں دخل اندازی کرتے [illegible] کہا۔ "لیکن اس ذاتِ شریف کا قدرے تفصیلی تعارف [illegible] تو میں تم دونوں کے مذاکرات سے بہتر طور پر لطف اندوز [illegible] گا اور تمہارے بال بچوں کو دعائیں دوں گا۔"

"بچے فی الحال لاہوت میں ہیں اور میرے بالوں کو تمہاری دعا [illegible] کی حاجت نہیں۔ سارے پسندیدہ اور ناپسندیدہ بال اتنی تیزی [illegible] ساتھ بڑھتے ہیں کہ ساری دعائیں ان کی بڑھوتری سے پیچھے رہ [illegible] ہیں۔"

"ہرزہ سرائی کے فن میں تمہارا دوست اتنا طاق ہوگیا ہے کہ اسے ہجو گوئی کی طرف متوجہ ہوجانا چاہئے۔ بال بچوں کی [illegible] نیں دے کر شعروں پر داد اینٹھنے والے شاعروں کے مقابلے [illegible] بہت کامیاب رہے گا۔" ویرا نے سلطان شاہ کی خواری کے [illegible] کا حل سامنے آجانے پر جہانگیر کو میرے خلاف اکساتے [illegible] کہا۔

"اسے میری طرف سے سات خون معاف ہیں۔" جہانگیر نے [illegible] ڈاگ کے اپنے گلاس سے ایک ہی گھونٹ میں اسکاچ کی وافر [illegible] اپنے معدے میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔ "یہ یاری کرے یا [illegible] جہاں بھی ہو' کامیاب و کامران رہے۔ اب یہ اس کی [illegible] ہے کہ یہ مجھے آرنیٹ کے بارے میں کچھ بتاتا ہے یا نہیں۔"

"آرنیٹ ہمارے ملک میں امریکا کی سفارتی ٹیم کا ایک انتہائی [illegible] رکن ہے۔ جو بدقسمتی سے کراچی کاؤنسلیٹ میں مامور ہے۔ [illegible] سیاسی اور معاشرتی امور میں دل کھول کر لیکن دامن بچا [illegible] ترین دخل اندازی کررہا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ملا سرکار جیسے [illegible] غیر ملکی ایجنٹ کو بھی اس کی پشت پناہی حاصل تھی۔"

"حکم دو تو میں کل ہی شہر کی کسی سڑک پر اس کی انتڑیاں باہر [illegible]" جہانگیر نے پورے خلوص کے ساتھ کہا۔

"اس گمان میں نہ رہنا۔" ویرا فضا میں ہاتھ لہرا کر چہکی۔ "وہ [illegible] ہے تو اس کے آگے پیچھے اور دائیں' بائیں' نادیدہ محافظوں کی [illegible] فوج ظفر موج سفر کرتی ہے۔ اس تک پہنچنے سے بہت پہلے تم [illegible] دیے جاؤ گے۔"

[illegible] تک تم سے تمہارے اور آرنیٹ کے مذاکرات کے بارے۔

میں پوچھ رہا تھا۔" میں نے ویرا کو تند و ترش نگاہوں سے گھورتے ہوئے' سرد لہجے میں سوال کیا۔

"میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔" اس نے بلا تردّد جواب دیا۔

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارے اور اس کے درمیان' آخری فیصلہ کیا ہوا تھا؟"

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "اس نے تجویز پیش کی اور میں خاموشی سے سنتی رہی۔ اس کا خیال ہوگا کہ وہ کل جوں ہی مجھے خفیہ تجارتی دستاویزات کی نقول فراہم کرے گا' میں اس کے لئے کام کرنا شروع کردوں گی جب کہ میں' خود کو ایسی کسی پابندی میں جکڑا ہوا محسوس نہیں کرتی۔"

"تمہارے عدم تعاون پر وہ براہِ راست یا شاید وھائٹ ہاؤس کے ذریعے' جمی لائیڈ سے تمہاری شکایت کرسکتا ہے جس کے نتائج تمہارے حق میں سازگار نہیں ہوں گے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"حالات اب کون سے سازگار ہیں جو بگڑ جائیں گے۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "ویسے میں ان چھپلے باز تاجروں سے چھیڑ چھاڑ ضرور کروں گی۔ یہ میرے لئے ایک نیا تجربہ ہوگا۔"

ویرا کے معاملے میں چپ ہمارے لئے ایک مسئلہ بنا ہوا تھا اگر ہم اسے ضائع کرتے تو آرنیٹ کو فوری طور پر اس کا علم ہوجاتا اور اگر اسے اپنی تحویل میں رکھا جاتا تو وہ ہر وقت ویرا تک رسائی حاصل کرسکتا تھا۔

ملا سرکار کے معاملات میں اول خان کی صوابدید نے مجھے کافی متاثر کیا تھا۔ اس نے چپ کی کہانی سن کر مجھے مشورہ دیا تھا کہ اگر ویرا میرے لئے ذرا بھی کار آمد ہے تو مجھے اس کو ہر قیمت پر آرنیٹ کے چنگل سے بچائے رکھنا چاہئے لیکن مجھے عارضی طور پر ویرا کو اس موذی سے دور رکھنا دشوار نظر آرہا تھا اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ ویرا سلطان شاہ سے چپ لے کر گرینڈ ہوٹل ہی میں قیام کرے اور جب تک ہم چپ کو ٹھکانے لگانے کا فیصلہ نہ کرلیں' وہ ہم لوگوں سے دور رہے تاکہ آرنیٹ ہمارے اور ویرا کے قریبی روابط کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ جان سکے جس سے ہمیں نقصان پہنچ سکے۔

اس وقت تک ویرا کو آرنیٹ کی ہدایات اور مشوروں پر عمل کرنا تھا اور ضرورت پیش آجانے پر خلیج کی نامعلوم بندرگاہ سے ہتھیار لانے والی لانچ کو روانگی کا سگنل بھی دے دینا تھا۔

ایک گھنٹے کی مقررہ مدت گزرنے کے بعد گرینڈ ہوٹل سے سلطان شاہ کا فون آیا تو ویرا اس سے پہلے ہی گرینڈ ہوٹل کی طرف روانہ ہوچکی تھی۔ جہاں وہ ایک فرضی نام سے مقیم تھی۔

اگلی صبح کے اخبار میں مسز جیوانی کی لاش کی برآمدگی کی چھوٹی سی خبر موجود تھی۔ اس ابتدائی اطلاع میں اسے قتل قرار دیا گیا تھا لیکن خبر میں اس کے شوہر کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ میرے نقطۂ نظر سے یہ بہت اچھا ہوا تھا۔ اگر اخبار میں سیٹھ حبیب جیوانی کا نام بھی

آجاتا تو ویرا فوراً سمجھ لیتی کہ مقتولہ مافیا کے مقامی چیف کی بیوی تھی اور میرے لئے اس کے سامنے وضاحتیں پیش کرنا دشوار ہو جاتا۔ میرا خیال تھا کہ حبیب اپنے گھناؤنے کردار کی وجہ سے خود بھی پولیس کے سامنے آنے سے گریز کر رہا ہوگا اور لاش کے حصول کے لئے اس نے اپنے ناراض رشتے داروں کو آگے بڑھایا ہوگا۔

دو بجے کے قریب جہانگیر نے شہر سے فون کرکے انکشاف کیا کہ آرنیٹ ٹریفک کے ایک ہولناک حادثے میں بری طرح زخمی ہوگیا تھا اور اسپتال میں زیرِ علاج ہے۔

فون پر اس نے زیادہ تفصیلی بات نہیں کی لیکن یہ ضرور بتا دیا کہ صبح رونما ہونے والے اس حادثے کی تفصیلات شام کے تقریباً تمام ہی اخبارات نے شائع کی تھیں۔

میں نے سلطان شاہ کو بازار بھیج کر فوراً ہی اخبارات منگوا لئے ان کے پہلے صفحات کا جائزہ لیتے ہی میرا دل خوشی سے اچھل پڑا اور مجھے بے اختیار' اول خان کی دھمکی یاد آگئی۔ اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ پاکستان میں قانونی طور پر آرنیٹ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن دوسرے طریقوں سے اس کی زندگی اتنی دوبھر کردے گا کہ وہ پاکستان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو جائے گا۔

اخباری اطلاعات کے مطابق آرنیٹ صبح دس بجے اپنے کسی ساتھی کا استقبال کرنے کے لئے شہر سے ائرپورٹ جارہا تھا کہ ڈرگ روڈ کے پل کی ڈھلان اترتے ہوئے ایک تیز رفتار ٹرک نے بے قابو ہو کر اس کی کار کو روند ڈالا۔ آرنیٹ کی کار پل کی ریلنگ توڑ کر نیچے جاگری تھی۔ ٹرک ڈرائیور جائے حادثہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

اس حادثے کی تفصیلات بہت دلچسپ اور خیال انگیز تھیں جن کے مطابق وہ ایک مسروقہ ٹرک تھا جو دس دن قبل سائٹ کے علاقے سے چرایا گیا تھا۔ سائٹ تھانے میں ٹرک کی چوری کی ایف آئی آر درج تھی۔ حادثے کے بعد وہیکل اگزامنر نے ٹرک کا معائنہ کرکے رپورٹ دی تھی کہ حادثے کے وقت اس کے بریک فیل ہو چکے تھے۔

وہ دونوں ہی اہم اور بنیادی باتیں تھیں۔ ٹرک مسروقہ ہونے کی وجہ سے اس حادثے کی ذمے داری کسی پر بھی عائد نہیں کی جاسکتی تھی۔ ڈرائیور کے فرار ہو جانے کی وجہ سے حادثے کی تفتیش کے رہے سہے امکانات بھی ختم ہوگئے تھے۔ بریکوں کا فیل ہونا اس اعتبار سے اہم تھا کہ اس طرح آرنیٹ کا سفارت خانہ اس حادثے کو سازش کا نتیجہ قرار نہیں دے سکتا تھا۔ جو کچھ ہوا' اسے ایک سنگین اتفاق کے علاوہ کچھ اور قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔

ٹرک سے تصادم ہوتے ہی' آرنیٹ کی کار کے دونوں اگلے دروازے دھماکے کے ساتھ کھل گئے تھے اور جھٹکے کی شدت سے اس کا مقامی ڈرائیور اچھل کر کار سے باہر جاگرا تھا جس کی وجہ سے اسے کوئی شدید چوٹ نہیں آئی تھی۔ اس کا معاملہ چند خراشوں پر ٹل گیا تھا لیکن آرنیٹ بہت بری طرح زخمی ہوا تھا۔ سر پھٹنے کے علاوہ اس کا ایک بازو ٹوٹ گیا تھا۔ دو پسلیوں کے ٹوٹنے کا بھی خ[...] درپیش تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اول خان نے اپ[...] عزائم کو عملی جامہ پہنا دیا ہو۔

اخبار پڑھتے ہی میں نے اس کے گھر فون کیا تو معلوم ہوا کہ [...] پچھلی رات ہی کو اپنے گھر لوٹ آیا تھا اور اس وقت ڈیوٹی پر گیا [...] تھا۔ میرے لئے وہ بہت بڑی خوش خبری تھی۔ میں نے فوراً [...] دوسری کال' ویرا کے متروک گھر پر ملائی جہاں اول خان نے اپ[...] آدمیوں کے ساتھ عارضی اسٹیشن قائم کیا ہوا تھا۔

رابطہ ہونے پر مجھے اپنے براہِ راست سوال کا کوئی جوا[ب] نہیں مل سکا۔ دوسری طرف سے اول خان کا نام سنتے ہی رانگ [...] کہہ کر فون بند کردیا گیا لیکن اس سخت' مردانہ آواز سے میں [...] اندازہ لگا لیا تھا کہ اول خان کے آدمی وہاں موجود تھے اس [...] دوسری بار نمبر ملاتے ہی میں نے اپنا کوڈ بتا کر اول خان کے بار[ے] استفسار کیا تو چند ثانیوں تک لائن ہولڈ کرانے کے بعد اسے فو[راً] بلا دیا گیا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں کراچی لوٹ آیا ہوں؟" میری آ[واز] پہچان کر اس نے حیرت سے پوچھا۔

"اخبار میں تمہاری آمد کی اطلاع شائع ہوئی ہے۔" میں [نے] گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"نہیں!" اس کی اضطراری آواز تحیرزدہ تھی۔ "یہ نا[ممکن] ہے۔ اخبار والوں کے لئے تو ہم لوگ شجرِ ممنوعہ ہیں۔"

"شام کے اخبارات میں چھپنے والی' حادثے کی خبر میں تمہا[ری] آمد کا اعلان بھی پوشیدہ تھا۔"

فون پر اس کا جان دار قہقہہ سنائی دیا۔ "تو یوں کہو کہ تم [نے] اپنے طریقے سے حساب لگا لیا۔"

"یعنی اندازہ درست ہی ثابت ہوا۔" میں نے معنی خی[ز لہجے] میں کہا۔

"میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں اس مردود کو [نہیں] چھوڑوں گا۔"

"وہ خاصی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا ہے۔ اب اس کے بار[ے] میں تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"ابھی میرا اور اس کا حساب برابر نہیں ہوا۔ میرا ایک [آدمی] اس اسپتال میں پہنچنے میں کامیاب ہوگیا ہے' جہاں وہ زیرِ [علاج] ہے۔ ایک بار اس کا اسٹریچر سیڑھیوں سے نیچے بھی گرایا جا[ئے] گا۔"

"زندہ بچ گیا تو وہ فوراً ہی پاکستان سے بھاگ جائے گا۔" [میں] نے اس صورتِ حال کے تصور سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ "[...] شاید تم بھی اسے اسی فیصلے پر مجبور کرنا چاہتے ہو؟"

"ظاہر ہے کہ میں ایسے کسی ملعون شخص کا وجود برداشت [نہیں] کرسکتا۔ یہ خبیث ہماری سرزمین کو اپنی شکار گاہ سمجھ کر من [مانے] کھیل کھیلنے کے لئے یہاں آتے ہیں۔ نشانہ خطا نہ ہوتا تو یہاں [...]

[...]س کا تابوت ہی واپس جاتا۔"

"شہر میں لوٹ آئے ہو تو کب مل رہے ہو؟" میں نے گفتگو کو [اختصار] دیتے ہوئے پوچھا۔

"چاہو تو ابھی آجاؤ۔ آج شاید دیر تک بیٹھنا پڑے گا۔" وہ [خو]شگوار موڈ میں تھا۔ "بلکہ آہی جاؤ تو بہتر رہے گا۔ شام کی چائے [میر]ے ساتھ پی لینا۔ آج میں غلام رسول پر محنت کر رہا ہوں۔"

"تو کیا اسے تم اپنے ساتھ ہی لے آئے ہو؟" میں نے حیرت [س]ے سوال کیا۔

"سکھر میں وہ غیر محفوظ تھا۔ اسے حوالات سے فرار کرا دیا جاتا [یا] پھر وہیں قتل کردیا جاتا۔ ان لوگوں کے ہاتھ میرے تصور سے کہیں [زی]ادہ لمبے ہیں۔ اگر میں نے تمہارے اپرٹیس پر اس کی اور ملا سرکار [کی] گفتگو نہ سنی ہوتی تو شاید میں بھی اس کے خطرناک اور گھناؤنے [ک]ردار سے بے خبر رہتا اور یہ لوگ ہماری تباہی کے سامان کرتے [رہت]ے۔"

"تم نے یہ اندازے کس بنا پر لگا لئے؟" میں اس کے [ان]کشافات پر اپنی حیرت پر قابو نہ رکھ سکا۔

"سکھر کی کوتوالی میں جو کچھ ہوا' اس نے میری آنکھیں کھول [د]ی ہیں۔ میں نے اپنے کمانڈر کی سفارش پر ڈی آئی جی کی معطلی کے [ا]حکام تو جاری کرا دیے لیکن میں انسپکٹر علی اسد کو انتقامی کارروائی [س]ے نہیں بچا سکا۔ اسے اپنے اختیارات سے تجاوز کرنے کے [ال]زام میں نوکری سے معطل کرکے گھر بٹھا دیا گیا ہے اس لئے میں [خص]وصی احکام کے تحت غلام رسول کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔"

میرے لئے وہ خبر شرمناک تھی۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ [انس]پکٹر علی اسد پکا اور سچا محبِ وطن افسر تھا اور اگر اس نے کہیں [اپن]ی حدود سے تجاوز کیا تھا تو وہ ملک و قوم کے مفاد ہی میں تھا لیکن [اس] کے دشمنوں نے بے خوف و خطر ہو کر اس کی روزی پر وار کیا [تھ]ا۔ انہیں غالباً اپنے اس فعل پر کسی بازپرس یا جواب دہی کا کوئی [خو]ف نہیں تھا۔ وہ میرے لئے لمحۂ فکریہ تھا کہ جس سرزمین پر قانون [نا]فذ کرنے والے اداروں میں متعصب' بدعنوان اور خود غرض [عن]اصر کی گرفت اتنی مضبوط ہو' وہاں بارسوخ مجرموں پر کون ہاتھ [ڈا]لنے کی جرأت کرسکے گا؟ پھر اس وقت تو بات صرف غلام رسول [ک]ی تھی' تفتیش آگے بڑھتی تو اس جیسے' نجانے کتنے نام اس کہانی [میں] ملوث ہو جاتے۔

"اگر اسے حوالات میں بھی نہیں رکھا جا سکتا تو تم اسے کہاں [رک]ھو گے؟"

"اسے آرمی انٹیلی جنس کے سپرد کرنا پڑے گا۔ اس معاملے [ک]ی غیر جانبدارانہ تفتیش وہی الگ کرسکتے ہیں۔"

"تم مجھے دہلائے دے رہے ہو۔ تمہاری باتوں سے تو ایسا [مع]لوم ہوتا ہے جیسے ہم ہر طرف سے غنڈوں' بدمعاشوں' غداروں [او]ر بے ایمانوں کے نرغے میں آگئے ہیں جو کسی بھی وقت ہمارا سودا [کر] سکتے ہیں۔"

"بدقسمتی سے کچھ ایسی ہی صورتِ حال ہے۔" اس کی مایوسانہ آواز سنائی دی۔ "علی اسد جیسے' جو گنے چنے لوگ انتظامیہ میں رہ گئے ہیں ان ہی کے دم سے مطلع کچھ صاف نظر آتا ہے ورنہ ہر طرف دھواں ہی دھواں پھیلا ہوا ہے۔"

"ٹھیک ہے' میں تھوڑی دیر میں تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔" میں نے فون بند کردیا۔

"اب کہاں جارہے ہو؟" فون پر گفتگو ختم ہوتے ہی غزالہ میرے سر پر سوار ہوگئی۔

"سکھر والے معاملات چل رہے ہیں۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "اول خان وہاں سے بہت تلخ تجربات کے ساتھ واپس آیا ہے۔ مجھے اس کے ساتھ کام کرنا ہے۔ پھر ویرا والے معاملے پر بھی اسے بریف کرنا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم ان معاملات میں ضرورت سے زیادہ الجھتے جارہے ہو۔"

"اور میرا اندازہ ہے کہ میں ضرورت کے مطابق بھی اپنا کام پورا نہیں کر رہا۔ یہ نہ بھولو کہ ہمیں سکھ چین' عزت اور آبرو' جو کچھ بھی میسر ہے' اسی زمین کے ناتے سے میسر ہے۔ لوگوں نے ہماری غفلت کی بنا پر اسے بیچ کھایا تو ہم ہزار زندگیاں پاکر بھی اس مقام کو نہیں پہنچ سکیں گے۔ میں کسی عیاشی کے لئے نہیں' بلکہ ضروری کام سے جارہا ہوں۔"

"میں بھی تم سے کم محبِ وطن نہیں ہوں۔" غزالہ نے اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "لیکن طویل تنہائی کی وجہ سے میں کبھی کبھی اکتا جاتی ہوں۔ تم لوگوں کے ساتھ بہت جلدی گھل مل جاتے ہو لیکن میں فاصلوں کو اتنی تیزی کے ساتھ ختم نہیں کرسکتی اسی لئے تمہارے بغیر میں خود کو تنہا تنہا محسوس کرتی ہوں۔"

اپنی جگہ پر اس کی بات سو فیصد درست تھی۔ وہ بہت تیزی کے ساتھ ماں باپ' اور پھر اکلوتے بھائی سے محروم ہوئی تھی۔ حالات نے اس گھریلو لڑکی کو ایک ایسی راہ پر دھکیل دیا تھا کہ اسے کم عمری میں ہی' باعزت طریقے سے زندہ رہنے کے تلخ ترین تجربات کی بھٹی سے گزرنا پڑا تھا اور مجھ سے مل بیٹھنے کے باوجود اسے آرام و سکون کے وہ لمحات نہیں مل سکے تھے جن کا مزہ اس نے شمع اور کرنل زوّار زیدی کی زندگی میں چکھ لیا تھا۔

ایمان داری کی بات یہ تھی کہ جہانگیر کا گھر' اس کے لئے ایک طلائی قفس بنا ہوا تھا۔ جہاں اسے گھٹ گھٹ کر اپنا وقت گزارنا پڑ رہا تھا۔ سلمٰی پہلے اسپتال میں تھی' وہاں سے آئی تو اپنے شوہر سے لڑ کر لاہور چلی گئی۔ ویرا اپنے چکروں میں مصروف تھی پھر' اس گھر میں' غزالہ کی ناک کے نیچے جہانگیر اور مسز جیوانی کی حیوانی دوستی پروان چڑھتی رہی جس کا اختتام مسز جیوانی کی خودکشی پر ہوا تھا اس لئے' جہانگیر کی طرف سے اس کا متنفر ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ ان سب کے بعد لے دے کر ایک سلطان شاہ ہی رہ گیا تھا جو اسے اپنی بہن کا درجہ دینے کا دعوے دار تھا لیکن مخلص اور چاہنے والے

بھائیوں کے میٹھے بولوں کے سہارے زندگی گزارنا اتنا ہی سہل ہوتا تو قوانینِ قدرت میں شوہر کا کہیں وجود نہیں ہوتا جو کبھی کبھار جوتے لگانے کے باوجود سرتاج کے منصب پر فائز رہتا ہے۔

ان دنوں میں غزالہ کے لئے سب کچھ تھا لیکن کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کے زمانۂ طالب علمی سے ہم دونوں کے درمیان بے پناہ ذہنی ہم آہنگی اور یگانگت پائی جاتی تھی اور اگر دلدار آغا ہم دونوں کے درمیان حائل نہ ہوا ہوتا تو ہم مدتوں پہلے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو چکے ہوتے۔ اس وقت میں نے پہلی بار سوچا کہ مجھے جوں ہی چند روز کی مہلت ملے گی، میں سلمٰی کے پاس امانت کے طور پر رکھی ہوئی خطیر رقم سے ایک مکان خرید کر، غزالہ کو قانونی طور پر اپنالوں گا۔

"تم چاہو تو سلطان شاہ کے ساتھ بازار کا ایک چکر لگا آؤ۔" میں نے ملائمت سے کہا۔ "تھوڑا سا وقت بھی گزر جائے گا اور دل بھی بہلے گا۔ میرے پاس قمیصیں ختم ہو رہی ہیں۔ تمہیں بھی کپڑوں کی ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے، تم جاؤ، میں تمہارے مشوروں پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی۔" اس نے مغموم سی مسکراہٹ کے ساتھ مجھے اول خان کے پاس جانے کی اجازت دے دی۔

اول خان اس بنگلے کی ایک خوابگاہ میں اپنا دفتر جمائے، بے چینی کے ساتھ میرا انتظار کر رہا تھا۔

"آرنیٹ پر وار کر کے تم نے بہت ثواب کمایا ہے۔" پُرجوش رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے اول خان سے کہا۔ "تمہاری تمام تر احتیاط اور رازداری کے باوجود اسے ملا سرکار کی موت کا علم ہو گیا تھا۔"

اس انکشاف پر اول خان حیرت اور بے اعتباری سے اچھل پڑا اور مجھے اس کی حیرت دور کرنے کے لئے سی آئی اے کے کارڈیو ریکارڈر کی کہانی سنانی پڑ گئی۔

"خلا میں قدم جمانے کے ساتھ ساتھ، یہ لوگ زمین پر بھی سائنسی ایجادات سے حیرتناک کام لے رہے ہیں۔" وہ پوری بات سن کر رشک آمیز لہجے میں بولا۔ "ان کے کارنامے سن کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم لوگ پتھر کے زمانے میں رہ رہے ہیں۔ دور دراز اور پُرخطر مہمات میں اپنے ایجنٹوں کی سلامتی پر نگاہ رکھنے کا اس سے زیادہ بے ضرر طریقہ ایجاد ہونا مشکل ہے۔"

"اور اب اس نے اپنی حکمتِ عملی بھی بدل دی ہے۔" میں نے اپنے لئے سگریٹ سلگا کر کہا۔ "خلیج کی کسی بندرگاہ پر ہتھیاروں اور گولہ بارود سے لدی ہوئی ایک لانچ تیار کھڑی ہے جسے وہ کراچی لانا چاہتا ہے۔"

"کراچی شہر میں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا اس کا دماغ چل گیا ہے؟"

میں نے اسے آرنیٹ کے نئے منصوبے کی تفصیل کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ اسے ملا سرکار کی موت سے انڈین حکام کو مطلع کرنے میں کیا مجبوری مانع تھی۔ اس نے میری پوری گفتگو کا ایک ایک لفظ پوری توجہ سے سنا تھا۔

"کراچی نہ صرف صوبے بلکہ پورے ملک کا بڑا اور حساس شہر ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ان لوگوں کی تخریب کاری اور سازشوں کے مراکز اندرونِ سندھ میں ہیں لیکن ہتھیاروں کی کراچی میں ذخیرہ اندوزی میرے لئے ناقابلِ فہم ہے۔ یہاں ہتھیار لا کر چھپانا بڑا مشکل کام ہے اس سے کہیں زیادہ مشکل ان ذخائر کو نکال لے جانا ہے۔ مجھے تو کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے وہ لوگ کراچی کے بارے میں بھی کچھ سوچ رہے ہوں۔ کراچی میں لائے جانے والے ہتھیار لازماً یہیں استعمال ہوں گے۔"

"لیکن مجھے کراچی میں ان کا کوئی مصرف نظر نہیں آتا۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"زیرِ زمین تیار ہونے والی سازشیں مقررہ وقت سے پہلے نگاہوں سے اوجھل ہی رہتی ہیں۔"

"لیکن وہ لوگ کراچی میں ملا سرکار کے اندھے پیروکار، ڈاکو اور قاتل کہاں سے لائیں گے؟"

اندرونِ سندھ بغاوت کی آگ بھڑکانے کے لئے مسلح لشکر کی ضرورت پڑے گی لیکن کراچی جیسے کثیرالنسل اور گنجان آباد شہر میں کرائے کے دس پانچ آدمی امن و امان کی فضا کو تہ و بالا کر کے خونریز تصادم کا آغاز کرا سکتے ہیں۔ ماضی میں، اس شہر میں بارہا فسادات ہوتے رہے ہیں۔ میرے اس خیال کو اس بات سے تقویت ملتی ہے کہ جب تک کراچی میں امن و امان کا سنگین مسئلہ کھڑا نہ کیا جائے، اندرونِ سندھ ہونے والی کارروائیاں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔"

"پھر اس مسئلے کا کیا توڑ ہو سکتا ہے؟" میں نے پُرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

"آرنیٹ کو حادثہ پیش آجانے کی وجہ سے شاید ان لوگوں کی رفتار سست پڑ جائے۔ ہمیں ان کے اگلے اقدام کا انتظار کرنا ہے۔ تمہیں جوں ہی اسلحہ بردار لانچ کے نام وغیرہ کا علم ہو، تم مجھے بتا دینا۔ میری کوشش ہو گی کہ کھلے، بین الاقوامی سمندر میں ہی بحریہ اس لانچ کو ہتھیاروں سمیت پکڑ لے اس طرح وہ سارا اسلحہ دشمنوں کے بجائے ہمارے کام آجائے گا۔ اس کوشش میں ناکامی ہوئی تو لانچ کو وہیں تباہ کر کے غرق کر دیا جائے گا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے کوئی بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارے تعاون کے بغیر، میں ان لوگوں کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا۔" میں نے اعتراف کیا۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میرے پاس وسائل اور افرادی قوت کی کمی نہیں اور میں عرصۂ دراز سے ان سب لوگوں کی سرگرمیوں کے بارے میں سنتا آرہا تھا لیکن میرے پاس ٹھوس معلومات نہیں تھیں جب کہ تم ان کی جڑوں میں اترے ہوئے تھے۔ تمہاری فراہم کردہ



ہوئی معلومات ہی ان لوگوں کی موت کا پیغام ثابت ہوئی ہیں۔۔۔ تم یہ بتاؤ کہ ویرا اپنے چیپ کے ساتھ اب کہاں ہے؟"

"وہ شہر کے ایک ہوٹل میں مقیم ہے۔ اسے آج آرنیٹ کو فون کر کے اپنے پتے سے آگاہ کرنا تھا جس کے بعد وہ مقامی تاجروں کے بارے میں دستاویزی ثبوت اسے بھجوا دیتا۔"

"اس سے معلوم کرو کہ فون کرنے پر دوسری طرف سے کیا جواب ملا؟"

میں نے وہیں سے گرینڈ ہوٹل کا نمبر ملایا تو ویرا اپنے کمرے میں موجود تھی۔

میری آواز سنتے ہی اس نے چہکنا شروع کر دیا جس کا مطلب تھا کہ وہ آرنیٹ کو پیش آنے والے حادثے سے اس وقت تک یکسر لاعلم تھی۔ نہ ہی کاؤنسلیٹ سے اسے کوئی غیر معمولی بات معلوم ہوئی تھی۔

"آرنیٹ۔۔۔ تمہاری کیا گفتگو رہی؟" میں نے سنجیدگی کے ساتھ براہِ راست وہ سوال پوچھ لیا۔

"گیارہ بجے آرنیٹ اپنے دفتر میں نہیں تھا۔ اس کے کسی ماتحت سے میری بات ہوئی تھی۔ اس نے مجھے کل کاؤنسلیٹ میں بلایا ہے۔" ویرا نے بتایا۔ "مجھے حیرت ہوئی کہ اس نئے آدمی نے میرا نام سنتے ہی مجھے پہچان لیا تھا۔"

"یعنی تم سے کسی کوڈ وغیرہ کے تبادلے کے بغیر اس نے بات شروع کر دی تھی؟"

"ہاں، اب دیکھو کل بارہ بجے کیا رہتا ہے۔ ویسے میں نے اسے گرینڈ ہوٹل کا پتا بھی نوٹ کرا دیا ہے۔"

"کل بھی تمہاری آرنیٹ سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ وہ لمبی رخصت پر چلا گیا ہے۔"

"کیا مطلب" وہ میرے الفاظ پر بری طرح چونکی تھی۔ "تو کیا تم نے اس کا بھی صفایا کر دیا؟"

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ وہ آج صبح خود ہی ایک حادثے کا شکار ہو کر زخمی ہو گیا اور اب اسپتال میں پڑا ہوا ہے۔ اگر تم شام کے اخبارات پڑھنے کی عادی ہوتیں تو تمہیں معلوم ہوتا کہ اس کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی مرمت کے لئے سادہ سرجری کے بجائے مائیکرو سرجری کی ضرورت پیش آجائے۔"

"بعض اوقات تم حد سے زیادہ تیزی دکھانے لگتے ہو۔" اس کی آواز ابھری۔

"تم یقین کرو کہ اس معاملے سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ یہ محض اتفاق ہے کہ ہماری بددعائیں حادثے کے وقت پر منطبق ہو گئیں۔ اس کے راہ سے ہٹ جانے کی وجہ سے کاؤنسلیٹ کے ہونے اسرار تمہارے سامنے آجائیں گے۔"

وہ ہوٹل میں اکیلی تھی اس لئے گفتگو کو طول دینا چاہ رہی تھی مگر میں نے اس سے جلد ہی اپنا پیچھا چھڑا لیا۔

"ابھی تک تو سب کچھ ہماری توقعات کے عین مطابق ہو رہا ہے۔" ویرا کی گفتگو کا خلاصہ سن کر اول خان نے کہا۔ "اگر ہم ان کے مزید ایک آدھ اہم آدمی پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ سازشیں ہمیشہ کے لئے دم توڑ دیں گی۔"

"باہر والوں سے نمٹنا ہمیشہ آسان ہوتا ہے۔ آستین میں پلنے والے موذی ہمیں ناکوں چنے چبوا دیں گے۔"

"آؤ! ذرا اس صورت حرام سے بھی مل لو!" اول خان نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی کرسی چھوڑتے ہوئے کہا۔ "اس کی رسی جل گئی ہے لیکن بل ابھی تک نہیں گئے۔ مجھے کئی بار مُنہ مانگی رشوت کی پیشکش کر چکا ہے اور آج تو دھمکیوں پر اتر آیا ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں بھی ذرا اپنے ہاتھ پیر رواں کر لوں گا۔" میں نے اس کی تقلید کرتے ہوئے کہا۔

"بے سود ہے، اس پر محنت کر کے تم بلاوجہ خود کو تھکاؤ گے۔ میں نے بہت بری طرح اس کی مرمت کرائی ہے۔ اب تو وہ پٹ پٹ کر ڈھیٹ ہو گیا ہے۔ تم یقین نہیں کرو گے کہ اس کے لئے سیاست اور معاشرے کے کیسے کیسے نامی گرامی لوگوں کی سفارشیں آئی ہیں۔ سکھر پولیس میں اس کے بہی خواہوں کی تعداد زیادہ ہے کہ ہم پوری کوشش کے باوجود اس کی گرفتاری کو صیغۂ راز میں نہیں رکھ سکے۔ اب وہ اسی بل پر شیر ہو رہا ہے کہ اس کے ہمدردوں کو اس کی گرفتاری کی خبر مل چکی ہے۔"

وہ حوالاتی نہیں رہا تھا بلکہ اول خان کی اسپیشل ٹاسک فورس کا اہم مجرم تھا اس لئے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا گیا تھا۔ اس کے پورے چہرے پر نیل اور کھلے ہوئے زخموں پر جمی ہوئی خون کی پپڑیوں کے علاوہ ورم آیا ہوا تھا۔ نیلے پپوٹوں کی سوجن میں اس کی دونوں آنکھیں تقریباً بند ہو کر رہ گئی تھیں۔

قالین اور فرنیچر سے محروم عقبی خوابگاہ سے ہر چیز ہٹا کر، غلام رسول کو وہیں مقفل کر دیا گیا تھا اور وہاں بیک وقت تین مسلح محافظوں کا پہرا تھا جن کی نظروں سے بچ کر غلام رسول تک پہنچنا ناممکنات میں سے تھا۔

مجھے دیکھتے ہی غلام رسول ہڑبڑا کر فرش سے اٹھا تھا اور لڑکھڑائی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم لوگ زیادہ دیر تک میرے ساتھ من مانا سلوک نہیں کر سکو گے۔ بات صدر تک جائے گی اور اگر اس پر کان نہیں دھرا گیا تو میرے حامی حکومت ہلا کر رکھ دیں گے۔ میری گرفتاری تم لوگوں کو تصور سے زیادہ مہنگی پڑے گی۔"

میں نے پوری قوت سے اس کے مُنہ پر تھپڑ رسید کیا۔ اس کا سر پُرشور آواز سے دیوار سے ٹکرایا اور وہ ایک دبی دبی سی چیخ کے ساتھ، تیورا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے چہرے کے کسی سوکھتے ہوئے زخم کے کھل جانے کی وجہ سے میری ہتھیلی اس کے گندے خون میں لتھڑ گئی تھی۔ جسے میں نے بڑھ کر اسی کی قمیص سے صاف کر لیا۔

"جب تک آدمی ملزم رہتا ہے لوگ، بے گناہی ثابت ہونے کی امید پر اس کی حمایت کرتے رہتے ہیں لیکن تم ملزم نہیں بلکہ

مسلّمہ مجرم ہو‘ غلام رسول! تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ ملا سرکار نے جیسلمیر اور شاہ پور والی ویڈیو کیسٹیں ہمیں دے دی ہیں۔ ان کی موجودگی میں تم اقبالِ جرم سے انحراف کرسکتے ہو‘ نہ کوئی تمہارا ساتھ دے سکتا ہے۔"

وہ اس کی دُکھتی رگ تھی اور شاید اول خان اس کہانی کو بھرپور طریقے پر استعمال نہیں کرسکا تھا۔ اسی وجہ سے غلام رسول نے اس کی تحویل میں آکر قدرے حوصلہ پکڑلیا تھا لیکن میرے جارحانہ سلوک نے آناً فاناً میں اس کے سارے کس بل نکال دیے۔

"تم سب جھوٹے اور بدمعاش معلوم ہوتے ہو۔" وہ سر اٹھائے بغیر‘ رندھی ہوئی آواز میں بولا "جو قومیں اپنے صفِ اول کے سیاستدانوں سے ایسا گھٹیا سلوک کرتی ہیں وہ بہت جلد صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہیں......"

"ابے‘ صفِ اول کے سیاستدان!" میں نے اس کے سر کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر‘ اسے اس کے قدموں پر کھڑا کردیا۔ "تو اس وقت کسی عدالت میں نہیں ہے۔ جہاں دیا جانے والا بیان اخبارات اپنی شہ سرخیوں میں چھاپتے ہیں۔ ہم تجھے ذبح کرکے کسی گڑھے میں بھی بہادیں تو کسی کو کانوں کان تیرے حشر کا علم نہیں ہوسکے گا‘ تیری لاش غائب کرکے ہم بڑی آسانی کے ساتھ تیرے پُراسرار فرار کی کہانی بنا سکتے ہیں۔ تیری زندگی اسی میں ہے کہ ہمیں اپنے سارے کالے کرتوتوں سے آگاہ کردے۔"

"جب تک تم ملا سرکار کو میرے سامنے نہیں لاؤ گے‘ میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کروں گا۔" اس نے بگڑی ہوئی اور بوجھل آواز میں کہا۔ "پہلی بار تم نے مجھے دھونس میں لے کر میری زبان سے/اپنی من پسند باتیں اگلوالی تھیں لیکن اب میرے اعصاب میرے قابو میں ہیں۔ مجھ سے سودا کرکے میری جان چھوڑ دو ورنہ تمہیں رسوائی کے سوا کچھ بھی نہیں مل سکے گا۔"

میرے اگلے تھپڑ سے وہ اچھل کر دور جاگرا اور ہذیانی انداز میں بڑبڑانے لگا۔ "اس بربریت اور درندگی سے تم مجھے خوف زدہ نہیں کرسکتے۔ میں تمہاری غلامی کے چند سانس لینے کے لئے اپنی آنے والی نسلوں کا مستقبل تباہ نہیں کروں گا۔"

"پوری قوت سے اس کی دونوں ٹانگیں چیر کر‘ ٹخنوں میں ڈنڈا باندھ دو۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں‘ اندر آئے ہوئے محافظوں کو حکم دیا۔ انہوں نے اول خان کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنے سر کی خفیف سی جنبش سے میرے حکم کی تائید کی اور اسی لمحے ایک محافظ کہیں سے رسی کے ساتھ ہی ڈنڈا بھی لے آیا اور دو آدمی غلام رسول پر پل پڑے۔

غلام رسول نے بہت زیادہ مزاحمت کرنے کی کوشش کی۔ جب اس کی ٹانگیں چیری جارہی تھیں تو وہ اذیت سے بری طرح چلانے لگا تھا۔ لیکن ان دونوں افراد نے نہایت بے رحمی کے ساتھ اسے پیٹ اور سینے کے بل فرش پر اوندھا لٹا کر‘ اس کی چری ہوئی ٹانگوں میں ڈنڈے کے سرے باندھ دیے۔

مجھے اعتراف ہے کہ میں اس پر جو بھی تشدد کررہا تھا‘ وہ ناشائستہ اور غیر انسانی تھا لیکن اس وقت وہ بہروپیا میرے لئے انسان نہیں‘ ایک بھیڑیا تھا۔ اس ضمیر فروش‘ غدار سیاستدان کا کھلا کھلا اعتراف جرم‘ میں دو مواقع پر سن چکا تھا۔ پہلی بار جب وہ اپریٹس پر ملا سرکار سے باتیں کررہا تھا اور دوسری بار جب اس نے سکھر کوتوالی میں زبان کھولی تھی۔

اس کی غدارانہ سرگرمیوں سے آگاہ ہوجانے کے بعد‘ اس سے کوئی رعایت نہیں کی جاسکتی تھی۔ اپنی حرکتوں کی وجہ سے اس نے خود کو انسانیت کے مقام سے گرالیا تھا۔ وہ بظاہر جس ملک گیر سیاسی جماعت کا اہم عہدے دار بنا ہوا تھا‘ وہ اگر ملک بھر میں بہت زیادہ نیک نام نہیں تھی تو ایسی بدنام بھی نہیں تھی کہ اس کے کسی عہدے دار کی‘ ملک سے وفاداری پر شبہ کیا جاسکتا لیکن غلام رسول نے خود غرضی اور لالچ کی وجہ سے اس جماعت کے قومی کردار کو ناقابلِ تلافی دھچکا لگایا تھا جس کی بنا پر‘ وہ میری نگاہ میں کسی رعایت یا رحم کا مستحق نہیں رہا تھا۔

میں نے بڑھ کر اس کی چری ہوئی ٹانگوں کے درمیان ایک ٹھوکر لگائی اور وہ تکلیف سے تڑپ کر دوہرا ہوگیا۔ اس کے زخم سے بہنے والا تازہ اور گاڑھا خون اس کے لباس کے ساتھ فرش کو بھی داغ دار کرنے لگا۔

"کھولتا ہوا پانی لاؤ اور اس کے بدن پر انڈیل دو!" میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں ایک محافظ سے کہا۔ "اسی کے ساتھ ڈرنک کی دو خالی بوتلیں بھی لاؤ۔ میں اس حرمزادے کو ایسی عقوبتیں دوں گا کہ یہ موت کی آرزو کرنے لگے گا۔ میں ایسے مجرموں کی زبان کھلوانے کا فن اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"نہیں‘ نہیں۔" وہ کسی اندھے کی طرح اپنے دونوں ہاتھ ہوا میں لہراتے ہوئے چیخا۔ "تم میرے ساتھ ایسا ظلم نہیں کرسکتے۔ یہ اندھیر نہیں ہوسکتا‘ تمہیں اپنی حرکتوں کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"بیٹے! یہ سکھر کی کوتوالی نہیں ہے اور نہ تم عدالتی ریمانڈ پر ہو۔ اسپیشل ٹاسک فورس اپنے افعال کے لئے کسی کو جواب دہ نہیں ہے۔ ہم نے تمہاری بوٹی بوٹی بھی الگ کردی تو کوئی نہیں پوچھے گا کہ غلام رسول کہاں گیا؟"

اس وقت اول خان کے آدمی الٰہ دین کے چراغ کے جن بنے ہوئے تھے۔ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ایک آدمی کھولتے ہوئے پانی کی کیتلی لے کر‘ غلام رسول کے کان کو دانت سے کاٹتے ہوئے اس کی کنپٹی کی نرم و نازک کھال پر کھولتے ہوئے پانی کے قطرے ٹپکائے اور وہ چیخ مار کر بری طرح کانپ اٹھا۔

"اب میں اسی طرح تیرے وجود کو جہنم کا مزہ چکھا کر ابال کر رکھ دوں گا۔" دوسری مرتبہ میں نے اس کی تنگی کر..... گراتے ہوئے کہا اور وہ فرش پر‘ ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتا ہوا کئی فٹ دور چلا گیا۔



"میرے خدا‘ یہ کیا ہو رہا ہے؟" وہ تقریباً روتے اور کراہتے ہوئے‘ ڈراؤنی آواز میں گڑگڑایا "یہ ظلم اور اندھیر ہے۔ میرے رتبے کے آدمی پر دو ٹکے کے لوگ ایسا ظلم ڈھا رہے ہیں اور کوئی سننے والا نہیں ہے۔"

"ہم سب سن بھی رہے ہیں اور دیکھ بھی رہے ہیں۔" میں نے بڑھ کر ایک مرتبہ پھر اس کی گردن پر کھولتا ہوا پانی گرایا "خدا بھی سب کچھ دیکھتا ہے۔ اس کی رضا شاملِ حال نہ ہوتی تو‘ تو آج بھی ہمارے پھندے میں نہ آیا ہوتا۔ ملا سرکار جیسے ملک دشمن ایجنٹ سے ساز باز کرکے تو نے خود کو ہر قسم کی ہمدردیوں سے محروم کرلیا ہے۔"

"تت...... تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" وہ بری طرح ہانپتے ہوئے بولا۔ بے بسی کے اتھاہ احساس نے اسے ذرا سی دیر میں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا یا پھر اس کی ڈھٹائی کھولتے پانی میں تحلیل ہوگئی تھی۔

"یہ پانی تیرے کانوں میں اتر کر تجھے بہرا کردے گا۔ آنکھوں میں گرے گا تو تجھے اندھا کردے گا۔" میں نے اسے مزید دہشت زدہ کرنے کے لئے کہنا شروع کیا "میں تجھے کھولتے ہوئے پانی میں ابالنے کے بعد تیرے بدن کے آبلوں پر مرچیں ڈلواؤں گا‘ کولڈ ڈرنک کی خالی بوتل کا منہ توڑ کر اس کی نکیلی دھاریں تیرے بدن میں اتاردوں گا‘ پھر دیکھوں گا کہ تو اپنی ضد پر کتنی دیر تک قائم رہتا ہے۔"

اپنی بات پوری کرتے ہی میں نے کیتلی میں موجود کھولتا ہوا پانی فرش پر اس طرف پھینک دیا جہاں غلام رسول پڑا ہوا تھا۔ گرم پانی کے اس تالاب میں‘ وہ بری طرح تڑپا تھا۔ گرم پانی نے اس کے بدن کو جھلسا کر رکھ دیا تھا لیکن وہ ایک لمحاتی کیفیت تھی کیونکہ ٹھنڈے فرش پر گرنے کے چند لمحوں بعد ہی پانی نے اپنی حرارت کھو دی۔

"اور پانی لاؤ" میں نے بطورِ خاص کسی کو مخاطب کئے بغیر اونچی آواز میں کہا۔

"ٹھہرو‘ ٹھہرو!" وہ فضا میں ہاتھ لہرا کر‘ ہانپتے ہوئے بولا "مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو۔"

"مہلت ختم ہوچکی ہے۔" اول خان نے زہریلے لہجے میں کہا "میں تمہارے ساتھ نرمی سے کام لیتا رہا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم جوتے کھائے بغیر راہِ راست پر نہیں آؤ گے۔"

اس دوران میں میں کولڈ ڈرنک کی بوتل کا دہانہ‘ فرش پر مار کر توڑ چکا تھا۔ غلام رسول کا چہرہ پے در پے ضربات سے اس قدر مسخ ہوچکا تھا کہ اس کے کسی تاثر کا پتا چلانا دشوار تھا لیکن یہ معلوم ہورہا تھا کہ اس کے ورم زدہ پپوٹوں سے دھنسی ہوئی آنکھیں میری طرف مرکوز تھیں۔ کیونکہ اسے بیشتر خطرات‘ میری ذات سے لاحق تھے۔

میرے ہاتھ میں ٹوٹی ہوئی بوتل دیکھ کر وہ بری طرح اپنی ٹانگیں ، چلانے لگا۔ لیکن ٹانگوں سے بندھے ہوئے ڈنڈے کی وجہ سے وہ بالکل بے بس تھا۔ اس کے قریب جاکر میں نے اس کی پسلیوں میں ایک ٹھوکر لگائی تو اس کی مزاحمت دم توڑ گئی۔

"بس! مجھ پر رحم کرو" وہ فرش پر اپنا سر پٹختے ہوئے گڑگڑایا۔ "تم جو چاہو‘ مجھ سے پوچھ سکتے ہو‘ میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کے لئے تیار ہوں‘ لیکن اب میری بوڑھی ہڈیوں پر رحم کرو۔"

"تمہاری اور مُلا سرکار کی سازش میں اور کون لوگ شریک ہیں؟" میں نے اسے وقفہ دیئے بغیر اپنا پہلا سوال کیا۔

"مجھے اس موذی ڈنڈے اور کیچڑ سے نجات دلاؤ تاکہ میں سکون سے بات کرسکوں۔ اس پانی میں سے تیز اور عجیب سی بدبو آرہی ہے‘ جس سے میرا سر چکرا رہا ہے۔"

"اس پانی میں تمہارے گندے خون کے علاوہ کسی چیز کی ملاوٹ نہیں ہے۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا "اگر اپنے خون کی بدبو تمہیں گوارا نہیں ہے تو اسے اس سرزمین پر اور کون برداشت کرے گا؟"

اول خان نے مجھے نگاہوں سے اشارہ کیا اور میں خاموشی کے ساتھ اس کمرے سے باہر نکل گیا۔

"اسے جلدی سے صاف ستھرا کرکے دو نمبر میں لاؤ" میرے کانوں میں اول خان کی آواز آئی "بڑا صاحب بہت غصے میں ہے۔ دیر ہوئی تو وہ دوبارہ یہیں آجائے گا اور کسی کی خیر نہیں ہوگی۔"

بڑے صاحب کا خطاب ملنے پر میں دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ جب سے میرا اول خان سے واسطہ پڑا تھا‘ اس کی بادشاہی میں مجھے ہر عزت اور رتبے سے نوازا جارہا تھا جب کہ قانون کے محافظوں سے رجوع کرنے کی صورت میں میری تمام معلومات نظر انداز کرکے میرا داغدار ماضی کھنگالا جاتا اور پھر شاید مجھے غلام رسول سے زیادہ بے آبرو کیا جاتا۔

"ان لوگوں کو کون سے بڑے صاحب کی دھونس دے رہے تھے؟" اول خان کے آجانے پر میں نے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔ "یہاں تو مجھے تم سے زیادہ بڑا کوئی صاحب نظر نہیں آرہا۔"

"یہ اعزاز تمہارے لئے ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا "میں چاہتا ہوں کہ غلام رسول کے ذہن پر سے تمہارا خوف اور دباؤ کم نہ ہوسکے۔ اسی طرح ہم اسے راہِ راست پر رکھ سکتے ہیں۔"

ہم دونوں اطمینان سے ماسٹر بیڈ روم میں آبیٹھے جسے ان لوگوں کی اصطلاح میں دو نمبر کا نام دیا گیا تھا۔

"چاہو تو تمہارے پینے پلانے کا بھی انتظام ہوسکتا ہے۔" اول خان نے پیشکش کی "ہمارے آنے سے پہلے یہاں کے کئی کیبنٹ بھانت بھانت کی شرابوں سے بھرے ہوئے تھے۔"

"دن کے اجالے میں مجھے شراب کی طلب کبھی نہیں ستاتی۔ یہ سب دُھند لکا پھیلنے کے بعد کے دھندے ہیں" میں نے ہنس کر کہا۔ "ویسے واپسی پر میں یہاں سے کچھ اسٹاک اپنے ساتھ لے جاؤں گا کیونکہ آج کل مجھے اپنی شاپنگ کا موقع نہیں مل رہا‘ بھاگ دوڑ کی

وجہ سے میرے رابطے بھی ٹوٹ گئے ہیں۔"
"ویرا بھی بلانوش ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہارا دوست' جہانگیر بھی پینے پلانے کا عادی ہوگا۔" اول خان نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ شراب نوشی کے عادی افراد' تم جیسے کارنامے کیسے انجام دے لیتے ہیں۔"
"نشے میں دُھت ہوجانے والے لوگ' زندگی سے اپنے تمام رابطے منقطع کرکے' اپنی ذات کے خول میں سمٹ کر رہ جاتے ہیں اور عام زندگی میں بدترین ناکامیوں سے دوچار ہوتے ہیں۔ ہم لوگ شراب نوشی کا گناہ ضرور کرتے ہیں لیکن ہوش وحواس سے بیگانہ نہیں ہوتے اسی لئے کچھ کر دکھانے کے قابل رہ جاتے ہیں۔"
"تم شادی شدہ ہو؟" اول خان اچانک ہی مجھ سے وہ بے تکا سوال کر بیٹھا۔
"اور تم؟" میں نے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے اس سے جوابی سوال کیا۔
"میری تین بیٹیاں اور ایک چھوٹا بیٹا ہے" اس نے فخریہ لہجے میں بتایا "بڑی بچی اس سال میٹرک کا امتحان دے گی۔ بیٹا تیسری جماعت میں پڑھ رہا ہے۔ ان کی ماں ایک خانہ دار اور ان پڑھ عورت ہے۔"
اس نے کسی عذر' بہانے یا وضاحت کے بغیر جس فخریہ انداز میں اپنی بیوی کے ان پڑھ ہونے کا اعتراف کیا' وہ میرے لئے حیرتناک بلکہ ناقابل یقین تھا۔ میرا تجربہ تھا کہ اعلیٰ معاشی اور معاشرتی منصب پر فائز افراد اپنے خاندانی پس منظر کے پسماندہ پہلوؤں کا ذکر کرنے سے عموماً گریز کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس دباؤ کو اتنی شدت سے قبول کرتے ہیں کہ اپنے ہم نشینوں میں سرخروئی حاصل کرنے کے لئے مہذب شہری اور تعلیم یافتہ خواتین سے دوسری یا تیسری شادی کر بیٹھتے ہیں تاکہ ایسی خواتین کے ساتھ معاشرے کے نام نہاد معزز حلقوں میں شامل ہو کر اپنے احساسِ کمتری پر قابو پا سکیں۔
لیکن اول خان' باحیثیت لوگوں کے غول میں شامل ہونے کے باوجود حقائق سے گریز کرنے کا عادی نہیں تھا۔ اس نے بڑی سادگی کے ساتھ اپنی بیوی کے ان پڑھ ہونے کا اعتراف کرلیا تھا اور یہ اس کے کردار کی عظمت تھی۔
"تمہارے ماضی کے حوالے سے میں نے کہیں پڑھا یا سنا تھا کہ کراچی کی ایک لڑکی سے تمہارا کوئی سلسلہ چل رہا تھا' پھر وہ کہیں غائب ہوگئی۔ وہ آج کل کہاں ہوتی ہے؟" اول خان کے اس سوال نے مجھے ششدر کردیا۔
کوٹ مندو اور جانو ماچھی کی موت اور منظور ماموں کی حویلی کے المناک انتقامی سانحے کے بعد اول خان مجھ سے یوں سرسری انداز میں ملا تھا جیسے میرے حال کے بارے میں کچھ جانتا ہی نہ ہو۔ اس نے میرے ساتھ طویل رفاقت کے کسی بھی مرحلے پر مجھے یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ میرے بارے میں میری بتائی ہوئی باتوں سے زیادہ کچھ جانتا تھا۔
اس نے سکھر میں پہلی بار ویرا کے بارے میں زبان کھولی تھی جب سلطان شاہ نے اس کا ذکر چھیڑا تھا اور میں یہ سن کر حیران رہ گیا تھا کہ وہ ویرا کے بارے میں بہت سی ایسی باتیں بھی جانتا تھا جو میرے لئے حیرت ناک ثابت ہوئی تھیں اور اب وہ میرے ساتھ نجی گفتگو میں غزالہ کا نام لئے بغیر اس کا ذکر کر رہا تھا۔
"وہ میرے ساتھ ہی ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا "اگر بدنصیبیاں آڑے نہ آگئی ہوتیں تو آج وہ میری بیوی ہوتی۔ لیکن تمہیں اس کے بارے میں کہاں سے معلوم ہوا؟"
"ہم لوگ سر جھکا کر اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اور غیر ضروری تفصیلات میں نہیں جاتے۔" اس نے سادگی اور سنجیدگی کے ساتھ کہا "ہم جب کسی کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو اس کے بارے میں پوری معلومات جمع کرتے ہیں۔ تمہارے بارے میں بھی اسی کلیئے پر عمل کیا گیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اپنے حلیفوں اور حریفوں سے غیر متعلقہ موضوعات پر بات نہیں کرتے۔ اگر تم سے میری دوستی نہ ہوگئی ہوتی تو میں تم سے اس لڑکی کا ذکر بھی نہ کرتا۔"
"اچھا ہوا کہ تم نے اس کا ذکر چھیڑ دیا۔" میں نے آہستگی سے کہا "وہ تعلیم یافتہ ضرور ہے۔ لیکن آج کل کی عام لڑکیوں کی طرح فیشن زدہ اور خود سر نہیں ہے۔ اسے تمہاری ان پڑھ بیوی سے مل کر خوشی ہوگی۔"
"اس کے منہ پر اسے ان پڑھ نہ کہہ دینا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا "میرا مطلب تھا کہ اس نے کسی اسکول میں نہیں پڑھا لیکن پھر بھی وہ اردو اور قرآن شریف پڑھ سکتی ہے۔"
"تم بے فکر رہو میں سیدھے سادے لوگوں کو عزت دینا جانتا ہوں۔"
"کیا نام ہے اس لڑکی کا؟ اس کا باپ شاید آرمی کا ریٹائرڈ کمیشنڈ افسر تھا۔" اول خان نے اپنی پرانی یادداشتوں کو کریدتے ہوئے سوال کیا۔
"غزالہ' کرنل زوار زیدی کی لڑکی تھی' پرانی باتوں کے بارے میں تمہاری یادداشت قابل رشک ہے۔" میں نے اس کی صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا "میری اور غزالہ کی زندگی میں بڑے نشیب و فراز آئے لیکن اب قسمت کو ہم پر کچھ رحم آگیا ہے میرا خیال ہے کہ ہم جلد ہی شادی کرلیں گے پھر تمہاری بیوی سے ملنے آئیں گے۔"
اول خان کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر قدموں کی دھمک سن کر خاموش ہوگیا۔
آنے والے غلام رسول کے محافظ تھے۔ ان کے درمیان غلام رسول لنگڑاتا ہوا چل رہا تھا۔
محافظوں نے اول خان کی ہدایت پر غلام رسول کو اس کمرے میں چھوڑا اور خود باہر چلے گئے۔
"مُلا سرکار کے ساتھ ہونے والے کھیل میں تمہارے ساتھی کون لوگ تھے؟" میں نے غلام رسول کو بیٹھنے کی اجازت دیئے بغیر خشمناک لہجے میں سوال کیا۔
"مُلا سرکار سے صرف میرا رابطہ تھا۔ باقی لوگوں پر میرا اپنا اثر و رسوخ تھا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا "ان کی تعداد کل پانچ ہے۔ وہ ضرورت پیش آنے پر میری ہدایات کے مطابق اپنا کردار ادا کرنے کے لئے تیار کئے گئے تھے۔"
"ان کے نام بتاؤ!" میں نے اول خان کو نوٹ لینے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
غلام رسول اپنے نام اور رتبے کے لحاظ سے قومی سیاست میں اعلیٰ مقام کا حامل تھا لیکن اس نے جو پانچ نام بتائے' وہ بھی غیر معروف اور اجنبی نہیں تھے۔ قومی اہمیت کے معاملات پر وہ اکثر و بیشتر رائے زنی کرتے رہتے تھے۔
"انہیں معلوم تھا کہ تمہارے کسی غیر ملکی طاقت سے خفیہ روابط ہیں؟"
"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔" تشدد کے آخری دور کے بعد وہ راہِ راست پر آچکا تھا "یہ میرے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا اس لئے میں نے گروپ کے کسی ممبر کو اپنی وفاداریوں کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ پورے کھیل کے بارے میں اپنی انفرادی رائے رکھتے ہیں۔"
"تم لوگوں کے درمیان اشتراکِ عمل کی کیا بنیاد تھی؟" میں نے پوچھا۔
"اس علاقے کی جغرافیائی تقسیم میں ہونے والی ناانصافیوں کے بارے میں ہم سب ہم خیال تھے لیکن قومی سطح پر ہم اپنی رائے کا اظہار نہیں کرسکتے تھے۔ خیالات کی اسی یکسانیت نے ہمیں ایک دوسرے کے قریب ہونے میں مدد دی۔ وہ لوگ ایسے لڑکوں پر نگاہ رکھتے جو وقت پڑنے پر ہمارے کام آسکتے ہیں۔"
"کسی بھی سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیا انہیں معلوم نہیں تھا کہ انہیں سندھ کے قانون شکن اور روپوش عناصر کی پشت پناہی حاصل ہے؟"
"ہاں۔" اس نے اعتراف کیا "وہ ملا سرکار کے اور میرے گہرے روابط سے بے خبر تھے لیکن یہ ضرور جانتے تھے کہ بعض ڈاکوؤں سے میرے قریبی مراسم ہیں۔ سندھ میں وڈیروں' جاگیرداروں اور دوسرے بڑے بزرگوں کا ایسے عناصر سے قریبی میل جول' علاقے کی صدیوں پرانی روایات کا ایک حصہ ہے۔ اس لئے میں نے کبھی ایسی قیاس آرائیوں کی تردید کرنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ اس طرح ملا سرکار کے ساتھ میرے مراسم پر پردہ پڑا رہ سکتا تھا۔"
"ان قیاس آرائیوں کی وجوہ کیا تھیں؟" میں اس کے کردار سے تفصیلی واقفیت حاصل کرنے پر تُلا ہوا تھا۔
"جہاں ملا سرکار میرے ذریعے مالدار اسامیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرکے انہیں اغوا کراتا تھا' وہیں میں بھی اپنے مخالفین کے بارے میں اس کی مدد لیتا تھا۔ ان پانچوں میں سے دو کے دشمنوں کو بھی میں نے ملا سرکار کے ذریعے اغوا کرایا تھا۔ ان دونوں کی زندہ سلامت واپسی کے لئے اتنا بھاری تاوان طلب کیا گیا تھا کہ اب وہ ساری عمر اپنی پرانی مالی حیثیت بحال نہیں کرسکیں گے۔ ان واقعات پر میرے دوستوں نے دبے الفاظ میں میرا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔ انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ میری مخاصمت مول لینے والوں کو جلد یا بدیر اغوا اور تاوان کے واقعات سے واسطہ پڑ سکتا ہے۔"
"ان پانچوں نے کسی مناسب وقت کے لئے کیا تیاریاں کی ہوئی تھیں؟"
"عملی طور پر کچھ نہیں کیا گیا تھا لیکن ہم سب نے مالی امداد اور سفارشوں کے ذریعے اپنے معاشرتی حلقوں کو بہت زیادہ وسیع کرنا شروع کر دیا تھا۔ ہمارے احسانات کے بوجھ تلے دبے ہوئے' یہی لوگ ضرورت پیش آنے پر ہمارے حامی اور مددگار ثابت ہوتے۔ ان کے ذریعے ہمیں شہری علاقوں پر اپنا کنٹرول قائم کرنا تھا۔"
"تمہاری رسائی گنے چُنے علاقوں تک ہے۔ علاقے کے باقی حصوں کے بارے میں کیا حکمتِ عملی طے کی گئی تھی؟"
"اس بارے میں میری معلومات ناقص یا ناکافی ہیں۔ اس پوری اسکیم کا ماسٹرمائنڈ ملا سرکار ہے۔ میں اس کی طرف سے وقتاً فوقتاً ملنے والی ہدایات کے مطابق اپنا کام آگے بڑھاتا رہتا ہوں۔ ویسے میرا اندازہ ہے کہ ملا سرکار قانون کے جن باغیوں کی پشت



بناہی کرتا ہے وہ انہی سے اپنی فوج کا کام لینا چاہتا ہے۔ وہ لوگ جس دن بھی ہتھیار سنبھال کر قصبوں اور دیہاتوں پر یلغار کریں گے توکوئی ان کے مقابلے پر نہیں آئے گا۔"

"ان مقاصد کے لئے تمہارے پانچوں ساتھیوں کی مالی ضروریات کون پوری کرتا ہے؟"

"ان کا واسطہ صرف مجھ سے ہے' ان کی ساری ضروریات میں پوری کرتا ہوں۔ فنڈز کے بارے میں میری تمام ضروریات ملا سرکار بے چون وچرا پوری کرتا ہے۔"

"اسے کیا فرق پڑتا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اسے شکاروں کے کوائف تو تم ہی فراہم کرتے ہو۔ یرغمالیوں کے تاوان سے وصول ہونے والی آدھی پونی رقم وہ تمہیں دے دیتا ہے' باقی اس کا نفع ہوتا ہے۔"

"عام لوگوں نے کبھی یہ سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کہ ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے تمہارے پاس بے حساب دولت کہاں سے آتی ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"ہم سرکاری اداروں اور افسروں کی طرح کھلی کچہریاں لگا کر سرعام امداد تقسیم نہیں کرتے۔ کام کے لوگوں کو خاموشی سے نقد رقم سونپ دیتے ہیں۔ اس طرح ہم سے مدد لینے والوں کی عزتِ نفس مجروح نہیں ہوتی اور لوگ ہمارے کاموں کی وسعت سے بھی بے خبر رہتے ہیں۔ ایسے حالت میں کسی کو ہمارے وسائل کے بارے میں دماغ سوزی کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ لوگوں میں عام تاثر یہ ہے کہ ان کی مدد کے لئے ہم ملک بھر کے مخیر افراد سے مدد لیتے ہیں اور اسے پوری ایمان داری کے ساتھ متاثرین تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس طرح درپردہ ہمارے حامیوں کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے۔"

"تمہارے بتائے ہوئے شکاروں کے تاوان کی رقم میں سے تمہیں کتنا حصہ ملتا ہے؟"

"تاوان کی ہر رقم میں ہمارا حصہ نہیں ہوتا۔" اس نے زور دے کر کہا "یہ کارروائیاں' ملا سرکار اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے کرتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ میں جوں ہی اس سے رقم کا کوئی مطالبہ کرتا ہوں' اسی دن کوئی مال دار آدمی اٹھا لیا جاتا ہے۔ ایسے شکاروں سے حاصل ہونے والی رقم کا ایک بڑا حصہ میرے ذریعے سماجی اور فلاحی کاموں میں استعمال ہو جاتا ہے۔ ہم لوگ دور دراز کے نادار مگر ذہین طالب علموں کو بھاری وظیفے تک باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں تاکہ علم کے زیور سے آراستہ ہونے کے بعد وہ جہاں بھی جائیں' ہمارے تابع رہیں۔"

"تمہارے ذریعے خرچ ہونے والی رقوم کا ماہانہ یا سالانہ تخمینہ کیا ہے؟"

"ہم نے کبھی حساب نہیں رکھا۔ لیکن میرا اندازہ ہے کہ پچھلے تین سالوں سے یہ رقم ڈیڑھ دو کروڑ روپے سالانہ سے متجاوز ہوتی ہے۔ آج کل یہ بجٹ غیر معمولی طور پر بڑھا ہوا ہے۔"



"فلاحی کاموں کے علاوہ' اس رقم میں تمہارا اور تمہار ساتھیوں کا حصہ بھی ہوتا ہوگا؟"

"اس حد تک کہ ہم اپنے روزمرہ کے اخراجات بھی اسی ر میں سے نکالتے ہیں۔ ملا سرکار مجھے دھمکی دے چکا ہے کہ جس رقم میں خرد برد کی خبریں اس تک پہنچیں' وہ ہمیں ہمارے گھروا ذبح کرا دے گا۔ ہماری نجی ضروریات کے لئے وہ الگ سے رق فراہم کرتا رہتا ہے۔"

"اور اس نے کسی برے وقت کے لئے تمہیں ہتھیار بھی د ہوئے ہیں؟"

اس کے حلق سے بے اختیار ایک کراہ آزاد ہو گئی اور اپنے قدموں پر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے بولا "میری حال بہت خراب اور خستہ ہے' اگر تم اجازت دو تو میں کرسی پر جاؤں؟"

"بیٹھو!" میں نے بے اعتنائی سے کہا "اور ہتھیاروں وا سوال کا جواب دو۔"

وہ کراہتا ہوا بدقت تمام ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور بولا' پچاس ہتھیاروں کی قسم نہیں کھاتا لیکن اس سے آگے ہمارے کچھ نہیں ہے۔ ہمیں تھوڑے بہت ہتھیار بھی اپنی حفاظت لئے دیئے گئے ہیں کیونکہ آج کل ہر طرف سیاست میں تشدد کا سرایت کرتا جا رہا ہے۔"

"یہ ہتھیار کن لوگوں کی تحویل میں ہیں؟" اول خان سوال کیا۔

"وہ ہم نے اپنی اپنی پسند کے لوگوں میں بانٹ دیئے ضرورت پڑنے پر وہ لوگ ہتھیار سنبھال کر ہمارے گروہ کے حفاظتی حصار قائم کرلیں گے ...... لل .... لیکن مجھے اتنا تو بتا مجھ سے یہ سب کچھ اگلوا لینے کے بعد تم مجھ سے کیا سلوک کر ارادہ رکھتے ہو؟ میں نے اس وقت کے لئے' اپنی آنکھوں سنہرے خواب بسائے ہوئے تھے۔ لیکن تمہاری تحویل میں کے بعد مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میرے سارے خواب ریزہ ہو کر بکھرنے والے ہوں۔ اپنی ساری عمر کی محنت اور ریا کی یہ تباہی مجھ سے برداشت نہ ہو سکے گی۔"

"تم کن سنہرے خوابوں کا ذکر کر رہے ہو؟" میں نے مل انداز میں قدرے نرمی اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔ "ابھی تک نے جو کچھ بتایا ہے' مجھے تو اس میں تمہاری رُوسیاہی کے علاو نظر نہیں آیا۔"

مجھے محسوس ہوا کہ وہ ورم آلود' نیلے پپوٹوں میں دھنسی آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہا ہے۔

"بولو بولو!" اول خان نے اکسایا "جب تم نے اپنے سا جرائم کا اعتراف کرلیا ہے تو ان امیدوں کا ذکر بھی کرنے چا کے سہارے تم نے یہ ساری رسوائیاں مول لی تھیں۔"

"ملا سرکار نے ہمیں' بلکہ مجھے پورا پورا یقین دلا دیا تھا کہ

تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ ان لوگوں کا فلسفہ ہے کہ قومیں مذہب کی بنیاد پر نہیں' واضح زافیائی تقسیم کی بنیاد پر وجود میں آتی ہیں۔ ایران اور انڈونیشیا کو کر ایک ملک نہیں بنایا جا سکتا' اسی طرح برِصغیر ایک جغرافیائی ت ہے جسے دو قوموں کے درمیان نہیں بانٹا جا سکتا۔ مگر لمانوں کی جذباتی دیوانگی اور ان کے لیڈروں کی چالاکی سے دنیا کی یخ میں پہلی بار' دو مذہب' دو قوموں کا نظریہ برِصغیر میں تسلیم کیا یا اور اس سرزمین پر راتوں رات خون میں ڈوبی ہوئی سرحدی بریں کھینچ دی گئیں۔ پاکستان کے مشرقی اور مغربی بازو کو ان لوگوں نے ہمیشہ اپنی تنقید کا نشانہ بنائے رکھا اور مشرقی پاکستان ہی سے نے منصوبے کا آغاز کیا جس کے نتیجے میں وہاں بنگلہ دیش بن گیا۔ ۔ دیش کے قیام کی تاریخ ان کی نظریاتی فتح کی داستان کہلاتی ہے۔ ایک بازو کو کاٹ دینے کے بعد یہ لوگ اب رہے سہے پاکستان گھات میں ہیں۔ ملا سرکار اپنے کارندوں کے ساتھ برسہا برس ، سندھ کے محروم اور پسماندہ علاقوں اور باشندوں میں کام کر رہا ، اور کسی دن اس صوبے میں بغاوت کی آگ بھڑکا کر یہاں مکمل ادی کا اعلان کرا دے گا۔ اس آزاد سندھ میں مجھے اور میرے تھیوں کو اہم منصب ملنے والے تھے۔"

"ابھی تم نے جو کچھ بتایا' وہ تمہارے اپنے خیالات ہیں؟" نے حیرت سے پوچھا۔

"آج سے پہلے میں بھی ملا سرکار کا ہم نوا تھا اور اس کے یات سے پوری طرح متفق تھا۔ اس کی باتیں منطقی اور دل کو ، والی ہوتی ہیں۔ ہم خود بھی انہی خطوط پر سوچتے رہتے تھے۔ نا آج تم لوگوں کے دام میں آکر میں نے محسوس کیا ہے کہ سندھ شاید بنگلہ دیش والی کہانی کبھی نہیں دہرائی جا سکے گی۔ ملا سرکار ۔ طرف پاکستان کو کمزور کرنا چاہتا ہے اور دوسری طرف اکھنڈ ت کی راہ ہموار کر رہا ہے۔ اگر وہ کبھی کامیاب ہو بھی گیا تو ہم ں کو کبھی بھی ابھرنے کا موقع نہیں دے گا۔ اس نے ہمیں ، کچھ بتا کر میرے ساتھ جو غداری کی ہے اس نے میری آنکھیں ل دی ہیں۔ وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے مجھے قربانی کا بنا رہا ہے۔ جس دن اسے کامیابی کی سو فی صد امید ہوئی' وہ ت کے ہنگاموں میں مجھے اور میرے ساتھیوں کو مروا دے گا۔" یک سرد آہ لے کر خاموش ہو گیا۔

"تمہیں یہ خیال کیوں ہوا کہ وہ اپنے مقصد کے لئے تمہیں دقوف بنا رہا ہے؟"

"وہ ہمیشہ رازداری پر زور دیتا رہتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ کوئی پکڑا جائے تو سارا تشدد اپنی جان پر جھیل کر موت کو گلے سے لگا لیکن اپنے ساتھیوں کے بارے میں زبان نہ کھولے اور خود اُس اس کے برعکس کیا ہے۔ اگر وہ تمہیں میرے ویڈیو کیسٹوں کے ے میں نہ بتاتا تو بخدا میں بھی اپنی زبان نہ کھولتا۔ جس شخص کے

قول اور فعل میں اتنا تضاد ہو' اس پر بھروسا کرنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔"

"غنیمت ہے کہ اب تمہاری آنکھیں کھل گئیں۔ لیکن تمہیں دیر ہو چکی ہے۔ یہ پشیمانی تمہارے جرائم کی سنگینی کو کم نہیں کر سکتی۔ تم ملا سرکار کے شریکِ کار تھے اور تم سے اسی کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔"

"میں بہکا ہوا تھا" فرطِ ملامت سے اُس کی آواز رُندھنے لگی۔ "اس وقت اسے اپنی سازش نبھانے کے لئے اس سرزمین پر اپنے کارندوں اور ہمدردوں کی ضرورت ہے اس لئے وہ مجھے اور اور مجھ جیسے دوسرے بے وقوفوں کو ساتھ لے کر چل رہا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہم ملک کے وفادار رہوں یا نہ ہوں' اپنی دھرتی سے ضرور وفادار ہیں۔ ہم کسی قیمت پر بھی اپنی شناخت مٹنے نہیں دیں گے جب کہ وہ مجھے ایک دوبار اکھنڈ بھارت کی خوبیوں پر لیکچر بھی دے چکا ہے۔ بغاوت کامیاب ہوتے ہی وہ ایسے کسی شخص کو زندہ نہیں چھوڑے گا جس کی جڑیں یہاں کے لوگوں میں ہوں۔ میری مقبولیت اس کے لئے ہر وقت خطرہ بنی رہے گی۔ اس کا ساتھ دے کر میں تو خودکشی کے راستے پر بڑھ رہا تھا۔"

حالات کی چکی میں پسنے کے بعد اس نے وہ مدافعانہ قلابازی کھائی تھی یا وہ اس کی حقیقی سوچ تھی' میرے نزدیک ان دونوں صورتوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں تھا۔

اس کے خلاف فردِ جرم خاصی طویل اور سنگین تھی مگر اپنے ذہن میں بھرے ہوئے زہر کی بنا پر وہ اس وقت بھی مُلا سرکار کی سازش کی کامیابی کے امکانات کا ذکر کر رہا تھا۔ اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ ایسے خیالات اس کے ذہن سے کھرچ کر بالکل دور کردوں تاکہ وہ کھلے ذہن کے ساتھ ہم سے تعاون کر سکے۔

"تم بار بار ملّا سرکار کے منصوبے کی کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھول رہے ہو کہ اس وقت بھی وہ ہماری کڑی قید میں ہے۔ ہم لوگ پولیس والوں کی طرح روایتی انداز میں کام کرنے کے عادی نہیں ہیں بلکہ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ ہم نے تمہاری حمایت کرنے والے ڈی آئی جی کا کیا حشر کیا تھا۔ ملا سرکار کا انجام اب پھانسی گھاٹ کی سولی پر ہوگا اور اسی کے ساتھ اس علاقے میں بغاوت پھیلانے کا منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔"

"خدا کرے تمہاری سوچ درست ہو۔" اس نے دعائیہ لہجے میں کہا۔ اس کی آواز میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو میرے دل میں چبھ گئی اور میں اسے مزید کریدنے پر تل گیا۔

"تو کیا تمہاری دانست میں' اس منصوبے کے اب بھی پنپنے کے امکانات باقی ہیں؟"

"ایسے منصوبے کسی ایک فرد کو سامنے رکھ کر نہیں بنائے جاتے۔ تم ملا سرکار کو پھانسی چڑھا دو گے' مجھے رسوا کرکے سزا یاب کرا دو گے لیکن اس منصوبے کی جڑیں پھر بھی ختم نہیں ہو سکیں

گی۔"

اس کا جواب مبہم لیکن بہت معنی خیز تھا جس پر میرے بدن میں کروڑوں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ اول خان بھی اس کے الفاظ پر متحیر نظر آنے لگا تھا۔

"اس علاقے میں ملا سرکار نے اپنی ساکھ بنائی ہوئی تھی۔ ڈاکوؤں اور رُوپوش مجرموں پر اس کا کافی اثر و رسوخ تھا۔ اس کا کوئی جانشین آیا تو اسے اپنے قدم جمانے میں برسوں نہیں تو مہینے ضرور لگ جائیں گے اور اس سے پہلے ہی ہم اس کی گردن میں طوق ڈال دیں گے۔"

"اگر میری زندگی رہی تو میں اس دن کا انتظار کروں گا۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"تمہیں کچھ معلوم ہے تو کھل کر بات کرو" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔

اس کے دہانے سے پہلی بار ایسی آوازیں برآمد ہوئیں جیسے اس نے ہنسنے کی کوشش کی ہو' پھر وہ بولا "میں تمہارا مجرم ہوں اور مُلا سرکار قیدی۔ مجھ سے زیادہ معلومات تمہیں ہونی چاہئیں۔"

میں نے اندازہ لگایا کہ اسے کوئی خاص بات ضرور معلوم تھی جو اس وقت تک ہمارے علم میں نہیں آسکی تھی۔

"پھر بھی تمہیں ہم سے کھل کر تعاون کرنا چاہئے!" اول خان نے نرمی سے کہا۔

"میرے بدن کا رُواں رُواں تمہارے تعاون کا گواہ ہے" ہماری بڑھتی ہوئی بے چینی کا احساس کرتے ہی اس کے لب و لہجے میں اعتماد آنے لگا۔" تمہارے نزدیک میں اپنے اقبالی جرائم کی بنا پر واجب القتل ہو چکا ہوں' پھر میں کیوں اور کس امید پر بات آگے بڑھاؤں؟"

"تمہارے انکشافات سے ہمیں کوئی مدد ملی تو ہم تمہارے معاملے میں نرمی سے کام لیں گے۔"

"سزائے موت کی جگہ عمر قید دلوا دو گے یا عمر قید کی جگہ دس برس کی سزا ہو جائے گی لیکن میرے لئے ان میں کوئی فرق نہیں ہے سزا کیسی بھی ہو' وہ میری مکمل تباہی پر منتج ہو گی۔"

"پھر تم کس رعایت کی امید کر رہے ہو؟" اول خان نے ہی سوال کیا۔

"باعزت آزادی اور سارے الزامات کی واپسی!" وہ بولا۔ "میں دیکھ چکا ہوں کہ تم لوگ لامحدود اختیارات کے مالک ہو' جو چاہو' کر سکتے ہو۔ ابھی تک میرا کوئی بیان قلمبند نہیں کیا گیا۔ تم دونوں گزرے ہوئے واقعات کو بھول جانے پر آمادہ ہو جاؤ تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

"اتنی بڑی بات تم کس بل بوتے پر کہہ رہے ہو؟" اول خان اس کے مطالبے پر حیران رہ گیا "آخر تمہیں ایسا کون سا راز معلوم ہے جس کے سہارے تم کھلی معافی مل جانے کی امید کر رہے ہو؟"

"اس وقت تک کی باتوں سے میں نے اندازہ لگا لیا تمہاری معلومات' میری ذات کے علاوہ مُلا سرکار تک محدو اگر یہ درست ہے تو پھر تم آنے والے طوفان کا اندازہ لگا سکتے۔"

"تم معافی حاصل کرنے کے لئے اب سوانگ رچا گئے ہو۔" میں نے غصے کے ساتھ کہا "ہم تمہیں ڈھیل نہیں سکتے۔ واپس جا کر تم پھر اپنی سازشوں کا جال پھیلانا شرو گے۔ اسی مہلت کے حصول کے لئے اب تم نے کچھ نئے ر افسانہ تراش لیا ہے۔"

"میں نے موت کو بہت قریب سے دیکھ لیا ہے۔ اگر مجھے چھوڑ دیا تو میں تم سے حلفیہ وعدہ کرتا ہوں کہ زندگی بھ میں حصہ نہیں لوں گا۔ اس عہد سے انحراف کروں تو مار دینا۔ میں اب بیوی بچوں اور اپنے خاندان کی عزت کے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ ابھی میں تمہاری قید میں ہوں۔ سودے ہو جانے کے بعد بھی مجھے رہا کرنا یا نہ کرنا تمہاری مرضی اور صوا منحصر ہو گا لیکن تم لوگ بے ایمان اور راشی نہیں ہو۔ میرا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ تم اپنے وعدے سے نہیں پھرو گے اسی لئے نے یہ بات شروع کی ہے۔ تمہارا اول میری کہانی کی اہمیت کو لے تو مجھے چھوڑ دینا۔ اگر تم نے میری فراہم کی ہوئی معلومات قائدہ نہیں اٹھایا تو میں اپنی رہائی پر اصرار نہیں کروں گا اور ہر کو اپنا مقدر سمجھ کر تسلیم کر لوں گا۔ یہ میرا عہد ہے اور اب تمہاری زبان چاہتا ہوں۔"

اس کی پیشکش بہت واضح اور دو ٹوک تھی۔ وہ آخری ہر اختیار ہمیں سونپ رہا تھا' پھر یہ بھی عہد کر رہا تھا کہ اگر تعاون کے بدلے میں ہم نے اسے معاف کر دیا تو وہ زندگی لئے سیاست سے تائب ہو کر گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر اور اپنی پرانی روش کو بھول جائے گا۔

اس کی باتوں نے مجھے سوچ میں ڈال دیا۔

لمحہ بھر کے لئے میرے جی میں آئی کہ اس کو فریب دے اس کی شرائط کو تسلیم کر لوں تاکہ وہ بلا توقف اپنی کہانی س دے اس کے بعد اسے چھوڑنا یا نیست و نابود کرنا ہمارے اختیار ہوتا۔ لیکن اول خان نے شاید میری آنکھوں سے میرے بھانپ لئے اور ایک دم کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"تم باہر جاؤ" اس نے غلام رسول سے کہا "ہم مشو تمہیں دوبارہ بلواتے ہیں۔"

"یہ یاد رکھنا کہ میں اس دھرتی کا غدار نہیں ہوں۔" گڑگڑاتے ہوئے فریادی لہجے میں کہا "میں جو کچھ کر رہا دانست میں اس دھرتی کی بھلائی اور شناخت برقرار رکھنے رہا تھا۔ میری عقل پر سے یہ پردہ آج ہی ہٹا ہے کہ میں سراب کے پیچھے بھاگ رہا ہوں' اس کے پیچھے اکثر



یا ایک عفریت ہمیں نگلنے کی گھات لگائے بیٹھا ہے۔ ہم سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں لیکن ہندوؤں کی غلامی' ہمارا خون کبھی گوارا نہیں کرے گا۔"

اول خان کی آواز پر محافظ اندر آگئے اور غلام رسول نے کرسی سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کی زخمی ٹانگوں نے اس کے بدن کا بوجھ سہارنے سے انکار کر دیا اور وہ لڑکھڑا کر دوبارہ نیچے گر گیا۔

"اسے سہارا دے کر لے جاؤ اور فرسٹ ایڈ دو۔" اول خان نے اپنے آدمیوں کو ہدایت دی۔" تھوڑی دیر کے بعد اس کی دوبارہ طلبی ہو گی۔"

دو محافظوں نے غلام رسول کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے اٹھایا اور کشاں کشاں باہر لے گئے۔

"یہ فریبی ہے' اس سے جھوٹا وعدہ کرو' بعد میں اسے ہری جھنڈی دکھا دیں گے۔" دروازہ بند ہوتے ہی میں نے اول خان کے اظہار سے پہلے اسے اپنی رائے سے آگاہ کر دیا۔

"نہیں!" اس کے سخت لہجے پر میں حیران رہ گیا "وہ جن شرائط پر معافی کا طلبگار ہے' وہ قابلِ غور ہیں۔ اس مرحلے پر میں اس سے ایسا بے رحمانہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔"

"تو پھر اسے یہ بھی بتا دو کہ مُلا سرکار ہماری قید میں آنے سے پہلے ایک جانکاہ حادثے کا شکار ہو کر مر گیا تھا۔" میں نے چیخ کر کہا۔

"جھوٹ اور عہد شکنی میں بہت فرق ہے اور وہ جھوٹ بھی مصلحت آمیز تھا۔ تم اسے ملا سرکار کے پکڑے جانے کا ڈراوا نہ دیتے تو ہماری گفتگو اس مرحلے تک نہیں پہنچتی۔" اس کی آواز نرم تھی۔

"تمہیں اس سے یکا یک ہمدردی کیوں ہو گئی ہے؟" مجھے اول خان پر غصہ آرہا تھا۔

"اس کی باتیں دل گداز تھیں۔ تم نے سنا نہیں کہ موت کو بہت قریب سے دیکھ لینے کے بعد وہ اب اپنے بال بچوں اور خاندان کی عزت کے لئے زندہ رہنا چاہتا ہے؟ اسے یقیناً کوئی اہم بات معلوم ہے۔ اس نے ہمیں بہلانا چاہا تو میں ذرا بھی رُو رعایت سے کام نہیں لوں گا۔ اس کی کہانی میں جان ہوئی تو میں اپنا وعدہ ضرور پورا کروں گا۔"

"سچ بات یہ ہے کہ میں اس وقت خود کو ایک مضحکہ خیز صورتِ حال سے دوچار محسوس کر رہا ہوں۔ تمہارا موجودہ روپ ابا سین والے اول خان سے بالکل مختلف ہے" میں نے اپنا سر جھٹک کر کہا۔

"ایک شخص اگر اپنی لغزشوں کی کوئی قیمت ادا کر کے تائب ہونا چاہتا ہے تو ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے۔" اس نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "میری آنکھیں بہت دور تک دیکھ رہی ہیں۔ اگر جلا کر غلام رسول کو سزا سنائی گئی تو اس کی اولادوں یا رشتے داروں میں سے کوئی بھی ہمارے خلاف اٹھ سکتا ہے۔ غلام رسول کو ملا سرکار نے چال بازی سے گھیرا تھا لیکن جب اندر کا کوئی آدمی انتقاماً اور رضاکارانہ طور پر مخبری پر تل جائے تو وہ بہت خطرناک ہوتا ہے۔ اسے معافی دے کر ہم آنے والے دنوں کے بہت سے دشمنوں کا سدِباب کر لیں گے۔ اس کا مقدمہ کھلی عدالت میں نہیں چل سکتا اس لئے اس کی سزایابی بھی غلط فہمیوں اور کدورتوں کو جنم دے گی۔ اس سے فیضیاب ہونے والے ہر بات کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھیں گے۔"

"کیا تمہیں اس کو معاف کر دینے کا اختیار حاصل ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر الجھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"قومی مفاد کے لئے میں ہر فیصلہ کرنے کی آزادی اور اتھارٹی رکھتا ہوں۔" اس نے تحمل کے ساتھ جواب دیا "دشمن کے عزائم کے بارے میں معلومات خریدنا ایک باقاعدہ فن ہے جس کے لئے خطیر رقوم کی ادائیگی کے ساتھ بعض ناپسندیدہ رعایتیں بھی دینی پڑتی ہیں اور یہ معاملہ اسی ضمن میں آتا ہوا نظر آرہا ہے۔"

"تم بہتر سمجھ سکتے ہو۔ میں اس موذی کو کوئی رعایت دینے کے حق میں نہیں ہوں۔"

"رعایت دینے کی بات تو بعد میں آئے گی' پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ وہ کیا کہانی سناتا ہے۔ اگر اس کی فراہم کی ہوئی معلومات میں ملک و قوم کا کوئی بڑا مفاد پوشیدہ ہوا' تب ہی میں اس کی شرائط تسلیم کروں گا ورنہ اسے اپنے اعمال کی سزا بھگتنی ہو گی۔ میں بلاوجہ اسے ڈھیل نہیں دوں گا۔ یہ بات میں تم سے بار بار دہرا رہا ہوں۔"

جواب میں' مَیں نے خاموشی اختیار کر لی۔ اول خان نے میری خاموشی کو نیم رضامندی سمجھتے ہوئے اپنے کسی اردلی کو بلا کر قیدی کی طلبی کا حکم سنایا اور وہ الٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

چند ہی ثانیوں کے بعد غلام رسول کا ایک محافظ بوکھلائے ہوئے انداز میں وہاں آموجود ہوا۔ اس نے بتایا کہ قید خانے میں پہنچتے ہی قیدی کو خون کی بڑی سی قے ہوئی تھی جس کے بعد اس کی دیکھ بھال کی جا رہی ہے اس لئے اسے فوری طور پر یہاں لانا ممکن نہیں۔ اول خان نے اسے واپس لوٹا دیا۔

"اب اگر وہ اپنی کہانی سنانے سے پہلے مر جائے تو کیسا رہے گا؟" میں نے اول خان کو چھیڑا۔

"ہم اپنی تدبیر کر سکتے ہیں لیکن قدرت کے کاموں میں دخل انداز نہیں ہو سکتے۔ آؤ' وہیں چل کر اسے دیکھتے ہیں۔"

غلام رسول پہیوں والے ایک اسٹریچر پر پڑا ہوا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اول خان کو دیکھتے ہی فرش صاف کرنے والے کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔ غلام رسول کو فرسٹ ایڈ دینے والا اول خان کی طرف آگیا۔

"میں اس کے زخموں کی مرہم پٹی تو کر لوں گا مگر میرا خیال ہے

کہ اس کے پھیپھڑوں وغیرہ پر اندرونی زخم آئے ہیں۔ اجازت ہو تو ڈاکٹر کو بلا کر اس کی رائے لے لی جائے؟" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

اول خان نے سر کی جنبش سے اس کی تجویز پر صاد کر دیا اور وہ وہاں سے چلا گیا۔

اسی لمحے غلام رسول نے آنکھیں کھول کر ہم دونوں کو دیکھا اور بھرّائی ہوئی، کمزور آواز میں بولا "اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔ میری حالت اچھی نہیں ہے اور میں نے اپنا فیصلہ بدل دیا ہے۔"

"کس فیصلے کا ذکر کر رہے ہو؟" اول خان کا لہجہ شاید غیر ارادی طور پر ہمدردانہ ہو گیا۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ ایک سفاکانہ پیشے سے وابستہ ہونے کے باوجود اس قدر نرم دل تھا کہ غلام رسول پر مہربان ہوا جا رہا تھا۔

"پتا نہیں، میرے کتنے سانس باقی ہیں۔ میں وہ راز اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا۔ تم میرے ساتھ جو سلوک چاہو کر سکتے ہو مگر میں اپنا قرض اتار دینا چاہتا ہوں..... آج تاریخ کیا ہے؟"

سترہ ستمبر۔" اول خان نے اس کے ہذیان کو غیر ضروری اہمیت دیتے ہوئے کہا۔

"صرف چار دن رہ گئے ہیں۔" وہ ہذیانی انداز میں بڑبڑایا۔ "طبل پر چوٹ پڑے گی اور وہ اندر گھس کر ہر طرف بربادی اور تباہی پھیلا دیں گے، انہیں نہ روکا گیا تو ہر طرف خون کے دریا بہنے لگیں گے۔"

وہ ہذیان نہیں ہو سکتا تھا، وہ عقل و شعور کی باتیں تھیں۔ اس لئے ہم دونوں ہی اس کے قریب ہو گئے۔

"فکر نہ کرو، ڈاکٹر آ رہا ہے۔ تمہاری حالت بہت جلد سنبھل جائے گی۔" اول خان نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "ہمیں پوری بات بتاؤ تاکہ ہم ان کی مؤثر سرکوبی کا بندوبست کر سکیں۔"

"میں نے ملا سرکار اور کمانڈر کی گفتگو لفظ بہ لفظ سنی ہے۔" غلام رسول کہہ رہا تھا "ملا سرکار کو باہر سے اسلحہ ملنے میں دیر ہو رہی ہے، ور جنگل میں روپوش باغیوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے اس لئے ملا سرکار نے کمانڈر کو اکیس ستمبر کو حملے کی تاریخ دے دی ہے۔ یہ وس تاریخ کی بات ہے۔ کمانڈر کے سادہ پوش سپاہی، ہتھیاروں کے ٹرکوں سمیت گدرا کے اونچے اونچے ریتیلے ٹیلوں کے درمیان جمع ہو رہے ہوں گے۔ ہتھیار نہ ملنے کی وجہ سے اب بازی ملا سرکار کے ہاتھ میں نہیں رہی ہے۔ اس کا کام صرف اتنا ہے کہ اکیس ستمبر کو سارے باغیوں کو سمیٹ کر نیا چھور پہنچ جائے جہاں کمانڈر کی پارٹی ہتھیاروں اور گولہ بارود سے لدے ہوئے ٹرک ان کے حوالے کر دے گی اور وہ لوگ ہر طرف پھیلنا شروع ہو جائیں گے۔"

"یہ تم کس کمانڈر کی بات کر رہے ہو؟" میں نے اضطراری طور پر سوال کیا۔

"مجھے بس اس کا یہی نام معلوم ہے۔ ملا سرکار اسے کمانڈر کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔"

"ان دونوں کی ملاقات کہاں ہوئی تھی؟" غلام رسول کی [illegible] نے اول خان کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

"کہیں نہیں...... میں نے ان دونوں کی باتیں اپریٹس [illegible] تھیں۔" اس نے کروٹ بدل کر کہا۔

"تم نے کس اپریٹس پر ان کی باتیں سن لیں؟" اس [illegible] ہولناک اور سنسنی خیز انکشافات مجھ پر بھی اثر انداز ہو رہے [illegible]

"ملا سرکار نے رابطے کے لئے مجھے ایک ٹرانسیٹر دیا ہوا [illegible] کچھ روز پہلے اس کے سیل بدلتے ہوئے، میری نظر اندر چھپے [illegible] ایک بٹن پر پڑی اور میں نے اسے اس کی جگہ سے دوسری [illegible] میں کھسکا دیا۔ میں ہر روز رات کے آٹھ بجے سے دس بجے [illegible] اس اپریٹس کو تخلیے میں آن رکھتا ہوں تاکہ ملا سرکار کو مجھ [illegible] بات کرنی ہو تو کال کر لے۔ اس رات جب میں نے نو بجے [illegible] قریب ملا سرکار کے لئے کمانڈر کی کال سنی تو چونک پڑا۔ وہ [illegible] بہت دیر تک اکیس ستمبر کے حملے کی جزئیات پر باتیں کرتے رہے [illegible] میں دم سادھے سنتا رہا۔ اس روز مجھے پہلی بار علم ہوا کہ میرا [illegible] وہری فری کوئنسی پر کام کرتا ہے۔ ایک فری کوئنسی میرے [illegible] سرکار کے رابطے کے لئے مخصوص تھی اور خفیہ بٹن کو سر [illegible] وہی اپریٹس دوسری فری کوئنسی پر کام کرنے لگتا تھا جس پر [illegible] ملا سرکار اور کمانڈر کی بات چیت سنی تھی۔"

"تو کیا وہ اکیس ستمبر کو باقاعدہ حملے کی تیاری کر رہے ہیں [illegible] نے پوچھا۔

"ملا سرکار کے سارے کام بے قاعدہ ہوتے ہیں۔ فو [illegible] سرحد عبور کی تو جنگ چھڑ سکتی ہے جب کہ وہ سندھ کی دکھتی [illegible] ضربات لگا کر ہمیں نڈھال کرنا چاہتے ہیں۔ کمانڈر کے سا [illegible] لباس میں ڈیڑھ دو سو دہشت گرد گورِیلے ہوں گے جو اپنی [illegible] میں خطرناک ہتھیاروں سے بھرے ہوئے ٹرک باغیوں تک [illegible] گے اور پھر انہی کے ساتھ پورے سندھ میں پھیل کر دہشت [illegible] خونریزی اور سول نافرمانی کی آگ بھڑکا دیں گے۔ ملا سر [illegible] باغیوں کو یکجا کر کے اپنی مٹھی میں لینا تھا۔ انہیں لڑانے کا [illegible] کے ذمے ہے۔ ان کے ساتھ آنے والے ٹرکوں پر کئی [illegible] توپیں بھی ہوں گی تاکہ باغیوں کے خلاف طیاروں یا ہیلی [illegible] سے کی جانے والی کارروائی کی مزاحمت کی جا سکے۔"

"مجھے اس گفتگو کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔" [illegible] مضطربانہ لہجے میں بولا "اس کا ایک ایک لفظ ہمارے کا [illegible] اپنے ذہن پر زور دے کر ہر بات یاد کرنے کی کوشش کرو۔"

"وہ دونوں ایک گھنٹے دس منٹ تک باتیں کرتے [illegible] تربیت یافتہ گورِیلے جنگلات کے گرد و نواح کی راستوں [illegible] سرنگیں بچھا دیں گے تاکہ امن و امان نافذ کرنے وا [illegible] کے اہلکاران کی کمین گاہوں تک نہ پہنچ سکیں۔ وہ آب [illegible]



ٹیلی فون اور مرکزی مواصلات کی تنصیبات کو اپنا نشانہ بنائیں گے۔ ان کی ٹکڑیاں اکیس ستمبر کی شام تک تھرپارکر اور سانگھڑ کے علاوہ دریائے سندھ عبور کر کے دادو اور لاڑکانہ بھی پہنچ جائیں گی۔ ان کی حکمتِ عملی یہ ہو گی کہ وہ جلد از جلد پھیل کر چاروں طرف بکھر جائیں تاکہ ان سب کا سراغ لگانا ناممکن ہو جائے۔ ہر طرف بھڑک اٹھنے والی آگ انتظامیہ کو دو ہی دن میں مفلوج اور معطل کر کے رکھ دے گی اور کمانڈر اپنے زیرِ اثر علاقوں میں اپنے آدمیوں کا راج نافذ کرنا شروع کر دے گا۔"

وہ بولتے بولتے خاموش ہو گیا۔ وہ تھک گیا تھا یا پھر اس کی یادداشت اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

صرف چار دن بعد آنے والی اس تباہی کا تصور کر کے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

غلام رسول نے اپنی ہر شرط سے دست بردار ہو کر جس انداز میں کمانڈر کی کہانی چھیڑی تھی، اس کی بنا پر میں بھی اسے معاف کرنے کے سلسلے میں اول خان کا ہم نوا بن چکا تھا۔ کیونکہ اس کی کہانی ہر اعتبار سے بہت جان دار، سنسنی خیز اور اہم تھی۔ بروقت ملنے والی اس اطلاع پر بھرپور پیش قدمی کر کے، آنے والے طوفان کو ٹالنا ممکن نظر آنے لگا تھا ورنہ اس سرزمین پر بسنے والا ہر ذی روح، خس و خاشاک کی طرح اس بھیانک گرداب کی زد میں آ سکتا تھا۔

"تمہارا اپریٹس کہاں ہے؟" غلام رسول سے یہ سوال کرتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ میرے پاس موجود ٹرانسیٹر میں فری کوئنسی تبدیل کرنے والا سوئچ موجود ہونے کا امکان تھا جسے سرکا کر میں کمانڈر کی لائن پکڑ سکتا تھا۔

"میری حویلی پر، خوابگاہ میں ہے۔" غلام رسول ناقابلِ فہم حد تک تعاون پر آمادہ تھا "چاہو گے تو آپریشن سمجھا کر وہ بھی تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

"تمہاری طبیعت سنبھل جائے تو اسے منگوانے کا کوئی بندوبست کرتا ہوں۔" اول خان نے کہا۔

"یہ گدرا کس طرف واقع ہے؟" میں نے کمانڈر کے آدمیوں کے اجتماع کے مقام کے بارے میں غلام رسول سے پوچھا۔

"میرے لئے یہ بالکل نیا اور اجنبی نام ہے" اس نے بے بسی سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ کھوکھراپار کے قریب ایک غیر معروف گاؤں ہے جہاں بمشکل چند گھرانے آباد ہیں۔" اول خان نے پُرخیال لہجے میں کہا۔" اگر میرا اندازہ درست ہے تو کمانڈر کے لوگوں نے سب سے پہلے گاؤں کی آبادی کو تہ تیغ کیا ہو گا۔ ہمیں جلد از جلد وہاں پہنچنا ہو گا۔"

"اور ہاں، میں نے یہ بھی سنا تھا کہ داخلے کے لئے وہ گدرا سے ننگرپارکر اور میرپور خاص کی مضافاتی راہ لیں گے لیکن بعد میں اپنی ایمونیشن سپلائی لائن چھاچھرو اور عمرکوٹ کے راستے قائم کریں گے کیونکہ ان علاقوں کی آبادی میں ان کے ہمدردوں کی خاصی تعداد موجود ہے جو ضرورت پڑنے پر انہیں تحفظ بھی فراہم کرے گی۔" غلام رسول نے چونک کر کہا جیسے اسے وہ بات اسی لمحے یاد آئی ہو۔

"تو کیا وہ ہندو آبادی کی حمایت پر زیادہ انحصار کر رہے ہیں؟" اول خان نے پوچھا۔

"عام ہندوؤں سے وہ دونوں بہت مایوس اور نالاں ہیں۔ ان کی بڑی تعداد کو وہ ڈرپوک اور بزدل قرار دیتے ہیں اس لئے پہلے مرحلے پر ان کے کسی قول و فعل پر بھروسا نہیں کیا جائے گا البتہ چند ساہوکار بنئے کھل کر ان کی رہنمائی کریں گے۔ ملّا سرکار نے ان میں سے ایک کا نام آسو مل لیا تھا..... اب تم میرے ساتھ جو سلوک چاہو کرو لیکن خدا کے لئے اکیس ستمبر کے طوفان کا کوئی توڑ کرو۔ ایک بار وہ یہاں گھس آئے تو تم بھی ملا سرکار کو زیادہ دن تک اپنی قید میں نہیں رکھ سکو گے۔"

"ملا سرکار کو بھول جاؤ" میں نے غلام رسول پر ترس کھاتے ہوئے اس راز پر سے پردہ ہٹاتے ہوئے کہا "وہ جہنم واصل ہو کر اب ایک ڈراؤنا خواب بن چکا ہے جو کبھی حقیقت میں نہیں بدل سکے گا۔"

غلام رسول نے یہ خبر سنتے ہی اسٹریچر پکڑ کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن زور پڑتے ہی اسے پُرشور آواز سے ایک ابکائی آئی اور فرش پر دور دور تک خون بکھر گیا۔

مُلّا سرکار کی موت کی خبر غلام رسول کے لئے حیرت کا باعث بنی تھی یا صدمے کا۔ مجھے یہ اندازہ نہیں ہو سکا کیونکہ اُس نے اسٹریچر پر پڑے پڑے تین مرتبہ خون کی الٹیاں کیں اور پھر نڈھال ہو کر رہ گیا۔

ہم دونوں ہی دور کھڑے، بے بسی کے ساتھ اس کی حالت دیکھتے رہے۔ اوّل تو اس کے گھناؤنے کردار کی وجہ سے ہمارے دل میں اُس کے لئے ہمدردی کا ذرا بھی شائبہ باقی نہیں رہا تھا۔ دوم اُس کی پھیلائی ہوئی، خون آلود غلاظت ہماری پیش قدمی میں مانع ہو رہی تھی۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے وہ نقاہت سے بے ہوش ہو گیا۔

"آؤ! اب یہاں رکنا دوبھر ہو رہا ہے۔" اول خان نے نرمی سے کہا اور اس کمرے سے نکل گیا۔

راستے میں اس نے اپنے آدمیوں کو دوبارہ کمرے کی صفائی کی ہدایت کی۔ اسی اثنا میں کسی نے اسے بتایا کہ غلام رسول کی دیکھ بھال کے لئے ڈاکٹر آ چکا تھا۔ ڈاکٹر کو براہِ راست قیدی تک لے جانے کی ہدایت کرتے ہوئے، وہ میرے ساتھ اس خوابگاہ میں داخل ہو گیا جسے ردّوبدل کے بعد دو نمبر کا نام دے دیا گیا تھا۔

"مجھے شبہ ہے کہ یہ زندہ نہیں بچ سکے گا۔" کمرے میں پہنچ کر، میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"ہم قدرت کے کاموں میں دخیل نہیں ہو سکتے۔" اس نے اپنی پرانی بات دہرائی "لیکن اس وقت اس کا زندہ [illegible]

سود مند ہو گا۔ ان معاملات میں اسپیشل ٹاسک فورس کا نام ریکارڈ پر نہیں آیا لیکن سکھر پولیس کے بہتیرے اہل کاروں کو علم ہے کہ غلام رسول ہماری تحویل میں ہے۔ وہ مرگیا تو لوگ اس معاملے کو اچھال کر لوگوں کے جذبات کو مشتعل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ایسے عناصر کو ان بدعنوان سرکاری اہل کاروں کی پشت پناہی بھی حاصل ہوگی جو غلام رسول سے ہمدردیاں رکھنے کے باعث ہمارے ہاتھوں ذلیل ہوئے ہیں۔"

"تمہاری تحویل میں اس کی موت واقع ہونے سے واقعی دشواریاں کھڑی ہو جائیں گی۔"

"مجھے یا میرے بڑوں کو اس کی کوئی پروا نہیں ہوگی۔" اس نے بے نیازی کے ساتھ کہا "ہمارے ضمیر مطمئن ہیں۔ ہم نے اس پر بے جا تشدد نہیں کیا۔ ہم لوگ ستائش اور تنقید سے بے نیاز ہو کر اپنے ضمیر کی آواز پر عمل کرتے ہیں اور نتائج اللہ کی ذات پر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی ہمارا مشن اور موٹو ہے۔ ہم لوگ بھی ان بکھیڑوں میں الجھ جائیں تو ملّا سرکار، غلام رسول اور آرنیٹ جیسے ملک دشمنوں سے کون نمٹ سکے گا؟"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ اس کے پاس جو کچھ ثبوت اور شواہد تھے، اُن کی بنیاد پر ملک کا کوئی بھی ادارہ ان لوگوں کے خلاف کوئی فوری اور مؤثر کارروائی نہیں کرسکتا تھا۔

"تمہیں ہماری کارکردگی پر شرم سار ہونے کی ضرورت نہیں۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اوّل خان دوبارہ بولنے لگا۔ "دنیا کے مہذب ترین ملکوں میں بھی ایسے ادارے دن رات کام کر رہے ہیں جو ہر قانون سے ماورا ہو کر، صرف اپنے ملکی مفاد کے لئے کام کرتے ہیں اور کبھی کبھار تو اپنے سربراہانِ مملکت کو بھی، اپنی راہ کا روڑا سمجھ کر، ہمیشہ کے لئے خاموش کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ ایسے ممالک میں تمام تر جمہوری قاعدوں اور حقوق کے رائج و نافذ ہونے کے باوجود، آج تک کوئی ایسی تحریک نہیں اٹھی، جس میں ان اداروں کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہو۔"

"شاید تم سی آئی اے کی بات کر رہے ہو۔" میں نے کہا۔

"اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ امریکی ادارہ بدترین قومی اور بین الاقوامی سازشوں میں ملوث رہا ہے لیکن امریکی آئین کے ڈھانچے میں اپنا قانونی وجود رکھتا ہے۔ جب کہ تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ تم کسی کے نجی ملازم ہو یا سرکار کے تنخواہ دار؟"

"دو اور دو کو تین یا پانچ ثابت کرنے کی کوشش منطق اور فلسفے میں چل سکتی ہیں، ہم کسی کے بتائے بغیر بھی دو اور دو کو چار ہی کہتے اور سمجھتے ہیں۔ سپرپاورز کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ہر قسم کے رسوائے زمانہ ادارے بنانے اور چلانے کا پورا پورا حق حاصل ہے لیکن چھوٹی قومیں اپنے مفادات کی نگہداشت کے لئے ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتیں۔ ایسے ادارے بے ضابطہ ہوں یا باضابطہ، اہم بات یہ ہے کہ ان کے سربراہ مخلص، بے لوث اور نیک نیت ہونے چاہئیں۔" اپنے منصب اور فرائض کے بارے میں اُس کا ذہن بہت صاف اور واضح تھا۔ "یہ صرف سی آئی اے کی بات نہیں ہے۔ امریکا ہی میں ڈیفنس انٹیلی جنس نامی ادارے کے کئی شعبے پُراسرار اختیارات کے تحت خفیہ مقاصد کے لئے کام کرتے ہیں۔ اسرائیلی موساد، ہندوستانی را اور افغانی خاد میں بھی ایسے شعبے موجود ہیں۔ ملّا سرکار بھی بلیک کیٹ ٹی کے نام سے ایسے ہی کسی کھاتے میں پل رہا تھا۔"

"بلیک کیٹس تو شاید انڈین کمانڈوز کے ایک خصوصی دستے کو کہا جاتا ہے۔" میں نے کہا۔

"لیکن تم جانتے ہو کہ ملّا سرکار کمانڈو نہیں تھا۔ کمانڈو، تیز، مؤثر، فوری اور کاری وار کرنے کے لئے حرکت میں لائے جاتے ہیں۔ وہ مارتے ہی فرار ہو جانے کے اصول پر عمل کرتے ہیں۔ برسوں طویل سازشیں تیار کرنا، اُن کا کام نہیں ہوتا۔ ملّا سرکار کو آڑ کے لئے جو نام بھی دے دیا گیا ہو، یہ امر طے شدہ ہے کہ وہ ایک گھاگ سیکرٹ ایجنٹ تھا۔"

"اکیس ستمبر کے بارے میں کیا سوچا ہے، تم نے؟" میں نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔

"ان لوگوں کے لئے اکیس ستمبر کا سورج کبھی طلوع نہیں ہو سکے گا۔" اوّل خان نے سرد اور مضبوط لہجے میں کہا۔ "اس سے پہلے ہی اُن کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی۔"

"ست بیلہ کے آپریشن میں، مَیں تمہاری حربی صلاحیتوں کا مظاہرہ دیکھ چکا ہوں۔ تمہاری فورس ایسے معاملات سے اپنے طور پر بھی نمٹ سکتی ہے۔" میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے کہا۔

"اپنی سرحدوں میں ہم کھل کر کام کرلیتے ہیں لیکن یہ بین الاقوامی سرحد کا معاملہ ہے۔ کمانڈر اور اس کے آدمیوں کی سرکوبی کے لئے ہمیں سرحد عبور کرنی ہوگی تاکہ ضرب لگانے سے پہلے انہیں گھیرے میں لیا جاسکے۔ اس لئے ہمیں ریگولر اداروں سے رجوع کرنا پڑے گا اور فیصلے اوپر سے آئیں گے۔"

"گدرا ہماری سرزمین پر واقع ہے یا سرحد کے پار؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے خود علم نہیں۔" اس نے سادگی سے اعتراف کرلیا۔ "لائبریری سے بڑے اسکیل والے ٹیکنیکل میپ پر دیکھ کر ہی میں کچھ بتا سکوں گا۔ ایسے نقشوں پر آبادیاں تو بڑی بات ہیں، ہر نمایاں درخت، ٹیلے، کھاڑی اور پتھر تک کا ایک نام ہوتا ہے جس سے اُسے شناخت کیا جاسکتا ہے....."

"تم فوجی نقشوں کی تو بات نہیں کر رہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"یہ نقشے فوج کے ساتھ ہی تیل اور معدنیات کی تلاش میں نکلنے والوں اور دوسروں کے کام بھی آتے ہیں۔ ہر ادارہ ان پر اپنی تمام تر ضروریات اور ترجیحات کے مطابق نشان دہی کر کے انہیں اپنے سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔"

اسی لمحے میز پر رکھے ہوئے ایک ٹرانسمیٹر پر سگنل ٹوں ٹوں سنا



دینے لگی اور اوّل خان نے پھرتی کے ساتھ وہ اپریٹس آن کر دیا جس پر فوراً ہی انسانی آواز ابھرنے لگی۔

"ڈیلٹا کالنگ ایس سی کے... اوور!" دوسری طرف سے آواز سنائی دی تھی۔

"ایس سی کے ریسیونگ، سر!.... اوور!" اوّل خان نے مستعدی کے ساتھ جواب دیا۔

"بندر کا کیا حال ہے؟ مجھے اس کے بارے میں تفصیلی رپورٹ درکار ہے.... اوور!"

دوسری طرف سے کیا جانے والا سوال سن کر میری جان میں جان آئی کہ وہ گفتگو میں بھی سن اور سمجھ سکتا تھا۔ اول خان نے جس انداز میں اس کال کا جواب دیا تھا، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈیلٹا کے کوڈ سے بولنے والا، اوّل خان کا کوئی افسر تھا۔ اگر وہ دونوں ہی اپنی خفیہ زبان میں بات کرنے کا فیصلہ کرلیتے تو میں کسی احمق کی طرح، وہاں بیٹھا، اول خان کا چہرہ تکتا رہتا لیکن کوئی بھی بات میرے پلّے نہ پڑتی۔

"بندر بہت ڈھیٹ ثابت ہوا، سر!" اول خان کے پہلے ہی فقرے سے میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ گفتگو غلام رسول کے بارے میں تھی۔ اوّل خان اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "کافی تشدد کے بعد اس نے زبان کھولی ہے اور اس کے انکشافات لرزہ خیز ہیں۔ اکیس ستمبر کو گدرا کے علاقے سے ہماری سرزمین پر مسلح لشکر کشی ہونے والی ہے۔ کمانڈر نامی ایک بھارتی اس حملے کی قیادت کرے گا۔ وہ لوگ ہتھیاروں اور گولہ بارود سے لدے ہوئے ٹرک لے کر ہمارے علاقے میں پیش قدمی کریں گے اور ننیا چھور اور میرپور خاص کے درمیان، کہیں پر یہ سارے ہتھیار وغیرہ ڈاکوؤں اور باغیوں کے حوالے کردیے جائیں گے۔ کمانڈر کے ڈیڑھ، دو سو آدمی باغیوں کے ساتھ سندھ میں پھیل جائیں گے اور ہر طرف تباہی اور دہشت گردی کا بازار گرم کردیں گے۔ بیلے کے علاقے میں اپنی پناہ گاہوں کے گرد، یہ لوگ بارودی سُرنگیں بچھادیں گے۔ سرحد پار سے ہتھیاروں اور گولہ بارود کی سپلائی، چھاچھرو اور عمر کوٹ کے راستے جاری رہے گی جہاں کی عام ہندو آبادی کے عدم تعاون کے باوجود چند بارسوخ ہندو سیٹھ اور بنیے کمانڈر کے آدمیوں کا کھل کر ساتھ دیں گے۔ ان غدّاروں میں سے ایک کا نام سیٹھ آسول ہے۔ اس پوری مہم میں سرحد پار کا کوئی باوردی فوجی شامل نہیں ہوگا۔ یہ سب، سندھی بولنے والے، سادہ پوش کمانڈو ہوں گے جو مقامی آبادی میں اتنی تیزی کے ساتھ ضم ہوں گے کہ اُن کی علیحدہ شناخت ممکن نہیں رہے گی۔ اپنے مقامی ہمدردوں سے ملنے سے قبل ہمیں ان کو تہس نہس کرنا ہوگا ورنہ ہم کبھی بھی انہیں اپنی سرزمین سے باہر نہیں نکال سکیں گے..... اوور!"

"یہ ہولناک خبریں ہیں۔" دوسری طرف سے اضطراری آواز ابھری۔ "لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ میرا اور تمہارا مسئلہ ہو کیونکہ اب تک صرف ہم دونوں، ان باتوں سے باخبر ہیں۔ لیکن اوپر والوں میں غلام رسول کے بارے میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ مجھ پر ہر طرف سے بے پناہ دباؤ چلا آرہا ہے لیکن میں اس دباؤ کا ڈٹ کر مقابلہ کروں گا۔ تم اپنا کام جاری رکھو۔ تم نے ملک کی سلامتی کے خلاف ایک بھیانک سازش پکڑی ہے۔ اس کوشش کو ہم رائیگاں نہیں جانے دیں گے۔ مجھے بس غلام رسول کی ذہنی اور جسمانی حالت کے بارے میں بریف کردو تاکہ میں اسلام آباد سے بات کرسکوں.... تمہیں آخری لمحے تک میری پوری حمایت اور پشت پناہی حاصل رہے گی۔ اگر مجھے ایس ٹی ایف کے بنیادی اصولوں سے انحراف کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی گئی تو، تم یقین رکھو کہ میں اپنی آزادی اور سلامتی کی پروا کئے بغیر، ایسے بے باک قانون شکنوں کو عوام کے سامنے ننگا کردوں گا.... اوور!"

"سر! آپ کے ارادے میرے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ غلام رسول زندہ ہے لیکن اُس کی حالت بہت خراب ہے۔ اسے خون کی کئی الٹیاں ہو چکی ہیں کیونکہ تھرڈ ڈگری کے حقیقی استعمال سے پہلے اُس نے اپنی زبان سختی کے ساتھ بند رکھی ہوئی تھی۔ اب اسے اپنی موت سامنے نظر آنے لگی ہے اس لئے کچھ اعترافات کئے ہیں۔ اُس کی دیکھ بھال کے لئے میں نے ایک ڈاکٹر کو طلب کیا ہے لیکن مجھے امید نہیں ہے کہ غلام رسول اب زندہ بچ سکے گا۔ اس کھیل میں وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے پانچ ساتھی اور بھی ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ وہ پانچوں ملّا سرکار کے وجود سے بے خبر اور صرف غلام رسول کو جواب دہ ہیں جب کہ غلام رسول، ملّا سرکار کا غلام تھا.... اوور!"

"گڈ! تمہیں پریشان اور ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔ اپنے کام سے کام رکھو!" دوسری طرف سے سپاٹ لہجے میں کہا گیا۔ "میں اسلام آباد میں اکیس ستمبر والے معاملے پر بھی بات کروں گا۔ یہ نازک سرحدی معاملات ہیں اس لئے اس بارے میں ہم، اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے۔ البتہ تم مجھے غلام رسول کے پانچوں ساتھیوں کے نام بتادو تاکہ میں اسلام آباد والوں کو ان خبیثوں کے وجود سے بھی آگاہ کرسکوں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے غلام رسول کی گرفت پر، نیچے سے اوپر تک، سب لوگ ہماری کارکردگی کو شبے کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ کسی کو اس نیک نام مگر غدّار رہنما کے کرتوتوں کا علم نہیں ہے۔ اوپر والوں کو اس کی اصلیت کا یقین دلانے کے لئے مجھے بہت محنت کرنی ہوگی.... اوور!"

وہ پانچوں نام بھی کم اہم نہیں تھے۔ ان میں سے کم از کم تین افراد کا ماضی بالکل بے داغ تھا۔ ان کے بارے میں کبھی، کوئی مالی، اخلاقی یا سیاسی اسکینڈل سننے میں نہیں آیا تھا۔ بقیہ دو افراد سیاسی رہنمائی کے دعوے دار ضرور تھے لیکن ان کے کردار، خاصی حد تک مشکوک تھے۔ کیونکہ وہ اپنے اثر و رسوخ والے علاقوں میں، بدمعاشوں اور قانون شکن عناصر کی سرپرستی میں بدنام ہو چکے تھے۔

"حیرت کی بات ہے!" اول خان کے خاموش ہوتے ہی، دوسری طرف سے کہا گیا تھا۔ "اس وقت یہ پانچوں کراچی میں موجود ہیں اور شہر کے ایک ہی ہوٹل میں مقیم ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ تم

اسی وقت سے ان کی مصروفیات پر نگاہ رکھنی شروع کردو۔ کسی بھی موذی کے حواری بھی موذی ہی ہوتے ہیں..... اوور!"

"یہ بہت اچھی خبر ہے کہ وہ پانچوں بھی کراچی آگئے ہیں۔" اوّل خان نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ "سکھر کی انتظامیہ کے ساتھ کام کرتے ہوئے مجھے جو زک پہنچی ہے اس کی وجہ سے کراچی مجھے اپنا قلعہ محسوس ہونے لگا ہے۔ یہاں کے سرکاری اہل کار اس قدر کھلی دھاندلیاں اور بے ضابطگیاں کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اگر وہ پانچوں کسی بھی قسم کی غیر قانونی سرگرمیوں میں اب بھی دلچسپی لے رہے ہیں تو میں بہت جلد ان کو اپنے شکنجے میں کس لوں گا۔ اوور!"

"کراچی کے بارے میں تمہاری رائے حیرت انگیز ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "میرا خیال تھا کہ سیاست، ثقافت، معیشت اور تجارت کے معاملات میں کراچی میں جتنے گھپلے ہوتے ہیں اتنے پورے ملک میں بھی نہیں ہوتے۔ ہمارے حکمراں دارالحکومت کراچی سے اٹھا کر اسلام آباد ضرور لے گئے لیکن پاکستان کی شہ رگ، آج بھی کراچی ہی ہے۔ اوور!"

"اور ملا سرکار کے حواری اندرونِ سندھ میں بغاوت کی آگ بھڑکا کر اسی شہ رگ کو باقی ملک سے جدا کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔" اوّل خان نے بلا تردد جواب دیا۔ "کراچی ملک کی واحد بندرگاہ اور شہ رگ ہے، اسی لئے یہاں سب لوگ ایک دوسرے کی کارکردگی پر کڑی نظر رکھتے ہیں۔ گھپلے کرنے والے اندھا دھند بے ایمانیوں سے قدرے گریز کرتے ہیں۔ ہر دھاندلی اور رشوت خوری کے لئے قانونی موشگافیوں کا سہارا لیا جاتا ہے جن کا شمار ممکن نہیں۔ لیکن سکھر والے تو اتنے دیدہ دلیر تھے کہ قانون کو اپنے گھر کی باندی سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے مجھے مفلوج اور معطل کرکے رکھ دیا تھا۔ اوور!"

"مجھے خوشی ہے کہ تم غلام رسول کو ان کے چنگل سے نکال لے آئے۔ میں نے تمہاری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کی پوری پوری پاس داری کی ہے۔ ڈی آئی جی ابھی تک معطل ہے لیکن مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے قلق ہو رہا ہے کہ انسپکٹر علی اسد کی بحالی کے سلسلے میں میری کوششیں بار آور ثابت نہیں ہوسکیں۔ اسے اپنی ملازمت سے برطرفی کے سنگین خطرے کا سامنا ہے۔ اس پر اپنے اختیارات سے تجاوز کرنے کا الزام ثابت ہوچکا ہے۔ ملازمت سے برطرفی کے بعد ہم اسے اسپیشل ٹاسک فورس میں کسی اچھے منصب پر لے لیں گے۔ اوور۔"

"لیکن، سر!" اوّل خان نے احتجاج کیا۔ "انسپکٹر علی اسد نے جو کچھ کیا، وہ ملک کی بھلائی اور قانون کی بالادستی کے لئے کیا۔ اس میں اُس کا کوئی ذاتی مفاد نہیں تھا۔ اس کے اقدام کے نتائج کو پیشِ نظر رکھا جائے تو وہ سزا کے بجائے انعام کا حقدار قرار پائے گا۔ اوور!"

"قانون، اندھا، بہرا اور بے رحم ہوتا ہے۔ اسے نتائج سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ ہر جگہ ایک حدِ فاصل قائم کرکے جرم اور مجرم کی تعریف کرتا ہے اور جو اس لاٹھی کی زد میں آجائے، مارا جاتا ہے۔ یہ تم اس معمولی سی مثال سے سمجھ لو کہ اگر ایک افسر قاتلوں اور ڈاکوؤں کی کسی کار کے تعاقب میں ٹریفک سگنل توڑ کر انہیں پکڑ لیتا ہے تو اُس کا یہ قابلِ تعریف کارنامہ، اسے ٹریفک سگنل توڑنے کے جرم سے بری الذمہ قرار نہیں دے سکتا۔ اگر چوراہے پر موجود، ٹریفک کا سپاہی اس افسر پر مقدمہ نہ بنائے تو وہ بچ سکتا ہے لیکن وہی سپاہی اپنی من مانی پر اتر آئے تو قاتلوں اور ڈاکوؤں کو پکڑنے والے جری افسر کو ٹریفک سگنل توڑنے پر ماتحت عدالت سے سزایاب کراسکتا ہے اور اس پر کوئی انگشت نمائی نہیں کرسکتا۔ انسپکٹر علی اسد، بدقسمتی سے ایسی ہی پیشہ ورانہ رقابت کا بدترین شکار ہوا ہے۔ اوور!"

"لیکن سر!" اوّل خان نے احتجاج کیا۔ "ایسی رکاوٹیں تو ہر فرض شناس افسر کے پیروں کی بیڑیاں بن سکتی ہیں۔ انسپکٹر علی اسد کا عبرت ناک انجام دیکھنے کے بعد، اس ریجن میں کون اپنے اعلیٰ افسران کو، ان کی غلطیوں پر ٹوکنے کی جرات کرسکے گا۔ بے روزگاری کا عذاب سہنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اوور!"

"ہمارے قوانین صاف، سیدھے اور سہل نہیں ہیں۔ ہر دفعہ میں اگر، مگر، چونکہ، چنانچہ اور ماسوائے کی ایسی ایسی پُرپیچ شرائط لگی ہوئی ہیں کہ ہر افسرِ مجاز کے صوابدیدی اختیارات لامحدود نظر آتے ہیں۔ ہمارے سیاستداں آئین کا رونا روتے رہتے ہیں جس سے لوگوں کا بہت کم واسطہ پڑتا ہے۔ اگر ہر سطح کی عدالتوں میں، وکلا اور گواہوں کے درمیان، دھکے کھاتے ہوئے لاکھوں انسانوں کی حالتِ زار پر غور کیا جائے تو پتا چلے گا کہ یہ سب قانون کے مارے ہوئے ہیں۔ جب تک ہمارے قوانین میں اصلاح کرکے، انہیں سہل اور عام فہم نہیں بنایا جائے گا، فرض شناس افسروں اور شہریوں کے سروں پر، ہر وقت بدعنوان اہل کاروں کے صوابدیدی اختیارات کی تلوار لٹکتی رہے گی۔ اوور!"

"جہاں میرے بڑے مجبور نظر آئیں، وہاں میں دم بھی نہیں مار سکتا۔" اوّل خان کے لہجے میں مایوسی اُمڈ آئی۔ "معاملات اسی ڈھب پر چلتے رہے تو کل کو مجھے بھی غلام رسول کو قتل کرنے کے جرم میں پھانسی کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔ بد دلی کی یہ لہر ہمارے معاشرے کو بری طرح تہس نہس کرکے رکھ دے گی۔ یہ میرا اپنا قیاس ہے۔ اس سے آگے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ یہ بتایئے کہ اب غلام رسول کے بارے میں، میرے لئے کیا حکم ہے؟ اوور!"

"تم سمجھ دار ہو، ایس سی کے!" دوسری طرف سے شکست خوردہ مگر معنی خیز لہجے میں کہا گیا "میری طرف سے تمہیں مکمل اجازت ہے کہ اُس کے بدن کا ریشہ ریشہ الگ کرادو لیکن یہ بہت اونچا کھیل ہے۔ کھلی اجازت کے ساتھ ہی میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ غلام رسول کو زندہ رکھنے کی کوشش کرو۔ ہمارے اختیارات لامحدود ضرور ہیں لیکن پھر بھی ہماری اعلیٰ قیادت کسی نہ کسی کو جواب دہ ہوگی۔ اگر اس سطح پر غلام رسول کے بارے میں فکر مندی پیدا ہوئی تو اُس کا مردہ ہمارے لئے عذاب بن جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ تم میری بات کا پورا مفہوم سمجھ رہے ہوگے؟ اوور!"

"اگر اسپیشل ٹاسک فورس کے مربّی اور سرپرست بھی غلام رسول کے لئے فکر مند ہوسکتے ہیں تو پھر سب کچھ قابلِ نفرت و ملامت ہے۔" اوّل خان کی آواز زہریلی ہوگئی۔ "ہمیں ایک ستمبر کو سرحد پار سے آنے والے کمانڈر اور اس کے آدمیوں کو ہار پہنانے چاہئیں۔ میری نظروں میں غلام رسول غدار ہے اور غدار رہے گا۔ اس کا ہر ہمدرد بھی اس دھرتی کا کھلا غدار ہوگا۔ مجھے افسوس ہے، سر! کہ میں آپ کا دوستانہ مشورہ قبول نہیں کرسکتا۔ میں ابھی ڈاکٹر کو لوٹا رہا ہوں۔ آپ اسلام آباد لے جائی جانے والی رپورٹ میں یہ اہم تصحیح کرلیں کہ غلام رسول مرچکا ہے۔ اس کال سے فارغ ہوتے ہی میں اس کے گلے میں ڈوری کا پھندا ڈال کر اس کا قصہ تمام کردوں گا اور پھر دیکھوں گا کہ کون میرا کیا بگاڑ لیتا ہے؟ اوور!"

"ایس سی کے!" دوسری طرف سے آنے والی آواز سرد اور تادبی ہوگئی "تم جذباتی ہو رہے ہو۔ یہ ردِعمل تمہارے حلف کے منافی ہے۔ ہمیں لامحدود اختیارات ضرور حاصل ہیں لیکن ہم سب، احکام کے دائرے میں رہ کر کام کرنے والے، انسان نما روبوٹ ہیں جو اپنے جذبات کو کہیں غالب نہیں آنے دیتے۔ تمہاری باز پُرس کے دوران میں غلام رسول مرجاتا تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوتا، لیکن اب وہ زندہ ہے اور تمہارے دل میں اُس کے لئے نفرت جاگ اٹھی ہے۔ اس لئے میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ میری اگلی کال تک اس پر تشدد کا سلسلہ موقوف کرکے اُسے زندہ رکھنے کی حقیقی اور پُرخلوص کوششیں جاری رکھو۔ میری طرف سے دیا جانے والا یہ حکم، غلام رسول کے لئے کوئی رعایت نہیں ہے بلکہ اسپیشل ٹاسک فورس کے ضابطے کی ایک اہم آزمائش ہے۔ میں تمہیں اس آزمائش میں سُرخ رُو دیکھنے کا آرزومند ہوں۔ اوور اینڈ آل۔"

اوّل خان نے قہربار نظروں سے اپریٹس کو گھورتے ہوئے اس کا سوئچ آف کردیا۔

"یہ ہوسکتا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے؟" وہ اپنی انگلیاں مروڑتے ہوئے غصیلے لہجے میں غرایا "تم لاکھ لکھ لو، حلف بھی اٹھوالو، لیکن ایک انسان روبوٹ کیسے بن سکتا ہے؟ نفرت، محبت اور ذہانت ہی تو انسان کو مشینوں سے ممتاز کرتی ہے ورنہ آج بہت سی مشینیں ایسے کام کررہی ہیں جو انسان کی بساط سے باہر ہیں لیکن انسان ہی اُن کا خالق ہے..... اب وہ کہتا ہے کہ میں غلام رسول کے معاملے میں روبوٹ بن جاؤں۔"

"تم عقل سے سوچ رہے ہو، وہ تجربے کی بات کررہا ہے" میں نے اسے سمجھانا چاہا "نہ عقل تجربے کا بدل ہے نہ تجربہ عقل کا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ اس نے تمہیں اگلی کال تک کے لئے روکا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی اگلی کال کل صبح ہی آجائے۔ اور پھر تم پر جھوٹ بولنے کی بھی پابندی نہیں ہے۔ تم چاہو تو غلام رسول کو مار کر یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ خود ہی مرگیا تھا..... لیکن یہ تمہارے ضمیر کا معاملہ ہے۔"

وہ مجھے پُرخار نظروں سے گھورنے لگا "کیا صرف میرا ہی ضمیر داؤ پر لگانے کے لئے رہ گیا ہے؟ مجھ سے اوپر والوں پر ایسی کوئی ذمے داری کیوں عائد نہیں ہوتی؟"

"ہوتی ہے، ہوتی ہے" میں نے نرم اور ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "اس نے تم کو دھوکا نہیں دیا۔ جو کچھ محسوس کرتا تھا، وہ کہہ گزرا۔ اب اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کی ذمے داری تمہاری اپنی ہے۔ تم چاہو تو سچ بول کر اُس کے حکم کی تعمیل کرو اور نہ چاہو تو من مانی کرتے ہوئے، جھوٹ بول کر اسے فریب دے سکتے ہو۔ یہ تمہارے ضمیر کا معاملہ ہے۔"

"میرے ضمیر کی ایسی کی تیسی!" وہ جھلا کر بولا "کیا تم نہیں جانتے کہ غلام رسول کس سلوک کا مستحق ہے؟"

"جانتا ہوں" میں نے تحمل سے کہا "مگر یہ بھی جانتا ہوں کہ بعض اوقات آخری فتح حاصل کرنے کے لئے بعض انتہائی ناپسندیدہ قیدیوں کو زندہ رکھ کر یرغمالی بنانا پڑجاتا ہے......"

"بس، اب تم چپ رہو!" وہ میری بات کاٹ کر غرّایا "ڈیلٹا کی بکواس نے تمہیں چغد بنا کر رکھ دیا ہے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "مجھے چغد نہ کہو، کچھ اور کہہ دو!"

"کیوں؟ میں تو یہی کہوں گا تمہیں!" وہ اپنی جھونک میں، غصیلے لہجے میں بولا۔

"ارشد بیگ نامی، میرے ایک دوست فیصل آباد میں رہتے ہیں۔ وہ خود کو چغدوں کا سربراہ تصور کرتے ہیں۔ ان کی اجازت کے بغیر مجھے چغد قرار دیا گیا تو وہ ناراض ہوجائیں گے۔"

"چغدوں کا سربراہ؟" اوّل خان نے چونک کر پوچھا "ایسا احمق کون ہوسکتا ہے۔"

"موقع ملا تو ملاقات کراؤں گا۔" میں نے رواروی میں کہا۔ مجھے خوشی تھی کہ میرے اس مبہم استعارے کے نتیجے میں اوّل خان اپنی پٹڑی سے اتر چکا تھا۔

اس موضوع کو وہیں ختم کرنے کی نیت سے میں اٹھ کر غلام رسول کی طرف چل دیا۔ اوّل خان بھی کچھ کہے بغیر خاموشی سے میرے ساتھ ہولیا۔

وہ غالباً ایس ٹی ایف کا کوئی خاص ڈاکٹر تھا جسے غلام رسول کی دیکھ بھال کے لئے طلب کیا گیا تھا۔ اس نے آتے ہی غلام رسول کے قید خانے کے ایک گوشے کو میڈیکل یونٹ میں تبدیل کردیا تھا۔

اس وقت وہ غلام رسول کے زخموں کو صاف کرکے، اُس کی مرہم پٹی کی تیاری کررہا تھا اور غلام رسول دنیا و مافیہا سے بے خبر، بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

ڈاکٹر نے بڑے تپاک کے ساتھ اوّل خان کو خوش آمدید کہا اور بتایا کہ قیدی کے جسم سے خون کی بڑی مقدار ضائع ہوجانے کی

وجہ سے معاملہ نازک ہوگیا تھا اس لئے غلام رسول کے خون کی کچھ مقدار گروپ ٹسٹ کے لئے بھجوادی گئی تھی۔ گروپ ٹسٹ کرانے والا' کسی بلڈ بینک سے خون کی چار بوتلیں بھی لے کر آتا جو غلام رسول کے بدن میں چڑھایا جانا تھا۔

ہم وہیں کھڑے' باتوں میں مصروف تھے کہ ایک شخص نے آول خان کی فون کال کی اطلاع دی۔

اول خان فون کال سننے کے لئے چلا گیا اور میں وہیں ڈاکٹر سے باتیں کرتا رہا۔

ڈاکٹر مجھے بھی ایس ٹی ایف کا کوئی اہل کار سمجھ رہا تھا اس لئے وہ مجھے تفصیل کے ساتھ غلام رسول کی حالت سے آگاہ کرنے لگا۔ اُس کے بیشتر زخم سطحی اور عام نوعیت کے تھے جن کی وجہ سے اس کا حلیہ بدل کر رہ گیا تھا لیکن طبّی اعتبار سے وہ سب مرہم پٹی سے سنبھل جانے والی جلدی خراشیں تھیں۔ اس کے ساتھ اصل خرابی یہ تھی کہ اُس کے بدن سے کافی مقدار میں خون بہہ چکا تھا اور اگر اس کمی کو فوری طور پر پورا نہ کیا جاتا تو وہ جہنم واصل ہو سکتا تھا۔

ڈاکٹر کو یہ بتادیا گیا تھا کہ وہ بہت اہم قیدی تھا اور اُس کا زندہ رہنا بہت ضروری تھا اس لئے' ڈاکٹر نے آتے ہی' غلام رسول کا معائنہ کرکے' ایک آدمی کو ان دواؤں کے حصول کے لئے دوڑا دیا تھا جن کے بغیر غلام رسول کا زندہ رہنا دشوار ہو سکتا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ دو دن میں غلام رسول کو اعتدال پر آجانا چاہئے تھا۔

میں ڈاکٹر سے گفتگو میں مصروف تھا کہ ایک شخص' میرے لئے آول خان کا بلاوا لے آیا۔

"آرنیٹ کا کام ہوگیا" میری صورت دیکھتے ہی آول خان نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"اب اُس کی تدفین کہاں ہوگی؟" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

"تدفین تو امریکا میں ہی ہوگی لیکن یہاں اسے زندہ درگور کردیا گیا ہے۔"

"زحمت نہ ہو تو ذرا کھل کر بتاؤ کہ کیا ہوا ہے؟" میں نے کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔

"اسپتال کی سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے' اس کا بڑیچر گرادیا گیا' جس کے نتیجے میں اس کا ایک اور پاؤں ٹوٹ گیا۔ اس کے سر کے زخموں پر بھی مزید ضربات آئی ہیں اور اسے پہلی فرصت میں یہاں سے دوبئی لے جانے کی تیاریاں شروع کردی گئی ہیں۔ اس کے اوپر والوں کا خیال ہے کہ یہاں کے اسپتال کا عملہ غیر ذمے دار اور بے پروا ہے۔ اگر آرنیٹ کو یہاں سے لے جانے میں تاخیر کی گئی تو وہ اپنی جان سے جاتا رہے گا۔"

"یہ سب تو تمہارے منصوبے کے عین مطابق ہو رہا ہے .....اب دیکھو کہ اُس کی جگہ کون سنبھالتا ہے؟ یہ بات طے ہے کہ آرنیٹ کے پس منظر میں چلے جانے سے ان لوگوں کی رفتار ست پڑ جائے گی۔"

"ان لوگوں کو اب خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا" آول خان اپنی کارکردگی پر بہت مطمئن نظر آرہا تھا "اس سازش کے تمام اہم مہرے پٹ چکے ہیں۔ ملا سرکار مارا گیا' غلام رسول ہماری تحویل میں ہے اور آرنیٹ معذور ہو چکا ہے۔ نئے لوگوں کو پیچیدہ معاملات سنبھالنے میں خاصا وقت لگ جائے گا۔"

"غلام رسول کے پانچوں حواریوں کے بارے میں کیا قدم اٹھانے کا ارادہ ہے؟"

"میں نے ابھی فون کیا ہے۔ ان لوگوں کو اسپیشل سیل والے سنبھالیں گے۔ غلام رسول تو اقبالی مجرم بن کر خود ہی ہمارے جال میں آپھنسا تھا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سیاسی وفاداریاں رکھنے والے مجرموں پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں ہوتا۔ ٹھوس شہادتوں کے بغیر کارروائی کی جائے تو حکومت کے مخالفین سیاسی انتقام کے نعرے لگانے لگتے ہیں......"

"لیکن غلام رسول تو حکومت کے حامیوں میں شمار ہوتا ہے!" میں نے کہا۔

"کون' کدھر ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ گرفت میں آنے والے کے حامیوں کا سارا نزلہ' برسرِاقتدار طبقے پر ہی گرتا ہے۔ اسپیشل سیل والے ایسے معاملات سے نمٹنے میں ماہر ہیں۔"

پھر ہماری گفتگو کا رخ کمانڈر کی طرف ہوگیا جس کی سرکوبی کے لئے بڑی تیاریوں کی ضرورت تھی۔

○☆○

ویرا کو آرنیٹ یا اس کے دفتر سے رابطہ رکھنا تھا اس لئے سلطان شاہ سے چپ لے کر گرینڈ ہوٹل کے ایک کمرے میں مقیم ہوگئی تھی اور اس نے فون پر آرنیٹ کے آدمی کو اپنے نئے ... سے بھی آگاہ کردیا تھا تاکہ شہر کے دو نامور تاجروں کے سنگین ورآمدی کھیلوں کے دستاویزی ثبوت اُس تک پہنچائے جاسکیں۔

ویرا کی دیکھ بھال کے لئے' سلطان شاہ اُس سے اجنبی بن کر اپنے فرضی نام سے گرینڈ ہوٹل ہی کے ایک کمرے میں مقیم تھا۔ ... لوگوں نے یہ بندوبست کافی سوچ بچار کے بعد کیا تھا۔ اس میں ... ایک ہی خرابی تھی کہ ویرا' آرنیٹ کے آدمیوں کی نظروں میں آجانے کے بعد ہم سے ملنے کا خطرہ مول لے نہیں سکتی تھی' ... ہمیں فون کرسکتی تھی۔

جو لوگ طاقتور چپ' سیٹلائٹ فون اور کار ڈیو ریکارڈر جیسی جدید ترین ایجادات کے استعمال پر دسترس رکھتے تھے' ان کے لئے کسی لاسلکی ذریعے سے ویرا کے فون کو سننا یا ٹیپ کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہو سکتا تھا۔ جب کہ ہم لوگوں کے درمیان' ہر مرحلے پر بات... خیال ضروری بلکہ ناگزیر تھا۔

اس معاملے میں ویرا کی کھوپڑی نے گُل کھلایا تھا۔ گر... ہوٹل جاتے ہوئے' وہ اپنے ساتھ وہ اپریٹس لے گئی تھی جو ... ہیروئن فروشی کے ابتدائی ایام میں ہم لوگوں کی باہمی پیغام رسانی کے لئے استعمال ہوتا تھا کیوں کہ اسی قسم کا دوسرا اپریٹس جہانگیر کے گھر کے کباڑ خانے میں بھی پڑا ہوا تھا اور اس ٹرانسیٹر کے ذریعے ہم لوگ ہر وقت باہمی رابطہ کرسکتے تھے۔

اس اپریٹس کو زیر استعمال لانے کا فیصلہ خصوصی حالات میں ایک مجبوری کے تحت کیا گیا تھا لیکن اس وقت وہ مجبوری میرے گلے پڑی ہوئی تھی۔

میں نے اپنا اپریٹس' اس خیال سے مسلسل آن رکھا تھا کہ ویرا کسی بھی وقت مجھ سے رابطہ کرنا چاہے تو اُسے کوئی دشواری نہ ہو۔ اس لئے میں صبح ہی صبح' اس ریڈیائی آلے پر ویرا کی آواز سن کر ہیجان کا شکار ہوگیا تھا لیکن جوں ہی میں نے تجسّس آمیز لہجے میں اس کی کال کا جواب دیا تو وہ مجھ پر برس پڑی اور میری طبیعت صاف ہوگئی۔

فون کے برعکس' ٹرانسیٹر پر گفتگو کرتے ہوئے دوسرے فریق کی بات کاٹ کر' اپنی کتھا سنانی ممکن نہیں ہوتی۔ اگر دونوں فریق بیک وقت بولنے لگیں تو کسی کی بھی آواز دوسرے کو نہیں پہنچتی۔ ایک شخص اپنی مرضی کے مطابق بات مکمل کرکے لائن خالی ہونے کا واضح اشارہ دے' تب ہی دوسرا فریق اپنا پیغام نشر کرسکتا ہے۔ اس وقت اس باریک سی فنی مجبوری نے مجھے ویرا کی پوری تقریر سننے پر مجبور کردیا جو کسی بھی اعتبار سے خوشگوار نہیں تھی۔

اس وقت اگر میں ویرا کے روبرو موجود ہوتا تو وہ اخبارات کا پلندہ یقیناً میرے منہ پر دے مارتی کیوں کہ اُس کے بیان کے مطابق اخبارات میں اس عورت کے بارے میں تفصیلات شائع ہوئی تھیں جو دل میں چھری پیوست ہونے کی وجہ سے ہلاک ہوئی تھی اور جس کی لاش ڈیفنس کے ایک ویران اور غیر آباد علاقے سے برآمد ہوئی تھی۔

جہانگیر نے اپنے گھر میں مسز جیوانی کی خودکشی پر یہ کہہ کر پردہ ڈالنے کی کوشش کی تھی کہ سلمیٰ کے لئے خریدے ہوئے خون کی تھیلی پھٹ جانے کی وجہ سے پورا بستر داغ دار ہوگیا تھا ورنہ وہاں کوئی واردات نہیں ہوئی تھی۔ میں نے لاش کو ٹھکانے لگانے سے واپسی پر ویرا کے تیور خراب دیکھے تو اس چھت کے نیچے ایک بد نصیب عورت کی خودکشی کا اقرار تو کرلیا لیکن جہانگیر کی ملی بھگت سے ویرا کو یہ تاثر دیا کہ جہانگیر نے خطیر رقم دے کر اُس عورت کو کسی دلّال سے حاصل کیا تھا لیکن وہ عورت ہر قیمت پر اپنی حفاظت کرنے پر تلی ہوئی تھی' جب اُسے اندازہ ہوا کہ وہ جہانگیر کے حیوانی عزائم سے خود کو نہ بچاسکے گی تو اس نے خودکشی کرلی اور مجھے مجبوراً اُس کی لاش ٹھکانے لگانی پڑگئی۔

اُس وقت میری تراشی ہوئی وہ کہانی چل گئی تھی لیکن اخباری اطلاعات نے رنگ میں بھنگ ڈال دیا تھا۔

"تم جھوٹے' سازشی اور پکے سؤر ہو" میرے مدافعانہ فقروں کے جواب میں وہ مزید بھڑک اٹھی "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مجھے فریب دے کر تم کون سا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہو؟ اوور۔"

"تم خود غور کرو کہ مجھے ایسا بے مقصد جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں ہتھیار ڈالنے کے بجائے' معصومانہ انداز میں اپنے مؤقف پر ڈٹا رہا "ہو سکتا ہے کہ تم دو مختلف واقعات کو ایک سمجھ رہی ہو......جہانگیر والی عورت کے بارے میں تو کل کے اخبارات میں خبر آچکی تھی۔ آج کوئی نئی واردات ہوئی ہوگی۔ شہر میں امن و امان کے بگڑے ہوئے حالات تم خود بھی دیکھ رہی ہو۔ یہ سب اسی کا شاخسانہ معلوم ہوتا ہے.....اوور۔"

"دل میں چھری کے زخم کی دو یکساں وارداتیں؟" اس کی غرّاہٹ ابھری "ڈیئی! میں دودھ پیتی بچّی نہیں ہوں۔ آج کی خبر اُسی لاش کے بارے میں ہے جو پرسوں رات ڈیفنس سے ملی تھی۔ وہ کوئی لاوارث عورت نہیں تھی جسے شہر کے دلّال فروخت کرڈالتے۔ وہ ایک معزز گھرانے کی بیوہ تھی جس کا شوہر جرمنی کی ایک جیل میں' اپنی سزایابی کے دوران فوت ہوگیا تھا۔ اُس کا ایک بیٹا اسکول میں زیرِ تعلیم ہے۔ ایسی عورت اگر بے راہرو ہو بھی جائے تو اُسے اپنے شوق پورے کرنے کے لئے کسی دلّال کی ضرورت نہیں رہتی.....تم نے مجھ سے سچ نہ بولا تو میں اسی وقت تم سے اپنا تعلق توڑ لوں گی۔ اب تم مجھے مزید بے وقوف نہیں بناسکتے۔ اگر تم کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے تو مجھے بھی تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اوور۔"

اس وقت تک اخبارات میری نظر سے نہیں گزرے تھے لیکن ویرا نے اُن کے حوالے سے جو کچھ کہا تھا' وہ میرے لئے چونکا دینے والا تھا۔ شاید اُس نے دیدہ و دانستہ سیٹھ حبیب جیوانی کا نام نہیں لیا تھا کیونکہ جو وقائع نگار متوفیہ کے شوہر کی' جرمن قید میں وفات کی خبر کھود کر نکال سکتا تھا اُسے سیٹھ حبیب جیوانی کا نام بھی معلوم ہوجانا چاہئے تھا۔ یہ ایک الگ بات تھی کہ جرمنی کی جیل میں اپنے مردہ ہم شکل کو' سرکاری طور پر حبیب جیوانی تسلیم کئے جانے کے بعد وہ عورت بیوہ کہی جاسکتی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس کا مفرور شوہر کراچی میں زندہ و سلامت موجود تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے اپنی سلامتی کے لئے اپنا نام بدل لیا تھا تاکہ گڑے مُردے اکھاڑنے کی نوبت نہ آسکے۔

کراچی بلکہ پاکستان میں' ان دنوں شی کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا لیکن یہ بات طے تھی کہ زیرِ زمین دنیا کے بہتیرے بارسوخ افراد سے ویرا کی شناسائی تھی اور اگر وہ متوفیہ کے بارے میں پوری معلومات اکٹھی کرنے پر تُل جاتی تو یہ امر اُس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا کہ متوفیہ' مافیا کے مقامی بیورو چیف کی بیوی تھی۔

میں نے اپنے ذہن میں بہت تیزی کے ساتھ' ان تمام امکانات کا تجزیہ کیا اور فوری طور پر ویرا سے سچ بولنے کا فیصلہ کرلیا کیوں کہ ہمارے درمیان باہمی اعتماد اور رواداری اسی طرح برقرار رہ سکتی تھی۔

"اب اپنی معلومات میں یہ بھی اضافہ کرلو کہ متوفیہ' سیٹھ حبیب جیوانی کی بیوہ نہیں' بلکہ بیوی تھی۔ وہ آج بھی کراچی میں موجود اور زندہ ہے۔ اوور" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"خوب!" ویرا کی زہریلی آواز ابھری "اس کا مطلب ہے کہ اب تمہاری کھوپڑی راہِ راست پر آرہی ہے۔ یہ بات مجھے پہلے سے معلوم ہے لیکن میں تمہاری زبان سے سننا چاہ رہی تھی۔ یہ وہی ملعون ہے جس نے یہاں مافیا کو منظم کیا ہے۔ اس کا شمار شی کے بدترین بدخواہوں میں ہوتا ہے...... اوور۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میرے ہاتھ سے اُسے گہرے زخم کھانے پڑے ہیں۔ اس کے قائم کئے ہوئے کی کلب کو میں نے ہی نیست و نابود کرایا تھا۔ اوور۔"

"لیکن اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" میرے سچ پر ویرا کا غصہ دھیما پڑ گیا اور اُس کے لہجے میں تجسس سمٹ آیا "اس کی بیوی جہانگیر کے گھر پر کیا کر رہی تھی؟ اوور۔"

"یہ ایک الگ کہانی ہے" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "تمہارے باپ کے دل میں میرا وجود' پھانسی بن کر چبھ رہا ہے۔ پاکستان سے یورپ تک' اسے ہر جگہ میرے ہاتھوں ہزیمت اٹھانی پڑی ہے۔ مجھے گھیرنے کے لئے اُس نے تمہیں بھی استعمال کیا ہے اور تمہاری کارکردگی سے مایوس ہونے کے بعد اس نے میرے معاملے میں اپنے روایتی حریفوں سے مدد طلب کرلی ہے۔ اٹلی کی مدر مافیا کے اشارے پر مقامی مافیا میرے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ میرے قتل اور اغوا کی دو کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔ اس دوران میں' میں نے یہ سراغ لگالیا ہے کہ ان وارداتوں کی پشت پر سیٹھ حبیب جیوانی کی ذات کارفرما ہے۔ اس تک رسائی بہت مشکل ہے۔ اس کی بیوی میری نظروں میں آئی تو میں نے حبیب جیوانی کو زک پہنچانے کے لئے اُسے اغوا کرلیا۔ مسز جیوانی سے بازپُرس کے دوران میں مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اپنے شوہر کی مجرمانہ سرگرمیوں کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہے لیکن وہ زبان کھولنے پر آمادہ نہیں تھی۔ جب اسے ہم لوگوں کی طرف سے تشدد کئے جانے کا خوف لاحق ہوا تو اس نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے خودکشی کرلی۔ اوور۔"

"تمہاری کہانی دلچسپ ہے۔" اس وقت تک ویرا کا غصہ سرد ہو چکا تھا "لیکن تم نے اس بارے میں مجھے ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ تمہاری اس ناروا رازداری کو میں کیا نام دے سکتی ہوں' اوور۔"

"اس میں رازداری سے زیادہ' مجبوری اور بوکھلاہٹ کا دخل ہے" میں نے مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا "مسز جیوانی کو اغوا کرتے ہی' میں ملا سرکار کے تعاقب میں' اندرونِ سندھ روانہ ہو گیا۔ وہاں سے واپس آتے ہی مسز جیوانی سے بازپُرس شروع کی اور اس نے خودکشی کرلی۔ تم اس وقت ان معاملات میں ملوث ہوئیں جب لاش غائب کی جا چکی تھی اور خودکشی کے ثبوت ضائع کئے جارہے تھے۔ جہانگیر نے بوکھلاہٹ میں خون کی بوتل پھٹنے کی کہانی تراشی اور مجھے بھی' شرمندگی سے بچنے کے لئے' دلال کے ذریعے آئی ہوئی عورت کے سوا' کوئی اور کہانی نہیں سوجھ سکی

...... اوور۔"

"تمہاری غیر حاضری میں' مسز جیوانی کئی دن تک جہانگیر کے گھر میں قید رہی لیکن جہانگیر یا غزالہ نے مجھے اس کے بارے میں ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ اوور" ویرا نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

"ان دونوں کو اُس کی اصلیت کا علم نہیں تھا" میں نے ان دونوں کا دفاع کرتے ہوئے کہا "تمہیں جہانگیر کی فطرت کا علم ہے وہ کسی بھی خوبصورت عورت کو اپنے قریب پاتے ہی ریشہ خطمی ہو جاتا ہے۔ اسے مسز جیوانی کی حیثیت سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ میری غیر حاضری میں' وہ مسز جیوانی کے وجود سے اپنی خوشیاں کشید کرنے میں کھویا رہا۔ وہ تو غنیمت ہے کہ جہانگیر کی رعایتوں سے فائدہ اٹھا کر' وہ فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہوئی ورنہ اب تک حبیب جیوانی کے گرگے ہم سب کو تہس نہس کرنے کے لئے میدان میں اتر چکے ہوتے۔ اوور۔"

ویرا کے ایک گہرے سانس کی آواز سنائی دی' پھر وہ بولی "تم جھوٹ بول رہے ہو یا سچ' تمہارے پاس دلیلوں کا کال نہیں ہوتا جو کچھ تم بک رہے ہو' میرے پاس اسے ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اوور۔"

"میرا خیال تھا کہ تم نے اپنی کہانی سنانے کے لئے رابطہ ہوگا لیکن تم یہ فضول باتیں لے بیٹھیں" میں نے اکتاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے اس موضوع کو وہیں ختم کرنے کی کوشش کی "تمہارے لئے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ آرنیٹ کے صاحبِ فراش ہو جانے کے بعد کاؤنسلیٹ والے کیا کر رہے ہیں؟ اوور۔"

"تم نے شاید ابھی تک اخبار نہیں دیکھا؟ اوور" اس سوال کیا۔

"ابھی میں بستر میں ہی دراز ہوں۔ کوئی خاص بات ہو تو سنا دو۔ اوور۔"

"کل رات آرنیٹ کا اسٹریچر' زینوں پر سے گر گیا جس نتیجے میں اس کے سر میں مزید ضربات آئی ہیں۔ اسٹریچر کے فریم میں دب کر اس کی ایک پنڈلی کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی۔ وہ ویسے اس ملک کے ماحول اور لوگوں سے متنفر تھا اس لئے علاج کے لئے اسے رات ہی کو' اُس کے سفیر کے خصوصی طیارے دوبئی منتقل کر دیا گیا جہاں شاہی اسپتال میں امریکی ڈاکٹرز اور اُس کی دیکھ بھال کریں گے۔ اوور۔"

"اس پر مٹی ڈالو!" میں نے بے پروائی سے کہا "وہ زخمی کھیل سے باہر ہو چکا ہے۔ جو لوگ کھیل میں رہ گئے ہیں تم ان بارے میں بتاؤ۔"

"کل رات کچھ درآمدی دستاویزات کی فوٹو کاپیاں پاس آئی ہیں۔ ایک پارٹی بیش قیمت' اسپیشل الائے اسٹیل سلاخیں اور چادریں' اسکریپ کے طور پر درآمد کرنے میں



ہے۔ داموں کا فرق' امریکی فرم کو' کالے دھن کے ذریعے ادا کیا جاتا ہے۔ بس واجبی سے دام ایل سی اور انوائس کے ذریعے ادا کیے جاتے ہیں۔ اوور۔"

تجارت وغیرہ سے میرا کوئی خاص واسطہ نہیں تھا لیکن مجھے مبہم سا شبہ تھا کہ اسکریپ وغیرہ پر مالیت سے قطعِ نظر' وزن کے لحاظ سے ڈیوٹی عائد تھی اس لئے انوائس وغیرہ میں ردوبدل کرنے سے ڈیوٹی وغیرہ میں قابلِ ذکر فرق نہیں پڑنا چاہئے تھا لیکن ویرا کو وہ کاغذات ایک اہم سفارتی مشن کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ اس لئے ان میں ہیر پھیر کی کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور رہی ہوگی جس کی بنا پر درآمد کنندگان کی گرفت ہو سکتی تھی' اس لئے میں نے اس بارے میں اپنی رائے کے اظہار سے گریز کرتے ہوئے کہا "وہ تمام کاغذات کس کی طرف سے آئے ہیں؟ اوور۔"

"کسی ہیری کیسنجر نے وہ لفافہ بھیجا تھا۔ اوور" ویرا کی بے پروایانہ آواز ابھری۔

"کہیں ہنری کیسنجر ہی تو' تمہیں رام کرنے کے لئے میدان میں نہیں آگیا ہے؟ اوور" میں نے ناموں کی گہری مماثلت پر' ازراہِ مذاق تبصرہ کیا۔

"ہنری نہیں' یہ ہیری ہے" اس نے ناموں پر زور دے کر کہا۔ "یہ اُس کا کوئی بھائی' بھتیجا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ کوئی بھی ہو' اس سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اوور۔"

"آج بارہ بجے تمہیں' اسی ہیری کیسنجر سے ملنا ہے؟ اوور؟" میں نے پوچھا۔

"لفافہ لانے والے نے آج دوپہر کی ملاقات کی منسوخی کی اطلاع دی تھی۔ اب مجھے ان دونوں' بے ایمان تاجروں پر جال ڈالنا ہے۔ ان میں سے کسی کو رضامند کرلینے کے بعد مجھے ہیری کیسنجر کو فون کرنا ہوگا۔ وہی مجھے ملنے یا نہ ملنے کے بارے میں بریف کرے گا۔ اس سے پہلے میں بالکل آزاد ہوں۔ اوور۔"

"یہ نہ سمجھنا کہ تم آزاد ہو" میں نے جلدی سے کہا "تمہارے پاس نہ صرف چپ موجود ہے بلکہ تمہارا ہوٹل بھی اُن کی نظروں میں آچکا ہے۔ تم نے اس وقت ایریئس استعمال کر کے کسی عقل مندی کا ثبوت نہیں دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دستاویزات کی نقول لانے والا قاصد' تمہاری آنکھ بچا کر کمرے میں کوئی ننھا سا' حساس آلہ ڈال گیا ہو' جس کے ذریعے کاؤنسلیٹ میں تمہارے سانس لینے کی آوازیں بھی سنی جارہی ہوں! اوور۔"

"بھاڑ میں جائے! جو ہوگا' دیکھا جائے گا" اس کی بھنائی ہوئی آواز ابھری "مرنے والی کے بارے میں اخباری اطلاعات پڑھ کر' میری کھوپڑی بری طرح کھولنے لگی تھی۔ میں تم سے بات نہ کرتی تو اب تک کوئی بہت بڑا قدم اٹھا چکی ہوتی...... ویسے میں بھی ان بیہودوں کو خوب سمجھتی ہوں۔ قاصد کو میری نظر بچا کر کچھ کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وہ کوئی مقامی تھا۔ میری سفید چمڑی دیکھتے ہی مرعوب ہو گیا تھا۔ اوور۔"

"ان تاجروں کے سلسلے میں' تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتی ہو؟ اوور۔"

"ان میں سے قاسم نامی شخص میرا پہلا ٹارگٹ ہے۔ اُس کے گھپلے زیادہ بڑے اور خطرناک ہیں۔ میں امریکی کسٹم کی طرف سے آئی ہوئی تفتیشی انسپکٹریس کی حیثیت میں اس سے براہِ راست ملنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔" اس نے کہا "اگر میں خود کو اردو سے نابلد ظاہر کروں تو وہ میری رنگت اور انگریزی لب و لہجے سے فوراً دھوکا کھا جائے گا اور میرا کام آسان ہو جائے گا۔ بصورتِ دیگر وہ مجھ سے داؤ پیچ چلنے کی کوشش کرے گا۔ اوور۔"

"امریکا سے آئی ہوئی' ایک سرکاری افسر کی حیثیت میں تم اُس سے ہتھیاروں کی ذخیرہ اندوزی کا مطالبہ کیسے کر سکوگی؟ کیا وہ تمہاری اصلیت کی طرف سے شبے میں نہیں پڑ جائے گا؟ اوور۔"

"وہ ایک بار اپنے جرائم کا اعتراف کر کے' ہتھیار ڈال دے گا تو میں خود اُسے سنبھال لوں گی۔ ابتدائی مرحلے پر میں اسے ہتھیاروں کی ہوا بھی نہیں لگنے دوں گی۔ ساری بات باہر سے آنے والے مال کے بارے میں ہوگی۔ اوور۔"

"میرا مشورہ ہے کہ ہتھیاروں کی بات ضرور کرو۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اس طرح یہ پتا چل سکے گا کہ وہ اپنے مفادات کے لئے کس حد تک جا سکتا ہے۔ اوور۔"

اس کی دبی دبی' معنی خیز ہنسی سنائی دی' پھر وہ بولی "جب سے تمہارے دل میں حب الوطنی کے جراثیم بیدار ہوئے ہیں' تم ہر ایک کی قومی وفاداریوں کو تولنے کی فکر میں رہنے لگے ہو۔ اوور۔"

"اسے تم میرا معاشرتی سروے بھی کہہ سکتی ہو۔ اپنے ماضی کی بنا پر مجھے یہ فائدہ ہے کہ میں دوہرے چہرے رکھنے والوں تک رسائی رکھتا ہوں۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ مجھے' ابھی تک ہر طبقے نے مایوس کیا ہے۔ سیاسی رہنماؤں سے بیشتر سرکاری اہل کاروں تک' جو بھی بے ایمان ہے وہ کھل کر بے ایمانی کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ اپنے مفاد اور مقاصد کے حصول کے لئے ہر حد کو عبور کرنے پر تُلا رہتا ہے' خواہ وہ قوم فروشی ہو یا ملک فروشی۔ ہو سکتا ہے کہ تاجر مجھے اتنا مایوس نہ کریں۔ اوور۔"

"یہ تمہاری خام خیالی ہے' ڈیئی! جن کے مُنہ کو حرام لگ جاتا ہے' وہ کسی اخلاقی' قانونی' سیاسی' مذہبی یا سماجی حد کی پروا نہیں کرتے۔ یہ رجحان پاکستان ہی میں نہیں پایا جاتا' یہ وبا عالم گیر ہے۔ اب تم خود ہی سوچو کہ اس قدر نامساعد حالات میں تم جیسا واحد ریال کس کس سے لڑ سکتا ہے۔ اوور۔"

"جس جس سے لڑنا ممکن ہے' لڑوں گا۔" میں نے' دل ہی دل میں روزمرّہ بولی جانے والی اردو کے جدید محاوروں پر اُس کی دسترس سے محظوظ ہوتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔ "ایسے عناصر کو ان کے حال پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ان کی بیخ کنی نہ کی جائے تو پیسہ

کمانے کے روگ میں مبتلا نئے لوگ ان راستوں پر چل پڑتے ہیں۔ اوور۔"

"تم ہر بار مجھے پٹڑی سے اتار دیتے ہو۔" اس کی چونکی ہوئی آواز ابھری' جیسے اسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی ہو۔ "میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ تم میرے ساتھ قاسم کے پاس چل سکو گے؟ اوور۔"

"کوئی نہ کوئی راہ نکالی جاسکتی ہے۔" میں نے بے پروایانہ انداز میں کہا "لیکن تمہیں' یک بیک میری ضرورت کیوں محسوس ہونے لگی؟ تمہیں اس سے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ اوور۔"

"خطرے یا پریشانی کی بات نہیں' یہ پروٹوکول کا معاملہ ہے۔" اس کی سنجیدہ آواز ابھری۔ "کسی غیر ملک سے کوئی افسر آتا ہے تو اسے اجنبی ملک میں تنہا نہیں چھوڑا جاتا۔ مقامی محکمے کا کوئی نہ کوئی ہم منصب' دفتری معاملات میں' اس کے ساتھ ضرور رہتا ہے۔ تم مقامی کسٹم آفیسر کے طور پر میرے ساتھ رہو گے تو وہ زیادہ مرعوب ہوگا۔ اوور۔"

اس کی بات معقول تھی اور میں خود بھی وہ تماشا دیکھنا چاہتا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ آرنیٹ کے جانشین' ہیری کیسنجر کی طرف سے ویرا کی نگرانی کئے جانے کا خوف تھا جب کہ میں ان لوگوں کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ اس بارے میں ویرا کے دو دلائل خاصے حوصلہ افزا ثابت ہوئے۔ اول یہ کہ وہ لوگ مجھے دیکھ بھی لیتے تو ڈینی کے طور پر شناخت نہیں کرسکتے تھے۔ کیونکہ ان کی کہانی میں میرا کوئی کردار نہیں تھا۔ دوم یہ کہ ان لوگوں کے ساتھ تعاون کی راہ استوار ہوجانے کے بعد' اس امر کا امکان کم ہی تھا کہ ویرا کا تعاقب کیا جاتا۔ وہ چپ کی وجہ سے' ویسے بھی ہر لمحے ان کی نظروں میں تھی۔ یہ اور بات تھی کہ چپ اُس کے جسم سے نکل کر اس کے پرس یا جیب میں منتقل ہوچکا تھا۔

بازار دس' ساڑھے دس بجے تک کھل جاتا تھا' اس لئے ویرا سے گیارہ بجے قاسم کے دفتر میں ملنے کا وقت طے ہوا اور میں نے اپنی تیاریوں کے لئے کسل مندانہ انداز میں بستر چھوڑ دیا۔

ناشتے کی میز پر میں نے جہانگیر اور غزالہ کو مسز جیوانی کے بارے میں' ویرا سے ہونے والی گفتگو کے متن سے آگاہ کردیا تاکہ ہم تینوں کے بیانات میں کہیں کوئی تضاد نہ ابھرنے پائے۔

"تم ہمیشہ ہی میری مٹی پلید کرتے رہتے ہو۔" میری بات مکمل ہونے پر' جہانگیر کن انکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے' بے ڈھنگے پن سے ہنستا ہوا بولا "مجھے مسز جیوانی پر لٹو ہونے کی کیا ضرورت تھی؟"

غزالہ ہم میں سے تھی لیکن وہ جہانگیر اور سلمٰی کے ساتھ شیر و شکر ہونے کے باوجود' حجاب اور ایک خاص فاصلہ برقرار رکھتی چلی آرہی تھی۔ جہانگیر کے حریصانہ کرتوتوں سے پوری طرح باخبر ہونے کے باوجود' اس نے جہانگیر کو اپنی معلومات کی ہوا تک نہیں لگنے دی تھی۔ اس لئے جہانگیر کا پہلا فقرہ مکمل ہوتے ہی' وہ اپنی چائے کی پیالی میز سے اٹھا کر تیز تیز قدموں سے کچن کی طرف چل دی تاکہ اس بے حجابانہ گفتگو میں فریق بننے سے بچی رہ سکے۔

"مسز جیوانی تو پھر قرینے کی عورت تھی' تم تو کسی خوش شکل بھنگن پر بھی فدا ہونے کے طبعی خواص رکھتے ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "ویرا تک کو دیکھ کر تمہیں پھریریاں آنے لگتی ہیں۔ تمہارے لاشعور میں اُس کا گہرا خوف جاگزین نہ ہوتا تو تم اب سے بہت پہلے اس کے ہاتھوں سے جوتے کھا چکے ہوتے۔"

"دیکھو' تم حد سے بڑھ رہے ہو۔" وہ دھیمی آواز میں غرایا۔ "تم بھی پارسا نہیں ہو۔ تمہارے کچھنوں پر میں پوری انسائیکلوپیڈیا لکھ سکتا ہوں..... رہی یہ ویرا' تو اس کے بارے میں تم ہی بہت کچھ بتا چکے ہو۔"

"عزت اور وقار کے ساتھ مچان باندھ کر' اپنے پسندیدہ جانور کا شکار کھیلنے اور پاگلوں کی طرح ہر ایرے غیرے جانور کے پیچھے بھاگتے رہنے میں بہت فرق ہے۔" میں نے ملامت بھرے لہجے میں کہا "اپنے ساتھ میرا موازنہ کرکے مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ مسز جیوانی نے خودکشی کرنے سے پہلے جو کچھ بتایا تھا' وہ تمہارے ڈوب مرنے کے لئے کافی ہے۔ غضب خدا کا کہ تم اس عورت سے پٹ کر خوش ہوتے تھے۔"

"میں نے بھی اسے مار مار کر نیلا اور اودا کیا ہوا تھا۔" اُکا ضرب لگتے ہی' وہ غصے میں پھٹ پڑا۔ "تم نے اس' الو کی پٹھی کی کہانی سنی تھی تو اسی وقت مجھ سے بھی بات کی ہوتی پھر میں بتاتا کہ اصل قصہ کیا تھا....."

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے ازراہِ تمسخر اسے پچکارتے ہوئے کہا "پوت کے پاؤں' پالنے میں نظر آجاتے ہیں۔ لاتیں' گھونسے اور جوتے کھانے کا عادی ہوئے بغیر' کوئی بھی معقول آدمی' ڈھیٹ اور پیشہ ور عاشق نہیں بن سکتا۔ مسز جیوانی کی برادری کا ڈھول ڈھمکا مرزا غالب کی شاعری میں بھی سند پا چکا ہے۔"

"اب بلاوجہ میرے منہ نہ لگو۔" وہ بدک کر بولا "شعر شاعری اور مجروں والا ست رُو عشق تم ہی کو مبارک ہو۔ میں اس کھکھیڑ میں نہیں پڑتا۔" وہ منہ پھلا کر ناشتے میں مصروف ہوگیا۔

اس کی زبان سے کھکھیڑ جیسے ثقیل لفظ کا برمحل استعمال سن کر میں نے حیرت سے اسے گھورا' لیکن اسے اپنی طرف متوجہ نہ پا کر میں نے خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھی۔ وہ میرا جگری دوست ضرور تھا لیکن بے انتہا تنگ نظر اور زود رنج آدمی تھا۔ مجھ سے برہم ہوجاتا' تو اسی وقت مجھے اور غزالہ کو' بیک بینی و دوگوش دار سے رخصت کردیتا جب کہ مجھے غزالہ کے لئے' اُس کی چھت کا سایہ درکار تھا۔

یہ اور بات ہے کہ اُس کی برہمی کبھی بھی دیرپا ثابت نہیں ہوئی۔ اشتعال کی لہر کافور ہوتے ہی اسے اپنی تنگ نظری اور زیادتی کا احساس ہوجاتا تھا اور وہ خود ملامتی سے پریشان ہوکر' مصالحت کا کوئی بہانا تلاش کرنے پر تل جاتا تھا۔ یہ اُس کی اتنی بڑی خوبی تھی جو اُس کی ذات کی ہر کوتاہی کا ازالہ کردیتی تھی۔



دس بجے میں گھر سے روانہ ہوا تو کار چلاتے ہوئے میرا ذہن اپنے مستقبل میں الجھا ہوا تھا۔

جب تک میں ٹی والوں کا بے دام غلام بنا رہا' میرے شب و روز اپنے بڑوں کی مرضی کے تابع رہے۔ وہ جب اور جہاں چاہتے' مجھے بلالیتے تھے اور جب میں نے ان سے بغاوت کی راہ اختیار کی تو وہ اپنے پورے وسائل کے ساتھ میری بُو پر لگ گئے۔ ان کے ساتھ ملک ملک اور نگر نگر میری آنکھ مچولی ہوتی رہی' جس میں چند عارضی دھچکوں سے قطع نظر' ہمیشہ ہی میرے ستارے یاور رہے۔ حتیٰ کہ خود جمی لائیڈ بھی میرے مقابلے میں آکر ذلیل و خوار ہوکر' فرار ہونے پر مجبور ہوگیا۔ اور جب ٹی کی گن بوٹ کے اغوا سے لے کر' اُن کے گولہ بارود کے گودام کی ہولناک تباہی تک' زیرِ زمین دنیا میں میرے کارناموں کی دھوم مچی ہوئی تھی تو مُدر مافیا والے' میری لاعلمی میں میرے پیچھے لگ گئے۔

ان کی کارکردگی اور وسائل کی نوعیت سے لاعلم ہونے کے باوجود' میں یہ جان چکا تھا کہ میری پاکستان واپسی سے مافیا والے نہ صرف پوری طرح باخبر تھے بلکہ انہوں نے مجھے' میرے خطرناک دشمنوں کے خلاف مسلح تحفظ بھی فراہم کیا اور آخر کار وہ مجھے ایسے مقام پر لے آئے جہاں میں نے ڈان تھری کے سامنے خود کو مافیا کے حوالے کردیا۔

جب تک میں مافیا سے باہر کا آدمی تھا' وہ لوگ ہر وقت مجھ پر نگاہ رکھتے تھے لیکن ان سے وفاداری کا حلف اٹھانے کے بعد' جب مَیں بھی' مافیا کے مقامی بیورو چیف کے اقتدار میں شریک ہوگیا تو مجھے ہر نگرانی سے نجات مل گئی جس کے طفیل' میں آزادانہ نقل و حرکت کے قابل ہوگیا تھا۔

مافیا میں' مَیں نے بہت تیزی کے ساتھ اپنی ساکھ بنائی تھی جس میں میری کارکردگی کے ساتھ ہی ویرا کی حماقتوں کا بھی بہت دخل تھا۔ اسے جمی لائیڈ نے مجھے رام کرنے یا نکیل ڈالنے کے لئے پاکستان بھیجا تھا اس لئے ویرا برتری کے دبدبے اور طنطنے کے ساتھ مجھے فتح کرنا چاہ رہی تھی۔ اسی زعم میں وہ میرے خلاف مسلح محاذ آرائی پر تل گئی' جس کے نتیجے میں نہ صرف اس کے متعدد حامی مارے گئے بلکہ وہ خود بھی شدید زخمی ہوگئی۔

میری وہ کارکردگی' مافیا والوں کے لئے قابلِ رشک تھی کیونکہ پاکستان کے آزاد قبائلی علاقوں کی فیکٹریوں سے اعلیٰ درجے کی ہیروئن کے حصول میں ٹی اور مافیا میں مسابقت تھی۔ ٹی اسے سستے داموں پاکستان میں پھیلانے کے پُراسرار مشن پر کام کررہی تھی۔ جبکہ مافیا والے اس بیش قیمت سفوف کو ہزاروں گنا منافع پر یورپ اور امریکا کی حساس اور زرخیز منڈیوں میں اسمگل کرکے ڈالروں کے انبار کمانا چاہتے تھے۔

مفادات کے اس کھلے تصادم میں مافیا والے' پہلے مرحلے پر ٹی کے قدم اکھاڑنا چاہتے تھے تاکہ ان کے مقابلے میں' بہترین ہیروئن کا کوئی دوسرا خریدار پاکستانی منڈی میں باقی نہ رہے اور وہ اپنی شرائط پر ہیروئن بنوا اور خرید سکیں۔ اس وجہ سے' مافیا میں میری کارکردگی کو میری توقع سے زیادہ سراہا گیا۔ یہ میری کامیابی کی انتہا تھی کہ سیٹھ حبیب جیوانی کی مجبوراً روپوشی کے دوران میں مجھے مقامی مافیا کا قائم مقام چیف بنا دیا گیا۔

دوسری طرف' ویرا مجھ سے مصالحت بلکہ دوستی کرلینے کے بعد میری پسِ پردہ سرگرمیوں سے لاعلم تھی۔ اسے یہ جان کر یقیناً خوشی ہوئی ہوگی کہ مسز جیوانی نے میری پیش رفت کے نتیجے میں خودکشی کی تھی اور حبیب جیوانی کو وہ پاکستان میں اپنے باپ کے مفادات کا دوسرا بڑا دشمن تصور کرتی تھی۔

میری دو طرفہ کامیابیوں سے' اس وقت تک دونوں ہی فریق خوش تھے مگر میں جانتا تھا کہ وہ صورتِ حال زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ منظم عالمی جرائم کی بساط پر سیٹھ حبیب جیوانی اور ویرا لائیڈ' درمیانے درجے کے مہرے تھے۔ ان دونوں کے دل و دماغ کے آقا' جو اپنی عالمی سرگرمیوں اور مفادات پر گہری نظر رکھتے تھے' خوب سمجھ رہے تھے کہ میری ذات کی وجہ سے انہیں جنوب مشرقی ایشیا کی بہترین پیداواری منڈی میں نقصانات اٹھانے پڑ رہے تھے۔

ہیروئن کی عالمی تجارت میں سُپر ڈان اور جمی لائیڈ دو' سب سے بڑے حریف تھے۔ وہ حالات کو پڑھ رہے تھے اور ہر ایک مجھے اپنی تحویل میں رکھنے پر تلا ہوا تھا۔ اس لئے وہ دونوں' میرے بارے میں اپنی اپنی معلومات کا فراخ دلانہ تبادلہ کئے بغیر مذاکرات کی میز پر' آمنے سامنے بیٹھنے کے لئے کوشاں تھے تاکہ وہاں' صورتِ حال کی نزاکت کے مطابق' اپنے اپنے کارڈ کھیل کر آخری فتح حاصل کرسکیں۔

میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ مرحلہ کیوں ملتوی ہوتا چلا جارہا تھا لیکن ایک بات یقینی تھی کہ وہ مذاکرات جب بھی ہوتے' میری آزادی کے لئے مہلک ثابت ہوتے۔ میں بیک وقت دونوں فریقوں کو بے وقوف بنا کر' اُن کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی کارروائی جاری نہیں رکھ سکتا تھا۔ مجھے ان دونوں عالمی تنظیموں میں سے کسی ایک کا پوری طرح وفادار ہونا پڑتا۔

مافیا یا ٹی میں سے کسی ایک کے قبضے میں چلے جانے کا مطلب میری انفرادی آزادیوں کا خاتمہ ہوتا جب کہ میں ملّا سرکار کے پھیلائے ہوئے فتنے کو جڑ سے ختم کرنے کے بعد غزالہ کے ساتھ امن و سکون کی گھریلو زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ ہم دونوں کی ناآسودہ آرزوئیں اور زخمی خواہشات اب کسی دوسرے دلدار آغا کی متحمل نہیں ہوسکتی تھیں۔

شہر کے ٹریفک کے' بے پناہ سیلِ رواں میں پہنچتے ہی میرے

خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ دفاتر میں کام کرنے والے ملازمین کارش ختم ہوچکا تھا لیکن شہر کی سڑکیں، دیر سے نکلنے والے کاروباری افراد کے ہجوم سے بھری ہوئی تھیں۔ ہر طرف بھانت بھانت کی سواریوں کا ازدحام رواں تھا۔

میری گاڑی اس بے ہنگم ہجوم میں، رینگ رینگ کر، نیو چالی کے مصروف علاقے کی طرف بڑھتی رہی۔ اعصاب شکن اور سُست رفتار ڈرائیونگ کے بعد، میری گاڑی نیو چالی کے علاقے میں داخل ہوئی تو وہاں گاڑیوں، ٹرکوں اور ہاتھ گاڑیوں کا اتنا رش تھا کہ کار تو کجا، موٹر سائیکل کی پارکنگ کی بھی گنجائش نہیں تھی۔

میں نے حقانی چوک سے آئی آئی چندریگر روڈ پر ہوتے ہوئے دو مرتبہ نیو چالی کا چکر لگایا لیکن اس دوران میں کہیں بھی کار پارکنگ کی جگہ تلاش نہیں کرسکا۔

تیسری مرتبہ میں نے حبیب بینک پلازا کی عقبی سڑک کا رخ کیا اور وہاں ڈبل بلکہ ٹرپل پارکنگ کرانے والے پیشہ ور افراد سے بچتا ہوا، ایک پرائیویٹ پارکنگ لاٹ میں داخل ہوگیا۔ کسی پُر شکوہ عمارت کی تعمیر میں خالی پڑے ہوئے پلاٹ کا، اس مصروف ترین کاروباری ادارے میں، وہ بہترین مصرف تھا۔

نیو چالی کا چکر لگاتے ہوئے، وہ سالخوردہ سی دو منزلہ عمارت میری نظروں میں آچکی تھی جس پر قاسم برادرز کا بڑا سا بورڈ نصب تھا۔ عمارت ہی کی طرح، وہ بورڈ بھی بہت پرانا نظر آرہا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ لوگ نودولتیے نہیں تھے۔ فرم کے نام سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کاغذی طور پر، اس ادارے کے ایک سے زائد مالکان تھے جن میں قاسم، سب سے بڑا بھائی یا چند کاروباری لڑکوں کا باپ ہوسکتا تھا۔

میری رِسٹ واچ میں اس وقت گیارہ بجنے میں تین منٹ باقی تھے اس لئے میں اپنے گردو پیش میں نظریں دوڑاتا ہوا، اس عمارت کی طرف بڑھا، اسی لمحے مجھے ویرا ایک پرائیویٹ ٹیکسی سے اترتی ہوئی نظر آئی۔ اپنے لباس اور وضع قطع سے، وہ اس وقت ایک باوقار افسر نظر آرہی تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ چرمی بیگ جھول رہا تھا۔

میں نے اپنی رفتار قدرے سست کرلی۔ اس اثنا میں ویرا بھی مجھے دیکھ چکی تھی اور پھر ہم دونوں ہی تقریباً ایک ساتھ زینوں میں داخل ہوئے۔ زینوں سے جب تک باہر کا منظر نظر آتا رہا ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے یکسر اجنبی بنے، لاتعلقانہ انداز میں پہلی لینڈنگ کی طرف بڑھتے رہے تاکہ کوئی ویرا کی نگرانی کر رہا ہو تو اُسے یہ اندازہ نہ ہوسکے کہ میں اس کے ساتھیوں میں سے تھا۔

"تم تو پوری افسرانہ شان سے آئی ہو۔" میں نے اس کی آنکھوں پر موجود شفاف شیشوں اور سنہرے فریم سے منسلک، گلے میں جھولتی ہوئی سنہری زنجیر کا جائزہ لیتے ہوئے انگریزی میں کہا کیونکہ نئے ڈرامے میں اسے اردو زبان سے یکسر لاعلمی کا اظہار کرنا تھا۔



"تمہیں معلوم ہے کہ میری بینائی ٹھیک ٹھاک ہے لیکن عینک سے بُردباری میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اس لئے سادہ شیشوں والی یہ عینک پہن لی ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس عمارت کی زیریں منزل پر غالباً کوئی گودام تھا کیونکہ وہاں داخلے کا بڑا پھاٹک بند اور مقفل نظر آیا تھا۔ پہلی منزل پر زینے کا اختتام ایک وسیع ہال میں ہوا جسے لکڑی اور شیشے کے پارٹیشن لگا کر بہت سے چھوٹے، بڑے کیبنوں میں تقسیم کردیا گیا تھا۔ استقبالیہ والا حصہ مختصر لیکن صاف ستھرا تھا جہاں ایک سفید میز کے عقب میں ایک خوبرُو لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے ٹیلی فون ایکسچینج پڑا ہوا تھا اور وہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔

اپنی گفتگو میں کوئی وقفہ دیے بغیر، اس لڑکی نے مسکراتے ہوئے، اپنے سر کو ہلکی سی جنبش دے کر ویرا کا استقبال کیا۔ اس کی سفید چمڑی کو دیکھ کر، لڑکی نے مجھے بری طرح نظرانداز کردیا تھا۔

ہم لوگوں کو گوروں سے آزادی حاصل کئے ایک طویل مدت بیت چکی تھی۔ غلامی کے دور میں پروان چڑھنے اور پیدا ہونے والے افراد، اپنی عمر کے آخری حصے سے گزر رہے تھے اور نئی نسل آزادی کی فضا میں پلی بڑھی تھی لیکن مجھے یہ دیکھ کر، ہمیشہ دکھ ہو تا کہ صرف انگریز ہی نہیں، بلکہ ہر گوری چمڑی والی مخلوق کے سامنے ہمارا اجتماعی رویّہ فدویانہ ہوتا تھا جس سے احساسِ کمتری کی ناگوار بو آتی تھی۔

"فرمایئے! میں آپ کی کیا خدمت کرسکتی ہوں؟" اپنی کال ختم کرکے، اس لڑکی نے انگریزی میں ویرا سے سوال کیا اور مجھے بے اختیار مشرقِ بعید سے مشرقِ وسطیٰ تک کی وہ ساری قومیں یاد آگئیں جو انگریزی سے آشنا ہونے کے باوجود، کسی بھی اجنبی کو اپنی زبان سے مخاطب کرنے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔

مشرقیوں کو تو خیر متعصب اور تنگ نظر کہا جاتا ہے، یورپ کے قلب، فرانس تک میں یہ عالم ہے کہ ہر فرنچ باشندہ، کسی بھی اجنبی کو پہلی بار فرنچ ہی میں مخاطب کرتا ہے اور جب تک اس کا مخاطب فرنچ سمجھنے سے اپنی معذوری کا اظہار نہ کرے، وہ کسی دوسری زبان کا سہارا لینا پسند نہیں کرتا لیکن پاکستانی قوم اپنے سابقہ آقاؤں کی زبان بولنے میں اس حد تک فخر محسوس کرتی ہے کہ علمیت اور ترقی پسندی کے اظہار کے لئے انگریزی بولنا ناگزیر بن کر رہ گیا ہے۔

"ہمیں قاسم صاحب سے ملنا ہے۔" میں نے اس لڑکی کو اپنے وجود کا احساس دلانے کے لئے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ ان کے ساتھ آئے ہیں؟" اس نے چبھتی ہوئی نظروں سے میرا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"میں ان کے ساتھ نہیں آیا، یہ میرے ساتھ آئی ہیں۔ میرا نام دلاور خان ہے اور میرا تعلق کسٹم انٹیلی جنس سے ہے۔" میرے لئے اس مرحلے پر، اس لڑکی کو مرعوب کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

"اوہ!" وہ اضطراری طور پر اپنی کرسی سے اتر آئی۔ اس نے بورڈ پر دو بٹن دبا کر اپنے "سر" کو میری آمد کی اطلاع دی اور پھر ہمیں فوراً ہی اندر جانے کی اجازت مل گئی۔

قالین سے آراستہ راہداری میں، چوبی کیبنوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ہم دونوں ایک کمرے کے قریب پہنچے تو ایک اَدھیڑ عمر اور خوش پوش شخص نے خود ہی دروازہ کھول کر ہمارا استقبال کیا۔

میرے سامنے اسے میرا نام بتایا گیا تھا لیکن ویرا کو دیکھتے ہی اس نے گڈ مارننگ کہا اور مجھ سے ہاتھ ملانے کے بعد ویرا کے گمبھیر چہرے کی طرف دیکھتے ہی اندر مڑ گیا۔

"کہئے دلاور صاحب، آپ نے کیسے زحمت کی؟" اس نے اپنی نشست سنبھال کر انگریزی میں کہا "آپ چائے پینا پسند کریں گے یا کافی لیں گے..... آپ نے ان خاتون کا تعارف نہیں کرایا..... مجھے قاسم علی کہتے ہیں۔"

"یہ مسز لیزلی فلہام ہیں۔ امریکی کسٹم ڈپارٹمنٹ کی سینئر آفیسر ہیں۔" میں نے ویرا کا تعارف کراتے ہوئے قاسم کے چہرے پر خوف کی زردی آکر گزرتے ہوئے دیکھی۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ویرا کے ساتھ رسمی فقروں کا تبادلہ کیا اور گھنٹی بجا کر، آفس بوائے کو چائے لانے کی ہدایت کردی۔

"مسٹر قاسم! آپ امریکا سے کافی بزنس کرتے ہیں۔" ویرا نے چرمی بیگ میں سے چند فائلیں اور فرسودہ کاغذات کا ایک پلندہ نکالتے ہوئے خشک کاروباری لہجے میں کہا "اور اگر ہماری معلومات درست ہیں تو آپ کا یہ تمام کاروبار، بظاہر چار امریکی کمپنیوں سے ہے لیکن اصل میں یہ سب جان ملر ہی کے مختلف کاغذی روپ ہیں۔"

ویرا کا پہلا وار ہی براہِ راست اور کاری ثابت ہوا۔ قاسم کی آنکھیں حیرت اور پھر خوف سے پھیلتی چلی گئیں۔ اس بار اُس کے چہرے پر دوڑنے والی زردی، وہیں جم کر رہ گئی تھی۔ ویرا اُس کی طرف متوجہ نہیں تھی بلکہ بات کرتے ہوئے بھی وہ ان کاغذات کو سنبھالنے میں مصروف رہی تھی جو وہ نجانے کہاں سے اٹھا لائی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ سب ہیری کیسنجر کی طرف سے نہیں آیا ہوگا کیونکہ اس نے صرف چند اہم کاغذات کی نقول فراہم کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

"یہ..... یہ میرے لئے... اے... ایک نئی اطلاع ہے۔" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"یقیناً ایسا نہیں ہے۔" ویرا نے عینک کے شفاف شیشوں کے عقب سے، اسے گھورتے ہوئے، سرد لہجے میں کہا۔ "جان ملر کے ساتھ تمہاری ذاتی خط و کتابت میں ایسا مواد موجود ہے جس کی بنا پر تمہیں اس حقیقت سے بے خبر نہیں سمجھا جاسکتا۔"

"اگر یہ بات درست بھی ہو تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟" اس بار قاسم نے بے بسی سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں بھی اگر ایک آدمی چاہے تو دس کمپنیاں کھول سکتا ہے۔ اس میں کوئی جرم نہیں ہے اور اگر جان ملر کوئی خلافِ قانون حرکت کر بھی رہا تھا تو یہ اس کا اور امریکی حکام کا معاملہ ہے۔ اس سے میرا کیا تعلق ہے؟"

"تمہارا تعلق نہ ہوتا تو مسز لیزلی فلہام کو تحقیقات کے لئے یہاں نہ آنا پڑتا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "تمہارے بارے میں ہم نے بھی خاصی چھان بین کی ہے۔ مسز لیزلی فلہام کے فارغ ہونے کے بعد ہم اپنے کھاتے کھولیں گے۔" میں نے انگریزی زبان کا استعمال جاری رکھا تاکہ ویرا کی اردو دانی کا راز نہ کھل سکے۔

"جان ملر سب سے پہلے انکم ٹیکس چوری کرنے کے الزام میں گرفت میں آیا تھا۔" ویرا نے پوری طرح قاسم کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "ریکارڈ کی جانچ پڑتال سے ثابت ہوا کہ تم اس کے سب سے بڑے گاہک ہو اور وہ تمہیں بہت سی ممنوعہ اور غیر ممنوعہ دھاتیں دس سے ستّر گنا کم داموں پر ایکسپورٹ کرتا رہا ہے۔ اس انڈر انوائسنگ پر تم یہاں خطیر در آمدی ڈیوٹی بچا کر بے اندازہ منافع کما رہے تھے اور مالیت کے فرق کی رقم جان ملر کو اپنے کالے دھن سے ادا کرتے تھے جس کا تمہارے خطوط میں ذکر ہوتا تھا لیکن جان ملر نے ان بھاری رقوم کی وصولیابی اپنے کھاتوں میں نہیں دکھائی تھی۔ یہ معاملہ میرے محکمے کے پاس اس وقت آیا جب یہ بات سامنے آئی کہ تم اور جان ملر غلط بیانی کے ذریعے ممنوعہ اشیا کی در آمد بر آمد کا کام بھی کر رہے تھے۔"

"ڈیوٹی کی یہ چوری کروڑوں سے بھی متجاوز ہے۔" ویرا کی گفتگو میں وقفہ آتے ہی میں نے لقمہ دیا۔

"آہستہ، آہستہ بولو!" وہ ہاتھ اٹھا کر، اضطراری لہجے میں بولا۔ مصیبت کے ان کٹھن لمحات میں اُس نے اردو ہی کا سہارا لیا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہا ہے؟" ویرا نے معصومیت سے مجھ سے سوال کیا۔

"آہستہ بولنے کی التجا کر رہا ہے۔" میں نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے آگاہ کیا۔

اسی وقت آفس بوائے چائے کی ٹرے لے آیا۔ جتنی دیر وہ چائے لگاتا رہا، ہم تینوں خاموش رہے۔

"میرے دفتر میں کوئی نہیں آئے گا۔" آفس بوائے کے فارغ ہونے پر قاسم نے اسے ہدایت دی۔ "شاہدہ کو کہہ دو کہ جب تک میرے پاس مہمان بیٹھے ہیں، میں فون بھی نہیں سنوں گا۔"

"میں نے بلیک میں کوئی ڈیل نہیں کی۔" قدرے توقف کے بعد قاسم کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز بر آمد ہوئی۔ "جان ملر، اگر گھپلے کر رہا تھا تو وہ اس کا فعل تھا۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے انڈر انوائسنگ یا مِس ڈکلریشن کا کوئی جرم نہیں کیا۔ یہ میرے ساتھ زیادتی ہے۔"

"تم نے جرم کیا یا نہیں، یہ دیکھنا مقامی حکّام کا کام ہے۔" ویرا نے رُکھائی سے کہا۔ "امریکی کسٹم کو جان ملر کے جرائم کے

خلاف ثبوت اور شواہد درکار ہیں۔ تمہاری نئی کھیپ جو ابھی کھلے سمندر میں ہے' میری نگرانی میں جہاز سے اترے گی۔ اس کی تجزیاتی رپورٹ کی روشنی میں میرا کام خاصا آسان ہو جائے گا۔"

قاسم کے حلق سے ایک خفیف سی کراہ بر آمد ہوئی اور وہ بے اختیار اپنی کرسی کی پشت گاہ سے نکتا چلا گیا۔

ہیری کیسنجر نے ویرا کو قاسم کی کمزوریوں سے اتنی اچھی طرح آگاہ کیا ہوا تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں اس کی ساری مدافعت دم توڑ گئی۔ اس کا چہرہ پسینوں میں ڈوب گیا اور وہ رحم طلب انداز میں گڑگڑانے پر اتر آیا۔

"میں تباہ ہو جاؤں گا۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر اردو میں مجھ سے مخاطب ہوا۔" میں تم دونوں کو مُنہ مانگی رقم دینے کے لئے تیار ہوں۔ یہاں لے لو' سوئٹزر لینڈ میں لے لو' جہاں اور جس کرنسی میں چاہو' میں رقم کا بندوبست کردوں گا لیکن مجھے اس چکر سے بچالو ورنہ یہ جان لُٹر مجھے لے ڈوبے گا۔"

"ممنوعہ اشیا اور دھاتیں تم کس لئے منگواتے ہو؟" میں نے اس خیال سے سوال کیا کہ کہیں وہ دفاعی اور ایٹمی مقاصد کے لئے در پردہ حکومت کی مدد نہ کر رہا ہو اور اسی وجہ سے ہیری کیسنجر نے اسے تاک کر نشانہ بنایا ہو تاکہ اس طرح ایک تیر سے دو شکار کھیل سکے جس میں جیت اُسی کی ہونی تھی۔

"وہ سب کھلی مارکیٹ کے آئٹم ہیں۔ جب اور جتنا مال چاہو' منگوالو اور مُنہ مانگے داموں پر نقد بیچ دو۔" اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس بزنس میں یہ دن بھی دیکھنا پڑے گا۔"

"تم لوگ کس زبان میں اور کیا باتیں کر رہے ہو؟" ویرا نے خشک لہجے میں ہمیں ٹوکا۔

"یہ اردو میں سودے بازی کی پیشکش کر رہا تھا۔" میں نے ویرا کو بتایا۔ میرے انکشاف پر ویرا کا ابتدائی ردِعمل دیکھتے ہی' قاسم کا چہرہ یکلخت دھواں ہو گیا۔

"یہ کس کا سودا کرنا چاہ رہا ہے؟ میرا؟ تمہارا؟ یا اپنا؟" ویرا نے آنکھیں نکال کر درشت لہجے میں سوال کیا۔ "اور تم ایک ذمے دار افسر ہوتے ہوئے بھی یہ ہتک آمیز پیشکش سن رہے تھے۔"

"یہاں یہ سب چلتا رہتا ہے۔" میں نے نرمی سے کہا "پیسے کے غیر سرکاری لین دین کو کوئی اپنی ہتک نہیں سمجھتا' ہر علاقے کے رسوم و رواج الگ الگ ہوتے ہیں۔ تم برا سمجھتی ہو تو فرض کرلو کہ تم نے میری بات سنی ہی نہیں تھی۔"

"اس معاملے سے اپنا نام نکالنے کے لئے تم زیادہ سے زیادہ کتنی رشوت دے سکتے ہو؟" ویرا نے پوچھا۔

"کئی لاکھ..." قاسم نے ویرا کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے' ڈرتے ڈرتے کہا "پانچ چھ... آ... آٹھ... بلکہ دس لاکھ روپے تک بھی دے سکتا ہوں۔"

"دس لاکھ۔" ویرا حقارت سے ہنس پڑی۔ "دس لاکھ روپے کے بجائے ڈالر کہا ہوتا تو میں سوچ بھی سکتی تھی۔"

"نہیں۔" اس نے بے ساختہ احتجاج کیا۔ "اتنا تو میں نے خود بھی نہیں کمایا ہے۔"

"تم جھوٹے ہو۔" ویرا نے برجستہ کہا "کروڑوں تو تم نے ڈیوٹی اور دوسرے سرکاری محاصل کی مد میں بچالئے ہوں گے۔ نفع اس کے علاوہ ہے۔ کمانا اور پھر بھی ہر وقت روتے رہنا' تم جیسے لوگوں کا محبوب ترین مشغلہ ہوتا ہے۔"

"ایک ملین ڈالر کی رقم تو میں مر کر بھی نہیں دے سکتا۔" وہ رو دینے والی آواز میں بولا۔

"اسمگلنگ بھی کرتے ہو؟" ویرا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

"ہرگز نہیں۔" اس نے اپنے دونوں کانوں کو چھو کر کہا۔ "درآمد کے کاروبار میں دال روٹی مل جاتی ہے تو ایسے غلط کاموں میں ہاتھ ڈالنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تمہاری گلو خلاصی کی بس ایک ہی صورت ہے۔" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "میں امریکا سے یہاں آئی ہوں تو کچھ کیس بنا کر واپس لوٹوں گی تاکہ اپنے محکمے میں سرخ رُو ہو سکوں یا پھر دو چار ملین ڈالر بنا کر جاؤں گی۔ یہ بتاؤ کہ تم ان میں سے کس صورت میں میری مدد کر سکتے ہو؟"

چند ثانیوں پہلے تک ویرا' اسے کھانے کو دوڑ رہی تھی اور وہ اس کے سامنے بولنے سے بھی ہچکچا رہا تھا یا ویرا اس سے' اُس کی ممکنہ مدد کے بارے میں رائے طلب کر رہی تھی۔ چند لمحوں کی اس تبدیلی نے قاسم کو بھونچکا کر دیا اور وہ مُنہ پھاڑ کر' حیرت اور بے یقینی کے عالم میں ویرا کا چہرہ تکنے لگا۔ "میں ہر مدد کے لئے تیار ہوں۔"

"میرے پاس تمہارے علاوہ' ایک کیس اور بھی ہے۔" ویرا نے اطمینان کے ساتھ کہنا شروع کیا۔ "وہ تجارت کے ساتھ ہی اسمگلنگ بھی کرتا ہے۔ چند روز میں اُس کی ایک بڑی کھیپ باہر سے آنے والی ہے جو وہ میرے حوالے کرنے پر آمادہ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ لانچ سے مال کو بحفاظت اتارنا' گوداموں میں لے جانا اور پھر ٹھکانے لگانا میرے ذمے ہوگا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ میں یہ بندوبست کرلوں تو ایک ہی ہلے میں کئی ملین ڈالر کمالوں گی۔"

"مال کیا ہے؟" قاسم نے اشتیاق اور تجسّس کے ساتھ سوال کیا۔ اپنے سر سے مصیبت ٹلنے کی موہوم سی امید نے ہی اس کی پوری ذات پر بہت خوشگوار اثرات مرتب کئے تھے۔

"مال سے تمہیں کیا لینا؟ وہ میرا اور اگلی پارٹی کا معاملہ ہے۔" ویرا نے ترشروئی سے کہا۔

"میں بس ہیروئن سے بہت ڈرتا ہوں۔" وہ سہمی ہوئی سرگوشیانہ آواز میں بولا۔

"تم بالکل ڈفر ہو۔" اس وقت تک ویرا' قاسم پر بری طرح حاوی ہو چکی تھی۔ "ہیروئن لانچوں میں بھر کر لائی جاتی ہے' نہ گوداموں میں ذخیرہ کی جاتی ہے۔ یہ جنس تو بریف کیس اور تجوری



کی حدود میں رہ کر ہی وارے کے نیارے کر دیتی ہے۔ ویسے تم ہیروئن سے کیوں ڈرتے ہو؟ یہ تو تمہاری مقامی پیداوار ہے۔"

قاسم پہلی بار بے ڈھنگے پن سے ہنسا اور بولا "مجھے جان لُٹر نے بتایا تھا کہ پاکستان میں' مقامی حکام کی لاعلمی میں' امریکی صدر کی شی نامی ایک بااختیار ایجنسی' ہیروئن کے انسداد کے لئے کام کر رہی ہے جو پاکستان کے آزاد قبائلی علاقوں میں پیدا ہونے والی ہیروئن کو پاکستان ہی میں کھپانے کے مشن پر کام کر رہی ہے۔ جو شخص بھی ہیروئن کی درآمد یا برآمد میں دلچسپی لیتا ہے' اسے شی والے نہایت بے رحمی کے ساتھ ذبح کر ڈالتے ہیں۔"

"ہیروئن کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رحم حد تک ناکافی ہیں۔" ویرا نے کہا "اول تو ہیروئن پیدا نہیں ہوتی بلکہ افیون سے کیمیاوی طریقے سے کشید کی جاتی ہے۔ دوم یہ کہ اس کی درآمد ہوتی ہے نہ برآمد بلکہ اسمگلنگ ہوتی ہے جس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

قاسم کی زبان سے بالکل صحیح سیاق و سباق میں شی کا ذکر سن کر میں ششدر رہ گیا تھا۔ ہمارے ملک میں جو تنظیم ایک پُراسرار راز بنی ہوئی تھی' اپنی جنم بھومی میں وہ اتنی معروف تھی کہ جان لُٹر جیسا ایک بے ایمان تاجر بھی اس کے بارے میں بنیادی حقائق سے پوری طرح آگاہ تھا۔

"اگر اس کھیپ میں ہیروئن نہیں ہے تو پھر میں تمہیں اپنے پورے تعاون کا یقین دلاتا ہوں۔ مال کی چوری چھپے' نقل و حرکت میں میرے آدمی بہت ماہر ہیں۔ پوری لانچ میرے کسی گودام میں سما جائے گی اور پھر تم جہاں چاہو گی' مال وہیں پہنچا دیا جائے گا۔ کسی کو کانوں کان بھی اس معاملے کی خبر نہیں ہو سکے گی۔"

"اس طرح تم اپنی کھال اور پوری رقم بچانے میں کامیاب ہو سکتے ہو۔" ویرا پہلی بار مسکرائی۔

"دس لاکھ روپے کی رقم پھر بھی تمہاری ہوگی۔" قاسم نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ "لانچ والے مال کی ہینڈلنگ کے اخراجات اور دس لاکھ کی رقم کو میرا حقیر نذرانہ سمجھ لینا۔"

"چلو' وہ دس لاکھ دلاور خان کے کام آجائیں گے۔" ویرا نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تم ہیروئن سے تو اس قدر ڈر رہے ہو' اگر اس لانچ میں ہتھیاروں اور گولہ بارود سے بھری ہوئی پیٹیاں آئیں تو کیا کرو گے؟" میں نے اس کی نیت اور عزائم کا اندازہ لگانے کے لئے سوال کیا۔

"گولہ بارود' بم اور راکٹ سے میں نہیں ڈرتا۔" ویرا سے مصالحت کی راہ پا کر اس کا حوصلہ بحال ہو گیا تھا "تم چاہو تو میں ایٹم بم بھی چھپانے اور ٹھکانے لگانے کا بندوبست کر سکتا ہوں لیکن ہیروئن سے ہزاروں میل دور بھاگتا ہوں۔ اول تو اس کام میں کھلی کھلی بدنامی ہے۔ ہیروئن کے چکر میں پکڑے جانے والے کو ہر شخص نفرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ پھر شی والے ہیں۔ نادانستگی میں ان کے مقاصد سے کوئی ٹکراؤ ہو گیا تو سمجھ لو کہ گردن ہی کاٹ ڈالی جائے گی۔"

"تو کیا ہتھیاروں وغیرہ کی اسمگلنگ کرنے والے کو لوگ ملک اور سماج دشمن نہیں سمجھتے؟"

"ہتھیار وغیرہ چوروں' ڈاکوؤں اور قاتلوں کے لئے بھی اسمگل ہوتے ہیں اور ملک کی سرحدوں کی نگہبانی کرنے والوں کے لئے بھی لائے جا سکتے ہیں۔ ایسے معاملات کو آسانی کے ساتھ اپنے مفاد میں توڑا مروڑا جا سکتا ہے۔ اس سے آدمی کی عزت پر حرف نہیں آتا۔ اب یہی دیکھ لو کہ ہالینڈ کی عدالت سے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوئے' ان پر مقدمہ بھی چلایا گیا لیکن پاکستان میں ان کی عزت و احترام میں ذرا بھی فرق نہیں آیا کیونکہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ ملکی اور قومی مفاد میں تھا۔ اگر میں اپنے مالی اور سماجی وسائل کو حرکت میں لا کر لوگوں کو یہ باور کرا سکوں کہ میں ملک کی سلامتی اور بہتری کے لئے ہتھیار اسمگل کرا رہا ہوں تو یہ قوم مجھے سر آنکھوں پر بٹھائے گی۔"

"دوسری طرف' تم شی کے بارے میں اس طرح بات کر رہے ہو جیسے وہ سی آئی اے کی طرح کوئی مشہور امریکی ادارہ ہو' جب کہ میں نے یہ نام ہی پہلی بار سنا ہے۔ تم اس سے' اس قدر خوف زدہ کیوں ہو؟"

"تم ایک ذمے دار سرکاری افسر ہو اس لئے زیرِ زمین دنیا کے ان رازوں سے بے خبر ہو۔ ورنہ جو لوگ بھی امریکا کی زیرِ زمین دنیا سے روابط رکھتے ہیں' اچھی طرح جانتے ہیں کہ شی کیسی ہزار پا بلا ہے۔ ان لوگوں کی باخبری کا یہ عالم ہے کہ ارادوں تک کو پڑھ لیتے ہیں دو برس پہلے میرا ایک دوست صرف اس لئے مار ڈالا گیا کہ وہ پاکستان سے امریکا کے لئے ہیروئن اسمگل کرنے کے امکانات پر کام کر رہا تھا۔ شی والے جانتے ہیں کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں تیار کی جانے والی ہیروئن کی پہلی پسندیدہ منڈی امریکا ہوتی ہے جہاں اس کے سب سے زیادہ دام ملتے ہیں۔ وہاں داؤ نہ لگ سکے تو یہ ہیروئن کہیں اور کھپائی جاتی ہے جب کہ شی والے صدرِ امریکا کے حکم پر ہیروئن کے انسداد کے لئے کوشاں ہیں۔"

اس نے ایک بار پھر ویرا سے مال کی نوعیت کے بارے میں پوچھا لیکن ویرا نے اسے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ جو کچھ بھی ہو مگر اس میں ہیروئن نہیں ہوگی جس سے وہ خوف زدہ تھا۔

وہ مُصر تھا کہ ہم دونوں دوپہر کا کھانا اسی کے ساتھ کھائیں لیکن اس کے ساتھ اتنی راہ و رسم بڑھانا ہمارے پروگرام میں نہیں تھا اس لئے ہم نے اسے کسی اور موقع کے لئے ٹال دیا۔

قاسم برادرز ایک شراکتی کمپنی تھی۔ اس کا چھوٹا بھائی ہاشم امریکا ہی میں رہتا تھا جب کہ کمپنی کے مقامی معاملات قاسم بلا شرکتِ غیرے چلاتا تھا۔

"ہم جا رہے ہیں۔ فی الحال تمہارا معاملہ التوا میں رکھا جائے گا۔" ویرا نے چلنے سے پہلے تادیبی لہجے میں اسے آگاہ کیا "مناسب

وقت پر میں لانچ کے بارے میں تم سے رجوع کروں گی۔ اس دوران میں اگر تم نے سفارش یا دباؤ کا کوئی حربہ آزمانے کی کوشش کی تو یہ یاد رکھنا کہ تم مکمل تباہی سے نہیں بچ سکو گے اور نہ ہی تم جان ملر سے کوئی رابطہ کرو گے۔"

"تم نے سب کچھ میری سہولت کے مطابق مان لیا ہے۔ تم یقین رکھو کہ میں بالکل خاموش رہوں گا مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ میرے خلاف تمہارے پاس کتنا خطرناک مواد ہے۔" اس نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔

"اس دوران میں تم ملک ہی میں رہو گے۔" میں نے ایک اور امکان کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا "ہمارے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تم جہاں بھی جاؤ گے ہماری گرفت سے نہیں نکل سکو گے......"

"میں کوئی نتھو خیرا آدمی نہیں ہوں جس کی کوئی شناخت اور حیثیت نہیں ہوتی۔" اس نے میری بات کاٹ کر احتجاجی لہجے میں کہا "یہاں میرے کروڑوں کے اثاثے اور جائیدادیں ہیں' بال بچے اور رشتے دار ہیں۔ میں یہاں سے بھاگنے کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتا۔ ایسے کام بے نام اور بے حیثیت لوگ کرتے ہیں جو زندگی بھر گمنام ہی رہتے ہیں۔"

"تم چاہو تو نکل جاؤ' میں اس سے کچھ ذاتی گفتگو کرکے جاؤں گا۔" میں نے باہر موجود کسی نگراں کے خدشے کے پیش نظر ویرا کو اشارہ دیا لیکن وہ بھی اوّل درجے کی کائیاں تھی۔ ہم دونوں کی الگ الگ روانگی کو قاسم کے کسی شبے سے بالاتر رکھنے کے لئے اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ فوراً ہی ایک اعتراض کردیا۔

"تمہاری رقم کا معاملہ طے ہو چکا ہے' اس میں اضافہ تو نہیں کرانا چاہتے؟"

"دیکھو' یہ تمہاری نیت پر شبہ کررہی ہے۔ گورے' ہم تمام رنگ دار لوگوں کو پیدائشی بے ایمان سمجھتے ہیں۔" قاسم نے موقع پاتے ہی میری ہمدردی جیتنے کے لئے اردو میں کہا۔

"تم فکر نہ کرو' میں ان سے اپنا حساب کرنا خوب جانتا ہوں۔" میں نے بھی اردو ہی میں کہا۔

"میری موجودگی میں تم دونوں انگریزی میں بات کرو تو زیادہ بہتر ہوگا۔" ویرا نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں بتا رہا تھا کہ اب رقم میں کوئی اضافہ کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہوگا" قاسم ہی نے ویرا کے اعتراض کا جواب دیا تھا۔

"میری ایسی کوئی نیت نہیں ہے۔ میں اپنے حصے کی کچھ رقم پیشگی لینا چاہتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا "لانچ تو دو چار روز میں جب آئے گی سو آئے گی' نقد رقم کا معاملہ پکا ہو جانا چاہئے۔"

"مسز لیزلی فلہام کو اعتراض نہ ہو تو میں ایک ڈیڑھ لاکھ روپے کا بندوبست کرسکتا ہوں۔"

"نقد رقم دلا رہی ہے اور تمہیں اسی کو ادا کرنی ہے۔" ویرا نے کہا "میرا تمام تر مفاد لانچ کے مال سے وابستہ ہوگا۔"

"مجھے لانچ کی آمد سے کم از کم دو دن پہلے اطلاع ملنی چاہئے۔" قاسم چونک کر بولا "تاکہ میں کارگو ہینڈلنگ کا بندوبست کرا سکوں۔ مجھے ساحل کے محفوظ علاقے کی نشان دہی بھی کرنی ہوگی۔"

"یہ اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا۔ ویسے مجھے مشورہ دیا گیا ہے کہ اسمگلنگ کا مال اتارنے کے لئے آج کل سونمیانی کا علاقہ بہت محفوظ ہے۔ وہاں سے سڑک کے راستے مال لانے میں بس ایک چوکی سے معاملہ طے کرنا ہوتا ہے۔" ویرا بولی۔

"میں دیکھ لوں گا۔" قاسم نے اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دیتے ہوئے کہا اور ویرا اپنے کاغذات سمیٹ کر چرمی بیگ میں رکھنے لگی۔ اسی وقت ایک فائل پر میری نظر پڑی اور میں یہ دیکھ کر دل ہی دل میں ہنس دیا کہ وہ گرینڈ ہوٹل کی روز مرہ خریداریوں کی ایک پرانی فائل تھی جو ویرا نے غالباً اپنے ہوٹل کے کسی کباڑ خانے سے اُڑائی ہوگی۔

قاسم نے ویرا کو بہت تپاک کے ساتھ رخصت کیا۔ اس نے ویرا کو اپنی گاڑی میں بھیجنے کی پیشکش بھی کی لیکن ویرا نے اپنی مصلحتوں کی بنا پر وہ پیشکش قبول کرنے سے انکار کردیا۔

"میں بھی زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرسکوں گا۔" قاسم ویرا کو الوداع کہہ کر واپس آیا تو میں نے اپنی بات شروع کردی "ڈیڑھ لا لاکھ آج دے دو' باقی رقم پرسوں تک مل جانی چاہئے۔"

"پرسوں تک تو مشکل ہے۔" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا "ساری رقم مجھے کھاتوں سے باہر ہی سے دینی ہوگی اس کے لئے مجھے ایک ہفتے کی مہلت درکار ہوگی۔ تم مجھے اپنے دفتر کا پتا دے دو' رقم خود ہی وہاں پہنچا دوں گا۔"

"میں دفتر میں ایسے لین دین نہیں کرتا۔" میں نے بے رخی سے کہا "وقت کا معاملہ اس لئے اہم ہے کہ مالیاتی معاملات کی فائلوں کے بارے میں اوپر سے احکام آئے ہوئے ہیں۔ ہم دس دن سے زیادہ مدت تک فائل اپنے پاس روکنے کے مجاز نہیں ہیں۔ دن تحقیقات اور ریکارڈ کی جانچ پڑتال میں گزر گئے۔ مجھے دو تین دن میں مسز فلہام کی رپورٹ پر تمہارا کیس فائل کرنا ہے۔ مجھے قیمت پر اس سے پہلے پوری رقم مل جانی چاہئے۔ میں رشوت کے ادھار کا قائل نہیں ہوں۔"

"تم پرسوں صبح فون کرلینا۔" اس نے اپنا کارڈ دیتے ہوئے "میں رقم کا بندوبست کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔"

چند منٹ بعد قاسم کا آدمی ہزار اور پانچ سو روپے کے نوٹوں کی ایک ایک گڈی لے آیا۔ میں نے وہ دونوں گڈیاں اپنی جیبوں میں ڈالیں اور قاسم سے ہاتھ ملا کر وہاں سے روانہ ہوگیا۔

اس پورے معاملے میں دلچسپ ترین بات یہ تھی کہ قاسم نے میرے یا ویرا کے شناختی کاغذات دیکھے بغیر یہ یقین کرلیا تھا کہ ہم دونوں اپنے اپنے اداروں کے مجاز نمائندے تھے۔ میرے بارے میں تو وہ پھر بھی کسٹم انٹیلی جنس کے دفتر سے رجوع کرسکتا تھا۔ ویرا کے ٹھکانے کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ ار

میں چور تھا اس لئے ویرا کی زبان سے جان ملر کا ذکر سنتے ہی اس نے پوری کہانی کی صداقت پر یقین کرلیا تھا جس کے لئے بنیادی مواد ہیری کیسنجر نے فراہم کیا تھا اور جزئیات ویرا کے زرخیز ذہن کی پیداوار تھیں۔ غنیمت یہ تھا کہ ویرا نے قاسم کو جان ملر سے بھی رابطہ کرنے سے منع کردیا تھا ورنہ ٹیلکس اور فون کے ذریعہ قاسم کو جان ملر سے بہت سی باتیں معلوم ہوسکتی تھیں جو ویرا کا منصوبہ تباہ کردیتیں۔

لیکن پھر بھی ایک مثبت پہلو باقی تھا۔ جان ملر کی فراہم کی ہوئی معلومات کو ویرا یہ کہہ کر بہ آسانی رد کرسکتی تھی کہ اس کے خلاف ہونے والی تفتیش اس وقت تک خفیہ رکھی گئی تھی اس لئے خود جان ملر کو علم نہیں ہوسکا تھا کہ امریکا کے اہم مالیاتی اداروں میں اس کے خلاف کیا کھچڑی پک رہی تھی۔

میرے نزدیک قاسم کے معاملے کی بہت زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ ہماری اس تک رسائی ہیری کیسنجر کی ہدایات کی تعمیل میں ممکن ہوئی تھی لیکن ہیری ہتھیاروں کی جو کھیپ قاسم کے گودام میں جمع کرانا چاہتا تھا اس کے پاکستان پہنچنے کے امکانات یکسر معدوم تھے۔ یہ تمام بندوبست ہو جانے کے بعد اگر جمی لائیڈ کے ذریعے وہ لانچ دبئی سے روانہ کرادی جاتی تو ہیری اس کے کوائف سے ویرا کو آگاہ کرتا تاکہ وہ قاسم اور اس کے آدمیوں کو تیار کرسکے۔ لیکن اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی میں ساری تفصیلات اول خان تک پہنچا دیتا اور ہتھیاروں سے بھری ہوئی وہ لانچ کھلے سمندر میں پکڑ لی جاتی یا غرق کردی جاتی۔ اس طرح اس پورے اسکینڈل میں عملاً قاسم کا کوئی رول نہیں تھا بجز اس امر کے کہ اُس نے دھونس میں آکر ڈیڑھ لاکھ روپے میرے حوالے کردیے تھے اور اگلے دو روز میں مزید ساڑھے آٹھ لاکھ روپے ادا کرنے کا پابند ہوگیا تھا۔

اس پوری تگ ودو کا نچوڑ یہ تھا کہ بات صرف اندرونِ سندھ میں پھیلے ہوئے ڈاکوؤں کی نہیں رہی تھی کیونکہ ان کی پشت پر بھی غلام رسول جیسے منافق سیاست کار کام کررہے تھے لیکن ان کے علاوہ بھی سیاست اور تجارت پر جو لوگ چھائے ہوئے تھے' چند مستثنیات کو چھوڑ کر' وہ سب ہی ڈاکو اور لیٹرے بنے ہوئے تھے۔ ہر کوئی پیسے کی دوڑ میں لگا ہوا تھا اور مختصر ترین مدت میں بڑے بڑے خزانے بٹور لینا چاہتا تھا۔ ان لوگوں نے اس لوٹ مار میں ایسی ہولناک آپا دھاپی مچائی ہوئی تھی جیسے لوٹ کا یہ میلہ چند دنوں بعد ختم ہونے والا ہو اور جس کسی نے اپنا حصہ جھپٹ لینے میں سستی یا کاہلی دکھائی تو وہ زندگی بھر محرومیوں کی آگ ہی میں جلتا رہے گا۔ اس خوف ناک اور غیر صحت مند مسابقت نے پورے معاشرے کے تاروپود کو بکھیر کر رکھ دیا تھا اور یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے کسی جنگل میں درندے راج کررہے ہوں اور چھوٹے جانور کونے کھدروں میں دبکے' اپنی باری کے منتظر ہوں کہ کب کوئی درندہ ان کو آکر ان کے نرخروں کو چیر پھاڑ دیتا ہے۔

ایسے ماحول میں سلامتی سے گزرتا ہوا ہر لمحہ غنیمت معلوم ہونے لگتا ہے لوگ اپنے حقوق و فرائض کو بھول جاتے ہیں اور جب بھی کسی کو قزاق یا قزاقِ اجل دبوچ لیتا ہے تو مظلوم فریاد کرنے کے بجائے اسے مقدر کا لکھا سمجھ کر یوں ہی تسلیم کرلیتے ہیں۔

یہ سب حالات اکیلے ملاّ سرکار کے پیدا کئے ہوئے نہیں تھے۔ قاسم کو تجارتی گھپلوں کی راہ کسی غیر ملکی ایجنٹ نے نہیں دکھائی تھی۔ مقامی طور پر اندر ہی اندر گند گھل رہا تھا اور اس سے وہ کھاد وجود میں آرہی تھی جو ہر قسم کے سماجی' معاشی اور معاشرتی جرائم کے لئے زرخیز ثابت ہوتی ہے۔

میں ان ہی خیالات میں ڈوبا ہوا جہانگیر کے گھر کی طرف جارہا تھا کہ اچانک ایک ویران سڑک پر مجھے چونکنا پڑا کیونکہ ایک موٹر سائیکل کے انجن کا شور یکساں طور پر میرے کانوں میں کئی منٹ سے گونج رہا تھا۔ میں نے نشست پر اپنی پوزیشن قدرے بدل کر بائیں طرف کے عقب نما آئینے میں دیکھا کہ ایک موٹر سائیکل میری کار کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ اس موٹر سائیکل پر دو منحنی سے نوعمر لڑکے سوار تھے۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پاتے ہی ڈرائیو کرنے والے نے خطرناک زاویے سے سڑک پر موٹر سائیکل لہرائی اور پلک جھپکتے میں داہنی طرف میرے برابر میں آگیا۔

میری چھٹی حس خطرے کا اعلان کرچکی تھی پھر میں نے موٹر سائیکل پر پیچھے بیٹھے ہوئے لڑکے کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کی جھلک بھی دیکھ لی۔ پیچھے والے لڑکے نے وہ پستول اپنے پیٹ اور اپنے ساتھی کی کمر کے درمیان میں چھپایا ہوا تھا۔ اس کی نال میری

طرف اٹھی ہوئی تھی اور دونوں لڑکوں کے چہروں پر دحشت ناک اضطراب چھایا ہوا تھا۔

"گاڑی کنارے سے لگا کر روک لو ورنہ گولی ماردوں گا۔" پیچھے والے لڑکے نے ہذیانی انداز میں مجھے حکم دیا۔

اس وقت میں بالکل غیر مسلح تھا۔ مسلح ہوتا تو بھی میں اس اچانک واردات کا توڑ کرنے پر قادر نہیں تھا۔ لڑکوں کی خوف زدہ گھبراہٹ اور دہشت آمیز مستعدی سے میں نے بھانپ لیا تھا کہ وہ دونوں بری طرح بھڑکے ہوئے تھے اور اپنی ہدایات کے انحراف کے جرم میں مجھے گولی مارنے کے لئے بالکل تیار تھے۔

انہیں مجھ پر ایک پستول اور اس کے بھرے ہوئے میگزین کی برتری حاصل تھی لیکن جسمانی طور پر وہ دونوں میرے ایک ایک تھپڑ کے بھی متحمل نہیں ہوسکتے تھے اس لئے کسی بہتر موقع کی امید پر میں نے اپنی کار سڑک کے کنارے روک دی۔ موٹر سائیکل میری کار کے آگے یوں آرکی کہ اسے کچلے بغیر آگے بڑھنا میرے لئے ناممکن تھا۔

میرے آس پاس سے ہلکا پھلکا ٹریفک گزر رہا تھا لیکن وہ سب اتنی سبک رفتاری کے ساتھ ہوا کہ کسی بھی گزرنے والے کو وہاں کسی واردات کے وقوع پزیر ہونے کا شبہ تک نہیں ہوسکا۔

ابتدائی ذہنی جھٹکے سے سنبھلنے کے بعد میں انہیں روند کر آگے بڑھنے یا اپنی کار کو نہایت تیزی کے ساتھ پیچھے لے جانے کے بارے میں پوری طرح سوچ بھی نہیں پایا تھا کہ پستول بردار لڑکا اپنے داہنے ہاتھ کو جیکٹ میں چھپائے حیرت ناک سرعت کے ساتھ پسنجر سیٹ کے دروازے پر پہنچا' دروازہ لاک تھا۔ اس نے مجھے اتنی بھی مہلت دیے بغیر کہ میں بٹن اوپر کرکے لاک کھول سکتا ... پستول کا آہنی دستہ مار کر شیشہ توڑا' لاک کھولا اور دروازہ کھول کر سیٹ پر پڑی ہوئی شیشے کی کرچوں کی پروا کئے بغیر میرے برابر میں براجمان ہوگیا۔ اس پوری کارروائی میں وہ اس قدر مستعد اور پھرتیلا ثابت ہوا تھا کہ مجھے اس پر ہاتھ ڈالنے کا کوئی موقع نہیں مل سکا۔

"گاڑی چلاؤ۔" وہ پستول کی نال ڈیش بورڈ پر مار کر دحشت زدہ حیوانی لہجے میں غرایا۔

موٹر سائیکل آہستگی کے ساتھ حرکت میں آچکی تھی۔ ناچار میں نے بھی گاڑی آگے بڑھادی۔

"بیٹے! تم کیا چاہتے ہو؟" میں نے کن انکھیوں سے سترہ اٹھارہ برس کے اس ناتواں چھوکرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"بکومت!" اس نے بھڑک کر پستول کی نال میری کھوپڑی کی طرف گھمادی "جیبوں میں جو کچھ ہے' نکال کر پائیدان میں ڈالو اور کار سے اتر جاؤ ورنہ ابھی تڑپتے ہوئے نظر آؤ گے۔"

اس کے حکم میں ایک سقم تھا۔ مجھے چلتی کار سے اترنا تھا یا کار روک کر اترنا تھا؟ اس کے اعصاب کی اضطراری اور خوف زدہ کیفیت دیکھتے ہوئے میں اس سے کوئی سوال کرنے کی جرات نہیں



کرسکا اور ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال کر دوسرے ہاتھ سے اپنی جیبیں خالی کرنے لگا۔ اس کے حکم کے بارے میں 'میں' ایک نتیجے پر پہنچ گیا تھا۔

اس اثنا میں موٹر سائیکل ایک بار پھر میری کار کے پیچھے لگ گئی تھی اور مجھے پورا یقین تھا کہ موٹر سائیکل والا بھی اپنے ساتھی کی طرح غیر مسلح نہیں تھا۔

ہزار اور پانچ سو روپے کے نوٹوں کی گڈیاں دیکھتے ہی پستول بردار لڑکے کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک عود کر آئی اور اس نے دونوں گڈیاں میرے ہاتھوں سے براہِ راست جھپٹ لیں۔

"بس گاڑی روکو اور دفع ہو جاؤ۔" میری جیبیں خالی کرانے کے بعد وہ قہر آلود پھٹی پھٹی آواز میں غرایا۔

میں نے کار کو بریک لگا دیئے کار رکتے ہی میں نے دروازہ کھولا لیکن پستول بردار لڑکا اتنی بری طرح گھبرایا ہوا تھا کہ اس نے ہیجان زدہ انداز میں مجھے باہر دھکیل کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

میرے دونوں قدم زمین پر پوری طرح جمنے سے قبل ہی وہ میری گاڑی لے کر ہوا ہوگیا۔ موٹر سائیکل کسی جونک کی طرح اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اس وقت میرے ذہن میں آیا کہ میں دن دہاڑے ڈکیتی کا شکار ہوچکا تھا۔

اخبارات میں ایسے واقعات بہت معمولی' سرسری اور بے ضرر سے نظر آتے ہیں لیکن زندگی اور موت کے درمیان معلق چند لمحات یا گھڑیوں کا مزہ وہی جان سکتا ہے جو کبھی ایسے مرحلے سے گزر چکا ہو۔

پیچھے سے آنے والی ایک دو گاڑیوں والوں نے شاید مجھے کار سے باہر دھکیلے جانے کا منظر دیکھ لیا تھا اس لئے انہوں نے میرے قریب اپنی گاڑیوں کی رفتار بہت کم کرکے میری خیریت دریافت کی اور میں نے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا کر انہیں رخصت کردیا۔ وہ لڑکے جس تیز رفتاری کے ساتھ فرار ہوئے تھے اس کے پیشِ نظر مجھے ان کے تعاقب میں کامیابی کی کوئی امید نظر نہیں آرہی تھی۔

اپنی اس درگت پر مجھے دل ہی دل میں غصے کے ساتھ ہنسی بھی آرہی تھی۔ میں نے قاسم کو لوٹا تھا' ان دونوں لڑکوں نے مجھے لوٹ لیا۔ ہم میں سے بڑا ڈاکو کون تھا؟ اس کا فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا۔ ویسے بھی وہ قاسم کی رقم کہاں تھی؟ قاسم تو خود دونوں ہاتھوں سے حکومت کو لوٹ رہا تھا۔ اس وقت لوٹ کا وہ سرمایہ مالِ مسروقہ بود بجائے حرام رفت کی عملی تفسیر بن گیا تھا۔

مروجہ قانون کی نظروں میں' میں خود ایک مجرم تھا۔ میرے جرائم کی فہرست بہت لمبی تھی جس سے صرف اسپیشل ٹاسک فورس والے ہی صرفِ نظر کرسکتے تھے اس لئے میں پولیس تھانے کے بکھیڑوں میں الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ ڈیڑھ لاکھ روپے کی رقم کسی ملازمت پیشہ افسر کے لئے خطیر ہو تو ہو' میرے لئے ہتھیلی کے میل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی۔ رہی جہانگیر کی سیاہ شیراڈ تو

مجھے یقین تھا کہ قوم کے وہ دونوں ہونہار سپوت زیادہ دیر تک اس مال کو اپنے گلے میں لٹکائے نہیں پھریں گے۔ کسی بھی محفوظ مقام پر پہنچتے ہی پہلی فرصت میں اس سے اپنا پیچھا چھڑالیں گے' انہیں اس مہم جوئی کے نتیجے میں ڈیڑھ لاکھ کی جو رقم مل گئی تھی اس کے بعد چھینی ہوئی کار میں گھومتے رہنے میں ان کے لئے کوئی لطف نہیں تھا۔

تھوڑی سی چہل قدمی اور انتظار کے بعد میں نے ایک ٹیکسی لی اور اسی علاقے کی گلیوں کی خاک چھاننی شروع کردی۔ ٹیکسی ڈرائیور کے لئے میری ہدایات ناقابلِ فہم تھیں لیکن میں نے اسے نہیں بتایا تھا کہ میں ان سنسان گلیوں میں اپنی چھینی ہوئی کار تلاش کرنے میں کوشاں تھا۔ ڈرائیور سیدھا سادہ اور مخلص سا آدمی نظر آرہا تھا۔ اسے اصل واقعہ کی بھنک بھی مل جاتی تو وہ مجھے فی الفور پولیس اسٹیشن کا رخ کرنے کا مشورہ دیتا۔ اس کا مشورہ قبول نہ کرنے کی صورت میں میں خود کو اس کی نگاہوں میں مشکوک بنا لیتا۔ غنیمت یہ ہوا کہ تقریباً دس منٹ بعد ہی میری کوشش بار آور ثابت ہوئی اور جہانگیر کی سیاہ شیراڈ کار مجھے ایک سایہ دار درخت کے نیچے کھڑی ہوئی نظر آگئی۔

شیراڈ کے پاس ٹیکسی روکتے ہی ڈرائیور چونکا تھا۔ جب اسے پورا قصہ معلوم ہوا تو وہ میرے اطمینان اور طریقۂ کار پر حیران رہ گیا۔ اسے زیادہ حیرانی اس بات کی تھی کہ کار کی بازیابی کے لئے میرا پُرسکون طریقۂ کار پوری طرح کامیاب ثابت ہوا تھا۔ شیراڈ کی چابی پائیدان میں پڑی ہوئی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور کو فارغ کرکے میں نے شیراڈ اسٹارٹ کی اور گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ غنیمت یہ تھا کہ مجھے لوٹنے والے ڈاکو نے ڈیڑھ لاکھ کے نوٹ دیکھنے کے بعد میری جامہ تلاشی لینے پر اصرار نہیں کیا تھا ورنہ میری اندرونی جیب میں وہ چند سو روپے بھی باقی نہ بچتے جن سے میں نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا تھا۔

اس ناگہانی افتاد میں میرا خاصا وقت برباد ہوگیا۔ میں گھر پہنچا تو دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ جہانگیر اپنی فیکٹری جاچکا تھا اور غزالہ گھر میں اکیلی تھی۔ اس سے پتا چلا کہ کچھ دیر پہلے سلطان شاہ میری تلاش میں وہاں پہنچا تھا اور تھوڑی دیر تک انتظار کرنے کے بعد بازار کی طرف چلا گیا تھا۔

غزالہ بھی میرے انتظار میں بھوکی بیٹھی ہوئی تھی اس لئے ہم دونوں فوراً لنچ میں مصروف ہوگئے۔

ہم دونوں کھانے سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ سلطان شاہ واپس لوٹ آیا۔

"گاڑی کہاں مار آئے؟" اس نے آتے ہی حیرت کے ساتھ سوال کیا تھا "کھڑکی کا شیشہ چکنا چور ہوگیا لیکن باڈی پر خراش تک نہیں آئی۔" وہ شیراڈ کا پوری طرح جائزہ لے کر اندر آیا تھا۔

غزالہ اس انکشاف پر بوکھلا گئی اور مجھ سے شکوہ کرنے لگی کہ میں نے آتے ہی اسے کیوں نہیں بتایا تھا۔ ان دونوں کے اصرار پر

مجھے ڈکیتی کا وہ قصہ سنانا ہی پڑا جس میں میرے لئے خفت اور شرمندگی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"میں ابھی صدقہ دوں گی۔" غزالہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "آج خدا نے بڑا رحم کیا ہے۔ خوف یا گھبراہٹ میں اس لڑکے سے گولی چل ہی جاتی تو کیا ہوتا؟"

"اب تو یہ باتیں تمہیں بھی زیب نہیں دیتیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "ہم دونوں کے علاوہ تم بھی بڑے بڑے خطرات سے گزر چکی ہو۔"

"وہ خطرات اہمیت نہیں رکھتے' ان کے ذریعے ہم اپنی روزی کماتے رہے ہیں۔" سلطان شاہ نے کہا "سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایک دھان پان سے کم عمر لڑکے نے ڈپٹی صاحب کی جیبیں خالی کرالیں اور یہ اس کا بال بھی بیکا نہ کرسکے۔"

وہ دونوں اسی موضوع پر کھینچا تانی میں اپنا دل خوش کرتے رہے۔ کھانے سے فارغ ہوکر میں نے سلطان شاہ سے اس کی آمد کا مدعا دریافت کیا تو اس نے ایک دلچسپ کہانی چھیڑدی۔

اس کے بیان کے مطابق گرینڈ ہوٹل میں ویرا کی نگرانی نہیں کی جارہی تھی۔ اسی طرح قاسم برادرز تک جانے اور وہاں سے واپسی کے سفر میں بھی اس کا پیچھا نہیں کیا گیا جب کہ سلطان شاہ مناسب فاصلے سے اس کے پیچھے لگا رہا تھا۔ ہوٹل آنے کے بعد ویرا نے ہیری کیسنجر کو فون کرکے پہلی ہی کوشش میں کام بن جانے کی خوش خبری سنائی تو ہیری نے اسے فوری طور پر اپنے دفتر میں طلب کرلیا۔ ویرا چلی گئی تو سلطان شاہ اپنے کمرے میں سستانے کی نیت سے لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کسی کام سے باہر نکلا تو اس نے ویرا کے کمرے سے ایک اُدھیڑ عمر مقامی جوڑے کو برآمد ہوتے دیکھا اور اس کی کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔

اس نے بالا بالا معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ ویرا کا رقعہ لے کر ایک شخص ہوٹل کے منیجر کے پاس آیا تھا۔ منیجر کے مطالبے پر اس نے اپنی شناخت ہیری کے دفتر کے آدمی کے طور پر کرائی اور ہوٹل کا حساب بے باق کرنے کے بعد ویرا کا سامان لے کر چلا گیا۔ وہ کمرا خالی ہوتے ہی ایک ادھیڑ عمر مقامی جوڑے کو دے دیا گیا۔

"اور تم یہ اہم خبر دبائے بیٹھے تھے!" میں نے غصیلے لہجے میں اسے لتاڑا۔

"تھوڑی بہت دیر سویر سے کوئی فرق نہیں پڑا۔" اس نے اطمینان سے کہا "تمہیں پندرہ منٹ پہلے یہ بات معلوم ہوجاتی تو تم

کیا کر سکتے تھے؟ میرا تو خیال ہے کہ اب ویرا ہمارے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔"

"اسے دھوکا دے کر کاؤنسلیٹ بلایا گیا ہے اور اب شاید وہ اپنی مرضی سے وہاں سے نہیں نکل سکے گی۔" غزالہ بولی۔

"بس یہی ایک امکان میری نظروں سے اوجھل تھا اور میں اسی میں مار کھا گیا" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"تمہاری دانست میں ہیری کی اس حرکت کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟" سلطان شاہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

"لانچ سے ہتھیاروں کی بحفاظت آمد کا مسئلہ طے ہوتے ہی ویرا کو یوں یرغمال بنا لئے جانے سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ ہیری کو ویرا پر سو فیصد اعتماد نہیں ہے اور اب وہ کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں ہے۔"

"میں اب بھی پوری بات نہیں سمجھ سکا۔" سلطان شاہ کی آنکھوں سے الجھن مترشح تھی۔

"قاسم کے ذریعے ہتھیاروں کو کراچی میں رکھنے کا انتظام ویرا کے ذمے ہے اس لئے اس کا یہاں موجود رہنا ضروری ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہیری نے سیٹلائٹ فون پر ویرا کی جمی لائیڈ سے گفتگو کرائی ہوگی تاکہ جمی لائیڈ ویرا سے گرین سگنل ملنے پر ہتھیاروں سے لدی ہوئی لانچ کو دوبئی سے کراچی کے لئے روانہ کرا سکے۔ اس ضمن میں جمی لائیڈ ویرا کو لانچ کے نام، شناخت اور آمد کے متوقع دن سے بھی آگاہ کرے گا تاکہ ویرا مال سنبھالنے کا بندوبست کر سکے۔ آرنیٹ کے زخمی ہو جانے کے بعد ہیری ان معلومات کو سختی سے صیغۂ راز میں رکھنا چاہتا ہے اسی لئے ویرا کو کاؤنسلیٹ میں روک لیا گیا ہے تاکہ وہ لانچ کے بارے میں ملنے والی معلومات کسی اور کو نہ پہنچا سکے۔ جب تک سارے ہتھیار طے شدہ لوگوں تک نہیں پہنچ جاتے، ویرا کی گلو خلاصی مشکل نظر آتی ہے۔"

"پھر تو یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ لانچ دوبئی سے ہی آ رہی ہو۔ اگر وہ لوگ اس حساس معاملے میں اتنی رازداری سے کام لے رہے ہیں تو ویرا کو مغالطے میں رکھنے کے لئے دوبئی کا نام لے دیا گیا ہوگا تاکہ یہ بات کسی کے علم میں آ بھی جائے تو وہ ہتھیاروں سے لدی ہوئی لانچ کی تلاش میں دوبئی میں جھک مارتا رہے اور وہ لانچ اپنی خفیہ بندرگاہ سے خاموشی سے چل پڑے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

میں اس کے خیال سے سو فیصد متفق تھا۔ ابتدا میں آرنیٹ نے ویرا سے خلیج کی ایک بندرگاہ کا ذکر کیا تھا۔ بعد میں دوبئی کا نام سامنے آیا جو حریفوں کو گمراہ کرنے کی چال ہی ہو سکتی تھی۔

"اسے وہاں یرغمالی بنا لیا گیا تو وہ مشکل میں پڑ جائے گی۔" غزالہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"دیکھا جائے تو اسے بے خبری میں گھیر لیا گیا ہے۔ اس سے بڑی مشکل اور کیا ہوگی؟"

"میں چپ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ انہوں نے چپ ویرا کے جسم کے ایک پرانے زخم میں نصب کیا تھا لیکن اب وہ ویرا کے پاس یا لباس میں سے برآمد ہوگا۔ اسی سے اس کی بدنیتی پکڑی جائے گی۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ وہ ویرا باضابطہ قیدی نہیں ہی بلکہ اسے حفظ ماتقدم کے طور پر وہاں لایا گیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ ویرا کو خود اس کی سلامتی کے لئے وہاں رہنے کا مشورہ دیا جائے۔ صورتِ حال جو کچھ بھی ہو، ویرا کے ساتھ زبردستی یا تشدد کی نوبت نہیں آئے گی کیونکہ ہیری کو ابھی اس سے کام لینا ہے۔"

"ویرا کے پس منظر میں چلے جانے سے ہمیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔" سلطان شاہ نے اپنی رائے ظاہر کی "ہتھیار لانے والی لانچ کے بارے میں ہمارے فرشتوں کو بھی کچھ علم نہیں ہو سکے گا......"

"تم نے قاسم سے ڈیڑھ لاکھ روپے ہتھیانے اور پھر ڈاکوؤں کو سونپ دینے کی کہانی تو سن لی لیکن اس پر غور کرنے کی زحمت نہیں کی۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے ترش لہجے میں کہا "یہ اتفاق ہی ہوا کہ میں مقامی کسٹم آفیسر کے طور پر ویرا کے ساتھ قاسم سے ملنے چلا گیا۔ ابھی تک قاسم میرے لئے ایک عضوِ معطل بنا ہوا تھا لیکن اب وہی ہمارے کام آئے گا۔ ہیری کیسیجر اس بات سے بے خبر ہے کہ میں بھی ویرا کے ساتھ قاسم سے ملا تھا۔ ٹرکوں، آدمیوں وغیرہ کا بندوبست کرنے کے لئے ویرا اسے دو روز پہلے لانچ کا نام، مال کا وزن اور لنگر انداز ہونے کی جگہ بتائے گی جو میں اس سے اگلوا لوں گا۔"

"اور اگر ہیری نے قاسم کو بھی ویرا کی طرح اپنی حفاظتی تحویل میں لے لیا تو کیا ہوگا؟"

"ناممکن!" میں نے اس کا اندیشہ سختی سے مسترد کر دیا "ویرا کا کام پیغام رسانی اور اوپری دیکھ بھال تک محدود ہے اس لئے اس کی نقل و حرکت پر پابندی لگانا ممکن ہے۔ قاسم کو فیلڈ میں کام کرنا ہوگا۔ اسے خاصی بھاگ دوڑ کرنی پڑے گی، اسے ویرا کی طرح قیدی نہیں بنایا جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ ہیری اس کی نگرانی کرا دے گا اور بس!"

"اور مجھے یہ پوری ہی کہانی بودی نظر آ رہی ہے۔" غزالہ نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "جمی لائیڈ ویرا کو لانچ کا نام بتانے لگا؟ وزن، پیٹیوں کی تعداد اور لنگر انداز ہونے کا مقام ہو جائے تو سارا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔ لانچ کا نام وہ بالکل آخری مرحلے پر ظاہر کریں گے جب حالات پر ان کا پورا کنٹرول ہو گا۔"

"یہ بات قاسم کی حد تک تو درست ہے کیونکہ وہ باہر کا آدمی ہے۔" میں نے کہا "لیکن ویرا اور جمی لائیڈ کا معاملہ مختلف ہے۔ ویرا نہ صرف جمی لائیڈ کی بیٹی ہے بلکہ اس کی حالیہ ناقص کارکردگی کے باوجود وہ اپنی بیٹی پر اعتماد کرتا ہے۔ یہ بات ہیری کے علم میں ہے اسی لئے اس نے ویرا کا سامان اپنے آدمی سے منگوایا ہے تاکہ جمی لائیڈ سے بات ہونے تک ویرا کو اپنے خلاف ہونے والی سازش کی بھنک نہ مل سکے۔ بصورتِ دیگر وہ اپنے باپ سے ہیری کی شکایت کر کے حالات بگاڑ سکتی ہے۔"

"اب ہماری معلومات کا واحد ذریعہ قاسم رہ جائے گا۔ اس لئے ہمیں آخری لمحات تک لانچ کا نام معلوم نہیں ہو سکے گا۔" غزالہ نے میری دلیل تسلیم کرتے ہوئے کہا "اس کی وجہ سے اسپیشل ٹاسک فورس والے کھلے سمندر میں لانچ کو پکڑنے یا غرق کرنے کے منصوبے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکیں گے۔"

"یہ ان کی صوابدید پر منحصر ہوگا۔" میں نے بے بسی سے کہا۔ "وہ چاہیں تو کھلے سمندر میں پاکستان آنے والے ہر روٹ پر لانچوں کو چیک کر کے مطلوبہ لانچ کو پکڑ سکتے ہیں۔"

"اول تو غیر قانونی لانچیں طے شدہ سمندری راستوں سے دور رہ کر سفر کرتی ہیں پھر پچھلے چند برسوں میں دوبئی سے لانچوں وغیرہ کے ذریعے سامان کی نقل و حمل اتنی بڑھ چکی ہے کہ ان راستوں پر ہر وقت بیس پچیس لانچیں محو سفر رہتی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک لانچ کو ڈھونڈ نکالنا آسان نہیں ہوگا۔" سلطان شاہ نے اس اہم موضوع پر اپنی آخری رائے کا اظہار ناگزیر سمجھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا اور میں اندر ہی اندر کباب ہو کر رہ گیا۔

"ہمیں کچھ فیصلے دوسروں کے لئے بھی چھوڑ دینے چاہئیں۔" میں نے بھنا کر کہا "ایس ٹی ایف کی اہلیت اور کارکردگی کے بارے میں اول خان اور اس کے افسران ہم سے بہت زیادہ جانتے ہیں۔"

"پھر اب میرے لئے کیا حکم ہے؟" سلطان شاہ نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد سوال کیا۔

"اگلی ہدایات ملنے تک تم اپنی مرضی کے مالک ہو۔" میں نے اسے خوش خبری سنائی۔

"میرا مطلب تھا کہ ویرا کے چلے جانے کے بعد میں گرینڈ ہوٹل میں رہ کر کیا کروں گا؟"

"پھر ہوٹل چھوڑ کر یہیں آ جاؤ۔ دن میں غزالہ یہاں پڑے پڑے بور ہو جاتی ہے، تم اس کے ساتھ رہو گے تو اس کا دل بہلا رہے گا۔ تم لوگ ایک ساتھ باہر بھی جا سکو گے۔"

"میرا خیال تھا کہ میں شرف آباد والے فلیٹ میں چلا جاتا۔" اس نے کہا "وہ فلیٹ آرنیٹ اور اس کے آدمیوں کی نظروں میں ضرور آیا ہوا ہے لیکن ویرا کو اپنے پاس روک لینے کے بعد وہ ادھر توجہ نہیں دیں گے۔"

"تمہاری تجویز معقول ہے۔ اس فلیٹ کو بھی آباد رہنا چاہئے لیکن وہاں ایک خطرہ ہر وقت برقرار رہے گا۔ آج کل حبیب جیوانی میری دشمنی پر تلا ہوا ہے کیونکہ میں مافیا میں اس کی قیادت کے لئے خطرہ بنا ہوا ہوں۔ وہ فلیٹ اس کے آدمیوں کی نظروں میں بھی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میرے دھوکے میں تم مارے جاؤ۔"

"کیوں نہ میں بھی وہیں منتقل ہو جاؤں؟" غزالہ نے پوچھا۔ "وسکی لاہور گئی ہوئی ہے۔ میری وجہ سے جہانگیر کی بے لگام آزادیوں میں خلل پڑتا ہے۔ وہ بے چارہ بہت محتاط رہتا ہے لیکن اس کی بعض حرکتوں پر مجھے گھٹن ہونے لگتی ہے۔"

غزالہ کا اعتراض بہت وزنی تھا۔ وہ چند روز تو جیسے تیسے گزر ہی گئے تھے لیکن مجھے جہانگیر کی طرف سے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا۔ گھر میں اسے روکنے ٹوکنے والا کوئی نہیں رہا تھا اور وہ ذہنی پراگندگی کے عالم میں حلق تک وسکی پینے کی عادتِ بد میں مبتلا تھا۔ ایسے لمحات میں وہ ہوش و حواس سے بے گانہ ہو کر اچھے برے کی تمیز تک کھو دیتا تھا۔

"تم شیراڈ لے جاؤ، اس کی کھڑکی کا شیشہ بدلوا لینا۔ ہوٹل سے واپسی پر غزالہ کو بھی اپنے ساتھ فلیٹ لے جانا۔ وہاں شیراڈ تم دونوں کے استعمال میں رہے گی۔"

سیٹھ حبیب جیوانی کے لئے میں ملتان میں صاحبِ فراش تھا۔ اس سے ہونے والی آخری گفتگو میں، میں نے اسے واپس لوٹ آنے کی پیشکش کی تھی تاکہ اس کی بیوی کی تلاش میں اس کی مدد کر سکوں۔ مسز جیوانی مر چکی تھی اس لئے میرا خیال تھا کہ مجھے ملتان سے لوٹ آنا چاہئے۔ اس بار مافیا والوں کے سامنے آ کر، میں فلیٹ کا رخ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا کیونکہ جب تک جمی لائیڈ اور سپرڈان والی پہیلی اپنے منطقی انجام تک نہ پہنچ جاتی، میں ٹی اور مافیا میں سے کسی پر بھی اعتماد نہ کر سکتا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی اپنے بڑے فائدے کے لئے میری گردن کٹوا سکتا تھا۔

ایک طرف وہ سارے بکھیڑے تھے اور دوسری طرف اکیس ستمبر کی تاریخ، کسی تیز دھار تلوار کی طرح ہمارے سروں پر لٹک رہی تھی۔ یہ قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ کمانڈر اپنے مسلح جتھوں کے ساتھ گدرا کے مقام پر کمین گاہ بنائے اکیس ستمبر کا منتظر تھا اور دوسری طرف ایک بڑی طاقت کے مقامی کاؤنسلیٹ کی طرف سے ہتھیاروں کی اسمگلنگ کی مہم یک بیک زور پکڑ گئی تھی۔

اس قلیل سی مہلت میں سے ایک دن گزر چکا تھا اور دوسرا گزر رہا تھا۔ صرف اگلے دو دن باقی رہ گئے تھے۔ اس کے بعد کمانڈر کسی بھی لمحے اپنی کارروائی شروع کر سکتا تھا۔ اول خان نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ کمانڈر کے خلاف کوئی فیصلہ ہوتے ہی وہ مجھے خبر دے گا۔ دن گزرا جا رہا تھا لیکن اس کی کال کا کوئی پتا نہیں تھا اس لئے میں نے سلطان شاہ کے جاتے ہی ویرا کے متروک گھر کا نمبر ملایا جہاں اول خان نے اپنا یونٹ بٹھایا ہوا تھا لیکن اول خان وہاں موجود نہیں تھا۔ اس کے آدمی اس کی کہیں اور موجودگی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتاتے تھے۔ اس لئے میں نے مجبوراً اس کے گھر کا نمبر ملایا اور خوش قسمتی سے اول خان وہاں موجود تھا۔

"ابھی میں تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا تھا۔" میری آواز سنتے ہی وہ خوشی سے بولا۔

"اور میں پریشان ہو رہا تھا کہ تمہاری طرف سے اب تک کوئی پیغام کیوں نہیں ملا؟"

"ایسے معاملات میں وقت لگتا ہے۔" اس نے مجھے سمجھایا

جاہا "دشمن کی پوزیشن، نفری اور حربی استعداد کا اندازہ لگائے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاتا۔ دفاع کے مقابلے میں حملہ ہمیشہ زیادہ منگا اور خطرناک ہوتا ہے۔ یوں سمجھ لو کہ جس مورچے کا دفاع صرف دس جوان کر رہے ہوں اسے فتح کرنے کے لئے روایتی طور پر چالیس سے زیادہ جوان درکار ہوتے ہیں۔ گدرا کی صحیح پوزیشن سامنے آئے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا...."

"لیکن اکیس تاریخ سر پر چلی آرہی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔" اس کی بزرگانہ آواز ابھری "یہ معاملہ اب جن لوگوں کے پاس ہے وہ تم سے کم محبِ وطن اور قوم پرست نہیں ہیں۔ ہماری پُرسکون راتوں کے لئے یہ لوگ صحراؤں، پہاڑوں، دریاؤں اور فضاؤں میں دن رات نگہبانی کرتے ہیں۔ اگر تم اس مشن پر چلنا چاہتے ہو تو نو بجے نرسری پر مل جاؤ۔"

"میں آجاؤں گا لیکن مجھے کچھ تو بتاؤ کہ کیا ہو رہا ہے؟" میں نے اپنے وجود میں سنسنی کی لہریں محسوس کرتے ہوئے پُرتجسس لہجے میں سوال کیا "ابھی وقت درکار تھا اور اب مجھے نو بجے بلا رہے ہو۔"

"بہت اونچی پرواز کرنے والے جاسوس طیاروں نے حیران کن معلومات فراہم کی ہیں۔ گدرا صحرائی چٹانوں میں ایک نہایت غیر اہم پاکٹ ہے جہاں دونوں طرف سے آج تک کوئی گولی نہیں چلائی گئی کیونکہ یہاں سیکنڈ لائن آف ڈیفنس کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ان لوگوں نے اپنی حدود میں کئی میل کے رقبے میں کم از کم دو ڈھائی سو بڑے ٹرک چھپائے ہوئے ہیں۔ یہ چٹانوں کی اوٹ میں ہیں یا کیمو فلاج کر دیے گئے ہیں۔ ان ٹرکوں کے علاوہ ہلکے اور درمیانی اسلحے سے لیس دو ڈھائی سو لڑاکا فوجی ہیں۔ کنوائے کا عملہ اس کے علاوہ ہے۔ کئی ٹرکوں پر بڑی توپوں کے دہانے بھی دیکھے گئے ہیں۔ خبر رسانی کی یہ کارروائی انہیں ہوشیار کئے بغیر کی جانی تھی اس لئے کچھ وقت لگ گیا۔ سرحدوں پر ہمارے یونٹوں کی نقل و حرکت شروع ہو چکی ہے۔ ان کے گرد خاموشی سے گھیرا ڈالا جا رہا ہے۔ ان کی بدقسمتی یہ ہے کہ ان کے سارے درمیانی اور بھاری ہتھیار حالتِ جنگ میں نہیں ہیں بلکہ اندرونِ سندھ پہنچائے جانے کے لئے ٹرکوں پر لدے ہوئے ہیں اور ہمارا ہر ہتھیار دشمن پر آتش و آہن کا جہنم برسانے کے لئے تیار ہے۔ پیٹرول انجن والی واٹر کولڈ گاڑیاں بھی اپنی کم آواز کی وجہ سے حرکت میں لائی جا چکی ہیں۔ اب اس مختصر سی مدت میں تم اس سے زیادہ کس کارروائی کی توقع کر سکتے ہو؟"

"شاندار!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "میں ان سب باتوں سے بے خبر تھا۔ یہی میرے اضطراب کی وجہ تھی لیکن یہ تو بتاؤ کہ کمانڈر کے جتھوں کے خلاف زمینی کارروائی ہوگی یا فضائی؟"

"یہ اب خالص جنگی معاملہ ہے اور میں ان تفصیلات سے بالکل لاعلم ہوں۔ مجھے ایک ماتحت کے ساتھ بطور مبصر اس مشن میں شرکت کی اجازت دی گئی ہے۔ اس میں میرا کوئی عملی دخل نہیں ہوگا۔ ماتحت کے طور پر ابتدا ہی سے میں نے تمہارا نام اپنے ذہن میں رکھا ہوا تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ بہت مہلک اور برق رفتار کارروائی ہوگی۔"

"ان لوگوں کو، ان کی سرزمین پر تباہ و برباد کر کے ہم کسی الجھن میں نہیں پڑ جائیں گے؟"

"تم بھی خاصا فوجی اور سیاسی ذہن رکھتے ہو۔" خفیف سی ہنسی کے ساتھ اول خان کی آواز ابھری "اس الجھن کے حل کے لئے ایس ٹی ایف کا ایک کمانڈو یونٹ مستعار دیا گیا ہے۔ ہماری تیاریاں مکمل ہونے پر یہ کمانڈو، باغی ڈاکوؤں کے روپ میں کمانڈر کے آدمیوں سے ملّا سرکار کے پیغام بر کے طور پر ملیں گے اور اندرون سندھ کے حالات کی بھیانک تصویر کشی کر کے کمانڈو کو فوری پیش قدمی کی دعوت دیں گے......"

"تو کیا کمانڈر اس جھانسے میں آکر اپنی ہائی کمان کے فیصلوں سے انحراف کر گزرے گا؟"

"اسے مجبور کیا جائے گا۔" اول خان کی ذو معنی آواز ابھری "کمانڈو گروپ اسے بتائے گا کہ انتظامیہ نے اندرونِ سندھ میں پوری طاقت سے ملٹری آپریشن شروع کر دیا ہے۔ اگر وہ سرحد پر بیٹھا اکیس ستمبر کا انتظار کرتا رہا تو اس دوران میں انتظامیہ باغیوں اور ڈاکوؤں کی کمر توڑ کر انہیں تہس نہس کر دے گی اور جب وہ اکیس ستمبر کو سرحد عبور کرے گا تو اسے میل ہا میل تک اپنا ایک بھی مددگار نظر نہیں آئے گا۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ انتظامیہ پوری قوت کے ساتھ اس کی راہ میں حائل ہو کر پورے منصوبے کو ہی ناکام بنا دے۔ اس مضبوط کہانی کی بنیاد پر کمانڈر کو اپنے ہیڈ کوارٹرز سے فوری طور پر خود فیصلہ کرنے کا اختیار مل جائے گا اور وہ ہمارے پھیلائے ہوئے جال کی طرف چل پڑے گا۔ جب اس کی پوری مشینی اور پیدل نفری بین الاقوامی سرحد عبور کر کے ہماری سرزمین پر آجائے گی تو اس کے دونوں پہلوؤں سے ہمارے سریع الحرکت دستے بڑھ کر ان کی واپسی کا راستہ کاٹ دیں گے یوں ان کا عبرت ناک انجام ہماری سرزمین پر ہوگا۔"

"تمہارے کمانڈو ان کے ساتھ ہوں گے۔ ان کی جانیں خطرے میں پڑ جائیں گی۔"

"ہم خطرات سے کھیل کر ہی جِلا پاتے ہیں۔" اول خان کی آواز پُرعزم تھی "حق کی راہ میں آنے والی موت سے جو شخص ڈرے وہ اچھا مسلمان ہو سکتا ہے اور نہ سپاہی۔ ان سب کو معلوم ہے کہ ان کا مشن کس قدر پُرخطر ہے پھر بھی چالیس رضاکار ہمارے سامنے موجود تھے جن میں سے صرف آٹھ کا انتخاب کیا گیا ہے۔"

"یہ تو خونریز ریگستانی معرکہ ہوگا، ہم لوگ کہاں سے مشاہدہ کر سکیں گے۔"

"جنھوں نے بلایا ہے وہی کچھ بندوبست کریں گے، اس پر اپنا دماغ نہ تھکاؤ!"



"اور غلام رسول کا کیا حال ہے؟" مجھے اچانک ہی اس کا خیال آگیا۔

"سرکاری اسپتال میں زیرِ حراست ہے۔ چند روز میں ٹھیک ہو جائے گا۔ آج اسپیشل سیل والوں نے اس کے پانچوں حواریوں کو بھی چھاپ لیا ہے۔ ان میں سے تین پہلے ہی اسپیشل سیل والوں کی نگاہوں میں تھے۔ تفتیش کے لئے زیرِ حراست لئے جانے کے فوراً بعد انہیں اسپتال میں غلام رسول کا دیدار کرایا گیا تھا تاکہ اپنے آقا کا عبرت ناک حشر دیکھ کر وہ ضد اور ہٹ دھرمی کی راہ اختیار کرنے سے باز رہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہر طرف سے بازی سمٹ رہی ہے۔" میں نے اپنے وجود کی گہرائیوں میں اطمینان کی ٹھنڈک محسوس کرتے ہوئے آہستگی کے ساتھ کہا۔

"بازی تو سمٹی ہوئی ہی سمجھو۔ ہمارے نرغے میں آیا ہوا دشمن زیادہ دیر تک نہ پنپ سکے گا۔ بس یہ دعا کرو کہ ہمارا کوئی جانی نقصان نہ ہو۔ غازیوں سے گلے مل کر دل میں ایمان تازہ ہو جاتا ہے جب کہ ہمارا ہر شہید بے شمار آنکھوں کو اشک بار کر جاتا ہے۔ دعا کرو کہ موت کے جبڑوں میں اتر جانے والے سب لوگ سُرخروئی کے ساتھ واپس آئیں۔"

عملی طور پر میں مذہب اور اس کے احکام سے بہت دور تھا لیکن اول خان کے ان فقروں میں کچھ ایسا جلال تھا کہ غیر ارادی طور پر میری زبان سے آمین کا لفظ ادا ہو گیا۔

"کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ کمانڈر کے پاس جانے والے آٹھ کمانڈوز میں، میں بھی شامل ہو جاتا؟"

"نہیں ڈینی!" اول خان کی معذرت خواہانہ آواز ابھری "یہ خالص پیشہ ورانہ کام ہیں جن میں باہر کے آدمیوں کو ملوث نہیں کیا جا سکتا۔ پھر وہ آٹھوں، خوف ناک چہروں اور مضبوط جسموں کے مالک ہیں۔ وہ پگڑیاں باندھ کر اور جسموں پر میگزین سجا کر کمانڈر کے روبرو جائیں گے تو وہ سوچ بھی نہیں سکے گا کہ وہ ڈاکو نہیں، ہمارے کمانڈو ہیں۔"

"دوسری طرف اسلحے والا معاملہ بھی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔" ایک موضوع ختم ہونے کے بعد میں نے اسے اپنی کہانی سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتے ہوئے کہا "دو چار دن میں لانچ کراچی آنے والی ہے۔"

"آرنیٹ کے زخمی ہو جانے کے بعد یہ معاملہ کون دیکھ رہا ہے؟" میری اطلاع نے اسے چونکا دیا تھا۔

"کوئی ہیری کیسنجر ہے۔ مال کراچی ہی میں ایک تاجر کے گودام میں رکھا جائے گا۔ اس نے ویرا کو کاؤنسلیٹ میں روک لیا ہے۔ اب شاید ہمیں لانچ کے نام کا پیشگی علم نہیں ہو سکے گا۔"

اس کے لئے وہ تشنہ باتیں الجھن آمیز تھیں اس لئے اس کے استفسار پر مجھے اختصار کے ساتھ پوری کہانی دہرانی پڑ گئی جس میں میرے لوٹے جانے کا ذکر سرے سے شامل نہیں تھا۔

"اس کے لئے ابھی وقت ہے۔کمانڈو والے معاملے سے نمٹ کر اس پر غور کریں گے۔"

"ٹھیک ہے' میں ٹھیک نو بجے نرسری کے بس اسٹاپ کے اگلے سرے پر تمہارا انتظار کروں گا۔"

"اب نو بجے کہاں چل دیے؟" میرے فون سے فارغ ہوتے ہی غزالہ میرے سر پر سوار ہوگئی۔

"ملا سرکار کی سازش کا آخری حصہ ابھی باقی ہے۔جب تک کمانڈر کو ختم نہیں کیا جاتا' یہ معاملہ رہ رہ کر سر ابھارتا رہے گا۔میں اسی سلسلے میں اول خان کے ساتھ جارہا ہوں۔"

"یہ بھی بہت خونریز معرکہ ہوگا۔" اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔اس کی آنکھوں میں امید وبیم کے غیر یقینی سائے منڈلا رہے تھے "ان ہولناک خونریزیوں سے تمہیں کب تک نجات مل سکے گی؟"

"دشمنوں سے مقابلہ ہوتا ہے تو فریقین ایک دوسرے پر گل پاشی نہیں کرتے۔" میں نے کہا "ویسے تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ یہ پہلا معرکہ ہوگا جس میں ہم عملی حصہ نہیں لیں گے۔ میری اور اول خان کی حیثیت مبصرین کی ہوگی کیونکہ کمانڈر کے خلاف آرمی آپریشن کا منصوبہ بنایا جاچکا ہے۔"

غزالہ کو کمانڈر کے بارے میں' مَیں پہلے بھی بتا چکا تھا لیکن اس وقت اُس نے میری باتوں پر شاید دھیان نہیں دیا تھا۔اس لئے میں نے اسے غلام رسول کی آخری انکشافات سے اول خان کی تازہ ترین فون کال تک' ساری تفصیلات سنانی شروع کردیں جو اس کے لئے طلسمِ ہوش ربا سے کم نہیں تھیں۔

ہمارے پاس کافی سے زیادہ وقت تھا اس لئے ہم دل کھول کر بحث وتمحیص کرتے رہے۔ چھ بجے کے قریب سلطان شاہ ہوٹل سے اپنا تھیلا اٹھا کر اور گاڑی کا شیشہ ڈلوا کر آیا تو میں نے وقت ضائع کئے بغیر غزالہ کو اس کے ساتھ شرف آباد والے فلیٹ کی طرف روانہ کردیا اور خود وقت گزاری کے لئے ڈرائنگ روم میں بلیک لیبل کی بوتل لے بیٹھا۔

ٹی وی پروگرام دیکھتے ہوئے میں نے دوسرا ہلکا پیگ ہی ختم کیا تھا کہ جہانگیر آپہنچا۔

"کیا بات ہے؟ آج کسی اداس الّو کی طرح اکیلے ہی بیٹھے ہوئے ہو۔سب لوگ کہاں غائب ہیں؟"

اس کے طنز پر میں زیرِ لب مسکرا کر رہ گیا "ویرا کو ایک کاؤنسلیٹ والوں نے یرغمال بنالیا' غزالہ فلیٹ چلی گئی۔" میں نے دانستہ صرف خواتین کے بارے میں بتانے پر اکتفا کیا جب کہ ویرا ویسے بھی گرینڈ ہوٹل میں مقیم تھی۔

"غزالہ کیوں چلی گئی؟ یہاں اسے کیا تکلیف تھی؟" اس نے میرے قریب ہی بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں' وہ بہت حساس لڑکی تھی۔اسے اندازہ ہوا کہ اس کی وجہ سے تمہاری آزادیوں میں فرق آرہا ہے۔" میں نے داہنی آنکھ دبا کر ہلکے پھلکے لہجے میں کہا "موقع میسر آتے ہی میں نے اسے یہاں سے ٹال دیا۔ سلمیٰ تم سے لڑ کر اپنے میکے گئی ہوئی ہے اور غزالہ کی وجہ سے تم کسی کو گھر نہیں بلا سکتے تھے۔"

میری کہی ہوئی بات عزت افزا نہیں تھی لیکن وہ جس پیرائے میں کہی گئی تھی' اسے جہانگیر نے بہ آسانی ہضم کرلیا اور چونکتے ہوئے پوچھا "مسز جیوانی کی لاش کا کیا بنا؟ اس کا بوجھ میرے سر پر سوار ہو کر رہ گیا ہے۔"

"اسے پوسٹ مارٹم کے بعد دفن کردیا گیا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "تم بلاوجہ اس کا خیالی تابوت اپنی کھوپڑی پر لادے پھر رہے ہو۔ شریف آدمی پرائی عورتوں کے بارے میں اتنا نہیں سوچتے۔"

وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں مجھے گھورنے لگا "یہ تو مجھے بھی معلوم ہے کہ اسے دفن ہی ہونا تھا۔ہمارے یہاں ابھی مُردوں کی ممی بنانے کا رواج شروع نہیں ہوا ہے۔ میں یہ پوچھ رہا تھا کہ پولیس کیا کررہی ہے؟"

"صحیح اطلاع تو تم کو ڈیفنس تھانے سے ہی مل سکے گی جس کی حدود میں لاش دریافت ہوئی تھی۔ ویسے قیاس کہتا ہے کہ پولیس جھک ماررہی ہے۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ تم اب تک آزاد پھر رہے ہو...... ارے بھائی' اب مسز جیوانی کو بھول جاؤ۔ تم نے اس کی زندگی میں ہی اتنی خدمت کرلی تھی کہ اب تمہیں اس کے غم گساروں میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں رہی۔اس کے لئے اس کے شوہر ہی کو رونے دو۔"

جہانگیر نے اپنے لئے بھی گلاس تیار کرلیا تھا۔دو گھونٹ لینے کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا "لاہور چلتے ہو؟"

"کیا مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے؟" میں نے غرّا کر کہا "میرے پاس اپنے ہی کئی کام پڑے ہیں۔"

"سلمیٰ کو لینے جانا ہے۔ ایک لڑکے کی ماں بن جانے کے بعد اس کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا ہوا ہے۔ میرے مقابلے میں وہ تمہاری بات زیادہ توجہ سے سنتی ہے۔ تم چلو تو مجھے سہارا رہے گا۔"

"میں آج رات گھر سے باہر گزاروں گا۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "گھر میں اکیلے رہنے سے بہتر ہے کہ تم بھی آج رات کی فلائٹ سے ٹکٹ کٹوالو۔ میاں بیوی کے جھگڑے آپس ہی میں طے ہوتے رہیں تو بہتر ہوتا ہے۔"

"تمہاری بات تو سولہ آنے درست ہے لیکن وہ اس بار مسز جیوانی کو دیکھ کر بری طرح بدک گئی تھی۔" بات کرتے کرتے اس نے اچانک خوف زدہ لہجے میں پوچھا "مسز جیوانی کی تصویر لاہور کے اخباروں میں بھی چھپی ہوگی؟"

"لاہور والے اپنے مُردوں کی تصویریں چھاپتے ہیں۔ جرائم کی شرح میں اضافہ ہونے سے یہی ایک فائدہ ہوا ہے کہ ہر شہر سے نکلنے والے اخبارات کو مقامی طور پر اتنا مواد مل جاتا ہے جو ہر اخبار کا پیٹ بھر دیتا ہے۔ کیا تمہیں خوف ہے کہ سلمیٰ اس کی تصویر پہچان لے گی؟"

وہ بے بسی سے اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا "وہ اس کا قتل فوراً ہی میرے سر منڈھ دے گی۔"

"لیکن وہ تو صریحاً خودکشی تھی۔ بات بگڑنے لگے تو تم میری اور غزالہ کی گواہی دلوا سکتے ہو۔"

اس نے اپنے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لیا اور کسی سارس کی طرح گردن آگے لٹکا کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

*********

اول خان کی سفید کرولا ٹھیک نو بجے میرے قریب آرکی اور میں کچھ کہے بغیر پسنجر سیٹ پر سوار ہوگیا۔

"تو کیا کار میں ہی سفر کرنے کا ارادہ ہے؟" گاڑی حرکت میں آنے کے بعد میں نے سوال کیا کیونکہ اول خان خود ہی کار چلا رہا تھا۔

"مجھے سوا نو بجے شارع فیصل کے ائیر بیس پر پہنچنا ہے۔اس سے آگے کے پروگرام سے میں خود لاعلم ہوں۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہاں سے ہمیں ہیلی کاپٹر فراہم کیا جائے۔" میں نے قیاس آرائی کی۔

"ایسا ہوا تو میری کار ائیر بیس پر ہی رہے گی۔ واپسی میں لے لیں گے۔"

روشن' سنسان اور صاف ستھری سڑک سے گزر کر ہماری کار پھاٹک پر پہنچی تو راستہ دینے کے بجائے ائیر فورس کا باوردی گارڈ اول خان کی طرف والی کھڑکی پر آگیا۔

"ڈیزرٹ ٹریپ تھری اینڈ فور!" اول خان نے اس سے کہا اور وہ کسی بھی ردِعمل کا مظاہرہ کئے بغیر مشینی انداز میں اندر بنے ہوئے گارڈ روم کی طرف چلا گیا۔

"یہ یاد رکھنا کہ میرا کوڈ ڈیزرٹ ٹریپ تھری اور تمہارا فور ہے۔" تنہائی میسر آتے ہی اول خان نے مجھے مطلع کیا "یہ میری آرگنائزیشن نہیں ہے اس لئے یہاں تم کو قدم قدم پر محتاط رہنا ہوگا۔"

چند ثانیوں بعد گارڈ کے ساتھ ایک اُدھیڑ عمر نان کمیشنڈ افسر ہمیں اپنی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ میں ائیر فورس کے عہدوں سے زیادہ واقف نہیں تھا اس لئے اس این سی او کے شانے پر لگے ہوئے نشانات سے اس کے عہدے کا تعین کرنے میں ناکام رہا۔

اس نے آتے ہی اول خان سے نامانوس سی زبان میں دو الفاظ کہے۔ اول خان نے ناقابلِ فہم زبان میں اس کا مختصر سا جواب دیا۔ تین لایعنی مکالموں کے بعد این سی او نے دوسرے گارڈ کو للکار کر اشارہ کیا اور ہمارے لئے راستہ کھول دیا گیا۔ لیکن ہماری کار کے حرکت میں آنے سے پہلے ہی گارڈ پچھلی نشست پر بیٹھ چکا تھا۔

اندر ائیر فیلڈ پر پُراسرار سا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کہیں کہیں اکّا دکّا بلب روشن تھے جن کے انعکاس میں جا بجا متعدد فوجی طیارے کھڑے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ہمارا سفر گارڈ کی ہدایت کے مطابق جاری تھا۔ راستے میں مزید دو جگہ رکنے کی نوبت آئی لیکن وہاں گارڈ نے ہماری ترجمانی کے فرائض سنبھال لئے۔ میں نے محسوس کیا کہ ہم کنٹرول روم اور ائیر بیس کی اصل عمارات کو پیچھے چھوڑ آئے تھے اور ہمارا سفر تاریک رن ویز کے کسی دور افتادہ حصے کی سمت میں تھا۔

آخر کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں ہمیں تاریکی میں کھڑی ہوئی ایک اکلوتی عمارت کا ہیولا نظر آنے لگا جو کنکریٹ کے رن وے سے تقریباً پچاس فٹ دور بنا ہوا تھا۔ وہ کوئی باقاعدہ عمارت نہیں بلکہ ایک ہال تھا جس کی بلندی بارہ فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ عمارت میں گھور تاریکی کا راج تھا۔ لیکن باہر موجود کئی فوجی گاڑیوں سے پتا چل رہا تھا کہ وہ عمارت درحقیقت اتنی ویران اور غیر آباد نہیں تھی جتنی نظر آرہی تھی۔

"بس یہیں گاڑی پارک کرکے لاک کردیں۔" گارڈ نے فوجی گاڑیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اول خان اس وقت حکم کا بندہ بنا ہوا تھا۔ اس نے فوراً ہی ہدایت کی تعمیل کی۔ میں نے کار سے اترتے ہوئے دیکھا کہ رن وے کے سرے پر تاریکی میں دو ہیلی کاپٹر موجود تھے جن کے قریب چند انسانی ہیولے تاریکی کا جزو بنے' نقل وحرکت کرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ائیر بیس کے اس حصے میں تاریکی یا نیم تاریکی ہر شے کا جزوِ اعظم تھی۔

"آپ اندر چلے جائیں۔" ہمیں لانے والے گارڈ نے تاریک ہال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس اثنا میں میری عقابی نظریں کنکریٹ یا اینٹوں کی دیوار میں دروازے کا مستطیل تلاش کرچکی تھیں۔

"ہم تمہاری چیک پوسٹ سے بہت اندر ہیں' تم واپس کیسے جاؤ گے؟" اول خان نے جز بز ہو کر سوال کیا۔

"آپ جائیں سر! میں مارچ کروں گا۔" گارڈ کے لہجے میں تابعداری اور تحکم کا عجیب سا امتزاج تھا۔ ہم دونوں دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ وہاں دیوار کے ساتھ ہی ایک اور مسلح گارڈ موجود تھا۔

"کوڈ سر!" اس نے مستعدی کے ساتھ ہمارے اور دروازے کے درمیان حائل ہو کر سوال کیا۔ اس کی مستعدی' پھرتی اور جسمانی ساخت کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اگر ہم جواب دینے میں ذرا بھی تاخیر کرتے تو وہ بلا توقف ہمیں وہیں ڈھیر کردیتا۔

"ڈیزرٹ ٹریپ تھری۔" اول خان نے کہا۔ میں نے ابتدائی الفاظ چھوڑ کر صرف فور کہنے پر اکتفا کیا۔

اس نے فوراً ہی سنگلاخ دیوار میں نصب دروازے کا پٹ کھول دیا اور باہر پھیلی ہوئی تیرگی میں' اندر سے آنے والی روشنی دور تک سرایت کرگئی۔ ہم دونوں یکے بعد دیگرے' اندر داخل ہوئے تو وہ ایک نیم روشن اور تنگ سا کمرا تھا جہاں ڈیسک کے پیچھے ایک نوجوان افسر بیٹھا ہوا تھا۔

اس اڈہ میں کے ہینگرز، مرکزی عمارت اور کنٹرول روم سے کافی دور واقع، وہ ہال بادی النظر میں ایک اکائی کی صورت میں نظر آتا تھا لیکن اس کے اندر پہنچ کر اندازہ ہوا کہ اسے خاصے پیچیدہ انداز میں مختلف حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا اور اس کا ہر حصہ الگ کاموں کے لئے مخصوص تھا۔

نوجوان افسر کے مہذبانہ مطالبے پر ہمیں ایک بار پھر اپنے کوڈ دہرانے پڑے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم اپنا کوڈ یاد کرنے کے لئے وہاں پہنچے ہوں اور جب آخری افسر کو یقین ہو جائے گا کہ ہمیں اپنے کوڈ یاد ہو چکے ہیں تو اس کے ایما پر، دروازے سے نکلتے ہی ہم خود کو، شارع فیصل کے متوازی دوڑتی ہوئی، ریلوے لائن کے قریب، نشیبی سڑک پر کھڑا ہوا پائیں گے جہاں ہمارے اور گارڈ روم کے عملے کے سوا کوئی نہیں ہوگا۔

ہمارے کوڈ سن کر اس نوجوان نے اپنے سامنے رکھی ہوئی فہرست پر قلم سے کچھ نشانات لگائے اور مسکراتے ہوئے بولا "آپ لوگوں کے آنے کے بعد، مہمانوں کی تعداد پوری ہو چکی ہے۔ میرے پیچھے آیئے!"

اس کی تقلید میں، خاصے پُرپیچ راستے سے گزرنے کے بعد ہم اسی ہال میں بنے ہوئے ایک مستطیل کمرے میں داخل ہوئے جس کی طوالت اس کے عرض سے کم از کم تین گنا زیادہ تھی۔

"اگلی رہنمائی تک آپ یہیں تشریف رکھیں۔" نوجوان افسر نے اس مستطیل کمرے کا دروازہ کھول کر خوش اخلاقی سے کہا اور ہمارے اندر داخل ہوتے وہاں سے واپس لوٹ گیا۔

اس کمرے میں کرسیوں کی تعداد تیس سے زیادہ تھی لیکن اس وقت وہاں صرف چار افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے اوپری اور بے اعتماد انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ چاروں بھی ہماری طرح، پہلی بار ایسے کسی مقام پر لائے گئے تھے جہاں کے انداز ہماری روز مرہ عادات اور مزاج سے بہت مختلف تھے۔

کرسیوں کے رخ پر، واحد داخلی دروازے کے قریب ایک بڑا سا اسٹینڈ رکھا ہوا تھا جس پر نقشوں کا ایک خاصا ضخیم پلندہ لٹکا ہوا تھا لیکن اس کا اوپری ورق بالکل سادہ تھا۔ اس ترتیب سے میں نے فی الفور اندازہ لگایا کہ وہ مستطیل کمرا، دراصل بریفنگ روم تھا اور جلد ہی کوئی افسر ہماری بریفنگ کے لئے آنے والا تھا۔

شہری زندگی کی بے لگام آزادیوں اور بے راہ روی کے عادی افراد کے لئے اس کمرے کی فضا اتنی نامانوس تھی کہ ان چاروں نے ہی خلافِ توقع کرسیوں سے اٹھ کر، ہم دونوں کا استقبال کیا۔

ان میں سے ایک محکمۂ اطلاعات کا فوٹوگرافر، دوسرا اسی محکمے کا مبصر، تیسرا ایک آزاد نامہ نگار اور چوتھا ایک مقبول ترین روزنامے کا سینئر رپورٹر تھا۔ ہم دونوں اس بھرے مجمع میں رنگے ہاتھوں پھنسے تھے اس لئے میں نے اپنے تعارف کو ہکلاہٹ کی آڑ میں چھپا لیا۔ اس دوران میں اول خان ہم دونوں کو کیوبا کی ایک خبر رساں ایجنسی کا وقائع نگار ظاہر کر چکا تھا۔

"کیوبا کی خبر رساں ایجنسی؟" آزاد نامہ نگار نے حیرت سے سوال کیا "یہ میرے لئے ایک حیرت ناک خبر ہے۔ میری دانست میں تو کیوبا کی کوئی بین الاقوامی خبر رساں ایجنسی نہیں ہے۔"

"کسی ایک آدمی کی دانست سے کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔" میں نے سنبھالا لے کر کہا "اب یقین کر لیں کہ میری دانست میں آزاد نامہ نگار کی اصطلاح بالکل بودی اور بے معنی ہے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" اس نے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔ مشتعل ہوتے ہی وہ کیوبا کی خبر رساں ایجنسی کو بھول گیا تھا۔

"اگر آپ فی سبیل اللہ نامہ نگاری کرتے ہیں تو آزادی کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ تنخواہ یا معاوضہ لے کر نامہ نگاری کرنے والا تو اس شخص کا پابند ہوتا ہے جو اسے سکہ رائج الوقت میں ادائیگی کرتا ہے۔"

میرے فقروں پر سینئر رپورٹر کے لبوں پر زہریلا تبسم ابھر آیا جو میری اور اس کی ہم خیالی کا مظہر تھا۔

"آپ عجیب آدمی ہیں۔" آزاد نامہ نگار بھنا کر بولا "آتے ہی واہیات باتیں شروع کر دیں۔ آپ میرے پیشے کی توہین کر رہے ہیں۔ آپ کو علم ہونا چاہئے کہ میں ایک مقدس پیشے سے وابستہ ہوں۔"

اس کے ردِعمل میں تندی پیدا کرنے کے لئے میں ہنس پڑا۔ "مزدور زمین کھود کر، ڈاکٹر علاج کر کے، کلرک فائلیں سیاہ کر کے، رقاصہ اپنے کوٹھے پر ناچ کر اور نامہ نگار خبریں تخلیق کر کے اپنی روزی کماتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ملک میں نامہ نگار اپنے پیشے کے لئے تقدس کا طلب گار کیوں ہوتا ہے؟"

"بس!" وہ نامہ نگار غرایا "آپ صحافی کو رقاصہ سے ملا کر میری پوری برادری کی توہین کر رہے ہیں؟" اس نے تائید طلب نظروں سے سینئر رپورٹر کی طرف دیکھا جو دانستہ چھت کی کڑیاں گننے میں مصروف ہو گیا تھا۔

"بات صحافی کی نہیں، آپ کی ہو رہی تھی۔" میں نے اسے پھر چھیڑا "صحافت ایک پیشہ ہے تو پھر یہ بھی دوسرے پیشوں کی طرح ہے۔ آپ کو اس لئے مقدس قرار نہیں دیا جا سکتا کہ آپ کے ہاتھ میں قلم ہے اور مزدور کے ہاتھ میں پھاوڑا۔ صحافت اسی وقت تک مقدس تھی جب تک اسے روزی کمانے کا ذریعہ نہیں بنایا گیا تھا اور ایک مشن سمجھا جاتا تھا۔ آپ لوگوں کو خبریں نہ ملیں تو اپنی نوکری یا مزدوری رکھنے کے لئے آپ خبریں ایجاد کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، خواہ دوسرے دن اس کی تردید ہی شائع کرنی پڑ جائے۔ پتا نہیں، اس ملک کے لوگوں میں انا پسندی کا جذبہ اتنا شدید کیوں ہے؟"

"تو کیا آپ آسمان سے نازل ہوئے ہیں؟" اس نے دانت پیستے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں، ہم کیوبا سے آئے ہیں۔" میں نے اس کے طنز کو نظرانداز کرتے ہوئے، بے پروائی سے کہا۔

"پیدا بھی وہیں ہوئے تھے؟" اس نے جلے بھنے لہجے میں سوال کیا۔

"پیدائش کے اعتبار سے ہم پاکستانی ہیں، لیکن اٹھارہ برس سے کیوبا میں رہ رہے ہیں۔" اس بار اول خان نے اسے سلگایا تھا۔ "وہاں صحافی بھی معاشرے کا ایک عام فرد ہوتا ہے۔ جس طرح مزدور کام چور اور ڈاکٹر نااہل ہو سکتا ہے اسی طرح صحافی بھی بددیانت یا خود غرض ہو سکتا ہے۔ وہاں ایسی باتوں پر کوئی تقدس کی ڈھال نہیں لیتا۔"

"یہ سب معاشرے کے ذہنی ارتقا کے مسائل ہیں۔" وہ جیب سے ایک موٹا سا سگار نکال کر، اپنے بائیں انگوٹھے کے ناخن پر ٹھوکتے ہوئے زہریلے لہجے میں بولا "پسماندہ معاشروں میں خودداری عنقا ہوتی ہے، لوگ عزت نفس سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ اسی لئے وہاں ایک ہی آدمی، برسہا برس اپنے عوام پر مسلط رہتا ہے۔" پھر وہ اچانک ہی محکمۂ اطلاعات کے نمائندوں سے مخاطب ہو گیا "آپ لوگ یہ ہتک آمیز گفتگو خاموشی سے سن رہے ہیں؟"

"اس عہدے پر تقرری ہونے سے پہلے، میں اسکول ٹیچر تھا۔" مبصر نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "آج کل ایکسائز کے محکمے میں تبادلے کے لئے زور لگا رہا ہوں کیونکہ یہاں آمدنی بہت کم ہے۔ میں اس جھگڑے میں کیا کہہ سکتا ہوں؟"

"تم ہوا کا سگار سلگا کر، ان بے چاروں سے الجھ رہے ہو اس لئے میرا خیال ہے کہ یہ درست کہہ رہے ہیں" سینئر رپورٹر نے اپنے مشاہدات سے فارغ ہو کر اچانک ہی بولنا شروع کر دیا۔ "سرخ، سبز اور زرد صحافت کی اصطلاحات، خود ہماری ہیں۔ جب ہم ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ سکتے ہیں تو دوسروں کو تنقید سے کیسے روک سکتے ہیں؟ ہمارے حالات کار بہتر اور تنخواہیں معقول ہوں تو خود ہمیں بھی دوسروں کی پروا نہیں رہے گی۔ کسی بھی قسم کی محرومی، انسان کو بہت زیادہ حساس اور جذباتی بنا دیتی ہے۔ ویسے آج کل تمہاری خبریں اور کہانیاں کم ہی چھپ رہی ہیں......"

اس نے بالکل صحیح خطوط پر بولنا شروع کیا تھا۔ لیکن اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اسی لمحے، مستطیل کمرے کا دروازہ کھلا اور دو باوردی فوجی افسران اندر آ گئے۔ ان میں سے ایک کرنل اور دوسرا کپتان تھا۔ ایک فضائی اڈے پر، بری فوج کے ان دو افسران کی موجودگی معنی خیز تھی۔

کرنل نے اندر آتے ہی، ہم سب کو خوش دلی سے خوش آمدید کہا اور افسر مہمانداری کے طور اپنا تعارف کراتے ہوئے، سب سے فرداً فرداً ملاقات کی۔ کرنل ریاض کا ماتحت، کیپٹن الیاس بھی اس رسم میں پیش پیش تھا۔

"کیپٹن الیاس، بائیس بریگیڈ کے ساتھ اسکردو میں تھے۔" کرنل ریاض نے اپنے ماتحت کا تعارف کراتے ہوئے کہا "یہ ہارڈ ایریاز سے، شاید آپ لوگوں کی مہمان داری کے لئے پچھلے ہفتے ہی یہاں آئے ہیں۔ یہاں سے ہم لاما نامی ہیلی کاپٹر میں، دو ٹولیوں میں آپریشن بیس کی طرف روانہ ہوں گے۔ مشن کے بارے میں بریفنگ راستے میں ہی ہو جائے گی۔ مولی مولی باتیں، میں چارٹس اور نقشوں کی مدد سے سمجھائے دیتا ہوں۔"

"آپریشن فیلڈ یہاں سے بہت دور ہے۔" آزاد نامہ نگار نے کہا "میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ اس بیس پر باہر اتنا اندھیرا کیوں ہے؟"

"ہر آپریشن سے پہلے عملے کی ذہنی اور نفسیاتی تیاری بہت ضروری ہوتی ہے۔" کرنل نے پوری توجہ کے ساتھ کہا "یہاں کم و بیش وہی ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو صبح سویرے آپریشن بیس پر ہوگا۔"

"وہاں ہم لوگوں کے گولہ باری یا فائرنگ کی زد میں آنے کے کیا امکانات ہیں؟" محکمۂ اطلاعات کے مبصر کی آواز پُر تشویش تھی۔ شاید وہ اپنے تبادلے سے پہلے، مرنے کے امکان سے خوف زدہ تھا۔

کرنل نے کیپٹن الیاس کی طرف دیکھا اور وہ گلا صاف کر کے بولنے لگا "ایکشن پلان کے مطابق، حملے کے وقت دشمن ہماری سرزمین پر کم از کم دو میل اندر آ چکا ہوگا۔ حملے کے وقت وہ تین طرف سے ہمارے یونٹوں کے نرغے میں ہوگا اور اس کے لئے، ہمارے علاقے میں مزید اندر گھسنے کے سوا کوئی اور راہ باقی نہیں رہے گی۔ دشمن کی گراؤنڈ فارمیشن حرکت کر رہی ہوگی، اس لئے اس کا بھاری اسلحہ ڈیڈ ہوگا۔ جس وقت ہم ان پر فضائی حملہ کریں گے تو ہمارے آبزرور، درمیانی ہتھیاروں کی رینج سے باہر، کافی بلندی پر پرواز کر رہے ہوں گے۔ آپ لوگ اس محفوظ بلندی سے، دوربینوں کی مدد سے پوری لڑائی دیکھیں گے۔ ہماری کوشش تھی کہ ابتدا سے ہی، پوری کارروائی آپ لوگوں کو دکھائی جاتی لیکن حملہ ہونے سے پہلے، فضا میں لاما ہیلی کاپٹرز کی موجودگی دشمن کو ہوشیار کرنے کا سبب بن سکتی ہے اس لئے ہم حملہ شروع ہونے کے بعد آپریشن فیلڈ پر پرواز کر سکیں گے۔"

"اس طرح تو ہم پوری کارروائی کی کوریج نہیں کر سکیں گے۔" آزاد نامہ نگار نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"ابتدائی حصہ اپنی طرف سے پورا کر لیتا۔" میں نے اس کے کان کے نیچے سرگوشی کی اور وہ کسی سانڈ کی طرح بھڑک کر، مجھے پچھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔

"مجھے افسوس ہے کہ یہ ایک فنی مجبوری ہے۔" کرنل نے اپنی بغل سے چھڑی نکال کر نقشوں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

"تو کیا ہم یہاں سے براہ راست محاذ پر جائیں گے؟" محکمۂ اطلاعات کے فوٹوگرافر نے پوچھا۔

"نہیں، یہاں سے ہم آپریشن بیس جائیں گے۔ وہاں ہمیں سگنل کا انتظار کرنا ہوگا۔" کرنل نے کہا۔

"آپریشن بیس کہاں واقع ہے؟" آزاد نامہ نگار نے نوٹ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"سوری! یہ نہیں بتایا جا سکتا۔" کرنل نے معذرت کرتے ہوئے کہا "ویسے یہ صحرا میں بنائی ہوئی، ایک ایمرجنسی ائر اسٹرپ ہے جہاں ہم ٹریلروں پر لدے ہوئے چالیس فٹے کنٹینروں سے دفاتر

کا کام لیں گے۔ ان ہی میں آپریشن ڈیزرٹ ٹرپ کا کمانڈ اینڈ کنٹرول ہیڈ کوارٹر ہوگا۔"

"تو کیا اس جنگ میں ہماری فضائیہ بھی شامل ہوگی؟" آزاد نامہ نگار کا سوال تھا۔

"دشمن کی تباہی کے لئے فضائیہ کے دو طیاروں سے مدد لینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔" کرنل نے کہا۔

"ہماری اپنی سرزمین پر، محاصرے میں آئے ہوئے، دشمن کے پانچ سو نفوس کے لئے کیا فضائیہ کی مدد ناگزیر تھی؟" آزاد نامہ نگار نے وہ احمقانہ سوال کرکے کرنل کا موڈ آف کر دیا۔

"یہ جنگی فیصلے ہیں جن کو سمجھنا عام آدمی کے بس سے باہر ہے۔" کرنل نے اپنی برہمی پر قابو پاتے ہوئے نرمی سے کہا۔ "آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ہم دشمن کو زمینی کارروائی سے بھی نیست و نابود کرسکتے ہیں لیکن اس طرح، یہ قصہ طول پکڑ سکتا ہے۔ دشمن کو اپنے مارٹر، طیارہ شکن توپیں، مشین گنیں اور راکٹ لانچر زماؤنٹ کرنے کی مہلت مل گئی تو یہ مقابلہ کئی دن تک بھی چل سکتا ہے۔ ہم اپنے جوانوں کو بلاوجہ نہیں کٹوا سکتے۔ کارروائی کے طول پکڑنے کی صورت میں پڑوسی ملک کی طرف سے سیاسی اور سفارتی دباؤ ڈالا جاسکتا ہے جب کہ ہم سورج طلوع ہونے سے پہلے، اس کنوائے کے ہر فرد کو جہنم واصل کر دینا چاہتے ہیں تاکہ اس عبرت آموز تباہی کے بعد دشمن ایسی مہمات کا خیال ترک کر دے۔ ان نتائج کے حصول کے لئے فضائیہ کی مدد ناگزیر تھی۔ ہلکے بمبار طیاروں کی دو تین پروازیں دشمن کو تہس نہس کردیں گی۔ بمباری سے بچ جانے والوں کو، ہمارے زمینی دستے صاف کر دیں گے۔ اجالا پھیلنے تک وہاں لاشوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا۔"

"تو کیا یہ ساری کارروائی رات کے اندھیرے میں ہوگی؟" آزاد نامہ نگار جزئیات کے بارے میں بہت فکر مند تھا۔

"کوشش ہے کہ حملہ صبح کاذب کے وقت کیا جائے۔" قدرے سکوت کے بعد کیپٹن الیاس نے کہا کیونکہ کرنل، آزاد نامہ نگار کے بے تکے سوالات پر بھنا کر، ٹہلتا ہوا دیوار کی طرف چلا گیا تھا۔ "لیکن صحیح وقت کا انتخاب کرنا کمانڈ اینڈ کنٹرول ہیڈ کوارٹر کی صوابدید پر منحصر ہوگا۔" کیپٹن الیاس کہہ رہا تھا۔ "اس مشن میں ہماری فضائیہ کے دو ہلکے بمبار طیارے ضرور استعمال کئے جائیں گے لیکن وہ بھی کمانڈ اینڈ کنٹرول ہیڈ کوارٹر کی کمان میں ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ اب سوالات کا سلسلہ ختم ہونا چاہئے تاکہ کرنل، اصلی جنگی حکمت عملی پر آپ لوگوں کو بریف کرسکیں۔ ساڑھے دس بجے ہمیں یہاں سے روانہ ہونا ہے۔"

"بس ایک سوال اور؟" آزاد نامہ نگار اضطراری انداز میں کرسی سے اچکتے ہوئے بولا۔

"فرمائیے!" کیپٹن الیاس نے زہریلے لہجے میں کہا "لیکن یہ واقعی آخری سوال ہوگا۔"

"لاما کس قسم کا ہیلی کاپٹر ہے؟ اس میں کتنے آدمیوں کی گنجائش ہوتی ہے؟ یہ کتنی بلندی تک پرواز کرسکتا ہے؟ اور دشمن کی طیارہ شکن توپوں کی رینج کیا ہے؟" اس نے پوچھا اور صورت حال کی سنگینی کے باوجود سب لوگ ہی بیک آواز قہقہے لگانے پر مجبور ہوگئے۔ وہ ڈھٹائی کے ساتھ ہم لوگوں کو ایسی ترحم آمیز نظروں سے دیکھنے لگا جیسے اسے ہم سب کی دماغی صحت پر شبہ ہو رہا ہو۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس نظر آرہی تھی۔

"یہ چار سوال ہیں۔" ہمارے قہقہوں میں کیپٹن الیاس کی گونجیلی آواز ابھری۔ "اس لئے میں، حسب وعدہ صرف ایک سوال کا جواب دے رہا ہوں کہ لاما ایک پسنجر کارگو ہیلی کاپٹر ہے۔" یہ کہتے ہی وہ ادب و احترام کے ساتھ کرنل کی طرف متوجہ ہوگیا "سر! آیئے، سوال و جواب کا سلسلہ ختم ہوگیا۔"

کرنل ریاض کے بشرے پر کبیدگی کے واضح آثار موجود تھے اس نے بے دلی اور قدرے غصے کے ساتھ نقشوں پر سے سادہ ورق پیچھے الٹا اور چھڑی کے سرے کی مدد سے ہمیں مختلف مقامات کے بارے میں سمجھانے لگا۔

"اب اپنی چونچ بند رکھنا ورنہ کرنل تمہیں اٹھا کر باہر پھنکوا دے گا۔" میں نے آزاد نامہ نگار کے کان میں کہا۔

کرنل کی بیشتر باتیں قابلِ فہم اور بعض ناقابلِ فہم تھیں کیونکہ تمام تر جنگی اصطلاحات کو سمجھنا، ہم جیسے غیر فوجیوں کے بس کا روگ نہیں تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ آزاد نامہ نگار نے بھی، کچھ نہ سمجھنے کے باوجود، کرنل سے مزید کوئی سوال کرنے کی جرات نہیں کی تھی اور پنسل کی نوک سے مسلسل اپنے کان کریدے جا رہا تھا۔ تعارفی لکچر میں اس کی لاتعلقی دیکھتے ہوئے مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ کہیں وہ آپریشن بیس پر پہنچتے ہی مزید آگے جانے سے انکار نہ کر دے۔ وہ خالص پیشہ ورانہ بریفنگ تھی جس میں اول خان ابتدا سے ہی گہری دلچسپی لے رہا تھا۔ معاملے کی اہمیت اور نزاکت کے پیشِ نظر میں بھی اپنے ذہن پر حتی المقدور زور دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ سینئر رپورٹر، پیشہ ورانہ انداز میں تیزی کے ساتھ نوٹ لے رہا تھا۔ فوٹوگرافر ہر چارٹ اور نقشے کی تصویریں بنا رہا تھا اور مبصر اس امید پر دانتوں سے اپنی انگلیوں کے بڑھے ہوئے ناخن کترنے میں مصروف تھا کہ انٹر سروسز پبلک ریلیشنز ڈپارٹمنٹ کی طرف سے جاری کئے جانے والے، سائیکلو اسٹائلڈ پریس ریلیز کی بنیاد پر وہ اپنا ماہرانہ تبصرہ تخلیق کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔

دشمن کی حربی استعداد، نفری اور فائر پاور کے سارے تجزیے کرنل کو ازبر تھے۔ اس کی تقریر سنتے ہوئے مجھے اندازہ ہوا کہ کسی ایک جنگی فیصلے کے پسِ پشت کیسے پیچیدہ عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ وہ بظاہر ایک فیصلہ ہوتا ہے لیکن اس میں بہت سے فیصلوں کا امتزاج ہوتا ہے۔ وار مؤثر حد تک کارگر نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ تدبیر ناکام ہو تو مدافعت کی کون کون سی امکانی راہیں ہوسکتی ہیں اور مخصوص حالات میں کس راہ کا اختیار کیا جانا زیادہ سود مند یا کم نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ یہ سب اس قدر اہم، گنجلک اور بڑے مسائل تھے کہ ذہین و فطین افسران ہی صحیح فیصلے کرسکتے تھے۔ میری نگاہ میں ہمیشہ سے فوجی جوان کی سب سے زیادہ قدر رہی تھی جو بڑھ کر، دشمن کی گولی اپنے سینے پر روک لیتا ہے یا اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ لیکن کرنل ریاض کی گفتگو سن کر مجھے احساس ہوا کہ ان جانباز سپاہیوں کو لڑانے والے بھی کم دلیر نہیں ہوتے۔ ایک افسر کا غلط فیصلہ سیکڑوں جوانوں کا خون کرا دیتا ہے تو دوسری طرف کسی افسر کا درست اور بروقت فیصلہ، مٹھی بھر جوانوں کو بھاری نفری پر فتح یاب کرا دیتا ہے۔ دونوں طرف لڑنے والے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑتے ہیں لیکن اس قتال و جدال سے وہی فریق فاتح بن کر ابھرتا ہے جس کے لڑانے والے بے مثال ہمت، شجاعت، ذہانت، حوصلے اور اعتماد کے مالک ہوں۔ ٹھیک سوا دس بجے کرنل نے آخری نقشے پر اپنی بریفنگ ختم کردی۔ ان لوگوں کے اندازے تھے کہ آپریشن ڈیزرٹ ٹرپ صبح کے ساڑھے تین بجے شروع ہوکر صرف ایک گھنٹے میں مکمل ہوسکتا تھا۔ جانی نقصان میں تناسب کا تخمینہ ایک اور پچاس کا تھا۔ گویا دشمن کے پانچ سو افراد کی تباہی میں کل دس جوانوں کی شہادت کا اندازہ تھا۔

بریفنگ ختم ہوتے ہی، باوردی بیرے چائے اور دیگر لوازمات لے آئے اور کرنل کچھ دیر پہلے کی تلخیوں کو بھول کر نامہ نگار سے گفتگو میں مصروف ہوگیا۔ سفر کے آغاز سے پہلے وہ ہر بدمزگی کو ختم کرنے کے لئے کوشاں تھا۔

اسی دوران میں بائیس بریگیڈ کے، اسکردو سے آئے ہوئے کیپٹن الیاس نے ہمیں آگاہ کیا کہ لاما ہیلی کاپٹر میں، ایک وقت میں صرف پانچ مسافر سفر کرسکتے تھے۔ ہم کل چھ نفوس تھے۔ کرنل اور کیپٹن کو ملا کر، کل نفری آٹھ ہو جاتی تھی اس لئے ہمیں چار چار کی دو ٹولیوں میں تقسیم ہوکر سفر کرنا تھا۔ ایک ٹیم کے ساتھ کرنل کو سفر کرنا تھا۔ دوسری ٹیم کیپٹن کے ساتھ سفر کرتی، اس اعتبار سے ہماری تین تین کی دو ٹکڑیاں بنی تھیں۔

ہم دونوں کے لئے تیسرے ساتھی کا انتخاب زیادہ دشوار نہیں تھا کیونکہ فوٹوگرافر کا کام اور شعبہ بہت محدود تھا۔ مبصر کو اس مہم میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی مجبوری کے تحت، صرف ٹی اے، ڈی اے بنانے کے چکر میں وہاں آپھنسا تھا۔ نامہ نگار کے ذہنی فتور کے مظاہرے میں خود دیکھ چکا تھا اس لئے، میری دانست میں ان تینوں کی ایک نکمی ٹولی بن سکتی تھی جسے کرنل کے بھاری بھرکم وجود سے سہارا مل سکتا تھا۔ اس طرح میرے اور اول خان کے لئے سینئر رپورٹر ہی رہ جاتا تھا۔ ہمارے لئے کیپٹن الیاس ایک اچھا ساتھی ثابت ہوسکتا تھا۔

چائے ختم ہونے سے پہلے ہی میں نے اس تقسیم کا اعلان کیا جسے بے چون و چرا تسلیم کرلیا گیا۔

ٹھیک ساڑھے دس بجے ہم لوگ دو قطاروں میں وہاں سے چل پڑے۔ ہال سے باہر نکلتے ہی ہمارے کانوں میں ہیلی کاپٹروں کے انجنوں کے تیز شور کی آواز آئی تھی۔ نامہ نگار نے اندھیرے میں کچھ طرف دیکھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس کی الوداعی نظروں میں حسرت سی حسرت رہی ہوگی۔ میں اس سے کچھ کہے بغیر کپتان اور اول خان کے پیچھے چلتا رہا۔

سبز اور خاکی رنگ کے لہریوں میں رنگے ہوئے، دونوں آرمی ہیلی کاپٹروں کے انجن بیدار تھے۔ اندھیرے میں ان مشینی پرندوں کو دیکھ کر دل پر ہیبت سی طاری ہوئی جارہی تھی۔ کرنل اپنی ٹولی کو لے کر داہنی طرف ہولیا اور ہم لوگ کیپٹن الیاس کی تقلید میں بائیں طرف والے، پُرہول لاما کی طرف بڑھ گئے۔

سر پر منڈلاتے ہوئے پنکھوں سے پیدا ہونے والے، ہوا کے تیز دباؤ میں لہراتے اور سنبھلتے ہوئے ہم چاروں یکے بعد دیگرے اس خوفناک پرندے کے پیٹ میں داخل ہو کر، دونوں طرف لگی ہوئی نشستوں پر براجمان ہوگئے جس میں ہوا باز پہلے سے اپنی نشست پر مستعد اور تیار بیٹھا ہوا تھا۔

ہم لوگوں کو حقیقی جنگی ماحول سے مانوس کرنے کے لئے ائرفیلڈ کے ساتھ ہی کیبن میں بھی اندھیرا رکھا گیا تھا البتہ کنٹرول پینل کی روشنیوں کے انعکاس میں ہم لوگ ایک دوسرے کو بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ اچانک ائربیس کے کنٹرول ٹاور پر روشن، سرخ بتی کی جگہ سبز روشنی نمودار ہوئی۔ ہمارے پائلٹ کے ریڈیائی اپریٹس پر خفیہ الفاظ میں کوئی پیغام سنائی دیا اور اسی لمحے کرنل ریاض والے لاما کے انجن کا شور تیز ہوا اور وہ ہیلی کاپٹر تیزی سے فضا میں بلند ہو کر شمال مشرق کی طرف اڑتا چلا گیا۔ ساتھ ہی ہمارے پائلٹ نے بھی انجن کو تھراٹل دیا اور ایک ہچکولے کے ساتھ ہمارا لاما بھی نہایت تیزی کے ساتھ فضا میں اٹھتا چلا گیا۔

وہ کوئی آرام دہ، مسافر بردار طیارہ نہیں تھا اس لئے کیبن میں انجن اور تیزی سے گردش کرتی ہوئی پنکھڑیوں کا خاصا شور گونج رہا تھا۔ کرنل ریاض کا لاما سبک رفتاری سے آگے پرواز کر رہا تھا اور ہمارا ہیلی کاپٹر اس کی تقلید کر رہا تھا۔

کچھ دیر تک ہمیں نیچے کراچی کی تیز روشنیاں ڈولتی ہوئی نظر آئیں، اس کے بعد اچانک ہی تاریک علاقہ شروع ہوگیا۔ دائیں اور بائیں طرف، البتہ رنگ و نور کا سیلاب نظر آرہا تھا۔ متعدد روشن اور تاریک دھبوں پر سفر کرنے کے بعد ہمارے ہر طرف اندھیرے کی اتھاہ چادر پھیلتی چلی گئی۔

کیپٹن الیاس نے اشاروں سے ہمیں وہ ہیڈ فون پہننے کی ہدایت کی جو ہماری نشستوں کے ساتھ ہی موجود تھے۔ ہیڈ فون لگانے کا یہ فائدہ ہوا کہ ہمیں لاما کے انجن کے شور سے نجات مل گئی اور ہم بہ آسانی ایک دوسرے کی آوازیں سننے کے قابل ہوگئے۔

اپنے سینے پر بڑھتے ہوئے دباؤ کی وجہ سے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ لاما آگے بڑھنے کے ساتھ ہی بتدریج اوپر بھی اٹھتا جا رہا تھا۔ اس کی، زمین سے بڑھتی ہوئی بلندی کا دوسرا ثبوت کیبن کا گرتا ہوا درجۂ حرارت تھا۔

"لاما اسی رفتار سے اوپر جاتا رہا تو ہم ٹھٹھر کر مرجائیں گے۔" میں نے کسی کا نام لئے بغیر کہا لیکن میرا مخاطب کیپٹن الیاس ہی تھا جو ایسے سوالات پر ہماری کچھ اشک شوئی کرنے کی پوزیشن میں تھا۔

"فکر نہ کرو، ہم سب زندہ رہیں گے۔" کیپٹن الیاس نے شوخ

اور زندگی سے بھرپور آواز ابھری۔ "بہت زیادہ بلندی پر لاما کا انجن بھی جواب دے جاتا ہے۔ انسانی بدن کے ساتھ ہی انجن کو بھی آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے۔ پائلٹ کو تم سے زیادہ آلٹی میٹر کی فکر ہوگی۔ آلٹی میٹر پر سرخ نشان آنے سے پہلے ہی ہماری افقی پرواز شروع ہوجائے گی۔"

"لیکن کیبن کا موجودہ درجۂ حرارت بھی کمزور مثانے والوں کے لئے ناقابلِ برداشت ہوچکا ہے۔" مجھے اپنے ہیڈ فون میں سینئر رپورٹر کی مضطرب آواز سنائی دی۔ شاید وہ اپنی کہانی سنا رہا تھا۔

"فوج میں ہر چیز کا فوجی معیار ہوتا ہے۔" کیپٹن الیاس کی آواز مزید شوخ و شنگ ہوگئی۔ "فوجی مثانوں کے لئے سردی صفر درجہ سنٹی گریڈ یا تیس فارن ہائٹ سے شروع ہوتی ہے۔"

"چائے پلانے کے بعد اتنی بلندی پر اڑا کر ہمارا امتحان لیا جارہا ہے۔" ایک احتجاج آمیز آواز ابھری اور میں نے پہچان لیا کہ وہ نامہ نگار ہی تھا جو شاید اپنے ہیڈ فون پر ہماری گفتگو سن رہا تھا۔

"اس وقت ہم ایک ہی ریڈیو فری کوئنسی پر ہیں۔" کیپٹن الیاس کہہ رہا تھا۔ "اس لئے ہم سب ایک دوسرے کی آوازیں سن سکتے ہیں۔ یہ امتحان والا سوال دوسرے لاما سے اٹھایا گیا ہے۔"

"اوپر سانس کھینچ کر دروازے سے باہر کُلّی کردو، مثانہ ہلکا ہوجائے گا۔" نامہ نگار کی شکایت پر میں چپ نہ رہ سکا۔

"بکواس مت کرو۔" اس کی غراہٹ سنائی دی "میں اپنے کرنل سے بات کررہا تھا۔"

"ہم مقررہ بلندی پر پہنچ چکے ہیں۔" اچانک دونوں میں سے کسی پائلٹ کی آواز سنائی دی۔ "اب لینڈنگ تک درجۂ حرارت کم بیش یہی رہے گا۔"

اس کے بعد سب لوگ اپنی اپنی سوچوں میں گم ہوگئے۔ دونوں ہیلی کاپٹرز، شور مچاتے ہوئے، تیز رفتاری کے ساتھ اس آپریشن بیس کی طرف پرواز کررہے تھے جہاں ایک خوں ریز معرکے کی تیاریاں آخری مراحل میں تھیں۔

وہ پائلٹوں کی دیدہ و دانستہ حکمتِ عملی تھی یا محض اتفاق کہ کراچی سے نکلنے کے بعد ہمیں کہیں بھی قابلِ ذکر روشنیاں نہیں دکھائی دی تھیں جس کا مطلب تھا کہ ہم مسلسل ویران علاقوں پر پرواز کررہے تھے۔ جب سر پر تیزی کے ساتھ گردش کرتے ہوئے پنکھوں کے یکساں اور مسلسل شور سے ہمارے کان تقریباً سن ہوگئے تو ہیڈ فون پر پائلٹوں اور زمینی کنٹرول کی گفتگو شروع ہوگئی۔

سب لوگ متجسّسانہ انداز میں، زمین پر پھیلی ہوئی گھور تاریکی میں، کسی ایسے منور مقام کو تلاش کرنے لگے جہاں ہیلی کاپٹرز کے لینڈ کرنے کا امکان ہوسکتا تھا۔

چند منٹ بعد ہی اس تاریکی میں اچانک ایک حصہ متعدد روشنیوں سے جگمگا اٹھا۔ شاید ہیلی کاپٹر کی لینڈنگ میں رہنمائی کرنے کے لئے اس ہنگامی ائر اسٹرپ پر روشنیاں جلائی گئی تھیں ورنہ وہاں بھی تربیتی حکمتِ عملی کے تحت، حقیقی جنگی محاذ جیسا مکمل



بلیک آؤٹ طاری تھا۔

ریتیلے صحرا کے سینے پر چمکنے والی مسطح لینڈنگ اسٹرپ کی چو[ڑائی] کا بلندی سے اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا لیکن وہ اتنی کافی تھی کہ [اس] کے ایک سرے پر کھڑے ہوئے دو چھوٹے جہاز، اس کے [...] میں کھلونوں کی طرح نظر آرہے تھے۔ ائر اسٹرپ سے قدرے [دور] کردو لمبے ٹرکوں پر لدے ہوئے کنٹینرز موجود تھے جن سے دفاتر [کا کام] لیا جارہا تھا۔ ان سے آگے ایک بڑا آئل ٹینکر بھی موجود تھا۔

زمینی کنٹرول کی طرف سے کلیئرنس ملتے ہی دونوں ہیلی کاپ[ٹرز] تیزی کے ساتھ زمین کے قریب اترنے لگے۔ پہلے کرنل والا ہیلی کاپٹر مسطح رن وے کے ایک گوشے میں جا ٹکا۔ چند منٹ کے وقفے کے بعد ہمارا لاما بھی ہچکولے لیتا ہوا، اسی کے قریب اتر گیا، انجن بند ہوا اور ہم سب تیزی کے ساتھ ہیلی کاپٹر سے باہر آگئے۔

متوقع میدانِ کارزار سے اس قدر قریب ہونے کے احساس نے میرے وجود میں جوش اور سنسنی کی عجیب سی کیفیت پیدا کر [دی] تھی۔ قلیل سی مدت میں کئے جانے والے، ان جنگی اقدامات کو دیکھنے کے بعد مجھے پورا یقین ہوگیا تھا کہ وہ رات "نا سرکارے ساتھی" کمانڈر اور اس کے سیکڑوں ہمراہیوں کے لئے قیامت کی رات ثابت ہونے والی تھی۔

ہم لوگ ہیلی کاپٹرز سے نیچے اترے ہی تھے کہ اچانک صحرا میں ہر طرف مہیب اندھیرا پھیل گیا۔ ہیلی کاپٹرز کے انجن بھی یکلخت بند کردیے گئے تھے۔ میرے وجود کی گہرائیوں میں عجیب [سی] سنسنی، سر ابھارنے لگی۔

وہ کمانڈر کے مسلح جتھوں کے خلاف کی جانے والی جنگی کارروائی کا آپریشن بیس تھا اور وہاں رُونما ہونے والا ہر فعل اور واقعہ کسی نہ کسی ضرورت کا محتاج تھا۔ محاذِ جنگ کے قریب روشنیاں ضرورت سے زیادہ دیر تک جلائے رکھنے کی عیاشی [نہیں کی] جاسکتی تھی اور نہ ہی انجنوں وغیرہ کا شور شرابا غیر ضروری طور پر جاری رکھا جاسکتا تھا۔

اندھیرا اور سکوت ہوتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یک بیک، کسی اندھے کنوئیں میں الٹا لٹکا دیا گیا ہو اور کسی بھی لمحے میری رسّی کاٹی جانے والی ہو۔

"ہالٹ!" ہمارے قریب ہی سے، اچانک ایک کرخت آواز ابھری اور سب ہی سہم کر رک گئے۔

یک بیک روشنیاں معدوم ہوجانے کی وجہ سے میری آنکھیں اندھیرے میں کچھ دیکھنے کے قابل نہیں رہی تھیں۔ لیکن ہالٹ کے تحکمانہ نعرے کے ساتھ ہی، کنکریٹ کی ائر اسٹرپ پر ہم سب کے قدموں کی آہٹیں یکلخت تھم گئی تھیں اور میں نے سمجھ لیا تھا کہ شہروں کے عیش و نشاط میں پلنے بڑھنے والے، سب ہی لوگ اس پُراسرار فوجی ماحول میں خود کو بہت زیادہ پابند بلکہ غیر محفوظ تصور کر رہے تھے۔ اس لئے ہر ہدایت پر صدقِ دل سے عمل کرنے کے کوشاں تھے۔

"ایک ایک کرکے کوڈ بتاؤ اور قطار میں کمانڈ اینڈ کنٹرول [...] [...]ز کی طرف جاؤ!"

[ہ]مارے قریب ہی موجود، کسی نادیدہ سیکیورٹی افسر نے، حلق [سے نکلے ہوئے] کرخت لہجے میں کہا۔

[...] فرصت کے لمحات میں کرنل محمد خان کی رنگین و سنگین کتابیں پڑھ کر میں اتنا جان چکا تھا کہ فوج کے کمیشنڈ افسران، بالعموم [مہذب]، شائستہ اور خوش کلام ہوتے ہیں، حلق کی مارے مخاطب کو [...]ار کرنے والے دلیر اور گھاگ فوجیوں کا کمیشن سے خال خال [ہی تع]لق ہوتا ہے۔

[...] وہاں وقت یک بیک دوڑنے لگا تھا، اس لئے مجھے ان باریکیوں [پر زی]ادہ مغز زنی کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ہیلی کاپٹروں سے ہم بے ترتیبی اور افراتفری کے عالم میں اترے تھے۔ لیکن ہمیں [...] لانے والے افسران اپنی ذمے داریوں سے کماحقہ، آگاہ تھے [اس] لئے کرنل صاحب پھرتی کے ساتھ، سب سے آگے ہوچکے [تھے اور] آزاد نامہ نگار تھکے ہوئے انداز میں سب سے پیچھے تھا۔

[...] اپنے کسی حوالدار یا نائیک کا حکم سنتے ہی کرنل ریاض نے [...]ف اپنا کوڈ دہرایا۔ اس کے کوڈ میں شاید اُس کا عہدہ بھی پنہاں [تھا] کیونکہ اچانک ہی زمین فوجی سیلوٹ سے لرز اٹھی۔ اپنا کوڈ [بتانے] پر، کیپٹن الیاس کو بھی اسی انداز میں تعظیم دی گئی۔ باقی [...]ں کا فوج یا اس کے کڑے نظم و نسق سے کوئی واسطہ نہیں تھا [اس] لئے ہم سب مشینی انداز میں اپنے اپنے کوڈ سناتے ہوئے اس [...]ت وجاہت انسانی ہیولے کے قریب سے گزرتے چلے گئے جو [اندھی]رے میں، کسی بت کی طرح ایستادہ تھا۔

[...]ہ، اُن لوگوں کا اپنا نظام تھا۔ اس وقت ہم جنگی محاذ کے قریب [ایک] اہم اڈے پر موجود تھے اس لئے وہاں کوئی بھی بات فرض [کرنے] کی گنجائش نہیں چھوڑی گئی تھی۔ اس اڈے کے محافظوں [کے] لئے اتنا کافی نہیں تھا کہ ہم سب فوجی ہیلی کاپٹرز میں وہاں لائے [گئ]ے تھے یا دو اہم فوجی افسر ہماری رہنمائی کررہے تھے۔ ہر قسم کے [...] دشمنوں سے بالاتر رہنے کے لئے، اس آخری مرحلے پر بھی، ہر [ایک] کی جانچ پڑتال ضروری سمجھی گئی تھی۔

[...] دوسری طرف یہ بھی سسٹم ہی کا کمال تھا کہ وہاں منصب اور [...]ل میں کوئی تصادم نہیں تھا۔ روکنے والے کے عہدے اور [منصب] کی کوئی فکر کئے بغیر، کرنل ریاض نے اس کی اتھارٹی کو تسلیم [کی]ا تھا اور وہی کیا، جس کے لئے کہا گیا تھا۔ ورنہ شہری نظام میں [...]بنا، کمل اپنی گاڑی روکنے کی جرات کرنے والے ڈی ایس پی کو تھپڑ مار دیا کرتے ہیں۔

"تمہاری یہ چیکنگ کب تک ہوتی رہے گی؟" آزاد نامہ نگار کی [جھنج]ھلائی آواز، خنک اور تاریک فضا کے دوش پر اُبھری۔ شاید وہ [...]ر فوجی افسران کے قریب پہنچ گیا تھا۔

"فکر نہ کریں، یہ آخری سیکیورٹی چیک تھا۔" کیپٹن الیاس کی [ح]لاوت سے بھرپور آواز ابھری۔

"کیا ان لوگوں کے لئے یہ بات کافی نہیں تھی کہ ہم لوگوں کو دو ذمّے دار افسران، فوجی ہیلی کاپٹرز پر لائے ہیں؟" آخری باز پُرس آزاد نامہ نگار کے لئے شاید ہتک آمیز ثابت ہوئی تھی۔

"یہ زمانۂ امن کی ایک محدود اور بہت ہی خفیہ، فوجی کارروائی ہے اس لئے ہم سب ضرورت سے زیادہ محتاط ہیں۔ ہمارا دشمن بہت چالاک اور مکّار ہے۔ راستے میں کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ اس کے برخلاف، کھلی جنگ کا سامنا ہو تو ہمیں اتنی فکر نہیں رہتی۔ ہمارا ہر شہری دشمن کو پہچانتا اور اس سے ہوشیار رہتا ہے۔ اس لئے جنگ کا ایک رِدھم بن جاتا ہے۔ ہماری پشت پر قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتی ہے اور ہم غیر فوجی شعبے، ان کے طریقے پر قوم کو سونپ دیتے ہیں۔ لیکن آج کی صورتِ حال بہت مختلف ہے۔ آپ لوگوں اور اس مشن کے شرکا کے علاوہ کسی کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا کہ اس آپریشن بیس سے کیسے بھیانک فتنے کا سدِّباب کیا جانے والا ہے۔ مجھے امید ہے کہ رازداری کے ضمن میں پیش آنے والی ان رکاوٹوں کو آپ خندہ پیشانی سے بھول جائیں گے۔"

"صحافی جو کچھ دیکھتا ہے، اسے بھول نہیں سکتا۔" آزاد نامہ نگار کو اچانک پیشہ ورانہ طرارہ آگیا۔ "میں اپنی کوریج میں ان تمام جزئیات کا ذکر کروں گا تاکہ قوم کو معلوم ہوسکے کہ ہم کو اپنا فرض پورا کرنے کے لئے کیسی کیسی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

"یار، چپ رہو!" کرنل یا کیپٹن کے چراغ پا ہونے سے پہلے سینئر رپورٹر بول پڑا "آف دی ریکارڈ گفتگو کے نام پر سیاستدان، حکمراں اور بیوروکریٹس ہمیں کیا کچھ نہیں سنا دیتے اور ہم اس زہر افشانی کے بارے میں ایک سطر بھی نہیں لکھ پاتے۔ ویسے بھی آج کا قاری بہت مصروف ہے۔ اسے صرف خبر سے دلچسپی ہوتی ہے۔ وہ یہ نہیں جاننا چاہتا کہ خبر کس نے اور کیسے حاصل کی ہے۔ تم ان ہی خرافات میں الجھ کر خود کو برباد کررہے ہو۔ تمہاری خبروں میں خود نمائی اور خود پرستی اتنی حاوی ہوتی ہے کہ چھوٹے موٹے اخبارات نے بھی تم سے خبریں خریدنی بند کردی ہیں۔ تمہیں اپنا انداز بدل لینا چاہئے۔"

"تم مجھ سے جلتے ہو۔" آزاد نامہ نگار نے بلا تامّل کہا "اس جماعت میں میری شمولیت اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ میں آج بھی ایک بڑا نامہ نگار ہوں۔ رہا میری خبریں نہ چھپنے کا معاملہ، تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بڑے لوگوں سے ہر دور میں منظم پیمانے پر دغا کی گئی ہے۔ ہر بڑے آدمی کی قدر، اس کی موت کے بعد کی گئی ہے۔"

"اوہ سمجھا!" فوٹوگرافر نے برجستہ کہا "شاید تم اپنی قدر کرانے کے لئے آج ہمارے ساتھ شامل ہوئے ہو۔ مرنے سے پہلے، مجھے اپنی مرضی کے دو چار پوز بنوا دینا۔ تم اپنا بھلا تو نہیں کرسکے۔ ہوسکتا ہے میں ان تصویروں سے اپنا کچھ بھلا کرسکوں۔ تمہاری آخری تصویریں ہٹ ہوگئیں تو مجھے محکمے میں بھی ترقی مل جائے گی۔"

"میرا خیال ہے کہ ہمیں اس مہم پر آئے ہوئے، دوسرا دن

شروع ہوچکا ہے۔" اپنی رسٹ واچ کے الارم پر' محکمۂ اطلاعات کے مبصر نے چونک کر کہا اور آزاد نامہ نگار' فوٹوگرافر کو جواب دینے کی سعادت سے محروم رہ گیا۔

"دوسرا دن؟" سینئر رپورٹر کی آواز تضحیک آمیز تھی۔ "ابھی تو پہلا دن پورا نہیں ہوا۔"

"تمہاری بات ٹھیک ہے۔" مبصر کی خفت آمیز آواز سنائی دی۔ "لیکن ٹی اے اور ڈی اے کے قواعد میں بارہ بجے شب کے بعد دوسرا دن لگ جاتا ہے۔ میری گھڑی نے ابھی ابھی بارہ بجائے ہیں۔"

وہ ان لوگوں کی اندر کی باتیں تھیں جو میرے لئے خفت کا باعث بن رہی تھیں لیکن اس ماحول میں' وہ سب کسی بناوٹ کا سہارا لئے بغیر اپنی سوچ اور ذہنیت کا اظہار کئے جارہے تھے۔ ان لوگوں کی یکجائی میں ان کے میزبانوں کا بہت زیادہ دخل نہیں تھا۔ وہ ایک خفیہ اور محدود کارروائی تھی جس کے لئے مبصر اور فوٹوگرافر کو ان کے محکمے کی طرف سے نامزد کیا گیا ہوگا۔ آزاد نامہ نگار کی موجودگی بھی کسی تنظیم کی مرہونِ منت نظر آرہی تھی البتہ سینئر رپورٹران تینوں سے قطعی مختلف اور اپنے کام میں بہت زیادہ سنجیدہ تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک بہت بڑے' نجی روزنامے سے وابستہ تھا اور ایسے اداروں میں کسی کو بھی نام یا ساکھ کی وجہ سے برداشت نہیں کیا جاتا۔ ہر شخص کو اپنا وجود منوانے کے لئے شب و روز جاں سوزی کے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے اور ادارے کی کارکردگی میں' ان کی افادیت ہی اُن کے مقام کا تعین کرتی ہے۔

کرنل ریاض اور کیپٹن الیاس نے اس نوک جھونک میں ذرا بھی دلچسپی نہیں لی۔ وہ دونوں قدرے تیز قدموں سے چلتے ہوئے آگے نکل گئے تھے ورنہ ان دونوں کو یہ جان کر سخت کوفت ہوتی کہ اس اہم مشن پر آئے کسی فرد کو' اپنی ذمے داریوں سے زیادہ' اپنے سفری اور روز مرہ الاؤنس کی فکر تھی۔

اس وقت صحرا میں ہر طرف گھور اندھیرے کا راج تھا۔ ہواؤں کے جھکڑ نہ چلنے کے باوجود فضا میں خاصی خنکی اتری ہوئی تھی۔ تاروں بھرے آسمان کے ایک گوشے میں آخری راتوں کا' ڈھلتا ہوا' یرقان زدہ چاند اپنے ادھورے وجود کے اظہار کی ناکام کوشش کررہا تھا۔ اس اندھیرے میں چند ثانیے گزار لینے کے بعد میری آنکھیں تاریکی میں کچھ دور تک دیکھنے کے قابل ہوگئی تھیں۔ اسی کے ساتھ میرے کان آہستگی سے گردش کرتے ہوئے کسی آلے کی آواز بھی سن رہے تھے۔

لمبے لمبے ٹریلروں پر لدے ہوئے' فوجی رنگ کے دونوں کنٹینر اس عارضی' صحرائی پٹی سے قدرے دور' ریت میں موجود تھے۔ ان ہی کے قریب ایک بڑا آئل ٹینکر موجود تھا جس سے منسلک موٹے موٹے پائپ' نیم جاں اژدہوں کی طرح' اندھیرے میں دور معدوم ہوتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ پھر مجھے ایک آہنی کنٹینر کی چھت پر گردش کرتا ہوا' ریڈار کا اینٹینا بھی نظر آگیا۔ بظاہر اس کی گردش بے آواز تھی لیکن بیضوی تھالی سے مشابہ' اس بڑے ... گھومنے سے ہوا کے کٹاؤ کی آواز موہوم سی گھوں گھوں ... تھی جو سناٹے کے باعث نمایاں طور پر سنائی دے رہی تھی۔

دونوں فوجی افسران کی معیت میں ہم پہلے کنٹینر کے ... پر پہنچے۔ وہاں اندھیرے میں چھپے ہوئے سپاہی نے ریتیلی ... مار کر اپنے افسران کو سیلوٹ کیا اور کسی میکانزم کو حرکت ... کنٹینر کا دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی' اندر سے ہلکی سی روشنی باہر رینگ ... سب ٹریلر کے پائیدان کے ذریعے یکے بعد دیگرے' چاہ ... لمبے' اس آہنی صندوق میں داخل ہوگئے۔

باہر سے وہ کنٹینر مال برداری کے لئے استعمال ہو ... آہنی صندوق سے ذرا بھی مختلف نہیں تھا لیکن اندر ... ساخت بالکل ہی مختلف تھی۔ عقبی دروازے سے اند ... ہوتے ہی' ہم نے خود کو ایک نیم روشن اور تنگ جگہ میں ... سے آگے' بائیں طرف کی دیوار کے ساتھ پتلی سی راہد ... جس کے داہنی طرف تختوں کی مدد سے کیبن بنا کر' کنٹینر کو ... دفتر کی صورت دے دی گئی تھی جہاں متعدد افراد پوری آزادی ... یکسوئی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکتے تھے۔

اس وقت تک مجھے اس کنٹینر میں کوئی کھڑکی وغیرہ نظر ... آئی تھی لیکن اس کے باوجود اندر گھٹن کا نام و نشان تک ... بلکہ باہر پھیلی ہوئی خنکی کے اثرات' اندر بھی محسوس ہورہے ...

اس موبائل فوجی دفتر میں ہر کمرے کے باہر متعلقہ افسر ... اور عہدے کی تختی لگی ہوئی تھی۔ مختصر دفاتر کے دروازے ... کی تنگی کی وجہ سے کوئی پٹ یا پردہ نہیں تھا۔ اس لئے راہداری ... گزرتے ہوئے' ہم نے داہنی جانب کے چار دفاتر کا جائزہ ... جہاں باوردی افسران اور جوان اپنے اپنے کاموں میں ... تھے۔

اس راہداری کا اختتام پٹ والے ایک دروازے پر ... کنٹینر کی پوری چوڑائی پر محیط اور تقریباً دس فٹ طویل ... میں کھلتا تھا۔ اس کمرے میں تین دیواروں کے ساتھ ... بینچیں نصب تھیں' ایک دیوار کے آگے رائفل اسٹینڈ ... تھے۔ وہیں دیوار پر میگزین کی پیٹیاں لٹکی ہوئی تھیں۔

اس کمرے میں پہنچ کر مجھے اندر کی تازگی کا راز بھی ... ہوگیا۔ کنٹینر کی چھت کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ وہاں نصب ... پنیوں کے درمیان' تازہ ہوا کی آمد اور گرم ہوا کے نکاس ... خاصی جگہ موجود تھی مگر ان پنیوں کے زاویئے ایسے رکھے ... کہ اندر سے آسمان نظر آتا تھا' نہ اندر کی روشنی باہر ... جاسکتی تھی۔

کیپٹن الیاس کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی تھی ... پر کوڈ پوچھے جانے کے بعد کسی نے ہمیں روکا ٹوکا نہیں تھا ... فوجیوں کی وہ بے توجہی کھل رہی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا ...



ہمیں اپنے لئے قطعی بے ضرر اور غیر اہم سمجھ رہے ہوں۔ کیبنوں میں نقشوں اور آلات پر مصروف افسروں اور جوانوں نے کرنل ریاض اور کیپٹن الیاس سے بھی کوئی رسمی سلام دعا نہیں کی تھی۔ وہ سب ہماری آمد اور متعدد قدموں کے شور سے بے نیاز' اپنے کاموں میں منہمک رہے تھے۔

"اب ہمیں کچھ دیر یہاں انتظار کرنا ہوگا۔" کرنل ریاض نے بینچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کمانڈنگ آفیسر سے کب ملاقات ہوسکے گی؟" مبصر نے شائستہ لہجے میں سوال کیا۔

"اس کا امکان نہیں ہے۔ سی او کا کیمپ آفس ریڈار والے کنٹینر میں ہے۔ وہ ہماری ٹیم کے لئے علاقہ ممنوعہ ہے۔" کرنل نے خوش دلی کے ساتھ کہا "اس وقت ہر شخص بے حد مصروف ہے۔ ان سب کے کاندھوں پر اپنے ان افسروں اور جوانوں کی حفاظت کی پوری پوری ذمے داری ہے جو کھلے صحرا میں' دشمن کی نفری کو گھیرنے کا خطرہ مول لیں گے۔ اس معرکے کے انجام کا انحصار ان کنٹینروں میں کئے جانے والے فیصلوں پر ہوگا۔ اپنے ساتھیوں کے تحفظ کی یہ ذمے داری ہر سپاہی اور افسر کو وارفتگی میں مبتلا کردیتی ہے اس لئے اب آپ لوگوں کو بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔"

"مجھے یہاں بجلی کے کھمبے نظر نہیں آئے؟" آزاد نامہ نگار نے پُرتشویش لہجے میں کہا اور سب چونک کر اسے گھورنے لگے کیونکہ اس وقت اس کا سوال بہت بے محل اور بے تکا محسوس ہوا تھا۔

"یہ علاقہ بجلی' پانی اور ایسی بہت سی نعمتوں سے محروم ہے۔" کیپٹن الیاس نے پوری سنجیدگی کے ساتھ کہا "تھر کے اس صحرا میں زندگی کیسے پنپتی ہے؟ اس کا اندازہ لگانا بھی محال ہے۔ مگر پھر بھی یہاں انسان رہتے ہیں۔ وہ نسل ہا نسل سے ان مصائب سے لڑتے چلے آرہے ہیں لیکن اپنی زمین کو چھوڑ کر زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقوں میں کوچ کرنے کا تصور بھی نہیں رکھتے۔ ہم دل و جان کی گہرائیوں سے ان کی قدر کرتے ہیں لیکن ان کے مصائب دور کرنے سے قاصر ہیں۔"

"پھر یہ کنٹینر کیسے روشن ہیں؟" نامہ نگار کو اس خطے کے انسانی المیوں سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔

"شمسی بیٹیاں یا سولر سیل یہ توانائی فراہم کررہے ہیں۔ صحرا میں انجن اور جنریٹر کی آواز دور تک پھیلتی ہے۔ اس لئے اب خاص مہمات میں شمسی بیٹیاں استعمال کی جاتی ہیں۔" کیپٹن نے جواب دیا۔

"مجھے یہی حیرانی تھی۔" نامہ نگار نے اطمینان کا گہرا سانس لے کر کہا "نہ بجلی کے کھمبے' نہ جنریٹر کا شور مگر بجلی پھر بھی آرہی ہے۔ کیا جابجا سولر سیل لگا کر اس علاقے کی کایا پلٹ نہیں کی جاسکتی؟ یہاں تو سال کے بارہ مہینے' سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمکتا رہتا ہے۔ ہم مفت کی اس توانائی کو برباد کررہے ہیں۔"

"یہ حکومت کے مسائل ہیں۔ اس بارے میں وہی لوگ کچھ کرسکتے ہیں۔" کیپٹن بولا "ویسے میرا ذاتی خیال ہے کہ سولر انرجی استعمال میں بہت سستی ضرور پڑتی ہے لیکن سولر سیل لگانے کے اخراجات بہت زیادہ ہوتے ہیں جن کا بوجھ اٹھانا آسودہ حال ملکوں کے لئے بھی مشکل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک دن ٹیکنالوجی کی ترقی سولر انرجی کو بھی اتنی کم لاگت پر لے آئے کہ ہر طرف روشنی پھیلائی جاسکے۔ فی الحال تو ہمارے پاس بھی گنے چنے یونٹ ہی ہیں۔"

اسی لمحے' باہر راہداری میں وزنی فوجی جوتوں کی دھمک سنائی دی' ہماری انتظار گاہ کا دروازہ کھلا اور ایک نوجوان میجر' بجلی وردی میں اندر آگیا۔

اس نے کرنل کو دیکھتے ہی ایڑیاں ملا کر سیلوٹ کیا اور کرنل ریاض بھی اسے پہچانتے ہی مسرت آمیز انداز میں بینچ سے اٹھ کر' اس کی طرف لپکا تھا۔

"اوہ! انصاری' تم یہاں!" کرنل ریاض نے مسرت آمیز حیرت کے ساتھ اسے اپنے گلے سے لگالیا۔ "میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم سے یہاں ملاقات ہوسکے گی۔ تم تو توپخانہ چھوڑ کر اب جی ایچ کیو کے آدمی ہوگئے ہو۔"

"بس سر! اسپیشل اسائنمنٹ پر یہاں بھیجا گیا ہوں۔ اللہ نے سُرخرو کیا تو ایک دو روز میں واپس پنڈی چلا جاؤں گا۔ سگنلز کا ایک مختصر لیکن بہت سینئر یونٹ میری کمان میں آیا ہوا ہے۔ مجھے ابھی ابھی علم ہوا کہ آپ آئے ہوئے ہیں تو میں موقع نکال کر ملنے چلا آیا۔ اس وقت یہاں سب بے حد مصروف ہیں....."

بولتے بولتے' اس نے ہم لوگوں کا جائزہ لیا اور یکلخت خاموش ہوگیا۔

"تمہارا یونٹ کہاں ہے؟ مجھے کسی کیبن میں تمہاری جھلک نظر نہیں آئی۔" کرنل نے کہا۔

"ہم لوگ دوسرے کنٹینر میں ریڈار روم میں ہیں سر! آپ چاہیں تو ایک چکر اُدھر کا بھی لگالیں۔"

"چلتے ہو خان؟" کرنل نے اوّل خان سے پوچھا۔ اسی لمحے میری اور اوّل خان کی نگاہیں چار ہوئیں۔ میں نے خاموش نظروں سے التجا کی کہ وہ مجھے ساتھ لے جانا نہ بھولے۔

"میرے ساتھ میرا ماتحت بھی چل سکتا ہے؟" اوّل خان نے آگے بڑھ کر' کرنل سے سوال کیا۔

"خان صاحب اسپیشل ٹاسک فورس کے سینئر افسر ہیں" کرنل نے میجر انصاری سے اوّل خان کا تعارف کرایا۔

ان دونوں نے گرمجوشی کے ساتھ مصافحہ کیا۔ تعارف دروازے کے قریب دھیمی آواز میں کرایا گیا تھا کیونکہ ایس ٹی ایف بہرحال ایک اہم اور خفیہ تنظیم تھی' جس کے وجود سے ذرائع ابلاغ بے خبر تھے۔

بقیہ چاروں افراد' کیپٹن الیاس کے ساتھ وہیں رہ گئے اور ہم تینوں میجر انصاری کے ساتھ کنٹینر سے باہر نکل گئے۔

دوسرے کنٹینر میں کوئی پارٹیشن نہیں تھا۔ وہاں جنگی تیاریوں کا رنگ نمایاں تھا۔ ہر شخص جوش اور ہیجان میں مبتلا تھا۔ اس مشن کا سی او' ایک کرنل ہی تھا جو اپنی عرق آلود پیشانی کے ساتھ' ایک نقشے پر سر کھپا رہا تھا۔ اجنبی قدموں کی آہٹ پر اس نے چونک کر' سر اوپر اٹھایا' خوابیدہ نظروں سے ہماری طرف دیکھا اور اپنے سر کو ایک خفیف سی جنبش دے کر دوبارہ نقشے پر مغز زنی میں مصروف ہوگیا۔

وہاں کسی نے کسی کا استقبال کیا نہ ہماری آمد پر کوئی خاص توجہ دی۔ ہر شخص کے چہرے پر گمبھیر سا تناؤ موجود تھا جو میدانِ جنگ سے ملحق' اس کمانڈ اینڈ کنٹرول ہیڈ کوارٹر کے کمانڈنگ افسر اور اس کے عملے کی اعصابی کیفیت کا مظہر تھا۔

"یہ بہت بڑی اور اہم ترین کارروائی ہے' سر!" میجر انصاری نے ہمیں ریڈار مانیٹرنگ یونٹ کی طرف لے جاتے ہوئے' کرنل سے سرگوشیانہ اور معذرت آمیز لہجے میں کہا "محدود وقت میں مقررہ مقاصد حاصل نہ کئے گئے تو بین الاقوامی جنگ کا خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ اس امکان نے ہر جوان اور افسر پر ذہنی دباؤ بڑھا دیا ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" کرنل نے اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے بزرگانہ انداز میں کہا۔

"سر! سگنل شروع ہوگئے۔" ریڈار مانیٹرنگ یونٹ کے قریب سے ایک افسر کی بلند اور ہیجان آمیز آواز ابھری۔ اس کے کانوں پر ہیڈ فون چڑھا ہوا تھا جس سے نکلنے والے متعدد باریک باریک تار' اس کے اِردگرد رکھے ہوئے آلات سے منسلک تھے۔

اس افسر کی آواز نے کنٹینر میں موجود ہر شخص کو چونکا دیا۔ ہر چہرے پر امید و بیم کی ملی جلی کیفیات نظر آنے لگیں۔ کمانڈنگ افسر اپنی جگہ چھوڑ کر تیزی کے ساتھ اس طرف آیا تھا۔

اس دوران میں ہیڈ فون والا افسر جلدی جلدی بہت سے آلات کی گھنڈیاں وغیرہ گھمانے میں مصروف ہوگیا تھا۔ میجر انصاری نے اسے آڈیو سگنلز کو ایمپلی فائینگ یونٹ پر ٹیون کرنے کی ہدایت کی تھی۔

اسپیکر پر ریڈیائی ارتعاش اور گھر گھر کی ملی جلی آوازوں کے بعد آخر ایک یونٹ پر ملی جلی انسانی آوازیں ابھرنے لگیں۔ جو مدّھم ہونے کے باوجود خاصی واضح تھیں۔

سی او' کرنل ریاض اور میجر انصاری پورے انہماک' اشتیاق اور اضطراب کے ساتھ ان ملی جلی آوازوں کو سن رہے تھے اور اول خان میرے ساتھ ایک گوشے میں سمٹ گیا تھا تاکہ ہم دونوں کی وہاں موجودگی' ان لوگوں کی پیشہ ورانہ مصروفیات میں کسی رکاوٹ کا سبب نہ بن سکے۔

ہم دونوں کو بطور خاص وہاں لایا گیا تھا' اس لئے ہمارے کان بھی ان آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔

چند ہی ثانیوں کے بعد یہ واضح ہوگیا کہ وہ آوازیں اس کمانڈو گروپ کی تھیں جسے سرکش ڈاکوؤں کے روپ میں' سرحد پار کمانڈر سے ملنا تھا۔ وہ لوگ پروگرام کے مطابق پیش قدمی کرتے ہوئے' اپنی حکمتِ عملی پر آخری بار نظرِ ثانی کر رہے تھے تاکہ آگے کے سامنے ان سے کسی مہلک لغزش کے امکانات باقی نہ رہیں۔

اول خان مجھے کراچی ہی میں بتا چکا تھا کہ دشمن کے کمانڈر کو بہلا پھسلا اور ورغلا کر' اپنی سرحد میں لانے کے لئے اسپیشل ٹاسک فورس کے آٹھ منتخب جوانوں کا ایک دستہ آرمی کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ وہ لوگ اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر' موت کے منہ میں جا رہے تھے' اس لئے یہ بات یقینی تھی کہ انہیں ایسا کوئی اپریٹس' آلہ یا ہتھیار نہیں دیا گیا ہوگا جس کی وجہ سے ان کا آرمی سے کوئی تعلق ثابت ہوسکے۔ لیکن اسپیکر پر آنے والی' ان کی ملی جلی آوازوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ان میں سے کسی کے لباس میں کوئی حسّاس' لاسلکی مائیکروفون پوشیدہ تھا' جس کے ذریعے ان کی ہر آواز کمانڈ اینڈ کنٹرول ہیڈ کوارٹر میں سنی جا رہی تھی۔ میرے لئے وہ ایک ناقابلِ فراموش تجربہ تھا کہ میں ایک بین الاقوامی سازش کا تانا بانا' بنفسِ نفیس بُنتے اور بکھرتے دیکھ رہا تھا جس میں دونوں فریقوں کے بہترین اور زیرک افراد' اپنے اپنے قومی مفاد کے حصول کے لئے سردھڑ کی بازی لگانے پر آمادہ و تیار تھے اور ایس ٹی ایف کے کمانڈو اپنے حریف کا ہانکا کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے تھے۔

کچھ دیر کے بعد کمانڈو گروپ کی افراد کی رازدارانہ گفتگو ختم ہوگئی۔

"اب ہم سرحد سے چند قدم کے فاصلے پر ہیں۔ بھول جاؤ کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں۔" اسپیکر پر اس کمانڈو گروپ کے سربراہ کی گمبھیر آواز ابھری۔ "اس لمحے کے بعد ہم حکومتِ پاکستان سے متصادم' سرکش نوجوانوں اور بے روزگاری سے تنگ آکر لٹیرے اور ڈاکو بننے والے نوجوانوں کے علاوہ کچھ نہیں ہیں۔ ہمارے ایکشن پلان کا پہلا حصہ یہاں ختم ہوتا ہے۔ دوسرے حصے میں ترجمانی کا کام میرے ذمے ہوگا۔ اگر ہم کمانڈر کو اس کے ہتھیاروں سمیت' اس کی کمین گاہ سے ہانک کر اپنی سرزمین پر لانے میں کامیاب ہوگئے تو یہ ہمارے مشن کے تیسرے مرحلے کی کامیابی ہوگی۔ سرحد پار کرکے' اپنے علاقے میں دوبارہ داخل ہوتے ہی ہمارے مشن کا چوتھا مرحلہ رُوبہ کار آجائے گا۔ اس مرحلے میں' ہم میں سے ہر شخص آزاد اور خود مختار ہوگا۔ ہماری سرزمین پر پیش قدمی کرتے ہوئے دشمن کو کسی بھی شبہے کا موقع دیئے بغیر' ان سے الگ ہوجانا ہمارا فرض ہوگا تاکہ ہم دشمن پر کئے جانے والے تباہ کن حملوں میں اپنوں کا نشانہ بننے سے محفوظ رہ سکیں۔"

"غازی یا شہید!" اسی گروپ میں سے کسی کی آواز ابھری۔

"دونوں صورتوں میں ہمارے درجات بلند ہوں گے۔ ہم آنے والے ہر اچھے اور برے وقت کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔ اللہ ہماری نیتوں کا حال جانتا ہے اور وہی ہمارے پیچھے رہ جانے والوں کا مددگار اور نگہبان ہوگا۔"



پھر ان سب نے مل کر دھیمی مگر گونجیلی آواز میں کلمۂ اول پڑھ کر اپنے ایمان کی تجدید کی اور کلمۂ شہادت کی پُرہیبت قرات کے بعد ان طرف سکوت چھیل گیا۔

وہ سب اس قدر پُرشکوہ اور پُرجلال تھا کہ میں اپنے وجود میں' اندر ہی اندر لرز کر رہ گیا۔

میں ایک انسان ہونے کے ناتے سے' دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتا تھا لیکن مجھے یہ اعتراف کرلینا چاہئے کہ میری زندگی میں مذہب کا کبھی بھی بہت زیادہ دخل نہیں رہا لیکن اس لمحے اپنے کمانڈوز کے آخری' ایمان افروز مکالموں کے بعد میں خود کو' اپنی ہی نظروں میں حقیر سمجھنے لگا۔

ایک طرف اللہ کے وہ پُراسرار بندے اور غازی تھے جو رات کے ہولناک اندھیروں میں' اپنے عزیزوں اور پیاروں کو بھول کر' ایک بہت بڑے مقصد کے لئے سُوئے مقتل بڑھ رہے تھے۔ وہ وہاں مارے جاتے تو شہادت کے رتبے پر فائز ہو جاتے اور اپنا مشن پورا کرکے' زندہ و سلامت لوٹ آتے تو غازی کہلاتے۔ ان کے ارادے واضح' عزم راسخ اور نیت صاف تھی اس لئے ہر حالت میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔

دوسری طرف' میں مدتوں سے ٹی' مافیا اور ان کے ہمدردوں سے ایک خونریز پیکار میں مصروف تھا۔ اس بھیانک محاذ آرائی میں' میں نے شاید ان کمانڈوز سے زیادہ خطرات مول لئے تھے لیکن میرے سامنے کوئی واضح نصب العین نہیں تھا' کوئی بہت بلند مقصد نہیں تھا اور نہ ہی میں کسی روحانی قوت سے مالا مال تھا اس لئے' اس لئے' مجھے اپنی ساری جدوجہد ہیچ نظر آنے لگی تھی اور میرا دل میرے اپنے وجود پر نفرین کر رہا تھا۔

ایک طرف وہ مطمئن کمانڈوز تھے اور دوسری طرف میں خود ملامتی میں مصروف تھا۔ لطف کی بات یہ تھی کہ کمانڈوز جو کچھ کر رہے تھے اور جس مقصد کے لئے بڑھ رہے تھے' اس کی بنیاد کی پہلی اینٹ میں نے ہی رکھی تھی۔ دیکھا جائے تو اس تابناک مشن کا معمار میں خود ہی تھا لیکن دکھ کی بات یہ تھی میرا دل لگن اور جذبے سے خالی تھا جب کہ معمار کے خوابوں کو عملی تفسیر دینے والے اپنے جوش' جذبے اور نیت کی وجہ سے ہر طرح سے خوش اور مطمئن تھے۔

اس کنٹینر کے بوجھل اور جنگی ماحول میں' وقت سسک سسک کر اور رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ اس دوران میں آڈیو یونٹ پر وقتاً فوقتاً' کمانڈوز کے اکا دکا فقرے سنائی دیتے رہے جن میں کوئی خاص بات نہیں تھی لیکن جب ہم سب نے اکھڑ لب و لہجے میں ہالٹ کا ایک لفظ سنا تو میرے بدن کے سارے مساموں سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ بہہ نکلا۔

ہالٹ کے کاشن کے ساتھ ہی' بیک وقت متعدد دھاکے سنائی دیئے۔ خطرہ سامنے دیکھ کر شاید وہ آٹھوں کمانڈوز تیزی کے ساتھ زمین پر گر گئے تھے۔

"تم کون ہو؟ سامنے آؤ!" کمانڈوز کے سربراہ کی بھڑکتی ہوئی' تیز آواز سنائی دی۔

"خدا خیر کرے' میرے بچّے موت کے منہ میں ہیں" کمانڈنگ آفیسر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے' اضطراری لہجے میں بڑبڑایا۔

"اپنے قدموں پر کھڑے ہوجاؤ ورنہ میں ایک ہی برسٹ میں تم آٹھوں کو نرگباش کردوں گا۔" کمانڈوز کو ٹھہرنے کا حکم دینے والے کی بے رحمانہ آواز ابھری۔ "یہاں اندھیرا ضرور ہے۔ لیکن میں تم سب کو اچھی طرح دیکھ رہا ہوں۔ اسٹینڈ اپ اینڈ ہینڈز اپ۔ نو بلاڈی چالاکی' ورنہ سب کو چھلنی کردوں گا..... اس سرزمین پر آنے والوں کو نہیں بلکہ میزبانوں کو سوال کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے..... شاباش! تم لوگ بہت سعادت مند ہو۔ انگلیاں آپس میں پھنسا کر' دونوں ہاتھ اپنے اپنے سروں پر رکھ لو اور یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

"ہم تمہیں سب کچھ بتادیں گے لیکن خدا کے لئے تم ہمیں صرف اتنا بتادو کہ اس وقت ہم کس ملک کی سرزمین پر ہیں؟" گروپ کے سربراہ کی خوفزدہ اور خوشامدانہ آواز سنائی دی جو اس صورتِ حال کے تقاضوں کے عین مطابق تھی۔ ان مکالمات کو سن کر میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہوگئی تھیں۔

"یہ بندے ماترم اور ترنگے پرچم کی سرزمین ہے۔" للکارنے والے کی آواز نخوت آمیز ہوگئی۔ "اور میں اسی پوتر دھرتی کا ایک سچا سیوک ہوں۔ اب بھونکو کہ تم کون ہو؟"

"تم ہماری بے عزتی کر رہے ہو۔" کمانڈوز کے گروپ لیڈر کی زخمی آواز سراپا احتجاج بن گئی تھی۔ "ہم اپنی عزتِ نفس بچانے کے لئے اپنے حکمرانوں سے لڑ رہے ہیں۔ ان کی راتوں کی نیندیں حرام کرنے کے لئے ہم جنگلوں میں رُوپوش ہو کر بھانت بھانت کی وارداتیں کر رہے ہیں۔ ہم نے اپنے لگامیں سائیں سرکار کے ہاتھ میں دے دی ہیں۔ سائیں سرکار کے حکم پر' سرحد پار کرنے کے بعد بھی ہمیں عزت نہ مل سکے تو ہم ایسی زندگی پر لعنت بھیجتے ہیں۔ ہمیں عزت کی روزی نہیں مل سکی تو ہم نے مال داروں سے طاقت کے بل پر اپنا حصہ چھیننا شروع کر دیا۔ حکومت نے ہمیں ڈاکو اور دہشت گرد قرار دے کر ہماری تذلیل کی تو ہم نے سائیں ملاّ سرکار سے دوستی کرلی۔ ہم سب کچھ کرسکتے ہیں لیکن اپنی عزت اور اَنا پر کوئی سمجھوتا نہیں کرسکتے۔ اگر سرحد پار کرکے ترنگے کے زیرِ سایہ بھی ہم سے توہین آمیز سلوک کیا جاتا ہے تو ہم ملاّ سرکار سے اپنی عقیدت کو خیرباد کہتے ہیں۔ تم ہم کو معاف کردو اور واپس جانے دو۔ وہاں ہم ملاّ سرکار سے خود اپنا حساب کرلیں گے۔"

"اوہ' تم ناراض ہوگئے۔" وہ کمانڈو لیڈر کی جذباتی تقریر سے بوکھلا گیا۔ "اگر تم ملا سرکار کے ہم نوا ہو تو ہمارے معزز مہمان ہو۔ ہم اپنی سرحدوں کے محافظ ہیں۔ دوسری جانب سے آنے والوں پر آنکھیں بند کرکے اعتماد نہیں کرسکتے۔ تم کو ہماری اس مجبوری کا اندازہ ہونا چاہئے۔ ویسے بھی ہمیں سرحد پار سے کسی کے

پیشگی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اس کے بغیر ہم تم کو کیسے پہچان سکتے تھے؟ تم تو بلا وجہ ہی جذباتی ہو رہے ہو۔"

"اب تم نے ہمیں پہچان لیا ہے تو کیا ہم اپنی پھنسی ہوئی انگلیاں کھول کر' اپنے ہاتھ نیچے گرا سکتے ہیں؟"

"پہچان کسی کوڈ یا اشارے سے ہوتی ہے۔ تم بغیر کسی پروگرام کے آئے ہو اس لئے میں تمہارے دعوے پر اعتبار کئے لیتا ہوں۔ تم لوگ اپنے ہاتھ گرا لو اور یہ بتاؤ کہ اِدھر کیوں آئے ہو؟"

"ہم کمانڈر سے ملنا چاہتے ہیں۔" گروپ لیڈر کی سخت آواز سنائی دی۔

"اندھیرے میں' مَیں اکیلا نہیں ہوں۔ میرے ساتھ چار آدمی بھی ہیں جو شاید تمہاری نظروں سے اوجھل ہیں۔ ان کی نگرانی میں' تم یہیں ٹھہرو۔ میں کمانڈر سے بات کر کے آتا ہوں۔"

اس کے بعد کئی منٹ تک سکوت چھایا رہا جسے آخر کار گروپ لیڈر ہی کی آواز نے توڑا۔

"یہاں ہر طرف اندھیرا اور سناٹا ہے۔" وہ للکارنے والے کے نادیدہ آدمیوں سے کہہ رہا تھا۔ "ملّا سرکار نے تو ہمیں بتایا تھا کہ گدرا کے نواح میں کمانڈر کی بھاری نفری تیار بیٹھی ہے۔"

"ملّا سرکار جھوٹ نہیں بولتا۔" ان چاروں میں سے ایک بھک گیا۔ "ایسی کارروائیوں میں راتوں کو چراغاں نہیں کیا جاتا۔ رات کو ہم بلیک آؤٹ کئے رہتے ہیں تاکہ دشمن کے گشتی دستوں کو ہمارے وجود کی بھنک نہ مل سکے۔ ویسے بھی تم اس وقت ریت کے ٹیلوں کے درمیان میں ہو۔ ان سے نکلنے کے بعد ہی تم ہمارے چھپے ہوئے لوگوں میں پہنچ سکو گے۔"

"اور یہ سب اکیس ستمبر کو سرحد پار کر کے حملہ کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں؟"

"تم کیا جانو؟" اسی سپاہی کی تحیّرزدہ آواز ابھری "اکیس ستمبر تو ایک ٹاپ سیکرٹ ہے۔"

"ملّا سرکار کی ہر راز تک رسائی ہے۔ وہ تو ماں کے پیٹ کا حال تک بتانے پر قادر ہے۔"

"اس کے بارے میں سنا ہی سنا ہے۔ اسے کبھی دیکھا نہیں۔" وہی آواز حسرت آمیز ہو گئی۔

"اسے ضرور دیکھنا' اپنی زندگی میں نہ دیکھ سکے تو سرگباش ہونے کے بعد دیکھنا۔ ملّا سرکار دیکھنے کی چیز ہے۔ ایسے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے۔"

"اپنی زندگی میں اسے دیکھنا ایسا کیا مشکل ہے کہ تم میرے سرگباش ہونے کی بات کر رہے ہو؟" اس شخص کی آواز یک بیک متجسس اور اشتباہ آمیز ہو گئی تھی۔

"ملا سرکار اپنے گھر بار کو تج کر پچھلے پندرہ بیس برس سے ہماری دھرتی پر رہ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آنے والے دس پانچ برسوں میں وہ واپس نہ آ سکے۔ اس کے دیدار کے لئے اتنی مدت تک کون زندہ رہ سکتا ہے؟ تم اندھیرے میں ہو۔ مجھے تمہاری عمر کا کوئی اندازہ نہیں' اس لئے یہ بات کہہ بیٹھا تھا۔"

"وہ آئے یا نہ آئے' اکیس ستمبر کو ہم خود اس سے جا ملیں گے۔" بولنے والے کا لہجہ مضبوط اور پُراعتماد تھا۔ "اس نے اپنی دھرتی کے لئے بے مثال قربانیاں دے کر ہم سب کے لئے ایک ہی راہ متعین کی ہے۔"

"ہم اسی لئے آئے ہیں' دوستو! تم اکیس ستمبر کے آسرے میں یہاں دبکے بیٹھے رہے تو وہاں کچھ بھی باقی نہیں رہے گا اور شاید تم کو ملّا سرکار کی ٹھنڈی چتا کی راکھ اپنے سر میں ڈالنی پڑ جائے....."

کمانڈو گروپ کے سربراہ کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اسی لمحے پہلی آواز نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "میرے آدمیوں میں مایوسی کا زہر مت پھیلاؤ۔ کمانڈر صرف تمہارے ایک نمائندے سے بات کرنے کے لئے تیار ہے۔ باقی سات آدمی یہیں' میرے آدمیوں کی نگرانی میں رکے رہیں گے۔"

"ہم تمہارے رحم و کرم پر ہیں۔" کمانڈو گروپ کے سربراہ کی آواز مایوسانہ تھی۔ "ہم تو اس امید پر لمبی مسافت طے کر کے یہاں آئے تھے کہ تم ہماری زبانوں سے ملا سرکار کا حوالہ سنتے ہی' ہمیں اپنی چوڑی چکلی چھاتیوں سے لگا لو گے۔ اگر ہمارے مقدر میں ذلت ہی لکھ دی گئی ہے تو میرے ساتھی یہاں رکیں گے' میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ شاید تمہارے کمانڈر کو میں اپنی باتوں سے کچھ قائل کر سکوں۔"

"تم بلا وجہ جذباتی ہو رہے ہو۔" اس آواز میں معذرت اور تادیب کا عجیب سا امتزاج تھا۔ "یہ کوئی سرکس یا تفریحی میلہ نہیں ہے جہاں اندر آنے والے ہر شخص کو تماشا دیکھنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ ہم بہت حسّاس سرحد پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب تک ہم اپنی تسلی نہ کر لیں' تمہیں صبر کرنا ہو گا۔ ایک بار تمہاری شناخت ہو جائے تو تم دیکھو گے کہ ہم ملّا سرکار کے کتّوں سے بھی اپنے سروں پر پیشاب کرانے پر آمادہ ہو جائیں گے۔"

"تم پھر ہماری توہین کر رہے ہو۔ ہم اُس کے کتے نہیں' پیروکار ہیں۔" لیڈر نے احتجاج کیا۔

"تم میری بات کو غلط سمجھ رہے ہو۔ میری مراد یہی تھی کہ تم تو اس کے پیروکار ہونے کے دعوے دار ہو۔ تمہاری جگہ ملّا سرکار کی ڈیوڑھی کے کتّے بھی ہوتے تو ہم ان کو پوری پوری عزت دیتے۔"

چند ثانیوں کے لئے آلات پر بوجھل سکوت چھا گیا۔ شاید وہ دونوں کمانڈر کی کمین گاہ کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے اور وہی اس مہم کا اہم ترین مرحلہ تھا۔

"یہ لوگ بہت چالاک اور مکّار ہیں۔" سی او اضطراری لہجے میں بولا "یہ ہماری گھات میں گدرا کے نواح میں چھپے بیٹھے ہیں۔ کاش ہمیں اس منصوبے کی ذرا پہلے بھنک مل جاتی تو ہم....."

وہ یکلخت خاموش ہو گیا کیونکہ آڈیو مانیٹرنگ یونٹ پر ایک نئی اور کرخت آواز گونجنے لگی تھی۔ "ہوں' تو تم سرحد پار سے آئے ہو۔ کہو! مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟"



"ہم اپنی جانوں پر کھیل کر یہاں تک پہنچے ہیں۔" کمانڈو لیڈر کی دبی دبی آواز سنائی دی۔ اس کے لہجے سے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دشمن کے کمانڈر کے سامنے جاتے ہی' اس کی شخصیت سے مرعوب ہو گیا ہو اور وہ اس کی کامیاب ترین اداکاری تھی جو کمانڈر وشیشے میں اتار سکتی تھی۔

"ہمیں ملا سرکار نے اس پیغام کے ساتھ یہاں بھیجا ہے کہ اکیس ستمبر کا انتظار کرنے کے بجائے' اسی وقت کارروائی کا آغاز ہو جانا چاہئے۔" کمانڈو لیڈر کہہ رہا تھا "حکومت نے روہڑی سے سکھر تک' پوری قوت کے ساتھ فوجی آپریشن شروع کر دیا ہے اور ہمارے ساتھی بہت تیزی کے ساتھ مارے جا رہے ہیں۔ کچے کے علاقے میں' ہر طرف لاشیں ہی لاشیں بکھری ہوئی ہیں۔ وہ لوگ کم سے کم وقت میں ہمیں نیست و نابود کر دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس وقت ہمیں کمک نہ ملی تو ہم برباد ہو جائیں گے اور جب تم اکیس ستمبر کو پیش قدمی کرو گے تو تمہیں دور دور تک اپنا کوئی حامی یا مددگار نظر نہیں آئے گا۔ ہم تباہ ہو گئے تو اکیس ستمبر کو یہی تباہی تمہارا بھی مقدر بن جائے گی۔ اس لئے ملّا سرکار کا پیغام ہے کہ تیز رفتاری کے ساتھ فوری پیش قدمی ہونی چاہئے۔"

"لیکن ملا سرکار نے ریڈیو سیٹ پر کوئی خبر نہیں دی؟" کمانڈر کی آواز الجھن آمیز تھی۔

"جنگلات اور ہماری کمین گاہوں پر جو قیامت ٹوٹی ہے' وہ تمہارے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتی۔ ٹینک اور بکتر بند گاڑیوں کے دستے ہر چیز کو روندتے ہوئے اندر گھس آئے ہیں۔ ملّا سرکار اپنے ایک ٹھکانے سے زخمی ہو کر' بے سروسامانی کے عالم میں بیلے میں پہنچا ہے۔ وہ خود یہاں آتا لیکن وہ فوج کے گھیرے میں آیا ہوا ہے۔ میں بڑی مشکل سے' بھیس بدل کر باہر نکلا ہوں۔ ملا سرکار کے حکم پر میں نے باہر نکل کر کچھ آدمی ساتھ لئے اور یہاں آ گیا۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ ایک ایک منٹ کی تاخیر ہمارے لئے تباہ کن ہو گی۔"

"تو کیا وہاں بڑے پیمانے پر کشت و خون ہو رہا ہے؟" کمانڈر کی آواز تفکر آمیز ہو گئی۔

"میں نے کہا نا کہ' جو کچھ ہو رہا ہے وہ تمہارے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ یہ خالص جنگی انداز کی کارروائی ہے اور ہر لمحے اُن کا محاصرہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔"

"تم لوگوں کی جوابی کارروائیاں بھی انہیں نہیں روک سکیں؟ میری معلومات کے مطابق تم لوگوں کی نفری ہزاروں میں ہے۔ محاصرے سے باہر رہ جانے والے لوگ' ان پر عقب سے حملہ کر کے محاصرہ ختم کرا سکتے تھے۔ وہ علاقہ ان لوگوں کے لئے نیا اور تمہارا دیکھا بھالا ہے' تم انہیں ناک چنے چبوا سکتے تھے۔"

"علاقے سے واقفیت ہی کی وجہ سے ہم لوگوں کی بڑی تعداد بچی ہوئی ہے۔ ابتدا میں ہم نے جم کر اُن کا مقابلہ کیا لیکن فوراً ہی ہمیں عقل آ گئی۔ اب ہم ایک ایک گولی' سوچ سمجھ کر استعمال کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس بے شمار ہتھیار ہیں لیکن میگزین' فاضل گولیوں اور راکٹوں وغیرہ کی قلّت ہے۔ جب تک ہمیں یہ چیزیں نہیں ملتیں' ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ہمیں معلوم تھا کہ جلد ہی ایسا برا دن آنے والا ہے۔ ہم نے ملّا سرکار کو اپنی ضرورتوں سے آگاہ کر دیا تھا مگر وہ پندرہ بیس دن سے ہمیں وعدوں پر ٹالتا رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی کوئی بازی الٹ گئی ہے ورنہ وہ ہمیشہ ہی ہم پر مہربان اور کرم فرما رہا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تمہارے پاس کون سا جادو ہے لیکن ملا سرکار کا کہنا تھا کہ تم تک پیغام پہنچنے کے بعد ہی حالات اتنی تیزی کے ساتھ بدلیں گے کہ سب حیران رہ جائیں گے۔"

"تم یہاں تک کیسے پہنچے ہو؟ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم پیدل ہی آئے ہو؟"

"ہاں! ہماری جیپ کا ریڈی ایٹر لیک ہونے کی وجہ سے' یہاں سے دو تین کلو میٹر پیچھے' اس کا انجن سیز ہو گیا اور ہمیں پیدل ہی یہاں پہنچنا پڑا۔"

"راستے میں فوجی نقل و حرکت کی کیا پوزیشن تھی؟" کمانڈر اس کی باتوں کے جال میں پھنستا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"ہر طرف ویرانی اور سناٹے کا راج ہے۔ ہمیں کہیں' کوئی فوجی نظر نہیں آیا۔"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" قدرے توقف کے بعد کمانڈر کی پُرتشویش آواز ابھری۔ "اتنی بڑی کارروائی کے بارے میں پاکستانی پریس اور ریڈیو پر کوئی خبر نہیں آئی۔ ہمارا ہیڈ کوارٹر ایسی خبروں پر کڑی نظر رکھتا ہے۔"

"ہمیں تو اخبار اور ریڈیو کا ہوش ہی نہیں رہا۔" اس نے کمانڈر کو کوئی دلیل دینے کے بجائے فطری جواب دیا "ہو سکتا ہے کہ یہ بھی اُن کی کوئی چال ہو۔ پہلے سے خبر پھیلنے کی صورت میں ہمارے ساتھی پورے صوبے میں امن و امان کو تہ و بالا کر کے' ان کے آپریشن کو ناکام بنا سکتے تھے..... اب وہ ہمارا کریا کرم کرنے کے بعد اپنی کامیابی کا اعلان کرنے کے خواب دیکھ رہے ہوں گے۔ لیکن میں تمہیں بتا دوں کہ ان کے ہاتھوں زیادہ تر معصوم اور بے گناہ نوجوان مارے جائیں گے جو بے روزگاری یا پولیس اور وڈیروں کے مظالم سے تنگ آ کر انتقاماً ہم سے آ ملے ہیں۔ ملّا سرکار سے گنتی کے چند لوگوں کا رابطہ ہے اور تمہارے ان ہی نمک خواروں نے معاشرے کے باغی اور دلیر جوانوں کو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار میں بدل دیا ہے۔ ہم جتنا وقت باتوں میں گزار رہے ہیں وہ برباد ہو رہا ہے۔ یہ باتیں راستے میں بھی ہو سکتی ہیں۔ اس وقت ہمیں تمہاری عملی امداد کی سخت ضرورت ہے۔"

"ہمارا اکیس ستمبر کی رات کا پروگرام طے تھا۔" کمانڈر کی کرخت آواز گمبھیر ہو گئی "مسلح لاؤ لشکر کے ساتھ بین الاقوامی سرحد کو عبور کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ میں ملّا سرکار کا بہت

احترام کرتا ہوں۔ اس نے ایک ستمبر کے منصوبے کے خواب دیکھتے دیکھتے، اپنی جوانی پرائی سرزمین پر گنوا دی ہے۔ اس کی ہدایت میرے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر میں لامحدود اختیارات کا مالک نہیں ہوں۔ تم سے بات کرنے کے بعد میں فوری کارروائی کی ضرورت اور اہمیت کا قائل ہو گیا ہوں لیکن اس کے لئے مجھے اپنے ہیڈ کوارٹر سے اجازت لینی ہوگی۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ یہاں خیمے وغیرہ نہیں ہیں۔ ہم فوجی ٹرکوں اور بکتر بند گاڑیوں میں ہی اپنے شب و روز گزار رہے ہیں۔ ان تمام تیاریوں کا مقصد یہ ہے کہ ہم دس منٹ کے نوٹس پر کوچ کر سکیں۔ تم جا کر، اپنے ساتھیوں سمیت کچھ کھا پی کر تازہ دم ہو لو تاکہ تمہارے تھکے ہوئے زرد چہرے پر کچھ رونق آسکے۔ میں اپنے ہیڈ کوارٹر سے بات کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ ملّا سرکار کی درخواست کو نہیں ٹال سکیں گے۔ ان سے اجازت ملتے ہی ہم چل پڑیں گے۔"

"جے کمانڈر مہاراج کی۔" کمانڈو لیڈر کی آواز ابھری "مجھے معلوم تھا کہ تم اس علاقے کا جغرافیہ بدلنے والوں کی تاریخ میں اپنا نام سنہرے لفظوں میں لکھوانے کے لئے ضرور ہمارا ساتھ دو گے۔"

پھر آڈیو مانیٹرنگ یونٹ پر سکوت چھا گیا۔ آس پاس موجود، ہر فرد کے بشرے سے اضطراب اور بے یقینی کا اظہار ہو رہا تھا۔ "ہم چلتے ہیں۔" اول خان نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے، میجر انصاری سے کہا۔

"ہاں، ہماری وجہ سے ان لوگوں کے کام میں خلل پڑ رہا ہے۔" کرنل ریاض نے چونکتے ہوئے کہا۔ "ہم دوسرے کنٹینر میں ہی چلتے ہیں۔ وہاں انتظار کرنا زیادہ بہتر رہے گا۔"

"تھینک یو کرنل!" سی او نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "یہ ٹرپل پلس الفا لیول کا معاملہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ تمہارے ساتھی، بھی یہاں سُنے ہوئے ریڈیائی پیغام کو بھول جائیں گے۔"

"سوری سر!" میجر نے اپنی ندامت کا اظہار ضروری سمجھا۔ "میں کرنل ریاض کو یہاں کا سیٹ اَپ دکھانے لایا تھا۔ مجھے یہ امید نہیں تھی کہ ان کی موجودگی میں ہی ڈیزرٹ ٹریپ والوں کی کال آنے لگے گی... ان کے ساتھ اسپیشل ٹاسک فورس کے اول خان اور ان کے ماتحت ہیں۔"

"نیور مائنڈ میجر!" سی او نے خشک لہجے میں کہا اور اپنی میز کی طرف مڑ گیا۔

وہاں سے نکلتے ہوئے، مجھے اول خان پر سخت تاؤ آرہا تھا۔ آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ والوں کی رازداری کے بارے میں پیشہ ورانہ مجبوریاں اپنی جگہ پر تھیں لیکن انہوں نے ہمیں اپنے ہیڈ کوارٹر سے چلے جانے کے لئے نہیں کہا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ ان کی وہ چشم پوشی کرنل ریاض کے رینک اور شاید سینیارٹی کی وجہ سے تھی۔ اگر ہم اسی شرما شرمی میں وہاں مزید کچھ دیر رکے رہتے تو کمانڈر اور کمانڈو لیڈر کی مزید گفتگو سننے میں کامیاب ہو سکتے تھے۔ لیکن اول خان نے اپنی حسّاس طبیعت کی وجہ سے وہاں سے روانگی کا ذکر کر کے، نہ صرف اس امکان کو ختم کر دیا بلکہ ہمیں خفت سے بھی دوچار کر دیا۔

اس بار میجر انصاری نے ہمیں اپنے کنٹینر کے دروازے سے ہی خدا حافظ کہہ دیا۔ شاید وہ، وہیں رک کر اپنے کرنل اِن کمانڈ کے سامنے اپنی پوزیشن صاف کرنی چاہتا تھا۔

کمانڈ اینڈ کنٹرول ہیڈ کوارٹر کا دروازہ بند ہوتے ہی، جب ہم گھور تاریکی میں آ گئے تو میں اول خان پر برس پڑنے کی خواہش رکھنے کے باوجود خاموش رہنے پر مجبور ہو گیا کیونکہ اسی لمحے مجھے یاد آگیا تھا کہ میں سرکاری طور پر اول خان کا دوست نہیں بلکہ ماتحت تھا اور اس وقت کرنل ریاض ہمارے ساتھ تھا۔

"مجھ سے سنگین غلطی ہوئی۔" اپنے کنٹینر کی طرف جاتے ہوئے، کرنل ریاض نے متاسفانہ لہجے میں کہا "پروفیشنل اور اخلاقی ذمے داریوں کا تقاضا تھا کہ میسج شروع ہوتے ہی ہمیں وہاں سے نکل آنا چاہئے تھا لیکن وہ گفتگو اس قدر سنسنی خیز تھی کہ اس میں منہمک ہو کر، میں سب کچھ بھول گیا۔ اب سی او، میجر انصاری سے جواب طلب کرے گا کیونکہ وہی ہم لوگوں کو ہیڈ کوارٹر میں لے گیا تھا۔ ٹرپل پلس الفا رازداری کا وہ لیول ہوتا ہے جہاں انسان اپنے سُنے ہوئے الفاظ کو دہرانے کے تصور سے بھی لرز اٹھتا ہے۔"

"تو کیا ہماری یہاں موجودگی اس سیکرٹ کوڈ سے متصادم نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں" کرنل ریاض کا لہجہ پُراعتماد تھا "یہ انٹر سروسز پبلک ریلیشنز ڈپارٹمنٹ کا اعلیٰ سطحی فیصلہ ہے۔ آپ لوگ ہیلی کاپٹر میں پرواز کر کے وہی دیکھیں گے جو آپ کو دکھایا جائے گا، یعنی اپنی سرزمین پر گھس آنے والے دشمن کی عبرتناک تباہی کا منظر، یہ سب کیوں اور کیسے ہوتا ہے، اس پس منظر سے آپ لوگوں کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن میری غلطی سے یہ سب، آپ لوگوں کے سامنے آگیا ہے۔"

"مکالمات کی حد تک تمہاری بات درست ہے۔" اول خان نے کہا "ہم بظاہر غیر متعلقہ لوگ ضرور ہیں لیکن اتنے بھی غیر متعلق نہیں۔ تم کو علم ہو گا کہ انڈین کمانڈر سے ملنے والے آٹھوں کمانڈوز میری فورس سے مستعار لئے گئے ہیں۔ بین الاقوامی پیچیدگیوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ اہم فیصلہ، اعلیٰ ترین سطح پر کیا گیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ کسی بھی وجہ سے بازی بگڑ جائے اور یہاں سے جانے والے آٹھوں کمانڈوز، سرحد پار پکڑ لئے جائیں تو ان کا تعلق پاکستان کی مسلح افواج سے ثابت نہ ہو سکے۔ وہ ڈاکوؤں کے نمائندے بن کر گئے ہیں اس لئے ان کا آرمی سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے۔"

"ہماری آرگنائزیشن بہت بڑی اور منظم ہے۔" اندھیرے میں کرنل ریاض کی آواز ابھری۔ "میرے بڑوں کو ان تمام باتوں کا علم ضرور ہو گا لیکن میرے لئے تمہاری باتیں حیران کن ہیں۔



ہمارے ڈسپلن میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر شخص کو ہر بات معلوم ہو۔ ہر ایک کو صرف اُسی قدر بتایا جاتا ہے جو اس کے فرائض کی انجام دہی کے لئے ضروری ہو۔ جس طرح میری معلومات نامکمل تھیں، اسی طرح کمانڈنگ آفیسر کو اس مشن میں تمہارے اور ایس ٹی ایف کے رول کے بارے میں تفصیلی معلومات نہیں ہوں گی۔ وہ آپریشن کو کمان کر رہا ہے۔ اس لئے اسے وہی باتیں بتائی گئی ہوں گی جن کا اس مشن کی کامیابی یا ناکامی سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔"

گفتگو آگے جاری نہیں رہ سکی کیونکہ ہم اپنے کنٹینر کے پاس پہنچ گئے تھے اور وہاں، اندھیرے میں مامور، فوجی جوان نے ہمیں پہچان کر کنٹینر کا دروازہ کھول دیا تھا۔

میرے لئے یہ بات طمانیت کا باعث تھی کہ اس آپریشن میں آخری بار ہماری شناخت ہونے کے بعد، کرنل ریاض کی یقین دہانی کے عین مطابق پاس ورڈز دہرانے کا سلسلہ، بالکل موقوف کر دیا گیا تھا۔ ایک بار زندہ و سلامت وہاں آجانے والے لوگوں کے بارے میں یہ یقین کر لیا جاتا تھا کہ وہ ملک کے وفادار اور اتھارٹی کے تحت مجاز افراد ہوں گے۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے ہم شناخت کے جن پے در پے اور کڑے مراحل سے گزر رہے تھے، ان کے پیشِ نظر ہیڈ کوارٹر والوں کا وہ اطمینان کچھ ایسا بے جا بھی نہیں تھا۔

انتظار گاہ میں کیپٹن الیاس، ایک طرف بیٹھا ہوا زیرِ لب بڑبڑا رہا تھا کیونکہ سینئر رپورٹر نے محکمۂ اطلاعات سے آئے ہوئے افسر کو ایک عجیب و غریب بحث میں الجھایا ہوا تھا۔

"میں واپس جا کر اپنے محکمے کے سروس رولز میں ترمیم کرواؤں گا۔" وہ اپنے گرد و پیش میں رُونما ہونے والی حسّاس تبدیلیوں سے بے خبر، پُرجوش لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "مجھے تو ایک بڑی آپریشن کی کوریج کی ہدایت دے کر روانہ کیا گیا تھا۔ مجھے معلوم ہوتا کہ یہ کسی میدانِ جنگ کی براہِ راست کوریج کا معاملہ ہے تو میں میڈیکل سرٹیفکیٹ بھیج کر چھٹی پر چلا جاتا۔ خدا کی پناہ! یہاں کا کوئی بھی لمحہ قاتل ہو سکتا ہے۔ وہ فائرنگ کی زد میں آسکتا ہے۔ دشمن کے لڑاکا طیارے اس پر حملہ کر سکتے ہیں۔ موت اور بھیانک تباہی کے بھیانک امکانات سامنے ہیں لیکن ہمارے یہاں وار رسک الاؤنس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔"

"وار رسک الاؤنس اتنا اہم نہیں ہے۔" سینئر رپورٹر شاید اسے خوف زدہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ "یہ الاؤنس تو اس وقت ملتا ہے جب آدمی، کوریج کے بعد ہنستا کھیلتا ہوا اپنے گھر لوٹے۔ اصل مسئلہ انشورنس کی رقم کا ہے جو تم جیسے کسی فرض شناس، صحافی کی موت کی صورت میں اس کے پس ماندگان کو ملنی ہوتی ہے۔ یہ انشورنس محکمے کی جانب سے ہونا چاہئے۔ تم خود سوچو کہ تم مر گئے تو تمہارے پراویڈنٹ فنڈ اور پنشن کی رقم سے تمہارے بچوں اور ایک بیوہ کا کب تک گزارہ ہو سکے گا؟ اعلیٰ افسر کسی کو بھیجتے ہوئے بغیر اپنے ماتحتوں کو ایسی کٹھن مہمات میں جھونکتے رہتے ہیں۔ زندہ لوٹنے والوں کو کوئی انعام نہیں دیا جاتا۔ کوئی مر جائے تو خالی خولی لفاظی اور زبانی ہمدردیوں سے معاملہ نمٹا دیا جاتا ہے۔"

کرنل ریاض ہمارے ساتھ انتظار گاہ میں واپس آنے کے بجائے ایک کیبن میں رک گیا تھا۔ اس لئے وہ دونوں بحث کرتے رہے۔ آخر کار کیپٹن الیاس کو ان کی گفتگو میں مداخلت کرنی پڑ گئی۔

"آپ لوگوں کے محکمے کے سیکڑوں ملازمین میں سے ایک آدھ کو، اپنی پوری مدتِ ملازمت میں دو چار دن کے لئے ایسے خطرات سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہم لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ہمارے تو افسر اور جوان، اپنے پورے کیریئر میں، دن رات بارود کے دہانے پر بیٹھے رہتے ہیں اور کوئی بھی کسی صلے یا ستائش کی تمنا نہیں کرتا۔"

"یہ پیشوں کا فرق ہے۔ فوج لڑنے کے لئے ہی تیار کی جاتی ہے۔ ہم تو شہری ملازمین ہیں جنہیں صحیح طریقے سے بندوق بھی چلانی نہیں آتی۔" مبصّر نے قدرے بوکھلاہٹ کے بعد جواب ڈھونڈ ہی لیا۔

"وار کوریج میں بندوق نہیں چلانی پڑتی۔ قلم سے رپورٹ ہی لکھنی ہوتی ہے۔ عام شہریوں اور فوجیوں میں کیا فرق ہوتا ہے؟ سب ہی دو ہاتھ پیروں کے مالک ہوتے ہیں۔ اصل فرق تربیت کا ہوتا ہے۔ فوج میں ہر شخص کو بے خوفی کے ساتھ، اپنے بڑوں کے حکم کی تعمیل کرنے کا عادی بنایا جاتا ہے اور دوسرے اداروں میں کسی تربیت کے بغیر، ہر شخص کو میز کرسی الاٹ کر دی جاتی ہے۔ اسی لئے ایک ادارے کے ملازمین بھی یک ذہن ہو کر نہیں سوچتے۔"

کرنل ریاض کے آنے پر وہ گفتگو وہیں منقطع ہو گئی۔ وہ مشغلہ ختم ہوتے ہی سینئر رپورٹر اپنے پیشہ ورانہ تجسس کے تحت میری اور اول خان کی طرف آگیا۔ "تمہاری ان فوجی افسران سے گہری شناسائی معلوم ہوتی ہے۔" اس نے دوستانہ انداز میں، نہایت چالاکی کے ساتھ اول خان سے سوال کیا تھا۔

"بالکل نہیں۔" اول خان میری توقع سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔ "ریڈار روم کا تو بہانہ تھا، ہم باہر تازہ صحرائی ہوا میں ٹہل رہے تھے۔ ان لوگوں کی کوئی بات کوڈ ورڈز سے خالی نہیں ہوتی۔"

"کیا تم اب بھی اس امر پر مُصر ہو کہ تمہارا تعلق کیوبا کی خبر رساں ایجنسی سے ہے؟"

"اس میں کیا شبہ ہے؟" اول خان نے گردن تان کر چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا "معلوم ہوتا ہے کہ ہماری چند منٹ کی غیر حاضری میں مبصر نے پھر تم کو ہمارے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی ہے۔"

"پچھلے سال رومانیہ میں بائیں بازو کے ممالک کے صحافیوں کی ایک عظیم الشان کانفرنس ہوئی تھی۔ وہاں بھی میں نے کیوبا کی کسی ایسی خبر رساں ایجنسی کا ذکر نہیں سنا تھا جو عالمی پیمانے پر کام کرتی ہو۔"

"جہاں پڑھے لکھے اور مہذب افراد رہتے ہیں وہاں ذرائع ابلاغ کا وجود ناگزیر ہوتا ہے۔" اول خان ناصحانہ لہجے میں کہنے لگا۔ "کیوبا میں اخبارات نکلتے ہیں اس لئے وہاں خبر رساں ادارے بھی ہیں۔"

"تم کیوبا سے ہزاروں میل دور' یہاں کیا کر رہے ہو؟" سینئر رپورٹر مطمئن نہیں ہو سکا تھا۔

"تم دیکھ ہی رہے ہو کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔" اول خان نے بے پروائی سے جواب دیا۔

اسی لمحے کنٹینر کے پوشیدہ حصوں میں نصب اسپیکرز پر ایک سخت اور تحکمانہ آواز ابھری۔ "ریڈ الرٹ.... کاؤنٹ ڈاؤن زیرو۔ دشمن حرکت میں آچکا ہے۔ ہر شخص اپنی پوزیشن پر پوری طرح تیار رہے۔ آئی ایس پی آر کی پارٹی اپنے ہیلی کاپٹرز میں پہنچے۔ انہیں اگلی ہدایات ریڈیو اپریٹس پر ملیں گی۔"

میرے وجود میں سنسنی کی لہریں دوڑنے لگیں۔ اس اعلان کا مطلب تھا کہ سرحد پار گئے ہوئے کمانڈوز اپنے مشن میں کامیاب رہے تھے۔ انہوں نے کمانڈر کو تو قائل کر ہی لیا تھا لیکن اُن کی سنائی ہوئی کہانی کی بنیاد پر کمانڈر کو اپنے ہیڈ کوارٹر سے فوری کارروائی کرنے کی اجازت مل گئی تھی اور وہ لوگ اپنی کمین گاہوں سے کوچ کر چکے تھے۔

ہم لوگ کرنل اور کیپٹن کی قیادت میں فوراً ہی وہاں سے اٹھ گئے۔ کیبنوں میں سناٹا کچھ اور گہرا ہو گیا تھا۔ لوگوں کی بے آواز نقل و حرکت میں خاصی تیزی آگئی تھی۔ ہم کنٹینر سے باہر آئے تو رن وے کے دونوں کناروں پر مدھم سی سرخ روشنیاں' جگنوؤں کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ وہاں موجود ہلکے بمبار طیارے کسی بھی لمحے فضا میں بلند ہو سکتے تھے۔

ہمارے ساتھ آئے ہوئے ہوا باز اپنی اپنی نشستوں پر موجود تھے۔ اس وقت بھی ہماری وہی تقسیم برقرار رہی جو آتے ہوئے تھی۔ کیپٹن الیاس کے ساتھ ہم تینوں اپنے لاما میں سوار ہو گئے تو ہوا باز نے ہمیں بتایا کہ پروگرام میں کچھ تبدیلی کر دی گئی تھی۔ سابقہ پروگرام کے مطابق' ہمیں حملہ شروع ہونے کے بعد فضا میں بلند ہونا تھا لیکن اب طے کیا گیا تھا کہ سب سے پہلے دونوں لاما وہاں سے روانہ ہوں گے اور دشمن کے کانوائے سے بہت دور رہ کر بلندی سے ان کا جائزہ لے کر ہیڈ کوارٹر کو رپورٹ دیتے رہیں گے اور فضائی حملے کا آغاز ہونے کے بعد دشمن کی پوزیشنوں کے اوپر پہنچ جائیں گے۔

پچھلے تجربے کی روشنی میں اس بار ہم لوگوں کی ضروریات کی خاصی چیزیں ہیلی کاپٹرز میں پہنچا دی گئی تھیں جن میں طاقتور دوربینیں' بھاری' اونی جرسیاں اور اونی استر والے ہیلمٹ تھے جنہیں اوڑھ لینے کے بعد سر سے گردن تک پورا چہرہ سردی سے محفوظ ہو سکتا تھا۔

زمین پر موسم قدرے خنک ضرور تھا لیکن خوشگوار بھی تھا۔ صحرا میں تاحدِ نظر پھیلی ہوئی تاریکی میں عجیب سا سحر اور سکون پوشیدہ تھا۔ گھور تاریکی میں' پتلی سی عارضی ائر اسٹرپ کے دونوں طرف جلتی ہوئی روشنیاں بھی خوب بہار دکھا رہی تھیں لیکن اس ماحول میں بیٹھ کر بلندی پر پیش آنے والے منفی درجۂ حرارت کا تصور کرنا بھی محال تھا۔

"انجن اسٹارٹ ہونے سے پہلے سب لوگ جرسیاں پہن لیں تو بہتر رہے گا۔" پائلٹ نے ہم لوگوں کو مشورہ دیا "زمین چھوڑتے ہی ہم تیزی کے ساتھ اوپر جائیں گے۔ وہاں آکسیجن کی کمی اور گرتے ہوئے درجۂ حرارت کی وجہ سے ذرا سی نقل و حرکت بھی تھکا ڈالے گی۔ ہیلمٹ ضرورت کے وقت پہن لیں۔"

"چھوٹے ہتھیار کہاں ہیں؟" کیپٹن الیاس نے پائلٹ سے سوال کیا۔

"کیبن کے پچھلے حصے میں موجود ہیں لیکن ہمیں متاثرہ علاقے میں لینڈنگ کے لئے گراؤنڈ کلیئرنس نہیں ملی ہے۔ دشمن کا کوئی بھٹکا ہوا زندہ فوجی گولی مار کر ہمیں گرا سکتا ہے۔ بظاہر خاموشی چھانے کے بعد بھی ہم ڈھائی ہزار فٹ سے کم بلندی پر نہیں آسکیں گے۔ یہ تازہ ترین ہدایات ہیں۔"

"لیکن کراچی سے یہاں تک آنے میں تیل تو ختم ہو چکا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں ایندھن لے لینا چاہئے۔" سینئر رپورٹر نے اپنی دانست میں ایک بنیادی نکتے کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں کی غیر حاضری میں ہیلی کاپٹر کی پوری چیکنگ کر کے ایندھن وغیرہ بھر دیا گیا ہے۔ اس چھوٹے سے ہنگامی رن وے پر بھی ایک ائیروردی نیس انسپکٹر موجود ہے جس کی کلیئرنس کے بغیر کوئی جہاز یا ہیلی کاپٹر گراؤنڈ نہیں چھوڑ سکتا۔ ہم لوگ اپنے فرائض سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ تم ان باتوں کی فکر نہ کرو۔

کراچی سے وہاں آتے ہوئے ہمیں کسی زمینی حملے وغیرہ کا خطرہ نہیں تھا اس لئے ہیلی کاپٹر کم بلندی پر پرواز کرتا ہوا آیا تھا جس سے سردی ہونے کے باوجود درجۂ حرارت تکلیف دہ حد تک گرا ہوا نہیں تھا اور ہوا میں آکسیجن کی مقدار بھی اتنی تھی کہ کسی دشواری کے بغیر سانس لیا جا سکتا لیکن میرا خیال تھا کہ نئی پرواز میں ہمیں آکسیجن ماسک ضرور استعمال کرنے پڑیں گے جو ایک سلنڈر سے منسلک تھے۔

"لاما ون اینڈ ٹو!" ہیلی کاپٹر کے ریڈیو سسٹم پر اچانک ایک آواز ابھری۔ اسی کے ساتھ ریڈار والے کنٹینر پر ایک سرخ بلب روشن ہو گیا۔ "انجن اسٹارٹ کر دو اور ہیڈ کوارٹر پر سرخ بلب کی جگہ سبز بلب روشن ہوتے ہی ائر اسٹرپ چھوڑ دو۔ یہ یاد رہے کہ پرواز کے دوران میں ہر روشنی گل رکھی جائے گی۔"

لاما کا انجن بیدار ہوا اور ہمارے سروں پر پنکھڑیوں کا شور بتدریج زور پکڑنے لگا۔ دوسرے لاما کا انجن بھی چل پڑا تھا۔ فوجی ہیلی کاپٹرز کے انجن اتنے طاقتور تھے کہ پنکھڑیاں چند ہی ثانیوں میں پوری طاقت سے گردش کرنے لگیں۔ میں نے شور سے بچنے کے لئے اپنے سر پر ہیلمٹ چڑھا لیا۔ جس میں ہیڈ فون بھی نصب تھا۔

اچانک ریڈار والی چھت پر جلتا ہوا سرخ بلب بجھ گیا اور فوراً ہی سبز روشنی جل اٹھی۔ پہلے کرنل ریاض والا لاما زمین سے بلند ہوا پھر ہمارے ہیلی کاپٹر نے بھی زمین چھوڑ دی۔ فوراً ہی اس چھت پر روشن ہونے والا سبز بلب بھی بجھ گیا اور دونوں ہیلی کاپٹر' شکاری پرندوں کی طرح فضا میں تیزی کے ساتھ بلند ہونے لگے۔ ان کی پیش قدمی کی رفتار سست تھی لیکن ان کی عمودی رفتار خاصی تیز تھی۔

جوں جوں ہم بلند ہوتے جا رہے تھے' صحرا کا بڑا حصہ ہماری نظروں کے سامنے آتا جا رہا تھا جہاں ہر طرف ریت کے ٹیلے ہی ٹیلے پھیلے ہوئے تھے۔ دونوں کنٹینرز اور ان کے ساتھ کھڑا ہوا ٹینکر ریت کے سمندر میں تاریک دھبّوں کی طرح معدوم ہوتے جا رہے تھے لیکن رن وے کے کناروں پر جلنے والی مدھم' سرخ روشنیاں فاصلہ اور بلندی بڑھ جانے کے باوجود نمایاں نظر آ رہی تھیں۔

میں نے اپنی آنکھوں سے دوربین لگالی۔ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے' اس کا فوکس درست کرنے پر میں حیران رہ گیا کہ ریت کا سمندر مجھے اپنی آنکھوں سے چند فٹ کے فاصلے پر نظر آنے لگا تھا۔

"اب ہم بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر آچکے ہیں۔" مجھے اپنے ہیڈ فون پر کسی پائلٹ کی آواز سنائی دی۔ "نیچے سے ہمارے دیکھ لئے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے لیکن انجنوں کی گونج صحرا میں دور دور تک پھیلے گی اس لئے دشمن کے متوقع روٹ سے شمال میں پرواز جاری رکھی جائے گی۔"

نیچے کا جائزہ لینے میں اندھیرا بہت بڑی رکاوٹ تھا لیکن پھر بھی میں نے ملگجی ریت پر کئی جگہ تاریک لکیریں سی دیکھیں اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ دشمن کی گھات میں بیٹھے ہوئے ہمارے اپنے فوجی ہو سکتے تھے۔

کافی لمبا چکر کاٹ کر دونوں ہیلی کاپٹرز دشمن کے متوقع راستے کے جنوب میں اڑنے لگے۔ اس طرف مجھے متعدد کالے کالے متحرک دھبے نظر آئے اور میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہو گئیں۔

"وہ دیکھو' وہ دیکھو!" اچانک اول خان کی اضطراری آواز نے ہم سب کو چونکا دیا۔ وہ دوسری طرف کی کھڑکی سے دوربین لگائے سیٹ سے تقریباً اٹھ کر باہر دیکھ رہا تھا۔ "یہ یقیناً سرحد پار سے آنے والوں کا کارواں ہے۔ بہت سی گاڑیاں ایک قطار میں بڑھتی ہوئی نظر آ رہی ہیں اور ان کی تمام بتیاں روشن ہیں۔"

سب اسی طرف کی کھڑکیوں پر لپکے' لمحے بھر کے لئے ہیلی کاپٹر کا توازن بری طرح بگڑا لیکن پائلٹ نے مہارت کے ساتھ اسے سنبھال لیا لیکن اس دوران میں لاما ایک جھٹکے سے کئی سو فٹ نیچے چلا گیا تھا۔

"سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں۔" ہیڈ فون پر پائلٹ کی آواز ابھری۔ "دورانِ پرواز ایسی نقل و حرکت خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔ میں نے دشمن کے کانوائے کو دیکھ لیا ہے۔ میں ہیلی کاپٹر کو ایسی پوزیشن میں لے آؤں گا کہ دوسری طرف والے بھی اپنی جگہوں پر بیٹھے بیٹھے یہ نظارہ دیکھ سکیں گے۔"

چند منٹ بعد وہ منظر میری دوربین کی بھی گرفت میں آگیا۔ تاریک صحرا کے سینے پر بے شمار چھوٹی اور بڑی گاڑیوں کا ایک روشن کارواں خاصی تیز رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا۔ بیشتر گاڑیوں پر وزنی ساز و سامان لدا ہوا تھا۔ جو پوری طرح ترپالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ میں نے اپنی دوربین کا فوکس مزید درست کیا اور دیکھا کہ اس طویل کارواں میں بغیر چھت کی کوئی گاڑی نہیں تھی۔ کمانڈر کے ساتھ آنے والے سادہ پوش دہشت گرد بھی بند ٹرکوں میں سفر کر رہے تھے۔ اس لئے ان کی تعداد کا اندازہ لگانا دشوار تھا لیکن قافلے کی طوالت کو دیکھتے ہوئے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ڈیڑھ سو سے زائد' عام اور بڑے سائز کے فوجی ٹرک تھے۔ فی گاڑی ایک ڈرائیور اور ایک مددگار کے حساب سے تین سو کی نفری تو اسی عملے کی تھی۔ اگر دو ڈھائی سو کمانڈو بھی سفر کر رہے تھے تو دشمن کی کل نفری پانچ سو سے کسی طرح کم نہیں تھی۔

"یہ آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہمیں چکر کاٹ کر ان کے عقب میں دیکھنا چاہئے کہ ہمارے دستوں نے ان کی واپسی کا راستہ بند کر دیا ہے یا ابھی اس میں دیر ہے؟" ہیڈ فون میں کرنل ریاض کی آواز ابھری۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنے دونوں پائلٹوں کو پرواز کے راستے کے بارے میں ہدایات دے رہا تھا۔

فوری طور پر دونوں ہیلی کاپٹرز نے ایک طویل چکر لیا اور وہ کارواں ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ واپس سرحد کی طرف مڑتے ہی ہمیں ملگجی ریت پر سیاہ متحرک دھبے نظر آنے لگے جو اسی سمت میں سفر کر رہے تھے جدھر دشمن کا کارواں جا رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ دشمن کے دوسرے پہلو پر بھی صورتِ حال اس سے مختلف نہیں ہوگی۔

تاریک صحرا کے سینے پر نظر آنے والے وہ مناظر بہت بھیانک اور روح فرسا تھے۔ مہلک اور جدید ترین اسلحے اور ہتھیاروں سے لیس تین لشکر ایک دوسرے کے متوازی آگے بڑھ رہے تھے۔ درمیان میں دشمن کا کارواں اجل کی راہ پر بڑھ رہا تھا لیکن فکر انگیز بات یہ تھی کہ ان کے ساتھ ایس ٹی ایف کے وہ آٹھ جیالے کمانڈو بھی پھنسے ہوئے تھے جو ڈاکوؤں کے بہروپ میں سرحد پار کر کے کمانڈر اور اس کے قافلے کو اس راہ پر ہانک کر لے آئے تھے۔

پائلٹوں نے ہیلی کاپٹرز کی بلندی قدرے کم کر دی تھی۔ سرحد سے کئی کلومیٹر پہلے' جب انہوں نے رخ گھمایا تو دشمن کے عقب میں بھی تاریک گاڑیوں کا قافلہ رواں نظر آیا جس کا مطلب تھا کہ آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ کے منصوبے کے عین مطابق' دشمن کی مسلح نفری کو اپنی سرزمین پر تین اطراف سے گھیر لیا گیا تھا۔ اس

یو فارمیشن میں پھنس جانے کے بعد دشمن کے ایک سپاہی کے بھی بچ نکلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

اس منصوبہ بندی کی خاص بات یہ تھی کہ ہتھیاروں کے لحاظ سے دشمن کے عقب میں بڑھنے والی فارمیشن بہت مہلک اور مضبوط نظر آ رہی تھی کیونکہ متعدد گاڑیوں پر مارٹر اور چھوٹے دہانے کی توپیں بھی نظر آ رہی تھیں جو گولہ باری کرکے دشمن کو تیزی سے ہلاک کر سکتی تھیں۔

"اس مہم کے لحاظ سے پچھلی لائن کی تیاریاں کچھ زیادہ ہیں۔" کیپٹن الیاس بتانے لگا۔ "مارٹر اور توپوں کے استعمال سے پہلے ہی دشمن کا کام تمام ہو جائے گا۔ ری کوائیل لیس رائفلیں اور ملٹی بیرل راکٹ لانچر ہی ان کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہوں گے۔ آج کی رات واقعی خون کو گرمانے والی رات ہوگی۔"

"ملٹی بیرل راکٹ لانچر وہی تو نہیں تھا جو ایک ٹرک پر شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح نظر آ رہا تھا؟" میں نے سوال کیا کیونکہ فوجی ہتھیاروں کے بارے میں میری معلومات خاصی ناقص تھیں۔

"ہاں' ایم بی آر ایل بتیس یا چھتیس راکٹ لانچرز کی ایک بیٹری ہوتی ہے۔ ان تمام راکٹوں کو ایک ایک کرکے یا بیک وقت فائر کیا جا سکتا ہے۔ انہیں بیک وقت فائر کیا جائے تو یہ ایک وسیع علاقے میں تباہی پھیلا دیتے ہیں۔"

"رائفلوں سے اس مقابلے میں کیا کام لیا جا سکے گا؟" سینئر رپورٹر نے مرعوب لہجے میں سوال کیا۔

"میں نے رائفل نہیں' ری کوائل لیس رائفل یا آر آر کا ذکر کیا تھا۔ اسے ہم اصطلاحاً رائفل کہتے ہیں ورنہ یہ ٹرائی پاڈ سے فائر کرنے والی ہلکی توپ ہی ہوتی ہے جو تین انچ کا گولا فائر کرتی ہے۔ یہ پچھلی فارمیشن کا اسلحہ ہے کیونکہ یہ فائر آگے بھی نکل گیا تو اپنے آدمیوں کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ پہلوؤں سے اس کا استعمال کرنا ناممکن ہے۔ دشمن درمیان میں ہے اور ہمارے آدمی دونوں اطراف میں ہیں۔ زاویے کی ذرا سی غلطی سے گولا دشمن کو نقصان پہنچائے بغیر' دوسری طرف بیٹھے ہوئے' اپنے یونٹوں پر گر سکتا ہے اس لئے پہلوؤں پر موجود فوجی لائٹ مشین گنوں اور جی تھری رائفلوں کے استعمال پر اکتفا کریں گے تاکہ بھڑک کر کارواں سے فرار ہونے والے بھگوڑوں کا خاتمہ کر سکیں۔"

میرا دل دشمن کے کارواں میں پھنسے ہوئے ان آٹھ جیالوں میں اٹکا ہوا تھا جو ہر صورت میں غازی بننے کے حق دار تھے لیکن وہاں دونوں ہیلی کاپٹرز میں' سب لوگ ایک دوسرے کی گفتگو سن رہے تھے۔ اس لئے میں مہم کے اس خفیہ پہلو کے بارے میں لب کشائی کی ہمت نہیں کر سکا۔

"عقبی محاذ کو اتنا مضبوط کرنے میں کیا مصلحت پوشیدہ ہے؟" وہ سوال آزاد نامہ نگار کا تھا۔

اس کا مخاطب کرنل ہی رہا ہوگا لیکن جواب دینے کی ذمے داری کیپٹن الیاس نے سنبھالی ہوئی تھی اس لئے وہ بولا "پہلے حملے کے ساتھ جوں ہی دشمن کو سنگین خطرے کا احساس ہوگا تو وہاں بے رحم صحرا میں اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے اپنی سرحدوں میں واپس لوٹنے کے لئے پلٹے گا۔ اس کی بزدلی کم نظری یہی راہ لے گی اس لئے وہاں ان کی تواضع کا معقول بندوبست کیا گیا ہے۔ ایسی مہمات میں بہتیرے فیصلے انسانی فطرت اور نفسیات کو مدِنظر رکھ کر کیے جاتے ہیں۔"

"انہیں دو میل اندر لانے کے بعد حملہ کرنا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ تو آٹھ دس کلومیٹر اندر آ چکے ہیں۔ ان کی رفتار خاصی تیز ہے۔" سینئر رپورٹر نے ایک اچھا سوال کیا۔

"تمہارا خیال درست ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آخری لمحات میں حکمتِ عملی میں کوئی تبدیلی کی گئی ہو۔ ویران صحرا میں بمباری کے دھماکوں اور فائرنگ کی آوازیں دور تک گونجیں گی۔ مقابلہ سرحد سے جتنی دور ہو' اتنا ہی بہتر رہے گا اور ان کے' سرحد پر رہ جانے والے ساتھیوں کو کچھ علم نہیں ہو سکے گا۔ ایسے علاقوں میں درمیانے اسلحے کی آواز' دو میل کے فاصلے سے بھی بہ آسانی سنی اور پہچانی جا سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی لئے انہیں مزید ڈھیل دی جا رہی ہو۔"

اس وقت ہیلی کاپٹرز تاریک اور ویران صحرا پر پرواز کر رہے تھے کہ اچانک فضا میں ایک جیٹ انجن کا شور سنائی دیا۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے' ائربیس پر کھڑا ہوا ایک ہلکا بمبار طیارہ' ہم سے بہت نیچے سے گزرا۔ ہیلی کاپٹرز کی طرح اس کی بھی تمام روشنیاں گل تھیں اور اس کا رخ اسی سمت میں تھا جہاں ہم نے دشمن کا کارواں دیکھا تھا۔

پائلٹوں نے پھرتی کے ساتھ ہیلی کاپٹرز کا رخ اسی طرف کر لیا کیونکہ حملہ شروع ہو جانے کے بعد ہمیں دشمن کے قافلے پر پرواز کرنے کی اجازت ملی ہوئی تھی۔

وہ ہلکا بمبار طیارہ کسی بلائے ناگہانی کی طرح کمانڈرز کے قافلے پر حملہ آور ہوا۔ پے در پے تین ہولناک دھماکے ہوئے۔ دھماکوں کے ساتھ ہی' شاید اس کارواں کے متعدد ٹرکوں میں آگ لگ گئی اور ان میں موجود اسلحے کے ذخائر دھماکوں سے تباہ ہونے لگے۔ اسی کے ساتھ وہاں فائرنگ کا ہولناک شور گونجنے لگا۔

اسی اثنا میں وہ منظر ہماری نظروں کے سامنے آ گیا۔ وہ کارواں چلتے چلتے رک گیا تھا۔ ان میں سوار عملہ اور تمام فوجی بوکھلاہٹ میں اپنی گاڑیاں چھوڑ کر ریت میں کود چکے تھے۔ ان کی خوف کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے بہت سی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس بھی بجھائے تھے۔ وہ گاڑیوں سے کود کر دونوں طرف بیٹھے کے لیٹے ہوئے اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس وار میں ان کے متعدد ٹرک بری طرح تباہ ہو چکے تھے۔ کئی ٹرکوں کے بکھرے ہوئے ملبے سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ دو ٹرک کسی چتا کی طرح دھڑا دھڑ جل رہے تھے۔ اور ایک ٹرک بارود کے دھوئیں میں گھرا ہوا تھا اور اس پر بڑے تواتر کے ساتھ وقفے وقفے سے بھاری دھماکے ہو رہے تھے۔ ہر دھماکے کے ساتھ دھات اور لوہے کے سیکڑوں چھوٹے چھوٹے ٹکڑے فضا میں ہر طرف تیرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

ہیلی کاپٹرز کی بلندی خاصی کم ہو گئی تھی۔ دھوئیں کے بادلوں کے باوجود وہاں لگی ہوئی آگ سے اتنی روشنی پھیل گئی تھی کہ ہمیں اپنی دوربینوں سے ساری جزئیات بالکل صاف نظر آ رہی تھیں۔

ہمارے ہیلی کاپٹرز نے نہایت سست رفتاری کے ساتھ اس کارواں کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پرواز کی۔ اس دوران میں ہمیں وہاں متعدد جھلسی ہوئی' مسخ شدہ اور خون آلود لاشیں بھی نظر آئیں۔ نیچے ریت' پر پڑے ہوئے فوجیوں نے ہیلی کاپٹرز کے انجنوں کے شور سے خوف زدہ ہو کر ہماری طرف بے تحاشا گولیاں چلائیں لیکن ہم ڈھائی ہزار فٹ کی محفوظ بلندی پر پرواز کر رہے تھے۔ اس لئے تمام گولیاں بہت نیچے سے ہی آتشِ قتل کا ایندھن بن گئیں۔

بمبار طیارے کے ہوا باز نے کمالِ مہارت کے ساتھ دشمن کی فارمیشن کے اگلے حصے کو نشانہ بنایا تھا جس کے نتیجے میں سب ہی نے تباہی کا وہ منظر دیکھا اور جو گاڑی جہاں تھی' وہیں چھوڑ دی گئی۔ وہ طیارہ اپنا مشن پورا کرکے ایندھن اور بم لینے کے لئے ائربیس کی طرف واپس جا چکا تھا۔ مجھے تشویش ہو رہی تھی کہ دوسرا بمبار کہاں ہو گیا تھا۔

آخر کار ہمارے دونوں لاما' اس کاروان کے وسطی حصے پر فضا میں معلق ہو گئے۔

ہمارے سروں پر پنکھوں کا شور تھا اور نیچے آگ' دھوئیں' دھماکوں اور فائرنگ کے شور کا بازار گرم تھا۔ دشمن کے لئے وہ سب اس قدر غیر متوقع اور ہولناک ثابت ہوا تھا کہ وہ اس حملے کی دہشت پر قابو پا کر کوئی دفاعی حکمتِ عملی اختیار کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکے تھے۔

ایک مرتبہ پھر فضا طیارے کے انجن کے شور سے گونجنے لگی۔ ہمارے پائلٹوں نے لاما فوراً فضا میں اوپر اٹھا لئے۔ آنے والے طیارے نے ہم سے نیچے ایک طویل چکر کاٹ کر محاذ کا جائزہ لیا۔ جہاز کو دیکھتے ہی وہاں موجود فوجیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ پائلٹ نے سامنے کے رخ سے پوزیشن لی اور وہ طیارہ اس قطار پر تیزی کے ساتھ بم گراتا ہوا' کارواں کے عقبی حصے سے فضا میں اوپر اٹھتا چلا گیا۔ طیارے کے پیٹ سے نکلنے والے ساتوں بم ہمیں بالکل صاف نظر آئے تھے۔ اس بار چار ٹرک اڑ گئے۔ دو بم طیارے کے نیچا ہونے کی وجہ سے بھٹک کر ریت میں جا گرے اور بھاگنے والے بے شمار فوجیوں کے جسموں کے چیتھڑے اڑ گئے۔ فضا میں ریت اور دھوئیں کے بادل دور دور تک پھیل گئے تھے۔

اسی اثنا میں کارواں کے عقب میں موجود فوجی دستے حرکت میں آ گئے۔ جلتی ہوئی گاڑیوں کی وجہ سے ان لوگوں کو اپنے نشانے کے تعین کی سہولت حاصل ہو چکی تھی اس لئے پیچھے سے آر آر کا فائر آیا اور گولہ عین کارواں کے وسط میں گر کر پھٹ گیا۔ اس بار لوہے کے ٹکڑے فضا میں کافی اوپر تک اڑے تھے۔

اس بار بمبار طیارہ اپنا وزن ہلکا کرنے کے بعد واپس نہیں گیا بلکہ ایک چکر کاٹ کر میدان پر آیا اور بھاگتے ہوئے فوجیوں پر مشین گن سے تباہ کن فائر کھول دیا۔ ہر طرف خون ہی خون اور لاشیں ہی لاشیں نظر آنے لگی تھیں۔

فضا میں اڑتی ہوئی گرد کچھ صاف ہوئی تو میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس بار طیارہ شکن توپوں سے لدے ہوئے دو بھاری ٹرک بھی بمباری کی زد میں آئے تھے۔ ان پر بندھی ہوئی ترپالیں راکھ ہو گئی تھیں اور ٹیڑھی میڑھی توپوں کے مہیب آہنی ڈھانچے ٹرکوں میں لگی ہوئی آگ میں سلگ رہے تھے۔

کچھ حواس باختہ فوجی بمبار طیارے کی فائرنگ سے بوکھلا کر پھر کارواں کی طرف پلٹ پڑے۔ اس وقت وہ اپنے ٹرکوں میں محفوظ تھے اور نہ انہیں کھلے صحرا میں امان تھی۔ ان کے تیزی سے بھاگنے والے ساتھی' اندھیرے میں روپوش پاکستانی فوجیوں کے ہاتھوں لقمۂ اجل بننے شروع ہو گئے تھے۔ اندھیرے سے نازل ہونے والی اس ناگہانی افتاد نے انہیں پاگل کر دیا تھا۔

اس بلندی سے میں نے دوربین کی مدد سے دیکھ لیا تھا کہ معرکے کا آغاز ہوتے ہی ہمارے فوجی دستوں نے کارواں کے اگلے حصے کو بھی گھیر لیا تھا اور اب وہ لوگ مکمل محاصرے کی حالت میں تھے۔ کارواں کی طرف لوٹنے والے فوجیوں نے قطار میں سے' دو صحیح سالم ٹرک تیزی کے ساتھ باہر نکالے۔ قرب و جوار میں موجود اور اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے فوجی کچھ سوچے سمجھے بغیر' اندھا دھند ان ٹرکوں میں گھسنے لگے اور وہ دونوں ٹرک چکر کاٹ کر تیزی کے ساتھ اپنی سرحد کی طرف روانہ ہو گئے۔

"انہیں فالو کرو!" کرنل ریاض کی گمبھیر آواز سنائی دی اور دونوں ہیلی کاپٹر ریت میں دوڑتے ہوئے ان ٹرکوں پر پرواز کرنے لگے۔ اس بلا کو اپنے سروں پر مسلط پا کر' چند فوجیوں نے ایک ٹرک کے پچھلے حصے سے باہر جھول کر ہم پر گولیاں برسانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ ٹرک تیز رفتاری کے باعث بری طرح اچھل رہے تھے اس لئے ان میں ایک شدید جھٹکے کی وجہ سے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گردن کے بل ریتیلی چٹان پر گر گیا۔ اس وقت کسی کو کسی سے کوئی ہمدردی نہیں رہی تھی۔ وہ سب ہانکے میں آئے ہوئے وحشت زدہ درندوں کی طرح اپنی اپنی فکر میں مبتلا تھے اس لئے کسی نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ٹرک سے گرنے والا زخمی ہوا تھا یا گردن تڑوا کر جہنم واصل ہو چکا تھا۔

وہ سب اپنی دانست میں آزادی' سلامتی اور زندگی پا لینے کی راہ پر فرار ہو رہے تھے اور دوسری طرف اجل ان کی تدبیروں پر بے رحمی سے مسکرا رہی تھی۔

پیچھے موجود فوجیوں نے تیزی کے ساتھ بڑھتے ہوئے ان ٹرکوں کو دیکھ لیا تھا۔ اِدھر سے یکے بعد دیگرے دو راکٹ فائر کئے گئے اور

وہ دونوں ٹرک اپنے سواروں سمیت ٹکڑوں میں بکھر کر آگ کے شعلوں میں گھِر گئے۔ ان ٹرکوں کی ایندھن کی بڑی بڑی ٹنکیاں اس وقت عذاب بنی ہوئی تھیں اور ہر طرف آگ بھڑکانے کا باعث بن رہی تھیں۔

ہم اُدھر سے واپس ہوئے تو پھر ایک بمبار فضا میں منڈلا رہا تھا۔ اس بار گولہ بارود سے بھرا ہوا ایک ایسا ٹرک ہِٹ ہوا جس پر لدا ہوا گولہ بارود پھٹنے سے' آدھے سے زیادہ کارواں تباہی اور آگ کی زد میں آگیا۔ ان ہی خود کار دھماکوں میں بارود سے لدے ہوئے ایک اور ٹرک نے آگ پکڑلی اور وہاں ہولناک دھماکوں کا ایک نہ ختم ہونے والا بھیانک سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس وقت تک دشمن کے سارے فوجی کارواں کو اس کے حال پر چھوڑ کر فرار ہوچکے تھے۔ ان پر جہاز سے بھی گولیاں برسائی جارہی تھیں اور فوجی دستے بھی انہیں مارنے میں مصروف تھے۔

آپریشن بیس کے ہنگامی ہوائی اڈے پر موجود بمبار طیاروں کی جنگی حکمتِ عملی کافی دیر بعد میری سمجھ میں آسکی۔ سی او نے دونوں جہازوں کو ایک ساتھ روانہ کرنے کے بجائے انہیں الگ الگ بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا اس لئے ان کے حملوں میں ری فیولنگ اور لوڈنگ کی وجہ سے' کسی بھی وقت زیادہ وقفہ نہیں آنے پایا۔ تھا ایک جہاز ائربیس پر لینڈ کرتا تھا تو دوسرا دشمن کے کارواں پر جہنم کے دہانے کھولنے میں مصروف ہوجاتا تھا۔

دشمن کے فوجیوں کی بھاری تعداد ہلاک اور زخمی ہوئی تھی۔ آگ اور دھوئیں کے بادلوں کی اوٹ میں جابجا معذور زخمی' زندگی کی آرزو میں سسک رہے تھے لیکن اس خون آشام معرکے میں کوئی اُن کا پُرسانِ حال نہیں تھا۔ اس معرکۂ بلا خیز میں جو فوجی مرنے یا زخمی ہونے سے بچے ہوئے تھے' وہ اپنی ساری پیشہ ورانہ شان و شوکت کو بھول کر' خوف زدہ چوہوں کی طرح صحرا میں اِدھر اُدھر بلبلاتے پھر رہے تھے۔

وہ کسی بھی طرح کوئی دل خوش کن منظر نہیں تھا۔ مارنے والے بھی انتقام اور دشمنی کے جذبات کے تحت' ولولے کے ساتھ انہیں مار رہے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس ماحول کا ایک کردار بن جانے کے بعد وہ مشینی انداز میں اپنے فرائض انجام دے رہے تھے اور یقیناً ان کے دلوں میں خوشی کا کوئی جذبہ نہیں رہا ہوگا۔ دراصل وہ سب مکافاتِ عمل کے ایک بھیانک دَور سے گزر رہے تھے جو اماوس کی تاریک راتوں میں نظر آنے والے کسی ڈراؤنے خواب سے کم نہیں تھا۔

سرحد پار سے کمانڈر کی سربراہی میں آنے والوں کو قبل از وقت گھیر گھار کر وہاں لایا گیا تھا لیکن حقیقت یہ تھی وہ اپنی کمین گاہوں میں دبک کر اکیس ستمبر کی رات کو ہمارے علاقے میں کہیں زیادہ بڑی وہشت اور بربریت پھیلانے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ ان کے عزائم ہماری جنگی مشین کے خلاف نہیں تھے بلکہ وہ سب' ہزار پا طاغوتی بلاؤں کی طرح معصوم اور بے گناہ شہریوں میں گھس کر وہاں ناقابلِ تصور تباہی اور بربادی کے منصوبے بنا رہے تھے۔ وہ ہمارے فوجیوں سے بچ کر شہروں اور قصبوں میں اپنے ہمدردوں تک پہنچنا چاہتے تھے لیکن کاتبِ تقدیر ان کی تدابیر پر خندہ زن تھا۔ جو کچھ وہ ہماری آبادیوں کے ساتھ کرنا چاہ رہے تھے' وہی اُن پر لوٹا دیا گیا تھا۔

اس لیے ہمارے ہتھیار ان سے دور تھے' رائفلیں کافی فاصلہ پر گونج رہی تھیں لیکن یہ اُن کی بدبختی تھی کہ وہ اپنے ساتھ لائے ہوئے ہولناک بارودی ذخائر کی آگ میں جل مر رہے تھے۔ دوسروں کے لئے ہلاکت اور تباہی کا کنواں کھودنے والے' خود ذلت کے اسی کنوئیں میں تہ نشین ہوتے چلے جارہے تھے۔

اس وقت دونوں بمبار واپس لوٹ چکے تھے۔ ہمارا ہیلی کاپٹر ہلکے ہلکے ہچکولے لیتا ہوا' فضا میں بہت زیادہ سست روی کے ساتھ آگے پیچھے ہو رہا تھا کہ نیچے کسی طاقتور لاؤڈ اسپیکر پر کسی کی آواز گونجتی ہوئی محسوس ہوئی۔ بارود کے بھڑکتے ہوئے ذخائر میں ہونے والے ہولناک دھماکوں میں وہ آواز کچھ اس طرح ابھر اور ڈوب رہی تھی کہ ابتدا میں وہ مجھے اپنا وہم محسوس ہوا لیکن اوّل خان نے مجھے چونکا دیا۔

"نیچے فیلڈ میں کوئی اعلان ہو رہا ہے۔" اس نے رائے ظاہر کی تھی۔

وہ میرا ہم خیال تھا اس لئے میرا شبہ یقین میں بدل گیا اور میں نے اپنے کان اسی آواز پر مرکوز کردیے۔

چند ثانیوں تک توجہ مرکوز کرنے کے بعد دھماکوں وغیرہ کی آوازیں مجھے مغلوب محسوس ہونے لگیں اور وہ انسانی آواز ہر شور پر غالب آنے لگی۔

"میں پھر بتا رہا ہوں کہ تم لوگ چاروں طرف سے گھیرے جاچکے ہو۔" وہ دبنگ آواز سرحد پار سے آئے ہوئے دہشت گردوں اور تخریب کاروں سے مخاطب تھی۔ "مقابلہ کروگے تو ہر طرف موت تمہارا مقابلہ کرے گی۔ لیکن ہمارا مقصد انسانی خون کی ہولی کھیلنا نہیں ہے۔ ہماری کارروائی محدود مقاصد کے لئے تھی۔ ہم تمہاری قوت کا شیرازہ بکھیر کر تمہارے منصوبہ سازوں کا غرور خاک میں ملانا چاہتے تھے اور ہم نے یہ مقصد حاصل کرلیا ہے۔ تم میں سے جو لوگ اپنے ہتھیار پھینک کر دونوں ہاتھ اپنے سروں پر رکھ کر ہماری طرف آئیں گے انہیں ہر طرح امان دی جائے گی۔ ان پر گولی نہیں چلائی جائے گی لیکن جو شخص بھی ہتھیار بند نظر آیا اسے بے رحمی سے بھون کر رکھ دیا جائے گا۔ جن لوگوں کو اپنی جانیں پیاری ہیں وہ اپنے سروں پر ہاتھ باندھ کر کسی بھی طرف دوڑ لگادیں۔ ہمارے جوان ہر طرف موجود ہیں۔ میں بیس تک گنتی گنوں گا۔ اس کے بعد ہی ہم پیش قدمی شروع کردیں گے۔ پھر جو نظر آیا وہ مارا جائے گا....ون....ٹو....."

اس طرف سے رک رک کر گننا شروع کر دیا گیا۔ اس آواز میں عجیب سا جلال اور دبدبہ پنہاں تھا۔



میں نے دوربین کو میدان پر گھمانا شروع کر دیا۔ گنتی کا آغاز ہوتے ہی دو فوجی اپنی رائفلیں پھینک کر' دونوں ہاتھ اپنے سروں پر باندھ کر تیزی سے ایک طرف دوڑے تھے لیکن ان کا انجام بہت دردناک ہوا۔

جنگ کے خوفناک اور لرزہ خیز ماحول میں بدترین شکست سے دوچار ہونے کے احساس نے ان میں سے بہتیرے فوجیوں کے دماغ الٹ دیے تھے۔ دشمن کے کسی اعلیٰ افسر کی آواز پر لبیک کہنے والے ان دو ہوش مندوں کا ردِّ عمل ایسے پاگلوں کو پسند نہیں آیا۔

ہتھیار ڈالنے کے اس منظر پر انہوں نے بیک وقت کئی خود کار رائفلیں چلائیں۔ جگنوؤں کے غول کی طرح اڑتی ہوئی' بے شمار گولیاں' پشت سے ان دونوں کے جسموں میں پیوست ہوگئیں اور وہ تڑپے بغیر وہیں گر کر ڈھیر ہوگئے۔ اس واقعے کے ساتھ ہی وہاں دھادھند گولیاں چلنے لگیں۔

چند ہی ثانیوں میں صورتِ حال واضح ہوگئی۔ گنتی گننے والے افسر کی پیشکش کا اعلان ہوتے ہی ہزیمت خوردہ لشکر کے بچے ہوئے سپاہی' ذہنی طور پر دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک گروہ ہتھیار ڈال کر اپنی جانیں بچانے پر آمادہ تھا لیکن بہت سے جنونی آخری سانس تک لڑنے مرنے پر تلے ہوئے تھے۔

"ہر شکست میں صدیوں سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔" ان کی باہمی خوں ریزی پر اول خان نے دل گداز لہجے میں کہا "جنگ کے شرکا کا' زندگی پر سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ خاص طور پر ہارنے والے بہت حساس اور مغلوب الغضب ہوجاتے ہیں۔ اب دیکھنا کہ یہ اپنا کتنا جانی نقصان کرتے ہیں۔"

ہمارے اور دشمن کے ہتھیاروں کی آوازوں میں نمایاں فرق تھا۔ ہماری فوج کے ایک افسر نے دشمن کو مشروط معافی کی پیشکش کی ہوئی تھی اور اس کی گنتی جاری تھی اس لئے ہماری طرف سے کوئی فائر نہیں ہو رہا تھا۔ بس وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کو چھلنی کیے جارہے تھے۔

"ہیلی کاپٹرز میں انجن اور پنکھڑیوں کے شور میں فائرنگ کی آواز بالکل نہیں سنائی دیتی لیکن حیرت ہے کہ ہم دشمن کی جی تو رائفلوں کی آوازیں پہچان سکتے ہیں۔" اول خان نے میری طرف جھک کر کہا۔

"یہ ارتکاز کی بات ہے۔" سینئر رپورٹر نے کہا "میں نے تو اپنے فوجی افسر کے اعلان کا ایک ایک لفظ صاف سنا تھا جو وہ کسی لاؤڈ اسپیکر پر کر رہا تھا۔"

"یہ ہیلی کاپٹر کی ساخت یا ارتکازِ توجہ کا معاملہ نہیں ہے بلکہ تم لوگوں کو نیچے رُونما ہونے والے واقعات کی زیادہ سے زیادہ تفصیلات فراہم کرنے کے لئے لاما ون کے نچلے حصے میں ایک بہت حساس اور خصوصی مائیکرو فون لگایا گیا ہے جو ہیلی کاپٹر کے مواصلاتی نظام کے ذریعے ہر آواز کو ہیڈ فونز تک پہنچا رہا ہے ورنہ پچاس ساٹھ سات سو فٹ کی بلندی سے بھی رائفلوں کی آواز کو سننا ناممکنات میں سے ہے۔" کیپٹن الیاس نے کہا۔

اس کے انکشاف پر میں دل ہی دل میں شرمندہ ہو کر رہ گیا کیونکہ سینئر رپورٹر کی طرح مجھے بھی اپنی قوتِ ارتکاز اور سماعت پر کچھ ناز ہو چلا تھا۔

آپس کی اس جنگ میں' آناً فاناً میں دشمن کے بچے ہوئے بیشتر سپاہی ملوث ہوگئے کیونکہ صرف اپنی رائفلوں کے شور اور شاید چھلنی ہوجانے والوں کی دلدوز چیخوں سے' ان میں سے ہر ایک نے آپس کی پھوٹ کا اندازہ لگالیا تھا۔ شکست کے آخری مراحل پر ایسے تصادم کے اسباب بھی بہت واضح ہوتے ہیں اس لیے وہ لڑائی زور پکڑ گئی تھی لیکن اس میدانِ کارزار سے باہر رہ جانے والے متعدّد فوجی اپنے ہاتھ سروں پر باندھ کر مختلف سمتوں میں بھاگ نکلے تھے گنتی گیارہ تک پہنچتے ہی نیچے فائرنگ دم توڑ گئی۔ ان لوگوں کے پاس وہی میگزین تھے جو ان کی رائفلوں میں چڑھے ہوئے تھے۔ فراخ دلانہ فائرنگ کے نتیجے میں ان کے سارے ہی میگزین آناً فاناً میں خالی ہوگئے اور پھر دوربین کے عدسوں میں بہت سے انسانی ہیولے' اپنے سروں پر ہاتھ باندھے' جلتے ہوئے بارودی کارواں سے دور بھاگتے ہوئے نظر آنے لگے۔ وہ سب پوری قوت کے ساتھ مختلف سمتوں میں دوڑ رہے تھے۔ جس کا جدھر مُنہ سمایا' وہ اسی طرف بھاگ نکلا تھا۔ اپنے گردوپیش میں موت کی بھیانک ارزانی دیکھ لینے کے بعد وہ کسی جائے امان کی تلاش میں تھے۔

"فیول جواب دینے والا ہے سر!" ہیڈ فون پر ہمارے لاما کے پائلٹ کی آواز ابھری۔ "یہ پرواز ہماری توقع سے کہیں زیادہ طویل ثابت ہوئی ہے۔"

"اِدھر بھی یہی پوزیشن ہے۔" لاما ون کے پائلٹ کی آواز سنائی دی۔ "ہم نے فوراً واپسی کی راہ اختیار نہ کی تو ائربیس پہنچنے سے پہلے ہی کہیں لینڈ کرنا پڑے گا۔"

"بیک ٹو ائربیس۔" کرنل ریاض کی تحکمانہ آواز ابھری۔

"یہ ٹنکیاں اتنی چھوٹی ہیں تو ہم اتنے کم ایندھن کے ساتھ کراچی سے ہیڈ کوارٹرز تک کیسے پہنچ گئے تھے؟" مبصّر کی حیرت اور خوف میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

اس اثنا میں دونوں ہیلی کاپٹرز ایک پہلو پر جھک کر' تیزی کے ساتھ واپسی کے سفر پر روانہ ہوچکے تھے۔ دشمن کے وہشت گرد کارواں کی جلتی ہوئی چتا پیچھے ہوتی جارہی تھی۔

"پہلی بات تو یہ کہ وزن ہلکا رکھنے کے لئے لاماز کی صرف ایک ٹنکی بھری گئی تھی۔ وزن کی کمی بیشی ہیلی کاپٹرز کی استعداد پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔" کیپٹن الیاس نے ایسے پُراعتماد انداز میں اس موضوع پر بریفنگ شروع کردی جیسے وہ ایوی ایشن سے منسلک رہا ہو۔ "مائع فیول کا وزن ڈیڈ نہیں بلکہ ڈائنامک ہوتا ہے اور اس کی زیادتی ہیلی کاپٹر کی سبک رفتاری سے پہلو بدلنے کی صلاحیت پر منفی اثرات ڈالتی ہے۔ کراچی کی طرف واپسی کے سفر میں ہماری دونوں ٹنکیاں بھری جائیں گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ یکساں رفتار سے سیدھی

پرواز میں ایندھن کم جلتا ہے۔ جب کہ تیزی سے سمتیں بدلنے، بلندی میں تبدیلیاں لانے، رفتار گھٹانے بڑھانے اور ہووَرنگ میں ایندھن کا خرچ کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ آپریشن بیس پر فیولنگ کرانے کے بعد ہم جلد ہی بخیریت اور خوش و خرم کراچی پہنچ جائیں گے۔"

"بمبار جہازوں کی پروازوں کا سلسلہ اب موقوف نظر آرہا ہے۔" میں نے دوربین سے گردوپیش کی فضا کا گہرا جائزہ لیتے ہوئے تبصرہ کیا۔ "کیا ہیڈکوارٹرز اور فیلڈ کمان کے درمیان کوئی مواصلاتی رابطہ بھی ہے؟"

"جلتے ہوئے ملبے اور شکست خوردہ فوجیوں کے علاوہ وہاں اب کیا رہ گیا ہے جس پر بم برسائے جائیں؟" اس بار بھی کیپٹن الیاس نے جواب دینا اپنا فرض تصور کیا تھا۔ "اسلحے کے استعمال میں کفایت ہماری تربیت کا جزو ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ ہیڈکوارٹر اور یونٹوں میں مضبوط مواصلاتی رابطے کے بغیر کوئی فوجی مشن کامیاب نہیں ہوسکتا۔ کڑی رازداری کی ضرورت کے پیش نظر، آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ والے خاص فری کوئنسی والے ایسے آلات استعمال کر رہے ہیں جن پر نشر کئے جانے والے پیغامات دشمن نہ سن سکے۔ فیلڈ یونٹ اور بمبار طیارے اسی فری کوئنسی پر ہیڈکوارٹر سے ہدایات لے رہے تھے لیکن ہمارے دونوں ہیلی کاپٹرز کی..... فریکوئنسی مختلف تھی اس لئے ہم ان کی گفتگو سننے سے قاصر تھے۔"

"لیکن لینڈنگ اور ٹیک آف کے وقت تو ہمارے پائلٹوں کی ہیڈکوارٹر سے بات ہوئی تھی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"حساس مواصلاتی آلات بہت وسیع بینڈ پر کام کرتے ہیں جنہیں ایک ریڈیو سیٹ کے اصول پر کسی بھی فری کوئنسی پر ٹیون کیا جاسکتا ہے۔ ہماری بحفاظت واپسی تک ایک چینل ہمارے لئے مخصوص رہے گا۔"

اس کے بعد ہیڈ فونز پر خاموشی چھاگئی اور ہیلی کاپٹر اندھیری فضا میں چنگھاڑتے ہوئے اپنی منزل کی طرف پرواز کرتے رہے۔

اعصاب کو چٹخا دینے والی، وہ سنسنی خیز پرواز ایک گھنٹے سے زیادہ مدت سے جاری تھی جس نے عیش و عشرت کے عادی مسافروں پر تکان طاری کردی تھی۔

*********

صبح سات بجنے سے ذرا پہلے ہم شاہراہ فیصل ائربیس سے باہر نکلے تو تکان سے میرا برا حال تھا لیکن اول خان اس طرح تازہ دم اور مسرور نظر آرہا تھا جیسے بستر سے اٹھ کر تروتازہ ہونے کے بعد کار چلا رہا ہو۔

اس کی خوشی بھی بے سبب نہیں تھی۔ آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ کے ہیڈکوارٹر میں پہنچتے ہی اسے پتا چل گیا تھا کہ کمانڈر کو اس بھٹ سے نکال کر موت کے چنگل میں پھنسانے والے، ایس ٹی ایف کے آٹھوں کمانڈو کارواں پر ائیرریڈ شروع ہونے سے پہلے ہی اس کارواں سے صحیح و سلامت نکل جانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

اس کہانی میں ان کی خوش تدبیری کے ساتھ ہی ان کی خوش قسمتی کا بھی بہت دخل تھا کیونکہ اس گروپ کا سربراہ، بنگلات میں ہونے والی کارروائی کے حوالے سے کمانڈر کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگیا تھا کہ وہ اور اس کے ساتھی مسلسل بے خوابی کا شکار ہونے کی وجہ سے بری طرح تھکے ہوئے تھے۔ رہی سہی کسر کبر سے وہاں تک کے مسلسل اور صبر آزما سفر نے پوری کردی تھی اس لئے وہ واپسی کے سفر میں کچھ دیر کے لئے سونا چاہتے تھے۔

کمانڈر نے ازراہ مروت انہیں ایک ایسے ٹرک کے پچھلے حصے میں سونے کی اجازت دے دی جس سے اس کارواں کے میڈیکل یونٹ کا کام لیا جارہا تھا۔ اس ٹرک کے عقبی حصے میں باقاعدہ بستر لگے ہوئے تھے اور وہاں تیز بخار میں پھنکتے ہوئے دو مریض غفلت کی نیند سو رہے تھے۔ ایسے بدنصیبوں کی ہنگامی دیکھ بھال کے لئے اس کارواں کے ساتھ ایک ڈاکٹر بھی سفر کررہا تھا جو سائے کی طرح ہروقت کمانڈر کے ساتھ لگا رہتا تھا۔

وہ ٹرک مل جانے کے بعد کمانڈوز کے سربراہ نے یہ بندوبست بھی کرلیا کہ ان کے ٹرک کو کارواں کے آخر میں سفر کرنے کی اجازت دے دی جائے تاکہ پیچھے آنے والے ٹرکوں کے ہیڈ لیمپ کی تیز روشنی ان کی نیند میں خلل ڈالنے کا باعث نہ بن سکے۔ ویران اور بے رحم صحرا میں، غیر ملکی سرزمین پر پیش قدمی کرنے والے کمانڈر کے فرشتوں کو بھی شبہ نہیں ہوسکا کہ وہ لوگ ان رعایتوں سے کوئی فائدہ اٹھاسکیں گے۔

ہیڈکوارٹر سے اجازت ملتے ہی ان لوگوں نے نہایت تیزی کے ساتھ سفر شروع کیا تھا۔ اندھیرے میں چٹانوں اور ٹیلوں کی اوٹ سے لدی پھندی گاڑیاں برآمد ہونی شروع ہوئیں تو ان کی تعداد اور تیاریاں دیکھ کر کمانڈوز حیران رہ گئے۔ بے شمار بھاری گاڑیوں کے انجنوں کے شور نے اس سنسان صحرائی علاقے میں عجیب گڑگڑاہٹ کا سماں باندھ دیا تھا۔

وہاں کسی سڑک کا وجود نہیں تھا اس لئے ریتیلے راستے پر آغاز ہوا اور پاکستانی سرحد میں کئی سو گز اندر آجانے کے بعد کمانڈوز نے یکے بعد دیگرے چلتے ہوئے ٹرک سے نیچے کودنا شروع کردیا۔

ان آٹھوں کا، آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ کے ہیڈکوارٹر سے دوطرفہ مواصلاتی رابطہ نہیں تھا مگر پھر بھی ان آٹھوں کے ہوجانے کے بعد اُن کے لیڈر نے اپنے خفیہ مائیکروفون کے ذریعے ہیڈکوارٹر کو یہ پیغام دے دیا کہ وہ لوگ بخیروخوبی کارواں سے الگ ہوجانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

ان کا وہ اعلان ہیڈکوارٹر کے لئے گرین سگنل کی علامت تھا۔ اپنے جانبازوں کے نکل آنے کے بعد کارواں پر کسی بھی وقت کاری حملہ کیا جاسکتا تھا۔

چند منٹ بعد ہی، دشمن کے عقب میں وہ سریع الحرکت



ان آٹھوں سے آملے، جو منصوبے کے مطابق دشمن کے فرار کی راہ مسدود کرنے کے لئے دونوں اطراف سے پیچھے بڑھ آئے تھے۔

وہ سب پروگرام کے مطابق ہوا تھا۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ اول خان کو، ایس ٹی ایف کے کمانڈوز کی حفاظت کے اس منصوبے کا علم نہیں تھا اس لئے وہ حملے کے آغاز سے ہیڈکوارٹر واپسی تک مضطرب رہا تھا۔

میں ان تمام واقعات کا عینی شاہد تھا لیکن شاہراہ فیصل کے روشنیوں میں نہائے ہوئے راستے پر، اول خان کے ساتھ سفر کرتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میں ایک بھیانک خواب دیکھتے دیکھتے، اسی وقت ہڑبڑا کر بیدار ہوا ہوں۔

"تاریکی اور کوچ کی افراتفری کی وجہ سے دشمن کی نفری کی گنتی تو ناممکن تھی لیکن ہمارے کمانڈوز نے، یونٹ کے آملنے کے بعد ہیڈکوارٹرز کو آگاہ کیا تھا کہ ان کی تعداد پانچ سو سے بھی متجاوز تھی۔" اول خان کہہ رہا تھا۔

ہم ہیلی کاپٹرز میں ایندھن پورا ہوتے ہی ہیڈکوارٹرز سے پرواز کرگئے تھے۔ دشمن کے اس طویل کارواں کی عبرتناک تباہی پر وہاں خوشی کی لہر دوڑی ہوئی تھی لیکن ہلاک و زخمی ہونے والوں اور قیدی بنائے جانے والوں کے بارے میں فیلڈ سے، اس وقت تک اطلاعات آنی شروع نہیں ہوئی تھیں۔

مگر میرا اندازہ تھا کہ اس مہم میں دشمن کے دو سو سے زیادہ فوجی مارے گئے تھے۔ زخمی ہونے والوں کی تعداد بھی خاصی رہی ہوگی کیونکہ بمباری کے نتیجے میں ان کے اپنے ذخائر کی تباہی نے بھی انہیں بہت نقصان پہنچایا تھا۔

ہم دونوں کے لئے وہ تھکا دینے والی، ایک طویل رات ثابت ہوئی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اول خان جلد از جلد اپنے گھر لوٹ کر آرام کرنا چاہ رہا ہوگا اس لئے واپسی پر بھی میں نے نرسری سے ذرا آگے شاہراہ قائدین کے نکڑ پر اترنا چاہا لیکن اول خان مجھے گھر تک پہنچانے پر اڑ گیا۔

"اب ہماری ملاقات کب ہوگی؟" میں نے شرف آباد کے چوراہے پر اترنے سے پہلے اول خان سے سوال کیا۔

"تمہارے سروں پر مسلط، الیس تمبر کا خوف دور ہوچکا ہے۔ اب ایک آدھ روز آرام کرنے کا ارادہ ہے" اول خان نے مسکراتے ہوئے کہا "ویسے ابھی غلام رسول اور اس کے ساتھیوں کا معاملہ بھی چل رہا تھا۔ پھر ہتھیاروں سے لدی ہوئی لانچ بھی آنے والی ہے، جب چاہو مجھے فون کرلینا۔ کیا پتا کہ یہ معاملات نمٹنے سے پہلے ہی کوئی دوسرا چکر چل پڑے۔"

میں گرم جوشی کے ساتھ اسے الوداع کہہ کر فلیٹ والی عمارت کی طرف چل دیا۔

جہانگیر کے گھر سے غزالہ اور سلطان شاہ کی وہاں منتقلی کا فیصلہ کرتے ہی میں نے فلیٹ کی ایک چابی اپنی تحویل میں لے لی تھی تاکہ فلیٹ میں میری آزادانہ آمدورفت میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ میں داخلی دروازے کے کی ہول میں چابی گھما کر اندر داخل ہوا تو، صبح ہوجانے کے باوجود فلیٹ میں سناٹا پڑا ہوا تھا۔ دروازہ دوبارہ مقفل کرکے میں نے دبے قدموں خواب گاہ کا جائزہ لیا تو وہ دونوں اپنے اپنے کمروں میں دنیا و مافیہا سے بے خبر سو رہے تھے۔

اس وقت تکان اور نیند نے میرے اعصاب پر بھرپور حملہ کیا ہوا تھا اس لئے میں خاموشی کے ساتھ ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر دراز ہوگیا۔ میرا خیال تھا کہ کئی روز تک متروک رہنے کی وجہ سے صوفہ گرد آلود ہوگا لیکن اسے صاف ستھرا پاکر مجھے ماننا پڑا کہ عورت، عورت ہی ہوتی ہے اور ہر جگہ کھل کر اپنے وجود کا اظہار کرتی ہے۔

میں صوفے پر گر کر سویا تو پھر شام ہی کی خبر لایا۔ مشین گن کی فائرنگ کی پرہول تڑاتڑ سے میں گھبرا کر بیدار ہوا تو سب سے پہلے سلطان شاہ کے مسکراتے ہوئے چہرے پر نظر پڑی اور پھر میری نگاہیں خود بخود فائرنگ کی آوازوں کے مخرج کی طرف مبذول ہوگئیں جو ڈرائنگ روم ہی میں موجود تھا۔

ٹیلی وژن اسکرین پر چلتے ہوئے انگریزی فلموں کے اشتہارات کو دیکھتے ہی میری کھوپڑی سنک گئی اور میں جھلا کر سلطان شاہ پر برس پڑا "یہ کیا بے ہودگی ہے کہ ایک سوئے ہوئے شخص کے سر پر اتنی اونچی آواز میں ٹی وی چلا رہے ہو۔ گھٹیا فلموں کے اشتہارات دیکھنے کا ایسا ہی شوق تھا تو ٹی وی اٹھا کر اپنے کمرے میں لے جاتے۔"

"سوری!" اس کے ہونٹوں پر بدستور سلگا دینے والی مسکراہٹ رقصاں رہی "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں تمہاری کچی نیند میں خلل انداز ہورہا ہوں۔ میں ساڑھے آٹھ بجے سو کر اٹھا تو تم گہری نیند سو رہے تھے۔ گیارہ گھنٹے کی نیند کے بعد تمہیں مسکراتے ہوئے اٹھنا چاہئے تھا۔ اتنی طویل نیند کے بعد تو مُردے بھی چہل قدمی کے لئے سوچنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔"

وقت کا احساس ہونے پر میں اسے خاموشی کے ساتھ گھور کر رہ گیا۔ اس نے میرے ساتھ تعلقات کی ابتدا، ایک سوکھے سہمے..... اور انتہائی فرمانبردار ملازم کی حیثیت سے کی تھی لیکن اپنی بے شمار جبلی خوبیوں کی وجہ سے اس نے مجھے بہت جلد اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ مجھے کچھ یاد نہیں کہ یہ کب اور کیسے ہوا لیکن امرواقعہ یہی تھا کہ عرصہ دراز سے میں نے اسے تنخواہ دینے کی کوئی وجہ اور ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ہمارا جو کچھ تھا، وہ مشترک ہی تھا۔ پیسے دھیلے کے معاملے میں وہ بے ایمان تھا نہ میں نے کبھی حساب کتاب کی ضرورت محسوس کی تھی۔ اسی کے ساتھ، وہ بہت جلد ملازم کے مقام سے ایک دوست کے رتبے پر آگیا تھا۔ وہ اکثر بے تکلفی میں مجھے بہت کچھ کہہ جاتا تھا لیکن عملاً اس نے کبھی بھی میری کسی سنجیدہ بات کو رد نہیں کیا تھا۔

اس وقت سلطان شاہ پر خوش کلامی کا سنگین دورہ پڑا ہوا تھا۔ پہلے سانس میں وہ مُردوں کی چہل قدمی کا ذکر کرچکا تھا اس لئے میں

آ سے اس کے حال پر چھوڑ کر باتھ روم کی طرف چل دیا۔

ٹھنڈے اور گرم پانی کی تیز دھاروں میں کافی دیر تک نہانے کے بعد جب میرے بدن کا ایک ایک مسام کھل گیا تو میں لباس بدل کر ڈرائنگ روم میں آیا جہاں ٹرالی پر چائے اور اس کے پُر تکلف لوازم موجود تھے۔

"تم رات کس وقت واپس لوٹے تھے؟" میرے بیٹھتے ہی سلطان شاہ نے سوال داغ دیا۔

"رات بھر جھک مارنے کے بعد میں صبح آٹھ بجے' تھکا ہارا واپس آیا تھا" میں نے غراتے ہوئے کہا۔

"یہ میرا نہیں غزالہ کا خیال تھا" اس نے جلدی سے مدافعانہ لہجے میں کہا "تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تو گیارہ گھنٹے کی نیند کا حوالہ دیا تھا۔ اگر تم جھک مارنے کے لئے ہی اول خان کے ساتھ گئے تھے تو یہ شوق یہاں بھی پورا ہو سکتا تھا۔"

"بس' اب تم چپ رہو" غزالہ کھولتی ہوئی چائے پیالیوں میں انڈ یلتی ہوئی بولی "جب تک میری آنکھ نہیں لگی' میں پل پل خیر کی دعائیں مانگتی رہی تھی۔ رات کی کہانی خاصی ہولناک اور دلچسپ ہوگی۔"

"وہم' قیاس اور اندیشے میرے ذہن میں بھی تھے؟" سلطان شاہ نے ایک بسکٹ اٹھا کر کہا "یہ پریشانیاں اُسی وقت تک ہوتی ہیں جب تک اپنا آدمی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ ڈیئی کو زندہ سلامت دیکھنے کے بعد' آسانی کے ساتھ یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ رات کو سب ٹھیک ٹھاک رہا ہوگا۔"

وہ مجھے چڑانے کے لئے بکواس کرنے پر تُلا ہوا تھا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ وہ خود بھی میرے تجربات کی تفصیلات جاننے کے لئے مضطرب رہا ہوگا۔

غزالہ نے ریموٹ کنٹرول یونٹ کے ذریعے ٹیلی وژن کی آواز بند کردی کیونکہ زمین پر خلائی مخلوق کے حملے پر بنی ہوئی ایک کارٹون فلم کا شور ریک بیک بہت تیز اور ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا۔

ان دونوں کو یہ تو معلوم تھا کہ میں پچھلی رات ایک اہم مشن پر اول خان کے ساتھ کہیں گیا تھا اور اس مشن کا مقصد ملا سرکار کے ہمنوا کمانڈر کی سرکوبی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پچھلی رات نرسری کے بس اسٹاپ کے آخری سرے پر اوّل خان کا انتظار کرتے ہوئے وہ تمام باتیں میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھیں جن سے بعد میں دوچار ہونا پڑا۔

ان کے سوالات شروع ہوتے ہی مجھے سلطان شاہ کی خوش کلامیوں کا جواب دینے کا موقع مل گیا۔ میں انہیں ستا ستا کر' بہت اختصار کے ساتھ اُن کے سوالات کے جواب دیتا رہا لیکن ایک رات کے بھیانک جنگی تجربات پر مشتمل وہ کہانی اتنی جاندار تھی کہ میرے غیر مسلسل بیان کے باوجود' حیرت سے ان دونوں کی آنکھوں کے ڈھیلے کشادہ ہوتے چلے گئے۔

میں دن بھر سوتا رہا تھا۔ اس دوران میں اُن دونوں نے خاصی خریداری کرکے ضرورت کی ہر چیز فلیٹ میں جمع کرلی تھی۔ غزالہ میری شراب نوشی سے نالاں تھی لیکن جانتی تھی کہ میں اس عادتِ بد میں مبتلا ہوں اس لئے اُس نے سلطان شاہ سے بلیک ڈاگ کی تین بوتلیں بھی منگوالی تھیں۔

اس روز میرے وجود پر ایسی کسلمندی طاری تھی جیسے میں کوئی بڑی مہم سر کرکے آیا ہوں۔ حالانکہ میں نے 'اپنی جماعت کے دوسرے لوگوں کے ساتھ' بیٹھنے اور دیکھنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ میری فرمائش پر سلطان شاہ باہر سے گرماگرم کھانے لینے کے لئے چلا گیا اور میں نے پیمانہ و شراب کی محفل سجا کر غزالہ کے پیکرِ شباب کو اپنے روبرو بٹھا لیا۔

اگلی صبح کے اخبارات میں گدرا کے مقام پر ہونے والی خوں ریز فوجی کارروائی کے بارے میں کوئی موہوم سا اشارہ بھی نہیں تھا۔ سلطان شاہ نے رات ہی کو بتا دیا تھا کہ شام کے اخبارات میں بھی اس بارے میں کوئی خبر نہیں چھپی تھی۔

بڑی سرخیوں میں کچھ نہ پا کر جب میں نے چھوٹی چھوٹی' ایک کالمی خبروں کا جائزہ لینا شروع کیا تو پہلے ہی صفحے پر میری نظریں ایک خبر میں الجھ کر رہ گئیں۔

وہ' ہمارے ساتھ محاذ پر پرواز کرنے والے سینئر رپورٹر کا روزنامہ تھا۔ خبر کی سرخی تھی "کیوبا کے نامہ نگار یا غیر ملکی جاسوس؟" پہلے صفحے پر خبر کا مختصر سا متن تھا بقیہ تفصیلات آخری صفحے پر تھیں۔

پورے اخبار میں آپریشن ڈیزرٹ ٹرپ کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں چھپا تھا۔ شاید آخری لمحات میں اس کارروائی کو صیغۂ راز میں رکھنے کا فیصلہ کرلیا گیا تھا۔ اس لئے سینئر رپورٹر نے اپنا سارا زورِ قلم میرے اور اول خان کے خلاف آزما ڈالا تھا۔

اس کا استدلال یہ تھا کہ پاکستان میں دو ایسے پُراسرار مقامی لوگ موجود ہیں جو خود کو کیوبا کی کسی خبر رساں ایجنسی کا نمائندہ بتاتے ہیں اور حساس ترین قومی ادارے ان دونوں کے دعووں کو من و عن تسلیم کر رہے ہیں جب کہ اخبار کے ذرائع کے مطابق دونوں مشتبہ افراد ہیں اور کسی بھی وقت قومی سلامتی کے لئے کوئی بڑا خطرہ پیدا کر سکتے ہیں۔

اس خبر کی وجہ اور نوعیت کچھ بھی رہی ہو لیکن مجھے یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ذمے دار صحافی جو کچھ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے' اسے اپنے قارئین تک پہنچانے میں کسی بخل یا کوتاہی کا مرتکب نہیں ہوتا۔ میں نے اول خان کے ساتھ' کیوبا کے خبری ادارے کی نمائندگی کا دعویٰ ضرور کیا تھا لیکن سینئر رپورٹر آخر تک ہمارے اس دعوے پر یقین نہیں کرسکا تھا۔ اس نے اپنی تجربہ کار نگاہوں سے ہمارا جھوٹ بھانپ لیا تھا اور اخبار میں خبر لکھوا کر اپنا فرض پورا کرلیا تھا۔ اخبار میں اس ایک کالمی خبر کی موجودگی اور اصل فوجی آپریشن کے بارے میں مکمل خاموشی سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ ہماری حکومت اس واقعے کے اخفا یا اظہار کے بارے میں تذبذب کا شکار تھی۔ گدرا میں آئی ایس پی آر کی نگرانی میں جانے والی ٹیم کی



بگاڑ کی سمت میں لے جانے میں کامیاب ہو جاتے تو کسی نہ کسی حیلے بہانے سے ' پڑوسی ملک کی مسلح افواج' ڈنکے کی چوٹ پر بین الاقوامی سرحد عبور کرکے ان عناصر کے ساتھ شامل ہو کر' متوازی حکومت قائم کرا دیتیں۔ وہ ملک کی بقا اور سلامتی کے خلاف ایک بھیانک بین الاقوامی سازش تھی جس میں کینہ پرور' پڑوسی کے ساتھ ہی ایک سپر پاور بھی پوری طرح ملوث تھی۔

دگی اس بات کی مظہر تھی کہ حکومت اخبارات میں نہایت م دھام سے اس معرکے کی کوریج چاہتی تھی تاکہ دوسرے ملک ن عناصر کی شدت کے ساتھ حوصلہ شکنی ہو لیکن اخبارات کی سرار خاموشی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ قومی مقاصد میں بھرپور یابی حاصل کرلینے کے باوجود کچھ لوگ آپریشن ڈیزرٹ ٹرپ پر نے والے عالمی ردِعمل سے خائف تھے۔

دیرا' ہیری کیسنجر کے دفتر جانے کے بعد سے یکسر مفقود الخبر اور اس کی طرف سے کوئی رابطہ ہونے کی امید بھی نظر نہیں تھی۔ لے دے کر قاسم ہی ایسا آدمی رہ گیا تھا' جس سے وہ لانچ ڈر کے بارے میں بات کرسکتی تھی اور ہیری نے وہ سارا کھیل لئے پھیلایا تھا کہ اس کا مطلوبہ اسلحہ بخیر و خوبی کراچی پہنچ سکے ے وہ تمام ہتھیار' ملا سرکار کے ذریعے شورش پر آمادہ افراد پھیلائے جانے تھے۔

میری دانست میں اسپیشل ٹاسک فورس اور آرمی آپریشن کی یابیوں کے بارے میں رازدارانہ رویّہ ہمارے حق میں ہر اعتبار سود مند ثابت ہو رہا تھا۔

اگر ملا سرکار کی عبرت ناک ہلاکت کی تشہیر کردی جاتی تو اس پشت پناہی پر پروان چڑھنے والے چند ڈاکوؤں کے حوصلے ضرور ہوسکتے تھے لیکن پھر ایس ٹی ایف کے آٹھ کمانڈو' سرحد پار کے کمانڈر کے سامنے ملا سرکار کے قاصد کا روپ اختیار نہیں سکتے تھے۔ جب کہ چند ڈاکوؤں کے حوصلے پست ہونے کے بلے میں آپریشن ڈیزرٹ ٹرپ کی کامیابی کہیں زیادہ اہم اور دور نتائج کی حامل تھی۔

دوسری طرف ہیری کیسنجر اور اس کا کاؤنسلیٹ بھی ملا سرکار رکمانڈر کے یونٹوں کی تباہی سے بے خبر اپنی ریشہ دوانیوں میں موف تھا۔ دوبئی یا خلیج کی کسی اور نامعلوم بندرگاہ سے ہتھیاروں رگولہ بارود سے لدی ہوئی لانچ کراچی کے مضافاتی ساحل پر لانے کی بنیاد ہی اس مفروضہ پر تھی کہ ملا سرکار اپنے جملہ اثر و رسوخ سمیت زندہ تھا اور بے چینی کے ساتھ ہتھیاروں وغیرہ کی کھیپ کا منتظر تھا تاکہ اپنے پیروکاروں کے ذریعے' مظالم اور بے روزگاری کے ستائے ہوئے سرکش نوجوانوں کے لشکروں کو ظام کے خلاف صف آرا کرکے صوبہ میں شورش اور بدامنی برپا کرسکے۔

وہ ایک بہت بڑی اور منظم سازش تھی۔ اندرون ملک ' سرکار نے اپنا اسٹیج تیار کیا ہوا تھا۔ دوسری طرف سرحد پار سے کمانڈر' چوری چھپے مسلح دہشت گردوں اور ہتھیاروں کی بڑی تعداد کے ساتھ ملا سرکار سے آملنے کے لئے تیار تھا۔ تیسری سمت سے ہیری کیسنجر اپنی سفارتی مراعات کی آڑ لے کر خلیج کے علاقہ سے غیر قانونی اسلحہ کی بھاری مقدار کراچی لانے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا تاکہ شورش اور بغاوت کرنے والوں کو مقامی طور پر ہتھیاروں کی رسد ملتی رہے اور جب یہ تینوں عوامل' حالات کو بہت زیادہ

وہ سنگین صورتِ حال ہر اعتبار سے ہمارے خلاف تھی لیکن قدرت اس سرزمین اور اس کے سادہ لوح باسیوں پر مہربان تھی اسی وجہ سے بازی ہمارے حق میں پلٹ گئی تھی۔

ملا سرکار اس سازش کا کلیدی کردار تھا۔ اس کے جہنم واصل ہوتے ہی مقامی سازشیوں اور ان کے غیر ملکی ہمدردوں کے درمیان قائم، دو طرفہ روابط یکلخت ختم ہو کر رہ گئے۔ اس افراتفری اور بے خبری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کمانڈر کے ہیبت ناک لشکر کا سر کچل دیا گیا اور مجھے پوری امید تھی کہ ان دونوں کے انجام سے بے خبر ہیری کیسنجر کو بھی منہ کی کھانی پڑے گی۔ اس کے گرد ہمارا حصار قدرے کمزور ضرور پڑ چکا تھا لیکن امید یہی تھی کہ وہ ہمارے چنگل سے بچ کر اپنی سازش میں کسی بھی طرح کامیاب نہیں ہوسکے گا۔

اگر ہیری کیسنجر مکاری سے کام لیتے ہوئے، ویرا کو اپنے کاؤنسلیٹ میں قیدی نہ بناتا تو ہمارا کام کافی سہل اور سیدھا سادہ ثابت ہوتا۔ اس کے پکڑ لئے جانے کے بعد میرا کام خاصا بڑھ گیا تھا۔

میں نے قاسم برادرز کا کارڈ دیکھ کر قاسم علی کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

وہ شہر کے مصروف ترین کاروباری اور تجارتی علاقے کا فون نمبر تھا اس لئے تیسری کوشش میں لائن مل سکی۔ آپریٹر نے نرم اور سریلی آواز میں، خاصی تہذیب کے ساتھ میرا حدودِ اربع دریافت کیا اور دلاور خان فرام کسٹم انٹیلی جنس جیسا مرعوب کن جواب سنتے ہی بوکھلا گئی۔

اس کے "ہولڈ آن، پلیز" کہتے ہی ریسیور میں موسیقی کی آواز سنائی دینے لگی اور چند لمحوں بعد ہی قاسم علی لائن پر آگیا۔ اس نے نہایت تپاک سے سلام کرکے میری مزاج پرسی کی تھی۔

فون پر ہیلو کے بجائے سلام سے گفتگو کی ابتدا کا وہ انداز مجھے پسند آیا لیکن وہ عادت صرف اسی وقت قابلِ تعریف کہی جاسکتی تھی جب چھوٹے بڑے اور غریب امیر کا امتیاز کئے بغیر، ہر ایک سے اسی انداز میں خطاب کیا جائے۔ مقتدر اور اپنے سے زیادہ باحیثیت لوگوں کے سامنے تو ہر ایک ہی سراپا انکسار بننے کی کوششوں میں جتلا ہو جاتا ہے۔

"آج تمہیں مال دینا ہے۔ میں نے اسی کی یاد دہانی کے لئے فون کیا ہے۔" رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد میں فوراً ہی مطلب کی بات پر آگیا۔

"مجھے دو دن کی مہلت دے دو تو میرا کافی فائدہ ہوسکتا ہے۔" اس کی خوشامدانہ آواز ابھری۔

"دو دن بعد تو تمہاری فائل تیار ہو کر، اوپر والوں کے پاس جاچکی ہوگی اور میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں ایسے معاملات میں ادھار کرنے کا قائل نہیں ہوں....."

"میرا پیسہ ایف ای بی سی میں لگا ہوا ہے۔" وہ گڑگڑاتے ہوئے وضاحت کرنے لگا۔ "پچھلے دو روز میں اس کا بھاؤ سوا سات سے نو چلا گیا ہے۔ دھندے میں تیزی آئی ہوئی ہے۔ لوگ اپنا پیسہ باہر بھیج رہے ہیں۔ دو دن میں یہ بھاؤ گیارہ سے اوپر جائے گا اور میرا دو پیسے کا فائدہ ہوجائے گا۔"

"تم میرے مقروض ہو۔ قرض کی رقم سے دھندا چلانا اچھی بات نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ مسز فلہام بندوبست کرہی چکی ہے۔ میرا اس معاملے میں یہی تھوڑا سا حصہ ہے جسے میں گنوانا پسند نہیں کروں گا۔"

"تم بالکل فکر نہ کرو۔ قاسم علی زبان کا پکا ہے۔ دو دن کے بعد تمہاری پوری رقم، ہاتھ جوڑ کر تمہارے حوالے کروں گا۔ اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔"

"اس خیال میں نہ رہنا کہ فائل پر نوٹنگ کرکے میں اسے کٹوالوں گا۔" میں نے اس لالچی شخص کے ساتھ نرمی سے فیصلہ کرتے ہوئے کہا "سرکار کا نقصان ہو رہا ہو تو پرانے کیس واپس لینے مشکل ہوجاتے ہیں۔ خزانے کو پیسہ ملنے کا امکان ہو تو دس سال پرانی فائل بھی ری اوپن کرسکتے ہیں اور تمہارا کیس اس قسم کا ہے۔ ایک بار میں نے کیس بگاڑ دیا تو تم اپنے تن کے کپڑے بیچ کر بھی کروڑوں روپے کے واجبات ادا نہیں کرسکو گے۔"

"بابا..... مجھے یہ سب معلوم ہے۔ ان باتوں کو دہرا کر کیوں خنک کر رہے ہو؟" وہ خوف زدہ لہجے میں کراہا تھا "بعد میں تمہارا حساب صاف کردوں گا۔ پر میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ کیس بننے سے بدنامی ضرور ہوگی لیکن میرا زیادہ نقصان نہیں ہوگا۔ میری کمپنی کے سارے اثاثے چالیس، پینتالیس لاکھ سے زیادہ نہیں ہیں۔ اپیل اور کورٹس کے چکر میں دو چار سال گزر جائیں گے، میں اسے آدھا اور نچوڑ لوں گا۔ سرکار بیس، پچیس لاکھ روپے میں وصول کرکے کمپنی کو دیوالیہ کردے گی اور بس میں کسی اور نام سے دھندا چالو کرلوں گا۔ یہ پیسے کی نہیں، عزت اور ساکھ کی بات ہے جو مجھے ڈرا رہی ہے۔ ہم لوگ ادھر پارٹیشن سے پہلے سے رہ رہے ہیں۔ قاسم برادرز کی بنیاد، ستر سال پہلے میرے باپ نے رکھی تھی۔ اس پرانی کمپنی کی ساکھ بچانے اور بدنامی سے بچنے کے لئے میں نے تم سے سودا کیا ہے ورنہ تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ جو شخص دس لاکھ اپنی مرضی سے انعام میں دے سکتا ہے۔ اس کے لئے بیس پچیس لاکھ کی کمپنی ڈوبنے سے کیا فرق پڑ سکتا ہے؟"

"اس کا مطلب ہے کہ تم واقعی موٹی اسامی ہو۔ مجھے زیادہ رقم کا مطالبہ کرنا چاہئے تھا۔"

"غلط بات۔" اس کی خودی یک بیک بلند ہوگئی "تم نے مطالبہ نہیں تھا۔ مسز لیزلی سے لانچ پر بات طے ہوگئی تھی۔ میں نے اپنی مرضی سے آفر کی تھی جو مسز لیزلی نے تم کو بتائی۔ ہاں، تم مجھ کو گھٹیا کے دوسرے دھندے بتادو۔ تم تو دیکھتے ہو گے کہ اپنے امپورٹر بھائی، کس کس آئٹم میں ہاتھ مارتے ہیں۔ مجھے آئٹم اور اس سے مال پانی بنانے کا طریقہ بتاؤ۔ تمہارا چار آنے کی پتی تمہاری ہوگی۔ تم بھی خوش رہو گے، میں بچے خوش حال ہوں گے اور میں بھی کچھ کمالوں گا۔ ہم لوگوں کو پارٹنرشپ میں ساجھی مل جاتے تو ہم کروڑوں کا بلائنڈ کھیل سکتے ہیں۔"

"میں نے ڈیڑھ دو لاکھ روپیہ ضرور جوڑا ہوا ہے۔" میں نے ایک رشوت خور مگر مظلوم بنے ہوئے سرکاری ملازم کی منظر کشی کرتے ہوئے پرخیال لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "مگر یہ ناکافی تھا۔ میرے بیوی بچے دو کمروں والے ایک سرکاری کوارٹر میں رہتے ہیں جن کی ٹین کی چھتیں گرمیوں میں تنور کی طرح تپتی ہیں اور برسات میں چھلنی کی طرح ٹپکتی ہیں۔ اپنی تنخواہ میں، میں اپنے گھر کا چولہا دو وقت روشن رکھنے کا بندوبست بھی نہیں کرسکتا۔ ہم سرکار کو کروڑوں کا ریونیو کما کر دیتے ہیں۔ ہمارے اختیارات لامحدود ہیں۔ ہم جب اور جسے چاہیں، کسی اسکینڈل میں ملوث کرسکتے ہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ تاجر اور خاص طور پر امپورٹرز کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی گھپلا ضرور کرتے ہیں تاکہ بھاری شرح سے عائد ڈیوٹیاں بچا کر اپنی تجوریوں کی شکم پروری کرسکیں۔ ہم جوں ہی ان کی دم پر پاؤں رکھتے ہیں تو وہ تلملا کر خود ہی رقموں کے لفافے لے آتے ہیں۔ وہ لاکھوں کی چوری کرتے ہیں اور ساہوکار بنے رہتے ہیں۔ سرکاری ملازم ہونے کے ناتے، ہم کہیں بھی سامنے آکر اپنا دفاع نہیں کرسکتے۔ تم پہلے امپورٹر ہو جس نے فراخ دلی کے ساتھ مجھے ایک بڑی رقم دینے کا وعدہ کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ لیزلی فلہام کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔ تم نے اپنی کمائی کا ایک حقیر ترین حصہ مجھے دیا ہے لیکن یہ رقم واقعی میرے بال بچوں کا مستقبل بدل دے گی۔ میں بال بچوں کے لئے انہیں ایک ایسی چھت فراہم کرسکوں گا جو گرمیوں میں تپتی ہو نہ برسات میں ٹپکتی ہو۔ ہماری حکومت ہماری ضرورتوں سے غافل ہے اور مسلسل خسارے میں جارہی ہے۔ تم جیسے لوگ چھوٹے اور بڑے سرکاری ملازمین کی ضرورتوں کا خیال رکھتے ہیں اور دن دونی، رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں۔ موجودہ حساب بیباق ہونے کے بعد میں ضرور تم سے رابطہ رکھوں گا کیونکہ اسی میں میری، تمہاری بھلائی ہے۔"

"بالکل، ہمیں اپنے اپنے فائدے کے لئے سوچنا چاہئے۔ اس ملک میں اصل ایمان داروں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ زیادہ تر ایمان دار ایسے ہیں جو کہیں ہاتھ نہ پڑنے کی وجہ سے ہاتھ ملتے اور کھسیا کر ملک و قوم کے فائدے کی بات کرتے ہیں۔ انہیں بھی افسروں کی کرسیاں مل جائیں تو دس برس کی لوٹ کھسوٹ کا سامان بلکہ دس گھنٹوں میں پوری کرلیں گے۔ جب حکومت کو تنگی ہو چکی ہو اور حالات اتنے خراب ہوں تو ہر ایک کو بس اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے۔ تمہارے بال بچے بھی اسی دائرے کا ایک حصہ ہیں۔ ان کے حالات سدھریں گے تو معاشرہ بھی سدھر جائے گا۔"

"تمہاری باتیں سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ مسز لیزلی فلہام یہاں آکر حیران ہے کہ قدرے معقول قومی آمدنی کا تناسب رکھنے کے باوجود، ہمارے یہاں گندے نالوں کے کنارے، جھونپڑیوں میں بسنے والے مفلوک الحال لوگ ننگے اور بھوکے کیوں نظر آتے ہیں۔ اسے نہیں معلوم کہ ایک آدمی کی آمدنی صفر ہو اور دوسرے کی ایک لاکھ روپے روزانہ ہو تو ہندسوں کے گورکھ دھندے میں ان کی اوسط روزانہ آمدنی پچاس ہزار روپے کہلائے گی....."

"وہ بہت اچھی اور خوبصورت عورت ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر حریصانہ لہجے میں بولا "تم کسی وقت اسے کھانے پر لاسکو اور اس سے میری دوستی کرادو تو میں تمہیں خاصا بڑا انعام دوں گا۔"

"تم سے سودے بازی کرکے دوستی کی راہ تو خود اس نے ہموار کرلی ہے۔ فون کرے تو کھانے پر مدعو کرلینا۔ کہیں تم اس کے عشق میں تو جتلا نہیں ہوگئے ہو؟"

"عشق اس سے کیا جاتا ہے جو اپنی دسترس میں ہو۔ وہ ہزاروں میل دور، دوسرے براعظم میں رہتی ہے اور مس نہیں بلکہ مسز ہے۔ اس سے تو وقتی طور پر ہی دل بستگی کا سامان کیا جاسکتا ہے اور بس۔"

"وہ فون کرے تو اسے کسی اچھے ہوٹل میں کھانے پر مدعو کرلینا۔" میں نے اسے اکسایا۔

"ایسے خوبرو مہمانوں کے لئے میں پورے سال، شہر کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں کمرا بک رکھتا ہوں۔ موت اور خوبصورت عورت کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا کہ کب اور کہاں آٹکرائے لیکن تمہاری یہ لیزلی تو راستہ ہی نہیں دیتی۔ کل اس نے فون کیا تھا لیکن مجھے لانچ سے آگے کوئی بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔"

"وہ لالچی عورت ہے۔ ویسے بھی ان امریکیوں میں عزت و حرمت کا وہ تصور نہیں ہوتا جو ہمارے یہاں رائج ہے۔ منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے برگر کھا لینے اور دل بہلانے کے لئے کسی اجنبی کے ساتھ شب بسری میں، یہ لوگ زیادہ فرق نہیں سمجھتے۔ اسے قیمتی تحائف کا لالچ دوں گا تو وہ تمہاری طرف ضرور مائل ہوجائے گی۔ ویسے لانچ کی آمد کا کیا پروگرام طے ہوا ہے؟"

"تو کیا تمہیں اس بارے میں کچھ نہیں معلوم؟" اس نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"تمہارے کیس کی فائل میرے پاس تھی۔ دوسرے کیس کے سلسلے میں وہ آج کل ویلیو ایشن والوں کے ساتھ وقت گزار رہی ہے۔ اس لئے میری اور اس کی ملاقات نہیں ہوسکی۔" میں نے نفاست کے ساتھ جھوٹ بولا۔

"ملاقات ہو تو اسے پھانسنے کی کوشش ضرور کرنا۔" وہ خوشامدانہ لہجے میں بولا "تفریح اور دل بستگی کے لئے بگڑی ہوئی ولایتی میم سے بہتر مخلوق روئے زمین پر کہیں نہیں ملتی۔"

"یہ بتاؤ کہ لانچ کا کیا پروگرام طے ہے؟" میں نے پرخیال لہجے میں پوچھا۔

"میں اپنی بات کر رہا ہوں اور تم پھر لانچ کا ذکر لے بیٹھے۔" وہ

چڑچڑے لہجے میں بولا تھا۔ اتنی دیر تک گفتگو کرنے کے بعد' وہ مجھ سے خاصی حد تک بے تکلف ہوگیا تھا۔

"جب تک لانچ کا معاملہ اس کے سر سے نہیں اترے گا وہ کسی سیرو تفریح کی طرف مائل نہیں ہوگی۔ اس کے بقول' یہ اس کی زندگی کی پہلی رشوت ہے جو اس نے میرے ایما پر قبول کی ہے....."

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔" اس بار پھر اس نے میری بات کاٹ دی۔ "لانچ پرسوں رات سون میانی بیچ پر گھوڑا کریک میں لنگر انداز ہوگی۔ لانچ رات کو ایک بجے آئے گی۔ میرا خیال ہے کہ صبح چھ بجے تک' اس پر لدا ہوا ڈھائی سو ٹن مال میرے گودام میں پہنچ جائے گا۔ کیونکہ اس پر کوئی بھی پیٹی دو ٹن سے زیادہ وزنی نہیں ہے۔"

"تم تو اس طرح بات کر رہے ہو جیسے دو ٹن کوئی وزن ہی نہ ہو۔" میں نے اسے لیزلی فلہام کے موضوع سے ہٹانے کے لئے حیرت سے کہا "تمہیں کرین وغیرہ کا بندوبست بھی کرنا ہوگا۔"

اس کی ہلکی سی پُر غرور ہنسی کی آواز سنائی دی پھر وہ بولا "قلیوں اور خلاصیوں سے نرمی سے کام لو تو وہ دس کلو وزن کے لئے بھی کرین مانگتے ہیں۔ ان سے سخت گیری سے پیش آؤ تو یہ کوہِ ہمالیہ کو بھی اپنے زورِ بازو سے دس پندرہ فٹ دور کھسکا دیں گے۔ سارا کام چین پُلی اور مزدوروں کے ذریعے ہوگا۔"

"اور پھر بھی تم منہ اندھیرے نمٹ جاؤ گے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تم نے گودی پر تنخواہ والی سرکاری اور نیم سرکاری لیبر کا کام دیکھا ہے۔ اسی لئے حیران ہو رہے ہو۔ ٹھیکے پر کام کرنے والے جن ہوتے ہیں۔ ان میں ساٹھ ستّر سال کے بوڑھے بھی اتنی پھرتی سے کام کرتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ یہ سب میرا کام ہے۔ بس یہ سمجھو کہ آج سے تیسری صبح ہماری بلبل کے ذہن سے لانچ کا بوجھ اتر چکا ہوگا۔"

"اس لانچ کا نام سفینہ تو نہیں ہے؟" میں نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے پوچھا بھی تھا لیکن اس نے لانچ کا نام نہیں بتایا۔" اس کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔ "پرسوں رات ایک بجے' جو بھی لانچ گھوڑا کریک میں لنگر انداز ہوگی' میں اسے خالی کرادوں گا۔"

"شناخت کرائے بغیر' لانچ کا عملہ تمہیں اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دے گا۔"

"وہ سب طے ہوگیا ہے۔ لانچ سے سوال کیا جائے گا' ہو کز دئیر؟ اور ہم کہیں گے' شی از ہیئر! بڑا سیدھا سا کوڈ ہے لیکن وہ ہمارے ساتھ نہیں ہوگی۔" اس کی آواز حسرت آمیز ہوگئی۔ "اگر وہ بھی وہاں آجائے تو ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے ساحل پر' پتھریلی چٹانوں میں گزاری ہوئی رات وہ کبھی نہیں بھول سکے گی۔ لیزلی شراب تو پیتی ہے نا؟"

"پتا نہیں۔" میں نے سادگی سے کہا "میں سیدھا اور مسلمان ہوں۔ کبھی ایسا موقع نہیں آیا کہ اس کی شراب نوشی کے بارے میں جاننے کا موقع ملتا۔ میں اس حرام خوری سے دور بھاگتا ہوں۔"

"ماشاءاللہ!" اس کی زہر میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔ باتوں باتوں میں اس کی بے تکلفی خاصی بڑھتی جارہی تھی۔ "شراب کو حرام سمجھ کر اس سے دور بھاگتے ہو تو رشوت کو کس فقہ کی رو سے حلال سمجھتے ہو؟"

"دیکھو یار' قاسم بھائی!" میں نے بے تکلفانہ انداز میں کہا "رشوت اسی وقت حرام ہوسکتی ہے جب ہم جیسے' بااختیار اہل کاروں کو جیب بھر روزی اور پیٹ بھر روٹی مل رہی ہو۔ اس معاملے میں ہمارے مولوی ملاؤں کو اجتہاد کے امکانات پر غور کرنا چاہئے۔ یہ خاصا اہم اور سنگین معاملہ ہے....."

میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اس نے فوراً ہی' پرجوش لہجے میں بولنا شروع کردیا تھا۔ "خدا کا خوف کرو' دلاور خان! گناہ کرنے ہو تو کرو لیکن مذہب کو اس کا جواز نہ بناؤ۔ اگر تمہارے استدلال کو مان لیا جائے تو کم تنخواہ والوں کو رشوت کی اجازت ملنے کے ساتھ ہی' بے روزگاروں کو چوری اور ڈکیتی کا حق مل جانا چاہئے۔ یہ بالکل وہی بکواس ہے جو آئے دن ڈاکوؤں کی طرف سے شام کے اخبارات میں شائع کرائی جاتی ہے۔"

"اور تم لیزلی کو کس شرعی اختیار کے تحت پھانسنا چاہ رہے ہو میرے نیک مسلمان!" میں نے کھسیا کر زہریلے لہجے میں سوال کیا۔

"یہ بھی تو گناہوں کی بدترین اقسام میں سے ایک ہے۔"

"میں نے اس کا کوئی جواز دینے کی کوشش نہیں کی۔" وہ بھڑک کر بولا "گناہ کرنا انسان کی سرشت میں شامل ہے۔ نازنینوں کی دلجوئی میری کمزوری ضرور ہے مگر میں اس پر نادم بھی ہوتا ہوں۔ نادم ہوتا ہوں تو گڑگڑا کر توبہ بھی کرتا ہوں لیکن میں نے کبھی ڈھٹائی کے ساتھ اپنی اس کمزوری کا کوئی جواز تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"تم بہت چالاک ہو۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"میرا مقصد بھانپتے ہی تم نے اپنی چال بدل دی۔ کیا تم اب بھی لیزلی کو ساحلِ سمندر پر بلانا اور سنگلاخ چٹانوں پر شراب پلانا چاہتے ہو؟"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ یہ میری کمزوری ہے۔ وہ پرسوں رات کو گھوڑا کریک پر آجائے تو یہ میری خوش نصیبی ہوگی۔ تم بس اسے وہاں لے آؤ' باقی کام میں خود کرلوں گا۔"

"میں کوشش کروں گا۔ اس سے آگے تمہارا مقدر ہے۔" میں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

اس سے مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا' وہ میں معلوم کرچکا تھا۔ کام کی باتوں کے علاوہ' اس کے ساتھ خاصی غیر ضروری باتیں بھی ہو چکی تھیں اس لئے میں نے گفتگو کو طول دینے کی کوشش نہیں کی۔



چند رسمی فقروں کے بعد' دو روز بعد پوری رقم کی ادائیگی کی یاد دہانی کرا کے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"یہ اتنی لمبی باتیں کس سے ہو رہی تھیں؟" میرے فارغ ہوتے ہی غزالہ نے سوال داغ دیا۔ وہ کافی دیر سے اضطراب اور تجسس کے ساتھ میرا جائزہ لے رہی تھی۔

"ہیری کیسنجر کا مددگار کہہ لو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہیری کا منگوایا ہوا اسلحہ یہی شخص اپنے گودام میں ذخیرہ کرے گا۔ میں نے اسے فون کیا تھا۔ لانچ پرسوں رات آرہی ہے۔"

"پھر اب کیا ہوگا؟" سلطان شاہ نے بے ساختہ انداز میں سوال کیا۔

"اسپیشل ٹاسک فورس کا تعاون مل جانے کے بعد ہمیں ایسے کسی بات میں فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسے لانچ کے نام کا علم نہیں ہوسکا۔ ایس ٹی ایف والوں کو کھلے سمندر میں لانچ کی شناخت میں دشواری ہوئی تو پھر پرسوں رات کو گھوڑا کریک کے قریب ایک معرکہ ہوگا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟ ویرا اس کی قید سے کب تک آزاد ہوسکے گی؟" غزالہ اچانک پوچھ بیٹھی۔

"لانچ آجانے کے بعد اسے رہائی مل جانی چاہئے۔" میں نے بے اعتمادی کے ساتھ کہا۔

"لیکن لانچ کی کھلے سمندر میں یا ساحل پر تباہی کی صورت میں کیا ہوگا؟"

غزالہ کے اس سوال نے مجھے چونکا دیا۔ وہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس پر میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ ہیری کیسنجر نے ویرا کو صرف اس لئے قید کیا تھا کہ لانچ کی آمد کا راز' اس کے ذریعے کسی اور تک نہ پہنچ سکے۔ وہ ہر قیمت پر اس راز کی حفاظت کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی تمام تدابیر کے باوجود لانچ تباہ ہوجاتی تو اس کا ردِعمل غیر یقینی ہوسکتا تھا۔

لانچ کی تباہی یا مال پکڑے جانے کی صورت میں وہ ویرا کی طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہوسکتا تھا کیونکہ اس راز میں وہی اس کی شریک تھی۔ قاسم کی ذات ہر قسم کے شبہ سے بالاتر تھی کیونکہ لانچ کے معاملے میں کوئی بھی خرابی رُونما ہونے کی صورت میں وہ خود بھی گرفت میں آسکتا تھا۔ اس کی اپنی سلامتی' لانچ کی سلامتی سے وابستہ ہوتی۔

ایسی صورت میں ہیری کیسنجر یہ سوچ سکتا تھا کہ ویرا اکیلی نہیں تھی۔ اسے یرغمال بنالینے کے باوجود اس کے ساتھی آزاد اور اس کے مفادات کے خلاف سرگرم عمل تھے۔ ایک بدترین زک اٹھانے کے بعد وہ ان خطوط پر کام شروع کرتا تو اسے لامحالہ دلاور خان کے کردار کا علم ہوجاتا۔ قاسم علی کے پاس اس امر کو پوشیدہ رکھنے کا کوئی جواز نہیں تھا کہ مسز لیزلی فلہام اس کے پاس تنہا نہیں آئی تھی بلکہ دلاور خان نامی ایک مقامی کسٹم انسپکٹر بھی اس کے ساتھ تھا۔

اس نتیجے پر پہنچتے ہی 'ہیری کیسنجر' ویرا کے معاملے میں سنگ دلی کا مظاہرہ کرسکتا تھا۔

میرے لئے تشویش کی بات یہ تھی کہ ہیری کیسنجر کو ایک غیر ملکی سفارت خانے کی پشت پناہی حاصل تھی اور شاید ویرا کو اسی ملک کے کاؤنسلیٹ میں قید میں رکھا گیا تھا۔

اگر معاملہ ہیری کیسنجر کی نجی رہائش گاہ کا ہوتا تو وہاں دھاوا بول کر بھی ویرا کو آزاد کرنے کی کوشش کی جاسکتی تھی لیکن ایک اہم ملک کے کاؤنسلیٹ سے کسی قیدی کا نکال لانا آسان نہیں تھا۔

"کیوں نہ ویرا کے اغوا کی رپورٹ درج کرا کے پولیس کو ہیری کے پیچھے لگا دیا جائے؟" سلطان شاہ نے رائے دی۔

"مشکل ہے۔" میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا "پہلی بات تو یہ ہے کہ ویرا کے وارث کے طور پر تم کسے سامنے لاؤ گے۔ اس حیثیت میں جو بھی منظرِعام پر آیا' اسے ہیری کے کرائے کے غنڈے بے دردی سے ہلاک کردیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ پولیس سو فیصد پکے ثبوت کے بغیر کبھی اس کاؤنسلیٹ کا رخ نہیں کرے گی اور نہ ہیری کو تفتیش میں ملوث کرسکے گی۔ اپنے موقف پر زیادہ اصرار کیا گیا تو انتظامیہ کاؤنسلیٹ سے ویرا کے بارے میں دریافت کرے گی اور وہ لوگ ویرا سے واقفیت تک سے منکر ہوجائیں گے اور معاملہ ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔"

ہم لوگ اس معاملے کے مختلف پہلوؤں پر کافی دیر تک بحث کرتے رہے لیکن لانچ پر آنے والے اسلحے کی تباہی کے ساتھ ویرا کی سلامتی کا کوئی امکان دریافت کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔

اپنی جگہ وہ مسئلہ بہت اہم تھا لیکن اس کا حل ڈھونڈنے کے لئے ہمارے پاس دو دن کی مدت باقی تھی۔ لیکن وہ خبر اول خان تک فوری طور پر پہنچانی بہت ضروری تھی کیونکہ اس کا کام صرف سوچ بچار کرنے کا نہیں تھا بلکہ اسے کھلے سمندر میں لانچ کی چیکنگ اور اس میں ناکامی کی صورت میں گھوڑا کریک میں' اس پر کامیاب چھاپے کے انتظامات کرنے تھے۔ جن کے لئے وقت درکار ہوتا۔ وقت کی کمی کی وجہ سے ان دونوں کارروائیوں میں ذرا بھی خامی رہ جاتی تو ہتھیاروں وغیرہ کی وہ بڑی کھیپ ہمارے ہاتھوں سے نکل کر ملا سرکار یا اس کے حامیوں تک نہ سہی تو دوسرے ملک دشمن عناصر کے ہاتھوں میں پہنچ سکتی تھی۔

میں نے فوری طور پر ویرا کی متروکہ رہائش گاہ کا نمبر ملایا جہاں اول خان کے آدمی مقیم تھے۔

اول خان نے میری فراہم کی ہوئی اطلاعات تحمل کے ساتھ سنیں اور میری بات پوری ہونے پر بولا "میں تیاریاں شروع کرا دیتا ہوں لیکن تم قاسم سے رابطہ رکھو۔"

"کیوں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ اس کے لہجے سے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اسے میری فراہم کی ہوئی اطلاعات کی صحت پر شبہ رہا ہو۔

"ایسے معاملات میں ہیر پھیر ضروری ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ

ویرا کے ذریعے قاسم کو گھوڑا کریک کا نام دے کر چکر دیا گیا ہو۔ اب وہ نفری اور ٹرکوں وغیرہ کا بندوبست تو کر ہی لے گا۔ آخری لمحات پر مقام کا نام تبدیل بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس سے قاسم کے انتظامات میں کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔"

اس کی بات ٹھیک ہی تھی۔ میری اپنے طور طریقوں سے بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا تھا اور اپنے معاملات میں کسی بھی قسم کا خطرہ مول لینے کا عادی نہیں تھا۔

"تو کیا سمندر میں لانچ پکڑے جانے کی کوئی امید نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"لانچ کا نام معلوم ہوئے بغیر یہ بہت مشکل ہوگا۔ کھلے سمندر میں آنے والی ہر لانچ کو روک کر، اس کی تلاشی لینا ناممکن ہوگا۔ ویسے میرے بڑوں نے بحریہ کے ذمے داروں سے بات کی ہے۔ ہماری طرف سے دی جانے والی اطلاعات کی روشنی میں نہ صرف ان کی پٹرولنگ بوٹس الرٹ رہیں گی بلکہ لانچ کے لنگر انداز ہونے کے مقام کے قرب و جوار میں بھی بحری محاصرہ کا خفیہ بندوبست کیا جائے گا تاکہ خطرہ بھانپ کر لانچ کا عملہ اسے دوبارہ کھلے سمندر میں نہ لے جاسکے۔"

"گھوڑا کریک پر تو تمہاری فورس ہی کارروائی کرے گی؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں، ابھی تک تو یہ ہمارا ہی کیس ہے۔ حالات قابو سے باہر ہوتے نظر آئے تو کسی اور ایجنسی سے بھی مدد لی جاسکتی ہے لیکن یہ بات طے ہے کہ اس آپریشن میں پولیس ڈپارٹمنٹ کو اعتماد میں نہیں لیا جائے گا۔"

"وہ کیوں؟"

"اس محکمے میں کالی بھیڑیں گھسی ہوئی ہیں، جن کے ڈاکوؤں سے گہرے روابط ہیں۔ محکمے سے ہونے والی مخبری کے نتیجے میں، آج تک ان کا کوئی آپریشن کامیاب نہیں ہوسکا۔ جہاں چھاپا مارا جاتا ہے، میدان صاف ملتا ہے۔ جب کہ ہم اپنے معاملات میں مخبری کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے، میں قاسم سے رابطہ رکھوں گا اور جوں ہی کوئی نئی بات معلوم ہوئی تو تم کو باخبر کردوں گا۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ اخبارات میں گدبرا کے واقعات کا بلیک آؤٹ کیوں کیا گیا ہے؟"

"یہ نفسیاتی وار ہے۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ "آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ مکمل ہونے کے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد مجھے سادھنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ مجھے فون پر زبان بندی کا حکم ملا تھا جو میں نے تم تک پہنچانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ دو چار دن تک ان کے منصوبہ ساز تجسس میں مبتلا رہیں گے۔ میرا خیال ہے کہ جب وہ ادھر سے کوئی اچھی خبر نہ پاکر زچ آجائیں گے تو کسی مضحکہ خیز کہانی کے ساتھ واویلا مچانا شروع کردیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت اخبارات میں سب کچھ شائع ہوجائے۔"

"اس مکمل اور عبرتناک تباہی پر اس پلان کے خالقوں کا کورٹ مارشل ضرور ہوگا۔"

"مطلوبہ نتائج کے حصول میں ناکامی پر کورٹ مارشل نہیں کیا جاتا۔ ان میں سے کسی نے کمانڈر اور اس کے یونٹوں کو دیدہ و دانستہ مروایا ہو تو وہ سزا سے نہیں بچ سکے گا۔"

"ویسے ان کی کل تعداد کتنی تھی؟" میں نے پر تجسس لہجے میں پوچھا۔

"تم تو اس طرح پوچھ رہے ہو جیسے میں جی ایچ کیو کا آدمی ہوں۔ گدبرا سے میری واپسی کے بعد ان لوگوں سے میرا کوئی رابطہ نہیں ہے۔ اب تو اخباروں سے ہی کچھ معلوم ہوسکے گا۔"

"تمہارے آٹھ کمانڈو بھی تو اندر کی خبریں لائے ہوں گے؟" میں نے کہا۔

"ان آٹھوں کو آپریشن کی تکمیل اور لاشوں کی گنتی شروع ہونے سے پہلے ہی واپس بھیج دیا گیا تھا۔ ویسے بھی وہ میرے ما... نہیں تھے۔ ان آٹھوں کو ایس ٹی ایف کے پنڈی یونٹ سے لیا گیا تھا۔"

اس سے میں کافی دیر تک باتیں کرتا رہا۔ مختصر سی رفاقت میں اس سے ایسی اپنائیت محسوس ہونے لگی تھی جیسے وہ برسوں سے دوست اور ساتھی رہا ہو۔

میں نے اگلا فون جہانگیر کے گھر کیا۔ وہاں کسی ملازم نے اٹھایا۔ اس سے پتا چلا کہ جہانگیر بدستور لاہور میں مقیم تھا۔ جہا... سلمٰی کو لینے گیا ہوا تھا۔

ملک دشمنوں کے ساتھ ہونے والی ہولناک پیکار میں الجھا... بری طرح الجھا ہوا تھا کہ مافیا سے بالکل کٹ کر رہ گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ میں ان کا تنخواہ دار ملازم تھا اور سیٹھ جیوانی کے بعد مقامی مافیا دوسرا اہم ترین عہدے دار تصور... تھا۔ میرے بارے میں حبیب کے عزائم کچھ اچھے نہیں تھے۔ مجھے بتا چکا تھا کہ حبیب میری غیر حاضری سے ناجائز فائدہ اٹھا... مافیا کے بڑوں کو میرے خلاف بھڑکانے کے منصوبے پر عمل... تاکہ ہمیشہ کے لئے اپنی راہ صاف کرسکے۔

مجھے اپنی نیت اور ارادوں کے برعکس مافیا میں شامل... تھا۔ انکار کرتا تو ڈان تھری کے ہاتھوں مارا جاتا۔ اور اب... صورت حال برقرار تھی۔

اگر حبیب مافیا کے بڑوں میں میرے خلاف بدگمانیاں... میں کامیاب ہوجاتا تو وہ لوگ میری بے خبری میں، مجھے... دے کر میرے قتل کی ہدایات جاری کرسکتے تھے۔

اس وقت میرے پاس فوری نوعیت کا کوئی کام نہیں... لئے میں نے ٹریڈ لائن کے دفتر کا رخ کرنے کا فیصلہ کرلیا... زندگی کا ایک ایسا کمزور پہلو تھا، جس سے نجات دلا... اول خان بھی کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ وہ ٹریڈ لائن کا دفتر... حبیب اور اس کے آدمیوں کو تہ تیغ بھی کرا دیتا تو مافیا کے... جان نہ چھوڑتے۔ وہ پاکستان کی ہیروئن کی پیداوار...



موقف پر چھا جانے کا فیصلہ کرچکے تھے۔ پھر میری ذات میں تو ان کی دلچسپی دوسری نوعیت کی تھی۔ ایک طرف وہ مافیا کے مقامی معاملات میں میری صلاحیتوں سے استفادہ کرنا چاہتے تھے تو دوسری طرف بھی لانچ سے کسی بڑی سودے بازی میں مجھے اس کے حوالے کردیئے کے امکانات پر غور کررہے تھے۔

طویل غیر حاضری کے بعد دفتر میں جس نے بھی مجھے دیکھا، اس نے نہایت تپاک سے میرا استقبال کیا کیونکہ سیٹھ حبیب جیوانی اگر مافیا بیک تھا تو میں بھی ان کا باس تھا۔

اس وقت حبیب جیوانی کا دفتر خالی پڑا ہوا تھا لیکن میں نے اپنے ہی کمرے میں بیٹھنا پسند کیا کیونکہ اس کے کمرے میں چھپے ہوئے الیکٹرانک آلات سے میں خائف ہی رہتا تھا۔ کچھ پتا نہیں چلتا تھا کہ کب گفتگو ریکارڈ ہورہی ہے اور کب خفیہ تصاویر بھی محفوظ ہوجائیں گی۔

میرے بیٹھتے ہی، سینڈو فوری طور پر میرے کمرے میں آپہنچا۔

اسی وقت مجھے یاد آیا کہ میری سینڈو اور حبیب جیوانی سے آخری بار گفتگو ہوئی تو اس وقت تک مسز جیوانی میری قید میں تھی۔ اس کی خودکشی کے بعد ان دونوں سے میری بات نہیں ہوسکی تھی۔

"چیف کی بیوی کا کیا بنا، سینڈو؟" میں نے چھوٹتے ہی اس سے سوال کیا۔

میں نے مافیا میں شہر سے اپنی غیر حاضری کا عذر پیش کیا ہوا تھا اس لئے مجھے مقامی خبروں سے لاعلمی کا اظہار کرنا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ مسز جیوانی کی لاش برآمد ہونے کے بعد مقامی اخبارات میں بھی اسے بیوہ قرار دیا گیا تھا۔ اس لئے میں یہ ظاہر کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا کہ میں اس کی موت سے باخبر تھا۔

"ہم سب کچھ نہیں کرسکے، باس!" اس نے سر جھکا کر مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "اگلی دن کے بعد اس کی لاش جھاڑیوں میں پڑی ہوئی ملی۔ اس کے سینے میں خنجر کا زخم موجود تھا۔ اس صدمے نے چیف کو نڈھال کرکے رکھ دیا ہے۔ وہ بہت مضبوط اور دلیر آدمی ہے۔ بیوی کی ذلت آمیز موت پر میں نے اسے کسی بچے کی طرح بلک بلک کر روتے ہوئے دیکھا۔ ان دنوں وہ تمہیں بہت یاد کرتا رہا۔ ابھی تک ہم پتا نہیں چلا سکے کہ اسے لے جانے والے کون لوگ تھے۔"

حبیب جیوانی نے اپنے سازشی رویے سے خود ہی میرے انتقامی جذبے کو بھڑکایا تھا۔ میں نے اسے ذلت اور کمتری کے احساس میں مبتلا کرنے کے لئے اس کی بیوی کو اغوا کیا تھا۔ میرا ارادہ اسے چند روز کے بعد رہا کردینے کا تھا لیکن یہ اس کے مقدر کا المیہ تھا کہ جس روز میں نے اسے رہا کرنے سے قبل ذرا زبان بند رکھنے پر مجبور کرنا چاہا تو اس نے بدنامی کے خدشات سے خوفزدہ ہو کر میرے کچھ سمجھنے سے پہلے خودکشی کرلی۔

لیبر کی جیل سے حبیب جیوانی کی موت کا صداقت نامہ جاری ہوگیا تھا اور اب کوئی قانون اسے مفرور قیدی کی حیثیت سے نہیں پکڑ سکتا تھا لیکن اس کے نام کے ساتھ اس کا بدنام ماضی پیوست ہو کر رہ گیا تھا، اس لئے وہ گوشہ نشینی کی زندگی سے نجات پالینے کے باوجود اپنے نام کے ساتھ منظر عام پر نہیں آسکتا تھا۔ اپنی اصل صورت کے ساتھ وہ میرے سامنے آیا تھا یا سینڈو اسے پہچانتا تھا ورنہ مافیا کے ہر فرد کے لئے وہ گمنام تھا۔ لوگ اس کی آواز پہچان کر اس کے احکام کی تعمیل کیا کرتے تھے۔ اس قدر مقتدر ہونے کے باوجود، وہ بالکل اکیلا تھا اور بیوی کی موت پر اس کا سوگ قابل فہم تھا۔

وہ میرا دوست نما دشمن تھا لیکن اس سے، اس کی بیوی کی موت پر تعزیت کرنا میرے لئے ضروری تھا۔

میں نے اس کے گھر فون کیا تو اس کی آواز بھاری اور دل گرفتہ تھی۔

"مجھے تمہاری بیوی کی ہلاکت پر دلی صدمہ ہوا ہے، چیف!" میں نے سوگوار آواز میں کہا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" میری براہ راست تعزیت پر وہ بری طرح چونکا تھا۔

"مجھے سینڈو سے علم ہوا ہے۔ میں آج صبح ہی کراچی واپس آیا ہوں۔"

"اوہ، میں سمجھا تم باہر ہی کے کسی شہر سے بول رہے ہو۔ ہاں ڈیلی! موت تو ہر ایک کو آتی ہے لیکن وہ جس طرح مری ہے اس نے میرے دل میں گھاؤ ڈال دیئے ہیں.... کاش.... کاش میں جان سکتا کہ اسے اغوا کرنے والا کون تھا تو میں اسے بتاتا کہ عبرت ناک موت کیا ہوتی ہے۔ میں اس کے بدن سے ایک ایک پسلی کاٹ کر الگ کرتا اور....."

بولتے بولتے وہ اشتعال میں آگیا تھا اس لئے میں نے نرمی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "صبر اور حوصلے سے کام لو، چیف۔ تم اکیلے نہیں ہو۔ ہم سب تمہارے دست و بازو ہیں۔ لاش یہاں سے ملی

ہے تو اس کے قاتل بھی اسی شہر میں ہوں گے۔ جلد یا بدیر' ہمارے ہاتھ ان کی شہ رگ تک ضرور پہنچیں گے۔"

"مجھے سب سے زیادہ دکھ تو اسی بات کا ہے' ڈیڈی!" وہ تڑپ کر بولا "اسے اغوا کرنے والے اسی شہر میں تھے اور میری بیوی ان کی قیدی تھی لیکن میں اس کے لئے کچھ نہ کرسکا۔ سینڈو نجانے کہاں جھک مارتا رہا کہ اسے میری بیوی کی پرچھائیں تک نظر نہیں آسکی۔ میرے آدمیوں نے مجھے ذلیل کرایا ہے۔"

"اس نے اپنی کوششوں میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہوگی۔ اپنی ناکامی پر وہ بھی شرمسار اور رنجیدہ ہے۔ بس مقدر کی بات ہے کہ وہ تمہارے دشمن تک نہیں پہنچ سکا۔"

"اب تم لوٹ آئے ہو تو تم ہی اس مہم کی نگرانی کرو۔ مجھے سینڈو کی کہانیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں اپنے دشمن کو ہر قیمت پر اپنے قدموں میں دیکھنا چاہتا ہوں..... یہ بتاؤ کہ تمہاری صحت اب کیسی ہے؟"

"ٹھیک ٹھاک ہوں۔ ذرا کمزوری باقی ہے جو رفتہ رفتہ ہی ختم ہوگی۔"

"مسپرڈان بھی اگلے ہفتے آرہا ہے۔ کل قبائلی علاقے سے دو ملک آرہے ہیں۔ ان سے سینڈو کو ملنا تھا لیکن اب تم انہیں دیکھ لینا۔ وہ اپنی لیبارٹریز کو وسعت دینے کے لئے کچھ قرض لینا چاہتے ہیں۔ اس کے بدلے پانچ سال تک اپنی ساری پیداوار ہم ہی کو دیتے رہیں گے۔ یہ معاملہ اوپر والوں نے چھیڑا ہے۔"

"تم بے فکر رہو اور گھر پر آرام کرو۔ اس اندوہناک سانحہ کے بعد تمہیں ذہنی سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔ دفتری معاملات کو میں اچھی طرح سنبھال لوں گا۔"

"یہ یاد رکھنا کہ میرے مجرموں کی تلاش' دفتری معاملات میں سب سے اہم ہے۔"

"اس معاملے میں پولیس کو تو ملوث نہیں کیا گیا؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

اس کی تلخ ہنسی ابھری' پھر وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولا "طویل غیر حاضری کی وجہ سے تم اپنی اصل کو بھول گئے ہو اور شاید اپنا حلف بھی بھلا بیٹھے ہو۔ ہم اپنے کسی بھی معاملے میں پولیس سے مدد نہ لینے کے پابند ہیں۔"

مجھے بے اختیار مافیا کے حلف نامے کے الفاظ یاد آگئے۔ جب ہر جگہ' ہر حال میں اور ہر قیمت پر جرائم کے فروغ کے لئے کام کرنا' ان کا مشن تھا تو پھر انہیں کسی جرم کا نشانہ بننے پر سینہ کوبی کا بھی حق نہیں تھا۔ کیونکہ شکار کوئی بھی ہو' مجرم حرکت میں آتا ہے تو جرم وجود میں آتا ہے اور یہی ان کا مشن تھا۔

لیکن انسان ایسی خود غرض مخلوق ہے کہ اپنے بنائے ہوئے' ہر اچھے اور برے قانون کو دوسروں پر پوری قوت سے نافذ کرنا چاہتا ہے لیکن اپنی باری آتی ہے تو قلابازی لگا کر ان تمام پھندوں سے نکل جاتا ہے۔

"کل دوپہر میلان فون کرلینا۔" وہ میلان کا ایک نمبر دہراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "ہمارے اور ان کے وقت میں' آج کل شاید تین گھنٹے کا فرق چل رہا ہے۔ تمہیں ایک بجے اس نمبر پر ڈبل ڈی ڈبل کے الفاظ ادا کرنے ہوں گے۔ ادھر سے جو کچھ کہا جائے' اسے کال ریکارڈر پر ریکارڈ کرلینا۔ بولنے والا بات پوری کرکے ریسیور رکھ دے گا اور تم بھی لائن منقطع کردینا۔ یہ یاد رکھنا کہ ڈبل ڈی ڈبل کے علاوہ تم ہیلو تک نہیں کہو گے۔"

"جیسا کہہ رہے ہو' ویسا ہی ہوگا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔ "جب ملو گے تو خود ہی بتادو گے کہ یہ کیا چکر ہے۔"

"چیف مجھ سے بہت ناراض ہے۔" میرے فون بند کرتے ہی سینڈو بھرائی ہوئی آواز میں بول پڑا۔ "اس کا خیال ہے کہ میں نے اپنے کام میں کوتاہی کی ہے۔"

"ناراض نہیں بلکہ وہ برہم ہے۔ تم خود سوچو کہ جو شخص خود کو اس شہر کے مجرموں کا ان داتا سمجھتا ہو' اس کی بیوی کو کوئی گھر سے اٹھا کر لے جائے تو اس کے دل پر کیا گزرے گی؟"

میرے الفاظ پر وہ چونک کر میری آنکھوں میں جھانکنے لگا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولا۔

جب چند ثانیوں تک وہی صورتِ حال برقرار رہی تو میں جھلا گیا۔ "کیا بات ہے؟ مجھے اس طرح دیدے پھاڑ پھاڑ کر کیوں دیکھ رہے ہو؟ کیا میرے ماتھے پر سینگ نکل آئے ہیں؟"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ چیف کی بیوی کو اس کے گھر سے اغوا کیا گیا تھا؟" اس نے میرے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر دھیمے اور رازدارانہ لہجے میں سوال کیا۔

"وہ خانہ دار عورت تھی۔ اسے گھر سے نہیں تو اور کہاں سے اٹھایا جاتا؟" میں نے جارحانہ تیوروں کے ساتھ کہا۔ اس معاملے میں مجھے دوسری بار سینڈو کے شکوک و شبہات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

"اسے سڑک پر گاڑی چلاتے ہوئے یا بازار میں خریداری کرتے ہوئے بھی اغوا کیا جاسکتا تھا۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا "اہم بات تمہیں کیسے معلوم ہوئی کہ اسے گھر سے اٹھایا گیا تھا؟"

"اصل بات یہ ہے کہ اسے اغوا کیا گیا تھا۔ اس میں گھر یا بازار کا معاملہ قطعی غیر اہم ہے۔ اور یہ بھی میں نے تم سے یا چیف کی زبان سے ہی سنا ہوگا ورنہ مجھے الہام تو ہونے سے رہا۔"

"دیکھو باس' میرے اور تمہارے درمیان کوئی تکلف نہیں ہے۔" وہ گمبھیر سنجیدگی کے ساتھ بولا "مجھے محسوس ہو رہا ہے چیف کی بیوی کے معاملے میں تم کچھ چھپا رہے ہو....."

"بکواس بند کرو' سینڈو!" میں نے غصے سے آنکھیں نکا[لتے] ہوئے اسے دھتکار دیا "میری نرمی سے فائدہ اٹھا کر حد سے تجاوز کرنے کی کوشش نہ کرو۔ میں نے ملتان سے فون کیا تھا تو چیف نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی بیوی کو گھر سے اغوا کیا گیا ہے۔ تم باتوں [کے] ہیر پھیر سے ہمارے درمیان موجود بدگمانیوں کو بڑھانے کی [کو]شش نہ کرو۔ چیف ویسے ہی میری جان کا دشمن ہو رہا ہے۔ تم [نے] خود اس کے خوفناک عزائم سے مجھے ہوشیار کیا تھا....."

"باس' میری نیت میں فتور نہیں ہے۔" وہ گڑگڑا کر خوشامدانہ [لہجے] میں بولا "میں کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب میں [تمہیں] کیا بتاؤں کہ میرے ذہن پر کیا بوجھ مسلط ہے۔"

"جب ہمارے درمیان کوئی تکلف نہیں ہے تو تم کو سب سے [پہلے] اپنے ذہن کا بوجھ ہلکا کرنا چاہئے تھا۔" میں نے برا سا منہ بناتے [ہو]ئے کہا "سیدھا طریقہ اختیار کرتے تو ان حماقتوں کی ضرورت باقی [نہ] رہتی جو تم کر رہے ہو۔ واقعات یا مشاہدات کی کڑیوں کو ملا کر نتیجہ اخذ کرنے میں دماغ کی چولیں ہل جاتی ہیں۔"

وہ سر جھکائے قالین کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے سے [شدی]د اندرونی تذبذب کا اظہار ہو رہا تھا۔ جیسے وہ مجھے کچھ بتانے یا [نہ بت]انے کے بارے میں فیصلہ نہ کرپا رہا ہو۔

میں نے گرم لوہے پر فوراً ہی چوٹ لگانے کا فیصلہ کرلیا اور کہا۔ "[اب] گونگے کیوں بن گئے ہو؟ کچھ بکو' تاکہ یہ میٹنگ ختم ہو۔ میں [سا]رادن تو تمہیں سامنے بٹھا کر تمہاری صورت نہیں دیکھتا رہوں [گا]۔"

"چیف کی بیوی کے معاملے سے ٹریڈ لائن کا اسٹاف بالکل [بے] خبر ہے۔ کیونکہ اس خبر کے پھیلنے سے چیف کی شخصیت بے [آ]ب ہوجاتی۔" اس نے دھیمی اور قدرے سہمی ہوئی آواز میں [کہنا] شروع کیا۔ "اس لئے ساری بھاگ دوڑ میں اکیلا ہی کر رہا تھا۔ [مقص]د بتائے بغیر' اپنے آدمیوں کو اِدھر اُدھر دوڑایا تو شہر میں چار [ایسی] عورتوں کا سراغ ملا جنہیں ان کی مرضی کے خلاف' حبسِ بے [جا] میں رکھا ہوا تھا لیکن ان میں چیف کی بیوی نہیں تھی۔ میری [ناکام]ی کا احساس کرتے ہوئے چیف بھی ہاتھ پیر مار رہا تھا اور میرا [خیا]ل ہے کہ اس بارے میں اسے تم پر بھی شبہ ہوا تھا....."

میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا "تم نے یہ رائے کس بِنا پر [قائ]م کی؟"

"چیف نے مجھ سے تمہارے شرف آباد والے فلیٹ کا پتا لیا [تھا]۔" اس کا وہ فقرہ سنتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک [تیز] ہوگئیں۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اسی وقت [مجھے] خیال آیا کہ کیوں نہ میں بھی تمہارے فلیٹ کا چکر لگالوں۔ شاید [تم س]ے ملاقات ہی ہوجائے۔ میں اس رات تمہارے فلیٹ کی [طر]ف گیا تو چیف کی گاڑی پہلے سے وہاں موجود تھی۔ میں چھپ کر [اس] کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے [آس] پاس سے معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ تمہارا فلیٹ کافی [عر]صے سے مقفل پڑا ہوا تھا....."

"یعنی تم دونوں میرے خلاف شہادتیں جمع کرتے پھر رہے تھے؟" میں نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

"میں نہیں' صرف چیف۔" اس نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی۔ "میں تو اس خیال سے ادھر گیا تھا کہ تم سے ملاقات ہوجائے تو تمہیں اصل بات بتائے بغیر' چیف کی طرف سے ہوشیار کردوں گا۔"

"پھر ابھی تک یہ بات اپنے دل میں کیوں دبائے بیٹھے ہوئے تھے؟"

"ایک بار میری پوری بات سن لو' پھر جو چاہو کہہ لینا۔" میرے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر وہ گھبرا گیا تھا۔

"چکر دینے کے بجائے اختصار سے اپنی بات ختم کرو تاکہ دوسرے کام بھی نمٹائے جاسکیں۔"

"تمہارا فلیٹ چیک کرنے کے بعد چیف کا ذہن تمہاری طرف گیا تھا۔ ڈیفنس کے علاقے سے لاش ملنے تک اس کے ذہن میں یہ امکان جاگزیں تھا کہ تم اس کی بیوی کو لے بھاگے ہو اور اس کے ساتھ کسی دور افتادہ مقام پر روپوش ہوگئے ہو۔ تمہاری بیماری کا افسانہ اسے فریب معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے ایک موقع پر اپنے ان خیالات کا میرے سامنے اظہار بھی کیا تھا۔ میں نے اس سے' تم پر شبہ کرنے کے سبب کے بارے میں پوچھا تو وہ میری بات ٹال گیا۔ لیکن کراچی ہی کے ایک علاقے سے اس کی لاش ملنے کے بعد تمہاری طرف سے اس کا ذہن صاف ہوگیا ہے اور اب اس کے غصے کا رخ میری طرف ہوگیا ہے۔ چیف کا ذہن صاف ہوچکا ہے اس لئے میرے نزدیک اس کے شبہات کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی ہے۔"

"پھر تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا کہ میں چیف کی بیوی کے بارے میں کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہوں۔" میں نے اس کا خوف دور کرنے کے لئے نرم لب و لہجہ اختیار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"بات دراصل یہ ہے باس" اس نے جھجکتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "کہ جس روز ڈیفنس کے ایک ویران علاقے سے چیف کی بیوی کی لاش برآمد ہوئی' اس سے پچھلی رات کو میں نے تمہیں ڈیفنس کے 'میرینا کلب' کی طرف جانے والی سنسان سڑک پر تیزی کے ساتھ کار ڈرائیو کرتے ہوئے دیکھا تھا۔"

اس کے انکشاف پر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس کا دعویٰ اپنی جگہ پر سو فیصد درست تھا کیونکہ مسز جیوانی کی لاش کو میں نے ہی ٹھکانے لگایا تھا۔ میں نے اس معاملے میں رازداری برقرار رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی تھی لیکن سینڈو نہ صرف شہر میں میری موجودگی سے باخبر ہوچکا تھا بلکہ اس نے مجھے لاش پھینکے جانے والے مقام کے قریب بھی دیکھ لیا تھا اور اس کی وہ معلومات میرے حق میں مہلک ثابت ہوسکتی تھیں۔

"ان دنوں مجھ پر چیف کا بے پناہ دباؤ تھا اور میں کسی پاگل کتے

کی طرح شہر بھر کے کونوں کھدروں میں جھانکتا پھرتا تھا۔ اس رات کو میں' سڑک کے آغاز پر واقع ایک اسٹیٹ ایجنسی میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ شراب نوشی کر رہا تھا کہ شیشے کی دیوار میں سے میں نے ایک سفید کار' تیزی کے ساتھ میرینا کلب والی سڑک پر جاتی دیکھی جسے تم چلا رہے تھے۔ میری معلومات کے مطابق تم ان دنوں شہر سے باہر' بیمار پڑے ہوئے تھے۔ تمہیں دیکھ کر مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ میں نے تمہارا تعاقب کرنے کا ارادہ کیا لیکن فوراً ہی ترک کر دیا۔ اگر تم شہر میں اپنی موجودگی کو مجھ سے چھپا رہے تھے تو میرا سامنا ہوتے ہی مشتعل ہو کر کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد تمہاری کار اسی راستے سے واپس گئی تھی۔ اگلی صبح اسی سڑک کے ایک تاریک اور ویران علاقے کی جھاڑیوں میں سے مسز جیوانی کی لاش برآمد ہوئی تھی جو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق پندرہ گھنٹے پرانی تھی۔ یعنی مسز جیوانی کی موت اور تمہارے دیکھے جانے کے درمیان' کم و بیش ایک گھنٹے کا وقفہ تھا۔"

اس کے ٹھوس اور ناقابلِ تردید انکشافات پر میری اعصابی حالت تیزی کے ساتھ متغیر ہوتی جا رہی تھی لیکن ظاہری طور پر میں نے پُرسکون اور مطمئن نظر آنے کی کوشش کی تھی۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے بے پروایانہ انداز میں ہنسنے کی کوشش کی لیکن میری ہنسی کچھ ایسی بھیانک اور بے رحمانہ تھی کہ میں خود ہی خاموش ہو گیا۔

سینڈو نے وہ سب میرے سامنے اگل تو دیا تھا مگر میری سفاکانہ ہنسی سے وہ خوف زدہ ہو گیا تھا۔ میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ مدافعانہ لہجے میں کہنے لگا "میں نے تمہیں سب کچھ سچ سچ بتا دیا ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ میں نے تم پر اعتماد کر کے غلطی نہیں کی ہے۔ تمہارے علاوہ' میں نے کسی اور سے ان واقعات کا ذکر نہیں کیا ہے۔"

"بتانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' سینڈو!" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ملائمت سے کہا "مجھے تمہاری کھوپڑی کے فتور پر حیرت ہو رہی ہے کہ تم نے مجھے کراچی میں کیسے دیکھ لیا جب کہ میں تو آج صبح ہی صادق آباد سے یہاں پہنچا ہوں۔ دراصل زیادہ شراب پی لی جائے تو کھوپڑیاں ایسے ہی گل کھلانے لگتی ہیں اور ذہن میں دبے ہوئے واہمے حقیقت بن کر نظر آنے لگتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہیں ابتدا ہی سے مجھ پر شبہ تھا' اس لئے مسز جیوانی کے قتل کی رات تم نے مجھے ڈیفنس کے علاقہ میں کلٹس چلاتے ہوئے دیکھ لیا' مغربی ادب میں ایسی کہانیوں کو فینٹاسی میں شمار کیا جاتا ہے۔"

"میں تمہیں جھٹلانے کی جرات نہیں کر سکتا' باس! لیکن یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ اس رات مَیں نشے میں نہیں تھا۔ میرے ساتھ بیٹھے ہوئے دوست اس بات کی گواہی دے سکتے ہیں کہ خوب کھانے کے بعد ہم وہاں سے اٹھے تو اس وقت بھی میں پوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔ یہ میرے بہکے ہوئے ذہن کی تخلیق کی کہانی نہیں ہے۔"

"تم ہوش و حواس میں تھے' تم نے مجھے وہاں دیکھ لیا جب میں سرے سے یہاں موجود ہی نہیں تھا۔ یہ کیا بکواس ہے سینڈو" میں نے قدرے برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "یہ تو بیہودہ بات ہے کہ تمہیں میری بات پر اس وقت بھی اعتبار نہیں آ رہا۔ دنیا کے ہر شرابی کو یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ زیادہ پی کر نہیں بہکتا۔ اسی زعم میں ہر رات لاکھوں شرابی نشے میں آپے سے باہر ہو کر گھروں میں سوتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔"

"نہیں باس!" وہ کسی سدھے ہوئے غلام کی طرح بولا "آپ کی بات بھی درست ہو سکتی ہے اور تمہاری سچائی تو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اندھیرے کی وجہ سے مجھے دھوکا ہوا ہو۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی۔ ایسی صورت میں شکل و صورت سے زیادہ جسامت اور انداز کی مشابہت کی بنا پر آدمی دھوکا کھا سکتا ہے۔ میں اپنی اس سنگین غلطی پر تم سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں۔ زبان کھولنے سے پہلے مجھے ہر امکان پر غور کر لینا چاہئے تھا۔"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر' مجرمانہ انداز میں کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھ جاؤ!" میں نے اپنی کرسی چھوڑ کر' بے تکلفی کے ساتھ اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے' ہنس کر کہا "پہلے تولو پھر بولو' ایسے ہی مواقع کے لئے کہا جاتا ہے۔ تم نے بلاوجہ میرا .... وقت برباد کیا ہے۔ اب رونی صورت پر لعنت بھیجو اور اچھے بچے کی طرح اپنی کرسی پر بیٹھو!"

"تم بہت گریٹ ہو' باس۔" وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے' بھرائی ہوئی آواز میں بولا "مجھے تمہاری ذات میں ایک باپ جیسی شفقت اور محبت محسوس ہوتی ہے۔"

"مجھے بڑھاپے کا احساس نہ دلاؤ' میں عمر میں تم سے چھوٹا ہوں۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے بے پروائی سے کہا "اب تمہاری سزا یہ ہے کہ آج شام تم میرے ساتھ بیٹھ کر پیو تاکہ میں یہ بھی دیکھ سکوں کہ کتنے پیگ لینے کے بعد' شراب تمہارے معدے میں اترنے کے بجائے کھوپڑی میں چڑھنے لگتی ہوجاتی ہے۔"

"یہ مجھ ناہنجار کے لئے بہت زیادہ عزت افزائی ہوگی' باس!" میری دعوت پر اس کے روئیں روئیں سے مسرت ابل پڑی۔ میں اس ناہنجار کے لئے اپنے دل کے کسی دور افتادہ گوشے میں ہمدردی کی موہوم سی لہر محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔



ویرانہ کا متروک گھر ان دنوں اوّل خان اور اس کی اسپیشل فورس کی تحویل میں تھا۔ اس اعتبار سے مجھے بھی اس وسیع و عریض مکان میں پوری طرح رسائی حاصل تھی۔ اول خان سے خصوصی تعلقات کی بنا پر میں کسی بھی قانونی یا غیر قانونی کام کے لئے اس مکان کو ایک ٹھکانے کے طور پر استعمال کر سکتا تھا لیکن محتاط طبیعت غیر ضروری خطرات سے دور ہی رہنے کی عادی تھی۔

جو کام راز داری کے ساتھ سرانجام دینا ممکن ہو' اس کے گواہ پیدا کر لینا' میرے نزدیک سراسر حماقت اور فاش غلطی کے مترادف تھا۔ ایسا کام وہی لوگ کرتے ہیں جو اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے ہر لمحہ اس زعم میں مبتلا رہتے ہیں کہ قسمت ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گا اور ان کے غیر قانونی کارناموں پر کوئی ان سے بازپُرس کرنے کی جرات نہیں کر سکے گا۔ اسی زعم میں وہ اپنی قیاس آرائیوں کی تردید کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے۔ ایسے لوگ ناکردہ جرائم میں ملوث کرنے کے لئے گھڑلی جاتی ہیں اور وہ ان ناکردہ جرائم کی خاموش ذمے داری قبول کر لیتے ہیں لیکن وقت کا بے رحم دھارا ایسے بے پروا لوگوں کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ بھلے وقتوں میں لکھی گئی فردِ جرم کو دیکھ کر اُن کے دل بیٹھنے لگتے ہیں اور انہیں ایک ایک کر کے اپنی ساری بے اعتدالیاں یاد آنے لگتی ہیں۔

ایسے روح فرسا لمحات میں' ماضی کے شہ زور انسان اپنی بے احتیاطی کا ماتم کرتے ہیں۔ ایک لمحے کا غلط فیصلہ' وقت بدلتے ہی جرم بن جاتا ہے اور اس جرم کی تعزیر سامنے آنے تک' ان کا ہر لمحہ خود ملامتی میں بسر ہوتا ہے کہ اپنے اچھے وقتوں میں انہوں نے تقدیر کی ستم ظریفیوں کا بھی دھیان رکھا ہوتا تو اس بری طرح نہ پھنستے جو ان کے دل و دماغ کے لئے ایک مستقل آزار بنی ہوئی ہے۔

میں کر کے پچھتانے والوں میں شامل نہیں تھا۔ دوسروں کی بے اعتدالیوں سے اپنا راستہ بنانے کا عادی تھا اس لئے میں نے فوری طور پر اوّل خان کے اس محفوظ و مامون مسکن کا خیال ترک کر دیا۔

دوسرا اڈا' وہی فلیٹ تھا جو جہانگیر نے عملاً میرے حوالے کیا تھا۔ رازونیاز' منصوبہ بندی اور روپوشی وغیرہ کے لئے وہ ایک اچھا ٹھکانا تھا لیکن دھماچوکڑی' ہنگامہ آرائی اور مشتبہ وزنی سامان کے نقل و حرکت کے لئے وہ فلیٹ بہت مخدوش تھا۔ وہاں آنے جانے والے' بالعموم چوکیدار کی نظروں میں رہتے تھے۔ فرش پر ہونے والی کوئی بھی دھمک نیچے والوں کو چوکنا کر سکتی تھی۔ سب سے بڑھ کر خرابی یہ تھی کہ وہاں سے کسی سالم آدمی کو آنکھیں بند کر کے بے خوف و خطر نکال کر غائب کر دینا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا۔

اس طرح لے دے کر جہانگیر کا گھر ہی ایسا محفوظ ٹھکانا تھا جہاں کسی بھی قسم کی کارروائی میں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا تھا۔ سلمٰی' مسز جیوانی والے قصے میں جہانگیر سے لڑ کر اپنے میکے جا بیٹھی تھی اور جہانگیر جورو کے سعادت مند غلام کی طرح' اسے منانے کے لئے لاہور گیا ہوا تھا۔ ان دونوں کی غیر حاضری میں وہاں گنتی کے چند ملازمین موجود تھے جو خانگی ملازمین کی انتہائی نایاب اور وفادار نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے مالک اور مالکن کی رضا پانے میں مگن رہنے کے علاوہ دنیا و مافیہا سے ان کو کوئی غرض نہیں ہوتی تھی۔ اپنے مالکان کے مفاد میں ہر بات کو بھول جانے کے عادی تھے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ میں' ان میں سے کسی کی مدد سے وزنی بوری کو اپنی کار کی ڈکی میں منتقل کراتا تو وہ بہت کچھ سمجھ لینے کے باوجود مجھ سے کوئی سوال کرنے کی جرات نہیں کر پاتا۔ ان لوگوں کی ان ہی خوبیوں کی وجہ سے جہانگیر ان پر اندھا اعتماد کرتا تھا اور سلمٰی ذرا بھی اِدھر اُدھر ہوتی تو اپنی شناسا لڑکیوں کو گھر لانے سے نہیں چُوکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے نمک حلال ملازمین انعام وغیرہ پانے کے لالچ میں' سلمٰی سے اس کی چغل خوری نہیں کریں گے۔ اس کا یہ اعتماد اور ملازمین کی بے مثالی وفاداری یک طرفہ نہیں تھی۔ جہانگیر ان کے ساتھ محبت اور نرمی سے پیش آتا تھا اور لگی بندھی تنخواہ کے علاوہ ان کی ہر ذاتی ضرورت کا بھی پورا پورا خیال رکھتا تھا۔

وہ پودے جہانگیر کے سینچے ہوئے تھے اور اس سے اپنی گہری دوستی کے حوالے سے مجھے بھی ان سے استفادہ کرنے کا پورا پورا حق حاصل تھا' اس لئے میں نے وہ شام وہیں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔

ٹریڈ لائن کے دفتر میں' میں نے سینڈو کو سمجھا دیا تھا کہ دفتر کے لوگوں میں سیٹھ حبیب جیوانی کے مخبر بھی ہو سکتے تھے' جن سے وہ پسِ پردہ رہتے ہوئے بھی دفتر کی' اندر کی خبریں معلوم کر سکتا تھا۔ نچلے درجے کے ملازمین اپنے آقا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے آسانی کے ساتھ ایسے جال میں پھنس جایا کرتے تھے۔ دوسری طرف' چیف کے ذہن میں میری طرف سے شبہات پروان چڑھ رہے تھے۔ پہلے اس نے مجھے رخصت پر جانے پر اکسا کر میری غیر حاضری کو میری غیر ذمے داری قرار دینے کی سازش کی۔ وہ تو میرے ستارے ہی اچھے تھے کہ سپر ڈان یا ڈان تھری کی آمد کا پروگرام ملتوی ہو گیا اور چیف کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔ دوسری بار اُس نے اپنی بیوی کے اغوا کے معاملے میں مجھ پر اس حد تک شبہ کیا کہ براہِ راست میرے فلیٹ پر جا پہنچا۔ اس مرتبہ بھی اسے مُنہ کی کھانی پڑی کیونکہ ہم لوگ فلیٹ کو خیرباد کہہ کر کئی دنوں سے جہانگیر کے گھر مقیم تھے۔

چیف میرے خلاف کوئی ثبوت حاصل نہیں کر سکا تھا لیکن میری طرف سے اس کے دل میں کینہ پرورش پا رہا تھا۔ ان حالات

میں وہ میرے اور سینڈو کے غیر معمولی میل جول کو کسی بھی طرح نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔

سینڈو نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوا تھا۔وہ ایک تجربہ کار مجرم تھا لیکن میری مدلّل گفتگو کے سامنے وہ آسانی سے قائل ہو جاتا تھا اور اتفاقِ رائے ظاہر کرنے کے جوش میں بعض ایسے پوشیدہ پہلوؤں کی بھی نشان دہی کرجاتا تھا جو میرے وہم وخیال میں بھی نہیں آسکتے تھے۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو' باس!" میری بات ختم ہوتے ہی' وہ خوف زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولا "پورے بیورو میں سب سے خطرناک پوزیشن ہم دونوں کی ہے۔تم اس کی نظروں میں آگئے ہو اور کسی بھی وقت میری بھی باری آسکتی ہے۔"

"یہ منطق میری سمجھ میں نہیں آئی" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا تھا۔

خوف سے اس کی آنکھوں کے ڈھیلے کشادہ ہوگئے اور وہ مزید دھیمی آواز میں بولا "باس! تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ مافیا میں صرف ہم دونوں ہی چیف کی اصل شخصیت سے واقف ہیں۔جب تک اسے خطرہ تھا تو وہ ہم دونوں کی یا ہم میں سے کسی ایک کی مدد لینے پر مجبور تھا۔ جرمنی کی جیل میں اپنے ہم شکل کی موت اور اس حوالے سے حبیب جیوانی نامی پاکستانی قیدی کی موت اور تدفین کی سرکاری تصدیق جاری ہونے کے بعد' اس کے سر پر لٹکتی ہوئی تلوار غائب ہوچکی ہے۔وہ آزادانہ اور من مانے انداز میں کام کرنے کے لئے کسی بھی وقت' کسی بہانے سے ہم دونوں کے خون کا پیاسا ہوسکتا ہے۔"

"تم بہت چالاک ہو سینڈو!" میں نے داہنی آنکھ دبا کر' مسکراتے ہوئے کہا "فوراً میرا ذہن پڑھ لیتے ہو' ان ہی خطرات کی وجہ سے میں شام کو تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا۔ تم سات بجے نیو ٹاؤن ولاز کے قریب پہنچ جانا۔وہاں سے میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

اس نے دعوت کی تجدید پر فخرمندانہ انداز میں کرسی پر پہلو بدلا اور بولا "اور میری گاڑی کا کیا ہوگا؟"

"اسے وہیں کہیں پارک کرکے لاک کردینا" میں نے بے پروائی سے کہا "واپسی پر تم ہوش میں رہے تو میں تمہیں وہاں چھوڑ دوں گا۔ شرط ہار گئے تو رات کو وہیں رہ لینا۔صبح اپنی گاڑی اٹھالینا۔"

اس بندوبست پر وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔اس کے نزدیک یہ بہت زیادہ عزت افزائی تھی کہ مافیا کے مقامی بیورو کا نائب سربراہ اسے اپنے ساتھ مے نوشی پر مدعو کررہا تھا۔

اس وقت تک میرے ذہن میں کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ٹریڈ لائن کے دفتر سے واپسی پر میں نے مختلف مقامات کے بارے میں اپنا ذہنی تجزیہ مکمل کیا اور فلیٹ پہنچنے سے پہلے اپنا فیصلہ کرلیا۔

اس وقت سینڈو کی ذہنی حالت بہت خطرناک تھی۔ا... طرف اُس کا برسوں پرانا سیٹھ اور آقا تھا جو مافیا کا چیف تھا... دوسری طرف میں اس کا نیا نیا باس تھا۔مقامی مافیا میں' ... جیوانی سے بہت جونیئر تھا لیکن مافیا میں ہر شخص یہ جانتا تھا کہ... ان میں شامل ہوتے ہی بہت اونچے مرتبے پر فائز ہوگیا تھا۔... میرے تیور دیکھ کر یہ بھانپ چکا تھا کہ میں اس منصب پر قانع... کرنے والا نہیں تھا بلکہ میری نظریں کہیں اور مرکوز تھیں۔

وہ وقتی طور پر ہم دونوں سے بہت قریب تھا اور شدید تذبذب... میں مبتلا تھا۔وہ میرے ساتھ ہوتا تو میرے گن گاتا تھا۔میرے... یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ حبیب جیوانی کے ساتھ' اس کی... میں ہاں ملاتا ہوگا۔وہ مافیا کا ایک مخلص اور سرگرم کارکن تھا... تنظیم میں اپنے لئے بہترین مستقبل کا خواہاں تھا۔وہ یہ فیصلہ نہ... کرپارہا تھا کہ بہتر مستقبل کے لئے اسے میری ذات سے سہارا... سکے گا یا حبیب جیوانی اسے بلندیوں کی طرف لے جاسکے گا۔

اس بے یقینی کے عالم میں' حبیب جیوانی کے چند محبت بھ... بول' اسے میرے خلاف زہر فشانی پر اکسا سکتے تھے اور ایسا... نازک مرحلہ آنے سے پہلے ہی میں اس عینی گواہ کا کوئی مستقل... بندوبست کرنا چاہتا تھا' جس نے مسز جیوانی کے قتل کی رات ا... کی موجودگی کے مقام کی طرف مجھے جاتے اور واپس آتے دیکھا... تھا۔

میں اپنی چابی سے دروازہ کھول کر فلیٹ میں داخل ہ... سلطان شاہ کو کچن سے برآمد ہوتا دیکھ کر حیران رہ گیا۔قمیص شلو... وہ عام طور پر پہنتا ہی تھا لیکن اس وقت' اس نے اپنے بڑے... بالوں پر' کسی پنج وقتہ نمازی کی طرح' بنی ہوئی سفید ٹوپی جما... تھی۔

"یا مظہرالعجائب!" میں نے اس پر نگاہ پڑتے ہی حیرت... کہا "یہ تم نمازی کب سے ہوگئے؟"

وہ میری طرف مڑ کر شرمساری کے ساتھ مسکرایا... سر جھکا کر بولا "کاش' تمہارا اندازہ درست ہوتا' میں نے نہا... بعد گیلے بالوں پر ٹوپی اوڑھی ہے۔غزالہ کا خیال ہے کہ اس... بال آسانی کے ساتھ سیٹ ہوجاتے ہیں....."

ہم دونوں کی آوازیں سن کر غزالہ بھی اپنے کمرے سے... نکل آئی اور آنکھیں نکال کر بولی "مجھے تو بعد میں پتا چلا کہ تم... لائن کی طرف گئے ہو۔جب اتنے دنوں سے تم انہیں اور وہ... بھولے ہوئے تھے تو اب اس سوتی ہوئی ڈار کو جگانے کی... ضرورت تھی؟"

"چور چوری سے جاتا ہے' ہیرا پھیری سے نہیں جاتا" سلطان... شاہ اپنے دیدے نچاتے ہوئے بولا "ڈپٹی کو جب تک ٹی... والوں کی صورت نظر نہ آئے' اس کا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔"



غزالہ کی آنکھوں میں شکایتیں امڈ آئیں اور اس نے ...ندانہ لہجے میں کہا "تم کیوں ان بکھیڑوں کی طرف جاتے ہو؟ وہ ...ں تم سے رجوع کرتے تو انہیں دیکھ لیا جاتا۔"

...میں کچھ کہے بغیر' ڈرائنگ روم کے ایک نرم اور بڑے ...نے میں دھنس گیا۔

"بعض لوگوں کو سکھ کی چادر چھوڑ کر دکھ دینے والی دھوپ ...میں زیادہ مزہ آتا ہے....."

"بے' چپ بنتِ ذوق!" میں نے سلطان شاہ کو جھاڑ دیا "تم ...کرتے ہوئے بہت بے رحم ہوجاتے ہو۔ تمہیں اندازہ ہے کہ ...ایسی باتوں کو اپنے دل پر لے لیتی ہے؟"

"ایسی باتیں کرنے کا موقع تم خود فراہم کرتے ہو" وہ میرے ...نے بیٹھتے ہوئے بولا۔

اس کی بات پوری ہوتے ہی غزالہ بول پڑی "یہ مذاق نہیں ...سکھ کی چادر' دکھ کا پوڈر بظاہر پیروڈی محسوس ہوتی ہے لیکن ...میں بھی گہرائی ہے۔ہر بات میں گہرائی اُن لوگوں کے لئے ہوتی ...جو اس میں اترنا جانتے ہیں۔تم نے خدا خدا کرکے ٹی سے ...حاصل کی ہے تو اب مافیا تمہارے ذہن پر سوار ہے۔آخر وہ ...دن کب آئے گا جب ہم آزادی اور خود مختاری کے ساتھ ...زندگی گزارنے کے قابل ہوسکیں گے؟"

"وہ دن زیادہ دور نہیں ہے غزالہ" میں نے آنکھیں موند کر ...لہجے میں کہا "ٹی ایک تنظیم ہے جو ہر جائز اور ناجائز طریقے ...پاکستان میں ہیروئن کے فروغ کے لئے کوشاں تھی۔مغرب کے ...یافتہ مادی معاشروں میں اس کا مشن ہیروئن کا انسداد ...ٹی کا خمیر ہی تضاد سے اٹھایا گیا ہے' اس لئے جمی لائیڈ کی ...ذات بھی اسے زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رکھ سکتی۔جس ...لوں نے ان کے مذموم مقاصد سے آگاہ ہوتے ہی' ان سے ...انہیں مٹادینے یا خود فنا ہوجانے کا فیصلہ کرلیا' اسی طرح رفتہ ...ٹی کے سارے سمجھ دار کارکن اس سے باغی ہوجائیں گے اور ...ہوجائے گی لیکن مافیا اس سے کہیں زیادہ منظم اور خوفناک ...ہے۔ٹی کا وجود' جمی لائیڈ کی ذات سے وابستہ ہے۔جس دن ...گیا' ٹی کا شیرازہ بکھر جائے گا لیکن مافیا کو کسی بڑے نام کی ...پناہی حاصل نہیں ہے۔ سسلی میں قائم ہونے والی یہ تنظیم ...سے قائم ہے۔شاہی اور جاگیردارانہ معاشرے کے کچلے ...باغیوں نے حکومت اور قانون سے باغی ہوکر جرائم کے فروغ ...لئے مافیا کی داغ بیل ڈالی تھی۔سیکڑوں ڈان آئے اور مرکھپ ...اپنے دور میں ہر ڈان' جاہ وجلال' اختیار وعظمت اور ہیبت و ...کا ایک لیجنڈ ہوتا ہے لیکن مرجانے کے بعد کسی کو کسی ...کا نام یاد نہیں رہتا۔ہاں' مافیا کا ڈراؤنا خواب صدیوں کے ...کے ساتھ جاری ہے۔ جرائم کے فروغ کی اس عالمی تحریک ...خود کو بچائے رکھنا اتنا آسان نہیں ہے....."

"تم بھول رہے ہو کہ خوش قسمتی سے اس وقت مقدر بھی تمہاری یاوری کررہا ہے۔اول خان تمہارا جگری دوست بن چکا ہے اور اس کی اسپیشل ٹاسک فورس مجرموں کو خس وخاشاک کی طرح روند ڈالنے کی قوت رکھتی ہے" غزالہ نے میری بات کاٹ کر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"میں اسی طرف آرہا تھا" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "ٹی میں ہر بہروپ کے پیچھے صرف ایک چہرہ ہے جو جمی لائیڈ کا ہے لیکن مافیا خود ایک نام ہے جس کے پیچھے ہزاروں خوفناک اور دہشت گرد چہروں کی ایک پوری فوج صف آرا ہے۔ہم مافیا کے مقامی بیورو کے تمام اراکین کو نیست ونابود کرکے بھی اس آسیب سے چھٹکارا حاصل نہیں کرسکتے۔یہ لوگ مرگئے تو مُدر مافیا حرکت میں آجائے گی۔یہ نہ بھولو کہ ان لوگوں کے وسائل بے پناہ ہیں۔دنیا کے کئی ممالک میں' اپنے اثر ورسوخ اور دولت کے بل پر' مافیا کے عہدے دار اسمبلیوں اور حکومتوں پر قابض ہوچکے ہیں۔جو لوگ پورے پورے ملکوں کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے یرغمال بناسکتے ہیں' ان کے لئے اپنے ایک آدھ' ضدی مخالف کو ڈھونڈ کر ٹھکانے لگانا ذرا بھی دشوار نہیں ہوگا....."

"اگر مافیا اسی قدر ناقابلِ شکست ہے تو ابھی تم آنے والے کس دن کی بات کررہے تھے؟" اس بار سلطان شاہ نے اضطراری انداز میں میری بات کاٹ دی۔

میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر مختصر سے ڈرائنگ روم میں ٹہلنا شروع کردیا۔

حقیقت یہ ہے کہ میں نے کسی سوچ سمجھے اور آزادانہ فیصلہ کے تحت مافیا میں شمولیت نہیں کی تھی۔اس وقت میرے سامنے کوئی انتخاب ہی باقی نہیں رہا تھا۔ ٹی والوں سے مجھے بچائے رکھنے کے لئے مافیا خود بخود میری مدد کو آئی تھی اور پھر جب مجھے پُراسرار انداز میں ڈان تھری کا سامنا کرنا پڑا تو پتا چلا کہ زندہ رہنے کے لئے میری مافیا میں شمولیت ناگزیر ہوچکی تھی۔ان کے اندر کے چند رازوں سے واقف ہونے کے بعد میں ان میں شامل ہونے سے انکار کرتا تو اسی لمحے میرے شانوں کو گردن کے بوجھ سے ابدی آزادی دے دی جاتی جس کے لئے میں آمادہ نہیں تھا۔

مجبوری کے ان لمحات میں بھی میرا مصمم ارادہ تھا کہ پہلا موقع میسر آتے ہی مافیا سے نجات حاصل کرلوں گا۔ ٹی کی طرح' مافیا کو بھی میں نے بھاری نقصانات پہنچائے تھے لیکن اس سے گلوخلاصی کے بارے میں کب' کیوں اور کیسے کا جواب مجھے خود نہیں مل سکا تھا' اس لئے میں سلطان شاہ کے سوال کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"وہ دن جلد ہی آئے گا۔" میں نے پُریقین لہجے میں کہا "ٹی کے بارے میں میرا خیال تھا کہ جمی لائیڈ کو ختم کئے بغیر ٹی کا شیرازہ بکھیرنا ممکن نہیں ہوسکے گا لیکن تم نے دیکھ لیا کہ جمی لائیڈ کے مارے

بغیر بھی ہم نے پاکستان سے ثی کا صفایا کردیا ہے اور یہاں ان کی طرف سے کوئی بڑا خطرہ بھی باقی نہیں رہا ہے۔ اسی طرح فی الحال مافیا کا تصور ڈراؤنا ہے۔ ان کا ایک بڑا آدمی مارا جاتا ہے تو اس کی جگہ لینے کے لئے دس آدمی موجود ہوتے ہیں لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی ایسی راہ ضرور نکلے گی کہ میں مافیا کے چنگل سے آزاد ہوجاؤں گا۔ میں وقت کا تعین نہیں کرسکتا لیکن مجھے اپنی نجات کا پورا یقین ہے۔"

"میں بھی اُسی دن کے انتظار میں جی رہی ہوں جب ہمارے شب و روز پر کسی کا کوئی جبر اور اختیار نہیں ہوگا اور ہم اپنی مرضی سے اپنے فیصلے کرسکیں گے۔" غزالہ نے سنجیدہ اور تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"مافیا کی تباہی کا سلسلہ چل پڑا ہے۔" میں نے اپنے اضطراب پر قابو پاکر بیٹھتے ہوئے کہا "میرے شامل ہوتے ہی ان کا کی کلب تباہ ہوگیا۔ وہ ایک ایسا ٹھکانا تھا جہاں وہ حکومت اور انتظامیہ کے بدکردار اور اوباش افسروں کو گھیر کر، انہیں بلیک میل ہونے پر مجبور کرتے تھے۔ اس ایک اڈے کی تباہی سے مافیا کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ اور اب انہیں بدعنوان افسروں کی سرپرستی حاصل کرنے کے سنہری مواقع حاصل نہیں ہوسکتے۔ اسی کے ساتھ ہیروئن کی ایک دو کھیپیں بھی پکڑی گئی ہیں۔ جس دن سے میں ان کی صفوں میں داخل ہوا ہوں ان کا سارا کام عملاً چوپٹ ہوکر رہ گیا ہے۔"

"آج ادھر کیوں گئے تھے؟" غزالہ نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"خیر خبر لینے۔" میں نے ٹانگیں پسار کر اطمینان سے کہا "اور یہ اچھا ہی ہوا۔ آج مجھے پتا چلا کہ سینڈو نے مجھے ڈیفنس کے اس علاقے میں آتے جاتے دیکھ لیا تھا، جہاں سے بعد میں مسز جیوانی کی لاش ملی تھی....."

"اوہ!" سلطا شاہ کے دہانے سے تحیرزدہ آواز برآمد ہوئی "پھر تو وہ تمہیں مروادے گا۔"

"پھر اس کا کیا حل ہونا چاہئے؟" میں نے تشویش زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"مسز جیوانی کی طرح اسے بھی خودکشی کرنے پر مجبور کردو!" اس نے داہنی آنکھ دبا کر معنی خیز انداز میں کہا۔

"وہ عزت دار اور گھریلو عورت تھی اس لئے اپنی رسوائی کے خوف سے اپنی جان پر کھیل گئی۔ سینڈو سخت جان اور بے حیا مرد ہے۔ اسے کوئی بھی دھمکی خودکشی کرنے پر مجبور نہیں کرسکتی۔ اس کے وجود میں زندہ رہنے کی ایسی زبردست، حیوانی خواہش موجود ہے کہ وہ کوئی بھی خطرہ محسوس کرتے ہی، ہر ایک کو فنا کرنے پر تل جائے گا۔"

غزالہ نے سرد نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ اس وقت وہ مجھے ڈری سہمی سی گھریلو لڑکی سے یکسر مختلف اور سفاک نظر آئی اس کا وہی روپ ہوسکتا تھا جو اس نے انگلستان میں ویرا کی قید فرار ہونے کے بعد، اپنی بقا کے لئے اپنالیا تھا۔ ورنہ میں نے تو بھی اسے معصوم اور سادہ سی لڑکی کے علاوہ کسی اور انداز میں دیکھا تھا۔

"اگر وہ زندہ رہنے کی اتنی شدید آرزو رکھتا ہے تو میں تمہیں زندہ و سلامت دیکھنا چاہتی ہوں۔" غزالہ کی زبان سے اور سفاکانہ الفاظ برآمد ہوئے "وہ پرانا پاپی ہے، تمہاری زندگی سلامتی کے لئے اسے مرنا ہی ہوگا۔ اس نے خودکشی نہ کی اسے اپنے ہاتھوں سے ماردوں گی۔"

اس کا ردِعمل اتنا بے ساختہ اور والہانہ تھا کہ میں فوری ایک لفظ بھی ادا نہ کرسکا۔ میں نے اٹھ کر محبت آمیز انداز میں دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیے۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر، کسی آہنی پیکر کی طرح میری میں دیکھتی رہی۔

چند ثانیوں بعد میری زبان کی جذباتی لکنت دور ہوئی تو مسرت سے سرشار لہجے میں کہا "مجھے خوشی ہے کہ تمہارا رائے سے مختلف نہیں ہے۔"

"تمہاری کیا رائے تھی؟" سلطان شاہ نے متجسسانہ دریافت کیا۔

"یہی کہ اب سینڈو کا زندہ رہنا میرے حق میں مہلک ہوسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"لیکن اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کی کیا صورت سلطان شاہ نے پوچھا۔

"بہت آسان۔ آج شام کو میں نے اسے ے نوش ہوا ہے۔"

"کچھ طے کرچکے ہو تو کھل کر بات کیوں نہیں کرتے نے چڑچڑے لہجے میں کہا "کوئی محفوظ راستہ دریافت کر ہمیں ذہنی مشقت میں کیوں الجھا رہے ہو؟"

"وہ شام کے سات بجے نیو ٹاؤن ولاز کے قریب کرے گا۔ وہاں سے میں اسے اپنی گاڑی میں جہانگیر جاؤں گا۔ اسے علم نہیں ہے کہ ہم کہاں بیٹھ کر پئیں گے

"جب اسے ختم ہی کرنا ہے تو اس کی اتنی ناز برد ضرورت ہے؟"

"وہ تندرست و توانا آدمی ہے۔ دھوکا دیے بغیر آئے گا۔" میں نے آہستہ سے کہا "شراب ہی کے گلا دوں گا اور وہ چپ چپاتے مرجائے گا۔"

"اور پھر اس کی لاش کار میں لاد کر لے جائی سلطان شاہ نے کہا "جہانگیر کے ملازمین بھی دیکھیں آدمی جو اپنے قدموں پر چل کر آیا تھا، اٹھا کر لے جایا

ہو تم چاہتے ہو کہ میں اسے شہر ہی میں کہیں گولی مار کر ڈھیر دوں؟"

"چاہو تو مجھے ساتھ لے چلو۔ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤں سی بھی ویران راستے پر اس کی گردن میں ڈوری کا پھندا ڈال س کا جھٹکا کردوں گا۔ بات بگڑتی نظر آئی تو اس کی کنپٹی میں ایک گولی بھی اتاری جاسکتی ہے۔ اس زخم سے زیادہ خون بہے بغیر وہ ے سے مرجائے گا اور دروازہ کھول کر، اس کی لاش باہر لڑھکا جائے گی۔"

اس کی تجویز معقول اور قابلِ عمل تھی اس لئے میں نے بلا وپیش اس کی بات مان لی۔

اس دوران میں ویرا بالکل ہی مفقودالخبر تھی۔ ہیری کیسنجر نے دھوکے سے بلا کر، مضبوطی کے ساتھ اپنے چنگل میں جکڑ لیا تھا مجھے پورا یقین تھا کہ لانچ کی آمد تک اسے آزادی مل سکے گی نہ ہی آزادانہ طور پر فون استعمال کرنے کی اجازت ملے گی۔ انے ویرا کو یرغمال بناکر، اپنی دانست میں ہر خطرے کا سدِباب یا تھا لیکن میں نے قاسم سے لانچ کے بارے میں معلومات ل کرلی تھیں اور اول خان ان معلومات کی روشنی میں، اپنی یاں شروع کرچکا تھا۔

لانچ کے ذریعے، غیر قانونی طور پر آنے والا اسلحہ پکڑے جانے ویرا کے ساتھ ہیری کا سلوک کیا ہوتا۔ اس بارے میں کوئی ازہ لگانا بہت دشوار تھا۔ وہ لوگ ویرا کی طرف سے پوری طرح ئن نہیں تھے۔ وہ کوئی عام سی لڑکی ہوتی تو اس سے اپنا کام لنے کے بعد، وہ لوگ بے رحمی کے ساتھ اسے ٹھکانے لگا سکتے ۔ لیکن وہ ویرا لائیڈ تھی۔ ثی کا سربراہ جمی لائیڈ اس کا باپ تھا ا کے اثر و رسوخ کی پُراسرار کہانیاں ہوش ربا تھیں۔ ہر قسم کے اور معاشرتی پس منظر سے محروم، کوئی مجرم بے خبری میں ویرا کو رکے تو شاید بچ بھی سکتا تھا لیکن امریکا کی خفیہ ایجنسیوں کے لوگ اس کو ہمیشہ کی نیند سلانے کی جرات نہیں کرسکتے ان لوگوں نے چپ کے ذریعے ویرا کی نقل و حرکت پر کڑی رکھنے کی کوشش کی اور جب ہم نے ویرا کے جسم سے چپ نکال ۔وت خان کے حوالے کردیا اور ویرا ان لوگوں کی نظروں سے ل ہوگئی تو انہوں نے بوکھلا کر شہر میں مہم جوئی شروع کی چپ سے ملنے والے سگنلز کے سہارے شہر کے ان گنجان مکانوں کے نواح میں اندھا دھند گولیاں چلائی گئیں جہاں ت خان، اپنی علالت کی وجہ سے، چپ سمیت آرام کررہا تھا۔

ان ہنگامہ آرائیوں میں کاؤنسلیٹ کا ملازم، آرنیٹ، اول نے کے پلان کئے ہوئے ٹریفک کے ایک ہولناک حادثے میں بری طرح زخمی ہوکر اسپتال پہنچ گیا۔ اول خان نے اس ملک دشمن کو اسپتال میں بھی سکھ سے نہیں رہنے دیا اور اسپتال کے میں موجود، اس کے آدمی نے آرنیٹ کا اسٹریچر سیڑھیوں پر سے پھینک کر، اسے مزید لہولہان کردیا۔ ان پے در پے مصائب سے بوکھلا کر، آرنیٹ نے بہتر علاج معالجے کی امید میں پاکستان کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کرلیا، وہ ایک ایسے ملک میں اپنی مٹی پلید نہیں کرانا چاہتا تھا جہاں ٹوٹی ہوئی ہڈیوں والے مریض کو اسٹریچر سمیت سیڑھیوں پر لڑھکا دیا جاتا ہو۔ اسے پاکستان سے بھاگنے پر مجبور کرنا ہی اول خان کا مشن تھا۔ ہم لوگ اس کی مکروہ اور ملک دشمن سرگرمیوں کے عینی شاہد تھے۔ لیکن ہمارے پاس، اس کے خلاف ٹھوس ثبوت نہیں تھے۔ اس لئے سرکاری سطح پر اس اہم سفارتی اہل کار کو ملک بدر کرانا ممکن نہیں تھا لیکن اول خان نے اپنی اسپیشل ٹاسک فورس کے جیالوں کے ذریعے آرنیٹ کے گرد ایسا جال بُن دیا کہ وہ خود ہی گھبرا کر پاکستان سے فرار ہوگیا۔

آرنیٹ، ملّا سرکار اور صوبے کے دوسرے سرکش عناصر کے لئے اپنے ملک کی بھرپور تائید و حمایت کا علم بردار بنا ہوا تھا، اس کے روابط بہت گہرے اور دوررس تھے۔ ہمارا اندازہ تھا کہ آرنیٹ کے ہٹ جانے سے کاؤنسلیٹ کی ملک دشمن سرگرمیوں میں رکاوٹ پیدا ہوجائے گی کیونکہ اس کی جگہ آنے والا معاملات کو سمجھنے اور اپنے روابط استوار کرنے میں خاصا وقت لے لے گا لیکن ہیری کیسنجر ہماری توقعات کے برعکس بہت تیز اور پھرتیلا ثابت ہوا۔ اس نے اپنے پیش رو کی جگہ سنبھالتے ہی زقندیں لگانی شروع کردی تھیں۔

صوبے میں امن و امان کی بحالی کے لئے اعلیٰ ترین سطحوں پر کئے جانے والے خفیہ اقدامات کے بارے میں حکومت نے مکمل اور سخت ترین رازداری برقرار رکھی ہوئی تھی۔ سادھو بیلہ اور اس کے گرد بہنے والے دریائے سندھ کے گدلے پانیوں میں ایک ہولناک خونی کھیل کھیلا گیا تھا۔ ملّا سرکار کی اطاعت کرنے والے چور، ڈاکو، دہشت گرد اور ان کے مجبور و مظلوم حواری، رات کے بھیانک اندھیرے میں اندھی بٹیروں کی طرح پٹاپٹ مارے گئے تھے۔ قیامت کی اس زہرہ گداز رات کے اندھیروں میں، فرار ہوتا ہوا ملّا سرکار، لارڈ لینس ڈاؤن برج کی سنگلاخ بنیادوں سے ٹکرا کر چیتھڑوں کی صورت میں دریا کے پانی میں بہہ گیا تھا یا پل کے آہنی ڈھانچے سے لوتھڑوں کی صورت میں چپک کر رہ گیا تھا لیکن اس کی موت کے بارے میں مکمل خاموشی اختیار کرلی گئی تھی۔ اخبارات اور ذرائع ابلاغ میں سماج دشمن عناصر کی بربادی کی حقیقی کہانیاں شائع ہوئی تھیں لیکن ان میں ملا سرکار کے بارے میں کوئی موہوم سا اشارہ بھی نہیں تھا۔ لیکن ملّا سرکار کو آرنیٹ کے ملک کی سرپرستی اور حمایت حاصل تھی۔ وہ دنیا کا طاقتور ترین ملک تھا۔ خلاؤں میں اس کے سیارے اور سیٹلائیٹ راج کررہے تھے۔ حریفوں اور حلیفوں کے خلاف جاسوسی کرنے والے ان خلائی اسٹیشنوں پر ایسے ایسے حسّاس اور حیران کن آلات اور کیمرے موجود تھے جو ریت کے وسیع و عریض سمندر میں گر جانے والی ایک

سوئی کی واضح تصویر لے کر فوری طور پر ناسا کے زمینی اسٹیشن کو ارسال کرسکتے تھے۔ ان کے آلات دنیا کے ہر ریڈیائی مواصلاتی رابطے کو مانیٹر کرسکتے تھے۔ یہ آلات ٹیلی فون لائنوں پر ابھرنے والی انسانی آوازوں میں قذافی اور صدام کی آوازوں کو پہچان کر' ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ناسا اور پینٹاگون کو ان دونوں کی جائے پناہ سے آگاہ کرسکتے تھے۔ ان کے خلائی تجزیہ کار' مصنوعی سیاروں کے مدار میں کششِ ثقل کی کمی و بیشی سے رُونما ہونے والی خفیف سی تبدیلیوں اور زمین کی سطح سے چالیس پچاس میٹر نیچے تک کی تصویریں بنانے والے کیمروں کی مدد سے کرۂ ارض پر ہونے والی ہر قابلِ ذکر تبدیلی اور نقل و حرکت کا صحیح صحیح سراغ لگا سکتے تھے اس لئے ان کے نزدیک اپنے کارکنوں اور بہی خواہوں پر نگاہ رکھنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

انہوں نے ویرا کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لئے' اس کی جلد کے نیچے ایک ایسا طاقتور چپ چھپا دیا تھا جو اُن کے سسٹم کے لئے ہر آن سگنل نشر کرتا رہتا تھا۔ اسی طرح انہوں نے اپنے تمام سیکرٹ ایجنٹوں کے جسموں میں ایسے حساس سینسر نصب کئے ہوئے تھے جو ان ایجنٹوں کے دل کی دھڑکنیں ایک مانیٹرنگ یونٹ کے لئے نشر کرتے رہتے تھے۔ ان لوگوں کو جب تک دل کی دھڑکنوں کے سگنل موصول ہوتے رہتے تھے انہیں اپنے سیکرٹ ایجنٹ کی خیریت کی اطلاع رہتی تھی اور جوں ہی کسی ایجنٹ کے دل کی دھڑکنوں کے اشارے ملنے موقوف ہوتے' ان کے نظام پر اس ایجنٹ کی ہلاکت کی خبر' سرخ روشنی کی صورت میں ظاہر ہوجاتی تھی۔ ان دنوں ملا سرکار' ان کے لئے بہت اہم تھا اس لئے انڈین سیکرٹ سروس' فارن آفس یا دوسرے حکام کو اعتماد میں لئے بغیر انہوں نے ملّا سرکار کے جسم میں بھی سینسر نصب کیا ہوا تھا۔

پاکستانی حکام نے سادھوبیلہ کے واقعات میں ملا سرکار کے ملوّث ہونے اور مارے جانے کا ذکر سرے سے حذف کردیا تھا لیکن اس کے دل کی دھڑکنوں کے سگنل موقوف ہونے سے آرنیٹ کو گڑبڑ ہونے کا شبہ ہوگیا تھا۔ اس کے باوجود ہیری کیسنجر ملا سرکار اور اس کے ہمدردوں کے لئے ہتھیاروں کی فراہمی کے منصوبے پر کام کررہا تھا۔

کاؤنسلیٹ والوں نے ملّا سرکار کی سلامتی سے باخبر رہنے کے لئے جو بندوبست کیا تھا وہ انڈین حکام کے علم میں نہیں تھا اس لئے انہوں نے ملا سرکار کی سلامتی کے بارے میں اپنے شبہات سے انڈین حکام کو آگاہ نہیں کیا تھا اس وجہ سے تمام سازشیں اس انداز میں آگے بڑھ رہی تھیں جیسے ملا سرکار بذاتِ خود انڈین مفادات کی دیکھ بھال کررہا ہو۔

وہ اباسین سے کی جانے والی کارروائیوں کے نتیجے میں دریائے سندھ کی موجوں کی نذر ہوچکا تھا لیکن اس کے نام کی آڑ لے کر بھارتی کمانڈر کو اپنے ہتھیاروں اور دہشت گردوں سمیت سرحد پار کرنے پر آمادہ کرلیا گیا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اپنی سرحد چھوڑ کر پرائی سرزمین پر کافی اندر تک گھس آنے کے بعد وہ سب خون اور بارود کی بھیانک برسات میں نہلا دیے گئے تھے۔

بھارتیوں کے لئے ملّا سرکار زندہ تھا۔ امریکیوں کو اس کی طرف سے ناامیدی تھی۔ پاکستانیوں کے لئے وہ فتنہ ہمیشہ کے لئے جہنم واصل ہوچکا تھا لیکن آرنیٹ کی جگہ آنے والے ہیری کیسنجر کو پورا یقین تھا کہ ملا سرکار زندہ ہو یا نہ ہو' اس کا مشن پوری طرح چل رہا تھا اور اگر اس کے حامیوں کو ہتھیاروں کی کمک مل جاتی تو وہ اس علاقے کا جغرافیائی نقشہ بدل سکتے تھے۔

ہیری کیسنجر کی ریشہ دوانیاں اپنے عروج پر تھیں۔ وہ' دوسری قوموں کے سربراہوں کو نافرمانی کی عبرت آموز مثال بنانے کی دھمکیاں دینے والی ہنری کیسنجر کا رشتہ دار رہا ہو یا نہ رہا ہو' لیکن وہ اسی ملعون کی بنائی ہوئی عالمی سلطنت کی پالیسیوں پر چل رہا تھا جس میں امریکا کے کسی حریف کا تصور موجود نہیں تھا' ہر وہ قوت جو ان دنوں ذرا بھی ممتاز اور ابھرتی ہوئی نظر آرہی تھی' اسے سازشوں اور تخریب کاریوں کے ذریعے تہس نہس کردینے کا فیصلہ کیا جاچکا تھا۔ میں اسی اُدھیڑبُن میں مبتلا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی پوری قوت کے ساتھ چیخ اٹھی۔

میں نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تھا کہ میری آواز پہچان کر دوسری طرف سے اول خان بولنے لگا۔

"تمہاری وجہ سے آج کل خون میں گرمی آئی ہوئی ہے۔" وہ کہہ رہا تھا "پہلے سادھوبیلہ کے گردونواح میں گھمسان کا رن پڑا پھر گدرا کے علاقے میں ایک مختصر لیکن موثر فضائی اور بری جنگ ہوئی اور اب گھوڑا کریک پر بحری معرکے کے آثار نظر آرہے ہیں۔ سب سے بڑی خوش خبری یہ ہے کہ ہمیں مشتبہ لانچ کا نام معلوم ہوگیا ہے....."

"وہ کیسے؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا "اس بار میں تو ہیری بہت رازداری سے کام لے رہا ہے۔"

"گندی علاقائی سیاست کی وجہ سے یہ کام آسان ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔ ایران اور عراق کے بگڑے ہوئے تعلقات کی وجہ سے دونوں ملک خلیج میں جہازوں اور لانچوں کی آمدورفت پر کڑی نظر رکھتے ہیں کیونکہ اسلحہ اور ہتھیاروں سے لدا ہوا ایک غیر ملکی جہاز ان دونوں کے درمیان طاقت کا توازن خراب کرسکتا ہے۔"

"تو کیا ہماری متوقع لانچ ان میں سے کسی کی نظروں میں آگئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"امکان یہی ہے۔ ایرانی انٹیلی جنس کی اطلاع ہے کہ دس روز سے' آبنائے ہرمز سے خلیج کی طرف ابوموسیٰ مبارک جزیرے پر الحدید نامی ایک لانچ لنگر انداز تھی۔ اس لانچ کو چارٹر کیا گیا تو وہ بالکل خالی تھی لیکن ابوموسیٰ مبارک سے روانہ ہوتے ہوئے' الحدید پانی میں کافی اندر جاچکی تھی جس کا مطلب تھا کہ اس پر ابوموسیٰ مبارک کے گھاٹ پر ٹنوں وزنی مال لادا گیا تھا۔ ایرانیوں کا خیال تھا کہ الحدید ہتھیاروں کی کمک شط العرب کے راستے' عراق کو پہنچائے گی لیکن الحدید' آبنائے ہرمز سے گزر کر بحیرۂ عرب یا بحرِ ہند کی طرف سفر کررہی ہے اس لئے ایرانی خفیہ اداروں نے اپنے خدشات ہماری نیول کمان تک پہنچا دیے ہیں اور اب الحدید کھلے سمندر میں ہماری گشتی کشتیوں کی نگرانی میں ہے۔"

"یعنی اسے گھوڑا کریک پر لنگر انداز ہونے کی مہلت نہیں مل سکے گی۔" میں نے خوشی سے مغلوب لہجے میں کہا۔

"اگر وہ لانچ باہر ہی باہر بحرِ ہند کی طرف سفر کرتی رہی تو اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا لیکن بحیرۂ عرب کا رخ کرتے ہی اس کی راہ روک لی جائے گی۔"

"آبنائے ہرمز سے گزرتے ہی یہ اندازہ ہوجانا چاہئے کہ الحدید کدھر جارہی ہے۔" میں نے کہا "کیونکہ وہاں سے نکلتے ہی بحیرۂ عرب شروع ہوجاتا ہے۔ یہ خبر کب کی ہے؟"

"یہ تازہ ترین خبر ہے۔ شاید تمہیں علم نہیں ہے کہ بیشتر جہاز گہرے اور کھلے سمندر میں سفر کرنے کے بجائے' موقع ملنے پر ساحل سے دس بیس میل کی پٹی میں سفر کرنا پسند کرتے ہیں۔ لانچیں تو خاص طور پر حتی الامکان طور پر ساحلی پٹیوں سے لگ کر چلتی ہیں اس لئے ظاہری روٹ کی بنا پر کوئی فوری فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔"

"ہماری نیول کمان سے تمہارا براہِ راست رابطہ ہے یا یہ خبر گھوم پھر کر تم تک آئی ہے؟"

"آپریشن گھوڑا کریک کے لئے ہمارے درمیانی قریبی تعاون ناگزیر تھا۔ لیفٹیننٹ کمانڈر رضی مرزا نامی ایک افسر سے میرا براہِ راست رابطہ ہے۔ الحدید کے تعاقب کے باوجود ہم لوگ کوئی خطرہ مول نہیں لیں گے اور مقررہ وقت پر گھوڑا کریک پر خفیہ گھیرا ڈالا جائے گا۔ الحدید پکڑی بھی گئی تو اسمگل کئے جانے والے ہتھیاروں کی نقل و حمل کی ذمے داری قبول کرنے والوں کو گرفت میں لینا ہوگا تاکہ آئندہ کوئی شخص اپنے ذاتی مفاد کے لئے ملک دشمنوں کا آلۂ کار نہ بن سکے۔"

"یعنی قاسم بھائی اور اس کے آدمی بھی رگڑے جائیں؟" میں نے کہا۔

"وہ عقل مند ہوا تو آدمیوں کو کریک پر بھیج دے گا خود نہیں آئے گا۔ موقع پر رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والوں کو بہت بے رحمی کے ساتھ کچل دیا جائے گا۔"

"یہ ناممکن ہے۔ وہ ویرا پر اس بری طرح لٹو ہوا ہے کہ اس کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں اور وہ ویرا کو گھوڑا کریک کے گردونواح میں ننگی چٹانوں پر دعوتِ شیراز دینے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

"تو کیا ویرا بھی وہاں پہنچے گی؟" اول خان کی قدرے حیرت زدہ آواز ابھری۔

"اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا "اس نے مجھ سے ویرا کو وہاں لانے کی فرمائش کی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ وہاں آگئی تو وہ خود ہی اسے پھانس کر تخلیہ میں لے جائے گا۔ لیکن تمہیں معلوم ہی ہے کہ ویرا سے میرا کوئی رابطہ نہیں ہے۔ ہیری کیسنجر نے اسے آہنی پردے کے پیچھے چھپایا ہوا ہے۔"

"میں اتنا بتائے دے رہا ہوں کہ جو بھی وہاں آیا' بڑی بے رحمی کے ساتھ بے دست و پا کیا جائے گا۔ اگر تم کسی کے لئے کوئی نرم گوشہ رکھتے ہو تو اُسے ادھر کا رخ کرنے سے روک دو۔ وہاں پکڑے جانے والوں کو نیول فورس اپنی تحویل میں لے لے گی اور میں بھی کسی کے لئے کچھ نہیں کرسکوں گا۔"

"میں تو خود ان سماج دشمنوں کے لہو کا پیاسا ہوں لیکن وہاں آنے والوں کے بارے میں تمہیں کچھ نہ کچھ امتیاز ضرور برقرار رکھنا ہوگا۔ وہاں آنے والے غریب اور مفلوک الحال مزدوروں کو اندھا دھند رگیدنا نامناسب ہوگا۔ ممکن ہوسکے تو ان بے چاروں کو فرار ہونے کا موقع دے دینا چاہئے۔"

"شاید تمہارا دماغ چل گیا ہے' ڈینی!" اس کی تلخ آواز ابھری "گھوڑا کریک کوئی قانونی بندرگاہ نہیں ہے۔ ان مزدوروں کو الحدید کے ذریعے لائے جانے والے ہتھیاروں کی تفصیل کا علم ہو یا نہ ہو لیکن انہیں یہ ضرور معلوم ہوگا کہ اس ویران کھاڑی میں اتارا جانے والا مال غیر قانونی ذرائع سے لایا گیا ہے جس کی نقل و حمل کے لئے انہیں غیر معمولی معاوضے دیے جارہے ہیں۔ اتنا کچھ جان لینے کے بعد وہ بھی ہیری کیسنجر اور قاسم بھائی کے جرم میں برابر کے شریک ہوجاتے ہیں۔ خرابی یہی ہے کہ ہمارے ملک میں دو انتہا پسند طبقے بستے ہیں۔ ایک طبقہ نچلے درجے کے مجرموں کو پیس کر رکھ دینا چاہتا ہے لیکن بڑے لوگوں کے جرائم کو بھول یا خوش فعلی قرار دے کر ان کی سلیٹ صاف رکھنا چاہتا ہے۔ دوسرا طبقہ بڑے مجرموں کے خون کا پیاسا ہے لیکن یہ بھی انتہا پسندی میں مبتلا ہیں۔ چھوٹے اور غریب مجرموں کے بڑے سے بڑے جرم کو بھی ان کی معاشی مجبوریوں کی آڑ میں نظر انداز کردینا چاہتے ہیں' یہ دونوں ہی رجحان بہت خطرناک ہیں۔ ہر جرم صرف جرم ہوتا ہے۔ اس کی تعزیر ہر ایک کے لئے یکساں ہونی چاہئے۔ مجرم کی حیثیت' قابلیت' معاشی رتبہ اور اثر و رسوخ اس کے جرم پر اثر انداز ہونے لگے تو یہ سمجھ لو کہ اس معاشرے میں ایک بدبودار ناسور پیدا ہوچکا ہے جو جلد یا بدیر' اس معاشرے کو نیست و نابود کردے گا۔ ہیری کیسنجر یا قاسم بھائی مر کر بھی لانچ سے ہتھیاروں کے بھاری کریٹ نہیں اتار سکتے۔ اس کھیل کی بنیاد یہ ہے کہ ہمارے غریب مزدور کی ایک قیمت مقرر ہے۔ انہیں ان مقررہ داموں پر ہر جائز اور ناجائز کام کے لئے خریدا جاسکتا ہے۔ اسی امید کے سہارے پوری بساط بچھائی گئی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ایک رات کی مزدوری ان لوگوں کے شب و روز میں کوئی انقلاب نہیں لاسکے گی۔ لیکن ان کی مدد سے ہیری

کیسنجر کا منصوبہ کارگر ہوگیا تو ہمارے وطن کی بنیادیں شکست و ریخت کے عمل سے دوچار ہوجائیں گی۔اس لئے قاسم بھائی کے ساتھ ان بے مایہ مزدوروں کا پکڑا جانا اور سزایاب ہونا بہت ضروری ہے۔ان کی ضروریات ایسی ہی ناگزیر ہیں تو انہیں اپنی قیمت اس سطح پر لے جانی چاہئے جہاں قاسم بھائی جیسے بے ضمیر تاجر انہیں خریدنے کا تصور بھی نہ کرسکیں۔سستے داموں نیلام ہونے والے غریبوں کی کثرت ہی معاشرے کے خونی گھڑیالوں کو ہولناک مہم جوئیوں پر اکسانے کا سبب بنتی ہے۔"

"ناداروں کی ضروریات شدید اور ناگزیر ہوتی ہیں۔"میں نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں کہا"اسی لئے وہ سستے داموں بک جاتے ہیں۔اس میں اُن کے ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔"

"سوری ڈینی"اس کی مضبوط اور پُرعزم آواز ابھری"ان معاملات میں میری اپنی رائے ہے۔میں اسی کے مطابق عمل کروں گا۔میں تمہارے مشوروں پر عمل نہیں کرسکتا۔"

"میں بھی تمہیں مجبور نہیں کررہا۔بس اپنے خیالات سے آگاہ کررہا تھا۔"میں نے کہا۔

"الحدید کے بارے میں کوئی خبر ملی تو میں تمہیں فون کرلوں گا۔ورنہ تم کل دس بجے اسٹیشن فور آجانا۔میں وہیں سے گھوڑا کریک کی طرف جاؤں گا۔"اس کی آواز ابھری"میرا خیال ہے کہ تم بھی میرے ساتھ چلنا چاہو گے۔"

"گھر میں بیٹھ کر انتظار کی گھڑیاں گننے سے بہتر ہے کہ آدمی میدان میں خود بھی شریک ہوجائے۔اس طرح نہ صرف سارے سوالوں کے جواب مل جاتے ہیں بلکہ انتظار کی کوفت سے بھی نہیں گزرنا پڑتا۔"

مزید کچھ دیر کی گفتگو کے بعد اس نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

وقت کافی گزر چکا تھا اور شام ہوچلی تھی۔اس لئے میں روانگی کی تیاریوں میں مصروف ہوگیا۔

ساڑھے چھ بجے میں سلطان شاہ کو ساتھ لے کر سینڈو کی طرف روانہ ہوگیا۔

سلطان شاہ کے ہتھیاروں میں نائیلون کی مضبوط ڈوری اور بھرے ہوئے پستول کے علاوہ بیم گن بھی شامل تھی کیونکہ کسی سڑک پر سفر کرتے ہوئے اپنے شکار پر اوچھا وار کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا تھا۔ویسے بھی بیم گن کو بہت عرصے سے استعمال نہیں کیا گیا تھا۔اگر کسی مجبوری کی وجہ سے اس کے استعمال کی نوبت آہی جاتی تو اس کی کارکردگی کا بھی اندازہ ہوسکتا تھا۔اس بے آواز' مہلک اور محفوظ ہتھیار کے بارے میں کافی دنوں سے مجھے یہ خوف لاحق تھا کہ اچانک ہی چارج ختم ہوجانے کی بنا پر بیم گن لوہے کے ایک ناکارہ ٹکڑے میں تبدیل ہوسکتی تھی۔

ٹھیک سات بجے ہم نیو ٹاؤن ولاز کے قریب پہنچے تو سینڈو وہاں موجود تھا اور اپنی کار کے دروازے لاک کئے' باہر کھڑا ہوا میرا انتظار کررہا تھا۔

میرے ساتھ سلطان شاہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں حیرت کے سائے لہرائے لیکن اس نے زبان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ان دونوں میں باہمی تعارف تھا اس لئے کار رکتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔سلطان شاہ نے پروگرام کے مطابق' فوری طور پر پسنجر سیٹ خالی کی اور عقبی نشست میں جاگھسا۔

"ارے' ارے! تم یہیں بیٹھے رہتے۔میں پیچھے بیٹھ جاتا۔" سینڈو نے میرے برابر والی نشست پر براجمان ہوتے ہوئے سلطان شاہ سے کہا۔

"ہم دونوں تو کافی وقت ایک ساتھ گزارتے ہیں۔تم دونوں کو یکجا ہونے کے کم مواقع ملتے ہیں۔آگے بیٹھ کر تمہیں باتیں کرنے میں آسانی رہے گی۔"سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا۔

سینڈو کے سوار ہوتے ہی میں گاڑی چلا چکا تھا۔میں نہیں چاہتا تھا کہ اس مرحلے پر لوگ سینڈو کو میرے ساتھ دیکھ کر غیر ارادی طور پر ہمارے چہرے یاد رکھ سکیں۔

"چیف کو ایک نیا کام مل گیا ہے' باس!"چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد سینڈو نے دھیمی آواز میں کہا۔

میں نے چونک کر لمحہ بھر کے لئے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا"نئے کام سے کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"اپنی لائن سے ہٹا ہوا کام ہے اور شاید تمہارے ہی گلے پڑے گا۔"

"کام کیا ہے؟ کوئی تفصیل تو بتاؤ۔"میں نے کار کو کلفٹن کے راستے پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"سکھر کا کوئی نامی گرامی سیاست داں پولیس والوں کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔"اس نے ایک گہرا سانس لے کر بولنا شروع کیا اور اس کی زبان سے سکھر کا ذکر سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"غلام رسول نامی اس سیاستداں کی شہرت اور ساکھ بہت اچھی ہے۔لیکن اپنی بدبختی کی وجہ سے وہ کسی چکر میں آگیا ہے۔" سینڈو کہہ رہا تھا"مافیا ہمیشہ معاشرے کے اہم لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر چلتی ہے۔غلام رسول کے بارے میں مدر مافیا کے مقامی ایجنٹ نے ڈان تھری کو اطلاع دی تھی۔ڈان تھری کا خیال ہے کہ ہم نے اس برے وقت میں غلام رسول کا ساتھ دیا تو آگے چل کر وہ مافیا کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوگا۔"

سینڈو کا وہ انکشاف حیران کن اور ناقابلِ یقین تھا۔میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دنیا اتنی مختصر ثابت ہوسکتی ہے۔زیرِ زمین دنیا کی ساری خبریں ہر متعلقہ آدمی کی علم میں تھیں۔خبروں کا مواد ہر ایک کی سوچ کے مطابق مختلف تھا لیکن خبروں کے کردار وہی تھے۔

شی ہمارے ملک میں ہیروئن اور غیر قانونی ہتھیار پھیلانے کے



ا پاک مشن پر کام کررہی تھی اور تمام ملک دشمن عناصر کو بھرپور مد دینے پر تلی ہوئی تھی۔انڈین سیکرٹ سروس کے ملّا سرکار کے منصوبے کو بھی شی کی حمایت حاصل تھی۔اسی کے ساتھ ہیری کیسنجر کا ملک بھی اس سازش میں پوری طرح ملوّث تھا۔ملا سرکار نے اپنی سازش کو بروئے کار لانے کے لئے جو مہرے تیار کئے تھے' ن میں غلام رسول بھی کلیدی حیثیت کا مالک تھا۔وہ نہ صرف ملا سرکار کا مخبر تھا بلکہ اسے سرکش لڑکوں پر مشتمل افرادی قوت بھی مہیا کرتا تھا۔اپنی نام نہاد ساکھ کے باوجود وہ ملّا سرکار کی سازش میں س حد تک ملوث تھا کہ دہشت گردوں کی تربیت کے لئے سرحد پار قائم کئے گئے نیم فوجی اڈوں کے خفیہ دورے بھی کرچکا تھا۔مافیا والوں کو غلام رسول کے اس پس منظر سے آگاہی نہیں تھی لیکن پھر بھی انہوں نے اپنے طویل المدتی مفادات کے لئے اسی کھوٹے سکے کا انتخاب کیا تھا۔

"ابھی ہم لوگ زیادہ ہاتھ پیر پھیلانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔"میں نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا"جب تک ہم اپنی صفوں کو مستحکم کرکے آمدنی کے ذرائع تلاش نہیں کرتے' ہمیں باہر والوں سے دور ہی رہنا ہوگا۔ابھی تو چیف نے کھلے دل سے میرا وجود بھی تسلیم نہیں کیا ہے۔حالانکہ ڈان تھری بذاتِ خود مجھے مافیا میں لایا تھا۔اس کے ایما پر غلام رسول سے پیش رفت کی گئی تو چیف بہت جلد اس کے بھی خلاف ہوجائے گا۔"

"چیف میں کئی چیزوں کی کمی ہے۔وہ دوسروں کی مدد کے بغیر ایک دن بھی اپنا کام نہیں چلا سکتا لیکن اسی کے ساتھ اس میں یہ کمزوری بھی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو اپنی برابری کی سطح پر برداشت نہیں کرسکتا۔"

"غلام رسول کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟"میں نے اس سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔"اس نے بے ساختہ کہا"چند دن پہلے اخباروں میں اس کا ذکر آیا تھا۔اس پر ڈاکوؤں اور رہزنوں وغیرہ کی سرپرستی کرنے کے الزامات عائد کئے گئے تھے۔"

میں نے کیبن کی نیم تاریکی میں کن انکھیوں سے اس کا جائزہ لیا۔وہ پورے اطمینان کے ساتھ باتیں کررہا تھا۔آنے والے سنگین ترین لمحات کے بارے میں اس کے دل میں شائبہ تک نہیں تھا۔

کار پل سے اتر کر کلفٹن جانے والی خوب صورت شاہراہ پر دوڑنے لگی تب بھی سینڈو کے اطمینان میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔وہ سمجھ رہا ہوگا کہ مے نوشی کا پروگرام کلفٹن ہی کی آبادی کے کسی حصے میں منعقد ہوگا لیکن جب سڑک کے اختتام پر میں نے کار ساحل کی طرف موڑی تو سینڈو نے پہلی بار اپنی نشست میں پہلو بدلا۔

"کیا ساحلِ سمندر پر پینے پلانے کا پروگرام ہے؟"اس نے مسیانی ہنسی کے ساتھ پوچھا۔

"ہمیں ڈیفنس کے علاقے میں جانا ہے۔"میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا"مطلوبہ مکان تک پہنچنے کے لئے مجھے ساحل کی طرف سے اندر جانا ہوگا۔دوسری سمت سے میں ہمیشہ راستہ بھول جاتا ہوں۔"

"وہ اپنا کی کلب والا علاقہ تو نہیں ہے؟"اس نے خوش دلی کے ساتھ پوچھا۔

"نہیں' بس دیکھتے رہو۔ہم چند منٹ میں وہاں پہنچ جائیں گے۔"میں نے کہا۔

اس وقت ہر طرف اندھیرا پھیل چکا تھا۔اسٹریٹ لیمپ روشن ہوچکے تھے۔سلطان شاہ پچھلی نشست پر بے چینی کے ساتھ ایک ایک لمحہ گن رہا تھا اور میری نظریں اس علاقے کی ویران ترین سڑک کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔میرے بائیں ہاتھ پر ڈیفنس کا آباد علاقہ تھا لیکن داہنی طرف تاریک سڑکوں کے درمیان پھیلے ہوئے بڑے بڑے' ریتیلے قطعاتِ اراضی نظر آرہے تھے۔ان ہی میں کہیں کہیں کسی حوصلہ مند شخص نے جنگل میں منگل منانے کے عزم کے ساتھ مکان کی تعمیر کی داغ بیل ڈالی ہوئی تھی لیکن گھور اندھیرے میں وہ نامکمل ڈھانچے آسیب گھر نظر آرہے تھے۔

آگے پیچھے میدان صاف پاکر میں نے جوں ہی اپنی کار داہنی جانب ایک ویران سڑک پر موڑی' سینڈو کی چھٹی حس نے پہلی بار خطرے کا ادراک کرلیا۔

اس نے بھڑکے ہوئے انداز میں کچھ بولنا چاہا لیکن اس کے الفاظ حلق میں گھٹ کر رہ گئے۔کیونکہ سلطان شاہ نے بنارس کے روایتی ٹھگوں کی سی مہارت سے اس کی گردن میں ڈوری ڈال کر

پیچھے سے پھندا کسنا شروع کردیا تھا۔

سینڈو دیو ہیکل اور مضبوط جسم کا مالک تھا۔وہ کار کی اگلی نشست پر تھا اور سلطان شاہ نے پیچھے سے پھندا ڈال کر اسے اس کی سیٹ کی پشت گاہ سے لگا کر رکھ دیا تھا لیکن اس کی ٹانگیں پائیدان میں بری طرح بل کھا رہی تھیں۔

اس واردات کی ابتدا ہوتے ہی میں نے اپنی کار کے ہیڈ لیمپس گل کردیے تھے اس کے باوجود سفید ریتیلے ٹیلوں کے درمیان پھیلی ہوئی سیاہ سڑک مجھے صاف نظر آرہی تھی۔

سینڈو کا جسم بری طرح تڑپا۔اس کے دونوں ہاتھ اضطراری طور پر، اپنے حلقوم کے گرد کستی ہوئی رسی کی طرف گئے لیکن اسے تاخیر ہوچکی تھی۔سلطان شاہ نے پہلے ہی لمحے میں ڈوری کے دونوں سِروں کو اتنی طاقت سے کھینچا تھا کہ رسی سینڈو کی گردن کی نرم و نازک جِلد میں بری طرح پیوست ہوگئی تھی۔

سینڈو کے دونوں ہاتھ بے بسی کے ساتھ جِلد میں اترتی ہوئی ڈوری کو پکڑنے کی ناکام کوششیں کرتے رہے۔اس کے نرخرے سے کوئی آواز برآمد نہیں ہوسکی۔اس کی گردن ڈوری کے سہارے سیٹ کی پشت گاہ اور سلطان شاہ کے ہاتھوں کے درمیان جکڑی ہوئی تھی اور بقیہ جسم بری طرح تڑپ رہا تھا۔

کسی کے قتل کا وہ انداز میرے لئے بالکل نامانوس اور نیا تھا امیر علی ٹھگ کی کہانیاں پڑھتے ہوئے میں نے ڈوری کے ذریعے آناً فاناً میں بھولے بھالے مسافروں کا جھٹکا ہونے کے واقعات پڑھے تھے لیکن اس وقت میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ موت کیسی بھیانک اور ہولناک ہوتی ہوگی۔

چند ثانیوں میں سینڈو کا بدن بے جان اور بے حس و حرکت ہوگیا۔

سلطان شاہ نے آگے جھک کر سینڈو کی سمت کا دروازہ کھولا۔میں نے لمحہ بھر کے لئے گاڑی روکی اور ہم دونوں نے بے دردی کے ساتھ اسے کار سے نیچے دھکیل دیا۔

وہ سب چند لمحوں میں ہوگیا لیکن مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وقت ایک جگہ تھم کر رہ گیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد ہماری کار ساحل کے ساتھ بنی ہوئی سڑک پر واپسی کے سفر پر رواں تھی۔

○☆○

سیکڑوں افراد پر مشتمل نفری اور کروڑوں کے ہتھیار اور گولہ بارود داؤ پر لگائے جب دو دن گزر گئے اور بھارتی منصوبہ سازوں کو صوبے میں کسی بہت بڑی تباہی، دہشت گردی یا بغاوت کی خبر نہیں ملی تو ان کے دل اپنے سینوں میں خوف و دہشت سے لرزنے لگے۔

یہ درست تھا کہ اس تباہ کن اور آہن پوش لشکر کو تھر کے عظیم اور بے رحم صحرا سے گزر کر سندھ کے شہروں میں داخل ہونا تھا لیکن وہ کوئی ایسا بے بساط کارواں نہیں تھا جو ریت کے اس تپتے ہوئے صحرا میں کسی سوئی کی طرح گم ہوجاتا اور کسی کو کانوں کان بھی اس کی ہوا نہ لگتی۔

انسانوں، گاڑیوں، ہتھیاروں اور مہلک بارود پر مشتمل وہ لشکر اپنے پروگرام کے مطابق پیش قدمی کرتا ہوا، اپنے ہمدردوں اور حامیوں سے جا ملتا تو اس سرزمین پر ایسی تباہی نازل ہوتی جس کی نظیر نہ ملتی۔ آزادی یا موت کے عنوان سے ہتھیار اٹھانے والے باغی ہر اس شخص کو چن چن کر ہلاک کردیتے جو ان کے عزائم کو من و عن قبول کرنے میں ذرا بھی تردّد کرتا۔ خون کی نہریں بہادی جاتیں، انسانی لاشوں کے مینار وجود میں آجاتے اور دہشت و بربریت کی اس ارزانی میں، سنگینوں کے سائے میں ایک آزاد دیش کے قیام کا اعلان کردیا جاتا۔اس منصوبے کا خالق ملا سرکار تھا جو جہنم واصل ہوچکا تھا۔ آزاد دیش کی حکومت قائم کرانا اسی کا منصب تھا۔وہ نہ ملتا تو کمانڈر یہ فرض اپنے ذمے لے لیتا۔ نئے دیش کی حکومت میں نام باغی کٹھ پتلیوں کے ہوتے لیکن قوت اور اختیار کا ہر منبع سرحد پار سے آنے والے، کمانڈر اور اس کے مشیروں کے قابو میں ہوتا۔

وہ تمام حالات ایسے ہوتے کہ چھپائے نہ چھپتے اور آناً فاناً پوری دنیا کو معلوم ہوجاتا کہ روئے زمین پر ایک اور نئی سلطنت وجود میں آچکی ہے۔ لیکن اس بارے میں کہیں سے کوئی خبر نہیں تھی۔ آکاش وانی، ریڈیو کابل، بی بی سی اور وائس آف امریکا کے نمائندے کسی بھی کامیابی کا سراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔ سندھ اور اندرونِ سندھ کے شہروں کے حوالوں سے پاکستا[نی] اور غیر ملکی پریس میں روز خبریں شائع ہورہی تھیں جن میں بھار[تی] لشکرِ جرار کا ذکر تو کیا کوئی اشارہ تک نہیں تھا۔ دہلی سرکار کے ایما[ء] مغربی دنیا کا سب سے فطین نامہ نگار مارک ٹیلی اسلام آباد میں ڈ[یرہ] ڈالے بیٹھا تھا۔ کبھی وہ اسلام آباد میں محکمۂ داخلہ کے سیکریٹری سے لے کر سکشن افسروں اور کلرکوں کے گرد گھومتا ہوا نظر آتا اور [کبھی] جی ایچ کیو میں حیلے بہانوں سے رسائی حاصل کرنے کی کوششوں [میں] مصروف رہتا لیکن کہیں سے اسے مطلب کی کوئی خبر نہیں مل ر[ہی] تھی۔ کامیابی کا خمار دماغ سے اترنے میں کچھ وقت ضرور لگا لیکن [چند] دن بعد انہیں پورا یقین ہوگیا کہ کمانڈر کا ہیبت ناک لشکر ا[پنے] مقاصد کے حصول میں بری طرح ناکام ہوا ہے۔ اس سے آگے [...] متعدد سوالیہ نشان تھے۔

کمانڈر کے آدمی لڑتے ہوئے ناکام ہوتے تو پاکستان نہ صر[ف] شور مچاتا بلکہ اپنی سرزمین پر بھارتی دہشت گردوں اور بھار[تی] ساخت کے ہلکے، درمیانی اور بھاری ہتھیاروں کی موجودگی پر شدید احتجاج کرتا اور اپنے الزامات کے ثبوت میں پکڑے ہو[ئے] بھارتیوں کو ان کے ہتھیاروں سمیت ذرائع ابلاغ پر پیش کرتا [لیکن] ایسا نہیں ہوا تھا۔پاکستان پوری طرح پُرسکون تھا۔ تجارتی معاملا[ت] پر دہلی میں ہونے والے مذاکرات معمول کے مطابق جار[ی] تھے۔پاکستانی وفد کا رویّہ دوستانہ اور مفاہمانہ تھا۔ان حالات [میں] بھارت کی فوجی قیادت کے سامنے دو ہی امکانات رہ گئے تھے۔

وہ لوگ ریت کے کسی ہولناک طوفان کی زد میں آکر ٹنوں وزنی ریت میں زندہ دفن ہوچکے تھے یا پھر پاکستانیوں نے نہایت خاموشی اور چالاکی کے ساتھ ان سب کو، ان کے سازوسامان سمیت پکڑلیا تھا۔

طوفان والی بات آسانی کے ساتھ رد کردی گئی کیونکہ جدید سہولتوں کی وجہ سے اس علاقے کے موسمی حالات پر ہروقت نظر رکھی جاتی تھی اور ریکارڈ کے مطابق پچھلے پندرہ دن سے اس علاقے میں کوئی طوفان تو کجا، کوئی بڑا بگولا بھی نہیں اٹھا تھا۔اس لئے لے دے کر ایک ہی بات باقی رہ جاتی تھی کہ پاکستانیوں نے ان سب کو مار لیا تھا یا پکڑلیا تھا۔بھارت کی طرف سے وہ بین الاقوامی سرحدوں کی خاموش خلاف ورزی تھی اور اس کی بھیجی ہوئی نفری فوجی وردیوں کے بجائے گوریلوں کے لباس میں تھی اس لئے پاکستان پر قیدیوں وغیرہ کے بارے میں کوئی اطلاع فراہم کرنے کی کوئی اخلاقی پابندی بھی نہیں تھی۔

بھارتی فوجی حکام کے لئے ایک طرف اپنی مہم جوئی کی بدترین ناکامی کا صدمہ تھا تو دوسری طرف انہیں متاثرہ فوجیوں کے خاندانوں کا خوف مارے ڈال رہا تھا۔بھارتی پریس کو اپنے حکام کے کرتوتوں کا پورا پورا علم تھا لیکن وہ قومی مفاد کی خاطر خاموش تھا۔ پریس کو جس دن بھی مہم کی ناکامی کا پورا یقین ہوجاتا، پورے بھارت میں بھونچال آجاتا۔ سونے پر سہاگا یہ ہوتا کہ ایک طرف مہم کی ناکامی کی خبر ہوتی اور دوسری طرف فوجی حکام کی بے خبری کا ماتم ہوتا کہ انہیں سرحد پار مرنے اور قیدی بنائے جانے والوں کی تعداد کا بھی علم نہیں ہے اور کئی دن گزر جانے کے باوجود وہ چین کی بنسری بجا رہے ہیں۔

دو دن کے اعصاب شکن انتظار کے بعد بھارتی افواج کے اعلیٰ حکام کی طرف سے ایک مضحکہ خیز کہانی جاری کی گئی تھی جس میں پانچ سو بتیس افسران اور جوانوں پر مشتمل ایک مشینی کارواں کے گم ہوجانے کا ذکر تھا۔ بیان میں کہا گیا تھا کہ سرحدی علاقوں میں مشقوں کے لئے سفر کرنے والا وہ کارواں یک بیک مفقود الخبر ہوگیا تھا۔شبہ ظاہر کیا گیا تھا کہ موسم یا سمت نما آلات کی خرابی کی وجہ سے وہ کارواں راستہ بھٹک کر پڑوسی ملک کی سرحدوں میں داخل ہوگیا تھا اور وہاں نامساعد حالات میں پھنس کر رہ گیا تھا۔

انہوں نے ذلت آمیز انداز میں پاکستانی افواج اور حکومت سے اس گم شدہ کارواں کے بارے میں مدد فراہم کرنے کی درخواست کی تھی۔

وہ کہانی اس قدر ناقص اور بودی تھی کہ خود بھارتی پریس نے اس کے چیتھڑے اڑا کر رکھ دیے تھے۔

اگر گدرا کے علاقے میں موسم واقعی اس قدر ناقص اور حوصلہ شکن تھا تو فوج کی اعلیٰ کمان کا فرض تھا کہ اس حسّاس سرحدی علاقے میں اپنے دستوں کی نقل و حرکت کو یکلخت موقوف کرادیتی کیونکہ علاقے کے حالات کے پیش نظر یہ بات یقینی تھی کہ راستہ بھٹک کر ایک دوسرے کے علاقہ میں نکل جانے والے فوجیوں کا پھولوں اور ہاروں سے استقبال نہیں کیا جاتا بلکہ انہیں للکارتے ہی، ان پر جہنم کے دہانے کھول دیے جاتے۔دشمن کی قیامت خیز فائرنگ سے جو فوجی زندہ بچتے، وہ کارروائی کے اختتام پر قیدی بنا لئے جاتے۔اس لئے خراب موسم میں مشقوں یا کسی بھی دوسرے مقصد کے لئے نازک سرحدی علاقے میں فوجیوں کی نقل و حرکت کا جاری رہنا، علاقائی کمان کی نااہلی کا ثبوت تھا۔

سمت نما آلات کی خرابی کے مفروضے کو مضحکہ خیز قرار دے کر بے دردی سے مسترد کردیا گیا تھا۔اس قافلے میں کم و بیش ڈھائی سو چھوٹی بڑی گاڑیاں شامل بتائی گئی تھیں۔ اس جدید دور میں ریڈیائی رابطے کے علاوہ ہر فوجی گاڑی میں سمت کا بالکل صحیح تعین کرنے والے ایک سے زائد آلات موجود ہوتے ہیں۔ کسی ایک آدھ گاڑی کے آلات کا خراب ہوجانا تو قابلِ فہم تھا لیکن کوئی بھی ہوش مند شخص یہ نہیں مان سکتا تھا کہ بھارتی فوجی قافلے کی ڈھائی سو گاڑیوں کے تمام سمت نما آلات بیک وقت ناکارہ ہوگئے تھے جس کی وجہ سے بھارت کو وہ شرمناک دن دیکھنا پڑا۔

پاکستانی حکام نے بھارت کی اس افسانہ طرازی کا فوری اور مسکت جواب دیا تھا۔انہوں نے راہ بھٹکے ہوئے کسی ہندوستانی فوجی کارواں کے وجود سے سراسر لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے ذرائع ابلاغ کو پہلی بار بتایا تھا کہ گدرا سے چند میل اندر پاکستانی سرزمین پر بغیر نمبر پلیٹ اور فوجی علامات والی ڈھائی سو بھاری گاڑیوں پر مشتمل ایک مسلح کارواں تیزی کے ساتھ پیش قدمی کرتا ہوا پایا گیا تھا۔ان گاڑیوں پر بھاری گولہ بارود سے لے کر مشین گنیں اور طیارہ شکن توپیں تک لدی ہوئی تھیں جنہیں موثر اور مختصر سی فوجی کارروائی کے ذریعے جزوی طور پر تباہ کردیا گیا۔ پاکستانی افواج کے اچانک حملے سے بوکھلا کر اس ناقابلِ شناخت لشکر کے جن ارکان نے ہتھیار ڈالنے چاہے ان کی بڑی تعداد اپنے ہی جنونی ساتھیوں کا نشانہ بن گئی۔اس آپریشن میں دو سو سات مسلح دہشت گرد پکڑے گئے تھے۔ان میں سے کوئی بھی اپنی کوئی باقاعدہ فوجی شناخت پیش کرنے سے قاصر رہا تھا۔ قابلِ ذکر بات یہ تھی کہ ٹرکوں پر لدا ہوا سارا گولہ بارود اور بیشتر ہتھیار بھارتی ساخت کے تھے۔طیارہ شکن توپیں اور مشین گنیں مغربی ساخت کی تھیں مگر ان پر بھی بھارتی افواج کے کوڈ کندہ تھے۔

پاکستانی ترجمان نے واضح طور پر ابہام سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان ان دنوں کوئی جنگی آویزش نہیں تھی، نہ دونوں میں سے کسی نے ایک دوسرے کی بین الاقوامی سرحدوں کی پامالی کا اعلان کیا تھا اسی کے ساتھ پکڑے جانے والے دہشت گردوں نے بھارتی مسلح

افواج سے اپنے کسی تعلق کا اعتراف نہیں کیا تھا' اس لئے حکومتِ پاکستان ان سب کو غیر جنگی اور غیر فوجی قیدی سمجھنے پر مجبور تھی اور ان کے بارے میں جنیوا کنونشن کے اصولوں کی پابندی کرنے سے بالکل بری الذمہ تھی۔ ان قیدیوں پر دہشت گردوں کے خلاف سرسری سماعت کی خصوصی عدالتوں میں مقدمہ چلانے کے ارادے کا اظہار کیا گیا تھا جس نے نئی دہلی کے ایوانوں میں یقیناً زلزلہ برپا کردیا ہوگا۔

اصل قصہ نہایت خاموشی کی ساتھ نمٹ گیا تھا۔ گدرا سے جانے والے' کچے ریگستانی راستے پر جلی ہوئی ہندوستانی گاڑیوں' ہتھیاروں اور انسانی لاشوں کا شمشان بن گیا تھا۔ زندہ بچنے والے قیدی بنا لئے گئے تھے۔ اس واقعے میں ہندوستانی افواج کے جوانوں اور افسروں کی اتنی بڑی تعداد ملوث تھی کہ بھارتی حکومت ان سے لاتعلقی اختیار کرکے 'ان کو پاکستانی حکام کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اپنی رائے عامہ کے شدید دباؤ کے تحت اس کی پوزیشن بہت کمزور ہوگئی تھی۔ وہ مجبور تھے کہ مردہ سپاہیوں کی لاشوں اور قیدیوں کی واپسی کے لئے ان کی اصلیت کا اعتراف کرتے ہوئے پاکستانی حکام سے مذاکرات کی ابتدا کریں۔

بھارتی حکومت اور جرنیلوں کی گھناؤنے عزائم کے خلاف وہ ایک بہت واضح ثبوت تھا۔ تہذیب و ترقی کے اس دَور میں کسی ملک کی بین الاقوامی سرحدوں کی پامالی ایک سنگین جرم تصور کی جاتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اخباری اطلاعات کے بعد گدرا کے مضافات کا ویران ریگزار آناً فاناً میں عالمی خبر رساں اداروں اور ٹیلی ویژن ایجنسیوں کے نمائندوں کی آماجگاہ بن جائے گا اور ہندوستان کی ناکام ترین فوجی مہم جوئی کی شرمناک کہانی عالمی شہ سرخیوں میں گالی بن کر چمکنے لگے گی۔

بظاہر وہ ایک ناکام فوجی آپریشن تھا لیکن اس کے محرکات سوفیصد سیاسی تھے۔ ہندوستان کے صفِ اوّل کے رہنماؤں نے پاکستان کی تخلیق اور اس کے آزادانہ وجود کو کبھی بھی کھلے دل سے تسلیم نہیں کیا تھا۔ وہ برصغیر میں جنم لینے والے دو قومی نظریے کے بدترین دشمن تھے اور پاکستان کی نظریاتی اساس کو تباہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ مشرقی پاکستان میں ننگی فوجی جارحیت کرکے اسے سونار بنگلہ دیش اور پھر اپنا تابعِ مہمل بنانے کی ریشہ دوانیاں سب کے سامنے تھیں۔ اور اب ہندوستانی نیتا سندھ کی سرزمین پر مہربان ہوئے جارہے تھے۔

عظیم صوفی شاعروں' مسلمان مبلغین' پیروں' فقیروں اور درویشوں کی مہمان نواز سرزمین کے چند سرپھرے اور سرکش باسیوں کی حمایت کے زعم میں بھارتیوں کی سیکرٹ سروس' را کے ایک اہم دماغ نے ملّا سرکار کے روپ میں اپنی ساری جوانی کوٹ مندو کے دور افتادہ گاؤں میں گزار دی۔ جب اس کی دانست میں اس کی آرزوؤں کی تعبیر کا وقت قریب آیا تو وہ خبیث' مکافاتِ عمل کے ازلی اور آفاقی کلیہ کا شکار ہوکر' خون اور لوتھڑوں کی صورت میں اباسین کے آبِ رواں کی جھلملاتی لہروں میں ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہوگیا۔

ملّا سرکار جہنم واصل ہوچکا تھا۔ ہندوستان جرنیلوں کی ترتیب دی ہوئی بھیانک فوجی مہم عبرت ناک بربادی سے دوچار ہوچکی تھی اور سارے کارڈز پاکستان کے ہاتھ میں آچکے تھے۔ وہ صورتِ حال ایسی تھی کہ حقائق اور شواہد کی روشنی میں ہندوستانی سرکار کو عالمی سطح پر ننگی کا ناچ نچایا جاسکتا تھا۔

جو کچھ اخبارات میں شائع ہوا' وہ اپنے متن کے اعتبار سے درست تھا لیکن میں اندازہ لگاسکتا تھا کہ ان خبروں میں آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ کے اثرات کی بھرپور عکاسی سے گریز کیا گیا تھا۔ کھلے عام جو کچھ لکھا اور کہا جارہا تھا' اس سے ہٹ کر درونِ خانہ بھی بہت کچھ ہورہا تھا جس کے بارے میں خبروں میں کوئی اشارہ نہیں تھا۔ اس دن کے اخبارات میں آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ اور اس کی کوکھ سے جنم لینے والی سیاسی باریکیوں کی کہانیاں شہ سرخیوں میں شائع کی گئی تھیں۔ عام قارئین کے لئے اس دن کے اخبارات میں آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ کے علاوہ کوئی اور خبر نہیں تھی لیکن میرے لئے سینڈو کے قتل کا معاملہ بھی کم اہم نہیں تھا۔

تلاش بسیار کے بعد مجھے اندرونی صفحے پر ایک کالمی خبر میں ایک لاوارث لاش ملنے کی اطلاع نظر آگئی۔ متوفی کو گلے میں پھندا ڈال کر نہایت بے رحمی سے ہلاک کیا گیا تھا۔ اس سے متعلقہ سارے کوائف وہی تھے جو سینڈو پر لاگو ہوتے تھے۔ لیکن اخباری اطلاعات کے مطابق اس لاش کا کوئی وارث سامنے آیا تھا نہ اس کی جیبوں وغیرہ سے کوئی ایسی چیز برآمد ہوسکی تھی جس کی مدد سے اس کی کوئی شناخت ممکن ہوتی۔

شہریوں سے کوئی مدد ملنے کی امید میں' پولیس کے ذرائع نے خبر کے ساتھ ہی متوفی کے چہرے کا ایک کلوزاپ جاری کردیا تھا جو خبر کی ساتھ ہی ایک کالم کی چوڑائی میں شائع کیا گیا تھا۔

اس روز مجھے تین بجے' حبیب جیوانی کے دیے ہوئے ایک نمبر پر میلان ٹیلی فون کرنا تھا اس لئے میں ایک بجے کے قریب ٹریڈ لائن کے دفتر پہنچ گیا تھا۔ وہاں آپریٹر سے معلوم ہوا کہ میرے پہنچنے سے پہلے' دو مرتبہ چیف کا فون آچکا تھا۔

سینڈو خلافِ معمول دفتر سے غائب تھا پھر دفتر کے چوکیدار نے شہر میں ہونے والے ایک پُراسرار قتل کی خبر پڑھ کر' تصویر سمیت اخبار کی تشہیر کردی تھی اس لئے دفتر میں سنسنی اور خوف و ہراس کی فضا پائی جارہی تھی۔ ٹریڈ لائن کے عملہ کو سینڈو کی بگڑی ہوئی تصویر شناخت کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔

میں دفتر میں اخبارات کے مطالعہ میں مصروف تھا کہ اچانک ہی انٹر کام کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری طرف سے ٹریڈ لائن کا ایک سینئر ملازم شیر شاہ بول رہا تھا۔



سینڈو کے ماتحتوں میں شیر شاہ ہمیشہ ہی سب سے منفرد اور نمایاں رہتا تھا۔ ٹریڈ لائن میں کام کرنے والے لوگوں میں سینڈو کے بعد وہی اس کا جانشین نظر آتا تھا۔

"باس! تم نے اخبارات تو دیکھ ہی لئے ہوں گے؟" اس کی آزردہ آواز سنائی دی۔

"ہوں' تو پھر تم کیا چاہتے ہو؟" میں نے غرّاتے ہوئے جارحانہ لہجے میں پوچھا۔

"کک... کچھ نہیں۔" وہ میرے لب و لہجے سے بوکھلا گیا۔ "پولیس والوں نے اسے لاوارث قرار دیا ہوا ہے۔ کہیں وہ اسے ایدھی فاؤنڈیشن کی مدد سے چپ چپاتے دفن نہ کردیں۔ اجازت ہو تو ہم لوگ پولیس سے رجوع کرکے سینڈو کی لاش حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس کا ایسا برا انجام نہیں ہونا چاہئے۔"

"بکومت!" میں نے انٹر کام پر ہی اسے ڈانٹ دیا "کیا تم نے یہ نہیں پڑھا کہ وہ پُراسرار حالت میں مارا گیا ہے۔ تم اس کی لاش لینے جاؤ گے اور پولیس تفتیش کے لئے اس دفتر میں ڈیرے ڈال لے گی۔"

"سوری باس!" اس کی خجالت آمیز آواز ابھری "میں کچھ جذباتی ہورہا تھا' اتنے دن تک کسی کتے کو بھی اپنی ڈیوڑھی پر پالا جائے تو اس سے بھی اُنسیت ہوجاتی ہے۔ لیکن تمہارا مشورہ درست ہے۔"

اسی لمحہ فون پر کال آنے لگی اور میں نے انٹر کام کا سلسلہ منقطع کردیا۔

دوسری طرف حبیب جیوانی تھا۔ اس کی آواز سے پریشانی مترشح تھی "سینڈو کے بارے میں تم نے اخبار میں پڑھ لیا ہوگا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کون ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے۔"

"تمہاری بیوی کے بعد سینڈو کا مارا جانا بہت تشویش ناک ہے" میں نے دل ہی دل میں اس کی تشویش سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "اور اب وہ لاوارثوں کی طرح مردہ خانے میں پڑا ہوا ہے۔"

"اسے وہیں پڑا رہنے دو۔" اس کی خوف زدہ آواز ابھری۔ "ایک دو روز بعد کوئی نہ کوئی خیراتی ادارہ اس کے کفن دفن کا بندوبست کردے گا۔ جو بھی ادھر گیا' پولیس اسی کے پیچھے لگ جائے گی۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا "یہ بتاؤ کہ اب کام کاج کی کیا صورت ہوگی؟"

"ظاہر ہے کہ سینڈو کے بعد سارا بوجھ تم ہی کو اٹھانا ہوگا لیکن اس کے ساتھ یہ دیکھنا بھی ضروری ہوگیا ہے کہ کون ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اسے ڈھیل دی گئی تو کل میری یا تمہاری باری بھی آسکتی ہے۔"

"میں کام کا بوجھ تو سنبھال لوں گا لیکن نچلی سطح پر ہونے والے بہت سے کاموں کے بارے میں صرف سینڈو ہی جانتا تھا۔ تمہاری بریفنگ کے بغیر مجھ سے غلطیاں ہونے کا امکان رہے گا۔"

"میں تمہیں بلیو فائل دے دوں گا۔ اس کے مطالعے کے بعد تم کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

"لیکن سینڈو کی جگہ تو کسی نہ کسی کو لانا ہی پڑے گا۔" میں نے کہا۔

"اپنی صوابدید کے مطابق' موجودہ عملے میں سے جسے چاہو' اوپر لے آؤ۔ یہ سب تمہارے اپنے معاملات ہیں لیکن میں اپنے دشمن کو جلد از جلد اپنے رُوبرُو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میرا شبہ کی کلب کے اراکین کی طرف جارہا ہے۔" میں نے اسے گمراہ کرنے کی نیت سے پُرخیال لہجے میں کہا "کلب بند ہونے سے وہ سب ہی بے روزگار ہوگئے ہیں۔ یہ ان میں سے کسی کی انتقامی کارروائی بھی ہوسکتی ہے۔"

"ان میں سے کسی کی یہ جرات نہیں ہوسکتی۔ شوچان نے کی کلب میں ملازم ساتوں لڑکیوں کے ساتھ ایک اسٹیٹ ایجنسی کھول لی ہے۔ کلب میں چوکیداری کرنے والے گوریلا نما مرد کو بھی اس نے اپنے ساتھ ہی رکھا ہے۔ اسٹیٹ ایجنسی کی آڑ میں وہ سب دونوں ہاتھوں سے دولت بٹور رہی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اس خون خرابے میں ملوث نہیں ہوسکتا۔ یہ تو کسی ایسے دشمن کا کام ہے جو ہمارے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔"

"کی کلب کے انتیس ارکان کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اس میں شبہ نہیں کہ وہ سب اہم اور طاقتور سرکاری اہل کار تھے لیکن وہ جانتے ہیں کہ ان کی فلمیں وغیرہ ابھی تک کی کلب چلانے والوں کی تحویل میں ہوں گی۔ اس لئے وہ کسی ردِ عمل کا مظاہرہ کرکے اپنی سماجی حیثیت تباہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ کی کلب ہمارا ذیلی ادارہ ہوتے ہوئے بھی بظاہر ہم سے بالکل الگ تھلگ نظر آتا ہے۔ وہاں آنے والوں کے تو فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ مافیا کے اڈے پر آتے ہیں۔"

"خیر' میں دیکھوں گا کہ ان واقعات کی پشت پر کون ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "یہ بتاؤ کہ تم بلیو فائل کب دے رہے ہو۔ آج آنے والے قبائلی ملکوں کے بارے میں بھی مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔"

"چاہو تو بلیو فائل ابھی لے سکتے ہو' میں تمہارا انتظار کررہا ہوں۔"

"تم کہاں سے بات کررہے ہو؟" میں نے چونک کر پُرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

"اپنے کمرے میں ہوں۔ مناسب سمجھو تو یہیں چلے آؤ۔" اس نے وہ انکشاف کرکے مجھے بوکھلا دیا "تمہیں تین بجے میلان

فون بھی کرنا ہے‘ میں اس موقع پر موجود رہنا چاہتا ہوں۔"

"میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم اپنے گھر سے بول رہے ہو۔" میں نے کہا۔

"گھر میں کیا رکھا ہے؟" اس کی تلخ آواز ابھری "مریم کی موت کے بعد تو مجھے اس گھر کی ہر چیز کاٹنے کو دوڑتی ہے۔ میں گھر میں بند ہو کر بیٹھ رہا تو چند ہی روز میں ذہنی خلل میں مبتلا ہو جاؤں گا۔"

"بس میں آرہا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے ریسیور کریڈل پر پٹخا اور چند ثانیوں تک اسے یوں ہی ہاتھ سے دبوچے بیٹھا رہا کہ کہیں ریسیور دوبارہ اپنی جگہ سے اچھل کر میرے کان سے نہ آ لگے۔

اپنے اس احمقانہ خیال پر سر جھٹک کر چند گہرے گہرے سانس لینے کے بعد میں نے ریسیور کو چھوڑا اور تیزی کے ساتھ اپنے دفتر سے باہر نکلتا چلا گیا۔

چیف کے دفتر کے دروازے پر‘ اس وقت سبز بلب روشن تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ مجھے اندر جانے کی اجازت تھی۔ میں نے دروازے پر نصب چمکتی ہوئی الکٹرونک پلیٹ پر ہاتھ رکھا اور حبیب جیوانی نے ‘اندر فنگر پرنٹس اینالائزر پر میرے ہاتھ کی لکیریں پہچان کر دروازہ کھولنے والا بٹن دبا دیا۔

میں کافی دنوں بعد نیچی چھت والی اس پُراسرار کمرے میں داخل ہوا تھا جو پوری طرح ساؤنڈ پروف ہونے کے ساتھ ہی بہت سی نت نئی حفاظتی سہولتوں سے آراستہ تھا۔

چھت کے فریموں میں مستور تیز روشنی والے قمقموں نے چیف کی میز کے سامنے والے حصہ کو منور کیا ہوا تھا لیکن اس کی وزنی میز کا بیشتر حصہ اور وہ خود مکمل تاریکی میں تھا۔

وہ جس پُراسرار انداز میں اپنے دفتر میں دریافت ہوا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی کے علم میں لائے بغیر‘ زیرِ زمین کیبل ٹرنچ کے ذریعے اپنے دفتر میں پہنچا تھا۔ وہ کب سے وہاں بیٹھا ہوا تھا‘ اس بارے میں کوئی قیاس آرائی ممکن نہیں تھی۔ اس کی میز پر ایکسچینج سے منسلک دو ٹیلی فونوں کے علاوہ ایک ڈائریکٹ فون بھی موجود رہتا تھا جس کے ذریعے وہ آپریٹر کو میرے لئے کال کر سکتا تھا اور یقیناً وہ یہی کر رہا تھا۔

"آؤ ڈینی! تم سے اس ملاقات کے لئے میں نے بہت محنت کی ہے۔" اندھیرے میں سے سیٹھ حبیب جیوانی کی بھاری اور سحر آلود آواز ابھری" میرا خیال ہے کہ ہماری یہ ملاقات ناگزیر ہو چکی تھی۔"

اس کے الفاظ اور لب و لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے مجھے چوکنا کر دیا۔ اس کے لہجے میں طنز یا استہزا کا شائبہ نہیں تھا لیکن وہ الفاظ بہت نپے تلے تھے جن کا کوئی بھی مقصد ہو سکتا تھا۔

"ملاقات کے لئے تم نے بہت پیچیدہ طریقہ اختیار کیا ہے‘ چیف!" میں نے خود کو پُرسکون رکھتے ہوئے‘ سرد لہجے میں کہا" تم مجھے حکم دیتے تو میں خود تمہارے گھر حاضر ہو سکتا تھا۔"

"گھر‘ گھر والی سے ہوتا ہے‘ ڈینی!" اندھیرے میں سے ابھرنے والی آواز اس بار تلخ ہو گئی تھی" جس کی گھر والی نہ ہو‘ اور اگر ہو تو بے وفا ہو۔ اس کے لئے گھر ایک سرائے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ سرائے‘ جس میں دو چار راتیں تو بسر کی جا سکتی ہیں لیکن پہاڑ جیسی زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ میری بیوی کو اغوا اور پھر ہلاک کر کے کسی درندے نے مجھ سے میرے گھر کا تصور چھین لیا ہے۔ اس کے اغوا اور قتل کے درمیان جو کچھ ہوتا رہا‘ اس کے بارے میں میڈیکل ایگزامنر کی رپورٹ میں سخت اور بے رحمانہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ وہ جو کوئی بھی ہے مجھے ہر طرف سے گھیر کر بے بس اور تنہا کر دینا چاہتا ہے۔ پہلے اس نے مریم کو اغوا کر کے ہلاک کیا۔ وہ اپنی ساری خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ میری زندگی کے لئے ایک بہت بڑا سہارا تھی۔ مریم پر وار کر کے اس نے میرے گھر کو تباہ کیا اور سینڈو کو قتل کر کے اس نے میرے کاروبار کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ سینڈو میرا دستِ راست تھا۔ مافیا میں میرے بعد تم سب سے سینئر ہو لیکن سینڈو کی افادیت سے تم بھی انکار نہیں کر سکتے۔"

اس نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش نہیں کی تھی مگر میں نے اس کے مقابل ایک کرسی سنبھال لی اور کہا" تمہاری ساری باتیں درست ہیں چیف! لیکن تمہارا انداز کچھ ذو معنی ہے۔ تم کھل کر بات کرو تو ہماری یہ ملاقات زیادہ نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔ تمہاری باتوں سے مجھے عدم اعتماد کی بو آرہی ہے۔"

"یہ عدم اعتماد فطری ہے‘ ڈینی۔ جو آدمی اپنی بیوی کو اپنے دشمن یا دشمنوں سے نہ بچا سکا ہو‘ اپنے دستِ راست کی زندگی کی حفاظت نہ کر سکا ہو‘ اسے تو اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں رہ...

"تم اس بارے میں کس پر شبہ کر رہے ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"میں نے تم سے سائے کی بات کی جو اجالوں میں ہر دم میرے ساتھ رہتا ہے لیکن اندھیرے میں میرا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ ... سائے کے بعد تین افراد میری ذات سے بہت قریب تھے۔ مریم مار ڈالی گئی‘ سینڈو جسے قتل کر دیا گیا۔ ان کے بعد تم تیسرے آدمی ... جاتے ہو۔ اپنے سائے کے بعد میں کسی اور پر شبہ کر سکتا ہوں ... تم ہو۔"

"میں؟" میرے حلق سے اضطراری آواز برآمد ہوئی اور ... کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا" تم مجھ پر شبہ کر رہے ہو؟... تم جانتے ... کہ تم کیا کہہ رہے ہو‘ چیف؟"

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں‘ ڈینی!" اس نے سرد ... میں کہا" میں نے تمہاری فرمائش پر کھلے ذہن کے ساتھ بات شروع کی ہے۔ اپنا ذہن کھول کر تمہارے سامنے رکھ دیا ...



میرے شبہات کو دور کرنا تمہارا فرض ہے۔"

وہ اندھیرے میں چھپا بیٹھا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس نے زبان کھولنے سے پہلے‘ اپنے ہاتھ میں کوئی ہتھیار سنبھال لیا ہوگا تاکہ میرے کسی غیر متوقع ردِعمل سے خود کو بچا سکے۔ میں تھکے ہوئے انداز میں آہستہ آہستہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"آخر تمہارے اس شبہ کا جواز کیا ہے؟" میں نے اندھیرے میں اس کے ہیولے پر نظریں جما کر پوچھا۔

"اگر تم مافیا والوں کو یہ یقین دلا دو کہ میں بالکل ہی نااہل اور کمزور ہوں‘ اپنے گھر اور کاروبار کی صحیح دیکھ بھال نہیں کر سکتا تو وہ مجھے معزول کر دیں گے۔ تم مافیا میں میرے نمبر دو ہو۔ میرے بعد مافیا کی سربراہی‘ پکے ہوئے پھل کی طرح تمہاری جھولی میں آگرے گی اور تم جانتے ہی ہو کہ مافیا سے معزولی کا مطلب صرف اور صرف موت ہوتا ہے۔ تم میری لاش پر اپنی سربراہی کا محل تعمیر کرنے کے خواب دیکھ رہے ہو۔"

"تم نے بات سے بات ضرور ملائی ہے۔ لیکن تمہارے اس نظریے میں جان نہیں ہے۔" میں نے اپنے دل کی تیز دھڑکنوں کے باوجود‘ پُرسکون رہتے ہوئے کہا" جب تمہاری بیوی کو اغوا کیا گیا تو میں یہاں سے سیکڑوں میل دور‘ بیمار پڑا ہوا تھا۔ اس بے چاری کی موت کو مجھ سے منسوب کرنا زیادتی ہے۔ اور جب مجھ پر سے وہ الزام ہٹ جاتا ہے تو سینڈو کے قتل کا الزام خود بخود کمزور پڑ جاتا ہے۔ اس کے مکمل استرداد کے لئے یہ ایک حقیقت کافی ہے کہ مافیا کے سربراہ تم رہو یا تمہارے مفروضے کی بنا پر میں تمہاری جگہ لے لوں‘ سینڈو کی موت کے بعد مافیا کے ہر سربراہ کو بے شمار عملی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جن کا حل بلیو فائل میں بھی نہیں مل سکے گا۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ سینڈو‘ تم سے زیادہ میرا وفادار تھا۔ اپنے ایک ہمدرد اور وفادار ساتھی کو ہلاک کر کے میں کون سا مقصد حاصل کر سکتا تھا؟"

میرے آخری دعوے نے اسے حیرت میں مبتلا کر دیا۔ چند ثانیوں کے لئے وہ حیرت سے گنگ ہو کر رہ گیا پھر اس نے اسی ایک نکتے کو اپنی بحث کا محور بنا لیا" میں نہیں مان سکتا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرے ہوٹل کے نامکمل اور منحوس پروجیکٹ کے زمانے سے وہ میرا منہ چڑھا فورمین تھا اور اسی کے مشورے پر میں نے ہیروئن کی ایک کھیپ ملک سے باہر اسمگل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میری کوشش کامیاب ہونے کی صورت میں‘ مجھے اتنا سرمایہ مل سکتا تھا کہ ہوٹل کا سڑتا ہوا‘ فلک بوس ڈھانچا مکمل ہو کر شہر کے ایک کامیاب اور بارونق تفریحی مقام میں تبدیل ہو سکتا تھا۔ وہ میرے اچھے اور برے دنوں کا ساتھی اور میرا برسوں پرانا نمک خوار تھا۔ میں مان ہی نہیں سکتا کہ جمعہ جمعہ آٹھ دن کی رفاقت میں وہ مجھے بھول کر تمہارا دوست بن گیا ہو۔"

وہ میرا بہت مضبوط نکتہ تھا‘ اس لئے تفصیل میں جانے سے پہلے میں حبیب جیوانی کی زبان سے یہ وعدہ سننا چاہتا تھا کہ اگر میں نے اپنا موقف درست ثابت کر دیا تو وہ مجھ پر شبہ کرنا ترک کر دے گا۔ "میری بات کا غلط مطلب اخذ نہ کرو۔" میں نے ہاتھ فضا میں بلند کر کے احتجاج کیا" میں نے یہ نہیں کہا کہ وہ تمہیں بھول کر میرا دوست بن گیا تھا۔ میں صرف یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اپنی موت سے پہلے‘ سینڈو ذہنی طور پر مجھ سے بہت قریب ہو گیا تھا‘ اتنا قریب کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"بکواس!" اس کا لہجہ اشتعال آمیز ہو گیا" میں مان ہی نہیں سکتا۔"

"لیکن میں اپنے اس دعوے کا ثبوت رکھتا ہوں۔" میں نے اس کے اعصاب سے کھیلتے ہوئے‘ پُرسکون لہجے میں کہا" اور تم خود کو میرے دعوے کی تصدیق کرنے پر مجبور پاؤ گے۔"

"تم اپنی بات ثابت کر دو گے تو میرا ذہن تمہاری طرف سے صاف ہو جائے گا۔" وہ ضد میں آ کر بولا۔ اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری بات پر ذرا بھی یقین نہیں آیا تھا۔

"مریم کے اغوا کے سلسلے میں تمہیں شروع ہی سے مجھ پر شبہ تھا۔ تم نے اپنے اس شبہ کا اظہار سینڈو سے بھی کیا تھا۔" میں نے سینڈو سے ملی ہوئی معلومات میں تھوڑی سی حاشیہ آرائی کرتے ہوئے کہنا شروع کیا" سینڈو کے نزدیک تمہاری وہ سوچ غلط اور مہلک تھی لیکن وہ تم سے اختلافِ رائے کی جرات نہیں کر سکا لیکن اس نے فوری طور پر تمہاری نگرانی شروع کر دی۔ یہ نگرانی اب بھی جاری ہوگی کیونکہ ٹریڈ لائن کے دفتری اوقات میں سینڈو اپنی ڈیوٹی ادا کرتا تھا اور کرائے کا ایک آدمی تمہارے پیچھے لگا رہتا تھا۔ شام میں سینڈو خود تمہاری نگرانی کرتا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ مریم کے بارے میں تمہارا شبہ اتنا قوی تھا کہ تم نے میری غیر حاضری کا یقین کرنے کے لئے میرے فلیٹ کا بذاتِ خود جائزہ لیا اور اسے مقفل پا کر چوکیدار وغیرہ سے میرے بارے میں سوالات بھی کئے تھے۔ اب تم خود ہی بتا سکتے ہو کہ وہ سچا تھا یا جھوٹا‘ کیونکہ میں تو شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔"

حبیب جیوانی کی خاموشی سے مجھے اندازہ ہوا کہ میرے انکشاف سے اسے ذہنی صدمہ پہنچا تھا۔ وہ بولا تو اس کی آواز قدرے بوجھل سی تھی "اس کا مطلب ہے کہ میں اپنی آستین میں سانپ پال رہا تھا۔ یہ بتاؤ کہ میری نگرانی کرانے کے لئے اس حرامی نے کس کو خریدا ہوا تھا؟ میں پہلی فرصت میں اسے شوٹ کر دوں گا۔"

"میرے اصرار کے باوجود سینڈو نے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔" میں نے معصومیت سے کہا" یہاں آتے جاتے ہوئے تمہیں اپنے گرد و پیش سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ اگر وہ جاہل قسم کا کوئی بدمعاش ہے تو اخبارات میں سینڈو کے قتل کی خبر اور تصویر نہیں دیکھ سکا ہوگا اور اس وقت تک تمہاری نگرانی کرتا رہے

گا جب تک سینڈو کی مسلسل رُوپوشی اور معاوضہ نہ ملنے کے سبب وہ مایوس نہیں ہو جائے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ کتے کا پلاّ مرتے مرتے بھی میرے لئے ایک نئی مصیبت کھڑی کر گیا ہے۔" حبیب جیوانی غصے میں غالباً دانت پیستے ہوئے بولا تھا۔

وہ ایسا مغلوب الغضب آدمی تھا کہ پل بھر میں میری دشمنی اور سینڈو کی ہمدردی کو بھول بھال کر اس کی طرف سے مشتعل ہو گیا تھا۔ اس کے بدلے ہوئے طرزِ عمل سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میں نے سینڈو کے حوالے سے اسے جو کچھ بتایا تھا، اس نے اس کی صداقت کو من و عن تسلیم کر لیا تھا۔

"اب تم ہی بتاؤ کہ میں ایسے کار آمد آدمی کو کیسے مار سکتا تھا؟"

"لعنت بھیجو اس نمک حرام پر۔" اس کی غصیلی آواز ابھری۔ "میرا خیال ہے کہ وہ مافیا کو ڈبل کراس کر رہا تھا۔ اس کے مشتبہ قسم کے لوگوں سے مراسم رہے ہوں گے۔ اس کی طرف سے میری آنکھوں پر تو پردہ پڑا ہوا تھا لیکن وہ مُدر مافیا والوں کی عقابی نظروں سے نہیں بچ سکا ہو گا۔ ان ہی میں سے کسی نے اسے مار کر پھینک دیا ہو گا۔"

"پھر اب میرے لئے کیا حکم ہے؟" میں نے اپنی پوزیشن صاف ہو جانے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے ادب کے ساتھ سوال کیا۔

"یہ پڑھ لینا۔" حبیب جیوانی کے ان الفاظ کے ساتھ ہی اندھیرے میں سے ایک نیلی فائل اڑتی ہوئی میز پر میرے آگے آگری "اس کے علاوہ تمہارا ایک کام اور بڑھ گیا ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے فائل کو اپنی کہنیوں کے نیچے دباتے ہوئے پوچھا۔

"جب تک میرا پیچھا کرنے والا ہاتھ نہیں آجاتا، تمہیں میری حفاظت کرنی ہو گی۔ تم میرا تعاقب کر کے اس کو پکڑنے کی کوشش کرو گے۔ سینڈو کی طرف سے معاوضہ نہ ملنے پر وہ مردود مایوس ہو کر مجھے کوئی نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔" حبیب جیوانی کی آواز سے اس کی گہری فکرمندی کا اظہار ہو رہا تھا۔

میرے لئے وہ فرمان ایک سزا سے کم نہیں تھا۔ میں نے اپنی گلو خلاصی کے لئے کہا "ایسے کاموں میں پیشگی معاوضہ دینا پڑتا ہے۔ لمبا کام ہو تو ماہانہ ادائیگی ہوتی ہے ورنہ ہفتہ وار حساب چلتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم چار چھ روز کے لئے اپنے گھر تک ہی محدود ہو جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔ میرے مسلسل تعاقب سے تمہاری ساکھ خراب ہو سکتی ہے۔ مریم اور سینڈو کے قتل کے بعد مُدر مافیا والوں کو اس اسکینڈل کی بھنک بھی مل گئی تو یہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہو گا۔ ہاں، تم خود ہی اس شخص کو تاڑ کر پکڑ لو تو اور بات ہو گی۔ ہفتہ ختم ہونے پر اس آدمی کو اگلے ہفتہ کا پیشگی معاوضہ نہ ملا تو خود ہی اپنا منہ کالا کر لے گا۔"



"تم واقعی بہت ذہین بدمعاش ہو۔" اندھیرے میں سے پہلی بار ہنسی کی خفیف سی آواز ابھری "بات سنتے ہی پل بھر میں اس کا پورا پوسٹ مارٹم کر ڈالتے ہو۔ کل سے تو میں کوئی نہ کوئی راہ نکالوں گا یا گھر میں قید ہو کر بیٹھ رہوں گا لیکن آج میری واپسی پر تمہیں میرے گھر تک میرے پیچھے پیچھے آنا ہو گا۔"

"اس طرح تمہارا گھر میری نظروں میں آجائے گا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"لعنت بھیجو ان ڈھکوسلوں پر۔ جب میں نے تمہیں گھر کا فون نمبر دے دیا ہے تو گھر کو چھپائے رکھنا بے سود ہے۔ تم چاہو تو فون نمبر کے سہارے بھی میرے گھر کا سراغ لگا سکتے ہو۔"

"ٹیلی فون کے محکمے نے کئی سال سے نئی نمبر ڈائریکٹری نہیں چھاپی ہے۔ اس دوران میں نمبر اتنی کثرت سے تبدیل کئے گئے ہیں کہ پرانی نمبر ڈائریکٹری کی مدد سے کسی کے گھر کا سراغ لگانا ناممکن ہو کر رہ گیا ہے۔"

"مجھے ان کتابی چکروں میں نہ الجھاؤ، ڈینی!" اس کی مزاحیہ آواز گونجی "دس بیس روپے خرچ کر کے ایسی فضول باتیں ایکسچینج سے بھی معلوم کی جا سکتی ہے۔ بہرحال یہ یاد رکھنا کہ آج تمہیں میرے پیچھے چلنا ہے۔ سینڈو کے سیاہ کرتوتوں کا ذکر کر کے تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔"

اسی وقت اوپر سے آپریٹر نے سینڈو کے لئے دو مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی اور حبیب جیوانی نے پیغام سنتے ہی ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"ریسیور ان دونوں میں سے کسی کو دے دو۔" میں نے خشک لہجے میں آپریٹر سے کہا۔

"ہیلو برادر! اَم پہاڑوں سے گوبھی کا پھول لے کر آدر آیا ہے۔" لحظہ بھر بعد ریسیور میں ایک کڑک مردانہ آواز ابھری۔ اس نے اپنے قبائلی لب و لہجے میں گوبھی کے پھول کا ذکر کر کے اپنی آمد کا مدعا ظاہر کر دیا تھا۔

"کالے گلاب کھلنے والے ہیں۔ تھوڑی دیر انتظار کر لو۔" میں نے کوڈ کا جواب کوڈ میں دیا اور ریسیور اندھیرے میں حبیب جیوانی کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے ریسیور رکھنے کے ساتھ ہی اپنی نشست پر لگی ہوئی بتیاں بھی روشن کر دی۔

وہ اپنی گھومنے والی، بڑی سی کرسی میں دھنسا ہوا مسکرا رہا تھا لیکن اس کی پیشانی پر تفکر آمیز لکیریں نمایاں تھیں۔ اس کے سامنے میز پر پستول رکھا ہوا تھا جس میں میگزین چڑھا ہوا تھا۔

"شکریہ، مجھے اندھیرے سے شدید الجھن ہو رہی تھی۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "اور ہمارے درمیان، یہ بھرا ہوا پستول کیوں رکھا ہوا ہے؟"

"یہ تمہارے لئے تھا۔" اس نے ہنستے ہوئے پستول اٹھا کر دراز میں ڈال لیا "آج میں تم سے دو ٹوک بات کرنے کی نیت سے آیا تھا۔ تم سینڈو کو بے نقاب کر کے اپنی پوزیشن صاف نہ کرتے تو میں اندھیرے میں سے گولی چلا کر تمہاری پیشانی کے وسط میں ایک کھڑکی کھول دیتا۔"

"مجھے امید ہے کہ آئندہ ایسی صورتِ حال پیش نہیں آئے گی۔" میں نے توقع ظاہر کی۔

"ایسی ہی بہتر امیدوں کے سہارے ہم سب زندہ رہتے ہیں۔" اس نے کہا اور پھر لہجہ بدل کر جلدی سے بولا "تم جا کر اپنے مہمانوں کی خبر لو۔ یہ لوگ مہمان کو انتظار کرانا، اس کی توہین سمجھتے ہیں۔ دیر ہونے پر ان دونوں میں سے کسی کی کھوپڑی سنک گئی تو پورا دفتر تماشا بن جائے گا۔"

"لیکن ان سے کیا بات کرنی ہے؟" میں نے اٹھتے اٹھتے حیرت سے سوال کیا۔

"انہیں کم سے کم رقم دے کر انہیں پانچ سال کے لئے اپنا پابند کرنا ہے۔"

ان دونوں کو کچھ دیر کے لئے انتظار کرنا پڑا تھا اس لئے ان کی خفگی دور کرنے کی نیت سے سیدھا انتظار گاہ کی طرف ہی چلا گیا جہاں وہ دونوں خاصے اضطراب کے عالم میں براجمان تھے۔

ان کے ڈھیلے ڈھالے اور گہرے رنگوں کے لباس شکن آلود تھے جن پر واسکٹیں چڑھی ہوئی تھیں۔ سرخ و سفید چہروں کے اوپر ان کے سروں پر بڑی بڑی پگڑیاں بندھی ہوئی تھیں۔ میرے مخاطب کرنے پر انہوں نے اپنی جگہ چھوڑی تو ان کے دیو ہیکل اجسام کے سامنے دفتر کے لوگ حقیر نظر آنے لگے۔

"تلاطم خان۔" ان میں سے باریش شخص نے کھردری آواز میں اپنا تعارف کرایا پھر اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "یہ امارا عم زاد محبت خان ہے۔"

میں نے ان دونوں سے نہایت گرمجوشی کے ساتھ مصافحہ کیا اور انہیں اپنے دفتر میں لے آیا۔

"خان برادر! آپ لوگ کیا کھانا پینا پسند کریں گے؟" میں نے ان کے رسوم و رواج کے مطابق کاروباری گفتگو شروع کرنے سے پہلے رسومِ میزبانی ادا کرنے کی نیت سے پوچھا۔

"خو برادر! اَم نے ہوٹل میں روٹی کھا لیا۔" باریش شخص نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آسودہ لہجے میں کہا "ابی اَم کو ولایتی شراب مل جائے تو ملاقات کا مزہ آجائے گا۔"

باشرع نظر آنے والے اس شخص کی زبان سے ولایتی شراب کی بے حجابانہ فرمائش سن کر میں بھونچکا رہ گیا لیکن وہ حیرت کے اظہار کا کوئی موقع نہیں تھا۔ ہیروئن کی سودے بازی کے لئے ولایتی شراب سے بہتر کوئی اور مشروب نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے تحسین آمیز مسکراہٹ کے ساتھ تلاطم خان سے پوچھا "وِسکی، جِن یا پھر لاؤڈ کا چلے گی؟"

"او خدا!" تلاطم خان الم زدہ آواز میں کراہا "افغانستان کے پہاڑوں سے کراچی آکر بھی تلاطم خان ووڈکا پئے تو لعنت ہے اس کے شوق پر۔" پھر وہ میز پر قدرے آگے جھک کر بولا "الحمدللہ کہ روسی سؤر افغانستان سے چلا گیا لیکن اب وہاں صرف ووڈکا ہی ووڈکا ملتی ہے۔ وہ اماری سرسبز فصلیں سمیٹ کر اپنی سرحدوں میں لے جاتے ہیں اور اپنے فالتو آلوؤں سے ووڈکا کشید کر کے اَم لوگوں کو پلاتے ہیں۔ ابی تم اَم کو وِسکی پلاؤ، کیوں خان برادر؟" آخری سوال اس نے محبت خان سے کیا تھا جو کسی مسکین کی طرح سر ہلا کر رہ گیا۔

گورا، جو دنیا بھر کی شرابوں کا باوا آدم سمجھا جاتا ہے وہ بھی دن کی اجالے میں وِسکی کے استعمال کو معیوب اور عادی شرابی کی نشانی قرار دیتا ہے لیکن افغانستان کی کنار ویلی کے مشرقی پہاڑوں سے آئے ہوئے وہ دونوں ندیدے مہمان دن دہاڑے وِسکی ہی پینے پر مُصر تھے۔

میں نے انٹر کام پر آپریٹر کو وِسکی اور سوڈے کے ساتھ تین گلاس بھجوانے کی ہدایت کی اور ان دونوں دلچسپ ملاقاتیوں سے غیر رسمی گفتگو میں مصروف ہو گیا۔

ان دونوں کا تعلق جلال آباد کے مضافات میں دریائے سرخاب کے کنارے پر واقع بالا باغ کی بستی سے تھا لیکن افغانستان میں روس کی فوجی مداخلت کے خلاف تحریکِ مزاحمت شروع ہوتے ہی ان کی تمام عورتیں اپنے بچوں کے ساتھ سرحد عبور کر کے پاکستانی علاقے میں پناہ گزین ہو گئیں اور سارے مرد ہتھیار سنبھال کر مجاہدین کے ساتھ جا ملے۔

اسی دوران میں تلاطم خان کی ملاقات کچھ ایسے لوگوں سے ہوئی جو زرخیز پہاڑی علاقوں میں محض افیون کاشت کر رہے تھے۔ وہ قناعت پسند لوگ تھے جو صرف قدرتی فصلوں سے اپنی روزی کما کر سُکھ کی نیند سوتے تھے لیکن ان کے خریدار چھوٹی چھوٹی جگہوں میں کچھ آلات نصب کر کے افیون سے ہیروئن کشید کرنے میں مصروف تھے اور اس دھندے میں اندھا دھند پیسہ کما رہے تھے۔ ایسے لوگوں کی کہانیوں نے تلاطم خان کے دل میں بھی تلاطم پیدا کر دیا اور وہ جہاد کی صعوبتوں کو خیرباد کہہ کر محبت خان کے ساتھ کنار ویلی کے کنارے کھڑے ہوئے پہاڑوں پر جا چڑھا۔

کچھ دنوں تک ہیروئن اور ہتھیاروں کے سودوں کی دلاّلی کرنے کے بعد ان دونوں نے اتنی رقم جوڑ لی کہ ہیروئن بنانے کا اپنا کارخانہ لگا سکیں۔ دلاّلی کے دنوں میں انہوں نے اس کاروبار کی اونچ نیچ کے بارے میں بہت کچھ سیکھ لیا تھا اس لئے ہیروئن سازی شروع کرتے ہی ان پر ہُن برسنے لگا۔

دوسری طرف ان کے گروپ کے رضا کار، ان دونوں بھگوڑوں کی تلاش میں تھے۔ جب تک تلاطم خان اور محبت خان گمنام دلاّلوں کے روپ میں پہاڑوں کے آرپار سرگرمِ عمل رہے،

کوئی ان کا سراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہوسکا لیکن ہیروئن کے ذریعہ دولت کمانے کے ساتھ ہی ان کی شہرت پھیلنے لگی اور ایک دن ان کے گروپ کے رضا کاران کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے 'پہاڑوں میں ان کے ٹھکانے تک پہنچ گئے۔

وہ رضا کاران دونوں کو پکڑ کر دوبارہ محاذ پر لے جانے کے ارادے سے آئے تھے لیکن جب تلاطم خان نے آنے والوں کو جنگی مقاصد کے لئے ہزاروں ڈالر کی امداد کی پیشکش کی تو ان کی نیتیں ڈانواں ڈول ہوگئیں۔ افغانستان کے گلی کوچوں میں جاری تحریکِ مزاحمت کی طرف سے لڑنے والے پُرجوش مگر بے مایہ مردوں اور جوانوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ انہیں ایک آواز پر ہر علاقے سے مطلوبہ لڑاکا نفری مل جاتی تھی لیکن اس نفری کو ہتھیار' میزائل اور گولا بارود فراہم کرنے میں بے شمار دقتوں کا سامنا تھا۔ روسی فوجیوں سے چھینا ہوا اسلحہ ناکافی ہوتا تھا۔ وہ کہیں سے بھی پسپا ہوتے ہوئے اپنی ہر چیز چھوڑ کر چلے جاتے تھے لیکن گولا بارود اور ہتھیاروں کے ذخائر کو تباہ کرنا نہیں بھولتے تھے۔ سرحد پار سے آنے والی امدادی کھیپیں بھی' ہتھیاروں وغیرہ کی ضروریات پوری کرنے سے قاصر رہتی تھیں۔

ان حالات میں مجاہدین کے سب سے بڑے محسن' جوش و جذبے سے عاری روسی فوجیوں کے وہ دستے تھے جو ڈالروں کی صورت میں بھاری رشوت کی پیشکش ملنے پر اپنے تمام ہتھیار اور اسلحے کے ذخائر جوں کے توں چھوڑ کر کسی طرف کوچ کر جاتے تھے اور پھر اپنے افسران کو اپنی شکست کی کوئی فرضی کہانی سنا کر مجاہدین کی دہشت میں اضافہ کردیتے تھے۔ ان کے چھوڑے ہوئے ذخائر پر بعد میں مجاہدین کا قبضہ ہوجاتا تھا اور وہی ان کی سب سے بڑی سپلائی لائن تھی۔

لیکن ایسے بے ضمیر روسی فوجیوں کو خریدنے کے لئے ہر وقت ڈالروں کی ضرورت رہتی تھی جو مجاہدین کے لئے نایاب تھے۔ اس پس منظر میں تلاطم خان اور محبت خان کو اپنے عطیہ کی وجہ سے محاذِ جنگ پر واپس لوٹنے سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ جنگ کے مصائب سے تو ان کی گلو خلاصی ہوگئی لیکن مجاہدین نے ڈالروں کے لئے ان کا گھر دیکھ لیا تھا۔ مہینے' پندرہ دن میں مجاہدین کی کوئی نہ کوئی ٹولی کسی پیشگی اطلاع کے بغیر ان کے سروں پر نازل ہوتی اور ان کی ساری جمع پونجی سمیٹ کر لے جاتی۔

کمانے اور پھر کنگال ہوجانے کے اس کھیل میں وہ کافی دن پستے رہے۔ افغان علاقے میں مجاہدین کی دسترس سے بچنا ناممکن تھا۔ انہوں نے پاکستان کے قبائلی علاقوں کا رخ کرنا چاہا تو وہاں افیون کی فصلوں کے اجارہ دار نئے لوگوں کا وجود برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے۔ اس لئے وہ مجبوراً کنار ویلی ہی میں پڑاؤ ڈالے رہے۔

لیکن تلاطم خان کا خیال تھا کہ ان دنوں جنگ کا زور ٹوٹ جانے کی وجہ سے حالات ساز گار ہو رہے تھے اور باہر سے کچھ مالی تعاون مل جانے پر وہ اپنی پیداوار میں کئی گنا اضافہ کرسکتا تھا۔

اس سلسلے میں جمرود کے قبائلی علاقے میں ایک سفید فام اطالوی اس سے ٹکرایا تھا۔ اس نے تلاطم خان کو کراچی پہنچ کر گوبھی کے پھول کے حوالے سے ٹریڈ لائن سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ صحیح رابطے کی پہچان کے لئے اسی اطالوی نے تلاطم خان کو کالے گلاب کے جوابی کوڈ سے آگاہ کیا تھا۔ جس کے نتیجے میں ہم تینوں اس وقت یکجا ہو کر شراب نوشی کر رہے تھے۔

وہ دونوں غیر ملکی وھسکی سے اس بری طرح ترسے ہوئے تھے کہ سب سے پہلے انہوں نے نیٹ وھسکی کے آدھے آدھے گلاس... غٹاغٹ اپنے معدوں میں اتار لئے۔

گلاس خالی کرکے تلاطم خان نے اپنی جھلملاتی ہوئی نمناک آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز کرکے میرا شکریہ ادا کیا تھا۔ میں ان کے ساتھ دوسرے پیگ میں شریک ہوسکا تھا جو مقدار اور ولایتی قاعدے کے مطابق ان کا پانچواں پیگ تھا۔ ان بلا نوشوں کے سامنے بوتل کا حال ابتر تھا کیونکہ وہ پہلے ہی ہلّے میں آدھی سے بھی کم رہ گئی تھی۔

"برادر! تلاطم خان دس لاکھ روپیہ خیرات میں نہیں مانگتا۔ پانچ سال تک اُم اپنا نخالص ہیروئن کا ایک گرام بی کسی اور کوئی دے تو ہم خنزیر کا بچہ۔ سارا مال تم لوگ کو دے گا۔ پانچ سال پورا ہوگا تو تمہارا پانچ لاکھ تم کو واپس کردے گا۔ یہ امارا زبان ہے اور مسلمان کا زبان پکا ہوتا ہے۔"

"تم دس لاکھ کے پانچ لاکھ لوٹاؤ گے اور باقی پانچ لاکھ؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اوئے خانا! تم بات نہیں سمجھتا۔" تلاطم خان ہلکے سے محرور کے عالم میں لہک کر بولا "یہ ایک لاکھ روپیہ سال اُم لوگ کا پرافٹ ہوگا۔ مال پر تم سے کون کافر کا بچہ پرافٹ کمائے گا؟"

"اور مال کے دام کیا ہوں گے؟" مجھے وہ شخص بہت دلچسپ نظر آرہا تھا۔

"جو بازار کا دام ہوگا وہ ام تم سے لے گا۔" اس نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

"لیکن بازار کے دام میں تو دلّال اور دکاندار کا نفع بھی شامل ہوتا ہے' تلاطم خان!" میں نے احتجاج کیا۔

"ہوتا ہے' ہوتا ہے۔" وہ اپنی پگڑی کے نیچے انگلیاں ڈال کر سر کھجاتا ہوا بولا "مگر اس مال میں ملاوٹ ہوتا ہے۔ ام تم کو بالکل نخالص مال دے گا۔ بازار کا دام میں نخالص مال کوئی مائی کا لال نہیں دے گا۔"

وہ میری اور ان دونوں کی پہلی نشست تھی۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ سارے معاملات اسی پہلی ملاقات میں طے کرلئے جاتے۔ مجھے ان دونوں کی طرف سے خطرہ بھی نظر آرہا تھا۔ وہ اتنے بیڑ



سے پی رہے تھے کہ ان کی بڑی بڑی آنکھیں خونِ کبوتر کی طرح سرخ ہوچکی تھیں اور پپوٹے پتلیوں پر ڈھلکے جارہے تھے۔

محبت خان اپنی خاموش طبعی کی وجہ سے پھر بھی محفوظ نظر آرہا تھا لیکن تلاطم خان کاروباری گفتگو کے اتار چڑھاؤ میں الجھا ہوا تھا۔ اس کے ہیجان آمیز' اضطراری ردِعمل سے مجھے یہ خوف لاحق ہونے لگا تھا کہ کہیں میری کسی بات پر وہ ہتھے سے ہی نہ اکھڑ جائے۔ وہ ایک بار بپھر جاتا تو اسے سنبھالنا خاصا دشوار ہوسکتا تھا۔

وہ دونوں نہایت مردانہ وار پی رہے تھے۔ اپنے تن و توش سے وہ دونوں ہی نہایت خوش خوراک بھی نظر آرہے تھے۔ انہوں نے آتے ہی اطلان کیا تھا کہ وہ کھانا کھا کر آئے تھے۔ حلق تک بھرے ہوئے معدوں میں وہ اتنی بے دردی کے ساتھ وھسکی انڈیل رہے تھے کہ میرے حساب سے 'اِن کے معدوں میں کافی دیر پہلے ابال آجانا چاہئے تھا لیکن ان کے بشروں پر مستی یا بے چینی کا دور دور تک شائبہ بھی نہیں تھا۔ ان دونوں آتش فشانوں کے بیدار ہونے سے پہلے میں ان سے گلو خلاصی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے خوب صورتی کے ساتھ گفتگو کا رخ موڑ دیا۔

"تلاطم خان!" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد اسے مخاطب کیا۔ "تمہاری آج کی باتیں بہت کار آمد اور معلومات افزا ثابت ہوئیں۔ کم از کم مجھے یہ علم ہوگیا کہ تم ہمارے ساتھ کن شرائط پر کاروبار کرنا چاہتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ اگلی ملاقات میں ہم اپنا سودا طے کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔"

مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ اتنی زیادہ پی لینے کے باوجود تلاطم خان کا ذہن پوری طرح چاق و چوبند تھا۔ میری بات سنتے ہی وہ ہتھیلیوں سے میز کا سہارا لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"برادر! اُم جاتا ہے۔ تم بہت اچھا میزبان ہے۔ اُم لوگ کل شام چار بجے اِدر آئے گا۔"

"کل رات کا کھانا بھی تم میرے ساتھ کھاؤ گے۔" میں نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں آج ہی روکتا لیکن میرے پاس کچھ اور مہمان آنے والے ہیں۔"

اس دوران میں محبت خان کئی بار بوتل کو ندیدی نگاہوں سے دیکھ چکا تھا جس میں بہت تھوڑی سی اسکاچ باقی رہ گئی تھی۔ میں نے فوری طور پر اوپر سے ایک اور سربمہر بوتل منگوالی۔

"یہ میری طرف سے حقیر سا تحفہ ہے۔" میں نے پلاسٹک کے تھیلے میں پڑی ہوئی بوتل تلاطم خان کے حوالے کرتے ہوئے خوش اخلاقی کے ساتھ کہا۔

میں ان دونوں کو چھوڑنے اوپر تک آیا۔ وہ صدر کے کسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے اور ٹیکسی کے ذریعے وہاں تک آئے تھے۔ اس وقت وہ دونوں کیف و سرور کے ایسے عالم میں تھے کہ انہیں کسی ٹیکسی ڈرائیور کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا تھا اس لئے میں نے ٹریڈ لائن کے ایک ڈرائیور کو انہیں اُن کے ہوٹل تک پہنچانے پر مامور کردیا۔

انہیں روانہ کرکے میں نیچے آیا تو حبیب جیوانی کے دروازے پر روشن سرخ بلب میرا منہ چڑا رہا تھا۔ میں نے اپنے کمرے میں آکر ہاٹ لائن کا ریسیور اٹھایا اور کافی دیر تک اسے اپنے کان سے لگائے بیٹھا رہا لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر مایوس ہوکر ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا۔

غالبًا حبیب جیوانی دفتر چھوڑ کر خفیہ راستے سے اپنے گھر روانہ ہوچکا تھا۔

مجھے ان دونوں کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے کافی وقت گزر گیا تھا اس لئے وہ شاید تنہائی سے اکتا کر واپس چلا گیا تھا لیکن میرے لئے اُس کی روانگی حیران کن تھی کیونکہ وہ کئی بار اپنی بحفاظت واپسی کے لئے میرے تعاقب کرنے پر اصرار کرچکا تھا۔

اس پیہم اصرار کے بعد حبیب جیوانی کا یوں اچانک اور اکیلے ہی گھر روانہ ہوجانا میرے لئے ناقابلِ فہم تھا۔ مجھے یہ بھی پتا نہیں تھا کہ وہ دفتر سے کس وقت نکلا تھا اور براہِ راست اپنے بحفاظت پہنچنے یا اس نے اپنے تعاقب کا اندازہ لگانے کے لئے کسی اور راستے کا رخ کیا تھا... دوسری بات یہ تھی کہ اس نے میلان سے گفتگو کرتے وقت دفتر میں موجود رہنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن تین بجنے سے پہلے ہی دفتر چھوڑ کر کہیں نکل کھڑا ہوا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ اس کی آمد و رفت کے بارے میں 'مَیں دفتر کے کسی رکن سے کوئی پوچھ گچھ بھی نہیں کرسکتا تھا ورنہ اس کی راز دارانہ آمد و رفت سے میری واقفیت کا راز فاش ہوسکتا تھا۔

جھلاہٹ اور غصے کے عالم میں مَیں نے اپنے ڈائریکٹ فون پر حبیب جیوانی کے گھر کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے اس نے خود ہی کال وصول کی تو میری کھوپڑی بھنا کر رہ گئی۔

"تمہیں تو میرے ساتھ دفتر سے نکلنا تھا۔ تم گھر کب پہنچ گئے؟"

"تمہاری میٹنگ لمبی ہوگئی تھی اس لئے میں نے اپنا ارادہ بدل لیا۔" اس کی بے پروایانہ آواز ابھری۔ "میں نے سوچا کہ تعاقب کرنے والے نے پچھلے دنوں میں میرا کیا بگاڑ لیا ہے جو وہ مجھے اب نقصان پہنچا سکے گا۔ اسی خیال کے تحت میں نے دفتر سے نکل کر گھر کی سیدھ باندھی اور یہاں آگیا۔ لیکن سارے راستے غور کرنے کے باوجود میں اپنے پیچھے کسی مشتبہ کار' ٹیکسی یا موٹر سائیکل کا وجود دریافت نہیں کرسکا۔"

"چلو اچھا ہوا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اب تین بجنے والے ہیں۔ میلان والی فون کال کا کیا بنے گا؟ تم اس وقت موجود رہنا چاہ رہے تھے۔"

"اس پروگرام کو بھی منسوخ سمجھو۔ وہ اس وقت کی باتیں تھیں جب تم میرے بدترین شبہات کی زد میں آئے ہوئے تھے۔ اب تم خود ہی رنگ کرکے پیغام ریکارڈ کرلینا۔ اور ہاں وقت کے

بارے میں ذرا تصحیح کرلو۔ جس وقت میلان میں دن کا ایک بجا ہوگا تو یہاں پانچ بج رہے ہوں گے۔ تمہیں میلان کے وقت کے مطابق ایک بجے کال کرنی ہے۔"

"تمہیں خدا سمجھے۔" میں نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں کہا اور بے بسی کا ایک گہرا سانس لے کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

وہ برا بھلا، جیسا بھی تھا، بہر حال مافیا کا چیف تھا اور اپنے فیصلوں کے لئے کسی سے اجازت لینے کا پابند نہیں تھا۔ میرے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ میں اس کے دل میں جاگزیں شبہات زائل کرکے اس کی نگاہوں میں اپنی پوزیشن بحال کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

اس کے سامنے میری رام کہانی صرف اس لئے چل گئی تھی کہ اس وقت سینڈو حقائق کی تصحیح یا اپنی صفائی کے لئے اس دنیا میں موجود نہیں تھا اور میں نے حقائق کو توڑ مروڑ کر حبیب جیوانی پر اپنی بے گناہی ثابت کردی تھی ورنہ سچی بات یہ تھی کہ اس نے مریم اور سینڈو کے بارے میں براہِ راست میری دکھتی رگ پر ہاتھ ڈالا تھا اور اگر مجھ سے ذرا بھی کوتاہی ہوئی ہوتی تو وہ اسی دفتر ہی میں میرا خاتمہ کردیتا۔

اس وقت چار بجنے میں کافی دیر باقی تھی، اس لئے میں نے فون پر اول خان سے تبادلۂ خیال کرنے کا فیصلہ کرکے اس کا نمبر ملالیا۔

"ہندوستانی اپنے بچھائے ہوئے جال میں خود ہی بری طرح پھنس گئے ہیں۔" رسمی سلام دعا کے بعد وہ خوشی سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا "ان کی مثال نگلے تو اندھا اور اگلے تو کوڑھی والی ہوگئی ہے۔ وہ فوجی مہم جوئی کا اعتراف کرتے ہیں تو عالمی نفرت و تنقید کا نشانہ بن کر رہ جائیں گے جس سے ان کی سیاسی ساکھ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔ انکار پر اڑے رہتے ہیں تو انہیں اپنے قیدیوں کی واپسی کے مطالبے سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ یہاں کی سرسری ساعت کی عدالتیں واضح ترین شہادتوں کی بنا پر دو چار ہی روز میں ان سب کو سولی لگوادیں گی اور سزایاب ہونے والوں کے لواحقین ہندوستان میں ایک قیامت برپا کردیں گے۔"

اس کی بات بالکل درست تھی کیونکہ پاک و ہند کے روایتی معاشروں میں مشترکہ خاندان کے مضبوط بندھن کی وجہ سے غریب اور متوسط طبقے میں ہر کمانے والے کے براہِ راست لواحقین کا تناسب آٹھ سے دس افراد کا تھا جن میں خواتین اور اولادوں کے ساتھ ہی بوڑھے والدین کا بھی شمار ہوتا تھا۔ اس طرح پاکستان کی سرزمین پر ہلاک اور گرفتار ہونے والے بھارتی فوجیوں کے لواحقین کی تعداد کسی طرح بھی چار پانچ ہزار سے کم نہیں بنتی تھی۔ اپنے کسی عزیز کی موت کے سوگ میں بے حال افراد کی اتنی بڑی تعداد کسی بھی مہذب حکومت کے لئے ایک سنگین خطرہ بن سکتی تھی اور ہندوستانی حکومت نئی دہلی میں ان کے مظاہرے کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔

"پھر اخباری اطلاعات سے آگے کیا ہو رہا ہے؟" میں نے اشتیاق آمیز لہجے میں پوچھا۔

"ہندوستان کے ابتدائی اعلان کے ساتھ ہی زبردست سیاسی اور سفارتی سرگرمیوں کا آغاز ہوگیا ہے۔ عالمی رسوائی سے بچنے کے لئے وہ اس موضوع پر کسی بھی سطح کے مذاکرات منعقد کرانے کی سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں تاکہ اس معاملے کی زیادہ تشہیر کئے بغیر اسے یہیں دبا دیا جائے جب کہ حکومتِ پاکستان ہر غیر ملکی نامہ نگار اور فوٹو گرافر کو گدر تک پہنچانے میں پوری فراخ دلی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ کیوبا کی خبر رساں ایجنسی کے نمائندے ایک بار پھر اُدھر جاسکتے ہیں۔"

میری بات پر اول خان نے خلافِ عادت بڑا جان دار قہقہہ لگایا تھا۔

"معاملہ کھل جانے کے بعد، ہمارے ساتھ جانے والی ٹیم پر سے بھی اس موضوع پر قلم بندی کی پابندیاں اٹھالی گئی ہیں۔ کل کے بڑے اخبارات دھماکا خیز خبروں اور فیچرز سے بھرے ہوئے ہوں گے۔"

"ہندوستانی جرنیل اور سیاسی رہنما بہت چالاک ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لڑائی کے میدان میں ہاری ہوئی جنگ کو مذاکرات کی میز پر جیتنے کی کوئی راہ نکال لیں۔" میں نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔

"ہم لوگ قومی مسائل پر جذباتی انداز میں سوچتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ جو لوگ ہمارے قومی مفادات کے نگہبان ہیں ان ہم سے زیادہ نہ سہی تو ہمارے جتنے محبِ وطن ضرور ہیں۔ اس معاملے کی تشہیر ہندوستانی مفادات کے خلاف سب سے بڑی زک ہے اور حکومتِ پاکستان کے تمام ادارے، اس واقعے کی عالمی تشہیر کے لئے مؤثر ترین کارروائیاں کر رہے ہیں۔ تم کو یہ بھی بتانا چاہوں کہ پاکستان کو رام کرنے کے لئے ہندوستانی ہوم ڈپارٹمنٹ نے یک طرفہ طور پر، ہندوستان کی مختلف جیلوں میں قید ان سیکڑوں پاکستانیوں کو فوری طور پر رہا کرنے کا اعلان کردیا ہے جو ویزا ختم ہوجانے کے باوجود وہاں قیام کرنے کے جرم میں سزایاب ہوئے تھے یا ویزا کے بغیر مختلف شہروں کی سیاحت کرتے ہوئے پکڑے گئے تھے لیکن ان کی یہ چھوٹی موٹی چالیں کامیاب نہیں ہوسکیں گی۔"

"تم کیوبا کے اخبارات کو اپنی رپورٹ کب بھیج رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"تم فکر نہ کرو، اب اخبارات میں کیوبا کے نامہ نگاروں کے بارے میں کچھ نہیں لکھا جائے گا۔ آئی ایس پی آر نے سینئر رپورٹرز کو اس بارے میں مؤثر طریقے پر بریف کردیا ہے۔"

"اور آج رات گھوڑا گریک پر دوسرا آپریشن ہونے والا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"اسے کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ مجھے اڑتی اڑتی سی خبریں ملی ہیں کہ گہرے پانیوں میں الحدید پر کوئی کارروائی کی گئی ہے جس کے نتیجے میں اس کے ریڈیو روم اور نیوی گیشن کنٹرول پر بحریہ کے افسران قابض ہوچکے ہیں اور الحدید کو گن بوٹس کے محاصرے میں ساحل کی طرف لایا جارہا ہے۔"

"پھر تو گھوڑا گریک کی طرف دوڑ لگانا بے سود ہی ثابت ہوگا۔" اس خبر پر میرا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا۔

"اول تو یہ خبر غیر مصدقہ ہے۔ پھر اگر یہ درست بھی ہو تو ساری کارروائی الحدید کے عملہ تک محدود ہے۔ ساحل پر اس کی آمد کا انتظار کرنے والوں کو اس کے مقدر کا علم نہیں ہوسکا ہوگا۔ ان لوگوں سے جھڑپ ہونی ناگزیر ہے۔ قاسم اور اس کے مزدوروں کے علاوہ ہیری کیسنجر نے مال کی حفاظت کے لئے مسلح نفری کا بندوبست ضرور کیا ہوگا۔ ان سے ٹکرائے بغیر الحدید پر قبضہ کی کارروائی مکمل نہیں ہوسکے گی۔

"ٹھیک ہے، پھر دس بجے میں اسٹیشن فور پر تمہارا انتظار کروں گا۔ آج رات وہاں رازداری کے تحفظ کے لئے سخت حفاظتی انتظام کیا ہے لیکن تم گیٹ پر بلیک ہاک کا کوڈ ادا کرکے بلا روک ٹوک اندر داخل ہوسکو گے۔ میرا خیال ہے کہ سلطان شاہ بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔"

"وہ تو آج کل میرا ہم زاد بنا ہوا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

اس سے باتیں کرتے ہوئے میری نگاہیں بار بار وال کلاک کا جائزہ لے رہی تھیں۔ چار بجنے میں دس منٹ پر میں نے اس سے اپنی گفتگو ختم کردی۔

وہ ایک عجیب و غریب فون کال تھی۔ حبیب جیوانی کی ہدایت کے مطابق، سلسلہ مل جانے پر مجھے صرف ایک سہ لفظی فقرہ ادا کرنا تھا۔ ڈبل ڈی ڈیل کے الفاظ میں دوسری طرف والے کے لئے غالباً کوئی شناخت پوشیدہ تھی اس لئے مجھے پہچانتے ہی وہ بولنا شروع کردیتا۔ اس کا پورا پیغام مجھے حبیب جیوانی کے لئے مقناطیسی فیتے پر ریکارڈ کرلینا تھا۔ میرے کمرے میں فون کال ریکارڈر منسلک تھا۔ میں نے اس کے تار ٹیلی فون لائن سے جوڑے۔ آن آف کرکے اس کی کارکردگی چیک کی اور اطمینان سے ایک سگریٹ ختم کرنے کے بعد میلان کے نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔

اپنے فون سے ڈبل زیرو ڈائل کرکے بین الاقوامی سرکٹ پر آنے کے لئے مجھے تین بار کوشش کرنی پڑی لیکن ایک بار بین الاقوامی رابطہ ہوتے ہی اٹلی اور میلان کے کوڈ کے ساتھ ہی میرا مطلوبہ نمبر پہلی کوشش میں مل گیا اور دوسری طرف گھنٹی بجنا شروع ہوگئی۔

تیسری گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا گیا اور میرے کانوں میں غراتی ہوئی ہیلو گونج اٹھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا نہایت خود سر اور بددماغ آدمی تھا۔ اس کی غراہٹ سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ اس کی فطری آواز نہیں تھی بلکہ اس نے دانستہ بدتمیزی کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ مدر مافیا کے کسی بڑے آدمی یا اس کے کسی حواری کا فون نمبر تھا اس لئے میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"ڈبل ڈی ڈیل!" میں نے جذبات سے عاری لہجے میں مقررہ کوڈ ادا کیا اور اسی کے ساتھ ٹیلی فون کال ریکارڈر کا سوئچ آن کردیا۔

مقناطیسی فیتہ چل پڑا۔ میں نے ریکارڈر سے منسلک اسپیکر آن کرکے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ کال ریکارڈ ہونے کے ساتھ ہی اسپیکر پر ایک ناقابلِ فہم، جناتی زبان میں تقریر شروع ہوگئی جس کا کوئی بھی لفظ میرے لئے قابلِ فہم نہیں تھا۔ میں جرمن، اطالوی اور فرنچ زبانوں سے واقف نہیں تھا لیکن ان کے بعض الفاظ کی انگریزی سے صوتی مماثلت کی بنا پر یہ اندازہ ضرور لگا سکتا تھا کہ کون سی زبان بولی جارہی تھی۔

لیکن میلان سے دیے جانے والے پیغام کا کوئی لفظ یا صوتی آہنگ ایسا نہیں تھا جس کی بنا پر میں بولی جانے والی زبان کا اندازہ لگانے میں کامیاب ہوسکتا۔

وہ پیغام بلا کسی توقف، کئی منٹ تک جاری رہا پھر دوسری طرف سے یکلخت سلسلہ منقطع کردیا گیا۔ میں نے مشین آف کرکے اس میں سے کیسٹ نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

میری نگاہ میں وہ پیغام یقیناً کسی خاص اہمیت کا حامل تھا۔ غلام رسول کی ذات میں مافیا والوں کی غیر معمولی دلچسپی کی وجہ سے وہ پیغام میرے لئے اور زیادہ اہمیت حاصل کرگیا تھا۔

وہ کوئی معمول کی بات ہوتی تو اشاراتی زبان کے بجائے عام فقروں کی صورت میں براہِ راست مجھے یا حبیب جیوانی کو بتائی جاسکتی تھی۔ اس پیغام میں کوڈورڈز کا استعمال اس حقیقت کا غماز تھا کہ اس کی ترسیل کے لئے مجھے اور حبیب جیوانی کو نادانستگی میں آلۂ کار بنایا جارہا تھا۔

اس مسئلے پر میں نے جتنا غور کیا اسی قدر میرا یہ خیال راسخ ہوتا چلا گیا کہ وہ پیغام درحقیقت میرے یا حبیب جیوانی کے لئے نہیں تھا بلکہ ہمارے ذریعے کسی تیسرے فرد تک پہنچانا مقصود تھا۔ اور وہ تیسرا شخص نہ صرف اس اشاراتی زبان سے واقف تھا بلکہ اس پیغام کے مضمرات کو بھی بخوبی سمجھ سکتا تھا۔

دنیا کے مختلف ممالک اور تنظیموں میں رائج زبانوں کے بارے میں میری معلومات ناکافی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ موقع ملنے پر اول خان خود یا اپنے فوجی دوستوں کی مدد سے اس راز کی عقدہ کشائی کرسکتا تھا۔ اسی خیال کے تحت میں نے وہ کیسٹ دفتر میں چھوڑنے کے بجائے اپنے ساتھ لیا تھا۔ ویسے بھی حبیب جیوانی نے کیسٹ ساتھ لے جانے یا دفتر میں چھوڑنے کے بارے میں مجھے کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔

وہ پیغام ریکارڈ کرنے کے بعد میرے لئے دفتر میں کوئی کام باقی

نہیں رہا تھا اور مجھے ویسے بھی رات کو درپیش الحدید والے معاملے کی تیاری کرنی تھی اس لئے میں نے دفتر سے روانہ ہونے کا فیصلہ کرلیا۔

دفتر سے اٹھتے اٹھتے مجھے یاد آیا کہ سینڈو کی موت کے بعد میرے اور مافیا کے ماتحت عملے کے درمیان ایک سنگین انتظامی خلا پیدا ہوچکا تھا جس کو فوری طور پر پُر کرنا ناگزیر تھا۔ میں نے اس معاملے پر حبیب جیوانی سے بھی بات کی اور اس نے وہ معاملہ مکمل طور پر میری صوابدید پر چھوڑ دیا تھا۔

سینڈو کی زندگی میں میں نے کبھی بھی ناقدانہ انداز میں اس کے عملے کی کارکردگی کا جائزہ نہیں لیا تھا اس لئے نئی تقرری کے بارے میں میرے پاس صلاحیت اور کارکردگی کا کوئی پیمانہ نہیں تھا۔ میرے سامنے لے دے کر شیر شاہ کا ہی نام تھا جو سینڈو کے بعد سب سے سینئر تھا۔

میں نے فوری طور پر اسی کو اپنے دفتر میں طلب کیا۔ وہ شاید پہلے ہی سے اس طلبی کی توقع کئے بیٹھا تھا اس لئے فوراً وہ میرے دفتر میں آموجود ہوا۔

وہ چھریرے بدن کا ایک دراز قامت آدمی تھا۔ اس کے بشرے اور چمک دار آنکھوں سے ذہانت جھلک رہی تھی۔ اس کا چہرہ زخموں کے نشانات سے بالکل صاف تھا جب کہ اس قماش کے لوگوں میں پرانے زخموں کے نشانات سے سجا ہوا چہرہ ایک اضافی صلاحیت شمار کیا جاتا ہے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ سرحد کے بجائے یوپی کے پٹھانوں میں سے تھا۔

وہ آیا اور میرے مقابل دونوں ہاتھ اپنے سینے پر باندھ کر کھڑا ہوگیا۔

اس کی بڑی بڑی چمک دار آنکھیں میرے بجائے میز کی سطح پر مرکوز تھیں۔ اس کے چہرے پر چھائے ہوئے حزن و ملال کا اندازہ لگانے کے لئے کسی خاص مہارت کی ضرورت نہیں تھی۔ شاید اسے سینڈو کے سفاکانہ قتل سے گہرا دلی صدمہ پہنچا تھا۔ اپنے ساتھی کی موت پر اس کا وہ ردِعمل قطعی فطری تھا۔

وہ سب ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے تھے۔ جب تک سینڈو زندہ تھا تو چیف کی ناک کا بال بنا ہوا تھا۔ مافیا کے ہر کام میں اس کا کلیدی کردار ہوا کرتا تھا لیکن اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی اس کے برسوں پرانے رفقا اس سے آنکھیں پھیر کر اس کے مردے کو لاوارث چھوڑ دینے پر مجبور ہوگئے تھے۔ ایسے ہر واقعے پر ان لوگوں کو اپنا ہولناک مستقبل نظر آنے لگتا تھا۔ زیرِ زمین دنیا میں صرف فطری موت ہی لوگوں کو باعزت تجہیز و تکفین سے ہم کنار کرتی تھی اور دوست، رشتہ دار جنازے کو کندھا دے کر قبر پر تین مشت مٹی بھی ڈال دیتے تھے لیکن ایسا کم ہی ہوتا تھا۔ زیادہ تر جرائم پیشہ افراد باہمی رقابتوں میں ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے جاتے تھے یا کسی سنگین جرم میں سزایاب ہو کر پھانسی کے پھندے پر لٹک جاتے



تھے یا پوری عمر جیل کے عقوبت خانوں میں سڑتے رہتے تھے۔

ان لوگوں کی دانست میں سینڈو نے اپنی تنظیم کے مفادات کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی لیکن اس کے مرتے وہ مافیا اس سے کنارہ کش ہوگئی تھی۔ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ان پر بھی ایسا برا وقت آسکتا تھا جب ان کے لئے ہر ایک بیگانہ بن سکتا تھا۔ زندگی میں انسان ہر ایک کی بے رخی اور بے اعتنائی کو مردانہ وار جھیل جاتا ہے لیکن موت کے بعد بے یار و مددگار رہ جانے کا ہولناک احساس انسان کو زہریلے ناگوں کی طرح ڈسنے لگتا ہے۔

مجھے اس کے بڑھتے ہوئے ذہنی انتشار کا بخوبی اندازہ تھا اس لئے میں نے نرمی کے ساتھ اسے بیٹھنے کی پیشکش کی جو اس نے ممنون نگاہوں کے ساتھ قبول کرلی۔

"سینڈو کے بارے میں تم لوگوں نے کیا سوچا ہے شیر شاہ خان؟" میں نے اس کے تاثرات کا بغور جائزہ لیتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں سوال کیا۔

یک بیک اس کی اداس آنکھوں میں نمی سی تیر گئی اور وہ دل گرفتہ آواز میں گویا ہوا "وہ ہمارا دوست، باپ اور سب کچھ تھا باس۔ ہماری ذرا ذرا سی تکلیف کو اپنا دکھ سمجھ کر ہمارے لئے بے چین ہوجاتا تھا۔ آج کسی درندہ صفت دشمن نے اسے مار دیا ہے تو ہم اس کے لئے کچھ بھی نہیں کرسکتے، اسے اپنے ہاتھوں سے مٹی بھی نہیں دے سکتے۔ جب بھی ایسا کوئی سانحہ ہوتا ہے تو ہمارے دلوں پر ایسی ہی قیامت گزر جاتی ہے۔" اس کے الفاظ اس کی اردو دانی کے مظہر تھے۔

"لیکن تمہیں اندازہ ہوگا کہ ہماری اور تمہاری کیا مجبوریاں ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"سب معلوم ہے باس۔ اسی لئے ہم اپنے دلوں پر صبر کی سل رکھ کر بیٹھ گئے ہیں۔ مرنے والے کے ساتھ سارے زندہ لوگ دفن نہیں ہوجایا کرتے۔ ہماری خود غرضی اور سلامتی کا تقاضا ہے کہ ہم سینڈو کو ایک خواب سمجھ کر اپنے ذہنوں سے کھرچ کر پھینک دیں۔ تم حکم دو۔ مجھے کیوں طلب کیا ہے؟"

"سینڈو کی موت سے اس کا سارا بوجھ تمہارے شانوں پر آ پڑا ہے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "تمہیں حوصلے سے کام لے کر نہ صرف اپنے ساتھیوں کو سنبھالنا ہے بلکہ کام کا بوجھ بھی اٹھانا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میری ذات سے کسی کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"ہم سینڈو کے لئے کچھ نہیں کرسکتے لیکن کل تم اس کے ایصالِ ثواب کے لئے فاتحہ خوانی کرا دینا۔ اخراجات کی ساری رقم دفتر سے ادا کی جائے گی۔ اس کے بال بچے ہوتے تو میں ان کی اشک شوئی کی بھی کوشش کرتا لیکن قدرت نے اسے سدا اکیلا رکھا تھا۔ مرنے کے بعد بھی وہ بالکل تنہا ہے۔"

مرے چند نپے تلے جذباتی فقروں نے شیر شاہ خان کو بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے پر مجبور کردیا اور میں اسے تسلی دینے کے لئے اپنی کرسی چھوڑ کر اس کے برابر میں جا بیٹھا

سینڈو ہو یا شیر شاہ خان، وہ انسانوں کے اس سفاک اور بے رحم قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جو اپنے مقاصد اور مفادات کے حصول کے لئے، کسی بھی جیتے جاگتے انسان کو سرد مہری کے ساتھ موت کی بھیانک اور سرد وادیوں میں دھکیل دیتا ہے۔ ان کے لئے حریفوں یا باغی حلیفوں کا خون بہانا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ ان بے گناہ سروں کو خاک و خون میں نہلانے والے ان بھیڑیوں کو بالادست زندگی ایک سراب کی طرح حسین اور پُرکشش نظر آتی رہتی ہے لیکن جب قزاقِ اجل دبے قدموں پیش قدمی کرکے ان کی صفوں پر شب خون مارتا ہے تو اپنے ساتھیوں کے چہروں پر چھائی ہوئی موت کی بھیانک زردی اس سراب کی حقیقت کو ننگا کرکے ان کی نظروں کے سامنے کھلا اشتہار بنا دیتی ہے۔ بے بسی کے ان لمحات میں یہ خون خوار بھیڑیے، الم رسیدہ بھیڑوں کی طرح زار زار رونے اور ممیانے لگتے ہیں۔ لیکن بہت جلد وقت ان کے زخموں کو دھندلا دیتا ہے اور یہ ایک بار پھر حقیقت کو بھول کر سراب کے پیچھے بھاگنے لگتے ہیں۔

مجھے معلوم تھا کہ شیر شاہ پر طاری ہونے والی رقتِ قلب کی وہ کیفیت عارضی تھی۔ دو چار روز میں ہی اسے وہ سب بھول کر اپنی اصل جون میں آجانا تھا مگر میں پھر بھی اس کی دل جوئی کرتا اور اسے سمجھاتا رہا۔ جب اس کے دل کا غبار ذرا ہلکا ہوا تو وہ اپنی آنکھیں خشک کرتا ہوا باہر چلا گیا۔

میں نے بھی فوری طور پر دفتر چھوڑ کر گھر کا راستہ لیا جہاں غزالہ میری منتظر تھی۔

ان دنوں میں غزالہ کے ساتھ موجود ہوتا تھا، اس زمانے میں اس کے معمولات میں خاصی بے اعتدالی سرایت کرجاتی تھی۔ اس کا دیر سویرے سونا اور بیدار ہونا سرِفہرست تھا۔ اس روز بھی ایسا ہوا کہ وہ دیر تک سوتی رہی۔ میں خود ہی ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوکر بازار سے اخبارات خریدتا ہوا ٹرنڈ لائن کے دفتر پہنچ

گیا۔ وہ فلیٹ مستقل طور پر آباد نہیں رہتا تھا اس لئے وہاں اخبار نہیں آتا تھا۔ اس فرض کی ادائیگی کے لئے سلطان شاہ کو ہر روز فلیٹ سے اتر کر چوراہے تک چہل قدمی کرنی پڑتی تھی۔ اس روز سلطان شاہ بھی اپنے کمرے میں سوتا رہا تھا اس لئے ان لوگوں تک اخباری اطلاعات پہنچنے کی سرے سے بات ہی نہیں ہوسکی تھی۔ میرے فلیٹ میں داخل ہوتے ہی وہ دونوں پُرتجسس انداز میں مجھ پر ٹوٹ پڑے تھے۔

"اب تو سب کچھ اخبارات میں آگیا۔ اب کیا ہوگا؟" غزالہ نے ہی سوال کیا تھا۔ ہیجان اور تجسس کے باعث اس کی

حالت غیر ہوئی جارہی تھی، جیسے کسی بھی لمحے کھلی جنگ کا آغاز ہونے والا ہو۔

"رام اپنی مُرلی پر سنگیت کی دھرتانیں اڑائیں گے اور سیتا دیوی ان تانوں پر بے سُدھ ہو کر رام کے چرنوں میں ناچیں گی۔ سیتا دیوی کی پائل کی جھنکار رکنے پر دل پر ہڑبڑا کر اپنی مُندی ہوئی آنکھیں کھولیں گے تو انہیں پتا چلے گا کہ ان کی خود فراموشی سے فائدہ اٹھا کر راون، سیتا دیوی کو اٹھا لے بھاگا ہے۔" میں نے کپڑے اور جوتے اتار کر کمرے میں اِدھر اُدھر پھینکتے ہوئے کہا

"خدا کی پناہ!" حیرت سے غزالہ کی آنکھیں اس کی پیشانی پر جا چڑھیں۔ "تم کس قدر روانی کے ساتھ بے سروپا باتیں کرلیتے ہو؟ اگر کسی متعصب ہندو نے تمہاری یہ بکواس سن لی تو تمہاری کھال کھینچ لے گا۔"

"بکواس نہیں، یہ سب دیومالائی تاریخ کی باتیں ہیں۔ رام بن بن میں مُرلی بجاتے گھوما کرتے تھے۔ سیتا دیوی اپنے حسن و جمال سے پوری دنیا کو مسحور کرنے کے لئے رقص کرنے کی شوقین تھیں اور راون سدا کا راون ہی تھا۔" میں نے غسل خانے کے دروازے پر رک کر کہا "غصہ دیوی دیوتاؤں کی توہین پر آتا ہے۔ کھری اور سچی باتیں کہہ کر تو کنور مہندر سنگھ بیدی بھی لاکھوں مسلمانوں سے داد لے کر چلے جاتے ہیں۔"

سلطان شاہ نے اونچی آواز میں کچھ بولنا شروع کردیا تھا مگر میں نے دروازہ بند کرکے لباس اتارا اور فوری ہی شاور کی تیز دھار میں

کھول دیں۔

میں نہانے دھونے اور تیار ہونے کے بعد اپنے کمرے سے باہر نکلا تو ٹی کوزی کے نیچے رکھی ہوئی چائے دانی سے اشتہا انگیز بھاپ اپنا راستہ بنا کر ڈرائنگ روم کو مہکا رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ دونوں مجھ پر اپنے نکیلے سوالات کی چاند ماری کا آغاز کرتے، میں نے پہلے ہی اپنی پوزیشن صاف کردی۔ "میری معلومات اخباری اطلاعات سے ذرا بھی زیادہ نہیں ہیں۔ گدرا کے مضافات میں جو کچھ ہوا یا ہم نے دیکھا، اس کے بارے میں سلطان شاہ مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔"

"میں نہیں مان سکتی۔" غزالہ نے ٹی کوزی ہٹا کر پیالیوں میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا "تم نے اس بارے میں اول خان سے ضرور بات کی ہوگی۔ اس نے تمہیں ان خبروں کے علاوہ بھی بہت کچھ بتایا ہوگا۔"

"اوہ!" میں نے اسے چڑانے کے لئے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے حیرت سے کہا "آج چائے کی خوشبو بہت عمدہ اور اشتہا انگیز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کوئی نیا برانڈ استعمال کیا ہے۔"

وہ امورِ خانہ داری میں اس کی بالواسطہ تعریف تھی اس لئے وہ لمحہ بھر کے لئے گدرا اور اول خان کو فراموش کر بیٹھی اور ہنستے ہوئے بولی "آج بازار سے سلطان شاہ کی فرمائش پر ایک نئے برانڈ کی چائے لی ہے۔ شاید اسے چائے کے اشتہار میں آنے والی ناچتی اور گنگناتی ہوئی لڑکی پسند آگئی ہے۔"

میں نے ایک فراخ دلانہ قہقہہ لگایا "شاعر تو رخسار کے ایک تِل کے لئے پوری محبوبہ کو برداشت کرلیتے ہیں لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹا ہے۔ سالم لڑکی پسند کرکے صرف چائے پر گزارہ کرنا کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ اب جلد ہی سلطان شاہ کو بھی اپنا گھر آباد کرنا ہے۔ تم اسے سمجھاؤ کہ اب نابالغوں والی حرکتیں اسے زیب نہیں دیتیں۔ عورتوں کے زیرِ جاموں سے غلیلیں بنانے والے ساری عمر لنڈورے ہی پھرتے رہتے ہیں۔"

"بعض اوقات تم بہت گھٹیا زبان استعمال کرنے لگتے ہو۔" سلطان شاہ نے تلخ لہجے میں کہا "پہلے اول خان کی بات کو چائے کی خوشبو پر لے اڑے اور اب واہیات غلیلیں یاد آرہی ہیں۔"

ان دونوں کو اچھی طرح زچ کرلینے کے بعد میں نے انہیں اول خان سے حاصل ہونے والی معلومات سے آگاہ کیا تو قومی سرخروئی کے احساس سے ان کے چہرے دمک اٹھے۔

"کامیابی پر تمہاری طرح خوش ہونے والے لاکھوں بلکہ کروڑوں محب وطنوں کی طرح چند ایسے غدار بھی ہیں جو چمکتے دمکتے ہوئے چہروں پر ناامیدی کی کالک مل دیتے ہیں۔ اور ان ہی میں غلام رسول کا بھی شمار ہوتا ہے۔" میں نے مایوسانہ اور تلخ لہجے میں کہا "وہ ہمارے ہر دشمن کا دوست بنا ہوا ہے اور وہ اس کی ہم میں کھلے جارہے ہیں۔"

"لیکن غلام رسول تو اب اسپیشل سیل کی تحویل میں جاچکا ہے۔ اس وقت وہ تمہیں کیسے یاد آگیا؟" غزالہ نے معصومانہ حیرت کے ساتھ سوال کیا "دنیا کی کوئی طاقت اسے اسپیشل سیل سے آزاد نہیں کراسکتی۔"

"وہ بات اپنی جگہ پر ہے لیکن یہ بات کتنی شرمناک ہے کہ اب مافیا بھی ملا سرکار کے اس گرگے کو اپنا ٹاؤٹ بنانے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ قومی سطح کے ایک بگلا بھگت لیڈر کے کھلے غدار کا یہ تصور ہی میرے لئے سوہانِ روح بنا ہوا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ مافیا کی طرف سے غلام رسول کی مدد کرنے کا کام بھی مجھ کو سونپا گیا ہے۔"

"اسے بھول جاؤ دوست!" سلطان شاہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "اپنے دل کو اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کے روگ لگاتے رہو گے تو تمہارے لئے زندہ رہنا دشوار ہوجائے گا۔ یہ بتاؤ کہ سینڈو کے قتل کا مافیا کے ہاضمہ پر کیا اثر پڑا ہے؟ میں آج اس بارے میں بہت زیادہ فکرمند رہا ہوں۔"

"مافیا چیف نے واقعات کی کڑیاں ملالی تھیں۔" میں نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا "اس نے سینڈو کے ساتھ ہی اپنی بیوی مریم کے قتل کا الزام بھی مجھ پر عائد کردیا تھا اور بھرے ہوئے پستول کی مدد سے مجھ سے اعترافِ جرم کرانا چاہ رہا تھا۔ وہ تو میرے ستارے یاوری کررہے تھے کہ میں نے اپنے دفاع میں فی الفور ایک کہانی تراش لی اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی میری بے گناہی تسلیم کرنے پر مجبور ہوگیا۔ میرا خیال ہے کہ اب ایک طویل عرصہ تک مجھے اس کی طرف سے کسی مخاصمت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"چلو، یہ اچھا ہوا کہ یہ معاملہ بھی ہاتھوں ہاتھ صاف ہوگیا۔ وہ اپنے شبہات اپنے دل میں لئے بیٹھا رہتا تو تم دونوں کے درمیان سرد جنگ کا ایک اعصاب شکن سلسلہ چل پڑتا۔"

سینڈو کے بارے میں میری کہانی ان کے لئے خاصی دلچسپ ثابت ہوئی۔ خود میرے لئے بھی یہ احساس باعثِ مسرت تھا کہ میں نے اپنی حاضر دماغی سے نہ صرف اپنی گردن بچالی تھی بلکہ فرضی تعاقب کنندہ کا ہوا کھڑا کرکے حبیب جیوانی کو کم از کم چار روز کے لئے اپنے گھر میں محبوس ہوجانے پر مجبور کردیا تھا۔

لیکن میلان سے خفیہ زبان میں ملے ہوئے پیغام کے بارے میں وہ دونوں بھی میری کوئی مدد نہیں کرسکے۔ میں نے کیسٹ پلیئر پر اس ٹیپ کا تھوڑا سا حصہ ہی چلایا تھا کہ ان دونوں نے ہتھیار ڈال کر اپنی بے بسی کا اعتراف کرلیا۔ وہ دونوں میرے اس خیال سے متفق تھے کہ وہ پیغام مافیا والوں کے لئے نہیں تھا بلکہ ان کے ذریعے کسی اور کو پہنچایا جانا تھا۔ پیغام وصول کرنے والا کون تھا؟ اس بارے میں صرف حبیب جیوانی ہی کچھ بتا سکتا تھا۔

اس رات ہم نے بہادر آباد کے ایک چینی ریستوران میں آتشِ شکم سرد کی۔ دس بجے اول خان کے پاس پہنچنے کی فکر میں



ہوٹل سے کچھ پہلے ہی ڈنر لے لیا تھا۔

وہاں سے واپسی پر میں نے قاسم بھائی کے دفتر فون کیا۔ مجھے یقین تھا کہ دفتر بند ہوچکا ہوگا۔ دفتر کے بعد میں اسے اس کے گھر فون کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن دوسری ہی گھنٹی پر جب اس کی آواز سنائی دی تو میں اتنی دیر تک دفتر میں اس کی موجودگی پر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"خیریت تو ہے قاسم سیٹھ؟ آج آپریٹر کے بجائے تم خود ہی فون پر بیٹھے ہوئے ہو؟"

"چھوکریوں میں یہی خرابی ہے۔" وہ میری آواز پہچان کر بولا۔ "آندھی ہو یا طوفان، یہ پانچ بجتے ہی بن سنور کر کھٹ کھٹ کرتی گھر کی طرف چل پڑتی ہیں۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ ان کی تنخواہیں بروقت ادا کرنے کے لئے ان کے مالکان رات گئے تک دفتروں میں جھک مارتے رہتے ہیں۔"

"سارا بوجھ اپنے ملازمین پر نہ ڈالو۔ اپنے دفتر کے وسائل سے تم ان کی تنخواہوں کے علاوہ بھی بہت کچھ کماتے ہو۔ دوسروں کے لئے کمانے والے درویش تو صدیوں سے ناپید ہوچکے ہیں۔"

"چھوڑو یار۔ یہ بھی سالی کوئی زندگی ہے کہ میرے سارے دشمن اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہنس کھیل رہے ہوں گے اور میں یہاں اکیلا بیٹھا سلگ رہا ہوں۔ آپریٹر کے جانے کے بعد فون کی لائنیں میری میز پر آجاتی ہیں اس لئے غلط ملنے والی اول فول کالز بھی مجھ ہی کو سننی پڑرہی ہیں۔"

"ایسے ہی بے زار ہو تو اپنے دفتر میں دوسری قسم کی ایک آدھ لڑکی بھی رکھ لو!" میں نے خوش دلی کے ساتھ مشورہ دیا "ایسی لڑکی، جب تک مالکان دھکے دے کر گھر نہ بھیجیں، وہ دفتر سے باہر بھی نہیں نکلیں گی۔ تھوڑی سی زیادہ تنخواہ میں کام کرنے کے علاوہ وہ تمہارے ناز نخرے بھی اٹھائے گی۔"

"چھوڑو چھوڑو، یہ بیکار باتیں رہنے دو۔ چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر، کٹتا خربوزہ ہی ہے۔ جب مرد اور عورت کی بات آتی ہے تو ناز نخرے اٹھانے کا ٹھیکا مرد کے نام چھوٹ جاتا ہے۔ اب لعنت بھیجو ان باتوں پر۔ یہ بتاؤ کہ تم آج کیوں نہیں آئے؟ میں نے صبح سے تمہاری رقم تیار رکھی ہوئی تھی۔"

"اوہ!" میں نے انجان بننے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ تمہارا وعدہ آنے والی کل کا ہے۔"

"چلو، پھر کل ہی لے لینا۔ اور وہ مس لیزلی کا کیا بنا؟ وہ گھوڑا ریس پر آرہی ہے نا؟"

مجھے فوراً خیال آیا کہ قاسم سے رقم نہ لے کر میں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔ وہ الحدید کو خالی کرانے کے منصوبے کے ساتھ اسی روز گھوڑا کریک جارہا تھا جہاں سے اس کی واپسی کی ساری راہیں مسدود ہوچکی تھیں۔ اس کی گرفتاری کے بعد اس سے رقم کی وصولی کا کوئی امکان نہیں تھا۔

"لیزلی وہاں آئے گی۔ لیکن سیٹھ، یہ رقم والا معاملہ گڑبڑ ہے۔ میں ابھی تمہاری طرف آرہا ہوں۔ لیزلی کی نیت خراب ہوگئی ہے۔ اب پانچ لاکھ اسے دینے پڑیں گے۔ وہ گھوڑا کریک جاتے ہوئے مجھ سے رقم لیتی ہوئی جائے گی۔ میں نے اسے کل پر ٹالا تو وہ بھڑک جائے گی۔ رشوت کے معاملوں میں کوئی کسی پر بھروسا نہیں کرتا۔"

اس وقت رات کے نو بجے تھے۔ میرا خیال تھا کہ قاسم سے رقم وصول کرکے ہم بہ آسانی دس بجے اول خان کے پاس پہنچ سکتے تھے۔ اس وقت قاسم کو فون کرنے کا مدعا کچھ اور تھا لیکن اس کی یاددہانی پر مجھے رقم بھی یاد آگئی تھی۔ میں اس کی حیلہ جُو طبیعت سے واقف ہوچکا تھا اسی لئے میں نے رقم کے معاملے میں لیزلی کا نام بھی شامل کرلیا تھا جو قاسم کی کمزوری بنی ہوئی تھی۔ وہ اوباش سرمایہ داروں کی اس قسم سے تعلق رکھتا تھا جو عورت سمیت، پسند آنے والی ہر چیز کو ہر قیمت پر حاصل کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھتے اور اس مقصد کے لئے ہر جوا کھیلنے پر تل جاتے ہیں۔

"لیزلی والا معاملہ ٹیڑھا ہے۔" قاسم کی پُرخیال آواز ابھری۔ "تم سے آدھا حصہ نہ ملنے پر اس کا موڈ خراب ہوگیا تو میرا پروگرام بھی چوپٹ ہوجائے گا۔ تم بس فوراً ہی آجاؤ۔ میں فون پر آج رات کے انتظامات میں مصروف ہوں۔ کسی بھی لمحہ کوئی اہم کال آگئی تو مجھے فوراً جانا پڑے گا۔"

"میں بس ابھی آرہا ہوں۔ یہ تو بتاؤ کہ لانچ کے بارے میں کوئی نئی بات معلوم ہوئی یا بس ابتدائی معلومات ہی کی بنیاد پر سارے انتظامات کررہے ہو؟" میں نے جلدی سے پوچھا مگر وہ ریسیور رکھ چکا تھا۔

سلطان شاہ شام سے ہی میرے ساتھ جانے کے لئے پر تولے بیٹھا تھا اور کان لگا کر میری گفتگو سن رہا تھا۔ میرے فارغ ہوتے ہی اس نے پھرتی کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی اور ہم دونوں تیز رفتاری کے ساتھ نیو چالی کی طرف روانہ ہوگئے۔

"تمہارے آخری سوال کے جواب میں اس نے کیا کہا تھا؟" راستے میں سلطان شاہ نے پوچھا۔

"اس وقت وہ خاصا بولایا ہوا تھا۔ میری پوری بات ہونے سے پہلے ہی اس نے ریسیور رکھ دیا تھا۔"

"اور یہ لیزلی کے پانچ لاکھ کا قصہ کہاں سے نکل آیا؟" اپنا تجسس دور کرنے کے بارے میں وہ خاصا ڈھیٹ واقع ہوا تھا۔

"میں صبح اس سے رقم لینا بھول گیا تھا۔ آج رات وہ کسی لاک اپ میں پہنچ جائے گا اس لئے میں نے اسی وقت رقم وصول کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ میں سیدھی بات کرتا تو وہ خزانچی یا تجوری کی چابی نہ ہونے کا بہانہ کرکے مجھے ٹال سکتا تھا۔ اس لئے میں نے لیزلی کو بھی اپنا حصہ دار بنالیا اور میرا یہ داؤ چل گیا۔ قاسم بھائی تو اپنے کیفرِ کردار کو پہنچنے والا ہے۔ میں مفت میں ہاتھ آئی دولت کیوں چھوڑوں؟"

”تمہیں بھی حرص ہوگئی ہے۔ ابھی تو گن بوٹ کی فروخت سے بچے ہوئے لاکھوں ڈالر سلمٰی کی تجوری میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے سہارے ہم سب عیش و عشرت کی زندگی گزار سکتے ہیں۔“

”میں ایسے چھوڑنے کا عادی نہیں ہوں۔ مال کی اتنی ہی فراوانی ہو تو اپنے ہاتھ سے کسی مستحق اور ضرورت مند کو دے دینا زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔ چوری کے مال سے کروڑ پتی بننے والے تو گداگروں کو بھی چھوٹے سکوں سے زیادہ کچھ نہیں دیتے۔ ان کی تجوریوں سے مال نکالنا ایک افضل کام ہے۔“

”پھر کیوں نہ ہم نقب زنی کا پیشہ اپنا لیں؟“ اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

میں کار میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں اسے خشمناک نگاہوں سے گھور کر رہ گیا۔

میں قاسم برادرز کے دفتر میں پہنچا تو وہاں واقعی عملے کا کوئی فرد نہیں تھا۔ دفتر کے دروازے پر عمارت کا چوکیدار اپنی رائفل سمیت مستعد کھڑا ہوا تھا۔ قاسم نے شاید اسے میرے بارے میں بتادیا تھا اس لئے مجھے بلا کسی تعرض اندر جانے کی اجازت مل گئی لیکن اندر قاسم بھائی کے دفتر میں بھاری بدن والا ایک مکرانی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دونوں نیچی آواز میں نہایت توجہ سے باتیں کر رہے تھے۔

شیشے کے دروازے میں سے مجھے دیکھتے ہی قاسم بھائی خاموش ہوگیا۔ اس کی نگاہوں کے تعاقب میں مکرانی نے بھی مڑ کر میری طرف دیکھا۔ اس اثنا میں میں اندر پہنچ چکا تھا۔

ایک لمحہ کے لئے اس مکرانی کی آنکھوں میں میرے لئے شناسائی کی جھلک نظر آئی لیکن میرے سنگلاخ چہرے پر ذرا سی بھی نرماہٹ نہ پاکر وہ جھلک فوراً ہی معدوم ہوگئی۔ جن لمحات میں یہ ڈرامائی تبدیلیاں ہوئیں، اس مکرانی کا چہرہ میری جانب اور پشت قاسم بھائی کی طرف تھی۔ دوم یہ کہ قاسم بھائی اپنی دراز کی طرف متوجہ تھا۔

ان دونوں کے درمیان یقیناً اہم مذاکرات ہو رہے تھے اور قاسم بھائی ایک لمحہ کے لئے بھی مجھے وہاں روکنا نہیں چاہتا تھا، اس لئے اس نے فوراً ایک پھولا ہوا خاکی لفافہ میری طرف بڑھا دیا۔

”اسے ناراض نہ کرنا۔ میں ہر صورت میں اسے وہاں دیکھنا چاہتا ہوں۔“ اس نے ہاتھ ہلا کر الوداعی لہجے میں کہا۔

اتنی کھلی تاکید کے بعد میرا وہاں رکنا بے سود تھا اس لئے میں اس سے مزید کچھ کہے بغیر اس کے دفتر سے باہر نکل آیا۔ یہ غنیمت تھا کہ میں نے سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لانے کی حماقت نہیں کی تھی۔ میری غیر حاضری میں سلطان شاہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا، اس لئے میرے سوار ہوتے ہی اس نے انجن اسٹارٹ کرکے کار واپسی کے راستے پر ڈال دی۔ میں نے رقم کا لفافہ ڈیش بورڈ میں ڈال دیا۔

”کیا بات ہے؟ تم اس کے دفتر سے فوراً ہی واپس لوٹ آئے۔“

رقم ہی تو لینی تھی۔ ویسے وہاں موجود ایک مکرانی نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں شناسائی کا تاثر پیدا ہوا تھا۔ میرا خیال ہے کہ میں نے بھی اسے کہیں دیکھا ہوا ہے۔ اگر میرے چلے آنے کے بعد اس نے قاسم سے میرے بارے میں کوئی الٹی سیدھی بات کی تو کھیل بگڑ سکتا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ کھیل بگڑنے کا وقت گزر چکا ہے۔ اب قاسم اپنے وعدے سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ رات کے ساڑھے نو بجے وہ مکرانی کے بیان کی کہاں سے تصدیق کراتا پھرے گا۔ مکرانی زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتا ہے کہ وہ تم کو ایک بڑے آدمی کے روپ میں جانتا ہے۔ اس سے زیادہ وہ اور کیا کہہ سکتا ہے؟“

”میں قاسم سے انسپکٹر دلاور کے روپ میں ملا تھا۔ اگر آفیسر کے طور پر میری حیثیت مشتبہ ہو جاتی ہے تو لیزلی فلہام کا کردار بھی اپنا اثر کھو دے گا۔ قاسم بھائی ہم لوگوں کی دھونس دھمکی کو ڈھکوسلا سمجھ کر گھوڑا کریک جانے کا ارادہ منسوخ کر سکتا ہے۔ اس طرح آج کی کارروائی ادھوری رہ جائے گی۔“

”اول تو چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔ وہ ایک شبہ کی بنا پر مکمل تباہی کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ دوم یہ کہ ماضی کا ایک آدمی آج کا ایک ذمے دار افسر ہو سکتا ہے۔ رشوت خوری کے بدنام ترین سرکاری محکموں میں بیسیوں ایسی مثالیں سامنے ہیں۔ تم اس حیوانی کو غیر ضروری اہمیت دے رہے ہو۔“

سلطان شاہ کے دلائل بالکل ہی بودے نہیں تھے لیکن میرے ذہن کی خلش دور نہیں ہو سکی۔ مجھے صرف ایک ہی بات کی تسلی تھی کہ قاسم بھائی کے گھوڑا کریک جانے یا نہ جانے سے ان کے آنے کا پروگرام متاثر نہیں ہو سکتا تھا اور اس روز کا اصل ٹارگٹ قاسم بھائی نہیں بلکہ ہتھیاروں سے لدی ہوئی لانچ تھی۔

اس وسیع و عریض بنگلے کا پھاٹک بند تھا۔ وردی پوش باوردی محافظ نے پھاٹک کے اوپر سے سر ابھار کر ہمیں دیکھا۔ میری زبان سے بلیک ہاک کا پاس ورڈ سنتے ہی آہنی پھاٹک کی کھڑکی کھول دی گئی اور ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔

اس روز اسٹیشن فور پر واقعی غیر معمولی سرگرمیاں دیکھنے میں آئیں۔ احاطے کی دیوار کے ساتھ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر محافظ موجود تھے اور پورچ میں شہری نمبر پلیٹ والی دو جیپیں کھڑی تھیں۔

اول خان اپنے کمرے میں خاصا مصروف تھا۔ اس نے خلاف معمول عام قمیص پتلون اور جیکٹ میں ملبوس تھا۔ اس کے ساتھ نقشوں پر جھکے ہوئے اسپیشل ٹاسک فورس کے دیگر افسران بھی سادہ ملبوسات میں تھے۔

ہم سے سلام دعا کے بعد اول خان نے ہمیں بیٹھنے کے لئے کہا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔



یہ غالباً کسی طرح کی بریفنگ تھی جس میں فوجی اصطلاحات کے مطابق ہر مقام کے لئے ایک مخصوص نام یا نمبر استعمال کیا جا رہا تھا۔ میں ان لوگوں کی پیشہ ورانہ گفتگو سے لاتعلق بن کر کافی نوشی میں مصروف ہوگیا تھا مگر میں نے پھر بھی سنا کہ ٹی ٹو پر ایس ایف کے جوان دو مشین گنوں کے ساتھ چار بجے پوزیشن لے چکے تھے۔ ایس ون کے گرد ٹیلوں میں ستّر مسلح افراد چھپ چکے تھے اور ایس سیون پر بھی ایک مورچا قائم کیا جا چکا تھا۔

فوری طور پر مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ گھوڑا کریک کے نواح میں چار بجے سے پہلے سے تیاریاں شروع کردی گئی تھیں پھر یہ رمز سمجھ میں آگیا کہ کامیاب آپریشن کے لئے باربرداری کے ٹرکوں، مزدوروں اور خلاصیوں کے آنے سے قبل ہی ساری تیاریاں مکمل ہونی ضروری تھیں ورنہ عین وقت پر خطرہ بھانپ کر وہ لوگ گھوڑا کریک کا رخ کرنے کا ارادہ ترک کرکے آپریشن کو ناکام بنا سکتے تھے۔

ان لوگوں کی بریفنگ کا آخری مرحلہ تھا جس سے وہ پندرہ منٹ میں فارغ ہو گئے۔ اس دوران میں ہم دونوں گرم گرم کافی کی پیالیاں خالی کر چکے تھے جو ہمارے بیٹھنے کے چند منٹ بعد ہی سرو کی گئی تھیں۔

اپنے ساتھیوں کے جاتے ہی اول خان نے کسل مندانہ انداز میں انگڑائی لیتے ہوئے اپنی کرسی چھوڑ دی اور بولا ”اگر تم تیار ہو تو اب ہم نکلتے ہیں۔“

”شاید تم ان لوگوں کی آمد و رفت شروع ہونے سے پیشتر اپنے مورچے پر پہنچنا چاہتے ہو؟“

”ان کی آمد شروع ہو چکی ہے۔ وہ لوگ ایک کارواں کی صورت میں ادھر آنے کی جرات نہیں کر سکتے اس لئے مزدوروں کے اکا دکا ٹرک پہنچ رہے ہیں۔ پہلا ٹرک سوا سات بجے وہاں پہنچا تھا۔“

”تو پھر ہم یہ دیکھ لئے جائیں گے؟“ سلطان شاہ نے خطرے کا اظہار کیا۔

”نو مائی بوائے!“ اول خان نے مسکراتے ہوئے کہا ”ہم گھوڑا کریک کو بہت پیچھے چھوڑ کر اس کی شمالی سمت میں واقع چٹانوں کے عقب میں جائیں گے اور ان پر چڑھ کر اپنی او پی بنائیں گے۔“

”او پی؟“ سلطان شاہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے قدرے حیرت کے ساتھ دہرایا۔

”آبزرویشن پوسٹ۔“ اول خان نے میری مشکل آسان کرتے ہوئے کہا ”وہاں سے ہم دوربینوں کی مدد سے سارا کھیل دیکھ سکیں گے۔ ہمارا فیلڈ کمانڈ یونٹ بھی ان ہی چٹانوں میں قائم کیا گیا ہے۔“

”فیلڈ کمانڈ یونٹ گھوڑا کریک کے پاس بہتر نہ رہتا؟“ سلطان شاہ نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

”نو را!“ اول خان نے ناصحانہ لہجے میں کہا ”کمانڈ یونٹ ہمیشہ محاذ سے دور اور قدرے محفوظ علاقے میں قائم کیا جاتا ہے۔ لڑاکا فورس جوش اور جذبات میں ڈوب کر مقابلہ کرتی ہے، کمانڈ یونٹ صرف عقل کو استعمال کرکے ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ محاذ کی افراتفری میں ارتکاز کے ساتھ درست فیصلے کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔“

ابتدا میں میرا خیال تھا کہ اول خان دس بجے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ گھوڑا کریک کی طرف کوچ کرے گا لیکن وہاں تو سب لوگ اپنی اپنی جگہوں پر پہنچے ہوئے تھے اور اول خان کی لینڈ کروزر میں ہم تینوں کے علاوہ ڈرائیور یا صرف ایک مسلح گارڈ موجود تھا۔

ساڑھے دس بجے اسٹیشن فور سے نکلنے والی لینڈ کروزر اس مشن کی اکلوتی اور غالباً آخری گاڑی تھی۔

”ویرا کی کوئی خیر خبر؟“ جیپ چل پڑنے کے چند ثانیوں بعد اول خان نے پوچھا۔

”وہ بدستور ہیری کیسنجر کی قید میں ہے اور ہم سے اس کا کوئی رابطہ نہیں ہے۔“

”کاش، آج ہیری کیسنجر بھی ہاتھ آجائے۔“ اول خان نے حسرت آمیز آواز میں کہا ”وہ لانچ کے قریب سے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تو اس کے سفارت خانے کو اپنی پوزیشن کی وضاحت کرنا مشکل ہو جائے گا۔“

”کامیابی کا سو فیصد یقین ہونے کے باوجود وہ ادھر کا رخ کرنے کی غلطی نہیں کرے گا۔ سفارت کاری مل جانے کے بعد ہر سیکرٹ ایجنٹ متنازعہ مقامات سے میلوں دور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ بس یہ دعا کرو کہ وہ حرام زادہ کامیابی کے گھمنڈ میں آج ویرا کو اپنے چنگل سے آزاد کردے۔ وہ بہت بری طرح پھنسی ہوئی ہے۔“

لینڈ کروزر شہر کے مصروف اور گنجان علاقوں سے رینگتی ہوئی جب روڈ پر آئی تو اس کی رفتار قدرے تیز ہوگئی۔ شہر کا موسم خنک ہونے کے باوجود خوشگوار تھا لیکن مجھے اندازہ تھا کہ کھلے سمندر کی بھیگی ہوئی ہوائیں گھوڑا کریک پر ہم سب کے بام پوچھ لیں گی۔

رفتہ رفتہ آبادیاں پیچھے رہ گئیں اور ویران سڑک پر سفر کا آغاز ہوگیا۔ موچکو پولیس چوکی عبور کرنے کے بعد ہم ایک آبادی سے گزرے اور پھر جب انڈسٹریل اسٹیٹس تک سناٹا ہی سناٹا ہمارا ساتھی تھا۔ راستے میں جیپ نے دو تین ٹرکوں کو بھی اوورٹیک کیا جن کے پیچھے چادروں میں لپٹے ہوئے مزدور خود کو سرد ہواؤں سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان دنوں گڈانی میں جہازوں کو توڑنے کی صنعت زبردست بحران سے دوچار ہو کر جمود کا شکار تھی اس لئے ہم نے اندازہ لگایا کہ وہ خالی ٹرک گھوڑا کریک ہی کی طرف جا رہے تھے۔

جب صنعتی علاقے سے نکلتے ہی سامنے سے ایک مسافر بس آتی ہوئی نظر آئی۔ اس کی تمام روشنیاں جل رہی تھیں اور تیز ہارن نے فضا کا سکوت درہم برہم کیا ہوا تھا۔ وہ بس اپنی ...

کر، سڑک کے عین وسط میں دوڑ رہی تھی۔ جیب کے ڈرائیور نے تیزی سے کم ہوتے ہوئے درمیانی فاصلے کے پیشِ نظر ڈپر دے کر بس والے کو سڑک کا کنارا پکڑنے کا خیال دلانا چاہا لیکن دیو ہیکل بس کے اسٹیئرنگ پر بیٹھے ہوئے ڈرائیور کے لئے وہ سڑک صرف اس کی جاگیر تھی جس پر کسی دوسرے کو چلنے کا حق نہیں تھا۔

آخری لمحات پر ہمارے ڈرائیور نے جیپ کو ریت میں نہ اتارا ہوتا تو بس نے ایک دھماکے کے ساتھ جیپ کے پرخچے اڑا دیے ہوتے۔ بس گولی کی سی رفتار سے ہمارے برابر سے گزر گئی اور جیپ کچھ دور تک اچھلنے کے بعد نرم اور گہری ریت میں پھنس گئی۔

اس وقت اول خان جیپ میں سوار نہ ہوتا تو ہمارا ڈرائیور، بس والے کو بے تحاشا گالیاں دے کر اپنے دل کی بھڑاس ضرور نکالتا لیکن اس وقت اس نے بڑبڑاتے ہوئے انجن کو فور وھیل ڈرائیونگ گیئر میں ڈال کر انجن کو ریس دی اور کلچ پر سے پاؤں کا دباؤ ہلکا ہوتے ہی لینڈ کروزر کسی چیتے کی طرح اچھل کر ریتیلے گڑھوں سے نکل کر دوبارہ سڑک پر آگئی اور سفر دوبارہ جاری ہو گیا۔

ہمارے بائیں ہاتھ پر بحیرۂ عرب کا نیلگوں پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ ساحلی چٹانوں سے ٹکرا کر دم توڑتی ہوئی سرکش سمندری لہروں کا شور رات کے سناٹے میں عجیب سی پُرہول گونج پیدا کر رہا تھا اور داہنی طرف بے آب و گیاہ ریتیلے ٹیلوں کا لامتناہی سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ ایک موڑ سے آگے گزرنے کے بعد سڑک یک بیک پتلی اور بہت خطرناک ہو گئی۔ وہاں سڑک کے اطراف میں، ریتیلے میدان کے بجائے پتلی سی سڑک کے دونوں طرف کئی کئی فٹ اونچے ریتیلے ٹیلے بنے ہوئے تھے جن میں جا بجا خشک جھاڑیوں کے جھنڈ اُگے ہوئے تھے۔ اس سڑک کے وسط میں اگر کوئی بس دندناتی ہوئی نمودار ہو جاتی تو ہمارے پاس بس یا ریتیلے ٹیلوں میں سے کسی ایک کے ساتھ تصادم کے علاوہ کوئی تیسری راہ نہیں تھی۔

"یہ ... کے لئے آنے جانے والی ایکسپریس بسوں، کے ڈرائیور، صرف ہارن کے سہارے سڑک پر راج کرتے ہیں۔ ان کی دہشت سے ٹرک ڈرائیوروں کی بھی روح فنا ہوتی ہے۔" سلطان شاہ نے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا "بریکوں کے استعمال کو یہ لوگ اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ کچی اور پکی سڑکوں پر یہ یوں ہی اندھا دھند ڈرائیونگ کرتے ہیں اور کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

اچانک اول خان اندھیرے میں، بائیں جانب ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ گھوڑا کریک کا راستہ ہے۔ ان کی ساری گاڑیاں اسی راستے سے کریک کی طرف گئی ہوں گی۔"

وہ بالکل ہی اندھیری رات نہیں تھی، مطلع بھی صاف تھا اس لئے ہمیں اول خان کی بتائی ہوئی سمت میں اونچی اونچی چٹانوں کے تاریک ہیولے نظر آ رہے تھے، جن کے درمیان کبھی کبھار دم توڑتی ہوئی وحشی لہروں کے سفید سفید جھاگوں کا انعکاس بھی نظر آ جاتا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ان تاریکیوں میں چھپے ہوئے بڑے بڑے نمر مچھ وقفہ وقفہ سے اپنے دہانے کھول کر سفید سفید دانتوں کی نمائش کر رہے ہوں۔

"یہ ایس ون ہے۔" اول خان کہہ رہا تھا "گھوڑا کریک والے موڑ سے پہلے اس کے دونوں اطراف میں میرے سرفروش ریتیلے ٹیلوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ الحدید کے لنگر انداز ہونے کے بعد ادھر سے چڑیا کا بچہ بھی نہیں نکل سکے گا۔ کریک سے نکلنے والا ہر ٹرک یہاں گرفتار کر لیا جائے گا۔"

"یہ ایس ون سے کیا مراد ہے؟" میں نے سرسری انداز میں سوال کیا۔

"سڑک نمبر ایک، یعنی کراچی کوئٹہ شاہراہ۔" اول خان کی آواز ابھری۔

"خوب۔ ایس یعنی سڑک تو پھر ٹی ٹیلے کے لئے استعمال ہوگا۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔" اس نے میری تائید کی "دشمن کو دھوکا دینے کے لئے بعض اوقات ایسی ہی سہل کوڈنگ اختیار کی جاتی ہے تاکہ سامنے کی باتوں کو چھوڑ کر باریکیوں میں سر کھپاتا رہ جائے۔"

"یہاں فوجی گاڑیوں وغیرہ کا نام و نشان بھی نظر نہیں آیا" سلطان شاہ نے مایوسانہ انداز میں شکوہ کیا۔

"میرے آدمی بھی سویلین گاڑیوں میں آئے ہیں۔ انہیں سڑک سے اتار کر کیموفلاج کر دیا گیا ہے۔ وقت آنے پر یہ دیو انسانوں اور گاڑیوں کے شور سے جاگ اٹھیں گے۔ سڑک کے راستے سے فوج کا کوئی آدمی نہیں آیا ہے۔ ان کی نفری سمندر کے راستے سے کریک کے قرب و جوار میں اتاری گئی ہے۔ اس وقت ہم ہر طرف سے اپنے دوستوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ وہ خاموشی کے ساتھ اپنی کمین گاہوں میں دبک کر ہمیں دیکھ رہے ہوں گے لیکن ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے اور یہی ان کی کامیابی کی پہلی سیڑھی ہے۔"

گھوڑا کریک والے راستے سے تقریباً دو ڈھائی کلومیٹر اندر جانے کے بعد لینڈ کروزر بائیں طرف کچے میں اتر گئی۔ ڈرائیور نے رفتار کم کر کے ہیڈ لیمپس گل کر دیے تھے اور جیپ پارکنگ لائٹس کے سہارے اپنا سفر طے کرنے لگی تھی۔

اس راستے پر سفر کرتے ہوئے اول خان نے مجھے گھوڑا کریک کے بارے میں بتایا کہ جنوب سے آنے والی کھلی سمندری کھاڑی کو اس کھاڑی میں تین سمت سے چٹانوں نے گھیرا ہوا تھا۔ لہروں کی ... دست کٹاؤ کی وجہ سے وہاں پانی کی گہرائی بہت تھی جس کی وجہ سے ساحل کے ساتھ بھنور بھی پیدا ہوتے تھے۔ ان ہی چٹانوں کے درمیان میں، قدرے ... مشرق میں ایسا ... ان حصہ تھا جسے اسمگلر سمندری کھاڑی کے طور پر ... کرتے رہے تھے۔ تیز اور کھاری سمندری ہواؤں کی ... اس کھاڑی کی شمالی چٹانوں کے ایک حصے نے بڑے ... سرکش، گھوڑے کے دہانے کی صورت اختیار کر لی تھی اور دیکھنے ... میں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ چٹانی گھوڑا سمندر ... زور مار رہا ہو۔ اسی کی وجہ سے مقامی باشندوں میں اس کھاڑی کا نام گھوڑا کریک پڑ گیا تھا۔ جو صدیوں سے اسی طرح ... اُبل رہا تھا۔

... راستے پر سفر کرتی ہوئی جیپ، آخر کار ایک چٹان کے ... میں رک گئی۔ انجن بند ہونے کے بعد میں نے جوں ہی اپنی ... کا دروازہ کھولا تو یخ بستہ ہواؤں کا پہلا تھپیڑا کھاتے ہی میری ... صاف ہو گئی۔ جیپ کے انجن کا شور ختم ہوتے ہی سمندری ... کے طوفانی شور نے ایک مہیب گونج کی صورت اختیار کر لی ... ہم سب گاڑیوں سے نیچے اترے ہی تھے کہ کسی نامعلوم سمت ... ایک دراز قامت نسانی سایہ کسی آسیب کی ... ... موجود ہوا۔

"کیا خبر ہے، رحیم بخش؟" اول خان کے اس سے مخاطب ... پر ہی ہمیں اس کے وجود کا احساس ہو سکا تھا۔

"سب خیر ہے سائیں!" خالص سندھی لب و لہجے میں جواب ... "سترہ چھوٹے ٹرک، پانچ بڑے ٹریلر اور تقریباً تقریباً پچاس ... آ چکے ہیں۔ وہ سب بے فکری کے ساتھ ٹرکوں کے نیچے ستا ... ہیں۔ ٹرکوں کی بیٹری سے تار جوڑ کر انہوں نے دو چار بلب بھی ... ہوئے ہیں۔ ابھی بھی اکا دکا ٹرک آ رہے ہیں۔"

رحیم بخش کی رہنمائی میں ہم نے اوپر چڑھنا شروع کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ ٹھوس ریتیلی سِلوں کی وہ چٹان بہت خطرناک اور دھار ... تھی۔ اندھیرے میں ذرا سی لغزش ہمارے جسموں پر گہری ... ڈال سکتی تھی۔ میں نے اپنی رسٹ واچ کے روشن ڈائل ... والی تو وہاں پونے بارہ بج رہے تھے۔

... سمندر کی طرف سے آنے والی یخ بستہ ہواؤں کی ز... پھسلتے ... سنبھلتے ہوئے ہم چٹان کے اوپری حصے پر پہنچے تو رحیم بخش کی ... ہمیں اکڑوں ہو کر بیٹھنا پڑا کیونکہ کھڑا ہونے کی صورت ... نیچے مزدوروں کو ہمارے ہیولے نظر آ سکتے تھے۔

... وہاں ہم سے پہلے تین افراد موجود تھے جن کے سامنے ٹرائی پوڈ ... طاقتور دوربین نصب تھی۔ وہ تینوں پوری طرح مسلح تھے اور ... پشت پر میگزین اور وائرلیس کے تھیلے لدے ہوئے تھے۔

اول خان کو دیکھتے ہی وہ تینوں اکڑوں سرکتے ہوئے قدرے ... میں آئے اور اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر اول خان کو ... اور مواصلاتی رابطوں کے بارے میں رپورٹ دینے لگے۔

سلطان شاہ کھلونے کے لئے ترسے ہوئے کسی حریص بچے کی ... دوربین سے چپک گیا تھا۔ رحیم بخش ہم لوگوں کو وہاں چھوڑ کر ... میں کہیں غائب ہو چکا تھا اور میں اکیلا بیٹھا رہ گیا تھا۔

اول خان اور اس کے ماتحتوں کی گفتگو میں اپنی دخل اندازی ... سمجھتے ہوئے میں رینگتا ہوا سلطان شاہ کے قریب پہنچ ... دوربین سے نیچے کا نظارہ کر... منہمک تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اپنی زندگی میں پہلی بار دوربین ... ہے۔" میں نے غصیلے لہجے میں سرگوشی کرتے ہوئے اسے ڈانٹا۔

"یہ لوگ تو بہت خوش و خرم نظر آ رہے ہیں۔" سلطان شاہ نے میری معذرت سنی ان سنی کر کے دوربین سے نظریں ہٹائے بغیر کہا..... "معلوم ہو رہا ہے کہ یہ پکنک منانے آئے ہوئے ہیں۔"

اس دوران میں، مَیں دیکھ چکا تھا کہ نیچے میدانی گھاٹ پر کھڑے ہوئے ٹرکوں کے سمندر والے رخ پر باڑی سے چادریں باندھ کر ان لوگوں نے خود کو ہواؤں سے بچایا ہوا تھا اور چند بلبوں کی روشنی میں ٹرکوں کے نیچے گھس کر ٹولیوں کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سے ذرا ہی دور ایک شخص آئل اسٹوو جلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ طویل انتظار کے لمحات گزارنے کے لئے شاید وہ لوگ چائے وغیرہ بنانے کے ساز و سامان سے لیس ہو کر آئے تھے۔

اچانک کسی کار کے ہیڈ لیمپس کی اچھلتی ہوئی بیم سے نیچے کا علاقہ دور تک منور ہو گیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ ٹرکوں سے ذرا دور ایک سیاہ کار پہلے سے موجود تھی۔ چند ثانیوں بعد روشن ہیڈ لیمپس والی کار بھی وہیں آ کر رک گئی اور میں نے سلطان شاہ کو زبردستی ایک طرف دھکیل کر دوربین سنبھال لی۔

اس کار کی اگلی نشستوں سے دو ہیولے برآمد ہوئے تھے۔ پسنجر سیٹ سے اترنے والے نسوانی ہیولے کو دوربین کی زد میں لیتے ہی میں نے پہچان لیا۔ وہ دیرا تھی اس کے ساتھ آنے والے کی پشت دوربین کی طرف تھی۔

دیرا کو پہچانتے ہی میرے وجود کی گہرائیوں سے اطمینان کا ایک سانس آزاد ہو گیا۔ اگر اس کے ساتھ آنے والا ہیری کیسنجر تھا تو وہ اس کی زندگی کی آخری رات ثابت ہونے والی تھی۔

وہاں آنے والی کار میں سے اترنے والے دو انسانی ہیولوں میں سے دیرا کو پہچانتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ اسے امریکی کاؤنسلیٹ کے ہیری کیسنجر نے، کئی روز پہلے، دھوکا دے کر ہوٹل سے اغوا کرایا تھا۔ اس کے بعد سے دیرا، اس قدر کڑی نگرانی میں رکھی گئی تھی کہ اسے ہم سے فون پر رابطہ کرنے کا موقع تک نہیں مل سکا تھا۔

دیرا، ٹی کے سربراہ، جمی لائیڈ کی بیٹی تھی اور ٹی کے تنظیمی ڈھانچے میں اسے ایک اہم مقام حاصل تھا۔ اس وقت تک ہمیں ٹی کے بارے میں جو معلومات حاصل ہو سکی تھیں، ان کی روشنی میں اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ ہیروئن کے انسداد کے نام پر قائم کی جانے والی اس مجرم اور دہشت گرد تنظیم کو امریکی حکومت بلکہ صدر کی بھرپور پشت پناہی حاصل تھی۔ وہ لوگ امریکی معاشرے کو ہیروئن کے مضر اثرات کے بارے میں قائل کرنے میں ناکام ہو چکے تھے کیونکہ ان کی آزاد معیشت میں ہر طرف تضاد اور ناہمواریوں کا دَور دورہ تھا۔ ایک طرف قلاش نوجوان اپنے عیارانہ تجارتی منصوبوں کے ذریعے کروڑپتی بن رہے تھے تو دوسری طرف لاکھوں بچے اور بڑے فاقوں میں بھی مبتلا رہتے تھے۔ امریکا کے کروڑوں شہری محتاج خانوں کی خوراک کے محتاج تھے، وہاں

لاکھوں افراد پسماندہ ممالک کے عوام کی سطح پر زندگی گزار رہے تھے۔ ڈسکو ناچ گھروں اور نائٹ کلبوں کی جگمگاتی ہوئی روشنیوں کے پس منظر میں، صرف نیویارک سٹی جیسے ترقی یافتہ شہر میں ستّر ہزار افراد فٹ پاتھوں پر راتیں بسر کرتے ہیں۔ سردیوں میں رگوں میں خون اور ہڈیوں میں گودا منجمد کردینے والی کاٹ دار ہواؤں سے بچاؤ کے لئے ان بے خانماں افراد کو کچرا گھروں پر پڑے ہوئے گتّے کے ڈبوں کے سوا کوئی جائے پناہ میسر نہیں ہوتی۔ ایک طرف دولت اور مادر پدر آزادی کے نشے میں سرشار، جوان لڑکے اور لڑکیوں کے انبوہ تفریح گاہوں میں عیش و عشرت کے ہوش ربا افسانے تخلیق کرتے ہیں تو دوسرے رخ پر روٹی کے ایک ٹکڑے کے لئے بلیوں اور چوہوں سے لڑتے ہوئے وہ سیاہ فام بچے نظر آتے ہیں جو اپنے والدین کی عُسرت سے تنگ آکر، خود ہی اپنے لئے نانِ جویں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ ہوش اڑادینے والے، ان تضادات سے بھرپور امریکی معاشرے میں ہر شخص مادی، اخلاقی اور روحانی آسودگی سے محروم زندگی گزار رہا ہے۔ وہاں رشتوں کا تقدّس باقی رہا ہے نہ جذبوں کا احترام پایا جارہا ہے۔ وہ سب کبھی ختم نہ ہونے والے ایک کرب اور ذہنی عذاب میں مبتلا ہیں اور ہر شخص اپنے ان دکھوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے خود فراموشی کے سنہرے سپنوں کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ لکھ پتی اور کروڑ پتی شہزادے اپنی اداس شاموں کے روگ، رائل سیلیوٹ اور شیواز ریگل کی طلائی وسکی میں گھول کر اپنے معدوں میں نگل جاتے ہیں تو کوئی بھنگ اور چرس کا رسیا نظر آتا ہے اور کوئی ہیروئن، کوکین، ماریجوانا اور پیتھیڈرین کا متلاشی۔

خلا میں ستاروں اور سیاروں پر کمندیں ڈالنے والی اس قوم کے اندرونی تضادات جتنی تیزی کے ساتھ بڑھ رہے ہیں، اسی تیزی کے ساتھ وہاں منشیات بلکہ تیز ترین منشیات کی مانگ اور کھپت بڑھ رہی ہے۔ جن میں ہیروئن پہلے نمبر پر ہے اور جنوبی امریکا کی ریاستوں سے بری اور فضائی راستوں سے اسمگل ہوکر آنے والی کوکین دوسرے نمبر پر ہے۔ امریکی حکام کوکین سے مقامی سطح پر نمٹتے رہتے ہیں لیکن سات سمندر پار سے آنے والی ہیروئن ان کے گلے کی چھچھوندر بنی ہوئی ہے۔ کسی بھی جنس کو منڈی سے نیست و نابود کرنے کے صرف دو ہی معروف راستے ہیں۔ اس کی طلب سرے سے ختم کرادی جائے یا پھر اس کی پیداوار روک دی جائے۔

امریکی حکام بہت اچھی طرح دیکھ اور سمجھ چکے تھے کہ ان کے ترقی یافتہ اور مادیت پرست معاشرے کی کوکھ سے جنم لینے والے ناسور روز بروز بڑھتے ہی رہیں گے۔ ان کی تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرنے کے راستے پر گامزن تھی۔ ان کے حکمراں، جس نظام کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھے اس سے پیدا ہونے والے آلام و مصائب پر قابو پانا دشوار تھا۔ قوم بظاہر ترقی کر رہی تھی لیکن فرد بدترین ذہنی ٹوٹ پھوٹ میں مبتلا ہوچکا تھا، وہ حالات ہیروئن اور اسی قبیل کے دوسرے نشوں کے فروغ کے لئے بہت سازگار تھے۔

اپنی ان ہولناک مجبوریوں کے پیشِ نظر، امریکیوں نے اس جنس کی تباہی کی دوسری راہ اختیار کی اور افیون کی ان لہلہاتی فصلوں کو راکھ کردینے کی کوششوں کا آغاز کردیا جو ہیروئن تیار کرنے والوں کو قدرتی خام مال مہیا کرتی تھیں۔ ترکی، پاکستان، بھارت، نیپال، بھوٹان، برما اور سیام کی حکومتوں کو بھاری مشروط امداد مہیا کی گئی تاکہ وہ اپنی اپنی جغرافیائی حدود سے افیون کو نیست و نابود کردیں۔ افیون کی کاشت کرنے والے علاقوں کے لئے خصوصی ترقیاتی پروگرام شروع کئے گئے۔ کاشتکاروں کو بھاری امدادی رقوم فراہم کی گئیں۔ اور پھر تیار فصلوں پر فضا سے زہریلی ادویات کی بوچھاڑ کرکے ان فصلوں کو ختم کردیا گیا، بعد میں ان مرجھائے ہوئے پودوں کے سوکھے ڈنٹھلوں تک کو نذرِ آتش کردیا گیا لیکن امدادی رقوم کھاپی لینے کے بعد، کاشتکاروں نے پھر سے اپنی زمین میں وہی بیج بودیے جن کا خمار، ابراہام لنکن کے ہم وطنوں کو کسی راکٹ یا خلائی شٹل کے بغیر انجانے جہانوں کی سیر کرانے کی قدرت رکھتا ہے۔

امریکیوں کو حسبِ منشا کامیابی صرف ترکی میں حاصل ہوسکی۔ ورنہ ہر ملک میں اس کی کامیابیاں عارضی ثابت ہوئیں۔ ایک فصل کے تعطل کے بعد افیون کی کاشت کا سلسلہ دوبارہ چل پڑا۔ اس مرحلے پر امریکی پالیسی سازوں کے دماغ میں ٹی کے منصوبے نے جنم لیا۔ بظاہر ٹی کا مقصد ہیروئن کا انسداد تھا لیکن یہ مقصد صرف امریکی معاشرے تک محدود تھا۔ ورنہ ٹی کا اصل مقصد اپنی سرپرست حکومت کے خفیہ فنڈز اور اسلحے کی اسمگلنگ سے سرمایہ حاصل کرکے ہیروئن پیدا کرنے والے ممالک اور علاقوں سے ساری پیداوار خرید کر، سستے داموں ان ہی ممالک اور علاقوں میں پھیلانا تھا۔ ان منصوبہ سازوں کا خیال تھا کہ ٹی تین سے پانچ سال تک جدّوجہد کے بعد ان خطوں میں ہیروئن کی اتنی بھاری کھپت پیدا کرنے میں کامیاب ہوجائے گی کہ ہیروئن کی پیداوار مقامی ضروریات کے لئے ناکافی ثابت ہونے لگے گی اور یوں، ان علاقوں سے امریکا اسمگل کئے جانے کے لئے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ اس طرح امریکی معاشرے کو ہیروئن کے تباہ کن اثرات سے بچانے کا آخری مقصد خودبخود حاصل ہوجائے گا۔

ٹی، قومی مقاصد کے حصول کے خود غرضانہ نظریے کے تحت قائم کی گئی ایک نیم سرکاری تنظیم تھی۔ ویرا اس تنظیم میں کلیدی اہمیت رکھتی تھی اور اس کا اغواکنندہ، ہیری کیسنجر اسی حکومت کا ایک تنخواہ دار ملازم تھا، جو ٹی کی پشت پناہ تھی۔ اس لئے یہ تصور بھی نہیں جاسکتا تھا کہ ہیری کیسنجر اسے کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کی جرات کرسکے گا۔ البتہ اس نے جس دیدہ دلیری کے ساتھ ویرا کو اغوا کرکے اپنی کڑی قید میں رکھا تھا اس سے یہ اندازہ ضرور ہوتا تھا کہ ہیری کیسنجر کو ویرا کی وفاداریوں پر شبہ ہوچکا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اسے اپنے شبہات کی تصدیق میں ایسے ٹھوس



شواہد نہیں مل سکے تھے جن کی بنا پر جی لائیڈ یا اس کے پشت پناہوں کو ویرا کے خلاف کسی بڑی تادیبی کارروائی پر آمادہ کرنا ممکن ہوتا۔ اسی وجہ سے ہیری کیسنجر نے اسلحے کی کھیپ آنے کے آخری دن تک ویرا کو اپنے چنگل سے آزاد نہیں کیا تھا لیکن لانچ کے نمودار ہونے کے موقع پر ویرا، گھوڑا کریک پہنچ چکی تھی۔

وہ دونوں اپنی اپنی سمت کے دروازوں سے باہر آکر، کار کی آڑ میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ تھے اور شاید آپس میں کوئی بات کررہے تھے۔ میں نے دوربین میں، اپنی نگاہیں ان ہی پر مرکوز کی ہوئی تھیں۔ ویرا کا چہرہ میری طرف تھا اور اس کے چہرے کی ایک ایک شکن مجھے واضح طور پر نظر آرہی تھی۔ وقفے وقفے سے اس کے یاقوتی لبوں میں بھی جنبش ہورہی تھی لیکن اس کے ساتھ آئے ہوئے مرد کی پشت میری طرف تھی۔ میں نے اس وقت تک ہیری کیسنجر کو نہیں دیکھا تھا لیکن ان دونوں کو اس کار سے اترتا ہوا دیکھ کر میرے ذہن میں یہ مفروضہ جاگزیں ہوگیا تھا کہ اگر ویرا کا ساتھی سفید فام تھا تو یقینی طور پر وہ ہیری کیسنجر ہی ہوسکتا تھا۔

چند ثانیوں بعد، سیاہ سوٹ میں ملبوس، وہ شخص گھوما تو مجھے یہ دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی کہ وہ سفید فام نہیں بلکہ ایک تومند اور دراز قامت مقامی تھا جس کے کوٹ کے اڑتے ہوئے لیپل کے نیچے شولڈر ہولسٹر کی چرمی بیلٹ واضح طور پر نظر آرہی تھی۔

ویرا کار کے آگے سے گھوم کر اس کے قریب پہنچی ہی تھی کہ دوسری طرف سے قاسم بھائی تیزی کے ساتھ اس کی طرف آیا۔ اس کے بدن پر بھی سوٹ موجود تھا۔

وہ حریص اور رنگین مزاج تاجر تھا۔ اسے شیشے میں اتارنے کے لئے میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ میں لانچ کی آمد کے وقت ویرا کو بھی گھوڑا کریک پر لانے کی کوشش کروں گا حالانکہ اس وقت تک خود میرے فرشتوں کو بھی ویرا کے آنے یا نہ آنے کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ مگر قاسم بھائی نے میرے الفاظ پر اعتماد کرکے، اس رات کے لئے پوری تیاری کی ہوئی تھی۔ وہ اپنی دانست میں ویرا پر ڈورے ڈالنے کی پوری تیاریاں کرکے آیا تھا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی مجھے خیال آیا کہ نیچے ساحل پر پہلے سے موجود کار اسی کی ہوسکتی ہے۔ قاسم بھائی کے اصل پروگرام کے مطابق اس کی گاڑی میں قیمتی اسکاچ اور شیمپین کی بوتلیں ہونی چاہئیں تھیں کیونکہ وہ اپنے دل میں، یہ ارمان لئے بیٹھا تھا کہ وہ اس رات سمندر کی جھاگ اڑاتی موجوں کی پھوار میں، گھوڑا کریک کی سنگلاخ چٹانوں پر شراب سے شباب کی میزبانی کرے گا۔

وقفے وقفے سے ان تینوں کے چہرے میری طرف گھوم رہے تھے لیکن نیچے روشنی کا بندوبست اس قدر ناکافی اور منتشر تھا کہ میں دوربین سے، ان کے چہروں کے بدلتے ہوئے تاثرات کا جائزہ لینے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ ویسے بھی ان تینوں کے گرد مزدوروں وغیرہ کی بھیڑ جمع ہونے لگی تھی۔ انہیں وہاں لانے والا قاسم بھائی تھا لیکن شاید وہ سب ہی اس حقیقت سے واقف تھے کہ وہ خود کس کی اور کس کے لئے کام کررہا تھا۔

وہ تینوں ایک ایسی جگہ رک گئے جہاں پڑنے والی، بلبوں کی روشنی کے زاویے نہایت مناسب تھے۔ اپنی مجلس کے لئے، اس مقام کے انتخاب میں غالباً قاسم بھائی کا دخل تھا۔ وہ مسلسل ویرا کے قریب رہنے کی کوشش کررہا تھا۔ روشنی میں ٹھہرنے سے اسے یہ امید رہی ہوگی کہ وہ رات کے خوابناک ماحول میں اس رخِ زیبا کے شربتِ دیدار سے مسلسل سیراب ہوتا رہے گا جس نے پہلی ملاقات کے بعد سے اس کی نیندیں حرام کی ہوئی تھیں۔

رفتہ رفتہ، ان تینوں کے گرد مزدوروں اور خلاصیوں کی بھیڑ میں خاصا اضافہ ہوگیا لیکن میں کافی بلندی سے ان کا جائزہ لے رہا تھا اس لئے مجھے ان کو اپنی دوربین کے عدسوں کی گرفت میں لینے میں کوئی دشواری نہیں ہورہی تھی۔ قاسم بھائی کے چہرے پر برسنے والی خباثت اتنی واضح ہوچکی تھی کہ ویرا بھی اس کے عزائم سے آگاہ نظر آنے لگی تھی۔ اس وقت قاسم بھائی کی کیفیت، رسّی سے بندھے ہوئے کسی خونخوار بلّے سے مشابہ تھی جس کی رسی کی پوری لمبائی سے چند انچ آگے چند حسین اور صحت مند کبوتر چہلیں کررہے ہوں اور وہ انہیں اپنے تیز دانتوں میں دبوچنے سے قاصر ہو۔

کچھ دیر کی گفتگو کے بعد اس ہجوم میں سے مزدوروں کی چند ٹولیاں الگ ہوگئیں۔ کھلی ہوئی باڈیوں والے چند ٹرکوں کے انجن بیدار ہوئے اور وہاں لوہے کی جھنکار میں، لمبے لمبے پائپوں کے ٹرائی پوڈ ایستادہ کرکے، ان میں بھاری چین بلاک لٹکانے کا کام شروع کردیا گیا۔

خلاصیوں کی ان ہی کارروائیوں کے دوران میں قاسم بھائی کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں اور وہ ویرا کے ساتھ، اس بھیڑ سے الگ ہوکر، اس چٹانی سلسلے کی طرف آنے لگا جس کے ایک حصے پر ہم لوگ قابض تھے۔

اس رات سمندر پُرسکون تھا اور مطلع صاف تھا، اس لئے جوں ہی سمندر کی جانب سے کسی لانچ کے موٹر کی دبی دبی آواز کسی وقفے کے بغیر دوبار سنائی دی تو سب ہی سمندر کی طرف متوجہ ہوگئے۔

نیچے موجود مزدوروں اور خلاصیوں کے جوش و خروش میں ایک دم اضافہ ہوگیا۔ موٹر کی دوسری آواز کے معدوم ہوتے ہی ویرا کے ساتھ آئے ہوئے تنومند مقامی نے اپنے شولڈر ہولسٹر سے پستول نکال کر دو ہوائی فائر کئے۔ شاید وہ لانچ کے عملے کے ساتھ اشاروں کے تبادلے کا کوئی طے شدہ طریقہ تھا۔

پھر مجھے سمندر کے سینے پر ایک تاریک لانچ کا آسیبی ہیولا بھی نظر آنے لگا جو رفتہ رفتہ اس سمندری کھاڑی کی طرف آرہا تھا جہاں سب لوگ اس کے منتظر تھے۔

دو ہوائی فائروں کے بعد اس تاریک لانچ کے اگلے حصے میں نصب تیز روشنیاں جل اٹھیں اور ہماری کمین گاہ کے نیچے پھیلی

ہوئی گھوڑا کریک دور دور تک منور ہوگئی۔

میں نے ٹرائی پوڈ پر نصب اپنی دوربین کا رخ تیزی کے ساتھ مزدوروں اور خلاصیوں کے بجائے کھلے سمندر کی طرف گھمادیا تاکہ سمندری کھاڑی میں پڑنے والی روشنی کے منبع کا جائزہ لے سکوں۔

مروّجہ مفہوم کے مطابق وہ کوئی بحری جہاز کہا جاسکتا تھا، نہ ہی اسے کوئی کشتی کہا جاسکتا تھا۔ وہ ان دونوں کے درمیان میں ایک بڑی سی کشتی تھی جسے اسٹیم یا ڈیزل کے انجن کے ذریعے چلایا جارہا تھا۔ اس لانچ کی تمام اندرونی روشنیاں گل تھیں۔ شاید اندھیرا پھیل جانے کے بعد سے اُس کا سفر ہی اندھیرے میں گزرا تھا اور ساحل کی جھلک دیکھ لینے کے بعد اس لانچ کے ناخدا نے اس وقت لانچ کے اگلے حصے کی تیز روشنیاں جلائی تھیں جب ساحل سے دیے جانے والے جوابی سگنل کے ذریعے اسے اطمینان دلادیا گیا تھا۔ اول خان سے ملنے والی ابتدائی معلومات کے مطابق اس لانچ کا نام الحدید تھا اور بحریہ کے جوانوں نے گہرے پانیوں میں کارروائی کرکے اس کے نیوی گیشن اور ریڈیو روم پر قبضہ کرلیا تھا۔

اگر اول خان کی فراہم کی ہوئی وہ اطلاعات درست تھیں تو الحدید کا اصل عملہ اس وقت بحریہ کی حراست میں تھا اور بحریہ کا عملہ ہی لانچ کو ساحل کی طرف لارہا تھا۔

لانچ کی پیش قدمی کی رفتار بہت سُست تھی۔ میں نے چند ثانیوں تک اس کا جائزہ لینے کے بعد دوربین کا رخ دوبارہ نیچے، ساحل کی طرف گھمایا تو وہاں رونق اور چہل پہل شروع ہوچکی تھی، مزدور اپنی مخصوص اور اونچی آوازوں میں ایک دوسرے کو ہدایات اور مشورے دے رہے تھے۔ اس گہما گہمی میں زندگی کا حقیقی رنگ جھلک رہا تھا اور کسی طرح بھی یہ ظاہر نہیں ہورہا تھا کہ وہ سب کسی جرم کے اجتماعی ارتکاب کے لئے وہاں جمع ہوئے ہیں۔ ان کی ولولہ انگیز بھاگ دوڑ ہر قسم کے احساسِ جرم سے عاری تھی۔

حقیقت یہ تھی کہ اس واردات کا بڑا اور اصل مجرم ہیری کیسنجر تھا جس کے ایما پر الحدید، ابو موسیٰ مبارک نامی جزیرے سے غیر قانونی ہتھیاروں کی بڑی کھیپ لے کر پاکستان آئی تھی لیکن وہ خود اس تمام ہنگامے سے دور، اپنے گھر میں بیٹھا چین کی بنسری بجارہا تھا۔ الحدید کا عملہ دوسرے نمبر کا مجرم تھا جو جانتے بوجھتے ہوئے اس بھیانک جرم میں ہیری کیسنجر کا آلۂ کار بننے پر آمادہ ہوا تھا۔ قاسم بھائی کو اس کی مالی بدعنوانیوں کی بنا پر بلیک میل کرکے اس جرم میں شریک کیا گیا تھا۔ ہیری کیسنجر نے ویرا کے ذریعے اسے خوف زدہ کیا تھا کہ اگر اس نے تعاون نہ کیا تو درآمدی کاروبار میں، ملکی خزانے کو کروڑوں روپے کا دھچکا پہنچانے کے بارے میں موجود ٹھوس کاغذی شہادتوں کی بنا پر اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی اور وہ اپنے تن کے کپڑے بیچ کر بھی درآمدی محصولات میں گھپلوں کی اصل رقم اور جرمانے ادا نہیں کرسکے گا۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ امریکی انتظامیہ دنیا کے ہر گوشے میں، جائز اور ناجائز ذرائع سے اپنے مفادات حاصل کرنے کے لئے جہاں اپنے منظم اداروں کے تنخواہ دار اداروں کے ملازمین سے بھرپور کام لیتی تھی، وہیں وہ حساس ممالک کے اہم سرکاری اور نجی اداروں کے بااختیار اور بارسوخ اراکین کے خلاف ثبوت بھی جمع کرتی رہتی تھی تاکہ ضرورت پڑنے پر ان سے کام لیا جاسکے۔

ان لوگوں نے قاسم بھائی کے سنگین تجارتی جرائم کے خلاف ناقابلِ تردید ثبوت جمع کئے ہوئے تھے جن کا ذکر آتے ہی قاسم بھائی کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا نے امریکی کسٹم کے تحقیقاتی افسر کا روپ دھارا ہوا تھا اس لئے قاسم بھائی پر پڑنے والا دباؤ بدترین صورت اختیار کرگیا تھا لیکن پھر بھی میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ کے لئے آدمی کس حد تک گر سکتا ہے۔

یہ درست تھا کہ اس دور میں مادی فائدوں کے حصول کے لئے اندھا دھند مقابلہ جاری تھا، پیسے کا ہولناک عفریت ساری اخلاقی، سماجی اور معاشرتی قدروں کو نگل گیا تھا لیکن پھر بھی کچھ ایسے مقام باقی تھے جہاں انسان ہر فائدے سے دست بردار ہوکر مقابلے پر تل جاتا ہے۔

قاسم بھائی لاکھ حریص، خودغرض، لالچی اور بدعنوان تاجر تھا مگر مجھے پورا یقین تھا کہ وہ بڑے سے بڑے فائدے کے لئے بھی اپنے بیوی بچوں کو فروخت کرنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوتا۔ اس کے لئے ہتھیاروں کی اسمگلنگ بھی اسی ذیل میں آنی چاہئے تھی کیونکہ غیر قانونی ہتھیار ہر معاشرے میں قانون شکن عناصر کے کام آتے ہیں۔ گو ویرا نے اسے کھل کر، آنے والے مال کی نوعیت سے آگاہ نہیں کیا تھا لیکن میں نے باتوں ہی باتوں میں اس کے ذہن کو پڑھ لینے میں کامیابی حاصل کرلی تھی۔ اسے مہلک گولا بارود اور ہتھیاروں کی اسمگلنگ میں مدد دینے میں کوئی عذر نہیں تھا۔ وہ صرف ہیروئن کی اسمگلنگ میں کسی بھی طرح ملوث ہونا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر قانونی اور غیر قانونی کام اس کے لئے روا تھا۔ اس کی وہ سوچ، اس کے عملی تعاون سے مل کر اسے بھی بڑا مجرم بنادیتی تھی۔ رہے مزدور، تو وہ بڑی حد تک مجبور و محروم تھے۔ وہ اپنے زورِ بازو سے اپنی روز کی روزی کماتے تھے۔ قاسم بھائی مجھے بتاچکا تھا کہ وہ کسی کے تنخواہ دار نہیں تھے بلکہ ٹھیکے پر کام کرتے تھے۔ ایسے لوگ ہر روز کنواں کھود کر پانی پیتے ہیں۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ انہیں کئی کئی دن تک کام نہیں ملتا۔ اس دوران میں وہ اپنے پس انداز کئے ہوئے قلیل اثاثوں پر انحصار کرتے ہیں اور اگر ان پر پہلے ہی زوال آچکا ہو تو فقر و فاقہ میں بھی اپنے ربِ ذوالجلال کا شکر ادا کرتے ہیں۔

مجھے اندازہ تھا کہ انہیں کئی گنا زیادہ معاوضے کا لالچ دے کر وہاں لایا گیا ہوگا۔ رات کے اندھیرے میں گھوڑا کریک پر آنے والی لانچ پر باربرداری کا کام لینے سے قبل انہیں اندازہ ہوچکا ہوگا کہ وہ جو کوئی کام کریں گے، وہ غیر قانونی ہوگا، لیکن وہ سب معاشی بدحالی کی اُس صورتِ حال سے دوچار رہنے والے لوگ تھے جہاں حرام بھی کبھی کبھی حلال کی سرحدوں کو چھونے لگتا ہے اس لئے اُن پر اعانتِ جرم کا کوئی بڑا الزام عائد نہیں کیا جاسکتا تھا۔

وہ سب سوچتے ہوئے، میں آہستہ آہستہ دوربین کا زاویہ بدلتا رہا لیکن مجھے ویرا کہیں نظر نہ آسکی۔ اسی کے ساتھ قاسم بھائی بھی غائب تھا۔ البتہ ویرا کے ساتھ آنے والا دراز قامت شخص مطمئن اور تحکمانہ انداز میں وہیں گھوم رہا تھا۔ لانچ کا جائزہ لینے کے شوق میں ان دونوں کا سراغ کھودینے کا مجھے افسوس ہوا کیونکہ وہ ایسا تاریک ساحلی علاقہ تھا جہاں سیکڑوں کونوں کھانچوں میں کسی کو تلاش کرنا آسان نہیں تھا۔

مایوس ہوکر میں دوبارہ سمندر کے سینے پر آگے بڑھتی ہوئی لانچ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

وہاں مجھے لانچ کی تیز روشنی میں ایک چھوٹی سی موٹر بوٹ تیزی کے ساتھ ساحل کی طرف آتی ہوئی نظر آئی۔ اس پر دو افراد سوار تھے اور شاید وہ بوٹ لانچ سے ہی پانی میں اتاری گئی تھی۔

اس لانچ پر نظر پڑتے ہی میں بری طرح چونکا تھا کیونکہ میرے لئے وہ خطرے کی علامت تھی۔

اسی لمحے مجھے اپنے عقب میں اول خان کی سرگوشیانہ آواز سنائی دی، "کیا ہورہا ہے؟"

لانچ کی طرف سے ایک تیز رفتار موٹر بوٹ میں دو افراد اِدھر آرہے ہیں" میں نے دوربین چھوڑ کر اُس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے ہیجان آمیز آواز میں کہا۔

"موٹر بوٹ!" وہ بڑبڑایا "ہوسکتا ہے کہ وہ پائلٹ بوٹ ہو۔"

یہ کہہ کر وہ خود دوربین سے اس سمت کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا۔

"نہیں، یہ پائلٹ بوٹ نہیں ہوسکتی۔ وہ تو ساحل پر آگئے ہیں اور اب اپنی بوٹ بھی پانی میں سے باہر نکالنے کی کوشش کررہے ہیں" وہ ایک طویل "اوہ" کے ساتھ دوربین سے ہٹ گیا۔

میں نے اندھیرے میں اپنی استفسار طلب نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کردیں۔

"باقاعدہ بندرگاہوں پر پائلٹ بوٹ کی رہنمائی میں جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں تاکہ جہاز کو بندرگاہ کے اطراف میں واقع زیرِ آب رکاوٹوں سے نقصان نہ پہنچ سکے لیکن یہاں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ ایسے کام کرنے والے ملاح ہر گھاٹ دکھاڑی سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔" اول خان بولا۔

"تو پھر وہ کون ہیں اور ساحل پر کیوں آئے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"یہ پتھروں اور مونگے کی چٹانوں سے گھری ہوئی ایک خطرناک سمندری کھاڑی ہے" اول خان قدرے توقف کے بعد بولا "یہاں سمندر کی سرکش لہریں کھلے ساحل پر دور تک جاکر دم توڑنے کے لئے آزاد نہیں ہیں۔ سنگین چٹانیں صدیوں سے ان کا

مقابلہ کر رہی ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہاں لانچ کا لنگر انداز ہونا ممکن ہے۔ یہ بھی کلفٹن وغیرہ کی طرح کھلا ساحل ہوتا تو یہاں منوں وزنی لانچ تو کیا، بھاری موٹر بوٹ بھی کنارے تک نہیں آسکتی تھی۔ اس کھاڑی میں پانی کی گہرائی نے ہی اسے خفیہ سمندری گھاٹ میں تبدیل کیا ہوا ہے اور یہاں کنارے تک آکر کسی بھاری لانچ کو لنگر انداز کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اندازے کی ذرا سی غلطی یا غفلت کی صورت میں لانچ کا مضبوط ڈھانچا خوفناک ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر، لانچ کے غرقاب ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔ شاید یہ دونوں ساحل سے لانچ کے ناخدا کی رہنمائی کرنے کے لئے ساحل پر آئے ہیں۔"

"تاکہ لانچ بحفاظت گھوڑا کریک پر لنگر انداز ہو سکے" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔

تاروں کی ٹھنڈی اور ناکافی روشنی میں، میں نے اس لال بجھکڑ کو غصیلی نگاہوں سے گھورا لیکن وہ میرے ردعمل کی پروا کئے بغیر دوربین کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

"تو پھر ان دونوں کا تعلق الحدید کے عملے سے ہی ہوگا؟" میں نے اول خان سے سوال کیا۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نیوی والے اپنے سواحل سے بہت اچھی طرح واقف ہیں لیکن مجرمانہ مقاصد کے لئے کارآمد کھاڑیوں کی ساخت وغیرہ سے واقف ہونا اُن کے نصاب سے باہر کی بات ہے۔ اس لئے الحدید کو بحفاظت کنارے لگانے کے لئے انہیں الحدید کے عملے پر ہی انحصار کرنا پڑا ہوگا۔ یہ اُن کی مجبوری ہے، فوجی اصطلاح کے مطابق ایک جنگی قیدی ہی دشمن کی سرزمین اور عزائم کے بارے میں بہترین مخبری کر سکتا ہے۔"

"اور اگر انہوں نے ساحل پر قدم رکھتے ہی لوگوں کو متوقع خطرات سے آگاہ کر دیا تو کیا ہوگا؟" وہ ایک نہایت ذلت آمیز امکان تھا مگر میں نے اول خان پر اپنی لاشعوری برتری برقرار رکھنے کے لئے ان خدشات کو الفاظ کا روپ دے ہی دیا۔

"وہ سب سر پر پیر رکھ کر بھاگ نکلیں گے" سلطان شاہ نے دوربین سے اپنی نگاہیں ہٹائے بغیر بے پروایانہ انداز میں اپنی سطحی رائے کا اظہار کیا۔

"یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مقابلے پر تُل جائیں" میں نے دانت پیستے ہوئے، غصیلے لہجے میں کہا "یہ اُن کی روزی کا معاملہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لانچ کے عملے کی رہائی کی کوششوں میں مصروف ہو جائیں اور بحریہ کے افسروں اور جوانوں کو ان پر فائر کھولنا پڑ جائے۔"

"یہ سب نہیں ہوگا" اول خان کی پُراعتماد آواز نے ہم دونوں کو خاموش کر دیا "بات صرف اتنی سی ہے کہ ہم لوگ فوجیوں کو اکھڑ اور عقل سے پیدل تصور کرتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ پالیسی ساز افسران ہر نشیب و فراز پر غور کر کے فیصلے کرتے ہیں اور ان کے ماتحت، ان کے احکام پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتے ہیں۔ اس نظم و ضبط کو عام لوگ ہضم نہیں کر پاتے۔ ان کے نزدیک دوسری منزل کی چھت پر سے مارچ کرتے ہوئے سڑک پر گر جانا اور لہولہان ہو جانے کے باوجود پھر مارچ میں مصروف ہو جانا، نری حماقت ہے جب کہ جرمن قوم میں ڈسپلن کے اسی لرزہ خیز مظاہرے نے ونسٹن چرچل کے اوسان خطا کر دیئے تھے اور وہ ہٹلر سے اس دل خراش مارچ کو روک دینے کی التجا کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، جس کا شکار اسکول کے بچے بن رہے تھے۔ جس دن فوج سے یہ ڈسپلن ختم ہوا تو وہ بھی شہری پولیس کی طرح کرپٹ اور بدعنوان ہو جائے گی۔ آج ہماری پولیس کے اہل کار، ڈاکوؤں، قاتلوں اور دہشت گردوں کے لئے مخبری کرتے ہیں۔ ان کی بے رحمانہ سرکوبی کرنے کے لئے مامور کئے جانے والے یہ لوگ ان مجرموں کے دست و بازو بن گئے ہیں۔ اسی لئے ہر طرف تباہی و بربادی اور لاقانونیت کا دَوردورہ نظر آتا ہے۔ فوج کا ادارہ ان بدعنوانیوں سے محض اپنے ڈسپلن کی بنا پر بچا ہوا ہے۔ اس ڈسپلن کی خاطر فوج کا ایک چھ فٹا جوان، اپنی جان کی پروا کئے بغیر صرف اس لئے بیس فٹ گہری دلدل میں اتر جاتا ہے کہ یہ اُس کے افسر کا حکم ہے......"

"میرا خیال ہے کہ تم جذباتی ہو گئے ہو" میں نے اُس کی بات کاٹ کر دھیمے لہجے میں کہا "یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے اور نہ ہی میں نے فوج کی کارکردگی پر کوئی تنقید کی تھی۔"

"تم نے براہِ راست کوئی کڑوی بات نہیں کی تھی لیکن تم ایمان داری کے ساتھ اپنے دل کو ٹٹولو تو تمہیں احساس ہوگا کہ تمہارے سوال کی بنیاد اس مفروضے پر تھی کہ الحدید اور اس کے عملے پر قابض ہونے والا بحری کمانڈر اس سوجھ بوجھ سے محروم ہے جس سے ہم لوگ بہرہ ور ہیں۔ لیکن مائی ڈیئر ڈینی! تم یقین رکھو کہ وہ افسر ہم جیسے سیکڑوں ہوشیاروں کو سرِعام بیچ ڈالنے کی صلاحیت رکھتا ہوگا۔ موٹر بوٹ کے ذریعے، ساحل پر بھیجے گئے دو افراد میں سے اگر ایک کا تعلق الحدید کے عملے سے ہوگا تو دوسرا یقیناً بحریہ کا کوئی سادہ پوش افسر یا جوان ہوگا جو اسے مجوزہ لائحہ عمل سے سرِمو انحراف کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔"

"یہ امکان میرے ذہن میں نہیں آسکا تھا" میں نے فراخ دلی کے ساتھ اعتراف کرتے ہوئے کہا "آج کی رات تو حقیقی معنوں میں بحریہ والوں کی رات ہے۔ اس پوری مہم میں ہماری حیثیت براتیوں سے زیادہ نہیں ہے جو رات گئے تک اپنا دل اور پیٹ جلانے کے باوجود دلہا اور اس کے لواحقین کے رت جگے پروگرام سے فرار حاصل کرنے کی کوئی راہ تلاش نہیں کر پاتے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا "تم تو کراچی کے مقامی باشندے ہو لیکن ہمیں اپنی پوسٹنگ کے ساتھ نگر نگر کی خاک چھاننی پڑتی ہے۔ ہم رات کو جلد سو جانے اور سحر خیزی کے عادی ہیں لیکن کراچی کی شادیوں نے ہمیں شب بیدار بنا دیا ہے۔ لڑکیوں کی شادی میں رخصتی کے بعد اس وقت سونا نصیب ہوتا ہے جو دراصل ہمارے بیدار ہونے کا وقت ہوتا ہے......"

لمحے ایک سادہ پوش مگر مستعد شخص ہمارے قریب آیا اور
کی طرف ہیڈ گیئر بڑھاتے ہوئے بولا "سر! آپ کے لئے
نے شروع ہو گئے ہیں۔"

خان نے اُس کے ہاتھ سے ہیڈ گیئر لے کر اپنے سر اور
چڑھا لیا۔ چند ثانیوں تک وہ خاموشی اور توجہ سے دوسری
ے آنے والا پیغام سنتا رہا پھر اس نے معاً کسی نامانوس زبان
کے ساتھ کچھ بولنا شروع کر دیا۔

کی ناقابلِ فہم تقریر پر میں برا سا منہ بنا کر سلطان شاہ کی
جہ ہو گیا جو کسی جونک کی طرح دوربین سے چپکا ہوا تھا۔

مجھے بالکل نہ چھیڑنا" اس نے میری آہٹ پہچانتے ہی
لہجے میں کہا "نیچے وہی ہو رہا ہے جو اول بھائی نے کہا تھا۔
میں سے ایک، رنگ بدلنے والی ٹارچ کی تیز روشنی سے
ہنمائی کر رہا ہے اور دوسرا کسی بُت کی طرح اس کے پہلو
ہوا ہے۔"

را نظر آ رہی ہے؟" میں نے اسے چھیڑے بغیر سوال کیا۔

را تو نہیں، البتہ دوسرا اُلو نظر آیا تھا جو ویرا کے ساتھ ہی
گیا تھا" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "وہ لوگوں کو
ینے کے لئے آیا تھا اور پھر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔"

دھر گیا ہے وہ؟" میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا اور وہ
ے ہنس پڑا۔

ایک طرف غزالہ کا دم بھرتے ہو۔ دن رات اس کی وفاؤں
کھانے سے نہیں تھکتے اور دوسری طرف ویرا کو بھی کسی
تکلف ہوتے نہیں دیکھ سکتے۔ اگر وہ کسی کے ساتھ اپنی بے
ر بھیگی رات کو رنگین بنانا چاہ رہی ہے تو تم کیوں اس کی فکر
ہو رہے ہو؟"

کھلی فضا میں تمہاری عقل عموماً چوپٹ ہو کر رہ جاتی ہے"
دانت پیستے ہوئے کہا "تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ آج ویرا
کے بعد نظر آئی ہے۔ اگر ہیری کیسنجر کا آدمی اسے لے کر
نے میں کامیاب ہو گیا تو ہمارے فرشتے بھی اس کی گرد نہیں
گے۔"

تمہارے فرشتے شاید کچھ سست ہو گئے ہیں۔ لیکن فکر نہ کرو۔
کے اطراف میں اول خان کے ستّر مسلح جیالے چھپے ہوئے
ویرا کے بچے کو بھی واپس نہیں جانے دیں گے۔"

اس کی فضول گوئی پر بھنا کر وہاں سے دور ہٹ گیا۔ اول
ہیڈ گیئر سے منسلک ٹرانسمیٹر پر اپنے آدمیوں سے بات کرتا ہوا
ر نکل گیا تھا۔

اس وقت صورتِ حال کچھ یوں تھی کہ گھوڑا کریک میں شمال
سے شمال مشرق سے سمندری لہریں داخل ہو کر دم توڑ رہی
سمندر سے ملحق، اسی شمال مشرقی حصے میں وہ مسطح زمین واقع
بارک اور مزدور وغیرہ بکھرے ہوئے تھے اور اسی مقام پر
لنگر انداز ہوتا تھا۔ وہ کھاڑی اپنے مغربی دہانے سے جنوب مشرق تک چٹانوں سے گھری ہوئی تھی اور ہم عین جنوب میں سب سے اونچی چٹان پر موجود تھے۔ ہماری داہنی طرف گھاٹ تھا اور بائیں طرف صدیوں پرانی ایستادہ چٹانیں تھیں جن کی بنیادیں گہرے سمندر میں اتری ہوئی تھیں۔ ہم چٹان کے بالکل آخری سرے پر نہیں تھے اس لئے عملاً ہمارے دونوں جانب ہی چٹانی سلسلہ تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ داہنی طرف کی چٹانیں قدرے دور جاکر میدانی گھاٹ میں معدوم ہو گئی تھیں جبکہ بائیں طرف والی چٹانیں سمندر میں کافی دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کھاڑی میں چٹانوں سے ٹکرا کر دم توڑنے والی سمندری لہروں کی وجہ سے ایک مہیب گونج پیدا ہو رہی تھی جو اس وقت ڈراؤنی پس منظر موسیقی کا کام کر رہی تھی۔

وہ کوئی ننھی سی کھاڑی نہیں تھی۔ نیچے... سمندر کا جھاگ اڑاتا ہوا پانی اتنے وسیع رقبے میں پھیلا ہوا تھا کہ اندر آجانے والی لانچ، گھوڑا کریک میں کسی کھلونے کی طرح نظر آ رہی تھی۔

"ویرا کا ساتھی، ہدایات دینے کے بعد چٹانوں ہی کی طرف آیا تھا" اچانک مجھے اپنے قریب سلطان شاہ کی مصالحانہ آواز سنائی دی۔ میرے ساتھ اپنے عدم تعاون پر وہ زیادہ دیر تک مطمئن نہیں رہ سکا تھا۔ اُس کی طرف گھومتے ہوئے میں نے یہ بھی دیکھا کہ اس کی دوربین پر کوئی اور قابض ہو چکا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ بے آبرو کر کے دوربین سے محروم کئے گئے ہو؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میری عزت اتنی نازک نہیں ہے کہ دوربین چھن جانے سے اس کا کریا کرم ہو جائے۔ ویسے بھی وہ ان کی آبزرویشن پوسٹ ہے۔ دوربین تماشا دیکھنے کے لئے نہیں لگائی گئی ہے۔"

"شکر ہے کہ تمہیں عقل آگئی" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"ہم یہاں ٹھنڈی ہوا کھانے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ مجرموں کی گرفتاری اور ہتھیاروں کی ضبطی کے لئے۔ بحریہ اور اول خان کے جوان کافی ہیں۔ ہمیں ویرا کی فکر کرنی چاہئے۔ یہاں تصادم کا آغاز ہونے سے پہلے وہ ہماری تحویل میں آجائے تو محفوظ رہے گی ورنہ افراتفری میں ہمارے آدمیوں کی گولیاں ہی اسے چاٹ سکتی ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اوپر سے وہ لوگ تاک تاک کر نشانے لینے کی پوزیشن میں ہیں" وہ یک بیک بہت زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔ "لیکن ہم اسے کہاں تلاش کریں گے؟"

"دوربین پر انحصار کرنے کے بجائے ہمیں نیچے جانا ہوگا" میں نے اس سے کہا اور پھر تیزی سے اس شخص کی طرف بڑھ گیا جو دوربین سے نظریں لگائے، اپنے ایئرپیس پر رپورٹ دے رہا تھا۔

خاموشی اور رازداری کی بنا پر وہاں موجود ہر شخص کی نقل و حرکت اور سرگرمیاں پُراسرار تھیں۔ کچھ دیر پہلے اول خان سمیت متعدد افراد ہمارے گردوپیش میں موجود تھے لیکن پل بھر میں وہ سب، اندھیرے میں کہیں معدوم ہو چکے تھے اور صرف دوربین والا شخص وہاں موجود رہ گیا تھا۔

میں نے ہولے سے اس شخص کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ بھڑک کر تیزی کے ساتھ میری طرف پلٹا تھا۔ اس نے اپنے لاسلکی آلے کا ترسیلی بٹن چھوڑ دیا تھا اور اس کے داہنے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا جس کا دہانہ میری طرف اٹھا ہوا تھا۔ اس کی حیرت ناک پھرتی نے مجھے ششدر کردیا۔

مجھے پہچانتے ہی اس کے پستول کی نال جھکتی چلی گئی۔ شاید اس نے مجھے اول خان کے ساتھ وہاں آتے ہوئے دیکھا تھا اس لئے مجھے اپنا تعارف کرانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

"میرا نام ڈیبی ہے" میں نے اسے اپنے نام سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے، سر!" اس کے برجستہ جواب نے دوبارہ مجھے حیران کردیا "ہمیں پہلے ہی بتایا جاچکا ہے کہ آپ کے ساتھ سلطان شاہ صاحب بھی یہاں آئے ہوئے ہیں۔ مجھ سے پہلے دوربین پر وہی بیٹھے ہوئے تھے۔"

"گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "ہم دونوں چٹان سے نیچے جارہے ہیں۔ اول خان صاحب ادھر آنکلیں تو انہیں بتادینا تاکہ وہ ہمارے لئے پریشان نہ ہوں۔"

"اوکے، سر!" اس نے نہایت ادب اور احترام سے کہا پھر بائیں ہاتھ پر پھیلی ہوئی تاریک چٹانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "ویسے سر ادھر کی پوزیشنوں کا جائزہ لینے گئے ہوئے ہیں۔ آپ لوگوں کو میرا مشورہ ہے کہ دشمن سے دور رہنے کی پوری کوشش کریں۔ ایک بار فائر کھولنے کی نوبت آگئی تو ہم دوست اور دشمن میں تمیز نہیں کرسکیں گے۔"

ہمارے لئے اُس کے خیرخواہانہ جذبات قابل قدر تھے۔ میں نے پُراخلاق لہجے میں اس خوش گفتار جوان کا شکریہ ادا کیا اور سلطان شاہ کی طرف چل دیا۔

ستاروں کی ناکافی روشنی میں اس ساحلی چٹان سے نیچے اترنا ایک تلخ اور دشوار تجربہ تھا۔ چٹان میں تہ در تہ جمی ہوئی بڑی بڑی پتھریلی سلوں کی کاٹ دار دھاروں سے خود کو بچائے رکھنا بہت کٹھن کام تھا۔ کئی جگہ ہم ایک دوسرے کی تقلید میں پھسلنے سے بار بار بچے اور آخر کار نیچے پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔

"ہالٹ!" اول خان کی دمکتی ہوئی ٹویوٹا لینڈ کروزر کے عقب میں سے ابھرنے والی ایک سرد اور تحکمانہ آواز نے ہم دونوں کو اپنی جگہوں پر منجمد کرکے رکھ دیا۔

اپنے لب ولہجے سے وہ آواز ناآشنا معلوم ہوتی تھی۔ میں نے اضطراری طور پر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالئے۔ سلطان شاہ نے بھی میری تقلید میں تاخیر نہیں کی تھی۔

"آئی ڈن ٹی ڈیو سائیں!" اندھیرے میں سے وہی تحکمانہ آواز ابھری۔

اس بار میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ یقینی طور پر رحیم بخش کی آواز تھی۔

"میں ڈیبی ہوں، سائیں رحیم بخش!" میں نے کہا "اور میرے ساتھ سلطان شاہ ہے۔"

اندھیرے میں رحیم بخش کا ہلکا سا قہقہہ گونجا اور پھر جیپ کی اوٹ سے ایک انسانی ہیولا باہر نکل آیا۔ وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا "مجھے پہلے ہی معلوم تھا، وڈی سائیں کہ یہ تم ہو۔ مگر ڈسپلن بھی تو برقرار رکھنا پڑتا ہے نا!"

"تم یہاں اندھیرے میں چھپ کر کیا کررہے ہو، رحیم بخش؟" میں نے اُس کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے سوال کیا۔

"چوکی داری، سائیں! ہمارے صاب کی گاڑی ادھر کھڑی ہے۔ اسے ہم کیسے لاوارث چھوڑ سکتے ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ دشمن کا کوئی آدمی ہی ادھر آنکلے تو مفت میں اُس کا شکار بھی ہوجائے گا۔"

ویسے تو میں قدم قدم پر محب وطن سندھیوں سے ملتا رہا تھا۔ پولیس کے محکمے میں بھی میں نے بہت سے شیریں سخن اور ایماندار سندھی دیکھے تھے لیکن اول خان کی اسپیشل ٹاسک فورس میں نظر آنے والا، وہ پہلا سندھی تھا اور میں اُس سے گفتگو آگے بڑھانے کی خواہش کو کسی طرح نہ دبا سکا۔

"سائیں تمہارا گاؤں کہاں ہے؟" میں نے دھیمی آواز میں نازک سا سوال کیا۔

"ڈسٹرکٹ دادو میں خیرپور ناتھن شاہ سے تھوڑا آگے گاؤں مولا داد میں میرے بچے رہتے ہیں۔"

اس کے جواب نے میرا کام بہت آسان کردیا اور میں نے لہجے میں کہا "اس علاقے سے تو عام طور پر دہشت گرد اور ڈاکو پیدا ہوتے رہے ہیں۔ تم اسپیشل ٹاسک فورس میں کیسے آگئے؟"

"سائیں، یہ جھوٹی کہانیاں ہیں" وہ کسی زخمی شیر کی طرح تڑپ کر بولا "پیر، فقیر اور صوفی بھی ہماری مٹی سے ہی ابھرے لیکن لوگ اُن کو بھول کر، آج کے چند سرپھرے اور پاگل لڑکوں کی مثال بنالیتے ہیں۔ ماں کی کوکھ سے کوئی چور، ڈاکو پیدا نہیں ہوتا۔ سارے بچے معصوم اور ایک جیسے ہوتے ہیں۔ جسے دو وقت کی روٹی ملتی رہے وہ زندگی بھر سیدھے راستہ پر چلتا رہتا ہے لیکن جبر سے وڈیرے اور پولیس والے زندہ رہنے کا ہر حق چھین لیں، کی فصلوں کو اجاڑ دیں، اُس کے مویشی ہانک کرلے جائیں، روزی کمانے کا ہر دروازہ بند کردیں، اُس کی جوان بہن بیٹی کو حویلی کی بے رحم فصیل یا حوالات کی سفاک دیواروں کے پیچھے لے جائیں، تم خود بتاؤ کہ وہ زندہ رہنے کے لئے کیا کرے گا؟ مجبور اور محروم بستیوں میں ظلم کی ایسی اندھیری رات چھائی جس میں امید کا کوئی جگنو پر نہیں مارتا۔ مقابلے پر آنے والے کے چند جوان ہوتے ہیں۔ جو لوگ اس ظلم کا مقابلہ کرتے سسک سسک کر مرجاتے ہیں اُن کی دردناک کہانیاں ان کے ساتھ دفن ہوجاتی ہیں۔ سندھ صدیوں سے جاگیرداری کی ظالمانہ چکی میں پس رہا ہے لیکن کوئی اس کے خلاف ... نہیں سکتا۔ سندھ دیکھنا ہے تو کراچی، حیدر آباد، ٹھٹھہ، ہالہ اور ...

...ر گوٹھوں اور گاؤں میں دیکھو۔ وہاں تمہیں آدمی ...ے زیادہ گونگے، بہرے اور بدحال نظر آئیں گے۔ وہاں ...ے اور جیالے نوجوان ظلم کی اس چکی کا ایندھن بنتے ہیں تو ... باغی ان ظالموں کے سامنے ٹھہرنے میں کامیاب ہوجاتا ... ڈیرہ شاہی اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے چور، ڈاکو ... دیا رسا گیر بنادیتی ہے۔ یہ آج کی نہیں، بہت پرانی ریت ... صرف اتنا ہے کہ آج اُن کے ہاتھ میں کلاشن کوف اور ... آگئے ہیں۔"

...میں، مجھے معاف کرنا! میرا مقصد تمہاری دل آزاری کرنا ... گوٹھوں کے سادہ لوح باسیوں کی توہین کرنا نہیں تھا۔ ... کیا ہوتا تھا اور اب کیا ہورہا ہے، میں اس سے بھی بالکل ... نہیں ہوں۔ میرا سوال یہ تھا کہ تمہارے لوگ، تمہاری ...ں، فوج، ایس ٹی ایف اور ایسی ہی دوسری نوکریوں کی ...ں نہیں آتے؟ وڈیرے اور پولیس کے ظلم کا توڑ تو اسی ... جاسکتا ہے۔"

...نی سائیں، یہ ہم لوگ بھی جانتے ہیں!" اس نے مجھے ...م سے مخاطب کرکے مجھے چونکا دیا "لیکن تم نہیں جانتے، ... نہیں جانتے۔ کسی گوٹھ میں بس کر دیکھو تو تمہیں معلوم ... وڈیرہ اپنی جاگیر کا، نعوذ باللہ خدا ہوتا ہے۔ اس کی مرضی ... وہاں پرندہ پر بھی نہیں مار سکتا۔ گاؤں کے جوان سرکاری ... پڑھ جائیں تو ان کی زمینوں کو کون ہرا بھرا رکھے گا؟ وہ ...وں میں اسکول چلنے دیتے ہیں نہ سڑکیں بننے دیتے ہیں۔ ...ول میں کوئی سرپھرا استاد آجائے تو اُن کے پالتو غنڈے ...ے اندھیرے میں اس کی خواب گاہ میں گیدڑ چھوڑ کر اسے ... مجبور کردیتے ہیں۔ بھرتی کے لئے دورہ کرنے والی سرکاری ...ں دورہ کرتی ہیں تو وہ وڈیرے کی مہمان ہوتی ہیں۔ وہی ان کی ...ل اور دعوتیں کرتا ہے۔ انٹرویو اسی کی حویلی میں ہوتے ہیں۔ ... مرضی کے بغیر کوئی ان جماعتوں کے رُوبرو حاضر نہیں ... بیکاروں جوانوں کو ڈانٹ پھٹکار کر حویلی کے دروازے سے ... جاتا ہے اور اخباروں میں یہ خبر آتی ہے کہ ہمارے لوگ ...ے دور بھاگتے ہیں، میں خوش نصیب ہوں کہ میرا باپ ...یرے کے درباریوں میں شامل تھا۔ میرے گاؤں کے بہت ...ان اس نوکری کو حاصل کرنے کے متمنی تھے لیکن وڈیرے ... صرف مجھے کمیٹی کے سامنے پیش ہونے کی اجازت دی گئی ... فخر سے تمہارے سامنے سینہ تانے کھڑا ہوں۔ میرے ... پر زمیندار یا وڈیرے کی خوشنودی کا سایہ نہ ہوتا تو آج ...کی زمینوں پر ہل چلا رہا ہوتا اور اپنی ماں بہنوں کی عزت ... اپنے گاؤں کے وڈیرے کی مدد کا محتاج ہوتا۔ سائیں! ہم ...ہیں۔ ہم اس دھرتی سے اپنی ماں جیسا پیار کرتے ہیں۔ ... لئے اپنی گردنیں کٹوانے کے لئے تیار ہیں لیکن وڈی

سائیں! تم ہم کو موقع بھی تو دو۔ تم بھرتی کرنے آتے ہو تو گاؤں کے چوک پر کچہری جمانے کے بجائے وڈیرے کی حویلی میں کیوں سوجاتے ہو؟ ہم پر یہ ظلم تو گورے نے بھی نہیں کیا تھا جو اَب کالے کررہے ہیں۔"

"تم بھی ان ہی حالات اور اسی زمین سے ابھر کر ایس ٹی ایف میں آئے ہو۔ دوسروں کے بڑوں کو وہ راز کیوں معلوم نہیں ہوسکا جس کے سہارے تمہارے باپ نے تمہیں ایس ٹی ایف میں پہنچادیا ہے؟"

"سائیں، یہ مقدر کا کھیل ہوتا ہے" رحیم بخش دکھی بلکہ تلخ آواز میں بولا "یہ سب وڈیرے کے موڈ اور مرضی کا کھیل ہوتا ہے۔ عاشق بلوچ کا باپ میرے باپ سے زیادہ، زمیندار کا منہ چڑھا تھا لیکن اسے اپنے بیٹے کو بورڈ کے سامنے پیش کرنے کی اجازت نہیں ملی کیونکہ اس نے انٹرویو سے ایک دن پہلے زمیندار کی چلم گرم کرنے میں دیر کردی تھی اور وڈیرہ سائیں اپنے اس غلام سے ناراض ہوگیا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم لوگوں نے خود ہی اپنے وڈیروں کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی ہوئی ہے۔"

"نہیں سائیں!" میری اس بے لاگ رائے نے رحیم بخش کو مضطرب کردیا "وڈیرہ ہر وقت اور ہر جگہ اپنے وجود کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ ہم اسے بھولنا چاہیں تو بھی نہیں بھلا سکتے۔ وہ ہمارے سانسوں میں رچ بس جاتا ہے۔ ہمارے لئے وہی گاؤں کا کھیا، پٹواری، تھانے دار، ڈپٹی کمشنر اور کمشنر ہوتا ہے۔ اُس کی مرضی کے بغیر، اس کی جاگیر میں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ اس کے باغی ساری عمر حوالات اور جیلوں میں سڑتے رہتے ہیں جن کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوتا۔ تم خود بتاؤ کہ فرعون اور نمرود سے کون لڑا تھا جو ہم اپنے وڈیروں سے لڑسکیں؟"

"یہ نیا زمانہ ہے، وڈیرے شہروں میں رہتے ہیں۔ ان کی اولادیں ذاتی خرچ اور سرکاری وظیفوں پر باہر تعلیم حاصل کررہی ہیں۔ کیا علم کی یہ روشنی بھی ان روایات میں دراڑیں ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوسکی؟"

"جاگیرداری کا نشہ تعلیم، ترقی اور سائنس کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ پھر شہروں میں رہ کر نرم خو، مہذب اور نرم دل بن جانے والے پشتینی جاگیرداروں نے بھی اپنی جائداد اور زمینوں کی دیکھ بھال کے لئے، اپنی اولادوں میں سے ایک آدھ کو نئی روشنی سے دور رکھ کر خوں خوار، وحشی اور درندہ بنانے کی رسم اپنالی ہے۔ ان کا اصل وارث وہی ہوتا ہے جو دھونس، جبر اور دھاندلی سے اپنی بات منوا سکے۔ ایسے ڈراؤنے ماحول میں کون کسی سے بغاوت کرنے کی جرات کرسکتا ہے؟ جو سر اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، اسے دوسرے ہی دن منوں مٹی کے نیچے دبادیا جاتا ہے۔"

"میرے لئے یہ ساری باتیں ناقابلِ یقین اور حیران کن ہیں، سائیں!" میں نے کہا "تم ایس ٹی ایف میں آگئے ہو، تم اپنے علاقے کی بہبود کے لئے بہت کچھ کرسکتے ہو۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے، سائیں!" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "مشکل یہی ہے کہ میں چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرسکتا۔ گاؤں میں میرے ماں باپ کے ساتھ میری دو جوان بہنیں اور تین چھوٹے بھائی رہتے ہیں۔ سرکاری نظام کچھ ایسا ہے کہ میری شکایت پر کوئی کارروائی ہونے سے پہلے میرے وڈیرہ کو اس کی خبر مل جائے گی۔ وہ میرے گھربار کو تباہ کردے گا، میری بہنوں کو اٹھا کرلے جائے گا اور جب کارروائی ہوگی تو وہاں لٹی ہوئی عزتوں پر ماتم کرنے کے سوا کچھ باقی نہیں رہ جائے گا۔ میں خود کو ایسے کسی بھیانک امتحان میں ڈالنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔"

"تمہاری بے بسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ قانون بھی ان ہتھکنڈوں کے سامنے بے بس ہے" مجھ سے پہلے سلطان شاہ نے رحیم بخش کے خیالات پر اپنی رائے کا اظہار کرڈالا۔

"قانون!" رحیم بخش کی استہزائیہ آواز ابھری "کاش ہماری دھرتی پر بھی کوئی قانون ہوتا۔ قانون وڈیرہ ہے اور اس کی بکی ہوئی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون ہے۔ جس دن سندھ کے وڈیروں کو لگام لگادی گئی، اسی دن سے سندھ میں امن وامان بحال ہونا شروع ہوجائے گا لیکن موجودہ حالات میں ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔ ہمارا وڈیرہ خود یا اپنے زر خریدوں کے ذریعے اسمبلی سے تھانے تک، ہر جگہ موجود ہے۔ ہر معاملے میں اُس کا سکّہ چلتا ہے۔ جب تک سندھ کے اس سومناتھ کو نہیں توڑا جائے گا کوئی انقلاب رُونما نہیں ہوسکے گا۔"

"تم نے دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھا ہے" میں نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا "یہ خوشی کی بات ہے کہ تم اپنے لئے باعزت روزگار حاصل کرنے کے باوجود اپنے بھائیوں کے دکھ درد نہیں بھولے ہو۔"

"سائیں، یہ ہم سب کی دھرتی ہے۔ اپنی دھرتی سے جان بوجھ کر دغا کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ جس دن سب کو عزت کی روٹی ملنی شروع ہوگئی، سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

میں نے اس کی پیٹھ تھپکی اور سلطان شاہ کے ساتھ شمال مشرقی سمت میں چل دیا۔

چٹانوں کے عقب میں جگہ جگہ خاردار جھاڑیاں اور خودرو پودے اُگے ہوئے تھے جن سے بچ کر ہم آگے بڑھتے رہے۔ تھوڑے فاصلے پر ٹرک اور مزدور وغیرہ جمع تھے لیکن چٹانوں کا بے ترتیب پھیلاؤ ہمارے اور ان کے درمیان آڑ بنا ہوا تھا۔

ابھی ہم تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ زمین پر کسی کے بھاگتے ہوئے قدموں کی دھمک نے ہمیں چوکنا کردیا۔ اندھیرے میں دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور ہم تیزی کے ساتھ ایک قریبی چٹان میں دبک گئے۔

وہ آہٹیں تیزی کے ساتھ قریب آتی جارہی تھیں۔ آنے والا جو کوئی بھی تھا، ہماری طرف ہی آرہا تھا۔

جوں ہی وہ بھاگتا ہوا سایہ ہمارے قریب سے گزرا، میں نے پہلی ہی نظر میں اسے پہچان لیا۔ وہ ویرا تھی جو شاید ننگے پیر دوڑ لگارہی تھی۔

میں نے اضطراری طور پر اُس کا نام پکارا، وہ بھاگتے بھاگتے یکلخت رک گئی، ایک جھٹکے کے ساتھ ہماری طرف گھومی اور میرے حلق سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہوگیا۔

"مجھے پورا یقین تھا کہ چٹانوں کے پیچھے کچھ نہ کچھ ہورہا ہے" اس نے چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان، رک رک کر کہا اور بغل میں دبے ہوئے سینڈل زمین پر ڈال کر پہننے لگی۔

"تم اس طرح سر پر پیر رکھ کیوں بھاگ رہی تھیں؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"قاسم ساحلی چٹانوں میں بیٹھ کر شیمپین پی رہا تھا اور میں اس کے ساتھ تھی۔ وہ شروع ہی سے ندیدے پن کے ساتھ خوشامد میں لگا ہوا تھا" اس نے ہم دونوں کے ساتھ ٹھکانے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "میں بالکل غیر مسلح ہوں۔ حرامزادے ہیری نے مجھے ایک خونخوار محافظ کی نگرانی میں بھیجا تھا۔ اس لئے میں نے قاسم کو لفٹ دینی شروع کردی۔ میرے محافظ سے اجازت لے کر مجھے چٹانوں میں لے گیا۔ کی بوتل کھولتے ہی اس نے میرے بارے میں گھٹیا قسم کی شروع کردی جو میں، کسی مناسب موقع کی تلاش میں برداشت رہی۔ دوسری بوتل کی باری آنے پر جب وہ ہاتھا پائی کی طرف ہونے لگا تو میں نے خالی بوتل سے اس کی کنپٹی پر ایک لگائی اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر وہیں ڈھیر ہوگیا اور میں بھاگ نکلی۔"

"تو کیا قاسم کی جامہ تلاشی میں بھی تمہیں کوئی ہتھیار سکا؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ غیر مسلح تھا۔ مجھے اس کو ہاتھ لگاتے ہوئے بھی تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس جیسا بردبار نظر آدمی اتنا گھٹیا عاشق بننے کی کوشش کرے گا۔ میرا خیال گھر سے ہی مجھ پر ڈورے ڈالنے کا ارادہ کرکے آیا تھا۔ اس گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہاں کوئی گڑبڑ ہوسکتی ہے۔ دوسرے لوگ بھی بالکل بے خوف اور مطمئن نظر آرہے ہیں۔"



"ساری تیاریاں بہت خفیہ رکھی گئی ہیں" میں نے کہا "سر پر ناگہانی افتاد نازل ہونے تک، اُن کو خطرہ کی بھنک تک نہیں مل سکے گی۔"

"مجھے کچھ تو بتاؤ کہ کیا تیاریاں ہیں؟ تم دونوں کے علاوہ یہاں اور کون لوگ ہیں۔"

"پورا علاقہ مسلح افراد کے نرغے میں ہے" میں نے مختصراً کہا۔ "وہ لوگ اپنے کام میں ماہر ہیں۔ ہم دونوں تو صرف تمہاری فکر میں آئے تھے اور غنیمت ہے کہ تم تصادم کا آغاز ہونے سے پہلے ہی ان کے چنگل سے نکل آنے میں کامیاب ہوگئیں۔ اب یہاں جو کچھ ہونے والا ہے اس سے میں خود بھی لاعلم ہوں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ آج خبیث اور بدمعاش ہیری کیسنجر کے سارے خواب خاک میں مل جائیں گے۔"

ویرا ذہنی اذیت اور تناؤ کے ماحول سے فرار ہوکر ہم تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ وہ کتنے ہی مضبوط اعصاب کی مالک سہی لیکن میں جانتا تھا کہ اندر سے وہ ایک بے دھڑک مگر نرم ونازک سی عورت تھی جو قاسم بھائی جیسے گھاگ شکاری کے پھیلائے ہوئے جال کے پھندے کتر کر فرار ہوئی تھی اور اسے اپنے ہوش وحواس معمول پر لانے کے لئے ایک معقول مہلت کی ضرورت تھی اس لئے اُس سے کوئی پُر پیچ سوال کئے بغیر ہم تینوں ہلکی پھلکی باتیں کرتے ہوئے اول خان کی لینڈ کروزر جیپ تک پہنچ گئے۔

وہاں رحیم بخش اپنی جگہ مستعد تھا۔ اس نے ہم دونوں کے ساتھ ایک سفید فام عورت کی موجودگی کو شدید حیرت اور بے اعتباری کے عالم میں قبول کیا تھا۔ ہم لوگ اس وقت بحیرۂ عرب کے جھاگ اڑاتے ہوئے، غضب ناک پانیوں کے کنارے پر موجود تھے جہاں سرکش سمندری لہریں کسی جل پری کو تو ساحل پر پٹخ سکتی تھیں لیکن ان سفاک اور بے رحم موجوں سے کسی اجلی اجلی، سفید فام حسینہ کا برآمد ہونا قرینِ قیاس نہیں تھا۔

"سلام میم صاب!" رحیم بخش نے ویرا کو دیکھتے ہی ادب و احترام سے کہا پھر اچانک ہی مجھ سے مخاطب ہوگیا "سائیں! یہ بیگم صاب کون ہے؟ اس کو کدھر سے لائے ہو؟"

"یہ ہماری دوست ہے، رحیم بخش!" میں نے نرمی سے کہا۔ "اور دشمن کی قید سے فرار ہوکر آئی ہے۔"

"سائیں! تم اسے اوپر لے جاؤگے یا ادھر جیپ میں ہی آرام کروگے؟" رحیم بخش نے عجیب اور متجسّسانہ لہجے میں سوال کیا۔

اول خان اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کی بنا پر ویرا کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا لیکن ویرا اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ اسپیشل ٹاسک فورس عام لوگوں کے لئے شجرِ ممنوعہ تھی۔ اول خان کی ذاتی مہربانیوں کی وجہ سے میں اس پُر اسرار تنظیم کے بارے میں بہت کچھ جان چکا تھا لیکن ویرا کو ان رازوں میں اپنا شریک نہیں بنانا چاہتا تھا اس لئے میں نے فی الفور ویرا کو اوپر لے جانے کا ارادہ ترک کردیا۔

"بیگم صاحب تھکی ہوئی آئی ہے۔ چٹان خراب اور خطرناک ہے اس لئے ہم تینوں یہیں جیپ میں آرام کریں گے" میں نے رحیم بخش کو آگاہ کیا۔

"تو سائیں، تم جیپ کی دیکھ بھال کرو، میں اوپر جاتا ہوں" اس نے تقریباً گڑگڑاتے ہوئے کہا "میں سر کو تمہارا پیغام بھی پہنچادوں گا اور دشمن کی خبر بھی لے لوں گا۔"

میں نے مسکراتے ہوئے، اسے اوپر جانے کی اجازت دے دی اور وہ تیزی کے ساتھ چٹان کی طرف ہولیا۔

جیپ مقفل نہیں کی گئی تھی۔ چابی بھی اِگنشن سوئچ میں لگی ہوئی تھی۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر قبضہ کرلیا۔ ویرا میرے برابر والی نشست پر آگئی اور سلطان شاہ کو عقبی نشست پر براجمان ہونا پڑا۔

"یہ گاڑی کس کی ہے؟" ویرا نے دروازہ کھلنے کے ساتھ روشن ہونے والی کیبنٹ لائٹ کی روشنی میں جیپ کے اندرونی حصے کا جائزہ لینے کے بعد سوال کیا۔

"میرے ایک ہم درد کی گاڑی ہے، آج کے کھیل کا ہیرو وہی ہے" میں نے کہا۔

شاید ویرا میرے جواب کے ابہام سے الجھ کر کچھ اور پوچھتی لیکن اسی لمحے سلطان شاہ کی زبان میں خارش ہوئی اور وہ بول پڑا۔ "قاسم کی گھٹیا شاعری کے دو چار شعر تو سناؤ!"

"مسز لیزلی فِل ہام کے روپ میں، مَیں خود کو اردو سے بالکل نابلد ظاہر کررہی تھی اس لئے اُس بے چارے کو اپنی ہر بات کا انگریزی میں ترجمہ کرنے میں شدید دقّت کا سامنا کرنا پڑرہا تھا۔ اس کی شاعری میں میرے رنگ، روپ اور جسمانی اعضا کی مبالغہ آمیز تعریف کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔"

"تنہائی میں کھلے گریبان والے بلاؤز اور گھٹنوں سے اونچے اسکرٹ میں ملبوس ایک سفید فام دوشیزہ کو سامنے دیکھ کر وہ بے چارہ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا تھا۔ محبوبہ تو بہت بڑی چیز ہوتی ہے محبوب کو سامنے دیکھ کر میؔر اور غالبؔ بھی اپنی چوکڑیاں بھول کر، لب ورخسار کی بھول بھلیوں میں گم ہوجایا کرتے تھے۔"

"یہ میؔر اور غالبؔ کون تھے؟" ویرا نے اس کی خرافات پر دھیان دیئے بغیر پوچھا۔

"کمال ہے کہ اتنی اچھی اردو جاننے کے باوجود تم میؔر اور غالبؔ سے ناواقف ہو۔ ارے بابا، انہیں تو اردو کے والدین میں شمار کیا جاتا ہے۔ اردو شاعری ان ہی کی گودوں میں پروان چڑھی ہے۔"

وہ دونوں حسبِ معمول آپس میں الجھ رہے تھے اور میرا ذہن گھوڑا کریک کی مجموعی صورتِ حال کا تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔ وہاں خشکی پر، اول خان کے جوان اندھیرے میں اپنی کمین

گاہوں میں چھپے ہوئے تھے اور موقع ملنے پر آناً فاناً میں دشمن کو نیست و نابود کرسکتے تھے' الحدید اور اس کے عملے پر بحریہ کے جوان قابض تھے' سمندر کی طرف سے بحریہ کی جنگی کشتیوں نے ناکہ بندی کرکے فرار کی راہیں مسدود کی ہوئی تھیں اور گھوڑا کریک آنے والی سڑک کے اطراف میں ایس ٹی ایف کے ستر مسلح جوان ٹیلوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں اپنے مورچے جمائے بیٹھے تھے۔ ہر اعتبار سے صورتِ حال کنٹرول میں نظر آرہی تھی لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ مزدوروں اور خلاصیوں وغیرہ کی بھاری نفری کو خون ریزی کے بغیر کس طرح پکڑا جاسکے گا۔ اگر وہاں تصادم کی کوئی بھی صورت رُونما ہوتی تو بہت سے بے گناہوں کا مرنا اور زخمی ہونا' ناگزیر نظر آرہا تھا۔

"یہ بتاؤ' تم گرینڈ ہوٹل چھوڑ کر ہیری کیسنجر کے کاؤنسلیٹ کیوں چل دی تھیں؟" سلطان شاہ کے اس بامعنی سوال نے مجھے ان دونوں کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کردیا۔

"اس خبیث نے کسی اہم معاملے پر تبادلۂ خیال کے لئے مجھے بلایا تھا اور میں اس کا فون سنتے ہی نیک نیتی کے ساتھ اس کے دفتر کی طرف روانہ ہوگئی...."

"لیکن وہ تمہیں اپنے رُوبرو دیکھتے ہی بدنیتی پر تُل گیا" سلطان شاہ نے ٹکڑا لگایا۔

"سنتا ہے تو شرافت سے پوری بات سنو ورنہ میں تمہارا مُنہ توڑ دوں گی" ویرا غرّائی۔

"میرا کوئی غلط مطلب نہیں تھا" سلطان شاہ نے مدافعانہ انداز میں کہا "پتا نہیں تم میری باتوں پر اتنی جلدی مشتعل کیوں ہوجاتی ہو؟"

"ٹھیک ہے' ویرا! اب یہ تمہیں نہیں ٹوکے گا" میں نے اسے یقین دہانی کرائی۔

"اس نے بہت عزت اور احترام کے ساتھ اپنے دفتر میں میرا استقبال کیا" ویرا بتانے لگی "باتوں باتوں میں اس نے مجھے جتانا چاہا کہ شہر میں مَیں غیر محفوظ تھی۔ مجھے اپنے نامعلوم دشمنوں کی طرف سے ہلاک بھی کیا جاسکتا تھا اس لئے چند دنوں کے لئے مجھے کاؤنسلیٹ میں پناہ حاصل کرلینی چاہئے تھی۔ لانچ کی بحفاظت آمد کے بعد' جب سارے خطرات ٹل جاتے تو میں اپنی مرضی سے کہیں بھی جاسکتی تھی۔ میں اُس کا اصل مقصد بھانپ گئی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں کوئی عام اور نرم و نازک لڑکی نہیں ہوں۔ میں دشمنوں کے حصار میں بھی زندہ رہنے کے فن سے خوب واقف ہوں اس لئے اُسے میری سلامتی کے بارے میں فکرمند نہیں ہونا چاہئے۔ اس پر اُس مردود نے مجھ سے مزید کچھ کہے سنے بغیر سیٹلائٹ فون پر جمی لائیڈ کا نمبر ملایا۔ اسپیکر فون ... استعمال ہونے کی وجہ سے میں دونوں طرف سے کی جانے والی گفتگو سن رہی تھی اور ضرورت پیش آنے پر اس میں شریک بھی ہوسکتی تھی۔ ہیری کیسنجر نے جو کچھ مجھ سے کہا تھا' وہی سب اس نے جمی لائیڈ سے دہرادیا اور اسے میرے خیالات سے آگاہ کرتے ہوئے' ان خطرات اور متنازعہ حالات میں اس کی رائے طلب کی اور اس نے میری طرف سے ہیری کیسنجر کو سارے اختیارات سونپ دیئے۔ اس کا کہنا تھا کہ میں ناسمجھ اور لاابالی لڑکی ہوں اس لئے ہیری کو میری بہتری کے لئے ہر وہ قدم اٹھانا چاہئے' جو وہ ضروری سمجھتا ہو۔ میں نے اپنے باپ سے شدید احتجاج کیا۔ اُس سے یہ بھی کہا کہ ہیری بہانے سے مجھے یرغمالی بنانا چاہ رہا ہے لیکن جمی لائیڈ نے سردمہری کے ساتھ میری ہر دلیل کو مسترد کرکے مجھے ہیری کی ہدایات پر عمل کرنے کا حکم دے دیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہیری بہت مکار اور گھاگ دشمن ہے۔" میں نے پُرخیال آواز میں کہا "اپنی من مانی کرتے ہوئے بھی اس نے تم سے تصادم مول نہیں لیا بلکہ آخر تک تمہارا خیرخواہ ہی بنا رہا۔"

"اس کے بعد بھی میرے اور ہیری کے درمیان خاصی بحث ہوئی۔ میں نے تلخ لہجے میں بدکلامی کرکے اسے مشتعل کرنے کی کوششیں بھی کیں لیکن وہ تحمل اور خوش مزاجی کے ساتھ اپنی بات پر اڑا رہا کہ میری شہر واپسی کو وہ میری سلامتی کے خلاف سمجھتا ہے اور اگر میں نے اس کا مشورہ قبول نہ کیا تو گہرے دلی افسوس اور صدمہ کے ساتھ وہ مجھے بزور محبوس کرلے گا۔ اس دھمکی کے بعد میں نے ہتھیار ڈال دیئے اور مجھے فوری طور پر کاؤنسلیٹ کے ایک ایسے رہائشی حصے میں پہنچا دیا گیا جہاں دو کمروں اور ملحقہ باتھ روم کے ساتھ آسائش کی ہر سہولت موجود تھی۔ وہاں ایک ملازم بھی تھا جو کمروں کی صفائی ستھرائی کے ساتھ باورچی کا کام بھی کرتا تھا۔ وہاں سب کچھ تھا لیکن فون میسر نہیں تھا۔ اپنے بستر کے سرہانے پڑے ہوئے انسٹرومنٹ کو میں نے آزمایا تو وہ انٹرکام ثابت ہوا اور میں نے اسے دیوار پر دے مارا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہیری' آرنیٹ سے زیادہ چالاک اور خطرناک ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا "ہوسکتا ہے کہ اسے بھی سیدھا کرنے کی ضرورت پڑجائے۔"

"تمہاری اطلاع کے لئے یہ بھی بتادوں کہ بگڑے ہوئے زخموں سے بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے آرنیٹ کئی دن کی اذیت ناک کشمکش کے بعد جہنم واصل ہوگیا۔ کاؤنسلیٹ میں مجھے ایک معزز مہمان کی طرح تمام سہولتیں فراہم کی جاتی تھیں۔ ریڈیو' ڈیک' ٹی وی اور وی سی آر کے علاوہ کئی ملکی اور غیر ملکی اخبارات بھی دیئے جاتے تھے۔ بس بیرونی دنیا سے رابطے پر پابندی عائد تھی۔"

"گرینڈ ہوٹل سے اپنا سامان تم ہی نے منگوایا تھا یا وہ ہیری کی جعل سازی تھی؟"

"اُس کے عزائم اور پوزیشن کا بھرپور ادراک ہوجانے کے بعد مجھے حالات سے سمجھوتا کرنا پڑگیا۔ سامان میری رضامندی سے منگوایا گیا تھا۔"

"اس نے تمہیں اپنے چنگل میں جکڑلیا لیکن یہ بھول گیا کہ تمہارے ہمدردوں میں سے کوئی قاسم بھائی کے کردار سے بھی واقف ہوسکتا ہے۔ میں نے اُس سے نہ صرف لانچ کا پروگرام اگلوالیا بلکہ پورے دس لاکھ روپے بھی وصول کرلئے۔ تم چاہو تو اس رقم میں سے اپنا حصہ لے سکتی ہو۔"

"رقم کے بارے میں مجھے سنجیدگی سے سوچنا ہوگا" وہ بولی "تم نے شی کا شیرازہ بکھیر کر میری ذاتی آمدنی کے ذرائع بھی مسدود کردیئے ہیں۔ تم نے حصہ نہیں دیا تو شی کے چارٹر کے مطابق مجھے اپنی ضروریات کے لئے ہیری کے کاؤنسلیٹ سے رجوع کرنا پڑے گا۔ وہ لوگ طے شدہ طریقۂ کار کے مطابق' دنیا کے ہر خطے میں شی کی تمام تر ہنگامی مالی ضروریات پوری کرنے کے پابند ہیں۔"

"آج تمہیں باہر آنے کی اجازت کیسے مل گئی؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"ہیری کو پورا یقین ہے کہ لانچ سے سارے ہتھیار وغیرہ بحفاظت گوداموں میں منتقل کردیئے جائیں گے۔ اس نے اپنی دانست میں مکمل فول پروف انتظام کیا ہے۔ اس مشن کی ناکامی اس کے اعصاب کو ہلاکر رکھ دے گی۔ کامیابی کا سو فیصد یقین ہونے کے باوجود وہ خود ادھر نہیں آیا۔ اُس نے اپنی جگہ مجھے بھیجا ہے تاکہ آخری لمحات پر پیدا ہونے والے کسی بھی مسئلے کو آن دی سپاٹ حل کرسکوں لیکن آج بھی اُس نے مجھ پر مکمل اعتماد نہیں کیا بلکہ سویلین نمبر پلیٹ والی ایک کار میں کاؤنسلیٹ کے ایک مسلح محافظ کو میرے ساتھ بھیجا ہے تاکہ میں اصل مشن سے انحراف کرکے کسی غیر متعلقہ فرد سے رابطہ نہ کرسکوں۔"

اس کے انکشاف پر میں چونک پڑا "اگر تمہارا مسلح ساتھی کاؤنسلیٹ کا تنخواہ دار ملازم ہے تو اس کا زندہ یا مردہ پکڑا جانا بہت ضروری ہے۔"

ویرا فوراً ہی میرا مقصد سمجھ گئی اور بولی "میرا خیال ہے کہ وہ کار بھی کاؤنسلیٹ ہی کی ہے۔"

اسی وقت مجھے چٹان سے ایک انسانی ہیولا سنبھل سنبھل کر نیچے اترتا ہوا نظر آیا اور ہم تینوں اپنی گفتگو بھول کر اُس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

اس کے قریب آنے پر پتا چلا کہ وہ ہمیں شہر سے وہاں تک لانے والا ڈرائیور تھا۔ اس وقت اُس کے شانے سے ایک سب مشین گن جھول رہی تھی جس میں بڑا میگزین چڑھا ہوا تھا۔

"سر! آپ سے علیحدگی میں کچھ بات کرنی ہے" اس نے براہِ راست ڈرائیونگ سیٹ کی کھڑکی پر آکر' دھیمے لہجے میں مجھ سے کہا۔ میرے لئے اُس کی آمد بہت اہم تھی اس لئے میں فوراً ہی دروازہ کھول کر نیچے آگیا۔

"سر نے آپ کو اوپر بلایا ہے" جیپ سے چند قدم دور ہٹ آنے کے بعد اُس نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "وہ آپ سے تخلیئے میں کچھ بات کرنی چاہتے ہیں۔"

میں فوراً ہی اُس کے ساتھ چٹان کی طرف ہولیا کیونکہ اس

مرحلے پر میں خود اُس سے بات کرنے کے لئے بے چین تھا۔ ویرا کی واپسی کے بعد صورتِ حال اچانک ہی بالکل مختلف ہوگئی تھی۔

ویرا اور سلطان شاہ نے میری اچانک روانگی پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ڈرائیور میرے ساتھ اوپر جانے کے بجائے' چٹان کے دامن میں ایک پتھر پر بیٹھ گیا تھا۔

میں اوپر پہنچا تو اول خان سرے پر ہی میرا منتظر تھا۔

"سنا ہے کہ ویرا اس بھیڑ سے الگ ہو کر تم سے آملی ہے؟" اس نے چھوٹتے ہی مجھ سے سوال کیا۔

"تم نے ٹھیک سنا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب کیا پوزیشن ہے؟" میں نے کہا۔

"لانچ لنگر انداز ہو چکی ہے۔ پیٹیاں اتاری جارہی ہیں۔ ایک نظر تم خود دیکھ لو۔"

میں فوراً دوربین کی طرف بڑھا' وہاں جمے ہوئے شخص کو ہٹایا اور طاقتور عدسوں کے ذریعے نیچے' گھاٹ کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا۔

وہ کوئی دقیانوسی وضع کی لانچ نہیں تھی۔ اس پر سامان کی تیز رفتار لوڈنگ اور اَن لوڈنگ کے لئے اوورہیڈ کرین نصب تھی جو بجلی کی قوت سے بڑے بڑے چوبی کریٹ' نیچے کھڑے ہوئے ٹرکوں پر منتقل کررہی تھی۔ اس کرین کے اوورہیڈ برج میں لگے ہوئے آؤٹ بورڈ اسپڈ باہر کی طرف بڑھے ہوئے تھے جن کی مدد سے لانچ پر لدا ہوا سامان' براہِ راست گودی یا کسی ٹرک پر اتارنا ممکن تھا۔

الحدید کے دیو ہیکل وجود نے اپنے پیچھے واقع ساحل کے وسیع و عریض حصے کو اپنی آڑ میں لے لیا تھا جس کی وجہ سے میں مزدوروں اور ٹرکوں کی مصروفیات کا جائزہ لینے سے قاصر تھا لیکن مجموعی صورتِ حال سے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں تھا کہ سارا کام بہت تیزی کے ساتھ سرانجام دیا جارہا تھا۔

"ہم نے حکمتِ عملی بدل دی ہے۔" میرے فارغ ہونے پر اول خان نے پُرسکون لہجے میں مجھے آگاہ کیا "ہمیں دشمن پر ہر طرف بالا دستی حاصل ہے۔ ابھی ابھی بحریہ کی طرف سے پیغام ملا ہے کہ لانچ پر سے مال اتارنے کا کام الحدید کا مشاق عملہ ہی سر انجام دے رہا ہے لیکن وہ سب پوری طرح کڑی نگرانی میں ہیں۔ یہاں کریک پر کی جانے والی کسی بھی کارروائی میں بہت سے بے گناہ مزدوروں کے ہلاک اور زخمی ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ہم نے اس مرحلے پر دخل انداز ہونے کا ارادہ ترک کردیا ہے۔ ہم الحدید کو اَن لوڈ ہونے دیں گے۔ یہاں سے جو ٹرک ہتھیاروں کی کھیپ لے کر شہر کی طرف روانہ ہوں گے انہیں ایس ون پر مامور ہمارا عملہ گرفتار کرلے گا اور جدید ترین' مہلک ہتھیاروں سے لدے ہوئے سارے ٹرک کڑی نگرانی میں ملیر چھاؤنی پہنچا دیئے جائیں گے۔ اس نظرِ ثانی شدہ منصوبہ کے مطابق ہم کسی کی نکسیر بہائے بغیر دشمن کی سازش کو ناکام بنا دیں گے۔ اب ہمیں یہاں انتظار اور صرف انتظار کے علاوہ کچھ بھی نہیں کرنا ہے۔"

"تو کیا تم نے یہی بتانے کے لئے مجھے اوپر بلایا تھا؟" میں نے اُس سے سوال کیا۔

"ہاں!" اس نے کہا "دراصل میں ویرا کے سامنے نہیں آنا چاہتا تھا۔ ملکی سلامتی کے انتظامات میں میرا اپنا مقام ہے۔ تم میرے دوست ہو اور آج ویرا تمہاری حلیف ہے۔ لیکن کل کلاں کو وہ تمہاری حریف بھی بن سکتی ہے۔ اس نازک مرحلے پر میں اس کی نظروں میں آگیا تو آگے چل کر یہ لغزش میرے لئے مہلک بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ تمہیں یہاں بلانے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ میں تمہیں بتا دوں کہ اب یہاں کوئی گولی نہیں چلے گی۔ صورتِ حال پوری طرح ہمارے قابو میں ہے۔ ہم صرف انتظار کریں گے۔ اور مناسب وقت آنے پر ان غداروں کو چھاپ لیں گے۔ ایسے حالات میں تمہارا یہاں رکنا بے سود ہوگا۔ اگر ویرا ان درندوں کی قید سے آزاد ہو کر تمہارے پاس آگئی ہے تو تمہیں شہر کی طرف روانہ ہوجانا چاہئے۔"

"لیکن ایس ون پر تمہارے گوریلوں سے گلوخلاصی کی کیا صورت ہوگی؟"

"تمہیں جیپ میں وہی ڈرائیور لے جائے گا جو تمہیں یہاں تک لایا ہے۔ ان لوگوں سے وہ خود ہی نمٹ لے گا۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں ویرا کو لے کر یہاں سے نکل جانا چاہئے۔"

"تمہارا مشورہ بہت مناسب ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ ویرا کو یہاں لانے والی کار' غالباً ہیری کیسنجر کے کاؤنسلیٹ کی ملکیت ہے اور ویرا کا نگراں وہاں کا تنخواہ دار محافظ ہے۔ ان دونوں پر قابض ہو کر تم کاؤنسلیٹ والوں کے لئے کئی دشواریاں پیدا کرسکتے ہو جن کی جواب دہی میں انہیں دانتوں پسینہ آجائے گا۔"

"تم مطمئن رہو۔" وہ پُراعتماد انداز میں بولا "آج جو کوئی بھی گھوڑا کریک میں آگیا ہے وہ جان دار ہو یا بے جان' اپنی مرضی سے واپس نہیں جاسکے گا۔"

نیچے لانچ کے عقب میں بہت تیز رفتاری کے ساتھ کام جاری تھا میں اس منظر پر الوداعی نظریں ڈالتا ہوا' اول خان سے رخصت ہوگیا۔

اول خان نے اپنے ڈرائیور کو شاید پہلے ہی روانگی کے پروگرام سے آگاہ کردیا تھا کیونکہ وہ مجھے واپس آتا ہوا دیکھ کر جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ چکا تھا۔

میں سلطان شاہ کے ساتھ جیپ کی عقبی نشست پر سوار ہوگیا۔ ویرا بدستور آگے ہی بیٹھی رہی اور جیپ سبک رفتاری کے ساتھ حرکت میں آگئی۔

کچے اور ناہموار راستے پر اچھلتی کودتی ہوئی جیپ سڑک پر آئی تو ایک مقام پر اچانک ہی ایک شخص نے ٹارچ کی سرخ روشنی کا اشارہ دیا۔ وہ روشنی لمحہ بھر میں ہی معدوم ہوگئی لیکن اس دوران میں' میں یہ دیکھ چکا تھا کہ تقریباً اسی مقام پر سڑک کے وسط میں عارضی رکاوٹیں کھڑی ہوئی تھیں۔ جن سے بچ کر آگے فرار ہونا



ممکنات میں سے تھا۔ ڈرائیور نے ان رکاوٹوں کے قریب لینڈ روزر روکی تو تاریکی میں سے دو افراد تیز ٹارچیں چمکاتے ہوئے بن کی طرف آئے۔ وہ دونوں ہیڈ کیمپس سے پیچھے تھے۔ پھر ان ہاتھوں میں روشن ٹارچیں بھی دبی ہوئی تھیں اس لئے ہم لوگوں لئے ان کو دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

"اومیگا فور!" ہمارے ڈرائیور نے اونچی آواز میں کہا۔

ہماری طرف بڑھتی ہوئی روشنیاں یک بیک اپنی جگہ پر رک ئیں۔ سڑک کی دوسری سمت سے ایک سادہ پوش شخص نمودار ا اور اس نے رکاوٹ ہٹا کر جیپ کے گزرنے کے لئے راستہ بنا یا۔ اسی شخص کے اشارے پر ہماری جیپ سڑک پر تیرتی ہوئی گے بڑھ گئی۔

اول خان کا ڈرائیور ہم سب کے لئے اجنبی تھا اس لئے سفر موشی کے ساتھ جاری رہا۔

گڈانی موڑ سے آگے نکلتے ہی ویرا یک بیک بہت زیادہ ظرب نظر آنے لگی۔ اس نے کئی بار پیچھے مڑ کر ہم سے مخاطب نے کا ارادہ کیا مگر پھر کچھ سوچ کر اُس نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے اس کی بے چینی محسوس کرتے ئے کہا "تم کچھ کہنا چاہ رہی ہو یا گاڑی رکوانے کی ضرورت سوس کررہی ہو؟"

"ہیری اپنے مانیٹرنگ یونٹ پر اس وقت بھی میری ٹریکنگ کر ہا ہوگا۔" اس نے مڑ کر کہا۔

"اوہ!" میں نے اضطراری طور پر ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "تو چپ اس وقت بھی تمہاری ہی تحویل میں ہے!"

"وہ شروع ہی سے میرے پاس رہا ہے۔ ہیری نے اس کے ے میں مجھ سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ چپ بھی تک میرے جسم میں پوشیدہ ہے۔"

"کیوں نہ اسے یہیں کہیں پھینک دیا جائے۔ یہ بھی ہمارے لئے بلاوجہ کا ایک روگ بن گیا ہے۔" سلطان شاہ نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں!" میں نے اس کا مشورہ مسترد کردیا "چپ کے ذریعے ہم انہیں غلط راہ پر ڈال سکتے ہیں۔ اس کا ہماری تحویل میں رہنا بہت ضروری ہے۔ جس دن چپ کا معاملہ ختم ہوگیا اسی دن سے کچھ آدمی ویرا کے پیچھے لگا دیئے جائیں گے اور اس کی مشکلات ناقابلِ یقین حد تک بڑھ جائیں گی۔"

"میں نے بھی یہی سوچ کر اسے اب تک سنبھالے رکھا ہے۔" ویرا بولی۔

"وہ ہے کہاں؟"

"ایک ڈوری کے ذریعے میں نے لباس کے نیچے' اپنی کمر سے باندھا ہوا ہے۔"

"اسے اپنی کمر سے کھول لو۔ شہر پہنچنے کے بعد اس کا بھی کوئی نہ کوئی بندوبست کرلیں گے۔"

جیپ کچے میں اتار کر روک لی گئی۔ ہم دونوں ڈرائیور کے ساتھ جیپ سے اتر کر ٹہلتے ہوئے آگے نکل گئے۔ چند ثانیوں کے بعد ویرا نے ہمیں آواز دے کر واپس بلایا تو پتلی سی نائیلون کی ڈوری سے بندھی ہوئی تھیلی میں محفوظ کیا ہوا چپ اُس کے ہاتھ میں موجود تھا۔

پہلے میرا ارادہ براہِ راست گھر واپسی کا تھا لیکن چپ سے چھٹکارا حاصل کئے بغیر ادھر کا رخ کرنا خطرناک ہوسکتا تھا اُس لئے میں نے پٹھان کالونی کا رخ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

ویرا کے جسم سے نکالے جانے کے بعد وہ چپ سلطان شاہ کے ایک دوست کے ذریعے پہلے پٹھان کالونی اور پھر لانڈھی کی سیر کرچکا تھا۔ اُس وقت آرنیٹ اس مشن پر کام کررہا تھا۔ اپنے مانیٹرنگ یونٹ کی رپورٹ پر اس نے یہ سمجھا کہ ویرا خوف زدہ ہو کر شہر کی ان گنجان بستیوں میں چھپتی پھر رہی تھی۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد ہی اُس نے کرائے کے غنڈوں سے ان علاقوں میں اندھا دھند فائرنگ کروا کے دہشت پھیلانے کی کوشش کی تھی۔ اب اگر چپ دوبارہ اسی علاقے میں پہنچ جاتا تو ہیری یہ سمجھنے پر مجبور ہوجاتا کہ پٹھان کالونی میں ویرا کا کوئی سچا ہمدرد رہتا ہے۔ جب ہی وہ ہر برے وقت میں وہاں پہنچ جاتی ہے۔

پٹھان کالونی شہر کا گنجان آباد اور بہت حسّاس علاقہ تھا لیکن وہاں سلطان شاہ کے کئی جاننے والے رہتے تھے۔ اتنی رات گئے ہمارا اس بستی میں داخل ہونا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا لیکن سلطان شاہ بے خوف و خطر اس علاقے کی تنگ گلیوں میں گھس سکتا تھا۔ چپ اپنے کسی دوست کی تحویل میں دینے کے بعد سلطان شاہ ہمارے ساتھ فلیٹ چل سکتا تھا۔

اس طرح ہیری کیسنجر کی ساری توجہ پٹھان کالونی کے علاقے پر مرکوز ہوجاتی اور ہم سکون کے ساتھ' آنے والے دنوں کے لئے منصوبہ بندی کرسکتے تھے۔

الحدید' اس کے عملے اور اس پر لائے جانے والے غیر قانونی ہتھیاروں کا عبرتناک انجام ہیری کیسنجر کو پاگل کردینے کے لئے کافی تھا اپنے بے داغ منصوبے کی تباہی کے بعد اُس کے سامنے صرف ویرا کی ذات رہ جاتی تھی جو اس تباہی کے جملہ اسباب پر روشنی ڈال سکتی تھی۔

○☆○

ہم لوگ گھوڑا کریک سے رات کے دو بجے کے قریب واپس روانہ ہوئے تھے۔ کام کتنی بھی تیزی کے ساتھ کیا جاتا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ اجالا پھیلنے سے قبل سیکڑوں ٹن وزنی ہتھیاروں کے چوبی کریٹ الحدید سے نہیں اتارے جاسکیں گے۔ وہ آپریشن بھی خفیہ رکھا گیا تھا اس لئے صبح کے اخبارات میں' اس بارے میں کسی خبر کا آنا ممکن نہیں تھا۔ جب تک سارے ٹرک اور قیدی بحریہ کے جوانوں کی نگرانی میں' ملیر کی چھاؤنی میں نہ پہنچا دیئے جاتے' بحری یا بری فوج کا کوئی افسران کے بارے میں زبان نہیں کھول سکتا تھا۔

ہم لوگ ویرا کا چپ پٹھان کالونی میں چھوڑنے کے بعد، صبح کے چار بجے اپنے بستروں پر دراز ہو سکے تھے۔ میں تو صبح آٹھ بجے ہی بیدار ہو گیا۔ غزالہ مجھ سے پہلے کچن میں گھسی ہوئی تھی۔ البتہ ویرا اور سلطان شاہ گدھے گھوڑے بیچ کر ایسی گہری نیند سوئے ہوئے تھے جیسے وہ پچھلی رات پہاڑ کھودتے رہے ہوں۔

میں نہا دھو کر ناشتے کی میز پر پہنچا تو غزالہ ناشتا تیار کئے، میرا انتظار کر رہی تھی۔ وقت گزاری کے لئے اُس نے اپنی گود میں تازہ اخبار پھیلایا ہوا تھا۔ اس نے فلیٹ کو دوبارہ آباد کرتے ہی دو کام بہت اچھے کئے تھے۔ اس نے فلیٹ کے فون کے ساتھ ہی ایک اسپیکر فون بھی لگالیا تھا جسے آن کر کے، وہاں موجود ہر شخص دونوں طرف سے ہونے والی باتیں سن سکتا تھا۔ دوم یہ کہ علاقے کا ایک ہاکر صبح اور شام کے چیدہ چیدہ اخبارات مقررہ اوقات پر فلیٹ میں ڈالنے لگا تھا۔ اس طرح فلیٹ میں باقاعدگی کے آثار نمودار ہونے شروع ہو گئے تھے۔

"اخبار میں کوئی بھی ایسی خبر نہیں ہے جو تمہاری رات کی غیر حاضری کا کوئی جواز دے سکے۔" غزالہ نے اخبار ایک طرف ڈالتے ہوئے، مسکرا کر کہا "ویرا کی واپسی سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا مشن کامیاب رہا ہوگا۔"

"رات کا قصہ تو بالکل ہی بودا ثابت ہوا۔ یوں سمجھو کہ دشمن کے لئے چوہے دان لگایا گیا اور وہ بڑی فرماں برداری کے ساتھ اس میں دبک کر بیٹھ گیا۔ وہ قصہ شاید ابھی تک نہیں نمٹ سکا ہوگا۔ لانچ کے لنگر انداز ہونے کے بعد ہم لوگ وہاں سے واپس لوٹ آئے۔"

"ویرا اوّل خان سے مل کر خاصی بری طرح چونکی ہوگی؟" اس نے چائے بناتے ہوئے پوچھا۔

"میں اسی کہ وجہ سے لوٹ آیا۔ اول خان خود بھی اس کے سامنے نہیں آیا۔ ویرا ہمارے ساتھ ضرور ہے لیکن اسے اوّل خان اور اس کی فورس کی ہوا بھی نہیں لگنی چاہئے۔"

"پتا نہیں تم اس پر بھروسا کیوں نہیں کرتے۔ اس نے عملاً ثمی کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور تمہارے کیمپ میں آملی ہے۔ اس کے ساتھ یہ امتیازی سلوک کسی وقت دشواریاں کھڑی کردے گا۔"

"تم اسے نہیں جانتیں۔ وہ پرلے درجے کی تلوّن پسند ہے، ہو سکتا ہے کہ کل کلاں کو کسی بات پر بھڑک کر ایک بار پھر ہمارے مقابلے پر آجائے۔ ہم نے اس پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کرنا شروع کر دیا تو بعد میں کسی وقت سر پر ہاتھ رکھ کر رونا ہوگا۔ جو عورت اپنے باپ اور اپنی تنظیم کی وفادار نہیں رہ سکی، وہ ہمارے ساتھ کتنے دن تک دوستی برقرار رکھ سکے گی۔ اُس کے ساتھ ہمیں مصلحت سے کام لینا پڑے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ میرا پیمانہ تم سے خاصا مختلف ہے" غزالہ نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "ویرا ساری زندگی ایک لاابالی لڑکی کے روپ میں نہیں گزار سکتی۔ اسے کہیں نہ کہیں اور کبھی نہ کبھی کوئی سمجھوتا کرنا ہی پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اب سمجھوتے کی منزل پر آگئی ہے۔ اس کے عمل اور ردِّ عمل کا صحیح تجزیہ کر کے اسے اپنی راہ پر لگایا جائے تو میرا خیال ہے کہ وہ بہت جلد ہتھیار ڈال دے گی۔"

"اس پر یہ ریسرچ تم ہی کر سکتی ہو۔ میں ایک من موجی اور آزاد خیال عورت کو اتنا زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔ شاید تمہیں علم نہیں ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آچکا ہے جب ہم ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے ہو گئے تھے۔ وہ اپنے مسلح لشکر کے ساتھ جہانگیر کے گھر پر حملہ آور ہوئی تھی، جہاں میں نے پناہ لی ہوئی تھی اور میری مزاحمت کے نتیجے میں وہ گولیوں سے بری طرح زخمی ہو گئی تھی۔"

"تم نے اپنے رویّے سے اسے مشتعل کیا ہوگا؟" غزالہ چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے بے اعتباری کے ساتھ بولی۔ "ورنہ وہ تو تمہارے لئے اپنے دل میں ہزاروں نرم گوشے رکھتی ہے۔"

"یہی نرم گوشے کبھی کبھی میرے لئے ناقابلِ برداشت ہو جاتے ہیں۔ وہ یک طرفہ طور پر مجھ سے یہ توقع کرنے لگتی ہے کہ میں بس اسی کا غلام ہو کر رہ جاؤں گا۔"

"لیکن میرے آجانے کے بعد اس کے رویّے میں نمایاں تبدیلی آئی ہے۔ وہ تم سے ذہنی قربت کا مظاہرہ ضرور کرتی ہے لیکن اب اسے تم سے بہت زیادہ توقعات نہیں رہی ہیں۔"

"لیکن اس کے بارے میں وثوق سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اس کی اَنا پرستی اسے کسی بھی وقت میرے خلاف اکسا سکتی ہے۔ اس پر جب بھی ایسا کوئی دورہ پڑتا ہے تو وہ میرے قریب تمہارا تو کیا، سلطان شاہ کا وجود بھی برداشت نہیں کرپاتی۔"

"اس سے تو کبھی کبھی میں بھی رقابت محسوس کرنے لگتی ہوں" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "تم دونوں ایک دوسرے کے بہت زیادہ عادی ہو گئے ہو۔ تم نے میرے بغیر تو ایک طویل مدت گزار لی لیکن سلطان شاہ چند روز کے لئے بھی غائب ہو جائے تو تم پریشان ہو جاؤ گے۔"

"یہ سراسر تمہاری الزام تراشی ہے۔" میں نے احتجاج کیا۔ "چند روز پہلے میں اکیلا سندھ کے جنگلات کی خاک چھانتا رہا تھا۔ سادھو بیلہ کے قریب ہونے والے خون ریز مقابلوں کے وقت سلطان شاہ یہاں چین کی بنسری بجا رہا تھا۔ وہ میرا مزاج آشنا ضرور ہے۔ اس سے مجھے ہر کام میں قابلِ ذکر مدد بھی ملتی ہے لیکن تمہارا یہ سوچنا کہ وہ میری کمزوری بن گیا ہے، تمہاری کھلی زیادتی ہے۔"

"کچھ دنوں سے میں دیکھ رہی ہوں کہ ویرا بھی کسی حد تک اسے پسند کرنے لگی ہے۔"

"پھر وہی بات آجاتی ہے کہ ویرا کے مزاج میں ٹھہراؤ نہیں ہے۔ آج وہ سلطان شاہ کو پسند کرنے لگی ہے تو کل اس کی صورت سے بھی نفرت کر سکتی ہے۔ میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ہر شخص کے لئے اس کی پسند اسی وقت تک برقرار رہتی ہے



جب تک وہ اسے اپنے قدموں پر نہیں جھکا لیتی۔ یہ مرحلہ سر کرتے ہی وہ اس شخص کی ذات میں اپنی ساری دلچسپی یک بیک کھو بیٹھتی ہے اور پھر وہ اپنے لئے کوئی نیا چیلنج تلاش کرنے لگتی ہے۔ ان باتوں میں اس کی کسی کوشش یا ارادے کا دخل نہیں ہوتا۔ ایک طرح سے یہ اس کی فطرت بن گئی ہے۔ اسے تو شاید احساس بھی نہیں ہوگا کہ اپنے ملنے جلنے والے مَردوں کے بارے میں وہ کیسے احساسات میں مبتلا رہتی ہے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم خود بھی اس کی ذات میں دلچسپی لیتے رہے ہو اور اسے موضوع بنا کر اس کی ذات کے تمام پہلوؤں پر غور و فکر کرتے رہے ہو۔" وہ ہنس کر بولی۔

"یہ سب سامنے کی بات ہے۔ ان کے لئے کسی غور و فکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آدمی کی قوتِ مشاہدہ ذرا سی بھی مضبوط ہو تو وہ یہ نتائج چلتے پھرتے ہوئے بھی اخذ کر لیتا ہے۔ تم نے نہیں دیکھا ویرا کسی بھی سلسلے میں اپنی پسند یا ناپسند کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتی۔"

"اس سے پیشتر کہ ویرا سلطان شاہ کی ذات میں اپنی دلچسپی کھو دے، تمہیں ان کے مستقبل کے بارے میں سوچنا چاہئے۔ وہ سفید فام ضرور ہے لیکن اردو پر اتنی قدرت رکھتی ہے کہ سلطان شاہ کے ساتھ اس کا گزارہ ہو سکتا ہے۔ شاید اسی طرح ویرا کا لاابالی پن ختم ہو جائے!"

"لیکن تم ویرا کے لئے سلطان شاہ کو قربانی کا بکرا بنانے پر کیوں تلی ہوئی ہو؟"

"تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔ میں ان دونوں کی بہتری سوچ رہی ہوں۔ ویرا نے اپنی ساری زندگی محرومیوں کی آگ میں سلگتے ہوئے گزاری ہے۔ اسے زندگی کی اونچ نیچ کا پورا پورا ادراک ہے۔ دوسری طرف سلطان شاہ نے اپنی زندگی میں بہت کچھ دیکھا اور سہا ہے لیکن پھر بھی اسے مزید تربیت کی ضرورت ہے۔ جس دن ان دونوں کے درمیان کوئی خاص تعلق پیدا ہو گیا تو ویرا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کے اوپر محنت کرنے لگے گی اور سلطان شاہ جیسے ناتراشیدہ پتھر کو کاٹ چھانٹ کر ہیرے میں تبدیل کر دے گی۔"

اس لمحے میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹی پوری شدت سے چیخ پڑی۔

غزالہ خود بھی ایک لڑکی یا عورت ہی تھی اور وہ بھی محرومیوں کے جہنم میں سلگ رہی تھی۔ تابناک اور پُرسکون مستقبل کے لئے اس نے اپنی تمام امیدیں میری ذات سے وابستہ کی ہوئی تھیں لیکن وہ یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ کسی نہ کسی وجہ سے ویرا ابھی میری توجہات کا مرکز بنی رہتی تھی۔

جب تک ویرا آزاد اور خود مختار تھی، وہ کسی کے لئے بھی خطرہ بن سکتی تھی۔ میری اور اس کی ذہنی ہم آہنگی دیکھتے ہوئے غزالہ کو اپنے مستقبل کے لئے خطرے کی علامات محسوس ہونے لگی تھیں۔

وہ ایک ایسا حساس اور نازک موضوع تھا جس پر وہ مجھ سے کھل کر بات نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی مجھے ویرا سے میل جول سے روک سکتی تھی۔ اس گنجلک صورتِ حال کا اسے ایک ہی حل سوجھا تھا کہ ویرا جیسے رنگین، آزاد اور بے قرار پنچھی کو، پر قینچ کر کے کسی کی جھولی میں ڈال دیا جائے۔ جب تک وہ آزاد اور خود مختار تھی، مجھے غزالہ سے دور لے جا سکتی تھی لیکن سلطان شاہ کی بیوی بن جانے کے بعد، نہ صرف اسے محتاط ہو جانا پڑتا بلکہ سلطان شاہ بھی اس کے بے حجابانہ میل جول پر قدغن عائد کر دیتا۔

غزالہ کی وہ ساری سوچ بچار ویرا کی بہتری سے زیادہ اپنے دفاع کے لئے تھی۔

وہ خیال ذہن میں آتے ہی میں بے اختیار ہنس پڑا اور غزالہ حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے مجھے دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے؟ تمہیں ایک دم ہنسی کیوں آگئی؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں، بس یہ خیال آگیا تھا کہ شادی کے بعد اگر سلطان شاہ نے کسی بات پر جوتا ہاتھ میں لے لیا تو ویرا اسے گھر تو کیا، بازار میں بھی نچاتی پھرے گی مگر اس کے ہاتھ نہیں آئے گی۔"

"میں مذاق نہیں کر رہی، میں نے اس موضوع پر بہت غور و فکر کے بعد زبان کھولی ہے۔"

"میں بھی غیر سنجیدہ نہیں ہوں۔ لڑکا لڑکی دونوں ہی اپنے ہیں۔ ان کے ستارے آپس میں مل جائیں تو اس سے اچھی اور کیا بات ہو سکتی ہے لیکن مجھے یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔"

"کیوں؟ ایسی کیا بات ہے؟" وہ حیرت سے بھویں چڑھا کر بولی "تم مجھے اجازت دو تو میں خود، سلطان شاہ سے اس کی رائے معلوم کرلوں گی۔"

"ضرور معلوم کرو۔ میری طرف سے تمہیں کھلی اجازت ہے۔ ویسے بھی وہ تمہارا مُنہ بولا بھائی بنا ہوا ہے لیکن اس کی صرف رائے ہی معلوم کرنا۔ اسے مجبور کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"تو کیا تمہارا خیال ہے کہ وہ انکار کر دے گا؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"مجھے شبہ ہے" میں نے سنجیدگی سے اقرار کیا۔ "مشرق میں عام طور پر اور پٹھانوں میں خاص طور پر عزت و عفت اور شرم و حیا کا جو تصور موجود ہے، ویرا اس سے بالکل نا آشنا ہے۔ پھر اس نے اپنی نجی زندگی کے ان کمزور پہلوؤں کو کبھی بھی چھپانے کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ وہ فخریہ اقرار کرتی ہے کہ پسند آجانے والے مَردوں کو مسخر کرنا اور دل بھر جانے پر انہیں حرفِ غلط کی طرح بھول جانا، اس کی ہابی ہے۔ سلطان شاہ ان تمام باتوں سے واقف ہے۔ داغ دار ماضی رکھنے والی عورت سے دوستی تو کی جا سکتی ہے، شادی کرنا بہت بڑے دل گردے کا کام ہے۔ ہمارے ساتھ رہ کر سلطان شاہ بہت بدل گیا ہے۔ اس میں روشن خیالی پیدا ہو گئی ہے لیکن ذاتی معاملات کے

بارے میں' اُس کی کھوپڑی میں' صدیوں پرانا اور روایت پرست پٹھان چھپا ہوا ہے جو ایسی باتوں پر کوئی سمجھوتا نہیں کرسکتا۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے مجھے بتا دیا۔ اس قسم کے موضوعات پر اس سے میری کبھی کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔ اب میں بھی اس سے سوچ سمجھ کر بات کروں گی۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی اور میں ناشتا ادھورا چھوڑ کر فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

دوسری طرف سے سیٹھ حبیب جیوانی کی آواز سن کر میں چونک پڑا۔ مجھے یاد نہیں تھا کہ میں نے اسے کبھی فلیٹ کا نمبر دیا ہو۔

"دفتر کب تک آرہے ہو؟" سلام دعا کے بعد اس نے براہِ راست سوال کیا۔

"تم کہو تو ابھی آجاتا ہوں۔" میں نے ایک سعادت مند ماتحت کی طرح کہا "کیا کوئی ایمرجنسی پیش آگئی ہے؟ اور ہاں' میرے گھر کا فون نمبر تم نے کہاں سے لیا؟"

اس کی ہلکی سی ہنسی کی آواز ابھری پھر وہ بولا "شکوک و شبہات میں نہ پڑو۔ کل کی باتوں کے بعد' تمہاری طرف سے میرا دل صاف ہوگیا ہے۔ میں جب مریم کی تلاش میں تمہارے فلیٹ میں داخل ہوا تھا تو انسٹرومنٹ پر لگی ہوئی چیٹ پر سے تمہارا فون نمبر لے گیا تھا۔ ایمان داری کی بات یہ ہے کہ تمہارا سراغ حاصل کرنے کے لئے' میں کئی دن تک وقفہ وقفہ سے اس نمبر پر رنگ بھی کرتا رہا تھا لیکن کوئی جواب نہیں مل سکا۔"

"میرے خدا! تو تم نقب زنی کرکے میرے فلیٹ میں گھس آئے تھے؟"

"کنڈے میں پرانی وضع کا تالا جھول رہا ہو تو اسے دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مکین کہیں باہر گئے ہوئے ہیں لیکن ہضمی قفل میں یہ بہت بڑی خرابی ہے کہ باہر سے' مکان کے آباد یا غیر آباد ہونے کا پتا نہیں چلتا۔ اگر تم اندر سے لیور گھما کر دروازہ مقفل کردو اور اندر بستر میں دبک کر سو جاؤ تو باہر والے کو کچھ پتا ہی نہیں چل سکتا۔ اسی وجہ سے مجھے تالا کھول کر اندر داخل ہونا پڑا تھا لیکن تم اطمینان رکھو کہ میں نے کسی چیز کو نہیں چھیڑا۔ مجھے صرف مریم کی تلاش تھی' جو تمہارے گندے فلیٹ میں موجود نہیں تھی۔"

"تم تلاشی لے بھی لیتے تو میں تمہارا کیا بگاڑ سکتا تھا۔ یہ بتاؤ کہ اب کیا حکم ہے؟"

"کچھ کام کی باتیں کرنی ہیں۔ آج شام کو تم نے تلاطم خان کو کھانے پینے پر مدعو کیا ہوا ہے۔ تم چاہو گے تو اسے میں سنبھال لوں گا۔ اس وقت غلام رسول والا معاملہ زور پکڑ گیا ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی فوری اہمیت کا حامل بھی ہوسکتا ہے۔ اسی لئے میں نے تم سے اُس کا سرسری ذکر کیا تھا۔"

"میں ایک گھنٹے کے اندر اندر دفتر پہنچتا ہوں۔ میلان والا ٹیپ بھی میرے پاس موجود ہے۔ میں وہ بھی اپنے ساتھ ہی لیتا آؤں گا۔" میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"تم چاہو تو کچھ اور بھی وقت لے سکتے ہو۔ میرے پاس ایک معزز خاتون مہمان آئی ہوئی ہے۔ میں اس کے ساتھ اپنے دفتر ہی میں موجود ہوں۔ اس کی میزبانی سے فارغ ہونے کے بعد میں تمہیں وقت دے سکوں گا۔"

میرے لئے وہ انکشاف حیران کن اور چونکا دینے والا تھا۔ ٹریڈ لائن کا دفتر تو بہرحال ایک تجارتی ادارہ تھا جہاں کام کاج کے سلسلے میں عام لوگ بھی آتے جاتے رہتے تھے لیکن حبیب جیوانی کا زیر زمین کمرا ممنوعہ علاقے میں شمار کیا جاتا تھا جہاں مافیا کے چند گنے چنے کارکنوں کے علاوہ' کسی کو پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی۔ اگر حبیب جیوانی اپنے اس دفتر میں کسی خاتون کی میزبانی کررہا تھا تو یہ بات اس عورت کے اعلیٰ رتبے کی غماز تھی۔

"اب ہم لوگوں کو ذرا محتاط رہنا ہوگا۔" فون بند کرنے کے بعد میں نے دھیمی آواز میں غزالہ سے کہا "مافیا کے چیف نے اس فلیٹ کا فون نمبر حاصل کرلیا ہے۔ ہر آنے والی کال کا سوچ سمجھ کر جواب دینا ہوگا۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ تم اور ویرا کوئی کال ریسیو ہی نہ کرو۔ سلطان شاہ موجود ہو تو فون دیکھ لیا کرے۔ اسے علم ہوگیا کہ اس نمبر پر خواتین بھی موجود ہوتی ہیں تو وہ میری طرف سے تجسس میں مبتلا ہوجائے گا اور ویرا کے ساتھ میری مفاہمت کا راز فاش ہوجائے گا۔"

"اس وقت اُس نے یہاں فون کیوں کیا تھا؟" غزالہ نے پُرتجسس لہجے میں سوال کیا۔

"ایک کام تھا۔ میں تھوڑی دیر میں دفتر جاؤں گا۔ وہاں کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں۔"

"ٹریڈ لائن آمد و رفت کا یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟" اُس نے اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"جب تک گلوخلاصی نہیں ہوتی۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں ان لوگوں سے جان چھڑانے کے لئے بہت ہاتھ پیر مار رہا ہوں۔ میں نے اپنی مرضی سے مافیا میں شمولیت اختیار نہیں کی تھی۔ اس دن ...رے پاس کوئی اور راہ باقی نہیں رہی تھی۔ شروع سے اب تک ...رتِ حال یہ رہی ہے کہ میں جس دن ان سے الگ ہوا' اسی دن ...یا والے میرے خون کی بو پر لگ جائیں گے اور میں ایک بار پھر بلی ...رچوہے کے کھیل میں مبتلا ہوجاؤں گا۔"

چیف نے دفتر پہنچنے کے لئے مجھے خاصا وقت دے دیا تھا اس ...لئے میں نے ہیری کیسنجر سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ جب ...اخبارات میں کچھ شائع نہیں ہوتا تھا' میں اس کی جھلاہٹ ...سے لطف اندوز ہوسکتا تھا۔

ہیری کیسنجر کاؤنسلیٹ میں نیا نیا آیا تھا اس لئے میں نے ...آرنیٹ کے نام کے سامنے دئے ہوئے نمبروں پر رابطہ کرنے کا ...ارادہ کرلیا۔ اس دن مجھے پہلی بار علم ہوا کہ آرنیٹ اپنے ...کاؤنسلیٹ میں فوجی اتاشی کے اہم عہدے پر مامور تھا اسی وجہ سے ...نیم فوجی اور فوجی مہم جوئیوں پر مامور کیا گیا تھا۔

پہلی ہی کوشش میں وہ نمبر مل گیا۔ فون اٹھانے والا ہیری کیسنجر ہی تھا۔

ویرا مجھے بتا چکی تھی کہ وہ اردو یا کسی اور مقامی زبان سے واقف نہیں تھا' اس لئے میں نے انگریزی ہی میں اُس سے بات شروع کی۔

"سنا ہے کہ تم امریکا کے سابق سیکریٹری آف اسٹیٹ ہنری کیسنجر سے خون کا کوئی رشتہ رکھتے ہو؟"

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ میرا خیال ہے تم میرے لئے ایک اجنبی ہو۔" اس کی غصیلی آواز ابھری۔

"میرا خیال تھا کہ تعارف وغیرہ کی رسم صرف انگریزوں میں رہ گئی ہے۔ وہ لوگ تعارف کے بغیر ایک دوسرے کو ہیلو کہنا بھی بداخلاقی بلکہ گناہ سمجھتے ہیں لیکن تم تو امریکی ہو۔ تمہاری قوم موڈ اور مزاج کی پابند ہوتی ہے۔ اکثر امریکی لڑکے لڑکیوں کو اپنے بوائے فرینڈ یا گرل فرینڈ سے اس وقت تعارف حاصل کرنے کا خیال آتا ہے جب وہ مشترکہ طور پر کسی حرامی بچے کے والدین بن چکے ہوتے ہیں اور تم ابھی سے تعارف کے متمنی ہو۔"

"شٹ اپ!" اس کی سرد اور غصیلی آواز میں درشتی عود کر آئی "شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ تمہیں اس بے ہودہ کال کا کیا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ میں اپنا سوال دہراتا ہوں کہ تم کون ہو؟"

"اپنی تسلی کے لئے فرض کرلو کہ میرا نام بلیک کیٹ ہے....." میں نے کہنا چاہا لیکن اُس نے بوکھلا کر میری بات کاٹ دی اور بدلے ہوئے' متجسسانہ لہجے میں بولا۔

"بلیک کیٹ!..... جلدی سے اپنا پورا کوڈ بتاؤ۔ میں خود تم سے رابطہ کرنے کے لئے بے چین تھا۔"

میں نے بغیر سوچے سمجھے ہی بلیک کیٹ کا نام استعمال کیا تھا اور میرا ارادہ.... اسے اشتعال دلانے کا تھا لیکن ان دو الفاظ میں اُس کی گہری دلچسپی دیکھتے ہوئے' میں نے فوری طور پر اپنی حکمتِ عملی بدلنے کا فیصلہ کرلیا۔

"بلیک کیٹ ٹی" میں نے پُروقار لہجے میں کہا۔

"اوہ! تو تم ہی ملا سرکار' دی گریٹ ہو" اس کی آواز مسرت آمیز ہوگئی۔ "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم نے اس وقت خود ہی مجھ سے رابطہ کرلیا۔ لیکن تمہیں اس قدر تلخ اور غیر مہذب انداز میں بات شروع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے تو تمہاری بے سروپا باتوں سے تنگ آکر فون بند کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا" آخر میں اُس کا لہجہ شکایتی ہوگیا۔

"تمہارے پاس وہ راستہ اب بھی باقی ہے۔" میں نے سرد اور سنجیدہ لہجے میں کہا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہاری حکومت کی پالیسی میں تبدیلی آگئی ہے اور اب تم نے یک بیک ہمیں تنہا چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اسی وجہ سے آرنیٹ کو یہاں سے ہٹا کر تمہیں لایا گیا ہے تاکہ تم سرد مہری اختیار کرکے ہمیں نئی پوزیشن کا اشارہ دے سکو۔"

"یہ سب غلط اور بے بنیاد باتیں ہیں۔" اس نے مضبوط اور مدافعانہ لہجے میں کہا "ہم اپنے دوستوں کو بیچ منجدھار میں کبھی بھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑتے۔ میں بھی آرنیٹ کی پالیسی کو آگے بڑھا رہا ہوں۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ آرنیٹ ٹریفک کے ایک حادثے میں زخمی ہوگیا تھا۔ بعد میں اس نے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ دیا۔ چہروں کی تبدیلی سے پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یہ سب مجبوراً کیا گیا ہے۔ میں فون پر زیادہ تفصیل میں نہیں جاسکتا۔ تم فوری طور پر میرے دفتر یا گھر آجاؤ۔ مجھے تم سے بہت ہی باتیں کرنی ہیں۔"

"سوری ہیری!" میں نے خشک لہجے میں کہا "تم لوگوں نے مجھے ایک بند گلی میں گھسیڑ دیا ہے جہاں میں بہت بے بس اور مجبور ہوچکا ہوں۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی خود کو اتنا حقیر اور جکڑا ہوا محسوس نہیں کیا تھا۔ تھر کے صحرا میں ہمارے جوانوں اور ہتھیاروں وغیرہ کی ہولناک تباہی کے بارے میں سوچ سوچ کر میرا خون کھولنے لگتا ہے۔ اندرونِ سندھ کے گھنے جنگلات میں محصور تربیت یافتہ مقامی جوانوں کو چن چن کر پکڑا یا مارا جارہا ہے۔ یہ سب میری طاقت تھے۔ ان ہی کے بل پر میں نے سندھ کا جغرافیہ بدل کر ایک نئی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن ہمارے دوستوں کی بیوفائی کی وجہ سے میرے یہ سنہرے خواب' تیزی کے ساتھ بکھر رہے ہیں۔ فوج اور پولیس کے خفیہ ادارے' دن رات میری تلاش میں لگے ہوئے ہیں اور میں اپنی جان بچانے کے لئے ایک مکان کے تنگ اور بدبودار تہ خانے میں رُوپوش ہوں۔ اس غیر آباد مکان میں مجھے قحط اور فاقوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے لیکن اپنی جان کے خوف سے میں یہاں سے باہر نہیں نکل سکتا۔"

"تم مجھے اپنی کمین گاہ کا پتا بتاؤ۔ میں بھیس بدل کر خود وہاں آجاتا ہوں۔"

"انہیں معلوم ہوچکا ہے کہ میں کراچی میں ہوں۔ شہر کے چپے چپے پر کمانڈوز' کھوجی اور جاسوس پھیلے ہوئے ہیں۔ انہیں تم پر شبہ بھی ہوگیا تو وہ بے رحمی سے تمہیں مار ڈالیں گے اور تمہارا سفیر بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ ان کے پاس بہانہ ہوگا کہ کسی بھی سفارتی شناخت یا مخصوص نمبروں والی گاڑی کے بغیر وہ کیسے سمجھ سکتے تھے کہ ان کا شکار کوئی اہم سفارتی افسر ہوسکتا ہے۔ یہ ویران مکان بھی ان کی نظروں میں آیا ہوا ہے۔ وہ دوبارا اسے کھنگال چکے ہیں۔ شاید قدرت کو مجھ سے کوئی بڑا کام لینا ہے کہ وہ تہ خانے کی طرف نہیں آئے اور میں کاٹھ کباڑ کے بوروں کے نیچے زندہ بچ گیا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مکان اس وقت بھی خفیہ محاصرے میں ہوگا۔"

"پھر تو وہ تمہارا فون بھی ٹیپ کررہے ہوں گے۔" ہیری ایک دم گھبرا گیا۔

"میں خود کشی نہیں کرسکتا' مسٹر ہیری!" میں نے تلخ لہجے میں کہا "اس مضافاتی مکان میں فون نہیں ہے جس سے تار جوڑ کر وہ میری گفتگو سن سکیں۔ یہ میرا موبائل فون ہے جو اس برے وقت میں میرا واحد سہارا رہ گیا ہے ورنہ میں عملاً پوری دنیا سے کٹ کر رہ گیا ہوں۔"

"تم تو مجھ سے بھی زیادہ برے اور سنگین حالات کا سامنا کررہے ہو' بلیک کیٹ ٹی!" اس کی متاسفانہ آواز ابھری۔ "میرا خیال تھا کہ میں ہی بد ترین دور سے گزر رہا ہوں۔"

"غیر ضروری طور پر میرا نام نہ لو' دوست!" میں نے تلخ لہجے میں اسے تنبیہہ کی "اور جو کچھ کہنا ہے' جلدی کہہ ڈالو کیونکہ مجھے یہ فون بھی کفایت سے استعمال کرنا ہے۔ اس بار اس کی بیٹری کمزور ہوگئی تو میں اسے چارج بھی نہیں کرسکوں گا۔ یہ مکان بجلی کی نعمت سے بھی محروم ہے۔ اندھیرا پھیلتے ہی لاغر اور بھوکے چوہے ہر طرف دوڑنا شروع کردیتے ہیں۔ وہ آدم خور نہیں ہیں اس لئے میرے بدن کو سونگھ کر بھاگ جاتے ہیں مگر میں اس برے وقت سے ڈرتا ہوں جب یہ میرے بے جان جسم سے ریشے نوچ نوچ کر کھانے لگیں گے۔"

"اور اس خوفناک صورتِ حال میں بھی تم مجھے طنز وملامت کا نشانہ بنا رہے تھے؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"کیونکہ میں تم ہی کو اس صورتِ حال کا ذمے دار سمجھتا ہوں" میں نے سرد لہجے میں کہا "ویرا نے ہمارا ساتھ دیا نہ ہی تم لوگ اُس کے بڑوں سے اپنی بات منوا سکے' جس کے نتیجے میں آج ہمیں یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے۔"

"یہ صرف تمہارا مشن ہی نہیں تھا۔ تمہاری کامیابی سے ہمارے بھی دور رس مفادات وابستہ ہیں۔ مشرقی اور مغربی بازو کی وحدت کو سنجیدہ فکر پاکستانی بھی ایک جذباتی غلطی قرار دیتے ہیں' جس کا ازالہ سن اکہتر میں ہوگیا۔ ان کی دلیل ہے کہ جس طرح ایران اور انڈونیشیا کا الحاق غیر فطری نظر آتا ہے اسی طرح مشرقی بنگال کا پاکستان میں شامل کیا جانا نامناسب تھا۔ ایسے حالات میں طاقتور خطے کے لوگ اپنے کمزور بازو کو عملاً نو آبادی بنا کر اُس کا استحصال شروع کردیتے ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر یہاں کے لوگوں میں نظریۂ پاکستان کمزور نہیں ہونے پایا لیکن سندھ ٹوٹ جاتا ہے تو اس قوم کا مورال تباہ ہوجائے گا۔ گھاس کھا کر ایٹم بم بنانے اور ہزاروں سال لڑنے کا دعویٰ کرنے والے' ان مسلمان فسادیوں کے دماغ درست ہوجائیں گے۔ پھر کشمیر' گلگت' سوات' چترال اور دیر پر مشتمل ایک کوہستانی ریاست کو وجود میں آنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ ان پہاڑوں سے چین پر نہ صرف کڑی نظر رکھی جاسکے گی بلکہ ضرورت پڑنے پر اسے سبق بھی سکھایا جاسکے گا۔ مجھے امید ہے کہ میری یہ وضاحتیں تمہیں مطمئن کرنے کے لئے کافی ہوں گی۔ ہم نے ہمیشہ تمہارے مشن کو اپنا مشن تصور کیا ہے۔"

"لیکن اس کا عملی ثبوت دینے کا وقت آیا تو ہم بالکل بے یار و مددگار چھوڑ دیے گئے۔"

"اس پورے کھیل میں ویرا کا رول بہت مشکوک رہا ہے۔ میں نے اسے بھی جھانسا دے کر پکڑ لیا تھا۔ کل رات جدید ترین ہتھیاروں اور بارود سے لدی ہوئی لانچ بھی آگئی لیکن اس کے بعد کیا ہوا' یہ ابھی تک ایک معما بنا ہوا ہے۔ اڑتی اڑتی سی خبریں ملی ہیں کہ فوج نے ایک بڑی کارروائی کرکے لانچ اور ہتھیاروں پر قبضہ کرلیا اور اس کھیپ کی اَن لوڈنگ میں مصروف مزدوروں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ اس ناکامی نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔"

"یہ تو بہت بری اور شرمناک خبر ہے۔" میں نے اس کے زخموں کو کریدتے ہوئے کہا "تو کیا ویرا نے ان لوگوں کے مخبر کا کردار ادا کیا ہے؟ وہ کہاں ہے؟"

"ویرا چاہتی بھی تو کوئی بدمعاشی نہیں کرسکتی تھی۔" اس کی آواز میں زہریلی تلخی عود کر آئی۔ "اسے تو میں نے کئی دن پہلے چوہے دان میں بند کردیا تھا۔ یہ تو کوئی اور ہی چکر چلایا گیا ہے۔ لیکن تشویش کی بات یہ ہے کہ اس آپریشن کی ناکامی کے ساتھ ہی وہ بھی فرار ہوگئی۔"

"تو کیا تمہارا چوہے دان اسی قدر ناقص اور ناکارہ تھا کہ وہ نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگئی؟" میں نے انجان بنتے ہوئے چبھتا ہوا سوال کیا جو اس کے لئے نشتر ثابت ہوا ہوگا۔

"اسے میں نے لانچ آنے سے دو گھنٹے قبل اپنے ایک محافظ کی نگرانی میں گھوڑا کریک بھیجا تھا۔ بس وہ وہیں سے موقع پاکر کہیں فرار ہوگئی۔" اپنی ناکامی پر وہ تلملایا ہوا تھا۔

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ فرار ہوگئی۔ ہوسکتا ہے کہ اسے فوجی لے گئے ہوں۔"

"ہماری بہت عرصے سے اس پر نگاہ تھی۔ ہم نے اس کے



جسم میں ایک چپ چھپایا ہوا ہے جس سے خارج ہونے والے الیکٹرانک سگنل ہمیں اس کی پوزیشن کا......." بات ادھوری چھوڑ کر وہ یکلخت ہی خاموش ہوگیا۔

جب وہ سکوت کئی ثانیوں پر محیط ہوگیا تو میں نے اسے ٹوکا۔ "تم خاموش کیوں ہوگئے' ہیری؟ میں تمہاری بات مکمل ہونے کا انتظار کررہا ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ ناکامی نے میرا دماغ الٹ دیا ہے اور میں بہک گیا ہوں۔" اس کی بھرائی ہوئی اور شکست خوردہ آواز ابھری۔ "ڈوبتے ہوئے آدمی کو معلوم ہوتا ہے کہ بپھری ہوئی موجوں پر بہتا ہوا تنکا اسے کوئی سہارا نہیں دے سکے گا۔ لیکن پھر بھی وہ اضطراری طور پر اسے تھام لیتا ہے۔ میں نے بھی وہی غلطی کی ہے۔ تم ہرگز ملّا سرکار نہیں ہو۔ مجھے دکھ ہورہا ہے کہ مجھے ابتدا ہی میں یہ بات کیوں یاد نہیں آئی کہ ملّا سرکار بھی مستقل طور پر ہمارے نیٹ ورک سسٹم کے آبزرویشن میں تھا اور سسٹم رپورٹ کے مطابق آج سے کئی دن پہلے اس کی حرکتِ قلب بند ہوچکی ہے......."

وہ اہم ترین نکتہ میں بھی بھولا ہوا تھا۔ ویسے بھی' میرا اس سے ملّا سرکار بن کر بات کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں نے صرف اس کے ردِ عمل کا اندازہ لگانے کے لئے اسے فون کیا تھا اس لئے سوچے سمجھے بغیر بلیک کیٹ ٹی کا نام لے دیا تھا۔ اس کے مسرت آمیز ردِ عمل پر' میں نے اسی حیثیت میں بات آگے بڑھائی تھی۔ وہ ذہنی پریشانی اور شدید ترین دباؤ میں مبتلا تھا' اس لئے وہ ملّا سرکار کی موت کو یکسر فراموش کر بیٹھا' لیکن ویرا کے جسم میں پوشیدہ چپ کا ذکر کرتے ہوئے' اسے اچانک ہی ملا سرکار کے جسم میں چھپایا ہوا کارڈیو سینسر یاد آگیا جو اسلام آباد کے سفارتخانے اور کراچی کے کاؤنسلیٹ میں موجود کارڈیو ریکارڈر مشینوں کے لئے ملّا سرکار کے دل کی دھڑکنوں کے اشارے نشر کرتا رہتا تھا۔ ملا سرکار کی موت واقع ہوتے ہی سگنل موصول ہونے بند ہوئے اور مشین پر اس نمبر کی سرخ بتی روشن ہونے کے ساتھ ہی الارم بج اٹھا تھا جو ان لوگوں کے لئے ملا سرکار کی ناگہانی موت کا پیغام تھا' وہ تمام باتیں آرنیٹ نے بہ ذاتِ خود ویرا کو بتائی تھیں اور ان کی صحت میں کوئی کلام نہیں تھا۔ وہ واقعہ آرنیٹ کے دور میں پیش آیا تھا جب ہیری کیسنجر وہاں موجود نہیں تھا اسی وجہ سے وہ اہم بات اس کے پراگندہ ذہن سے اتر گئی تھی جس سے میں نے فائدہ اٹھا لیا تھا۔

"ملّا سرکار نہ سہی تو تم مجھے اس کا بھوت ہی سمجھ لو!" میں نے اس کے جواب میں [illegible] لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں مُنہ لگانا پسند نہیں کرتا۔" اس کی غراہٹ سنائی دی "اگر تم ویرا کے ساتھی ہو تو اسے یہ پیغام ضرور پہنچا دینا کہ میں اپنے پیش رو سے بہت مختلف اور خود مختار ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ دوبارہ اِن ہی لوگوں میں جا گھسی ہے جہاں وہ پہلے بھی ایک مرتبہ رُوپوش ہوگئی تھی۔ اگر اس نے فوراً ہی مجھ سے رابطہ نہ کیا تو میں اس کی مسیائی نکال دوں گا۔ اس کے فرار سے یہ ظاہر ہورہا ہے کہ لانچ کے خلاف سازش میں وہ بھی شامل تھی۔"

"تم بالکل ایڈیٹ ہو' ہیری!" ویرا کی غصیلی آواز سن کر میں حیرت سے اُچھل پڑا۔ بات اسپیکر فون پر ہورہی تھی۔ اس لئے ویرا کے کہے ہوئے جملے ہیری تک پہنچ گئے۔

"وہ میری بے خبری میں نہ جانے کب میرے عقب میں آکر کھڑی ہوگئی تھی۔ اس کے بال قدرے منتشر تھے اور جسم پر شب خوابی کا لباس موجود تھا جس سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ بستر چھوڑ کر سیدھی اسی طرف آئی تھی۔

"میں تمہارے اوپر والوں سے شکایت کروں گی کہ تم سٹھیا گئے ہو۔ تمہیں فوری طور پر ریٹائر کرکے کسی محتاج خانے میں داخل کرا دینا چاہئے کیونکہ تم کافی دیر تک ملّا سرکار سے باتیں کرتے رہے جب کہ تمہارے اپنے ریکارڈ کے مطابق اسے مرے ہوئے دس دن سے زیادہ مدت گزر چکی ہے۔"

"خوب! تو میرا اندازہ درست ہی نکلا۔" اس کی زہریلی آواز سنائی دی "کسی قریب المرگ چیونٹی کی طرح اب تمہارے بھی پر نکل آئے ہیں۔ تم اپنی اس شکایت کو ثابت نہیں کرسکو گی۔"

ویرا نے اضطراری طور پر بڑھ کر' غصے میں اسپیکر فون اپنے ہاتھ میں اٹھا لیا اور غرائی "اگر تم کارڈیو ریکارڈر اور لوکیشن چپ جیسے جدید ترین آلات استعمال کرسکتے ہو تو فون کال ریکارڈر میری بھی دسترس میں ہے۔ اس کال کا مقصد یہی تھا کہ دھوکا دے کر تمہارا سارا ہذیان مقناطیسی فیتے پر محفوظ کرلیا جائے۔ تمہارا سفیر' خفیہ منصوبوں کے بارے میں تمہاری بیباکانہ تقریر سن کر تمہیں پاگل خانے بھجوانے پر مجبور ہوجائے گا۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو' تم ایسا نہیں کرسکتیں!" ہیری کیسنجر کی آواز میں پہلی بار خوف اور تشویش کی ہلکی آمیزش محسوس ہونے لگی تھی۔ ویرا نے کمان سنبھالتے ہی اس گیدڑ کو خوف زدہ کردیا تھا۔

"تم لائن ہولڈ کرو تو میں ابھی ٹیپ ریوائنڈ کرکے چلائے دیتی

ہوں۔" ویرا نے بے دھڑک پیشکش کی اور میں اس سفید جھوٹ پر اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ وہ مجھے آنکھ مار کر مسکرانے لگی۔

"مجھے یقین ہے کہ تم نے گفتگو ریکارڈ کرلی ہوگی۔" ہیری کی مصالحانہ آواز ابھری۔ "لیکن مجھے یقین ہے کہ تم یہ ٹیپ اسلام آباد نہیں بھیجو گی۔ میں نے تمہارے ساتھ اتنا برا سلوک نہیں کیا ہے۔"

"اس سے برا سلوک اور کیا ہوگا کہ میری خیر خواہی کا بہانہ کر کے تم نے چار دن سے مجھے حبس بے جا میں رکھا ہوا تھا۔ اپنے بارے میں تمہاری اصل رائے سے تو میں اب آگاہ ہوئی ہوں۔"

ویرا کے دیئے ہوئے ان حوالوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کافی دیر سے میرے پیچھے کھڑی ہوئی' ساری گفتگو سن رہی تھی اور ہیری کی کمزوری سے بھرپور فائدہ اٹھانے پر تلی ہوئی تھی۔

"وہ میری حقیقی رائے نہیں تھی۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ اس وقت میں اپنی دانست میں ملا سرکار سے بات کر رہا تھا۔ اس کی خوشنودی کے لئے مجھے وہی کچھ کہنا تھا جو وہ سننا چاہتا تھا۔ ہمارے پیشے میں یہ دوغلا پن ناگزیر ہوتا ہے۔ اسے اختیار کئے بغیر مطلوبہ مقاصد حاصل کرنا دشوار ہوتا ہے۔"

"تم نے مجھ سے کون سا ایسا سلوک کیا ہے جس کے نتیجے میں تم مجھ سے توقعات باندھ رہے ہو؟" ویرا نے زچ آجانے کی صداکاری کرتے ہوئے' چڑچڑے لہجے میں سوال کیا۔

"کاؤنسلیٹ میں قیام کے دوران' میں نے تمہیں عزت و احترام کے ساتھ ہر سہولت مہیا کی تھی۔ اب اگر تم اپنی مرضی سے باہر رہنا چاہتی ہو تو میں تم سے کوئی تعرض نہیں کروں گا۔ میرے کسی آدمی کا سایہ بھی تمہارے نزدیک نظر آجائے تو تمہارا جو جی چاہے' سلوک کرنا۔ میں تم سے کوئی شکوہ نہیں کروں گا۔"

"ابھی ٹیپ آن ہے۔ یہ سمجھ لو کہ تم مجھے سمجھوتے کی پیشکش کر کے اپنی پوزیشن مزید خراب کر رہے ہو۔"

"مجھے معلوم ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ روسیاہی میرے مقدر میں تھی' جب ہی میں ملا سرکار کی موت بھلا بیٹھا تھا۔ اب میرا کیریئر تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ ہزہائی نس کو میری اس سنگین غلطی کا علم ہوگیا تو میرا مستقبل واقعی تباہ ہو جائے گا۔" اتنی سی دیر میں ہیری کے اعصاب جواب دے گئے اور اس نے کھلے لفظوں میں شکست تسلیم کرلی۔

"ایسے حالات میں جو کچھ ہوتا ہے' وہ میرے علم میں ہے۔" ویرا میرے برابر بیٹھتے ہوئے بولی "اس وقت تم پہاڑ تلے آگئے ہو اسی لئے میری شرائط ماننے پر آمادہ ہو۔ لیکن تم زندگی بھر کے لئے میری بالادستی برداشت نہیں کرسکتے۔ میں جانتی ہوں کہ تم میرا تعاقب تو نہیں کراؤ گے لیکن کرائے کے کسی قاتل کو میرے پیچھے ضرور لگا دو گے۔ اس لئے یہ واضح کردوں کہ میں اس ٹیپ کی کئی نقلیں' سیل کر کے اپنے ہمدردوں کے حوالے کردوں گی۔ اگر مجھ پر حملہ ہوا یا میری موت غیر فطری حالات میں واقع ہوئی تو یہ ٹیپ اسلام آباد یا واشنگٹن روانہ کردیئے جائیں گے۔

"یہ سراسر ظلم اور زیادتی ہے۔" ہیری نے احتجاج کیا۔ "تمہارے دس دوست' دس دشمن ہیں۔ تمہاری اپنی حرکتوں کی وجہ سے' ان میں سے کوئی بھی تمہارے خون کا پیاسا بن سکتا ہے۔ اس طرح تو تم ان کے اعمال کی ذمے داری بھی مجھ پر ڈال رہی ہو۔ میں کہاں کہاں تمہاری حفاظت کراتا پھروں گا؟"

میں کوشش کروں گی کہ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو لیکن ایسا ہو ہی گیا تو یہ سراسر تمہاری بدنصیبی ہوگی' اس میں میرے ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوگا۔" ویرا کا لہجہ سپاٹ اور تحکمانہ تھا

"بدقسمتی یہ ہے کہ میرے پاس تمہاری شرائط قبول کرنے کے علاوہ اور کوئی راہ نہیں ہے۔" اس کی آواز پر تکان غالب آگئی تھی۔ "لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ ہمارے پلان میں تم کس طرح تعاون جاری رکھو گی؟"

"اب میں تم سے خود رابطہ رکھوں گی۔ جو کام میرے بس سے باہر ہوگا' اس کے لئے میں کوئی دباؤ قبول نہیں کروں گی۔ اپنے اوپر والوں کے سامنے اپنی پوزیشن صاف رکھنے کے لئے' تم جو بہانہ چاہو' تراشنے کے لئے آزاد ہو گے۔" ویرا اپنی کھوکھلی بلکہ بے بنیاد دھمکی سے پورا پورا فائدہ اٹھانے پر تلی ہوئی تھی۔

"ویسے تم اس وقت کہاں سے بول رہی ہو؟" قدرے سکوت کے بعد ہیری کی آواز ابھری۔

"منہ سے!" ویرا نے بے ساختہ کہا "مزید کچھ جاننا چاہو تو اپنے لوکیشن فائنڈر پر دیکھ لو۔ میں کئی بار تمہارے اس منحوس چپ کو اپنے جسم سے نکلوانے کے بارے میں سوچ چکی ہوں تاکہ ہر وقت کی اس نادیدہ نگرانی سے چھٹکارا حاصل کرسکوں لیکن میں نے اسے اس لئے برقرار رہنے دیا ہے کہ یہ کارروائی میرے یہاں آنے سے برسوں پہلے کی گئی ہوگی' جب تمہارے کسی بھی سفارتی مشن سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ میں نے اسے اپنے لئے اپنے باپ کی فکرمندی کی نشانی سمجھ کر اپنی جان سے لگا رکھا ہے۔"

"تم اسے نکلوا دو تو میرا کام آسان ہو جائے گا۔ میں کہہ سکوں گا کہ میں تمہارا سراغ کھو چکا ہوں۔ اب تو اصولی طور پر تم ہر وقت میری دسترس میں رہتی ہو۔"

"سوچوں گی۔ یہ بتاؤ کہ میرے ساتھ جانے والے محافظ اور کار کا کیا بنا؟"

"پتا نہیں۔ اب تو اخبارات ہی سے اس کے بارے میں کوئی خبر مل سکے گی۔"

"تو کیا تم نے اس کے جسم میں چپ نصب نہیں کروایا تھا؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ بہت معمولی آدمی ہے۔ چپ ہرایرے غیرے کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ ایک چپ کی تنصیب اور پھر دنیا بھر میں موجود لوکیشن فائنڈر سے اس کے منسلک کئے جانے پر تین چار ہزار ڈالر لاگت آجاتی ہے۔ اس اعتبار سے تم خود کو امریکا کی وی آئی پی سمجھ سکتی ہو۔ ان چپس کی خوبی یہ ہے کہ یہ دنیا کے حساس اور اہم شہروں میں موجود ہر لوکیشن فائنڈر سے مل کر کام کرتے ہیں۔ میری مشین بیس میل نصف قطر کے دائرے میں کام کرتی ہے۔ تم اس حد سے نکل جاؤ تو تمہارے بارے میں میرا مانیٹر اندھا ہو جائے گا لیکن اسلام آباد والا مانیٹر تم پر نگاہ رکھے گا کیونکہ اس کی حد ہزار میل ہے۔ پاکستان سے نکل جاؤ گی تو ایران' ترکی یا مشرقِ وسطیٰ کا کوئی نہ کوئی مانیٹر تمہارے سگنل وصول کرنے لگے گا۔"

"یہ معلومات بہم پہنچانے کا شکریہ۔" ویرا استہزائیہ لہجے میں بولی۔ "معاہدہ ہوتے ہی تم بہت سعادت مند ہو گئے ہو۔ اب ذرا یہ بھی بتا دو کہ مانیٹر پر ہر چپ کی علیحدہ علیحدہ شناخت کیسے ہوتی ہے؟"

"ہر چپ کا اپنا مخصوص سگنل ہوتا ہے جسے فیکٹری میں ایک مخصوص نمبر دیا جاتا ہے۔ جب کوئی چپ کسی شخص کے بدن میں نصب کردیا جاتا ہے تو فہرست میں اس نمبر کے سامنے اس شخص کے مکمل کوائف درج کردیئے جاتے ہیں۔ اس طرح ہمارے ہر اسٹیشن کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت دنیا میں کون کون آبزرویشن میں ہے۔ جوں ہی کسی مانیٹر پر کسی نئے نمبر کا پہلا سگنل آتا ہے تو وہ لوگ زیر نگرانی شخص کے وطن یا مرکزی ٹھکانے میں واقع مانیٹرنگ اسٹیشن کو اس کی موجودگی سے آگاہ کردیتے ہیں۔ وہاں سے ملنے والی ہدایات کی روشنی میں اس پر نظر رکھی جاتی ہے یا اسے آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ان میں سے بیشتر لوگ اپنے جسموں میں چپ کی موجودگی سے بے خبر ہوتے ہیں۔"

"اور ملا سرکار کے سینے میں جو آلہ نصب تھا' اسے تمہاری اصطلاح میں کیا کہتے ہیں؟"

"یہ صرف دل کی دھڑکنیں نشر کرتا ہے اس لئے اسے کارڈیو پلسر کہتے ہیں۔"

"یہ کس طرح کام کرتا ہے' ڈیئر ہیری؟" یہ سوال میں نے اپنے تجسس سے مجبور ہو کر پوچھا تھا۔

"اس کا بھی بالکل وہی اصول ہے۔" اس نے میری مداخلت پر کوئی احتجاج کئے بغیر جواب دیا۔ "فرق صرف اتنا ہے کہ مانیٹر کسی بھی نئے کارڈیو پلسر کو براہِ راست نہیں پہچان سکتا کیونکہ اس کا سگنل صرف دل کی دھڑکنوں پر مشتمل ہوتا ہے جنہیں پہچاننا ناممکن ہوتا ہے۔ اس خامی پر قابو پانے کے لئے ہر کارڈیو پلسر مشین سے باہر آنے کے ہر چوبیس گھنٹے بعد ایک خاص سگنیچر ٹون نشر کرتا ہے جو پہلے سے مانیٹر میں محفوظ ہوتی ہے۔ وہ مختصر سی دھن یا ٹون سنتے ہی مانیٹر اسے پہچان لیتا ہے اور یوں اسٹیشن والوں کو اپنی حدود میں آنے والے نئے ایجنٹ کا علم ہو جاتا ہے۔"

"لیکن مانیٹر کے دائرۂ کار سے نکل جانے والوں کے بارے میں غلط فہمی کا امکان تو رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"قطب شمالی کے برفانی علاقوں کے علاوہ دنیا کا ہر خطہ مانیٹرز کی زد میں رہتا ہے کیونکہ ہر مانیٹر ڈھائی ہزار میل دور تک کام کرتا ہے۔ بعض علاقوں میں تو اتنے فاصلے پر مانیٹروں کی تعداد چار سے بھی زیادہ ہے البتہ فاصلہ گھٹنے بڑھنے سے سگنل طاقتور یا کمزور ہونے لگتے ہیں۔"

"ان معاملات میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔" ویرا نے اس کی تعریف کی۔

"یہ فوج کا شعبہ ہے اس لئے ہر جگہ ملٹری اتاشی ہی اس کے نگراں ہوتے ہیں۔ سسٹم کو جانے بغیر ہم لوگ اس سے کام نہیں لے سکتے اس لئے یہ ہماری تربیت کے نصاب میں شامل ہوتا ہے۔"

"میری بات ادھوری رہ گئی تھی۔ فوج تمہارے محافظ کو گاڑی سمیت گرفتار کرلے گی تو تم ہتھیاروں کے اسکینڈل سے خود کو کیسے بچا سکو گے؟" ویرا نے پوچھا۔ میری دانست میں یہ ایک اہم سوال تھا۔

کافی دیر بعد' پہلی بار اس کی پُراعتماد ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "کسی کام میں ہاتھ ڈالنے کے بعد ہمیں ہر طرف نگاہ رکھنی پڑتی ہے۔ ادھر سے گڑبڑ کی بھنک ملتے ہی ہم نے علاقے کے تھانے میں محافظ کے گاڑی سمیت غائب ہو جانے کی ایف آئی آر درج کرادی تھی۔ ہماری رپورٹ کے مطابق وہ کل رات کے بارہ بجے سے گاڑی سمیت غائب ہے۔ صبح سویرے رپورٹ درج کرانے کے بارے میں یہ جواز بہت مضبوط ہے کہ رات کو ہمارے دفاتر بند تھے' پھر عملے کے اراکین' اس کی واپسی کا انتظار کرنے کے ساتھ ہی اپنے طور پر اُس کی تلاش میں مصروف تھے۔"

"لیکن اُس کے بیان کا کیا بنے گا؟ اسے تمہارے موقف کا علم ہی نہیں ہو سکے گا۔"

"ایک ادنیٰ ملازم کے مقابلے میں کاؤنسلیٹ کے موقف کو تسلیم نہ کرنا' سفارتی آداب کی سنگین خلاف ورزی میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایک بار تم خود کہہ چکی ہو کہ میری سفارتی حیثیت نے میری قومیت کی وجہ سے مجھے اس سرزمین پر سپرمین بنایا ہوا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ آج تم نے مجھے مات دے دی ہے۔"

"ٹھیک ہے ہیری! اپنا دھیان رکھو۔ خدا کرے کہ تمہارا دن خوشگوار گزرے۔" ان اختتامی کلمات کے ساتھ ہی ویرا نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

فون بند کرتے ہی ویرا نے اپنا مکّا فضا میں اچھال کر اضطراری طور پر فتح کا نعرہ لگایا تھا۔

"بے وقوفوں جیسی حرکتیں نہ کرو۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "تمہیں چوروں کی طرح ہر ایک کی باتوں کی سن گن لینے کی عادت پڑ گئی ہے؟"

"ارے!" وہ مجھ پر آنکھیں نکال کر غرّائی "ایک تو میں نے

عین وقت پر دخل اندازی کر کے تمہاری بگڑی ہوئی بات سنبھال لی اور تم مجھ پر ہی گرم ہو رہے ہو۔ تم زندگی بھر بھی ہیری کیسنجر جیسے خرانٹ دشمن کو اس طرح مفلوج نہیں کر سکتے تھے۔ میں تو اپنی بیڈ ٹی بنانے کے ارادے سے نکلی تھی لیکن تمہاری آواز سن کر کچن میں جانے کے بجائے ادھر آگئی۔"

"تمہیں مذاق کا برا نہیں منانا چاہئے" غزالہ نے دخل دیتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ تم نے بہت بروقت مداخلت کی تھی۔ لانچ والے واقعے نے ہیری کو ذہنی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ جب اس نے تمہیں ملّا سرکار تسلیم کرلیا تھا تو میں خود حیران رہ گئی تھی۔ میں سمجھی تھی کہ یہ اُس کی کوئی چال ہے لیکن وہ بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔ اسی حالت میں ویرا کی تابڑتوڑ باتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا جس نے رہی سہی کسر بھی پوری کردی۔"

"وہ تو جو کچھ ہوا' درست ہی ہوا۔ لیکن غبی لڑکیوں کی طرح اچھلنے اور چلّانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے کہا۔ "ہم کسی حویلی میں نہیں بلکہ ایک فلیٹ میں رہتے ہیں۔"

"تم جلتے رہو۔ مجھے جو کرنا تھا' وہ میں نے کرلیا۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے اپنی کمر پر ٹکائے اور رقص کرنے والے انداز میں لہراتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔

"بلاوجہ اسے نہ چڑایا کرو۔" غزالہ نے مجھے ناصحانہ لہجے میں سمجھایا۔

میں نے اس کی بات کاٹ دی "تم سلطان شاہ کو اس سے شادی پر آمادہ کرلو تو یہ ساری باتیں خود بخود ختم ہوجائیں گی۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ ان کی شادی رُونما ہوگئی' تو سلطان شاہ اسے خیمے والے برقع میں لپیٹ کر' گھر میں محصور کر کے رکھ دے گا۔"

"اب تم ہر وقت اسی بات کا ریکارڈ لگاتے رہوگے۔" وہ چڑ کر بولی۔ "ان دونوں کے سامنے اس موضوع کو نہ لے بیٹھنا ورنہ وہ دونوں ہی بھڑک جائیں گے......"

میں اُس کی پوری بات سنے بغیر' ہنستا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

باتوں ہی باتوں میں خاصا وقت گزر چکا تھا' اس لئے میں نے عجلت میں لباس تبدیل کیا اور ویرا کا دوبارہ سامنا ہونے سے پہلے فلیٹ سے روانہ ہوگیا۔

کراچی کے ساحل سے غیر قانونی ہتھیاروں سے لدی ہوئی لانچ کے پکڑے جانے کی خبر بہت بڑی اور سنسنی خیز تھی۔ اس لئے شام کو شائع ہونے والے کئی اخبارات قبل از وقت بازار میں آگئے تھے۔ بندر روڈ پر آتے ہی پہلے ٹریفک سگنل پر میں نے ایک ہاکر سے تمام اخبارات خرید لئے۔

ہر اخبار کی سرخی گھوڑا کریک کے واقعات کے بارے میں تھی' لیکن سرخیوں کا انداز جداگانہ تھا۔ ایک اخبار نے کروڑوں کی مالیت کے جدید ترین جنگی ہتھیاروں اور مواصلاتی آلات کے بارے میں سرخی جمائی تھی۔ دوسری سرخی ہتھیاروں سے لدے ہوئے سیکڑوں ٹرکوں کی گرفتاری کے بارے میں تھی۔ ایک ذیلی سرخی میں قاسم کا نام بھی نمایاں تھا۔ سگنل سبز ہونے سے پہلے' میں نے سرسری طور پر تینوں اخبارات دیکھ ڈالے لیکن ان میں کہیں بھی امریکی کاؤنسلیٹ کی کار اور محافظ کا ذکر نہیں تھا۔ معاملے کی نازک نوعیت اور شدید عوامی ردِعمل کے خطرے کے پیشِ نظر حکام نے اس پہلو کو صیغۂ راز ہی میں رکھا تھا یا کاؤنسلیٹ سے رجوع کرنے تک' اس کا افشا ملتوی کردیا تھا۔

جب تک سینڈو زندہ تھا' وہی اوپر استقبالیہ پر مجھے خوش آمدید کہتا تھا۔ سینڈو کی موت کے بعد میں نے شیر شاہ کو اُس کا جانشین نامزد کردیا تھا اس لئے اُس نے بھی پرانی روایات کو برقرار رکھا۔

"چیف کافی دیر سے آیا ہوا ہے۔" اس نے میرے ساتھ چلتے ہوئے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس نے آتے ہی تمہارے بارے میں دریافت کیا تھا۔"

"اس کی مہمان موجود ہے یا چلی گئی؟" میں نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں سوال کیا۔

"اُس کے بارے میں تم کیا جانو؟" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اپنے دفتر اور لوگوں کے بارے میں باخبر نہ رہوں تو مجھے تمہارا باس کہلانے کا کوئی حق نہیں رہے گا۔"

"وہ اس وقت بھی موجود ہے۔" اس نے آہستگی سے کہا۔ "چیف کے آنے کے دس منٹ بعد آئی تھی۔ اس وقت سے اندر ہی بیٹھی ہوئی ہے۔ کمرے کے باہر مسلسل سرخ بلب جل رہا ہے۔"

میں شیر شاہ کو باہر ہی چھوڑ کر اپنے دفتر میں داخل ہوگیا جہاں پچھلے دن کی مے نوشی کی بو اس وقت بھی فضا میں رچی ہوئی تھی۔ سیٹھ حبیب جیوانی کی طرح میرے کمرے میں بھی ٹیلی فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈر موجود تھا۔ میں نے میلان سے آیا ہوا پیغام سیٹھ حبیب جیوانی کے حوالے کرنے سے پہلے ایک بار پھر کیسٹ لگا کر کیسٹ پلیئر آن کردیا۔ اس بار بھی وہ آوازیں ناقابلِ فہم اور سماعت پر بوجھ ثابت ہوئیں۔

جب تک میں باہر اور دوسری مصروفیات میں رہا' اس پُراسرار بھوتی پروگرام کو بھولا رہا لیکن دفتر میں آتے ہی ایک بار پھر یہ مسئلہ میرے ذہن پر سوار ہوگیا۔ میں مافیا چیف کے نائب کی حیثیت سے اچھی طرح جانتا تھا کہ مافیا میں' پاکستان کی حد تک کوئی بھی خفیہ زبان رائج نہیں تھی اس لئے اس پیغام سے حبیب جیوانی کوئی مفہوم اخذ کرنے سے قاصر رہتا۔ ایسی صورت میں وہ پیغام کیوں دیا گیا تھا؟ اس کا مخاطب کون تھا؟ یہ معاملات ایسے تھے جن پر حبیب جیوانی ہی کوئی روشنی ڈال سکتا تھا۔ میں نے انٹرکام کی ہاٹ لائن اٹھالی جو میرے اور جیوانی کے کمروں کو ملاتی تھی۔

"وہ چلی گئی۔ اب تم آسکتے ہو۔" حبیب جیوانی [illegible] ہدایات دے کر سلسلہ منقطع کردیا۔

میں اس کے کمرے میں داخل ہوا تو فضا بھینی بھینی خوشبو سے مہک رہی تھی اور حبیب جیوانی اندھیرے کے بجائے روشنی میں اپنی میز کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ میں اُس سے نگاہیں چار کر کے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ بیٹھنے سے پہلے ریکارڈ کیا ہوا کیسٹ اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔

"بہت سوچ بچار کی ضرورت نہیں' وہ میرے پاس کام کے سلسلے میں آئی تھی۔ دفتر کو میں دفتر ہی سمجھتا ہوں اور تم سے بھی یہی توقع رکھتا ہوں۔" اس نے کیسٹ پر کوئی توجہ دیئے بغیر کہا۔

"اس میں میلان والا پیغام محفوظ ہے۔" میں نے موضوع بدلنے کے لئے کیسٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ زور سے ہنسا اور بولا۔ "اسے کتنی بار سنا ہے' تم نے؟"

"دو بار۔" میں نے ایمانداری کے ساتھ اعتراف کرتے ہوئے کہا کیونکہ اس بارے میں میرا انکار قطعی غیر فطری ہوتا۔ "لیکن میں اس کا ایک لفظ بھی سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔"

"آ بھی نہیں سکتا۔ یہ پیغام وہی سمجھ سکتا ہے جس کے لئے بھیجا گیا ہے۔"

"تو کیا مافیا میں تمہارے علاوہ بھی کوئی ایسا ہے جو ایسی باتیں' چیزیں یا زبان جانتا ہے جو تم نہیں جانتے۔"

"مافیا میں نہیں' وہ مافیا سے باہر ہے۔" اس نے جلدی سے میری تصحیح کی۔

"اور تم اسے جانتے ہو۔ تمہیں پہلے سے معلوم تھا کہ پیغام تمہارے لئے ناقابلِ فہم ہوگا۔"

"ابھی آنے والی خاتون مجھے اس شخص کا نام بتا کر گئی ہے۔ پیغام کے کوڈ میں ہونے کے بارے میں میرا اندازہ تھا جس کی تم نے تصدیق کردی۔ اب یہ کیسٹ تم ہی کو اس شخص تک لے جانا ہوگا۔ وہ پولیس کے محکمے کا ایک بڑا افسر ہے۔ کیسٹ سن کر وہ تمہیں کچھ بریفنگ بھی دے گا۔"

"اس پولیس افسر کا مافیا سے کیا تعلق ہوسکتا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تم ایک پولیس افسر کی بات کر رہے ہو؟ جنوبی امریکا کے جن ملکوں میں مافیا کے ڈان ذہین اور باصلاحیت ہیں وہاں پوری پوری حکومتیں مافیا کی زرخرید ہیں۔ ٹی والے ہزاروں میل دور آکر یہاں کامیابیاں حاصل کرلیتے ہیں لیکن مافیا کے گڑھ کا رخ کرتے ہوئے اُن کے پر جلتے ہیں۔"

"اس پولیس افسر کے لئے ایسا کیا پیغام ہوسکتا ہے جس سے تمہیں بے خبر رکھا جا رہا ہے۔" میرے لئے حبیب جیوانی کا یہ اطمینان حیرت کا سبب بن رہا تھا۔

"مافیا کے بارے میں تمہاری سوچ کچی ہے اس لئے تم اس طرح سوچ رہے ہو ورنہ یہ پیغام اس افسر کو براہِ راست بھی بھجوایا جا سکتا تھا۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ہمارے گرد و پیش میں مُدر مافیا کے کارندے بھی منڈلاتے رہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی ان ہی میں سے ایک ہو۔"

"اور وہ غلام رسول والا قصہ کیا ہے؟" میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد' بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"غلام رسول کے خلاف ملکی مفادات کے خلاف سازش اور بغاوت کرنے کے الزام میں مضبوط مقدمہ قائم کرلیا گیا ہے۔ وہ اپنے علاقے' بلکہ ملک بھر میں بہت اچھی ساکھ رکھنے والا جدّی پشتی سیاستداں ہے۔ اس مقدمے اور گرفتاری کے باوجود اُس کے ووٹروں کا خیال ہے کہ اسے بدنام کرنے کے لئے مخالفین نے اسے اس مقدمے میں پھنسایا ہے۔ اس لئے اس وقت اُس کی مدد کرنی ضروری ہوگئی ہے۔"

"تمہیں پولیس افسر کے نام سے آگاہ کرنے والی خاتون کن لوگوں سے تعلق رکھتی ہے؟" اس وقت حبیب جیوانی نے اپنی باتوں سے مجھے بری طرح الجھادیا تھا۔

"وہ صرف ایک مخبر ہے۔" اس نے مجھے بتایا "وہ میرے لئے مُدر مافیا والوں کے پیغامات لاتی ہے۔ اسی طرح مجھے کوئی اہم بات ان تک پہنچانی ہو تو میں اسے مطلع کرتا ہوں۔ اسے مہینے' دو مہینے میں ایک آدھ بار ہی پیغام رسانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لیکن اس خدمت کے لئے اسے مستقل طور پر' بھاری تنخواہ ادا کی جاتی ہے۔"

"کوئی معزز خاتون ہے؟" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور کہا "بازارِ حسن میں ناچنے گانے کا دھندا کرتی ہے۔ ایسی جگہوں پر آدمی کسی کی نظروں میں آئے بغیر' ہر وقت رسائی حاصل کرسکتا ہے۔"

"لیکن اس طرح وہ مافیا کے اندرونی رازوں سے واقف نہیں ہوجاتی؟"

"اس کے لئے وہ پیغام ادھورے اور مہمل ہوتے ہیں۔ مثلاً آج وہ اس افسر کے نام کے علاوہ یہ خبر لائی تھی کہ پولیس بازارِ حسن سے بھاری بھتا وصول کر رہی ہے۔ اس کے لئے یہ ایک خبر تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید میں پولیس والوں کی زیادتی کی کوئی روک تھام کروں گا لیکن اشارہ یہ تھا کہ اس شخص کا پولیس کے محکمے سے تعلق ہے۔ پیغام سنتے ہی میں سمجھ گیا کہ کیسٹ کس کو پہنچانا ہے۔"

"اور اگر ہم نامی کی وجہ سے کیسٹ غلط ہاتھوں میں پہنچ گیا تو کیا ہوگا؟"

"کچھ بھی نہیں کیونکہ غیر متعلقہ آدمی کے لئے ریکارڈ کیا ہوا

پیغام مہمل ثابت ہوگا۔"
"لیکن وہ شبے میں مجھے تو روک سکتا ہے۔ پولیس والے تو دور دور جاکر شکار کھیلتے ہیں۔ گھر آئے ہوئے شکار کو کون آسانی کے ساتھ جانے دے گا؟"
"جو لوگ اس طرح بال کی کھال نکالنے کے عادی ہوتے ہیں' انہیں ہر ٹیڑھے کام سے دور رہنا چاہئے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "بلکہ انہیں تو کسی مزار کا مجاور یا متولی بن جانا چاہئے۔"
"میرے لئے کیا حکم ہے؟" میں نے اس کے طنز کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔
"پہلا کام یہ کیسٹ' اس پولیس افسر تک پہنچانا ہے۔ رسمی گفتگو کے علاوہ تم اس سے مزید کچھ نہیں کہو گے اور اس کی ہدایت کے بغیر وہاں سے نہیں لوٹو گے۔ اس کے بعد ہم سوچیں گے کہ غلام رسول کی مدد کے لئے کیا کیا جاسکتا ہے۔ رہا تلاطم خان کا معاملہ تو میں اسے فون کردوں گا اور اپنی اصلیت ظاہر کئے بغیر' مافیا کے اہم کارندے کی حیثیت سے' کسی بڑے ہوٹل کے کمرے میں ان دونوں کی دعوت کردوں گا۔"
"بس یہ خیال رکھنا کہ آج کل پولیس کے ساتھ ساتھ فوج بھی بہت چوکس نظر آنے لگی ہے۔"
"ہاں!" وہ چونک کر بولا "ہر دوسرے تیسرے دن کوئی نہ کوئی بڑی خبر چلی آرہی ہے۔ پہلے سکھر کے خونیں واقعات رونما ہوئے جس میں غلام رسول کو بھی ملوث کیا گیا ہے۔ پھر صحرائے تھر سے آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ کی خبر آئی اور اب غیر قانونی ہتھیاروں کی برآمدگی کی افواہیں گردش کررہی ہیں۔"
"یہ افواہیں نہیں ہیں۔ شام کے اخبارات نے اس واقعے پر شہ سرخیاں لگائی ہیں۔"
"شام کے اخبارات ابھی سے بازار میں آگئے؟" اس نے چونک کر اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔
"خبر چھاپنے میں سبقت کا معاملہ تھا نا۔" میں نے کہا "تین اخبار میری گاڑی میں بھی پڑے ہوئے ہیں۔"
"منگواؤ!" اس نے مجھے ہدایت دیتے ہوئے کسی بے آواز سوئچ کو چھیڑا۔ اس کی کرسی پر یک بیک اتنی گہری تاریکی چھاگئی کہ اسے دیکھنا ناممکن ہوگیا۔ میری سمت میں پڑنے والی روشنی میں اضافہ ہوگیا تھا۔ اس تضاد کا مطلب یہی تھا کہ روشنی میں موجود کوئی بھی شخص یہ نہ دیکھ سکے کہ میز کے پیچھے کون بیٹھا ہوا ہے اور کیا کررہا ہے۔

انٹرکام پر ہدایت دینے کے چند ہی منٹ میں شیر شاہ' ادب اور احترام کے ساتھ تینوں اخبارات لے آیا۔ اس کے لوٹ جانے پر حبیب جیوانی نے دوبارہ روشنیاں جلادیں اور اخبارات دیکھنے لگا۔ اخباری اطلاعات پڑھتے ہوئے' اس کے بشرے پر حیرت اور بے یقینی کا تاثر لمحہ بہ لمحہ گہرا ہوتا جارہا تھا۔

"یہ تو شرم کی بات ہے کہ ہماری ناک کے نیچے' قاسم علی جیسی موٹی موٹی کاروباری اسامیاں پل رہی ہیں اور ہم ان سے کوئی سودا کرنے کے قابل نہیں ہوسکے۔" چند منٹ کے بعد اس نے زبان کھولی تو میں دل ہی دل میں' اس کی ذہنی استعداد پر لعنت بھیجے بغیر نہ رہ سکا۔

وہ سمجھ رہا تھا کہ مذکورہ کھیپ قاسم برادرز والوں نے اسمگل کرائی تھی۔ اگر وہ اس کھیپ میں شامل ہتھیاروں کی نوعیت پر ذرا بھی غور کرلیتا تو سمجھ لیتا کہ اس قدر مہنگے' جدید ترین اور خصوصی ہتھیاروں کی' کھلی منڈی میں بالکل بھی مانگ نہیں تھی۔ مختلف علاقوں میں سرگرم عمل ڈاکو اور دہشت گرد بھی' بڑے میگزین والی' خودکار رائفلوں اور کندھے سے فائر کئے جانے والے' ہلکے پھلکے راکٹ لانچروں کے علاوہ' بھاری ہتھیاروں پر ہاتھ نہیں رکھتے تھے اس لئے خالص فوجی نوعیت کے ہتھیاروں پر مشتمل وہ کھیپ کسی خاص مقصد کے لئے منگوائی گئی تھی۔
"قاسم علی اس چکر سے نکل گیا تو ضرور اس سے ملوں گا۔"
میں نے بحث سے بچنے کے لئے' پُرخلوص لہجے میں کہا "جب سے میرا اور تمہارا ساتھ ہوا ہے' ہمیں سرجوڑ کر بیٹھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا ہے۔ بزنس پالیسیوں پر تم سے بریفنگ مل جائے تو میں اپنے طور پر بھی بہت کچھ کرسکتا ہوں۔"

"اخبار میرے پاس چھوڑ دو اور تم نکل جاؤ!" اس نے' اپنے آگے پڑا ہوا کیسٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں بلاوجہ تمہارا وقت برباد نہیں کرنا چاہتا۔"
"اس سے ملنے کے لئے کوئی پاس ورڈ ہو تو بتادو۔" میں نے کیسٹ جیب میں ڈال کر' اٹھتے ہوئے کہا "ایسا نہ ہو کہ کوئی حوالہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ مجھے وقت دینے سے ہی انکار کردے۔ پولیس والے جب تک اپنی سیٹ پر ہوتے ہیں' عموماً فرعون بنے رہتے ہیں۔"
"سوری' اس کا حل تم ہی کو سوچنا چاہئے۔ میرے پاس کوئی پاس ورڈ نہیں ہے۔"
میں اُس کے دفتر سے نکلا اور پھر سیدھا باہر ہی نکلتا چلا گیا۔
پولیس ہیڈ کوارٹر میں سادہ پوش اور باوردی پولیس والوں کے ساتھ ہی' نچلے درجے کے بھانت بھانت کے لوگ بھرے ہوئے تھے۔ ان میں لباس کی حد تک صاف ستھرے اور معزز نظر آنے والے خال خال تھے۔ اس بڑے افسر کے دفتر تک پہنچنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی لیکن بند دروازے پر کھڑے ہوئے سپاہی نے مجھے براہ راست اندر جانے سے روکتے ہوئے' برابر والے

ے کی طرف ہانک دیا۔
اس دروازے سے داخل ہوتے ہی' میں نے خود کو دریدہ ں پر پڑے ہوئے میلے اور بوسیدہ صوفوں کے درمیان پایا جہاں ضرورت مند' شرفِ باریابی کے لئے اپنی باری کے انتظار میں ہوئے تھے۔ اگلے اور اندرونی کمرے میں ایک اسٹینو' پی اے ساتھ براجمان تھا۔ اسی کمرے میں مزید تین سپاہی موجود تھے۔ کمرے سے ایک بغلی دروازہ' افسرِ اعلیٰ کے کمرے میں کھلتا تھا۔ سے صرف ان کا عملہ ہی آجاسکتا تھا۔
میں نے ایک رقعہ پر اپنا نام لکھ کر' سپاہی کو دیا تو اس نے پُر لیکن اشتباہ آمیز نظروں سے میرے سراپا کا جائزہ لیا اور بغلی زے سے اندر چلا گیا۔ میں بیرونی کمرے میں' میلے کچیلے سے بالتھڑے ہوئے ایک صوفے پر آبیٹھا۔
وہاں بیٹھے بیٹھے تقریباً آدھا گھنٹا گزر گیا لیکن کسی کی باری آئی۔ سپاہیوں کی سرگرمیوں اور باتوں سے اندازہ ہوا کہ ب اپنے چند مہمانوں کی میزبانی میں مصروف تھے۔
خدا خدا کرکے انتظار کی وہ کٹھن گھڑیاں ختم ہوئیں اور پرچی یا تخلیئے کی ضرورت کا کوئی احساس کئے بغیر تمام افراد کو بیک اندر جانے کی چھوٹ دے دی گئی۔ میرے علاوہ سب لوگ سکڑے مجرموں کی طرح بیرونی دروازہ سے اس شاندار دفتر میں ں ہوئے جہاں قالین سے لے کر فرنیچر تک' سب کچھ نیا نہ سہی الخوردہ بھی نہیں تھا۔ باوردی افسرِ اعلیٰ بڑی شان سے اکڑا ہوا' میز کے پیچھے براجمان تھا۔ اس کی عقبی دیوار پر قائدِ اعظم کی ی تصویر دیوار پر آویزاں تھی۔ قائدِ اعظم کی تصویر کا وہ انداز' نے پہلے بھی بہتیرے دفتروں میں دیکھا ہوگا لیکن اس کا رمز سمجھ سکا تھا۔ اس روز مجھے معلوم تھا کہ میں جس افسر سے ملنے ہوں' اس کے مفادات مافیا کے ساتھ مشترک ہیں اس لئے مجھے ل ہوا کہ افسران قائدِ اعظم کی تصویر کو اپنی پشت پر اس لئے یزاں کرتے ہیں کہ اپنے معاملات میں قائدِ اعظم کی نظروں کا نا کرنے سے بچے رہیں۔ جب کہ ان کے مخاطب کو ہر لمحے یہ ارے کہ اس کے ساتھ' برا یا بھلا جو کچھ بھی ہو رہا ہے' قائدِ م کی تصویر کے زیرِ سایہ ہو رہا ہے۔ اس لئے وہی اس کا مقدر
بڑی میز کے سامنے ملاقاتیوں کے لئے تین کرسیاں رکھی ہوئی نہ بقیہ افراد' دیوار کے ساتھ قطار میں لگی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ میں نے دانستہ آخری نشست سنبھالی کیونکہ میں تخلیئے میں ی کرنے کا خواہاں تھا۔ وہ صاحب اپنے محکمے کے گھاگ افسر نظر تے تھے۔ انہوں نے نرمی اور اپنی پیشہ ورانہ ڈانٹ پھٹکار سے رتے ہوئے' ملاقاتیوں کو تیزی سے نمٹانا شروع کردیا۔ لوگ ان رعب اور وردی سے پہلے ہی مرعوب تھے اور اپنے شانوں پر یا اپنے کسی عزیز کے کسی جرم کا بوجھ لئے پھر رہے تھے' اس ی بھی اس افسر کی گالیاں کھاکے بے مزہ نہ ہوا۔

اگلی کرسیاں خالی ہوتے ہی لوگ نشستیں بدل کر پیش قدمی کرتے جارہے تھے۔ مجھے نظر آرہا تھا کہ جتنا وقت میں نے انتظار میں گزارا تھا' اس سے کہیں کم وقت میں مجھے تخلیہ میسر آنے والا تھا لیکن میری باری آنے سے پہلے ہی' میرے بعد بھی کئی افراد اندر آکر' کرسیوں پر براجمان ہوگئے اور میں تخلیئے کی امید پر اپنے وقت کے دانستہ زیاں پر افسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ میرا دل چاہا کہ میں اٹھ کر واپس چل دوں لیکن ایسا کرنا آدابِ افسری کی توہین کے مترادف ہوتا۔ وہاں کوتوال اور کوتوالی' دونوں ہی موجود تھیں۔ اس لئے کسی قسم کا کوئی خطرہ مول لینا قرینِ عقل نہیں تھا۔

میری باری آئی تو میری بائیں جانب والی کرسی پر' ایک مظلوم سا شخص' افسرِ اعلیٰ کے مقابل موجود تھا۔ وہ افسر میری داہنی جانب والے کو نمٹا کر جوں ہی میری طرف متوجہ ہوا' میں نے سیٹھ حبیب جیوانی کی ہدایت پر حرف بہ حرف عمل کرتے ہوئے' اپنی زبان سے کچھ کہے بغیر کیسٹ اس کی طرف بڑھادیا۔
کیسٹ پر نگاہ پڑتے ہی' وہ عینک کی اوٹ سے مجھے گھورنے لگا۔ کیسٹ لیتے ہوئے' اس کے حلق سے ایک ہنکارا برآمد ہوا اور اس نے فوراً ہی اپنی میز کے نیچے لگے ہوئے' گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ باہر گھنٹی کی مترنم آواز گونجی اور اس وقت تک گونجتی ہی رہی

جب تک ایک بوکھلایا ہوا سپاہی' بغلی دروازے سے اندر نہیں آگیا۔ افسر نے فوری طور پر نیم خمیدہ سپاہی پر کوئی توجہ نہیں دی بلکہ مجھے بھی بھول کر یوں غور سے کیسٹ کو دیکھنے لگا جیسے اسے بجائے بغیر' زبانی طور پر پڑھ لینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

"تراب علی!" افسر نے اپنے اردلی کو مخاطب کر کے کہا "ان لوگوں کو باہر لے جاؤ' میں ایک ڈیڑھ گھنٹے تک کسی سے نہیں مل سکوں گا۔"

افسر کا وہ رویّہ مجھے بہت ناشائستہ بلکہ بھونڈا محسوس ہوا۔ اگر وہ ملاقات کے منتظر افراد سے ذرا سی معذرت کر کے انہیں باہر جانے کے لئے کہتا تو کوئی بھی اس کی بات ماننے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن بات وہی آداب افسری والی تھی۔ شاید وہ غیر ضروری طور پر اس ارزل اور بدنصیب مخلوق کو منہ لگانا اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا۔ وہ اس کی بادشاہی تھی اور وہ وہی کچھ کر رہا تھا جو اس کی' اپنی رضا تھی۔

اردلی کے متوجہ ہونے سے پہلے ہی' میرے علاوہ سب لوگوں نے' کملائے ہوئے چہروں کے ساتھ' اپنی کرسیاں چھوڑ دیں۔ مجھے ٹس سے مس ہوتا نہ دیکھ کر اردلی بگڑے ہوئے لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوا "تم نے سنا نہیں کہ صاحب نے ابھی ابھی کیا حکم دیا ہے؟" اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میں نے اس کا سوال ختم ہوتے ہی کرسی نہ چھوڑی تو وہ میرا بازو جکڑ کر' مجھے کرسی سے اٹھا دے گا۔

وہ مذاکرات صاحب کے عین سر پر ہوئے تھے لیکن وہ تغافل اختیار کئے' ہمہ تن کیسٹ کے مشاہدے میں منہمک رہا۔ اپنی ذات میں اُس کی عدم دلچسپی محسوس کرتے ہوئے میں نے اندازہ لگایا کہ شاید وہ اکیلے میں کیسٹ سننا چاہتا ہے۔ اس لئے میں نے' بے آبروئی ہونے سے پہلے' کرسی چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت تک بیشتر افراد اس کمرے سے باہر جا چکے تھے۔ جو رہ گئے تھے وہ بھی واپسی کی راہ پر گامزن تھے۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" میرے اٹھتے ہی' افسر نے چونک کر درشت لہجے میں پوچھا۔

"آ... آپ کا اردلی...." اس ناگہانی سوال پر میں ہکلا کر رہ گیا۔

"تراب علی' تم جاؤ مجھے ان سے بات کرنی ہے۔" اس نے اپنے سپاہی سے کہا پھر مجھ سے بولا "بیٹھو!"

"اس میں کیا ہے؟" اس نے کیسٹ کو انگلیوں میں گھماتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔ اس کی عقابی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں۔

"مجھے علم نہیں۔" میں نے بے بسی سے کہا۔ ویسے بھی وہ سوال میرے لئے غیر متوقع تھا۔

"کہاں سے آئے ہو؟" اس بار بھی اس نے ٹیڑھا سوال کیا تھا۔

"ٹریڈ لائن سے۔" میں اس براہِ راست سوال کا جواب کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

اس نے اپنی میز کی دراز سے ایک چھوٹا لیکن حسّاس پلیئر نکالا' اس میں لگا ہوا کیسٹ نکال کر دراز میں ڈالا اور ہوا کیسٹ لگا کر پلیئر آن کر دیا۔

کمرے کی فضا میں وہی نامانوس اور بے مقصد آوازیں لگیں جو میں پہلے بھی کئی بار سن چکا تھا لیکن آوازوں پر اس بدلتا ہوا ردِ عمل بہت حیرتناک تھا۔ ابتدا میں وہ بری طرح پھر حیران نظر آیا اس کے بعد تشویش کی علامات اس کے لحظہ بہ لحظہ گہری ہوتی چلی گئیں۔

کیسٹ ختم ہونے پر اس نے پُر تفکر انداز میں پلیئر آف دوبارہ دراز میں ڈال دیا۔

"کیا سمجھے؟" اس نے دونوں ہاتھ' میز کی شفاف سطح مجھ سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ یہ تو عجیب سی' بے مقصد آوازیں تھیں یہ کوئی زبان تھی تو میں بدقسمتی سے' اس سے بالکل بے خبر ہوں"

"تم غلام رسول کے نام سے واقف ہو؟" اس کی آنکھ یک بیک فکر آمیز اداسی جھلکنے لگی تھی جیسے اس پر کوئی ناپسندیدہ اور وزنی بوجھ آپڑا ہو۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ جانتے ہو کہ وہ آج کل کہاں ہے؟" اس کا لہجہ سرگوشیانہ ہو گیا۔

میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "معلوم ہے کہ وہ پکڑا گیا ہے۔ وہ کہاں اور کس ادارے کی ہے' میں اس سے ناواقف ہوں۔"

"تو کان کھول کر سن لو کہ وہ آج کل کراچی سینٹرل خطرناک قیدیوں کے وارڈ میں بند ہے۔" اس بار اُس کی دھیمی اور سنسنی خیز ہو گئی تھی اور نگاہیں بے چینی کے سا دونوں دروازوں کا طواف کر رہی تھیں۔

"بہت بہتر!" میں نے تھوک نگلنے کی کوشش کرتے وقت تمام کہا۔ میرے لئے وہ صورتِ حال بالکل غیر متوقع فرسا تھی۔ حبیب جیوانی نے مجھے بسیار گوئی سے باز رہ بات سننے کا حکم دیا تھا لیکن وہ قوی الاعصاب افسر پریشان ہو گیا تھا کہ مجھے ہدایات دینے کے بجائے' مجھ کر کے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے میں غلام رسول کے بارے میں بات چھیڑی تھی' اس سے تھا کہ خفیہ پیغام میں اُسی کے بارے میں کچھ احکام او موجود تھیں۔ وہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ حبیب جیوانی جر



رکھا رہا تھا' وہی یہاں بھی درپیش تھا۔

"اور تمہیں' اس کو وہاں سے اغوا کر کے جلد از جلد سرحد پار ہے۔" اس نے کہا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اُس نے پوری قوت کے ساتھ سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا اور ادر شاہی حکم پر میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ شیانہ آواز میں دبے ہوئے' اس حکم کے آخری الفاظ مجھے دور افتادہ کنوئیں کی تہ سے ابھرتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔

مجھے علم تھا کہ وہ میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ میرے اور اس درمیان میں تین چار فٹ کی ایک چوبی میز حائل تھی لیکن اس بان سے نکلے ہوئے' نادر شاہی احکام سن کر میرے اوسان اس طرح خطا ہوئے کہ میرے دل و دماغ اور فکر و نظر نے میرا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس کی آواز مجھے کسی دور افتادہ کنوئیں کی تہ سے آتی ہوئی سنائی دے رہی تھی اور اس کا چہرہ مجھے لائی ہوئی کسی خلائی شبیہہ کی طرح نظر آ رہا تھا۔ حبیب جیوانی مجھے اس کے سامنے جتنی کم گوئی کا مظاہرہ کرنے کی ہدایت کی وہ مجھے اُسی قدر بسیار گوئی پر مجبور کر رہا تھا۔ اس نے صرف پر اکتفا نہیں کیا تھا' بلکہ وہ مجھے ہدایات دے کر شاید میری تائید کا طالب تھا۔

اس کیفیت میں جو چند ثانیے گزرے' وہ میرے لئے ایک ت سے کم نہیں تھے۔ میں اپنے ایک بالا دست اور بارسوخ کے سامنے' ایک میمنے کی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ بھیڑ کے ایک بچے کی طرح' جو نہ اپنا مافی الضمیر واضح کر سکتا تھا اور نہ اپنے کی پُر پیچ چالوں کو سمجھنے پر قادر تھا۔

وہ میری لاشعوری کیفیات تھیں لیکن شعور پر یہ بھاری وزن ہوا تھا کہ میں مافیا کے ایک ذمے دار نمائندے کی حیثیت سے پولیس کے ایک سینئر اور بااختیار افسر کے روبرو موجود تھا۔ کے دربار میں میری ذرا سی کوتاہی بھی میرے لئے مکمل تباہی بربادی کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔ وہ نہ صرف پولیس کا ایک اعلیٰ تھا بلکہ مافیا یا انڈر مافیا کا کوئی اہم رکن بھی تھا۔ اس کے ایک سے پر میرے مقدّر کا کوئی مثبت یا منفی فیصلہ کیا جا سکتا تھا۔

کمپیوٹر پر جب کی بورڈ کے ذریعے دو جمع دو لکھا جاتا ہے تو مانیٹر را بی جواب چار کی صورت میں نمودار ہو جاتا ہے۔ اس مختصر سادہ سے عمل میں کمپیوٹر کے دماغ' یعنی سی پی یو یا سینٹرل سنگ یونٹ پر کیا قیامت گزرتی ہے' کتنے برقی اشاروں کا اج اور انجذاب ہوتا ہے' اس کا احاطہ کرنا ایک عام آدمی کے سے باہر ہے۔ بالکل اسی طرح' اس افسر کے سامنے میرا ب ہو جانا ایک بہت سادہ اور فطری سا عمل تھا لیکن ان چند ثانیوں میں' میں جس ذہنی قیامت سے دوچار ہوا تھا' اس کا ادراک میرے علاوہ کسی کے بس میں نہیں تھا۔

ذہن کی سطح پر رونما ہونے والی' ان ہوش ربا تبدیلیوں کے نتیجے میں' سب سے پہلے میری بصارت کی دھند صاف ہوئی اور مجھے اس کا موہوم سا علاماتی چہرہ' اپنے پورے خد و خال کے ساتھ نظر آنے لگا۔ پھر میرے کان بھی اس کی آواز سننے پر مجبور ہوتے چلے گئے۔

"اگر تم ذہین اور بہادر ہو تو یہ کام تمہارے لئے مشکل نہیں ہونا چاہئے؟" وہ میرے چہرے پر نظریں گاڑے پُر یقین لہجے میں کہہ رہا تھا "بزدل اور کند ذہن ہو تو تم بے موت مارے جاؤ گے۔"

"بہت بہتر" میں نے احمقانہ لہجے میں کہا "میں یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچا دوں گا جنہوں نے مجھے یہاں بھیجا ہے' مجھے تو یہ بتایا گیا تھا کہ مجھے بولنے کے بجائے' صرف سننا ہے لیکن یہاں صورتِ حال بالکل ہی مختلف ہے۔ آپ مجھ سے تبادلۂ خیال کر رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ میری زبان سے کوئی غلط لفظ یا فقرہ نکل گیا تو میں بے موت مارا جاؤں گا۔ میرا چیف' مجھے عضو ناکارہ سمجھ کر اُس رخصت پر بھیج دے گا جہاں سے آج تک کوئی واپس نہیں آیا ہے۔"

"بہت بزدل ہو" وہ ملامت آمیز لہجے میں بولا "مجھے تو بتایا گیا تھا کہ پیغام لانے والا مقامی مافیا کا نمبر دو ہو گا۔ اگر تمہاری ذہنی سطح کا یہ عالم ہے تو پھر یہاں مافیا کا خدا ہی حافظ ہے۔"

اس کے طنزیہ تبصرے پر میں تلملا کر رہ گیا لیکن میں نے کوئی سخت جواب دینا مناسب نہ سمجھتے ہوئے کہا "میں اپنے باس کا نمبر دو ہوں اس لئے اُس کے احکام کی پابندی کرنے پر مجبور ہوں۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ مجھے کچھ کہے بغیر بہت کچھ سن کر آنا ہو گا اس لئے میں اسی تیاری کے ساتھ آیا تھا۔"

"نمبر دو اسی کو بنایا جاتا ہے جو مختصر ترین نوٹس پر کسی بھی وقت نمبر ایک پوزیشن پر آنے کے لئے تیار ہو۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میں کہاں اور کس پوزیشن پر بیٹھا ہوا ہوں" اس کا لہجہ یک بیک بہت نرم' دھیما اور خواب ناک ہو گیا "میں نے یہ مقام حاصل کرنے کے لئے بہت محنت کی ہے۔ پبلک سروس کمیشن کے امتحانات میں ہزاروں ذہین اور تعلیم یافتہ لڑکے شریک ہوتے ہیں لیکن ان میں سے بہت قلیل تعداد سرخروئی حاصل کرتی ہے۔ پھر اکیڈمی کی کڑی تربیت سے گزرنا ہوتا ہے۔ اس کرسی تک پہنچنے کا کوئی شارٹ کٹ نہیں ہے۔ میں پولیس سروس میں اے ایس پی کی حیثیت سے داخل ہوا تھا اور آج میں ایک اہم شعبے کا مالک و مختار ہوں" میں نے اس مرحلے پر محسوس کیا کہ اس کے انداز میں تکبّر یا رعونت کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ ساری باتیں دھیمے اور ہموار لہجے میں یوں بتا رہا تھا جیسے مجھے حقائق سے آگاہ کرنا چاہ رہا ہو۔

اس کی بات جاری تھی اور وہ کہہ رہا تھا "لیکن کیسٹ والا معاملہ بہت نازک ہے۔ غلام رسول کو ایک خفیہ' وفاقی ادارے نے پکڑا ہے۔ اس پر فردِ جرم بھی انہوں نے ہی عائد کی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ غلام رسول کی شہرت سندھ کی ہے اور اس کی گرفتاری بھی ہمارے صوبے میں عمل میں آئی ہے۔ اس لئے اس مقدمے کی سماعت ہمارے صوبے کی خصوصی عدالت میں ہو گی۔ اسے مقررہ

وقت پر عدالت میں لے جانا اور پھر اگلی پیشی تک سرکاری تحویل میں محفوظ رکھنا ہماری ذمے داری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کراچی سینٹرل جیل میں بند ہے۔ ہم ان معزز اور بارسوخ لوگوں کے لئے ہمیشہ اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے ہیں جو اپنے علاقوں میں اپنی بات منوانے پر قادر ہوتے ہیں۔ لوگ عموماً ان کی بات مان لیتے ہیں کیونکہ ان کے تجربات شاہد ہوتے ہیں کہ ان معززاور نرم خو لوگوں کے مشوروں سے انحراف کرنے والے ' ناگہانی طور پر کسی نہ کسی پُراسرار بد بختی کا شکار ہو کر مرجاتے ہیں یا ڈاکو وغیرہ انہیں اٹھالے جاتے ہیں۔ ایسے واقعات لوگوں کے دلوں پر ان کی بزرگی اور طاقت کی دھاک بٹھادیتے ہیں۔ ان کے نام سے ماؤں کی کوکھ میں بچے مضطرب ہوجاتے ہیں۔ ایسے لوگ ہماری برادری میں بہت مقبول ہیں کیونکہ ہمارے موجودہ سُپر ڈان یا گاڈ فادر کا تعلق بھی ایسے ہی جاگیردار گھرانے سے ہے۔ روایتی طور پر مافیا جاگیرداروں ہی کی تخلیق ہے جنہوں نے باغی نوجوانوں کی پشت پناہی کرکے سسلی کی سرزمین سے فرانسیسیوں کی تباہی کا نعرہ بلند کیا تھا اور آخر کار پورے اٹلی کو فرانس کی غلامی سے آزاد کرالیا تھا۔ تمہارے لئے یہ سب جاننا ضروری ہے کیونکہ تم اس سرزمین پر مافیا کے نمبردو ہو۔ یہاں ہم ابھی تک شہری کاروبار میں الجھے ہوئے ہیں لیکن یہاں کے دیہی علاقوں کے حالات ہمارے لئے دن بہ دن حوصلہ افزا ہوتے جارہے ہیں۔ حالات تیزی کے ساتھ اسی رخ پر جارہے ہیں جہاں سسلی کے چند زمین بڑوں کو مافیا کی داغ بیل ڈالنے کا خیال آیا تھا۔ ہمیں غلام رسول اور اس جیسے چند اور لوگوں کا تعاون حاصل ہوجائے تو قانون ہمارا بال بھی بیکا نہیں کرسکے گا اور ہم اپنی آمدنی کروڑوں تک لے جاسکیں گے۔ مفلوک الحال ہاری اور دہقان ' سہمی ہوئی بھیڑوں کی طرح ہماری غلامی کریں گے۔ ہم جب اور جسے چاہیں گے ' بھینٹ کے طور پر انتظامیہ کے قدموں میں ڈال سکیں گے کیونکہ کوئی مردہ اپنے دفاع میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پولیس کی گولیوں سے مرے ہوئے شخص کی سرکاری شناخت صرف وہی ہوتی ہے ' جو پولیس اپنے ریکارڈ میں درج کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ریکارڈ میں سیکڑوں قاتلوں اور ڈاکوؤں کی موت کے باوجود ان کی تعداد میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ بعض ڈاکو دو دو مرتبہ مارے جانے کے بعد بھی زندہ دیکھے گئے ہیں۔"

وہ ... ہونے ... باتیں تھیں۔ میں اپنی جگہ پر پھریری لے کر رہ گیا۔

وہ مجھ سے بہت سینئر تھا' اس لئے میں نے کہیں بھی اس کی بات کاٹنے کی کوشش نہیں کی لیکن جب وہ رک کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا تو میں نے پوچھا "لیکن اسے اغوا کرکے ہم اس سے کیا کام لے سکیں گے؟"

"تمہارا سوال درست اور فطری ہے" اس نے سگریٹ سلگانے کے بعد سرہلاتے ہوئے اقرار کیا "ہمیشہ دشمنوں کو اغوا کیا جاتا ہے۔ کسی دوست کا اغوا سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے مگر غلام رسول کا معاملہ بہت مختلف ہے۔ اس پر سنگین الزامات عائد کئے گئے ہیں۔ اس کے خلاف اتنے واضح اور ناقابلِ تردید ثبوت مہیا کئے جاچکے ہیں کہ وہ اپنی زندگی سے مایوس ہوچکا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اس پر مقدمہ چلایا گیا تو اسے سات سنگین جرائم میں ہر ایک پر سزائے موت سنادی جائے گی۔ اس لئے ہم اسے عدالت کا سامنا کرنے سے بچائیں گے۔ آدمی کو زندہ رہنے کی امید ہو تو وہ عزت و آبرو اور نیک نامی یا بدنامی کے بارے میں سوچتا ہے لیکن وہ مایوسی کی گہری دلدل میں دھنسا ہوا ہے۔ اس وقت اسے صرف صرف زندہ رہنے کی آرزو ہوگی۔ وہ کہاں اور کیسے زندہ رہتا ہے ' یہ بعد کی باتیں ہیں۔ اُس کی اسی ذہنی حالت کی وجہ سے ہم نے اسے سرکاری تحویل سے نکالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کارروائی میں اس کا مشورہ شامل ہے ' نہ مرضی۔ اسی لئے میں نے اغوا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ تمہاری ناگہانی کارروائی پر اس کے محافظ ہی نہیں ' وہ خود بھی بھونچکا رہ جائے گا۔ شاید وہ مزاحمت پر بھی آمادہ ہوجائے تمہیں ' اس کو پوری احتیاط کے ساتھ نکال لے جانا ہے۔ دونوں طرف کے سرحدی محافظوں سے بچاکر تم اسے پڑوسی ملک میں بھی چھوڑ سکتے ہو۔ اس سے آگے تمہارا کام ختم ہوجائے گا۔ اس کی ذمّے داری دوسروں پر ہوگی۔"

وہ منصوبہ میرے لئے ناقابلِ فہم تھا۔ اس نے میرے بشرے پر تردد کے آثار بھانپ لئے اور مفاہمانہ لہجے میں بولا "تمہارا کام اپنے حصے کی ہدایات پر عمل کرنا ہے لیکن میں اس وقت اچھے موڈ میں ہوں۔ تم کچھ پوچھنا چاہتے ہو تو بلا تکلف مجھ سے سوال کرسکتے ہو۔"

"اس علاقے کا مجرم پڑوسی ملک میں زندہ تو رہ سکتا ہے لیکن ایسی جلاوطنی کی حالت میں وہ یہاں ہماری کیا مدد کرسکے گا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ساری عمر کے لئے نہیں جائے گا۔ آج حالات ناسازگار ہیں تو اسے یہ سرزمین چھوڑنی ہوگی۔ حالات بہتر ہونے پر وہ یہاں لوٹ آئے گا۔ سازگار حالات پیدا کرنے کے لئے ہمارے علاوہ وہ خود بھی اپنے سارے وسائل کام میں لائے گا جس میں مقدمات ختم بھی ہوسکتے ہیں" اس نے براہِ راست آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"میرے لئے صرف اسی قدر حکم ہے کہ ہم لوگوں کو رسول کو اغوا کرکے سرحد پار پہنچانا ہے؟" میں نے استفسارانہ لہجے میں کہا۔

"شاید تم اسے بہت آسان کام سمجھ رہے ہو!" اس نے گھورتے ہوئے کہا۔

"آسان نہیں تو ناممکن بھی نہیں ہوگا ' جبھی تم نے اس کے بارے میں زبان کھولی ہے" میں نے پہلی بار قدرے بے تکلفی اختیار کرنے کی ہمت کرتے ہوئے اسے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

وہ چھنسی چھنسی اور غراتی ہوئی آواز میں ہنس پڑا "یہ اچھی بات کہی ہے تم نے۔"

میرے لئے یہ بات بہت اہم تھی کہ اس نے میری بے تکلفی کا ذرا بھی اثر نہیں لیا تھا۔

"تم نے جو کچھ کہا ہے ' اس پر ہر قیمت پر عمل کیا جائے گا لیکن اس سے آگے بھی اگر کچھ رہنمائی کرسکو تو ہمارا کام آسان ہوجائے گا۔"

"میری ہدایت کے تین حصے ہیں۔ اغوا ' سرحد پار منتقلی اور جلد از جلد" وہ میری طرف نگراں تھا۔

"ابتدائی دو نکات پر میں اپنا ارادہ ظاہر کرچکا ہوں۔ تیسرے نکتے کا تعلق موقع محل سے ہے ' جس کے بارے میں ' میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔"

"کل تک وہ تفتیش میں شامل تھا" اس نے قدرے سکوت کے بعد کہنا شروع کیا "تفتیشی اداروں کے خصوصی طریقوں نے اسے بری طرح دہشت زدہ کیا ہوا ہے۔ آج وہ جیل میں ہے۔ اس کے جسم پر تشدد کی کوئی علامت نہیں ہے لیکن وہ اعصاب زدہ ہوچکا ہے۔ پرسوں اسے باقاعدہ ریمانڈ کے لئے عدالت میں پیش کیا جانے والا ہے....."

"ریمانڈ کے لئے پہلی پیشی ہونے سے قبل اسے جیل بھیجنا ضروری تو نہیں تھا؟" بے تکلفی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"عام حالات میں قیدی کو لاک اپ سے کورٹ میں پیش کیا جاتا ہے۔ جسمانی ریمانڈ مل جائے تو قیدی دوبارہ حوالات میں آجاتا ہے۔ اجازت نہ ملے تو اسے جیل بھیج دیا جاتا ہے لیکن یہ معاملہ بعض حساس وفاقی اداروں سے تعلق رکھتا ہے جو ناگزیر وجوہ کی بنا پر سامنے آنا نہیں چاہتے۔ انہوں نے فردِ جرم کی ابتدائی مثل ہمارے ایڈووکیٹ جنرل کو بھجوادی ہے اس لئے غلام رسول کو ایک ابتدائی حکم کے ذریعے براہِ راست جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔ سب سے اہم بات یہی ہے کہ اس معاملے میں پولیس کی براہِ راست ذمے داری نہیں ہے۔ اس لئے جیل سے عدالت جاتے ہوئے یا واپسی میں اسے اغوا کرلیا جائے تو پولیس پر زیادہ نکتہ چینی نہیں ہوگی۔"

"لیکن قیدیوں کو جیل سے لانے ' لے جانے کی ذمے داری تو پولیس ہی کی ہوتی ہے؟"

"قیدیوں کو لانے ' لے جانے والی لاریوں کا سارا عملہ جیل سپرنٹنڈنٹ کا ماتحت ہوتا ہے اور اسی کے احکام پر عمل کرتا ہے۔ خطرناک یا اہم قیدیوں کی خصوصی حفاظت کے لئے وہ اپنی صوابدید پر پولیس کا اضافی عملہ طلب کرسکتا ہے لیکن غلام رسول کے بارے میں ابھی تک کوئی خاص بندوبست نہیں کیا گیا ہے۔ اسے پرسوں صبح عدالت میں پیش کرنے کے لئے لایا جائے گا۔ جیل سے گاڑی ساڑھے آٹھ بجے روانہ ہوگی۔ گاڑی کے اگلے حصے میں پولیس کے غیر مسلح ڈرائیور کے علاوہ ' عقبی حصے میں غلام رسول کے ساتھ دو مسلح محافظ ہوں گے۔ ایسی گاڑیاں جیل روڈ کا چوراہا گھوم کر قائدِاعظم کے مزار کے عقب میں نکلنے والی سڑک کی راہ اختیار کرتی ہیں۔ اس چوراہے سے شاہراہِ قائدین تک تم آسانی کے ساتھ اپنا کام کرسکتے ہو۔ تم ذرا سی بھی ذہانت سے کام لو تو کوئی مشکل پیش نہیں آنی چاہئے۔ اس کے بارے میں مزید معلومات تم اپنے ذرائع سے حاصل کرسکتے ہو۔ تمہارا مطلوبہ آدمی ایک بار تمہاری تحویل میں آجائے تو اسے یہاں سے نکال لے جانا دشوار نہیں ہونا چاہئے۔ تمہاری ہمدردی کا یقین ہوجانے کے بعد وہ خود تم سے تعاون کرنے پر آمادہ ہوجائے گا۔"

وہ پوری طرح مافیا کا ہمدرد ' منصوبہ ساز اور نمک خوار نظر آرہا تھا۔ پاکستان میں مافیا کی تنظیم اپنے ابتدائی مراحل میں تھی۔ کی کلب کی گھناؤنی سرگرمیوں کے ذریعے سیٹھ حبیب جیوانی نے بہت سے اہم سرکاری اہل کاروں کو بلیک میل کرکے مافیا کو طاقت فراہم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کی کلب کی تباہی کے نتیجے میں اثر و رسوخ اور طاقت کا وہ منبع ختم ہوگیا تھا اور مافیا اپنی نشوونما کے ابتدائی دَور ہی میں مفلوج ہوکر رہ گئی تھی۔

میرے لئے یہ بات حیران کن تھی کہ مافیا کے کمزور مقامی بیورو کو بھی ایک سینئر اور باوردی افسر کی مکمل ترین حمایت حاصل تھی۔ لیکن پھر مجھے خود ہی اس حمایت کا جواز بھی نظر آنے لگا۔

مقامی بیورو کتنا ہی حقیر اور بے بس رہا ہو لیکن اس کی بنیادیں عالمی مافیا کے ساتھ مشترک تھیں۔ مدر مافیا کے ڈان تھری سے میں خود مل چکا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ سپر ڈان پاکستانی مافیا کے معاملات میں گہری دلچسپی لے رہا ہے۔ یہی وہ عوامل تھے جو مدر مافیا کے ہمدردوں اور نمک خواروں کو مقامی بیورو کی اعانت پر مجبور کررہے تھے۔ وہ اپنے سارے وسائل مجتمع کرکے مقامی بیورو کو اس منزل پر لے جانے کی کوشش کررہے تھے جہاں ان کا کولمبیا بیورو فائز تھا تاکہ حکومت اور بیورو کریسی کے اہم فیصلوں پر اثرانداز ہونا ممکن ہوسکے۔ وہ لوگ جرائم اور معاشرتی تخریب کے پیغام بر ضرور تھے لیکن ان کی نظریں ہمیشہ علاقائی اقتدار پر مرکوز رہتی تھیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ مافیا کے عملی فلسفے میں بھی نمایاں تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ اب وہ حکومت اور قانون کے حریف نہیں ' بلکہ حلیف بن کر اپنے حلف کی خفیہ شقوں کو پوری قوت اور شدت کے ساتھ نافذ کرنا چاہتے تھے۔

اس پولیس افسر نے جو کچھ کہا وہ میری آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی تھا لیکن جب تک میں مافیا میں شامل رہنے پر مجبور تھا ' اس وقت تک مجھے ہر قیمت پر ان کے اشاروں پر ناچنا تھا۔ انہیں میرے دل و دماغ کی گہرائیوں میں پروان چڑھنے والے بغض و عناد کی بو بھی مل جاتی تو وہ اپنی ساری مصلحتوں اور مفادات کو بھول کر بلا تامل میری زندگی کا چراغ گل کردینے سے گریز نہ کرتے۔

وہ چند ثانیوں تک، خاموشی کے ساتھ سگریٹ کے گہرے گہرے کش لیتا رہا پھر آہستگی سے بولا "مجھے اومرتا کے بارے میں یاددہانی کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے۔"

میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "یہ نام یا لفظ میرے لئے بالکل اجنبی ہے۔"

"مافیا کے روایتی حلف کو اومرتا کہتے ہیں" اس نے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا "برے وقت میں بدترین تشدد سہہ کر مرجانا لیکن اپنے کام اور ساتھیوں کے بارے میں زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالنا، اومرتا ہے۔ تم مجھ سے مل لئے ہو، یہ تمہارے لئے ایک اعزاز ہے لیکن واضح اجازت یا طلبی کے بغیر تم کبھی میرے قریب آنے کی کوشش نہیں کروگے۔ کہیں مجھ سے آمنا سامنا ہو بھی جائے تو ایک اجنبی کی طرح گزر جاؤگے۔"

"میں جانتا ہوں" میں نے سرہلا کر اقرار کیا "یہ میرے لئے ایک بڑا اعزاز ہے۔"

"یہ پہلا موقع ہے کہ چیف کے بجائے، اس کے نمبر دو کی عزت افزائی کی گئی ہے۔"

"میں ہر قیمت پر خود کو اس اعزاز کا اہل ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"اب تم جاسکتے ہو" یہ کہتے ہوئے، اس نے اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھادیا۔

میں اس سے مصافحہ کرکے اس کے خوب صورت دفتر سے باہر نکلتا چلا آیا۔

وہاں سے واپس لوٹتے ہوئے میرا ذہن بوجھل تھا اور دل ودماغ میں عجیب سے آندھیاں چل رہی تھیں۔

کہنے کو میں ایک آزاد اور خودمختار قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ بظاہر اس قوم کے عزائم نیک اور بلند تھے۔ قانون اور اس کا نفاذ کرنے والے طاقتور ادارے، شب وروز سرگرم عمل نظر آتے تھے لیکن اس کے باوجود جڑوں ہی جڑوں میں ہر طرف جرائم پروان چڑھتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

مجھے اس بات کی بے انتہا خوشی تھی کہ میں نے پاکستان میں ثی کے وجود پر کاری ضرب لگاکر عملاً اس کو مفلوج کرکے رکھ دیا تھا۔ اس کے سربراہ جمی لائیڈ کی بیٹی اپنے باپ سے خاموش بغاوت کرکے مجھ سے آملی تھی۔ اس نے ملا سرکار کے تباہ کن منصوبے میں اعانت کے لئے ذرا بھی پیش رفت نہیں ہونے دی تھی۔ اس کی ذات سے مایوس ہوکر ملا سرکار کے امریکی سرپرستوں نے الحدید کے ذریعے جو مہلک اور بیش قیمت ہتھیار منگوائے تھے وہ سب سرکاری تحویل میں لے لئے گئے تھے لیکن حالات اتنے دل خوش کن نہیں تھے جتنے میں سمجھ رہا تھا۔

میں نے اسی روز کے اخبار میں امریکی سفیر کی ایک تقریر دل پذیر کے حوالے سے ہولناک اعداد وشمار دیکھے تھے جو ہیروئن کے بارے میں ثی کے مشن کی کامیابی کی بھرپور اور ناقابلِ تردید غمازی کررہے تھے۔

ثی اپنی سازشوں کے ذریعے پاکستان میں پندرہ لاکھ سے زائد افراد کو ہیروئن کے موذی نشے کا عادی بناچکی ہے اور یہ وبا شہروں سے دور افتادہ قصبوں اور دیہاتوں میں بھی زور پکڑ چکی ہے۔ ان پندرہ لاکھ ہیروئنچیوں کے علاوہ، دس لاکھ افراد ایسے بھی ہیں جو براہِ راست افیم کا نشہ کرتے ہیں۔ ان نشہ بازوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ہر سال ۵۵ ٹن ہیروئن کی ضرورت ہوتی ہے جس کی تیاری کے لئے کم وبیش ۵۷۰ ٹن افیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ خالص افیم کے عادیوں کے لئے مزید ۱۰۰ ٹن افیم کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس طرح ۶۷۰ ٹن افیم کی مقامی طلب پیدا ہوچکی ہے جب کہ افیم کے انسداد کی کوششوں کے نتیجے میں اس کی مقامی پیداوار ۹۰۰ سے گھٹ کر صرف ۱۶۵ ٹن رہ گئی ہے، جس سے صرف ۱۶ ٹن یعنی مقامی ضروریات کی صرف ۲۹ اعشاریہ ایک فیصد ہیروئن کشید کی جاسکتی ہے۔ مقامی طلب اور پیداوار کے اس خلا کو پورا کرنے کے لئے افغانستان سے افیم کی دوتہائی پیداوار پاکستان اسمگل کردی جاتی ہے۔ مقامی کھپت میں بے پناہ اضافہ اور افیم کی پیداوار میں قابلِ ذکر کمی کی وجہ سے پاکستان اس قابل ہی نہیں رہا ہے کہ ہیروئن امریکا یا مغرب کی زرخیز منڈیوں میں اسمگل کرسکے۔ افغانستان سے اسمگل ہونے والی افیم کی وجہ سے دس پانچ ٹن اضافی مال بن جائے تو وہ چھوٹی موٹی کھیپوں میں باہر بھیجا جاتا ہے۔ اس میں سے نصف سے زیادہ پکڑا جاتا ہے اور جو مقدار منڈی میں پہنچتی ہے اس کی مقدار سمندر میں قطرے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اس طرح ہیروئن کے پاکستانی اسمگلر، امریکا کی زرخیز منڈی سے زبردست مالی فائدہ حاصل کرنے کے سنہرے مواقع سے محروم کئے جاچکے ہیں۔

صبح میں نے وہ وحشت ناک خبر سپاٹ انداز میں پڑھ لی تھی لیکن اس پولیس افسر کے دفتر سے واپسی کے سفر میں مجھے ان اعداد وشمار میں اپنی واضح شکست نظر آرہی تھی۔

پاکستان کی منڈی سے چرس کو واپس لے کر، سستے داموں ہیروئن پھیلانے کا منصوبہ سامنے آتے ہی، ثی کے عزائم میرے سامنے بے نقاب ہوگئے تھے۔ امریکی انتظامیہ مادی آسودگیوں سے جنم لینے والے کرب اور ذہنی انتشار کے جہنم میں سلگتے ہوئے امریکی معاشرے کو ہیروئن کے استعمال سے روکنے پر قادر نہیں تھی۔ دوسری طرف وہ لوگ اس زہر کی ہولناک تباہ کاریوں سے بھی پوری طرح باخبر تھے۔ اس لئے ان کے منصوبہ سازوں نے صدارتی عملداری میں ثی کی داغ بیل ڈالی جو ہیروئن تیار کرنے والے ملکوں میں اس کی مقامی کھپت پیدا کرنے پر مامور کردی گئی۔

وہ ثی کا اولین اور بنیادی ٹارگٹ تھا۔ یہ ایک اہم معاشی اصول ہے کہ ہر پیداواری منڈی سے وہی جنس باہر بھیجی جاتی ہے جو مقامی ضروریات سے فاضل ہو۔ اس اصول کا اطلاق قانونی



...رت کے ساتھ ہی اسمگلنگ پر بھی ہوتا ہے۔ جب تک پاکستان ...ں ہیروئن کی وبا عام نہیں ہوئی تھی، یہ کوڑیوں کے دام مل جاتی ...ں۔ ان مقامی داموں کے مقابلے میں عالمی کھلی منڈی میں اس ...ے نرخ ہزاروں گنا زیادہ تھے اس لئے ہر شخص اس جادوئی سفوف ...ے ہیر پھیر میں دلچسپی لینے لگا۔ پیسے کی فراوانی نے نت نئے طریقوں ...ر راستوں کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا لیکن ثی کی کوششوں ...ے مقامی کھپت میں اضافہ ہونے کے ساتھ ہی ہیروئن کے دام ...ھنے لگے جبکہ بیرونی منڈیوں میں مسابقت کی وجہ سے ہیروئن کے ...م گرنے کا رجحان پیدا ہوگیا۔

اور اب صورتِ حال یہ ہوچکی تھی کہ پاکستانی ہیروئنچی اپنی ...روریات پوری کرنے کے لئے افغانی افیم یا ہیروئن کا محتاج ہوچکا ...اور امریکی معاشرہ کم ازکم پاکستانی ہیروئن کی ہولناک یلغار سے ...وظ ہوچکا تھا۔ پاکستان میں ثی کا وہ بنیادی کام خسارے کا سودا ...۔ وہ لوگ بھاری قیمت پر ہیروئن خرید کر اسے چرس سے بھی ...تے داموں پر زیرِ زمین دنیا میں پھیلاتے تھے۔ وہ لوگ اس وقت ...۔ اس میدان میں ڈٹے رہے جب تک انہیں مطلوبہ مقاصد ...صل نہیں ہوئے، یہ ایک اتفاق تھا کہ میں نے ان کے خلاف کم ...ش اسی وقت علم بغاوت بلند کیا جب وہ پاکستانی معاشرے کو حقیقی ...نوں میں تباہی کی راہ پر ڈال دینے میں کامیاب ہوچکے تھے۔

ہیروئن کی منڈی سے ثی کی دستبرداری ان کے اپنے ارادوں ...ے تابع تھی جس میں میرے جبر کا کوئی دخل نہیں تھا۔ انہوں نے ...ں محاذ کو کھلا چھوڑ دیا تھا اور بین الاقوامی سازشوں کے ذریعے ...ستان میں متوازی قوتوں کی آبیاری میں مصروف ہوگئے تھے۔ ...روئن کے معاملے کو اپنی مرضی کے دھارے پر ڈالنے کے بعد، ان ...ا ترجیحات بدل گئی تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ اب مافیا ہیروئن میں دلچسپی لے رہی تھی۔ ...ید مافیا کے بڑوں کو اندازہ ہوچکا تھا کہ اب پاکستان کی منڈی میں ...ان کی حریف نہیں رہی تھی۔

ثی دہشت گردوں، سازشیوں اور غداروں کی سرپرست ومربی ...ا گئی تھی۔ انہیں ہتھیار اور منصوبے فراہم کررہی تھی جب کہ ...یا جرائم کے میدان میں سر ابھارنے کی ٹھوس تیاریاں کررہی ...ی لیکن قابلِ غور بات یہ تھی کہ غلام رسول ان دونوں ہی کے ...ئے اہم ترین کیونکہ مقامیوں کی مدد اور بھرپور حمایت کے بغیر کوئی بھی ...رانہ منصوبہ پروان نہیں چڑھ سکتا تھا۔ ہر سازش کے لئے غلام ...سول جیسے مہرے ناگزیر تھے۔

...ملا سرکار کے مذموم منصوبے میں غلام رسول ایک بارسوخ ...ر نیک نام لیکن خودغرض سیاست داں کے طور پر فٹ بیٹھا تھا۔ ...سری طرف مافیا والوں کے لئے وہ ایک نرم گفتار مگر تندخو وشیرہ ...ا جس کے کسی ادھاری اس کے احکام سے منہ پھیرنے کی جرأت ...یں کرسکتے تھے۔ اس طرح مافیا والے اپنے مخالفین کی سرکوبی کے لئے دیہی علاقوں میں اپنی مضبوط فوج کھڑی کرسکتے تھے۔

اس وقت میرے ذہن نے صورتِ حال کا جو تجزیہ کیا، اس کی روشنی میں مجھے پاکستان میں ثی کا کوئی مستقبل نظر نہیں آرہا تھا۔ ہیروئن کے انسداد کے نام پر قائم کی گئی اس بھیانک تنظیم نے پاکستان کے نگر نگر میں اس موذی نشے کو رواج دے کر اپنے ملک میں ہیروئن لانے والی ایک شہ رگ کاٹ دی تھی۔ انہوں نے مجھ جیسے غافل اور حریص پاکستانیوں کے ذریعے نہایت غیر محسوس طریقہ پر اپنے مقاصد حاصل کئے تھے اور اسی کے ساتھ ثی نے پاکستان سے اپنی بساط لپیٹ لی تھی۔ اب اگر وہ باہر سے اسلحہ وغیرہ اسمگل کررہے تھے تو وہ ایک بالکل مختلف رخ تھا۔ نقد اور بھاری رقوم لے کر باہر کا کوئی بھی گروہ ہتھیاروں کی اسمگلنگ کا کام کرسکتا تھا لیکن ثی نے ہیروئن کے بارے میں جس طویل المدت منصوبے پر کام کیا تھا، اسے بھرپور کامیابی سے ہم کنار کرنا کسی جرائم پیشہ گروہ کے بس میں نہیں تھا۔ دنیا بھر میں ہر مجرم مختصر ترین مدت میں بڑی بڑی رقوم کمانے کی فکر میں لگا رہتا ہے جب کہ ثی نے پاکستان میں برسوں تک خسارے کی سرمایہ کاری کرنے کے بعد اپنی سرکار کا ہدف حاصل کیا تھا۔

میرے لئے ثی بڑی حد تک ختم ہوچکی تھی اور مافیا دن بہ دن زور پکڑ رہی تھی۔ دھیمے دھیمے معصوم چہروں پر سے نقاب سرک رہی تھی اور کریہہ صورتیں سامنے آرہی تھیں۔ ان کے منصوبے نرالے اور گھاتیں انوکھی تھیں۔ تسلی کی بات صرف اتنی تھی کہ وہ بنیادی طور پر کسی ملک، قوم، مذہب یا فلسفے کے خلاف نہیں تھے بلکہ ان عوامل سے قطع نظر پوری دنیا میں جرائم کے فروغ کے لئے زیرِ زمین کام کررہے تھے۔ انہیں پاکستان میں اپنی دال گلتی نظر نہ آتی تو وہ کسی ملال کے بغیر اپنا بوریا بستر سمیٹ کر قرب وجوار کے کسی اور ملک میں ڈیرے ڈال سکتے تھے۔

میں ٹریڈ لائن کے دفتر میں پہنچا تو شیر شاہ، الٰہ دین کے چراغ کے جن کی طرح راستے ہی میں میرے ساتھ ہولیا۔ اس کے چہرے پر اداسی برس رہی تھی۔

"چیف کے بارے میں کیا خبر ہے؟" میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ کب آتا ہے اور کب چلا جاتا ہے..... ہم لوگوں کو پتا ہی نہیں چلتا۔ اس کے دروازے پر سبز بلب جل رہا ہو تو مجھے اندر جانے کی اجازت ہوتی ہے، سرخ بلب جل رہا ہو تو کوئی اندر نہیں جاسکتا۔ دونوں بلب بند ہوں تو وہ اندر نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں دروازہ اندر سے مقفل ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ چیف اپنی آمدورفت کے لئے کوئی خفیہ راستہ استعمال کرتا ہے جو کمرے میں ہی کھلتا ہے۔"

جب تک سینڈو زندہ تھا، شیر شاہ سمیت اس کے کسی ماتحت کو چیف کے قریب پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی اس لئے وہ سب ہی

چیف کے پُراسرار معمولات کی طرف سے بے خبر تھے۔ سینڈو کی موت کے بعد شیر شاہ کے منصب میں نئی نئی ترقی ہوئی تھی اس لئے اسے ہر بات عجیب اور ناقابلِ یقین نظر آرہی تھی۔

"جو کچھ خود بخود سامنے آجاتا ہے' اسی پر قناعت کرنے کی عادت ڈالو" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "اپنے بڑوں کے بارے میں تجسس پسندی' سرکشی کے زمرے میں شمار ہونے لگتی ہے۔"

"میں جانتا ہوں" وہ اضطراری لہجے میں بولا "میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا...."

"نہ ہو" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "مگر پھر بھی محتاط رہا کرو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے پیشے میں دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔"

میں اسے اپنے ساتھ اپنے دفتر میں لے آیا تھا تاکہ اس سے بات کرسکوں۔

مافیا میں شیر شاہ کا نام میرے لئے اجنبی نہیں تھا لیکن کبھی بھی اس سے میرا براہِ راست واسطہ نہیں پڑا تھا جس کی وجہ سے میں اس کے مزاج سے نا آشنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں اس سے کھلے دل کے ساتھ گفتگو کرنے سے گریز کررہا تھا جو قطعی فطری رویہ تھا۔

"آج تم کچھ اداس نظر آرہے ہو؟" دفتر میں کرسیاں سنبھالنے کے بعد میں نے پوچھا۔

"رہ رہ کر سینڈو کا انجام یاد آرہا ہے" اس نے غم زدہ لہجے میں کہا "سنا ہے کہ سرکاری اسپتال والے پوسٹ مارٹم کے بہانے لاوارث لاشوں میں سے دل' گردے' کلیجی' پھیپھڑے اور دوسرے کار آمد اعضا نکال کر اندر برف بھردیتے ہیں۔ پھر ان کھوکھلے ڈھانچوں کو دفنا دیا جاتا ہے۔ بے چارے سینڈو پر بھی یہی گزری ہوگی۔"

"تمہاری دانست میں ان کار آمد اعضا کا کیا مصرف ہوتا ہوگا؟" میں نے مضحکانہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ ضرورت مند مریضوں کو بیچ دئے جاتے ہیں" اس نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔

"ایسے اعضا موت سے ایک مقررہ وقت کے اندر اندر نکال کر محفوظ نہ کئے جائیں تو ناکارہ ہوجاتے ہیں" میں نے سنجیدگی کے ساتھ اسے آگاہ کیا "آج سینڈو ہلاک ہوچکا ہے تو درد سے ہمارے دل بھرے چلے آرہے ہیں لیکن ہم نے اپنے ان لاتعداد حریفوں کے بارے میں کبھی نہیں سوچا' جو ہمارے اور سینڈو کے ہتھیاروں کا نشانہ بنے تھے۔"

"اپنا دکھ' پرائے دکھ سے ہزار گنا زیادہ ہوتا ہے باس! یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

"میں تم سے پوری طرح اتفاق کرتا ہوں" میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ مجھے یک بیک ہی دھیان آگیا تھا کہ سینڈو کے معاملے میں مجھے ان لوگوں کے جذبات کا ساتھ دینا تھا۔

"وہ جیسا اور جو کچھ بھی تھا' بہت صاف ستھرا اور کھرا آدمی تھا۔ کسی کے ساتھ منافقت نہیں کرتا تھا۔ کسی کو دوست کہہ کر بغل سے اس پر وار کرنے کو نہایت گھٹیا اور بزدلانہ حرکت سمجھتا تھا۔"

میرے لئے خاموش ہوکر اس موضوع کو وہیں ختم کردینے کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار نہیں تھا۔ میرے چند ثانیوں کے سکوت سے اس نے فوراً ہی میرا منشا بھانپ لیا۔

"تمہیں جیل سے سماعت کے لئے لے جائے جانے والے کسی قیدی کے اغوا کا تجربہ ہے؟"

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور مجھے سنجیدہ پاکر انکار میں اپنا سر ہلادیا "نہیں۔"

"تمہارے لئے یہ تجربہ حاصل کرنے کا سنہرا موقع آگیا ہے۔ مجھے اس پر تمہارا پلان چاہئے۔"

"پولیس کی نفری' ان کے ہتھیاروں کی ساخت اور تعدا[د] قیدیوں کی نفری اور مقام کا علم ہو تو منصوبہ بنانے میں زیادہ دیر نہیں لگنی چاہئے۔"

میں نے پولیس افسر سے ملنے والی معلومات' اس کے کانو[ں] میں انڈیلنے کے بعد کہا "گاڑی میں صرف دو مسلح محافظ ہوں گے آج کل پولیس والوں کے جدید ترین ہتھیاروں میں سب مشین گ[ن] یا کلاشنکوف سب سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے' جس کے بڑ[ے] میگزین میں ۷ اعشاریہ چھ دو ملی میٹر قطر کی کل بیس گولیاں آ[تی] ہیں۔ سنگل شاٹ پوزیشن پر ہر گولی اپنی مرضی کے مطابق چلا[ئی] جاسکتی ہے لیکن خود کار پوزیشن پر ٹرائیگر دبتے ہی ڈھائی سے [تین] سیکنڈ میں پورا میگزین خالی ہوجاتا ہے۔ چلانے والا بہت ماہر [ہو تو] خود کار پوزیشن پر کئی کئی گولیوں کے مختصر برسٹ مار کر مقابلے کی مدت کو اپنی مرضی کے مطابق طول دے سکتا ہے۔ میں بوکھلا[ئے] ہوئے سپاہیوں سے ایسی مہارت اور چالاکی کی امید نہیں کر[تا] اس لئے ہمیں ایک وین' تین سپاہیوں' دو ایس ایم جی اور چا[لیس] گولیوں کو ذہن میں رکھ کر اپنا منصوبہ بنانا ہوگا۔ جیل کے چور[نگی] سے کئی کلومیٹر تک کا راستہ اس مشن کے لئے بہت سازگار ہوگا

"قائداعظم کے مزار کے عقب والی سڑک سب سے بہ[تر] رہے گی" وہ پُرخیال انداز میں بولا "وہاں آبادی کی طرف سے مزاحمت یا مداخلت کا خطرہ نہیں ہوگا۔"

"لیکن تم دو سب مشین گنوں اور ان کے میگزین میں [بھری] ہوئی چالیس گولیوں کو بھول رہے ہو" میں نے اسے یاد دلا[تے ہوئے] اپنی بات کا اعادہ کیا۔

وہ میرے سامنے پہلی بار ہنسا۔ اس کی ہنسی پُراعتماد او[ر] رحمانہ تھی۔

"پولیس کی پلاننگ اتنی ناقص اور بجٹ اتنا محدود ہو[تا ہے کہ]
[س]پاہی' سرکاری گولیوں کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ [بیشت]ر سپاہی تو زندگی بھر کوئی فائر کئے بغیر ہی ریٹائر ہوجاتے ہیں" وہ [کہہ] رہا تھا "نشانہ بازی اور مشق سے عاری اناڑیوں کے ہاتھوں [میں] ہتھیار' ڈنڈے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ یہ اور بات ہے کہ [کسی] کا برا وقت آگیا ہو اور وہ خود ہی اپنا سینہ کھول کر کسی بھٹکی ہوئی [گو]لی کے سامنے آجائے۔"

"یعنی تمہارے ذہن میں کوئی منصوبہ بن رہا ہے؟" میں نے [حو]صلہ افزا لہجے میں سوال کیا۔ اس وقت تک میرے ذہن میں غلام [رس]ول کے اغوا کے بارے میں ایک خاکہ بننا شروع ہوگیا تھا لیکن [میں] اپنی کسی رائے کا اظہار کرنے کے بجائے شیر شاہ کو ٹٹولنا چاہتا [تھ]ا۔

"اس واردات کے لئے قائداعظم کے مزار کے پیچھے والی [سڑ]ک ہر اعتبار سے موزوں ہے" اس نے اپنی بات دہراتے ہوئے [بتا]نا شروع کیا "کوئی گاڑی پولیس وین سے ٹکرا جائے تو پولیس [وا]لے آپے سے باہر ہوکر' اس گاڑی کے ڈرائیور سے لڑنے مرنے [پ]ر اگر وہ مسکین سا آدمی ہو تو اسے مارنے پر تل جائیں گے۔ کمزور [حر]یف کے سامنے وہ اپنے دست و بازو اور زبان پر قابو رکھ ہی نہیں [سک]تے۔ اس موقع پر بیچ بچاؤ کے بہانے دو تین آدمی' انہیں مزید [اُلجھ]ا لیں تو ان ہی کا کوئی ساتھی بڑی آسانی کے ساتھ غلام رسول کو [پو]لیس وین سے اپنے ساتھ لے کر فرار ہوسکتا ہے۔ اپنی گاڑی کے [عقب]ی حصے کو خالی پاکر جب انہیں ہوش آئے گا تو غلام رسول ان کی [دست]رس سے بہت دور جاچکا ہوگا۔ بعد میں بیچ بچاؤ کرانے والے بھی [وہ]اں سے کھسک سکتے ہیں۔"

اس کے منصوبے کی جزئیات قدرے مختلف تھیں لیکن [بنی]ادی طور پر اس نے وہی کچھ سوچا تھا جو میرے ذہن میں تھا۔ میں [اپ]نے دل ہی دل میں اس کی فکرِ رسا کی داد دئے بغیر نہ رہ سکا۔

"گاڑی ٹکرانے والا کرائے کا آدمی ہوگا؟" میں نے پُرتجسس [لہ]جے میں اسے کریدا۔

"میں کرائے کے آدمیوں پر زیادہ بھروسا نہیں کرتا۔ ہمارے [آد]میوں میں سے ہی کوئی یہ کام سرانجام دے گا اور موقع پاکر وہ بھی [نک]ل نکلے گا۔"

"لیکن گاڑی؟" میں نے سوال کیا "واردات کے بعد وہی [گا]ڑی توجہ کا مرکز بن جائے گی۔"

"اب تو کراچی میں بارہ چودہ برس کے چھوکرے بھی گاڑیاں [چرا]نے لگے ہیں' باس!" وہ اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر بولا۔ [واردات کے] دن صبح کے لئے کل رات ہی کوئی کار چرالی جائے گی۔ چوری کی [گاڑی] ہاتھ لگنے کے بعد پولیس ہمارا کیا بگاڑ سکے گی؟"

"یعنی اس واردات میں تین گاڑیاں استعمال کی جائیں گی؟" [میں] نے پوچھا۔

اس نے سوچتے ہوئے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور بولا۔

"ہاں' ایک تو چوری کی کار ہوگی جو ون وے کی خلاف ورزی کرکے سامنے سے پولیس وین سے ٹکرائے گی تاکہ ہر ایک کی ساری توجہ اسی طرف مرکوز ہوجائے اور وین کا عقبی حصہ عدم توجہی کا شکار ہوجائے۔ دوسری کار سے چار پانچ آدمی وہاں پہنچیں گے۔ دو تین آدمی صلح صفائی یا بیچ بچاؤ کے بہانے سے پولیس والوں کو مزید اشتعال دلا کر اسی طرف الجھائے رہیں گے۔ اس اثنا میں بقیہ دو آدمی خاموشی کے ساتھ' غلام رسول کو وین کے عقبی دروازے سے اتار کر' اپنی گاڑی میں بٹھالے جائیں گے۔ اس دوران میں تیسری گاڑی بھی وہاں پہنچ چکی ہوگی۔ جب پولیس والوں پر غلام رسول کے فرار کا انکشاف ہوگا تو وہ بوکھلا جائیں گے۔ ہمارے ساتھی انہیں گمراہ کرکے اِدھر اُدھر بھاگنے پر مجبور کردیں گے اور موقع پاتے ہی تیسری کار میں جائے واردات سے فرار ہوجائیں گے۔"

وہ خاموش ہوا تو میں معنی خیز انداز میں ہنس پڑا اور وہ بری طرح سٹپٹا گیا۔

"کک..... کیا میرے اس پلان میں کوئی خامی ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"کوئی نہیں" میں نے اسے تسلی دی "تمہاری زبان سے یہ سارا کام بہت سہل اور قابلِ عمل نظر آرہا ہے۔ خدا کرے کہ سب کچھ اسی ترتیب سے رُونما ہوسکے!"

"ہم لوگوں کا پولیس والوں سے اکثر واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ ہیڈ کانسٹیبل اور اس سے اوپر والے افسر' تعلیم یا تجربے کی بنا پر بہت چالاک اور ہوشیار ہوتے ہیں لیکن نیم خواندہ یا تقریباً ناخواندہ سپاہی بہت جلد مشتعل ہوجاتے ہیں۔ قانون کی بالا دستی کو وہ اپنی بالا دستی میں مضمر سمجھتے ہیں۔ اسی لئے وہ ہر وقت ہر ملزم کی ٹھکائی کرکے قانون کا بول بالا کرنے پر تلے رہتے ہیں۔ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ پولیس وین کی ٹکر ہوتے ہی وہ غلام رسول کو بھول بھال کر گاڑی چلانے والے پر ٹوٹ پڑیں گے...."

"اور یہی تمہارے منصوبے کا کلیدی موڑ ہوگا" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے' تم اس بارے میں مزید غور و فکر کرکے اپنے ساتھیوں کا انتخاب کرلو' بقیہ ہدایات میں بعد میں دوں گا۔"

"یہ کام کب ہونا ہے؟" اس نے کرسی سے اٹھتے ہوئے پُراشتیاق انداز میں پوچھا۔

"تم اپنی تیاریاں مکمل کرلو' میں تمہیں کم از کم چوبیس گھنٹے کا وقت ضرور دوں گا۔"

میری یقین دہانی پر اس کا چہرہ کھل اٹھا "بس' میں یہی جاننا چاہتا تھا۔ ایک اچھا باس اپنے ماتحتوں کی ضروریات اور مجبوریوں سے ہر وقت اور ہر حال میں باخبر رہتا ہے۔"

اس کے جاتے ہی میں نے فون کا ریسیور اٹھا کر حبیب جیوانی

کے گھر کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

میں نے شیر شاہ سے غلام رسول کے اغوا کے منصوبے پر بات تو کرلی تھی لیکن حبیب جیوانی نے اس بارے میں مجھے کسی کارروائی کا اختیار نہیں دیا تھا۔ اس کی ہدایت صرف اتنی تھی کہ میں میلان سے آنے والے فون پر ملے ہوئے ناقابلِ فہم پیغام پر مشتمل کیسٹ ایک اعلیٰ افسر کو پہنچادوں اور وہ مجھے جو کچھ ہدایات دے' وہ خاموشی کے ساتھ من وعن حبیب جیوانی تک پہنچادوں۔

دوسری طرف میں یہ بھی جانتا تھا کہ اپنی جبری رُوپوشی کی بنا پر سیٹھ حبیب جیوانی مافیا کے عملی کام اور مار دھاڑ سے بالکل ہی کٹ کر رہ گیا تھا۔ وہ فیصلے ضرور کرتا تھا لیکن ان کے نفاذ کے لئے سینڈو کا یا پھر میرا محتاج تھا۔ عملی محاذ سے اس دوری نے مافیا چیف کو بروقت اور بالکل صحیح فیصلے کرنے کی صلاحیت سے محروم کردیا تھا۔ وہ بہت سوچ بچار کے بعد ... دی کے ساتھ اپنے احکام جاری کرنے کا عادی ہو ... مافیا کی صلاحیتوں اور کارکردگی کے لئے کوئی اچھی علامت نہیں تھی اور میں اس صورتِ حال سے دل ہی دل میں خوش تھا کیونکہ مافیا کا ایک اہم رکن بن جانے کے باوجود میں شب وروز اس تنظیم کی تباہی کے لئے کوشاں تھا۔

فون کی دوسری گھنٹی پر ہی حبیب جیوانی نے دوسری طرف سے ریسیور اٹھالیا۔

"وہ پیغام اسی معاملے کے بارے میں تھا جس نے تمہیں ذہنی دباؤ میں مبتلا کیا ہوا ہے" میں نے بلا کسی تمہید کے براہِ راست اصل بات شروع کردی۔

"غلام رسول؟" ریسیور میں اس کی تحیر زدہ آواز سے بے اعتباری جھلک رہی تھی۔

"ہاں' وہ معاملہ شاید تمہاری توقع سے زیادہ اہم اور سنگین ہے" میں نے اسے بتایا "اس نے میری موجودگی ہی میں کیسٹ سن کر پرسوں صبح غلام رسول کو اغوا کرکے سرحد پار پہنچانے کا حکم دیا ہے۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا ہے؟" میرے کانوں میں اس کی اضطراری غراہٹ گونجی۔

"اس کی بات سن کر مجھے بھی شبہ ہوا تھا کہ شاید میری سماعت میں خلل واقع ہوگیا ہے لیکن حقیقت وہی ہے جو میں تم کو بتاچکا ہوں۔"

"تمہارے جانے کے بعد میں خالی نہیں بیٹھا رہا تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ غلام رسول آج کل کہاں ہے؟"

"اس نے بتایا تھا کہ غلام رسول کراچی سینٹرل جیل کے خطرناک وارڈ میں بند ہے۔"

"تو کیا تم جیل توڑ کر اسے باہر نکالوگے؟" اس کی آواز پریشان اور وحشت زدہ ہوگئی "تمہیں اندازہ نہیں تھا کہ یہ کام بچوں کا کھیل نہیں ہے؟"

"مجھے خوب اندازہ تھا لیکن تم نے مجھے صرف سننے اور کم بولنے کی ہدایت کی تھی۔ میں اُس سے بحث تو نہیں کرسکتا تھا" میں نے اس کی پریشانی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "تم ہمارے چیف ہو' چاہو تو اسے فون کرلو!"

"وہ مجھے کچا چبا جائے گا" حبیب جیوانی بہت زیادہ پریشان ہوگیا تھا "اگر اس نے ہدایت جاری کردی ہے تو یہ کام ہر حال میں ہوجانا چاہئے۔ شیڈول میں ذرا سی بھی تاخیر' اس کے عتاب کا سبب بن سکتی ہے۔"

میں نے اس پولیس افسر سے ملی ہوئی معلومات' سرسری انداز میں چیف کے گوش گزار کردیں۔

"یہ سب ٹھیک ہے' تمہیں ان کی نفری اور روٹ کے بارے میں بتادیا گیا ہے لیکن بھرے پُرے شہر میں پولیس پارٹی پر حملہ کر... کھیل نہیں ہے۔ شہروں میں ہونے والے پولیس مقابلوں میں حریف کو عموماً بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ دیہی علاقوں میں پھر بھی ندی' نالے' جنگل اور کھڑی فصلیں پناہ فراہم کردیتی ہیں۔ شہر کی کھلی سڑکوں پر پولیس والے اپنے مقابلے پر آنے والوں کو بلاک نہ کریں تو انہیں بے رحمی کے ساتھ بھون دیا جاتا ہے۔"

"تم مجھے اس طرح سمجھا رہے ہو جیسے میں نے ہی اسے یہ مشورہ دیا ہو!"

"لوگ' خود پھولوں کی سیج پر بیٹھ کر' دوسروں کو بھڑکتے ہوئے جہنم میں جھونک دیتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ آگ ان کے جسموں کو کوئی گزند نہیں پہنچائے گی" اس کی بڑبڑاہٹ سے بیزاری مترشح تھی "تم اس خیال میں نہ رہنا کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو تمہاری چمڑی بچ جائے گی۔ ڈان تھری نے تمہیں اسی امید پر میرا نائب مقرر کیا تھا کہ تم مشکل حالات میں میرا ہاتھ بٹاتے رہوگے۔"

"مجھے معلوم تھا کہ اس نے اپنا بوجھ تم پر ڈال دیا ہے تو تم طوق میرے گلے میں ڈال دوگے۔ اس لئے میں نے فوراً ہی اس معاملے پر ذہنی ورزش شروع کردی تھی....."

"کیا سوچا ہے تم نے؟ بکتے کیوں نہیں ہو؟" اس کی جھلائی ہوئی اضطراری آواز ابھری۔

میں نے شیر شاہ کے ساتھ طے کیا ہوا منصوبہ اختصار کے ساتھ اسے سناتے ہوئے کہا "یہ سارا کام شیر شاہ اور اس کے ساتھی سرانجام دیں گے۔ اگر کوئی خلافِ توقع واقعہ رونما ہوا تو پرسوں وہ لوگ کامیاب وکامران لوٹیں گے۔ میں قرب وجوار میں موجود رہ کر ان کی دیکھ بھال کرتا رہوں گا تاکہ انہیں حوصلہ رہے۔"

"موجودہ حالات میں اس سے بہتر منصوبہ بنانا ناممکن ہے" اس کی آواز سے اطمینان جھلک رہا تھا "یہ تمہارے لئے اپنے اوپر والوں پر اپنی اہلیت ثابت کرنے کا بہترین موقع ہے جسے ضائع نہیں ہونا چاہئے۔"

"تم جن لوگوں کی بات کررہے ہو' وہ تمہارے اوپر والے ... میرے اوپر تو بس تم ہی تم ہو اور تمہیں میں ہر اعتبار سے ...ن کرنے میں کامیاب ہوچکا ہوں۔"

"بڑے معاملات پر ہر ایک نگاہ رکھتا ہے اور ایک ایک آدمی ... کارکردگی کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ اگر ہمارے ...یان میں سینیارٹی کا تصور راسخ نہ ہوتا تو ایک دن تم میرے لئے ...بن سکتے تھے۔ اطمینان کی بات یہ ہے کہ میرے اوپر باہر سے ... آدمی تو لایا جاسکتا ہے لیکن میرے کسی ماتحت کو میرے اوپر ... نہیں کیا جاسکتا۔ تم آسمان کے تارے بھی توڑ لاؤ تو تمام تر ... اور تحسین کے باوجود میرے ہی چارج میں رہوگے۔ اچھے ...یک نام ماتحتوں والے یونٹوں کے سربراہ قابلِ تعظیم سمجھے ... تے ہیں۔"

"میں بھی ضرورت سے زیادہ تیز دوڑنے کا قائل نہیں ہوں۔ ... کوششیں کرنے والے عموماً منہ کے بل گر کر خود کو لہولہان ...تے ہیں' جب کہ مجھے اپنے دانت بہت عزیز ہیں۔"

"تم نے اس وقت فون کیوں کیا تھا؟" شاید اس نے چونک کر ...ے سوال کیا تھا۔

"وقت کم تھا اس لئے پیغام تم تک پہنچانا ضروری تھا۔ اب ... یہ کام مجھے سونپ دینے کا ارادہ کرچکے ہو تو میں پرسوں صبح کے ...پنی تیاریاں شروع کرنا چاہتا ہوں۔"

"میری طرف سے تمہیں پوری پوری اجازت ہے" اس کی ...ی آواز ابھری۔

"آج شام تلاطم خان کی میزبانی تم کرہی لوگے؟" میں نے ...ہا کرانے کی نیت سے پوچھا۔

"وہ دونوں آج شیراٹن میں میرے مہمان ہوں گے۔ تم ان کی ...ت سے بے فکر ہوکر اپنی تیاریاں کرو...... اور ہاں' یہ تو بتاؤ کہ ... جلد از جلد سرحد پار لے جانے کے بارے میں تم نے کیا سوچا ...؟"

"فی الحال میری پوری توجہ اس کی رہائی پر مرکوز ہے۔ ایک ...نمٹ جائے تو دوسرے مرحلے کے بارے میں بھی کوئی نہ کوئی ...ن ہی جائے گا" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "میں بیک وقت دو گھوڑوں کو ایڑ لگانے کا قائل نہیں ہوں۔"

"فکر نہ کرو۔ تمہاری طرف سے اجازت مل جانے کے بعد ...ب کوئی پہلو نظر انداز نہیں کروں گا" میں نے کہا "پوزیشن ...ہونے کے بعد کام کرنے میں آسانی ہوجاتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ سینڈو کی موجودگی میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ...تی تھی جس کی وجہ سے میں تمہاری طرف سے خدشات میں مبتلا ...تھا لیکن اب حیرت ناک طور پر تمہاری ہر بات پر یقین کرنے کو ...ہتا ہے۔"

"یہ تمہاری قدردانی ہے ورنہ میں کیا ہوں' یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں" میں نے اس احمق کی خوش فہمی پر دل ہی دل میں ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"کنکر میں ملا ہوا ہیرا بے وقعت پتھر ہوتا ہے۔ اس کی صحیح قدر جوہری ہی جانتا ہے" اس وقت وہ میری غیر معمولی عزت افزائی پر تُلا ہوا تھا "میرا خیال ہے کہ سینڈو کے بغیر ہم ایک دوسرے کو زیادہ بہتر طریقے پر سمجھ سکیں گے۔ وہ میرا پرانا ساتھی' بلکہ ایک طرح سے اتالیق تھا اور میں بھی اسے منہ لگانے کا عادی ہوگیا تھا۔ اس نے میرے سامنے کبھی تمہاری غیبت یا برائی نہیں کی لیکن وہ غیر محسوس طریقے پر مجھے تم سے دور لے جارہا تھا۔"

"پھر تو یہ بھی ممکن ہے کہ تم نے خود ہی اپنے گلے سے وہ طوق اتار پھینکا ہو" میں نے ہنستے ہوئے ذومعنی لہجے میں کہا "بعض منہ چڑھے لوگ کسی مرحلے پر بوجھ بھی بن جاتے ہیں اور ان سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ اس کام میں تاخیر کی جائے تو کبھی کبھی شکاری خود شکار ہوجاتا ہے۔"

"غیر ضروری باتوں کی ضرورت نہیں" اس کی آواز خشک ہوگئی "اپنے کسی ناپسندیدہ آدمی کو راہ سے ہٹانے کا بہترین طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اسے تمہارے یا اپنے ہی کسی آدمی کے ذریعے سزایاب کیا جاتا تاکہ اس کے انجام سے دوسرے عبرت پکڑ سکیں۔ آئندہ ایسی بات منہ سے نہ نکالنا۔"

"میں مذاق کررہا تھا چیف!" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے وضاحت کی۔

"مجھے معلوم ہے" اس کا لہجہ جذبات سے یکسر عاری ہوگیا تھا۔ "اور میں تم کو یہی بتانا چاہ رہا ہوں کہ مذاق میں بھی ایسی غیر ذمے دارانہ باتیں برداشت نہیں کی جاسکتیں۔"

"ٹھیک ہے چیف!" میں نے بھی اپنی آواز گمبھیر بنالی "آئندہ میں محتاط رہوں گا۔ میں بھول گیا تھا کہ ذہنی فاصلہ کم ہونے کے باوجود میں تمہارا ایک ادنیٰ سا ماتحت ہوں۔"

"ماتحتوں کی درجہ بندی میرا کام ہے۔ اس میں دخل انداز ہوئے بغیر اپنا کام کرتے رہو۔ میرا مقصد تمہاری تحقیر یا توہین کرنا نہیں تھا۔ بس یہ یاد دلانا تھا کہ ہمارے درمیان میں ڈسپلن کا بھی ایک ہلکا سا پردہ حائل ہے' جسے ہر حال میں برقرار رہنا چاہئے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں چاہتا۔"

○☆○

گھوڑا کریک کے واقعات نے پورے شہر میں تہلکہ مچادیا تھا۔ انتظامیہ لرزہ براندام تھی کہ اس کی ناک کے نیچے ایسی ہولناک سازش پروان چڑھتی رہی اور اسے بھنک بھی نہیں مل سکی۔ میرا اور ویرا کا کردار پسِ پردہ تھا۔ اپنی ناگزیر مجبوریوں کی وجہ سے ہم دونوں میں سے کوئی بھی سامنے آنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ یہی معاملہ اسپیشل ٹاسک فورس اور اول خان کے ساتھ تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس ایک قطعاً غیر سرکاری' خود مختار اور ...

اصطلاح میں 'زیرِ زمین تنظیم تھی جس کے معاملات سے حکومت کو کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس دعوے کی صداقت کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے تھے جب کہ میں بہ ذاتِ خود ایس ٹی ایف اور سرکاری ایجنسیوں کے درمیان گہرے اور قریبی تعاون کا مشاہدہ کرچکا تھا۔ ان گنجلک پیچیدگیوں کی وجہ سے 'خبروں میں ایس ٹی ایف کا ذکر تھا اور نہ ہی اول خان کا نام آسکا تھا۔

مہلک ہتھیاروں 'گولا بارود اور حساس ترین مواصلاتی آلات پر مشتمل اس بڑی کھیپ کے بارے میں عوام کو یہ باور کرانا ناممکن تھا کہ مجرموں نے الحدید کے لنگر انداز ہوتے ہی اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے 'از خود وہ غیر قانونی کھیپ حکام کے حوالے کردی۔ اس بڑے آپریشن کی کامیابی کا سہرا کسی نہ کسی فرد یا ادارے کے سر باندھنا ضروری تھا۔ اس لئے گھوڑا کریک میں پیش آنے والے جملہ واقعات کو بحریہ کی کاوشوں کا نتیجہ قرار دے دیا گیا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ 'خبروں میں اس بات کو کافی اچھالا گیا تھا کہ ہتھیاروں کی اس بڑی کھیپ پر کامیاب چھاپے کی بنیاد 'ایرانی سیکرٹ سروس نے رکھی تھی' جس نے آبنائے ہرمز کی بحری گزرگاہ پر واقع 'نیم آباد جزیرہ ابوموسیٰ مبارک کے ساحل پر الحدید کی دن بہ دن گھٹتی ہوئی بلندی کو دیکھ کر یہ بھانپ لیا تھا کہ اس پُراسرار لانچ پر ابوموسیٰ مبارک سے کوئی بہت بڑی کھیپ لادی جارہی تھی۔

آبنائے ہرمز کے دہانے پر ابوموسیٰ مبارک کی فوجی اہمیت مسلّمہ تھی۔ اس پر قابض اور متصرف فرد یا افراد' جب چاہتے پوری خلیج کا بحری ٹریفک روک سکتے تھے۔ اس کے باوجود وہ سمندری جزیرہ نیم آباد تھا۔ وہاں صرف اسی قدر افراد بستے تھے جو وہاں مامور عملے کی روز مرّہ ضروریات میں مدد فراہم کرنے کے لئے ضروری تھے۔ ایرانی ساحلی شہر بندر لنگہ اور دوبئی کے وسط میں واقع ابوموسیٰ مبارک سے الحدید کے روانہ ہوتے ہی ایرانی سیکرٹ سروس نے اس لانچ کو مشتبہ قرار دے دیا۔ خلیج سے نکلنے کے بعد بحیرۂ عرب میں ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب مشرق کی طرف بڑھنے لگی تو ایرانی حکومت نے اس راستے میں پڑنے والے دوست ملکوں کو الحدید کے بارے میں اپنی سیکرٹ سروس کے سنگین شبہات سے آگاہ کردیا۔ مسقط سے آگے 'کھلے پانیوں میں پاک بحریہ کی گشتی کشتیوں نے الحدید کو روک کر اس پر اپنا عملہ اتارنا چاہا تو لانچ کے عملے کی طرف سے مزاحمت کی بھرپور مگر مختصر سی کوشش کی گئی اور لانچ نے رخ تبدیل کرکے صلالہ کی بندرگاہ کی طرف فرار ہونے کی کوشش کی لیکن بحریہ کی گن بوٹس کی ہولناک فائرنگ نے ان لوگوں کو خوف زدہ کردیا۔

بحریہ نے الحدید کو نشانہ بنائے بغیر اس کے قرب وجوار میں بھاری گولہ باری کی تو الحدید کے عملے کو موت سر پر نظر آنے لگی۔ وہ لوگ ٹنوں وزنی گولا بارود کے ساتھ گویا ایک آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھے ہوئے تھے اور کھلے سمندر میں دور دور تک ان کا کوئی حامی یا مددگار نہیں تھا۔ گن بوٹس کا ایک بھی گولا صحیح نشانے پر لگتا تو پوری لانچ' اپنے ہی بارود کی آگ میں بھسم ہو کر سمندری لہروں میں غرق ہوسکتی تھی۔

الحدید کے عیسائی ملاح نے لانچ پر صلح کا سفید پرچم لہرا کر لنگر ڈال دیا اور بحریہ کے جوان الحدید پر چڑھ گئے اور اس کے ریڈیو روم پر قابض ہوگئے۔

بعد میں گھوڑا کریک تک کا سفر' نیوی کے افسروں اور جوانوں کی نگرانی میں طے کیا گیا۔ الحدید کا پورا عملہ حراست میں لے لیا گیا۔ گھوڑا کریک میں لانچ کے استقبال کی خفیہ تیاریاں مکمل تھیں۔ لانچ سے وزنی چوبی کریٹ ٹرکوں پر منتقل ہونے لگے اور پھر سڑک پر پہنچتے ہی ان ٹرکوں کو ہتھیاروں اور عملہ سمیت پکڑ لیا گیا۔

اس تفصیل نے پورے آپریشن کو معذرت خواہانہ بنادیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان وضاحتوں کے ذریعے کسی نادیدہ طاقت کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی تھی کہ ایرانی سیکرٹ سروس کی بروقت مخبری کی وجہ سے مجبوراً کھلے سمندر میں الحدید کو روکا گیا۔ اگر ایرانیوں کی طرف سے اتنا زور نہ دیا جاتا تو الحدید پاکستانی سواحل سے دور رہتے ہوئے کہیں بھی جاسکتی تھی۔ لانچ کی گرفتاری کے بعد یہ ضروری ہوگیا تھا کہ اس کا سفر پروگرام کے مطابق جاری رکھا جاتا۔ الحدید گھوڑا کریک پہنچی تو اس کی بدقسمتی کا سایہ ان بدنصیب مزدوروں اور قلیوں کو بھی لے ڈوبا جنہوں نے بھاری معاوضوں کے لالچ میں اپنی وہ رات وہاں کالی کی تھی۔ ان خلاصیوں وغیرہ کی تعداد ڈیڑھ سو سے دو سو کے درمیان ظاہر کی گئی تھی۔ عام لوگوں کے لئے وہ ایک بہت بڑا اور کامیاب آپریشن تھا۔ خبروں میں اس گھناؤنے جرم کی ساری ذمے داری قاسم پر ڈالی گئی تھی جو اپنے درآمدی کاروبار کے گھپلوں کی وجہ سے بلیک میل کیا گیا تھا۔ خبر کی وہ جزئیات عام قاری محسوس نہیں کرسکتا تھا جو عینی شاہد ہونے کی وجہ سے میری نگاہ میں آگئی تھیں۔

میں جانتا تھا کہ اس معاملے میں قاسم بھائی کو قربانی کا بکرا بنایا گیا تھا ورنہ اصل مفادات ہیری کیسنجر اور اس کے ملک کے تھے۔ ہیری نے براہِ راست جمی لائیڈ کا تعاون حاصل کرکے اپنی دانست میں ایسا بندوبست کیا تھا کہ ہتھیاروں کی وہ بھاری کھیپ پکڑی ہی نہیں جانی چاہئے تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہیری نے پورے اطمینان کے ساتھ ویرا کو ایک محافظ کی نگرانی میں گھوڑا کریک بھیج دیا تھا۔

اگر اسے اپنی مہم کی ناکامی کا ذرا بھی خدشہ ہوتا تو وہ ہتھیار ٹھکانے لگنے سے پہلے ویرا کو کاؤنسلیٹ کے اقامتی حصے سے قدم باہر نکالنے کی اجازت نہ دیتا۔

ان لوگوں نے جائے واردات پر اپنی کار کی موجودگی سے اپنا دامن صاف بچالیا تھا۔ ہیری کیسنجر کے بیان کے مطابق اس کے کاؤنسلیٹ نے صبح سویرے ہی اپنے ایک ملازم کی کار سمیت



[...]ی رپورٹ درج کرادی تھی اس لئے محافظ کی گھوڑا کریک [...]گی کو اس کا ذاتی فعل قرار دیا گیا تھا اور اس پر دوہری فردِ [...]مد کی گئی تھی۔

[...]ام کو قدرے تاخیر سے آنے والے اخبارات میں ابتدائی [...]ت سے کہیں زیادہ مواد موجود تھا اور میرا اندازہ تھا کہ الحدید [...] ہتھیاروں کی ساخت اور اس کے گرفتار شدہ عملے کے [...]نے اس پورے قصے میں امریکی مفادات کا راز فاش کردیا [...]یے بھی میرے اور اول خان کے ذریعے یہ خبریں اعلیٰ حکام [...]چ چکی تھیں کہ اسمگلنگ کے اس منصوبے کو ایک غیر ملکی [...]ٹ کی سرپرستی حاصل تھی۔

[...]ا جاتا ہے کہ زبردست کی دوستی اچھی ہوتی ہے' نہ دشمنی۔ [...]چھنے لگے تو زبردست اپنے حلیفوں کے کندھوں پر سواری [...]بنا ہے اور یہی دوستی' دشمنی میں بدل جائے تو ایسے ایسے [...]لگاتا ہے کہ چھٹی کا دودھ یاد دلا دیتا ہے۔ وہ مارتا ہے تو [...]یتا ہے' نہ فریاد کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اس امر سے قطع [...]ہیری کیسنجر کا ملک پاکستان کا دوست تھا یا دشمن' یہ ایک [...]حقیقت تھی کہ اسے ایک بڑی اور ناقابلِ شکست طاقت کا [...]صل تھا اور اسی طاقت کے گھمنڈ میں وہ خدا کی ہر زمین کو [...]زمین تصور کرتے ہوئے وہاں من مانی کرنا اپنا حق تصور کرنے [...]مجھے اندازہ تھا کہ ہیری کیسنجر کے بڑوں کو الحدید پر چھاپے [...]روائی پر شدید غصہ آیا ہوگا۔ پسماندہ' ترقی پذیر اور غریب [...]کے اہلکاروں کے مقابلے میں اپنے کسی بڑے منصوبے کی [...]التصور ہی ان کے لئے ناقابلِ قبول تھا اور اگر ایسی انہونی [...]ئے تو وہ برہمی کا اظہار اپنا دوسرا حق سمجھتے تھے۔

[...]ناید ایسی ہی کسی برہمی کے ازالے کے لئے خبروں میں [...]آمیز زبان استعمال کی گئی تھی۔

[...]وسی ملک کی سیکرٹ سروس اور ایک سپر پاور کے گٹھ جوڑ [...]سالمیت کے خلاف جو بھیانک سازش تیار کی گئی تھی اس کا [...]کرچکا تھا۔ اس سازش کا ماسٹر مائنڈ ملّا سرکار چیتھڑوں میں [...]ہوکر دریائے سندھ کی موجوں میں نیست و نابود ہوچکا تھا۔ [...]ہندوں سے ملک میں گھس کر بغاوت اور شورش برپا کرنے [...]یے مامور بھارتی فوج کے کمانڈوز کی بھاری تعداد صحرائے [...]آتش و آہن کی ہولناک برسات میں بھون ڈالی گئی تھی۔ [...]دہ داؤں پر مشتمل ان مشینی دستوں کو خاک و خون میں [...]یا تھا۔ بیشتر مارے گئے تھے۔ جو زندہ بچے وہ قیدی بنالئے گئے [...]نداروں کمانڈوں پر دندان شکن شکست کے بعد گھوڑا کریک [...]ب ساحل پر ان سازشیوں کے تابوت میں آخری کیل [...]ٹھونکی گئی تھی۔

[...]ملکی سلامتی کے اہم معاملات تھے جن میں' میں نے کبھی [...]ستہ یا دانستہ دلچسپی نہیں لی تھی۔ میں کوئی مصلح نہیں تھا جو [...]در اپنے جگر سے لگائے رکھتا۔ میرا اصل مشن ثی اور ہیروئن کے فروغ کے خلاف تھا لیکن بدقسمتی سے موت کے وہی سوداگر ہر سازش کے سرخیل بنے ہوئے تھے۔

ثی پاکستان میں ہیروئن کے فروغ کی ذمے دار تھی۔ وہی ملّا سرکار کو غیر قانونی ہتھیار فراہم کرکے صوبے میں بغاوت برپا کرانے کے منصوبے پر کام کررہی تھی۔ اسی کے وعدوں کی روشنی میں ملّا سرکار اپنے ملک کے چیدہ چیدہ فوجیوں کو گدرا کی سرحد پر لے آیا تھا اور پھر ہیری کیسنجر کے ایما پر ثی کے سربراہ جمی لائیڈ نے ہی مہلک ہتھیاروں سے لدی ہوئی لانچ 'گھوڑا کریک بھجوانے کا بندوبست کیا تھا۔

ان تمام واقعات میں موت کے سوداگروں کا کردار اس قدر ممتاز اور حاوی تھا کہ میں اپنا دامن نہیں بچا سکتا تھا۔

غزالہ کا خیال تھا کہ میں اپنے بنیادی مشن سے بھٹک کر خود ہی مصائب مول لیتا پھر رہا تھا۔ ہیروئن فروشوں کی منظم اور مضبوط تنظیم کے خلاف جنگ کرنے کے بجائے چوبائی جنگ لڑنے میں مصروف ہوگیا تھا جیسے ملک اور قوم کی مکمل اصلاح کا ٹھیکہ میرے نام چھوڑ دیا گیا ہو لیکن دلدار آغا کے بھیانک چنگل سے گلوخلاصی کے بعد وہ ایک خانہ دار لڑکی بن کر رہ گئی تھی۔ اسے باہر کے پیچیدہ حالات کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔

وہ اس وقت بھی مجھ سے اسی موضوع پر بحث کئے جارہی تھی۔ اس کا اصل شکوہ یہ تھا کہ میں اپنی پُر مصائب زندگی کو دانستہ طول دے رہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ میری توجہ سے یکسر محروم ہوچکی تھی۔ اس وقت ویرا فلیٹ پر نہیں تھی۔ وہاں پہنچتے ہی جب مجھے اس کی غیر حاضری کا علم ہوا تو میں حیران رہ گیا تھا۔ ہم نے یہ طے کرلیا تھا کہ جب تک ہیری کیسنجر اور اس کے گرگوں سے لاحق خطرات کا مکمل سدِباب نہیں کرلیا جاتا ویرا فلیٹ سے باہر قدم نہیں نکالے گی لیکن اس نے پہلے ہی دن اس ہدایت کو نظر انداز کردیا تھا۔

غزالہ نے بتایا کہ ویرا کو اچانک ہی کوئی اہم بات یاد آگئی تھی جس کی وجہ سے وہ باہر جانے کے لئے بے چین ہوگئی۔ ان دونوں نے ویرا کو لاکھ سمجھانا چاہا' سلطان شاہ نے اپنی خدمات پیش کیں لیکن وہ خود باہر جانے پر بضد رہی۔ آخر کار باہمی مشورہ کے بعد سلطان شاہ نے اسے بازار سے ایک تیار برقع لا دیا جو ویرا کے لئے ایک عجوبہ سے کم نہیں تھا۔ مقامی موسم اور اپنے جذبۂ خودنمائی کی تسکین کے لئے وہ لباس کے معاملے میں حتی الامکان اختصار سے کام لیتی تھی اس لئے سر سے پیر تک' جسم کو ڈھانپ لینے والا برقع اس کے لئے الجھن کا باعث بن گیا لیکن فلیٹ ہی میں کچھ دیر کی مشق اور غزالہ کی ہدایات کے بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ برقع پہن کر کسی کی نظروں میں آئے بغیر باہر جاسکتی ہے۔ یہ اطمینان ہونے کے بعد وہ ان دونوں کو کچھ بتائے بغیر فلیٹ سے نکل کھڑی ہوئی تھی۔

ویرا کی موجودگی میں غزالہ مجھ سے اپنے دل کی بات [illegible]

عموماً گریز ہی کرتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میری اور اس کی محاذ آرائی سے ویرا بہت زیادہ لطف اندوز ہوتی ہے جب کہ وہ اسے ایسا کوئی موقع فراہم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس وقت ویرا باہر گئی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ سارے اخبارات سمیٹ کر عالمانہ انداز میں ڈرائنگ روم میں جم کر بیٹھ گیا تھا اس لئے غزالہ کو اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا سنہرا موقع میسر آگیا تھا۔

"واقعات تیزی کے ساتھ سمٹ رہے ہیں" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "پاکستان میں شی کا وجود عملاً ختم ہوچکا ہے۔ ایک طرف انہوں نے ہیروئن کی مقامی پیداوار اور کھپت کے بارے میں اپنے ہدف حاصل کرلئے ہیں اور دوسری طرف انہیں میری مخاصمت کا سامنا تھا' اس لئے انہوں نے یہ میدان خالی چھوڑ دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ الحدید کے پکڑے جانے کے بعد اب طویل مدت تک یہاں شی کا نام نہیں سنا جائے گا....."

"پھر ویرا یہاں کیا کررہی ہے؟" اس نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔

میں دھیمے سے ہنس دیا "وہ جو کچھ کررہی ہے' تمہارے سامنے ہے۔ الحدید کے معاملے میں اس نے ہماری جو مدد کی ہے اسے کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔"

"وہ جمی لائیڈ کی بیٹی ہونے کی دعوے دار ہے۔ اب اسے یہاں سے واپس چلا جانا چاہئے۔ شی میں رہ کر وہ ہر طرح فائدے میں رہے گی۔ یہاں رہ کر وہ بہت جلد اپنی مٹی پلید کرالے گی" وہ شاکی انداز میں بولی۔

"تم تو اس طرح بات کررہی ہو جیسے میں نے ہی اسے یہاں روکا ہوا ہے" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "اس بارے میں تم خود ہی اسے اعتماد میں لے کر بات کیوں نہیں کرتیں؟"

"اس کے بارے میں تمہارا رویّہ ہمیشہ حوصلہ افزا رہتا ہے۔ تم اس سے آنکھیں پھیرلو تو وہ دل برداشتہ ہوکر چند ہی روز میں واپسی کی راہ اختیار کرلے گی۔"

"تو یوں کہو کہ تم میری اور اس کی دوستی سے جلتی ہو" میں نے قہقہہ لگا کر کہا "وہ چلی گئی تو تمہارے ان منصوبوں کا کیا بنے گا جو تم اس کے اور سلطان شاہ کے بارے میں بنارہی ہو؟ وہ راہِ راست پر آجائے تو سلطان شاہ کے لئے بہت اچھی اور سگھڑ بیوی ثابت ہوسکتی ہے۔"

"وہ مان بھی جائے تو سلطان شاہ قابو میں نہیں آئے گا" وہ مایوسانہ لہجے میں بولی "وہ ویرا سے شادی کا ذکر آتے ہی بری طرح بدک گیا تھا۔ اس نے غصیلے انداز میں پٹھانوں کے رسوم و رواج پر جو تقریر کی اس کے بعد میں اس کی طرف سے مایوس ہوچکی ہوں۔ اس کی دانست میں عورت سمندر کی سطح پر تیرتے ہوئے ایک نازک سے بلبلے کی طرح ہوتی ہے جو ذرا سی ٹھیس لگنے پر فنا ہوجاتا ہے۔ ٹھوکر کھانے کے بعد وہ سب کچھ بن سکتی ہے مگر عورت نہیں کبھی

جاسکتی۔ پھر ویرا بہت مُنہ پھٹ ہے۔ وہ خود بتاتی رہتی ہے کہ اس نے خلوت اور جلوت میں مَردوں کو کس بے رحمی سے روند کر کامیابی کی راہیں استوار کی ہیں۔ اس کے اعترافات سننے کے بعد کوئی شریف آدمی اس پر اعتبار نہیں کرسکتا۔"

"اچھا ہوا کہ تمہاری یہ خوش فہمی بھی جلد ہی دور ہوگئی ورنہ حجلۂ عروسی ہی میں ان دونوں میں سے ایک کے ہاتھوں کسی دوسرے کا خون ہوجاتا جس کا بوجھ تمہاری گردن پر ہوتا۔"

"وہ میرے خیالات سے باخبر نہیں تھی۔ میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ اسے کس چیز نے یہاں روکا ہوا ہے۔ یہاں شی اور اس کے مفادات ختم ہوچکے ہیں تو اب اسے یورپ چلا جانا چاہئے جہاں اس کی زیادہ ضرورت ہے۔"

"اس بارے میں تم ایسی کوئی بات مُنہ سے نہ نکالنا جس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرلے کہ اپنا کام نکال لینے کے بعد ہم اسے بوجھ سمجھ رہے ہیں" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "اگر وہ تمہارے ذہن پر اسی قدر بوجھ بن گئی ہے تو میں خود موقع محل دیکھ کر اسے ٹٹولنے کی کوشش کروں گا۔"

"آج کل وہ اداس اور اکیلی ہے" سلطان شاہ ڈرائنگ روم سے باہر نکلتے ہوئے چہکا "وہ تو دل سے چاہتی ہے کہ کوئی مرد اسے ٹٹولنے کی کوشش کرے۔ ہوسکتا ہے کہ آج وہ اسی شوق میں باہر نکلی ہو" شاید اس نے میرا آخری فقرہ سن لیا تھا۔

"فضول باتیں نہ کرو" میں نے اس پر آنکھیں نکالتے ہوئے کہا "تمہیں یہ لحاظ بھی نہیں رہا کہ میں اکیلا نہیں بلکہ غزالہ کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں؟ مجھے تم سے ایسی ناشائستگی کی توقع نہیں تھی۔"

"ویرا کے بارے میں غزالہ بھابی نے میرے ساتھ سر کھپایا ہے" وہ میری سرزنش پر دھیان دئے بغیر بولا "ہم نے اس موضوع پر بہت کھل کر باتیں کی ہیں۔ غلاظت کو کریدنے سے بدبو ہی پیدا ہوتی ہے' خوشبو نہیں۔ ویرا جیسی مادر پدر آزاد عورت کے بارے میں بات کرتے ہوئے شائستگی سے کام لینا صرف اور صرف تمہارا ہی کام ہے۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے" غزالہ نے بلا توقف اس کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "ویرا اس قدر گھٹیا عورت ہے کہ میرے اور تمہارے رشتے سے واقف ہونے کے باوجود میری موجودگی میں بھی تمہیں ایسی والہانہ نظروں سے دیکھنے لگتی ہے جیسے آنکھوں آنکھوں میں تمہیں گھول کر پی جائے گی۔ اس کی ان ہی حرکتوں کی وجہ سے مجھے اس کا وجود ناگوار گزرتا ہے۔ پانی کی بوند بوند پتھر پر ٹپکتی رہے تو اس میں گڑھا ڈال دیتی ہے۔ تم یا کوئی اور اسے کب تک نظرانداز کرسکے گا؟"

"میرا خیال ہے کہ ویرا کے بغض میں تم دونوں نے اس کے خلاف محاذ بنالیا ہے لہٰذا میں اس بحث سے دستبردار ہوتا ہوں۔ مجھے ویرا کو بھگانے کے لئے تم لوگ جو چاہو کرسکتے ہو۔



...ں نہیں ہوگا۔"

"تم برا مان گئے" سلطان شاہ بوجھل آواز میں بولا "پتا نہیں ...کے بارے میں اتنے حسّاس کیوں ہو۔ وہ بہت سیماب فطرت ...ہے۔ اس پر کسی بھی وقت بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ صبح مجھ ...نے مرنے پر تلی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد غصے کا بھوت ...ہارے ساتھ تصویریں بنانے میں مصروف ہوگئی۔ اس کا بدلا ...و دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ صبح وہ کسی چڑیل کی ...رتی رہی ہوگی۔"

تصویروں کے ذکر پر میں چونک پڑا "کیسی تصویریں؟ کیمرا کہاں ...یا؟"

"کیمرا ویرا کا ہی تھا" سلطان شاہ نے میری حیرت پر توجہ دئے ...رسری انداز میں کہا "اس نے ہم دونوں کی اکٹھی اور الگ ...کی تصویریں اتاریں پھر کیمرا مجھے تھمادیا۔ میں نے غزالہ کے ...اس کی تصاویر بنا کر پورا رول ختم کردیا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا ...ہ صبح کے واقعات کو ایک سرے سے فراموش کر بیٹھی ہو۔"

"خاص طور پر میری تصاویر پر اس نے بہت محنت کی تھی" ...مسکراتے ہوئے بولی۔

"اب وہ فلم رول اور کیمرا کہاں ہے؟" میں نے باری باری ...دونوں کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"اسی کے کمرے میں ہوگا" غزالہ لہرا کر بولی "اس بارے میں ...شان کیوں ہورہے ہو؟"

میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ اپنے ذہن میں سر ابھارنے ...موہوم سے خدشات کو زبان دے کر میں خود کو ان کے مزید ...کا نشانہ نہیں بنوانا چاہتا تھا' اس لئے مضبوطی کے ساتھ اپنی ...بند کرلی۔

غزالہ سمجھی کہ میں نے اس کے اعتراض کا وزن تسلیم کرتے ...ے خاموشی اختیار کی ہے لہٰذا اس نے موضوع بدل کر مافیا کا ذکر ...وشی کے بعد میری دوسری مجبوری بنی ہوئی تھی۔

"تم جانتی ہو کہ میں نے اپنی مرضی سے مافیا میں شمولیت ...نہیں کی تھی" میں نے کہا "ان دنوں ویرا میرے خون کی ...پیاسی تھی اور شی والوں نے مسلح قاتلوں کے جتھے میرے ...پیچھے لگائے ہوئے تھے۔ اس فلیٹ پر بھی دھاوا بولنے کی کوشش کی ...گئی۔ اگر ان دنوں مافیا والے میری خواہش اور مرضی کے بغیر ...بچاؤ کے لئے میدان میں نہ آتے تو شی والوں نے مجھے پیس ...دیا ہوتا۔ اس وقت تک میں خود اپنے نادیدہ ہمدردوں کی ...نیت سے بے خبر تھا۔ پھر جب ڈان تھری نے مجھے طلب کرکے ...مافیا میں شامل ہونے کی پیش کش کی تو میرے سامنے ایک ہی ...راستہ تھا۔ اس کی دعوت قبول کرکے زندہ رہتا یا انکار کرکے ...موت کو گلے لگالیتا۔ میں نے زندہ رہنے کے لئے پہلا راستہ ...چنا اور آج میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ مافیا کوئی ...گروہ نہیں ہے' ان کی جڑیں بہت مضبوط ہیں۔ افراد کے

آنے جانے سے ان کی ڈراؤنی طاقت میں زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ ان سے گلوخلاصی کے لئے مجھے مناسب وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"ہمارے پاس تسلی بخش نقد اثاثے ہیں۔ ہم خاموشی کے ساتھ کسی گمنام اور دور افتادہ ملک میں ہجرت کرکے سکون سے اپنی زندگی گزار سکتے ہیں۔ ہمیں اس عذاب سے نکلنے کے لئے جلد ہی کچھ کرنا ہوگا۔"

"تم نہیں جانتیں غزالہ!" میں نے پہلو بدل کر مضطربانہ لہجے میں کہا "یہ کام اس طرح نہیں ہوسکتا۔"

"کیوں نہیں ہوسکتا؟" غزالہ برہم ہوگئی "اس دنیا میں ہم دونوں کا ایک دوسرے کے علاوہ اور کون ہے؟ میں اپنی ماں' باپ اور بھائی کو کھودینے کے بعد بالکل تنہا ہوں۔ تمہارا بھی کوئی رشتے دار نظر نہیں آتا۔ لے دے کر جہانگیر اور سلطان شاہ نظر آتے ہیں۔ وقتی بدمزگیوں سے قطع نظر' جہانگیر اپنے بال بچوں اور کاروبار میں مگن ہے۔ تمہیں اس کی ضرورت ہو تو ہو' اسے تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔ رہا سلطان شاہ تو اسے ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

"تمہاری یہ سب باتیں درست ہیں لیکن مافیا میں حلف شکنی ناقابلِ معافی جرم ہے' جس کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔ اندر کے رازوں کو دوسروں پر ظاہر کردینا اور بغاوت' دونوں اسی زمرے میں آتے ہیں۔ کسی باغی کے زندہ بچ نکلنے کو مافیا کے بڑے اپنے لئے ایک گندی گالی تصور کرتے ہیں۔ مافیا کی تاریخ ہے کہ اس سے انحراف کرنے والا سات پردوں میں بھی سزا سے نہیں بچ سکا۔ وعدہ معاف گواہ بننے والوں کو بھاری پہروں کے باوجود محفوظ ترین جیلوں میں بے دردی سے ذبح کرڈالا گیا۔ جلاوطن ہوجانے والوں کو برسوں کی تلاش کے بعد زندہ مصلوب کروایا گیا۔ مرِی گلیانو نامی ایک باغی کو برازیل میں اس کے عظیم الشان مکان کے عقبی باغ میں بڑی بڑی کیلوں سے ایک درخت کے تنے اور شاخوں سے ٹھونک دیا گیا تھا۔ اس کے مُنہ میں کپڑا ٹھونس کر' دہانے پر ٹیپ چپکا دیا گیا تھا۔ اگلی صبح اس کے مالی نے اپنے آقا کو اس عالم میں دیکھا تو دہشت سے اسی وقت مرگیا۔ اس وقت تک مرِی گلیانو زندہ تھا۔ اس کا لباس خون میں نہایا ہوا تھا' موت کی دہشت سے چہرہ تاریک پڑا ہوا تھا اور خوف زدہ آنکھوں کی پتلیاں متحرک تھیں۔ مالی کی آخری چیخ سن کر وہاں پہنچنے والے دوسرے ملازمین نے کیلیں نکال کر مرِی گلیانو کو اتارا تو وہ زندہ تھا لیکن چند ثانیوں بعد ہی اس نے دم توڑ دیا۔ مافیا ایک عالمگیر تنظیم ہے۔ اس کے سرغنوں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرا انجام مرِی گلیانو جیسا ہو۔ ان کا فلسفہ ہے کہ ان کے ایک مجرم کے کامیاب طور پر زندہ رہنے سے مافیا کے ہزاروں کارندوں میں بغاوت اور سرکشی کے جراثیم کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ اسی لئے روپوش منحرفین کا معاملہ مقامی مافیا فوری طور پر مدر مافیا کے علم میں لانے کی ذمے دار ہوتی ہے۔ مدر مافیا فوری طور پر ساری دنیا میں اپنے ...

حرکت میں لے آتی ہے۔ اس جال سے آج تک کوئی نہیں بچ سکا۔" "ایسی بھیانک باتیں نہ کرو" غزالہ لرز کر بولی "ملکوں اور قوموں سے بغاوت کرنے والے بھی دشمن ملکوں میں پناہ لے کر اپنی باقی ماندہ زندگی سکون سے گزار لیتے ہیں۔ کیا مافیا ملکوں سے بھی بڑھ گئی ہے؟"

"ملکوں کی سرحدیں ہوتی ہیں۔ دوست اور دشمن ہوتے ہیں لیکن مافیا کی زیرِ زمین سلطنت پورے کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی ہے' جہاں انسان بستے ہیں وہاں لالچ اور حرص ناگزیر ہے۔ مافیا اسی بیج کی آبیاری کرکے اپنے ہمدرد' خیر خواہ اور ارکان پیدا کرتی ہے۔ یہ سب ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ یہ اپنے اور اپنی تنظیم کے مفادات کے لئے کسی بھی حد تک جانے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ ہر ضابطۂ اخلاق اور قانون کے نفاذ سے منکر' یہ بھیڑیے اپنے ہی غول کے کمزور اور بھٹکے ہوئے ساتھی کو ہنسی خوشی اپنے تیز دانتوں سے ادھیڑ ڈالتے ہیں۔"

"اول خان تمہارا جگری دوست بن چکا ہے" سلطان شاہ نے قدرے توقف کے بعد کہا "اس کی مدد سے تم مافیا کے اہم افراد کا صفایا کرا سکتے ہو۔ ان کی موت کے بعد مافیا خود بخود مفلوج ہو جائے گی۔"

"یہ تم کہہ سکتے ہو" میں نے تلخ ہنسی کے ساتھ کہا "دوسرے لوگ مرتے رہے اور مجھے کوئی گزند نہ پہنچی تو مُدر مافیا والے میری راہ پر لگ جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ میرے اور اول خان کے مراسم سے وہ اس وقت بھی باخبر ہوں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مقامی مافیا میں سربراہ کے بعد میں دو نمبر ہوں۔ سربراہ مارا گیا تو مافیا کی تنظیم اور کارکردگی کی ساری ذمے داری میرے شانوں پر آ پڑے گی۔ کبھی ایسا مرحلہ آ گیا تو میں عمر بھر اس چنگل سے نہیں نکل سکوں گا۔" "سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا ہے" اس وقت وہ دونوں ہی یک زبان ہو گئے تھے "تم اول خان کو اعتماد میں لے کر اس سے مشورہ تو کر سکتے ہو۔ وہ خود بھی قانون کی پابندیوں سے آزاد رہ کر مجرموں کی سرکوبی کرتا رہتا ہے۔"

خاصی دیر تک میرا انکار اور ان دونوں کا اصرار جاری رہا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اگر اول خان میری گلوخلاصی کی کوئی راہ نہ بتا سکا تو کم از کم میرا راز اپنے سینے میں ہی محفوظ رکھے گا۔

ناچار میں نے اسٹیشن فور کا نمبر ملایا' جہاں اول خان کا یونٹ براجمان تھا۔ دوسری طرف سے ایک اجنبی اور تحکمانہ آواز سنائی دی۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ اول خان دفتر نہیں آیا تھا۔ اس نے میرے کوائف جاننے چاہے لیکن میں نے کوئی جواب دئے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

اسی وقت مجھے خیال آیا کہ اول خان نے پچھلی پوری رات' گھوڑا کریک کے ساحل پر سمندری ہوائیں پھانکتے ہوئے گزاری تھی۔ اخباری اطلاعات کے مطابق گھوڑا کریک پر آپریشن صبح گیارہ بجے تک جاری رہا تھا۔ اتنی مشقت کے بعد کسی سے یہ توق[ع] رکھنا کہ وہ آپریشن سے فارغ ہوتے ہی' دفتر دوڑا چلا آئے [گا]، زیادتی تھی۔

ان دونوں کے لئے وہ ایک نادر موقع تھا۔ اول خان جیسا عدیم الفرصت آدمی اگر گھر پر موجود تھا تو رات کے کھانے پر [یا] کہیں بھی مدعو کرکے سکون اور اطمینان سے بات کی جا سکتی تھی [جو] دفتر میں ممکن نہیں تھی۔

میں نے اس کے گھر فون کیا تو اس کی بیوی کی اداس سی [آواز] سنائی دی۔

اس خاتون سے میری ایک مرتبہ ہی بات ہوئی تھی لیکن [اول] خان نے شاید اسے میرے بارے میں بہت کچھ بتایا ہوا تھا اس [لئے] وہ میرا نام سنتے ہی مجھے پہچان گئی اور بتایا کہ اول خان [کو] راولپنڈی بھیج دیا گیا ہے۔

"وہ کب تک واپس آ جائیں گے؟" میں نے قدرے [حیرت] کے ساتھ سوال کیا۔ میرے لئے یہ بات ناقابلِ فہم تھی کہ [صرف] چوبیس گھنٹوں میں مسلسل مصروف رہنے والے شخص کو آر[ام کا] کوئی موقع دئے بغیر لمبے سفر پر بھیج دیا جائے۔

"کچھ معلوم نہیں' بھائی صاحب" اس خاتون کی آواز [سے] ملال مترشح تھا "چھٹی ملے گی تو گھر آئیں گے۔"

"کیا کوئی لمبا کام ہے؟" میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے [حیرت] آمیز لہجے میں پوچھا۔

"اب انہیں وہیں رہنا ہوگا' ان کی پنڈی بدلی ہو گئی ہے" [اس] کا جواب سن کر میرے دل کو شدید دھچکا لگا۔

ایک محنتی' فرض شناس اور محبِ وطن آدمی کا یوں [اچانک] گھاٹ تبادلہ ہو جانا میری سمجھ سے بالاتر تھا اور شاید وہ بھی [اول] خان کے تبادلے پر میری ہی طرح پریشان تھی۔

اس سے میری آخری ملاقات پچھلی رات گئے گھوڑا کر[یک کی] ایک چٹان پر ہوئی تھی۔ وہ پورے انہماک اور جوش و خروش [سے] آپریشن میں حصہ لے رہا تھا۔ اس وقت تک اسے اپنے [تبادلے] کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ اسے معلوم ہوتا تو وہ مجھ [سے اس] امر کا ذکر ضرور کرتا۔ وہ دن کا اجالا پھیلنے کے بعد بھی گھو[ڑا کریک] اور اس کے مضافات میں مصروفِ کار رہا تھا۔ جس کا مطلب [تھا کہ] اس آپریشن سے واپسی پر اسے تبادلے کا پروانہ تھمایا گیا تھا۔

"انہوں نے پچھلی رات تک مجھ سے تبادلے کے بار[ے میں] کوئی ذکر نہیں کیا تھا" اپنے تجزئے کے باوجود میں نے اول [خان کی] بیوی کو ٹٹولنے کی نیت سے سوال کیا۔

"دوبارہ بجے آئے تو اس حکم پر خود حیران تھے [یہ] اچانک ہی ہوا ہے۔ چار بجے کی پرواز کا ٹکٹ ان کے [پاس] تھا اس لئے وہ عجلت میں نہا دھو کر فوراً ہی ائرپورٹ روانہ [ہو گئے] میں خود فکرمند ہوں کہ ایسا کیوں ہوا۔ تبادلے کے وقت [ہمیشہ] دوچار دن کی مہلت ملتی رہی ہے لیکن اس بار ایسا نہیں ہوا"



"ہو سکتا ہے کہ اچانک ہی کوئی بہت اہم کام پیش آ گیا ہو" میں نے بلاوجہ اسے تسلی دینی چاہی۔

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہوا ہو۔ لیکن ان کا خیال تھا کہ ان کے بڑوں کو کسی وجہ سے ان سے شکایت نہ ہو گئی ہو۔ وہ اس تبادلے کو کسی کی برہمی کا شاخسانہ قرار دے رہے تھے۔ اسی وجہ سے میں بھی پریشان ہوں۔"

میں نے تشویش کم کرنے کے لئے اول خان کی کارکردگی کی تعریف کی جو جھوٹی نہیں تھی۔ اس سے کہا کہ میں خود بھی دیکھوں گا کہ میں اول خان کی کیا مدد کر سکتا ہوں جو سراسر جھوٹ تھا اور ان دلاسوں کے ساتھ ہی میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

غزالہ اور سلطان شاہ کو گفتگو کے سرپیر کا علم نہیں تھا کیونکہ اس وقت میں نے اسپیکر فون استعمال نہیں کیا تھا لیکن میرے یک طرفہ مکالمات سن کر انہوں نے کسی سنگین گڑبڑ کا اندازہ لگا لیا تھا۔

ان دونوں کی جرح خاصی سنجیدہ اور صبر آزما تھی لیکن میں اول خان کی پیشہ ورانہ مجبوریوں کا راز فاش کرنے سے قاصر تھا اس لئے میں نے فی الفور ایک مفروضہ کہانی تراش کر انہیں خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔

"سورج غروب ہو چکا ہے اور مجھے باقاعدہ محفل جمائے کئی دن ہو گئے ہیں" میں نے مسکراتے ہوئے غزالہ کو یاد دلایا "آج میری طبیعت مچل رہی ہے۔ تم کو ناگوار نہ گزرے تو ڈرائنگ روم میں بوتل اور اس کے لوازم رکھ دو۔"

میری توقع کے عین مطابق غزالہ نے برا سا منہ بنا کر کہا "میں نے سنا ہے کہ شراب نوشی کا لطف اسی وقت آتا ہے جب دوچار ہم ذوق مل کر بیٹھتے ہیں۔ پتا نہیں تم کو اکیلے میں کیا لطف آتا ہے؟"

"مجھے معلوم ہے کہ تم میری ہم ذوق ہو مگر میرے ساتھ نہیں بیٹھو گی" میں نے اسے چھیڑا "یہ کمی سلطان شاہ کی موجودگی سے پوری ہو جائے گی۔ اس کے لئے ٹھنڈے جوس کے دو کین رکھ دینا۔"

"سلطان شاہ جوس پیے گا اور تم وِسکی پی کر سرور میں آ جاؤ گے۔ یہ تمہاری تفریح لینی شروع کر دے گا۔ بات تو جب ہی بنتی ہے کہ اس حمام میں سب ایک جیسے ہوں" اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور قدرے توقف کے بعد بولی "خیر کوئی بات نہیں۔ ویرا بھی واپس آتی ہی ہوگی۔ اس نے تو شاید اپنی ماں کی گود میں بھی دودھ کے بجائے برانڈی پی تھی۔"

میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اسے گھورا اور کہا "خدا کی پناہ! تم تو چھپی رستم ہو۔ شراب اور شرابیوں کے بارے میں یہ سب باتیں تمہیں کہاں سے معلوم ہو گئیں؟ یہ تو پیشہ ور رندوں کی باتیں ہیں۔"

"ویرا کی قید سے نجات حاصل کرنے کے بعد برطانیہ میں' میں نے بہت کچھ دیکھا اور سیکھا تھا" وہ ہنستے ہوئے بولی "میں نے اپنی گزر اوقات کے لئے دو ہفتے تک ایک پب میں بھی کام کیا تھا....."

"انگریز غیر روایتی شراب خانوں کو پب کیوں کہتے ہیں؟" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا "میری دیسی انگریزی کے مطابق پب کے کچھ اور معنی ہیں۔"

"پب دراصل پبلک ہاؤس کا مخفف ہے جہاں ہر خاص و عام بلا روک ٹوک جا سکے" غزالہ نے سنجیدگی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ان لوگوں کی دیہی زندگی میں پب کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ پینا پلانا تو وقت گزاری کا ایک بہانہ ہوتا ہے ورنہ لوگ وہاں مل بیٹھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ وہاں دن بھر کی سیاست اور معاشرت کا جائزہ لے کر آراء قائم کی جاتی ہیں۔ وہیں سے افواہیں بھی جنم لیتی ہیں۔ پُرتکلف اور بڑے شراب خانے بعد کی پیداوار ہیں۔ اصل روایت پب ہی کی ہے جو مدتوں سے چلی آ رہی ہے۔ وہاں آنے والے لوگ' ایک دوسرے کے رشتے دار ہوں یا نہ ہوں' شناسا ضرور ہوتے ہیں۔ جب وہ جاڑوں کی سرد راتوں میں آتش دان میں پتھر کے کوئلے اور لکڑی کے کندے دہکا کر' ایک دوسرے کو واقعات اور حکایتیں سناتے ہیں تو غیر محسوس طریقے پر ایک دوسرے سے قریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ وہاں لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے اور اپنی خوشیاں بانٹنے آتے ہیں۔ جو باتیں گھروں کے پُرتکلف ماحول میں بیٹھ کر نہیں کی جا سکتیں وہ پب کے بے تکلفانہ ماحول میں شراب کے ایک جام پر آسانی سے کر لی جاتی ہیں۔ ایک طرح سے پب دیہی زندگی کا مرکز اور محور بلکہ بیرومیٹر ہوتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم انگلینڈ میں رہ چکی ہو" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں اس کی گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا "بات تمہارے تجربے کی ہو رہی تھی اور تم پب کی تاریخ لے بیٹھیں جیسے تم نے اس موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی ہو۔"

"میں نے اس زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ تم سلطان شاہ جیسے پارسا کے ساتھ پینے بیٹھ رہے ہو لیکن میرے پب میں بلانوشوں اور کم نوشوں کے گروپ الگ الگ بیٹھتے تھے۔ آدابِ مے نوشی کا اتنا خیال رکھا جاتا تھا کہ ہر گروپ کے میرِ محفل کا پیمانہ خالی ہوتے ہی سب اپنے گلاس خالی کر لیتے تھے اور پھر پورے گروپ کو ایک ساتھ ڈرنک لینا پڑتا تھا۔ بغیر ساتھ دئے کوئی گروپ میں نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ جس کا کوٹا پورا ہو جاتا تھا وہ دوسروں سے معذرت کرکے پب سے روانہ ہو جاتا تھا۔ اس طرح آخر میں وہی اِکادُکّا دھتی بیٹھے رہ جاتے تھے جو بری طرح بہکنے سے پہلے اپنے گھروں کو واپس لوٹنا کسرِ شان سمجھتے تھے۔"

"بہکے ہوئے شرابی کا اپنے گھر پہنچنا بھی عذاب سے کم نہیں ہوتا ہوگا؟" سلطان شاہ نے کہا۔

"اول تو ان قصبوں میں سب ایک دوسرے سے واقف ہوتے ہیں۔ کوئی بہکا ہوا شرابی اپنے گھر کا راستہ بھول جائے تو دوسرے لوگ اسے اس کے گھر تک پہنچانا اپنا اخلاقی فرض سمجھتے ہیں لیکن عام طور پر عادی شرابی اپنا گھر نہیں بھولتے۔ جس طرح لمبی [مسافت] سے آیا ہوا گھوڑا' سیدھا اپنے تھان پر پہنچتا ہے' اسی طر[ح]

بھی حیرت ناک طور پر اپنے گھر پہنچ جاتے ہیں بلکہ میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ شراب پی کر دھت ہو جانے والے لوگ عموماً اپنے گھر، بیوی اور محبوبہ کے بارے میں زیادہ حساس ہو جاتے ہیں۔"

"ہر بگڑے ہوئے شرابی کے پیچھے عورت ہوتی ہے" میں نے اسے چڑانے کی نیت سے کہا "ایک مرد کے لئے بد مزاج بیوی اور ہرجائی محبوبہ سے بڑا عذاب کوئی نہیں ہوتا۔ ان کی جفاؤں کو بھلانے کے لئے انسان خود کو پیمانے میں غرق کر دیتا ہے لیکن ان کا تصور مدہوشی کے عالم میں بھی ان بے چاروں کے ذہنوں پر کچوکے لگاتا رہتا ہے۔"

"پھر تم کیوں پیتے ہو؟" اس نے چیخ کر سوال کیا "تمہاری بیوی کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ میں تمہاری محبوبہ نہ سہی، منگیتر ضرور ہوں لیکن بے وفا نہیں ہوں۔"

بے اختیار میرے لبوں سے ایک آہ نکل گئی۔ وہ بے وفا نہیں تھی لیکن اس نے ایک ٹھوکر ضرور کھائی تھی۔

میری طویل گمشدگی اور اپنی ہولناک تنہائی سے گھبرا کر وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ عزت و آبرو کے ساتھ زندہ رہنے کے لئے اسے ایک مضبوط اور قابل اعتماد سہارے کی ضرورت تھی۔ وہ بات خاصی پرانی ہو گئی تھی لیکن میرے دل کا وہ زخم ہرا تھا۔ میں یہ بات فراموش نہیں کر سکتا تھا کہ غزالہ نے حالات کے چنگل میں بے بس ہونے کے بعد اپنی تقدیر دلدار آغا کی جھولی میں ڈال دی تھی۔ دلدار آغا جو ڈی ڈی کے نام سے شی پر حکمرانی کر رہا تھا، نہایت خود غرض اور کمینہ شخص تھا لیکن اس نے غزالہ کے سامنے ایک پارسا مرد کا سوانگ رچا کر اسے مجھ سے چھین لیا۔ وہ کاغذ کی ناؤ تھی اس لئے زیادہ دن نہیں چل سکی۔ بہت جلد غزالہ کو اس کے گھناؤنے کردار کا اندازہ ہو گیا۔ غزالہ کے بدلے ہوئے تیور بھانپ کر دلدار آغا نے اسے اپنے حویلی نما مکان کا قیدی بنا لیا مگر میرے ستارے یاور تھے اس لئے جلد ہی میں نے دلدار آغا کو کیفر کردار تک پہنچا دیا اور غزالہ کو اس کے نمک خواروں کے چنگل سے نکال کر اپنی تحویل میں لے لیا۔

دلدار آغا مر چکا تھا مگر میرے دل سے وہ پھانس نکالے نہیں نکلتی تھی کہ غزالہ میری ہونے سے پہلے بھی کسی کی خلوت کو اپنے وجود کی خوشبو سے معطر کر چکی تھی لیکن پھر بھی میں نے غزالہ کو کبھی اپنی اس خلش سے آگاہ ہونے کا موقع فراہم نہیں کیا تھا۔ وہ میرا دکھ تھا اور میں اکیلا ہی اس کرب کو جھیل رہا تھا۔

میرے لبوں سے اضطراری طور پر نکلنے والی آواز سن کر غزالہ بری طرح چونک پڑی "کیوں؟ کیا بات ہے؟"

"بس ذرا اپنی مجبوریوں کا خیال آ گیا تھا" میں نے فوراً ہی بات سنبھالتے ہوئے کہا "نہ جانے تم کب تک منگیتر رہو گی۔ دل چاہتا ہے کہ آج اور اسی گھڑی ہم اپنی تقدیریں ایک دوسرے سے وابستہ کر لیں۔ لیکن یہ خیال مارے ڈالتا ہے کہ وصل کے بعد کہیں ہجر کی مجبوریاں آڑے آنے لگیں تو زندہ رہنا محال ہو جائے گا۔"

وہ ٹلک کر جانے کے لئے مڑی تھی کہ سلطان شاہ نے لپک کر اسے روک لیا "تم نے پب کی بڑی خواب ناک منظر کشی کی ہے۔ جانے سے پہلے اتنا تو بتاتی جاؤ کہ رات ڈھلے تک بیٹھے رہنے والے اکا دکا شرابیوں کا کیا ہوتا تھا؟"

"پینے گئے تھے چل کے 'لائے گئے اٹھا کے' والا معاملہ ہوتا تھا" وہ ہنستے ہوئے بولی "بارہ بجے آخری گشت پر آنے والے دو سپاہی انہیں بغلوں میں ہاتھ دے کر پب سے اٹھا لے جاتے تھے۔ ان دونوں، تینوں کو روزانہ ان کے گھروں تک پہنچانا ان کا معمول بن گیا تھا۔"

"ایک دو راتوں کے لئے انہیں لاک اپ میں کیوں نہیں ڈالا گیا؟" اس نے پوچھا۔

"وہ پاکستان نہیں، انگلینڈ ہے۔ وہاں شخصی آزادیوں کا پورا نہیں تو بہت زیادہ احترام کیا جاتا ہے۔ ان کے قانون میں شراب پینا جرم نہیں ہے لیکن شراب پی کر ڈرائیونگ کرنا یا غل غپاڑہ مچانا سنگین جرم ہے۔ پب میں آنے والے پی کر کوئی ہنگامہ نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی میزوں پر یا کاؤنٹر پر اونگھنا یا بڑبڑانا شروع کر دیتے تھے۔ خود کلامی کا وہ مرحلہ آتے ہی 'بارٹینڈر' ان کے گلاسوں میں اچل سیڈرا ڈال کر اس میں سوڈا ملانا شروع کر دیتا تھا جسے وہ وسکی سمجھ کر گھونٹ گھونٹ پیتے رہتے تھے۔"

"تمہارا پب بہکے ہوئے لوگوں کو لوٹتا تھا" سلطان شاہ نے اعتراض کیا۔

"مجبوری تھی" غزالہ کندھے اچکا کر بولی "وہ لوگ بھی جانتے تھے کہ ان کے آؤٹ ہو جانے کے بعد ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ ان سے وصول کی جانے والی فاضل رقم الگ جمع کی جاتی تھی اور سنڈے چرچ میں فادر کے حوالے کر دی جاتی تھی۔ ہمارے پب میں ملاوٹ اور بے ایمانی کو گناہ تصور کیا جاتا تھا۔"

"یہ تمہاری اسی تربیت کا اثر ہے کہ میری بوتلوں میں کوئی ہیر پھیر نہیں ہوتا" میں نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "ورنہ دیسی عورتیں عموماً آدھی شراب نالی میں بہا کر 'پانی کی مدد سے مقدار پوری کر دیتی ہیں تاکہ مرد اس کے قابو سے باہر ہو کر بنت عنب کے دام میں نہ پھنسنے پائے۔ اب تم جاؤ اور شیواز کی خالص بوتل لے آؤ۔"

"اب کسی بحث میں نہ الجھنا!" غزالہ کے جاتے ہی میں نے سلطان شاہ پر آنکھیں نکالتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"ضروری باتیں؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے حیرت سے دہرایا "کیا پھر کوئی گڑبڑ ہے؟"

"فی الحال چپ چاپ بیٹھے رہو۔ اسے بھنک بھی مل گئی تو وہ میرے سر پر سوار ہو جائے گی۔"

ہم دونوں اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ چند منٹ بعد غزالہ نے ٹرالی پر سارے لوازم سجا کر وہیں پہنچا دیئے اور واپس جاتے ہوئے بولی "کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو ابھی بتا دو۔ میں تھوڑی دیر کے لئے آرام کرنے جا رہی ہوں۔"

"تم آرام کرو، کوئی ضرورت پیش آگئی تو تھوڑی بہت زحمت میں بھی کراوں گا۔"

اپنے آرام کا ذکر کرکے اس نے خود ہی **تخلیے** کا موقع فراہم کردیا تھا اس لئے میں نے اس کی خواب گاہ کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنتے ہی، سلطان شاہ سے کام کی بات کا سلسلہ چھیڑدیا۔

"مافیا چیف نہایت چالاکی کے ساتھ تم سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا ہے" میری مختصر روداد سن کر اس نے بے ساختہ لہجے میں تبصرہ کیا۔ میں نے اعلیٰ پولیس افسر کا ذکر کئے بغیر اسے یہی بتایا تھا کہ مافیا چیف نے مجھے غلام رسول کو اغوا کرنے کے کام پر مامور کیا ہے۔ اسی کے ساتھ میں نے جائے واردات پر پیش آنے والے متوقع واقعات کا بھی ذکر کردیا تھا۔

"یہ احمقانہ رائے قائم کرنے کی وجوہ کیا ہیں؟" میں نے اپنے گلاس میں برف کے ڈلے ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری کامیابی ناممکن ہے۔ پولیس مقابلہ ہوگا اور تم چوہے کی طرح مارے جاؤ گے۔"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں دور رہوں گا۔ سارا کام میرے ماتحت سرانجام دیں گے۔ اگر اس کارروائی نے پولیس مقابلہ کا روپ دھارا تو مرنے یا زخمی ہونے والے بھی وہی لوگ ہوں گے۔ مطلع ابر آلود ہوا تو میں وہاں سے کھسکنے میں ایک منٹ کی بھی تاخیر نہیں کروں گا۔"

"یہ کارروائی اسی قدر سہل ہے تو تمہیں مجھے اعتماد میں لینے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"حفظِ ماتقدم!" میں نے گلاس سے پہلا گھونٹ لے کر کہا "یہ بہت اہم واردات ہوگی۔ اس میں ملوث سارے مجرم میرے واقف کار ہوں گے۔ وہ مجھے اور میں انہیں پہچانتا ہوں۔ اگر کسی وجہ سے بازی الٹ گئی تو میرے لئے بھی خطرہ پیدا ہوسکتا ہے جب کہ تم ہر ایک کے لئے اجنبی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم وہاں موجود رہ کر حالات پر کڑی نظر رکھو اور اگر کھیل بگڑنے کا اندیشہ نظر آئے تو وہاں افراتفری پھیلادو تاکہ بھگدڑ کے نتیجے میں مجھے فرار ہونے کا موقع مل جائے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم مافیا کے بھی خلاف ہو تو ان کی مجرمانہ سرگرمیوں میں ان کا ساتھ کیوں دیتے ہو؟" اس نے حیرت کے ساتھ سوال کیا "تم چاہو تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر انہیں گہری زک پہنچا سکتے ہو۔"

"بات وہی آجاتی ہے کہ اس آپریشن کی تکمیل مجھے سونپ دی گئی ہے۔ یہ واردات ناکام ہوئی تو میں مافیا کے بڑوں کے عتاب کا نشانہ بن جاؤں گا۔ وہ غلام رسول کے اغوا کو بہت اہمیت دے رہے ہیں۔ اس بارے میں ساری ہدایات براہِ راست اٹلی سے جاری کی گئی ہیں۔"

"یعنی یہ تمہاری کارکردگی کا امتحان ہے جس میں تم سرخرو ہونا چاہتے ہو۔"

"امتحان نوواردوں کا لیا جاتا ہے۔ مجھے مشاق اور ماہر سمجھ کر اس کام پر مامور کیا گیا ہے۔"

"تمہارا معاملہ نہ ہوتا تو پولیس والوں کو فون پر ہوشیار کیا جاسکتا تھا۔ پولیس وین بھاری نفری کے ساتھ اپنا راستہ تبدیل کرلے تو تمہارے آدمی جھک مارتے رہ جائیں گے۔"

"ایسی کوششوں کی کامیابی کے ساتھ ناکامی کا بھی امکان ہے۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ محکمۂ پولیس کا ایک اعلیٰ افسر نہ صرف ان لوگوں کی پشت پناہی کررہا ہے بلکہ ان ہی میں سے ہے۔"

"اسے اغوا کرنے کے بعد کس راستے سے سرحد پار روانہ کیا جائے گا؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"فی الحال اسے ٹریڈلائن کے دفتر کے زیرِ زمین رہائشی حصے میں رکھا جائے گا۔ سرحد پار بھیجنے کا معاملہ اسی وقت زیرِ غور آئے گا جب اس کے اغوا کا معاملہ ٹھنڈا پڑجائے گا۔ میرا خیال ہے کہ اس کے اغوا کے بعد تقریباً سارے ہی حساس وفاقی اور صوبائی ادارے حرکت میں آجائیں گے اور کارکردگی میں ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کی کوشش کریں گے۔"

"لیکن تم بتارہے تھے کہ اسے فوری طور پر سرحد پار پہنچانے کی ہدایات دی گئی ہیں۔"

"ہدایات وہی ہیں لیکن خطرات کا اندازہ کئے بغیر کوئی اندھا دھند کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ ایسے حالات میں فوری کا مطلب جلد از جلد ہوتا ہے۔ ویسے بھی اصل مقصد یہ ہے کہ غلام رسول کو مقامی حکام سے تحفظ فراہم کیا جائے۔ یہ کام ٹریڈلائن کی کمین گاہ میں بھی ہوسکتا ہے۔ میری دانست میں صرف اتنا فرق پڑے گا کہ یہاں غلام رسول کو خاموشی کے ساتھ روپوش رہنا ہوگا۔ سرحد پار جاتے ہی وہ ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا اور کھل کر ہمارے ملک کے خلاف زہر افشانی کرسکے گا۔"

"میں نہیں مان سکتا کہ غلام رسول جیسا آدمی اس حد تک گر جائے گا" سلطان شاہ نے بے اعتنائی سے کہا "ملا سرکار اور سردار رجب علی کے معاملے میں وہ اس قدر بدنامی اٹھا چکا ہے کہ اب مزید کوئی حماقت نہیں کرے گا۔"

"ساری بات یہی ہے کہ سکھر کے معاملات میں اس کے خلاف ٹھوس شہادتیں موجود ہیں۔ وہ کتنا ہی نیک نام اور بااثر سیاست داں کیوں نہ رہا ہو، ایک باغی کی حیثیت میں سزائے موت کا حقدار ٹھہرایا جائے گا اور کوئی اس کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار نہیں کرسکے گا۔ پاکستان میں رہتے ہوئے اسے ذلت اور بدنامی کے ساتھ سولی پر چڑھنا ہوگا۔ اس پر یہاں زندہ رہنے کے تمام دروازے بند ہوچکے ہیں۔ سرحد پار اسے زندہ رہنے کی امید ہوگی تو وہ اپنے محافظوں کے اشاروں پر ناچے گا۔ وہ وہی کچھ کہے اور کرے گا جو مافیا والے چاہیں گے۔ مافیا صرف کمانے کی فکر میں رہتی ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بھارتی حکومت سے بھاری معاوضہ لے کر، غلام رسول سے ایسے بیانات دلوانا شروع کردیں جو ان کے مفادات سے میل کھاتے ہوں۔ اس طرح وہ ایک پنتھ دو کاج کریں گے۔ غلام رسول ان کی تحویل میں رہتے ہوئے پیسہ کمانے کی مشین بن جائے گا۔ ملکی اور علاقائی سیاست کے حوالے سے بین الاقوامی پریس بھی اس کی بات پر توجہ دیتا رہتا ہے۔"

"کیا اس طرح وہ اپنے بال بچوں اور خاندان کا مستقبل تباہ نہیں کرلے گا؟" سلطان شاہ نے حیرت سے کہا "غلام رسول سرحد پار چلا جائے گا لیکن اس کے خاندان کی جڑیں اس دھرتی میں ہیں۔ یہاں ان سب کے بھاری اثاثے ہیں۔ وہ لوگ تو ملک چھوڑ کر کہیں بھی نہیں جاسکتے۔ غلام رسول کی گھٹیا حرکتوں کی وجہ سے وہ یہاں منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہیں گے۔"

"محبت اور جنگ کی طرح سیاست میں بھی سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ اس کے بیٹے اور رشتے دار بھی نوشتۂ دیوار پڑھ چکے ہوں گے۔ جب وہ سمجھ لیں گے کہ غلام رسول کے پاس زندہ رہنے کے لئے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہے تو وہ بھی حالات سے سمجھوتا کرلیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ سب خود کو غلام رسول کے قول و فعل سے بری الذمہ قرار دیتے ہوئے اس سے لاتعلقی اختیار کرنے کا اعلان کردیں۔ ایسے کسی بھی اعلان سے ان کے پیروکار بے وقوف بن جائیں گے اور ان کا اپنے باپ سے خفیہ میل جول برقرار رہے گا۔"

"میں تمہارے اندازوں سے اختلاف نہیں کرتا" اس نے سپر ڈالتے ہوئے کہا "سیاست تمہارا میدان ہے نہ میرا۔ جو ہوتا ہے، وہ ہوا کرے۔ مجھ سے تم جو کچھ چاہتے ہو میں وہی کروں گا۔"

اسی لمحے داخلی دروازے کے خفی قفل میں چابی گھومنے کی آواز آئی اور لمحہ بھر بعد ہی ویرا ہانپتی ہوئی اندر گھس آئی۔ اس کے تیز نتھنوں نے شاید الکحل کی بو محسوس کرلی تھی۔ اس لئے وہ دروازہ بند کرکے عجیب و غریب ہیئت کذائی میں ڈرائنگ روم میں آئی اور اوپر والا برقع ایک طرف اچھال کر میرا پورا گلاس پی گئی۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں پوچھا "وہ میرا جھوٹا گلاس تھا۔"

"ہوا کرے، میں کون سی بچی ہوں؟" اس نے بے پروایانہ انداز میں کہا اور بٹن کھول کر برقع کا نچلا حصہ اپنے جسم سے الگ کرنے میں مصروف ہوگئی۔ اس دن ویرا نے خلافِ معمول قمیص شلوار پہنی ہوئی تھی جس کے بغیر برقع ایک ڈھونگ بن کر رہ جاتا۔ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے وہ اس کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کی عادی تھی جو ایک اچھی بات تھی۔

"کون سا پہاڑ ڈھا کر آرہی ہو؟" میں نے اپنے لئے دوبارہ گلاس بناتے ہوئے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"کاؤنسلیٹ کے بعد تم نے یہاں قید کرنے کا حکم صادر کردیا تھا۔ میں کھلی فضا میں سانس لینے کے لئے ترس رہی تھی اس لئے برقع اوڑھ کر باہر نکل کھڑی ہوئی۔ آج شہر میں آوارہ گردی کرنے میں عجیب ہی لطف آیا ہے۔"



"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تمہیں بہت ضروری کام ہے۔" سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔

وہ اپنی آنکھیں نشیلی بنا کر ہنس پڑی "یہ نہ کہتی تو تمہیں برنچ لانے پر کیسے آمادہ کرتی؟"

سلطان شاہ کی کھوپڑی چیخ اٹھی "لعنت ہے تم پر اور تمہاری باتوں پر اعتبار کرنے والے پر۔"

"اپنے اوپر تم ہزار بار بھی لعنت بھیجو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا" ویرا کے لبوں پر ہڈیوں تک کو سلگا دینے والی مسکراہٹ رقصاں تھی "ویسے برقع بھی خوب چیز ہے۔ آج کے تجربات میں عمر بھر نہیں بھول سکوں گی۔"

ہم میں سے کسی نے اس کی گفتگو میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی تو قدرے توقف کے بعد وہ خود ہی بولنے لگی "بے پردہ لڑکیوں اور عورتوں کو شاید لوگ مرد مار سمجھتے ہیں۔ اس لئے کوئی ان سے سرعام چھیڑ چھاڑ نہیں کرتا لیکن برقع پوشوں کو بے زبان سمجھ کر کوئی انہیں کندھا مارتا ہے اور کوئی پیچھا کرنے لگتا ہے۔ صدر کے علاقے رنگل اور ایمپریس مارکیٹ میں تو چلنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ حد یہ ہے کہ اٹھارہ بیس برس کا ایک نوجوان لڑکا مجھ سے دانستہ ٹکرایا اور پھر میرے پیچھے لگ گیا۔ اس نے بھیڑ سے فائدہ اٹھا کر کئی بار مجھ سے چھیڑ چھاڑ کی۔ ایک بار اس نے چٹکی لی تو میرا دل چاہا کہ پلٹ کر اس کو ادھیڑ ڈالوں لیکن میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی کیونکہ میں خود کو تماشا نہیں بنانا چاہتی تھی۔ برقع میں ملبوس ایک سفید فام عورت کو مار دھاڑ میں مصروف دیکھ کر وہاں اس کے بے شمار ہمدردوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے۔ خود کو اپنے دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے میں نے اپنے چہرے پر باریک نقاب دہری کی ہوئی تھی جب کہ آنکھوں پر وہی نقاب اکہری تھی اس لئے وہ بیوقوف مجھے اپنی ہم سن لڑکی سمجھ کر ایک ڈیڑھ گھنٹے تک میرے پیچھے اپنا وقت برباد کرتا رہا۔ میں کسی دکان وغیرہ میں جاتی تو وہ باہر رک کر میرا انتظار کرتا رہتا۔ آخر کار ایک جگہ سناٹا دیکھ کر میں پلٹی اور میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا تو وہ اس بری طرح ڈرا کہ ہکلانے لگا۔ اس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ وہ نہ صرف میرے تعاقب سے منکر ہو گیا بلکہ میرے بہلانے پھسلانے کے باوجود میرے ساتھ آنے پر آمادہ نہیں ہوا اور میری طرف سے موقع فراہم ہوتے ہی دم دبا کر وہاں سے فرار ہو گیا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جب وہ میرے ساتھ چلنے پر آمادہ نہیں ہوا تو میرے پیچھے اپنا وقت کیوں برباد کرتا پھر رہا تھا؟"

"تمہاری صورت سے ڈر گیا ہوگا" سلطان شاہ بولا "آج کل خاصی بھیانک ہو گئی ہو۔"

"بکواس مت کرو" وہ غصیلی آواز میں بولی "سارا معاملہ آنکھوں پر ہی چلتا رہا۔ میرا چہرہ اس نے پہلے دیکھا تھا نہ بعد میں' میں نے اپنی رونمائی کی ضرورت سمجھی۔"

"وہ اٹھارہ بیس سال کا بچہ تھا۔ تم اپنی آواز ہی سے اس سے بڑی معلوم ہوتی ہو۔ تمہاری آواز سنتے ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہوگا۔ برقع میں یہ اچھائی ضرور ہے کہ عمر پر دبیز پردہ پڑا رہتا ہے" سلطان شاہ نے فوری طور پر پینترا بدل کر بے پروایانہ لہجے میں کہا۔

"تم بکے جاؤ لیکن میری اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ عورت کو شجرِ ممنوعہ بنا کر تم نے اپنی قوم کے لڑکوں میں ذہنی اور نفسیاتی پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں۔ وہ استقامت کے ساتھ کسی ایک لڑکی پر طبع آزمائی کرنے کے بجائے ہر روز شوخ و شنگ لڑکیوں کا پیچھا کرتے ہیں اور ان سے بے ہودہ چھیڑ چھاڑ کے بعد شاید رنگین خوابوں میں رات بسر کرنے کو اپنی آوارگی کی معراج سمجھتے ہیں۔ اس بارے میں میرا آج کا تجربہ بہت انوکھا اور سنسنی خیز تھا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو" میں نے اپنے نئے گلاس سے ایک گھونٹ لینے کے بعد کہا "عورت کو بازاری جنس بنا کر ہم اپنے نوجوانوں کو ترقی یافتہ مغربی معاشرے کے مقام پر لے جا سکتے ہیں جہاں لڑکے اچھی نوکری اور ترقی کے لئے اپنی گرل فرینڈز کو سیڑھی کے طور پر استعمال کرنے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں۔"

"تم لوگ حد سے زیادہ تنگ نظر اور قدامت پسند ہو" وہ جل کر بولی "اگر مرد کو اپنا دل خوش رکھنے کی آزادی ہے تو عورت کو قید میں کیوں رکھتے ہو؟ مردانہ بالادستی کا یہ تصور اب ختم ہونا چاہئے۔"

"یہ تصور تو اب زور پکڑے گا" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا "ابھی تک ہم لوگ عورت پر مرد کی برتری کا دعویٰ کرتے تھے جس پر ہمارا مذاق اڑا کر مغرب میں دونوں کی مساوات کا نعرہ لگایا جاتا تھا لیکن اب جدید ترین تحقیق سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ایک عام مرد کے مقابلے میں ایک عام عورت میں دماغ کی مقدار کم ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اس میں ذہنی تخلیق کی صلاحیتوں کی کمی ہوتی ہے۔ میری بات کا یقین نہ ہو تو ماؤنٹ ہول یوک کالج کے جریدہ میں کرٹس جی اسمتھ کا تحقیقی مضمون پڑھ لو۔"

"ویرا بیگم سے تحقیق اور تعلیم جیسے خشک موضوع پر باتیں نہ کرو" سلطان شاہ بولا "اور یہ مان لو کہ عورت گھٹیا پن پر اتر آئے تو اپنے ناز و انداز سے بڑے بڑے سورما مردوں کے چھکے چھڑا سکتی ہے۔"

"یہ بحث ختم کرو!" میں نے سلطان شاہ کی بات کاٹ دی اور ویرا سے مخاطب ہو کر بولا "کچن سے اپنے لئے ایک گلاس اٹھا لاؤ اور یہ بتاؤ کہ آج تم کس اہم مشن پر فلیٹ سے باہر نکلی تھیں؟"

"کوئی مشن نہیں تھا' بس بند پڑے پڑے اکتا گئی تھی" اس نے بلا پس و پیش جواب دیا۔

"اور آج تم نے یہاں خاصی تصویر کشی بھی کی تھی؟" میں نے اپنے اندیشے کا کوئی اظہار کئے بغیر اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں!" وہ کھلکھلا کر ایک دم ہنس پڑی "وہ بھی بے زاری دور کرنے کی ایک کوشش تھی۔"

"شہر نوردی کے دوران میں تم نے فلم کے پرنٹ بھی بنوا لئے ہوں گے؟" میں نے پوچھا۔

اس نے اپنا بیگ ٹٹول کر تصاویر کا لفافہ میرے آگے ڈال دیا اور خود کچن کی طرف چل دی۔

میں نے لفافے میں موجود ساری تصاویر میز پر الٹ دیں اور سرسری جائزے سے دو باتیں فوری طور پر نوٹ کر لیں۔ اول یہ کہ اس لفافے میں نیگیٹو موجود نہیں تھے۔ دوم یہ کہ میرے اندازے کے برعکس ان تصاویر میں کسی کا کوئی کلوز اپ نہیں تھا۔ سارے گروپ فوٹوز اور انفرادی تصاویر کا انداز سو فیصد گھریلو تھا۔

ویرا کی کچن سے واپسی سے پہلے ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے جہانگیر بول رہا تھا۔

"کیا اپنی سسرال سے بول رہے ہو؟" میں نے اس کی آواز پہچان کر پوچھا۔

"میں صبح کی فلائٹ سے واپس آیا ہوں۔ سلمیٰ بھی میرے ساتھ آئی ہے" اس کے لب و لہجے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی جیسے اپنی بیوی کو اپنے ساتھ واپس لا کر اس نے کوئی بہت بڑا معرکہ سر کر لیا ہو۔

"بہت خوشی کی بات ہے۔ مجھے تو شبہ ہونے لگا تھا کہ تمہارے سالے نے کہیں تمہیں گھر داماد ہی نہ بنا لیا ہو؟"

"میں گھر داماد بننے والوں میں سے نہیں ہوں" اس کی بھڑکتی ہوئی آواز ابھری "مریم کے معاملے نے سلمیٰ کو بالکل ہی پاگل کر دیا تھا۔ اس نے اپنے میکے میں پہنچتے ہی میرے خلاف ایک بھرپور اسکینڈل کھڑا کر دیا تھا۔ اگر میں نے برداشت اور رواداری سے کام نہ لیا ہوتا تو اس نے اپنے ساتھ مجھے بھی برباد کر دیا ہوتا۔"

"گھر میں ایسی ٹیڑھی بیوی پالنے کے باوجود تم سیدھے نہیں چل سکتے" میں نے ... کہا۔

"... بار ... کچھ بھی نہیں ہوا تھا" اس نے شکوہ کیا "مریم کو ایک کمرے میں قید دیکھتے ہی وہ اپنے آپے سے باہر ہو گئی تھی۔ میں نے اسے لاکھ سمجھانا چاہا کہ مریم تمہاری قیدی تھی لیکن اس نے میری ایک نہ سنی....."

"اب اس قصے پر لعنت بھیجو' مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ اپنی بیوی کی نظروں میں تمہاری کتنی وقعت ہے۔ میں بھی تمہارے بارے میں احتیاط سے کام لوں گا۔ خرابی دراصل یہ ہے کہ سلمیٰ تمہاری فطرت سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ وہ جانتی ہے کہ شکم سیر ہونے کے باوجود تم اپنی گرفت میں آئے ہوئے شکار پر منہ مارنے سے باز نہیں آتے......"

اس نے میری بات کاٹ دی "اپنی صلح کی خوشی میں آج رات کو ہم' تم تینوں کو ڈنر پر مدعو کرنا چاہ رہے ہیں۔ آؤ گے تو وہ لفافہ بھی لے لینا جو میری غیر حاضری میں تمہارے لئے آیا تھا۔"

"لفافہ!" میں اس اطلاع پر بری طرح چونک پڑا "تمہارے پتے پر میرے لئے کس کا لفافہ آ گیا؟"

"لفافہ بند ہے' کوئی مفلوک الحال شخص میرے چوکیدار کو دے گیا تھا۔"

"آج ہم ڈنر پر نہیں آ سکیں گے کیونکہ آج رات کو مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ میں سلطان شاہ کو بھیج رہا ہوں۔ یہ لفافہ اسی کو دے دینا۔ یہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے کہ کسی کو میرے اور تمہارے مراسم کا علم ہو گیا ہے۔"

"سلطان شاہ کو بھیجنے کے بجائے' جاتے ہوئے خود ہی لفافہ لے لینا۔ سلمیٰ سے تمہاری سلام دعا بھی ہو جائے گی۔ وہ کئی بار تمہارے اور غزالہ کے بارے میں پوچھ چکی ہے۔"

"میں آیا تو مجھے وہاں بیٹھنا پڑے گا۔ تمہاری خانگی خوشیوں کے لئے مجھے بھی سلمیٰ کی دھونس سہنی پڑتی ہے۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ لفافے والی بات میرے لئے بہت زیادہ پریشان کن تھی۔ وہ پیغام جس طرح بھیجا گیا تھا' اس کے پیش نظر یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ اس کا متن غیر دوستانہ رہا ہوگا۔

سلطان شاہ میری ہدایت پر بے چون و چرا کئے' جہانگیر کے گھر کے لئے روانہ ہو گیا۔

"تمہیں پیغام بھیجنے والا کون ہو سکتا ہے؟" ویرا نے فکر مندانہ لہجے میں پوچھا' میری اور جہانگیر کی جزوی گفتگو سن کر وہ بھی خاصی پریشان نظر آنے لگی تھی۔ اس کے ردِعمل پر میری گہری نظر تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی پریشانی میں اداکاری کا کوئی شائبہ نہیں تھا' وہ حقیقی طور پر اس واقعہ پر فکر مندی کا شکار ہو گئی تھی۔

"تمہارے ہمدردوں میں سے بھی کوئی ہو سکتا ہے" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"ہر خراب موقع پر تمہاری توپوں کا رخ سب سے پہلے میری جانب ہوتا ہے" وہ چڑچڑے انداز میں بولی "کراچی میں میرے کون سے ایسے ہمدرد پیدا ہو گئے جن کے وجود سے میں خود بے خبر ہوں۔"

"تم معراج دین عرف ماجے کے ساتھیوں کو بھول رہی ہو" میں نے اسے یاد دلایا "ان لوگوں نے تمہاری کمان میں جہانگیر کے گھر پر لشکر کشی کی تھی اور خاصے کاری زخم کھائے تھے۔ تم نے انہیں ضرور بتایا ہوگا کہ اس مکان میں تمہارا اصل ٹارگٹ کون تھا' ہو سکتا ہے کہ انہی میں سے کسی نے سر اٹھانے کی کوشش کی ہو۔"

"یہ بہت کمزور مفروضہ ہے۔ تم جانتے ہو کہ پیشہ ور بدمعاش کینہ پرور نہیں ہوتے۔ فائدے کی امید نہ ہو تو وہ ایک گولی بھی نہیں چلاتے۔ وہ ایک وقتی تصادم تھا جس کے نتائج کو اسی وقت مان لیا گیا تھا۔ جب ان سے میرا واسطہ ختم ہو چکا ہے تو اب وہ اس گڑے مردے کو کیوں اکھاڑیں گے؟"

"یہ خیال غلط بھی ہو سکتا ہے" میں نے اعتراف کیا "جب تک اس خط کا متن سامنے نہ آئے' رائے زنی بے سود ہے۔"

"میرے شب و روز کسی کھلی ہوئی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہیں لیکن تمہاری بہت سی مصروفیات کے بارے میں' میں اندھیرے میں ہوں" اس نے شکوہ کیا "کبھی کبھی مجھے یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ دوستی ہو جانے کے باوجود تم میرے بارے میں بہت سے ذہنی تحفظات کا شکار ہو اور تم نے مجھے پوری طرح

گروپ میں قبول نہیں کیا ہے۔"

اس کا وہ مشاہدہ بالکل درست تھا لیکن میں اسے تسلیم نہیں کرسکتا تھا۔ میرے انکار پر ویرا بحث پر تل گئی۔

سلطان شاہ لفافہ لے کر واپس آیا تو ہماری بحث بدستور جاری تھی۔ نہ میں جھکنے کے لئے آمادہ تھا نہ وہ اپنے دعوے سے دستبردار ہونے کے لئے آمادہ تھی۔ اس دوران میں غزالہ بھی مختصر سی نیند لینے کے بعد ہمارے ساتھ شریک ہوچکی تھی اور فطری طور پر میرا بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔

خاکی رنگ کے اس ہلکے سے لفافے پر انگریزی میں صرف ڈینی تحریر تھا۔ لفافہ قدرے پھولا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے لفافہ بند کرتے ہوئے اس میں ہوا قید رہ گئی ہو۔ میں نے اشتیاق اور تجسس کے ساتھ جوں ہی وہ لفافہ کھولا' اچانک ایک تیز بو میرے نتھنوں سے ٹکرائی اور اس سے قبل کہ میں لفافے سے خارج ہونے والی اس پُراسرار گیس کے بارے میں کچھ سوچتا' میرے اعصاب نے میرا ساتھ دینے سے انکار کردیا اور میں بیٹھے بیٹھے ایک طرف لڑھک گیا۔

میری آنکھوں نے جو آخری منظر دیکھا وہ ان تینوں کے میری طرف لپکنے کا تھا۔

○☆○

اگلا دن سنسنی اور بے چینی کے عالم میں گزر گیا۔ خاکی لفافے میں' بے ہوش کردینے والی زود اثر گیس کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ گیس کے اثرات اتنے شدید تھے کہ میں تین گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں لایا جاسکا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد میرے سر اور بدن میں ناقابلِ برداشت اینٹھن رچ کر رہ گئی تھی۔

ہم سب ہی مل کر اس لفافے پر سر کھپاتے رہے لیکن کسی نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ ویرا بدترین دشمنی کے مراحل سے گزرنے کے بعد میری دوست بن چکی تھی۔ اس کی ذات سے ہٹ کر پاکستان میں شی کا وجود ختم ہوچکا تھا۔ مافیا میں میری پوزیشن بہت مستحکم تھی۔ حبیب جیوانی کے دل ودماغ میں پروان چڑھنے والے وسوسوں کا مؤثر سدِباب کرنے کے بعد مجھے مافیا والوں سے کوئی خوف نہیں تھا۔ شہر کے غنڈوں' بدمعاشوں اور قاتلوں سے ترکِ تعلق کئے ایک مدت گزر چکی تھی۔ ملاّ سرکار مرچکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سردار رجب علی بھی مارا گیا تھا۔ ان کے پسماندگان میں کوئی بھی اتنا ہوشیار اور اہل نہیں تھا کہ کراچی جیسے شہرِ خرابات میں میرا سراغ لگا کر مجھے زہریلی گیس کا تحفہ بھجوانے کا بندوبست کرتا۔ لے دے کر میرے دو حریف نظر آتے تھے۔ ان میں سے ایک انڈین ہائی کمیشن تھا جو ملاّ سرکار کے معاملات میں کھل کر سامنے آیا تھا۔ انہوں نے اسلام آباد کے سفارت خانے میں متعین کرنل مہیش پال کے ذریعے ہتھیاروں کے سودے کی ضمانت فراہم کرنے کا بندوبست کیا تھا لیکن ہم نے کرنل مہیش پال کو اغوا کرکے جہنم واصل کردیا اور یوں ہتھیاروں کا وہ سودا خراب ہوگیا۔ پھر [illegible] کراچی میں انڈین ہائی کمیشن کی خوبرو اور سبک اندام پبلک ریلیشنز آفیسر' شانتی نرائن پر ڈورے ڈالے تاکہ ان لوگوں کی گندی حرکات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ مواد جمع کرسکوں لیکن شانتی بہت عیار اور شاطر تھی۔ اس نے میرے عزائم کو بھانپ کر مجھے دھوکے سے اپنے ہائی کمیشن کی عمارت میں لے [illegible] چاہا لیکن ناکام رہی۔ میں نہ صرف اس کے چنگل سے [illegible] فرار ہوتے ہوئے ماری گئی۔ لیکن وہ تلخ واقعات بہت پرانے ہوچکے تھے۔ ایسی بساطوں پر بہتیرے چھوٹے بڑے مہرے پٹتے رہتے ہیں جن کا کوئی حساب کتاب نہیں ہوتا۔ میری دانست میں یہ امکان بعید از قیاس تھا کہ طویل تعطل کے بعد انڈین ہائی کمیشن کو یک بیک میرا خیال آگیا ہو۔ اس کے بعد لے دے کر ہیری **کیمنز** اور اس کا کاؤنسلیٹ ہی رہ جاتا تھا مگر مجھ سے ان کی کوئی براہِ راست پرخاش نہیں تھی۔ ان کا سارا جوڑ توڑ ویرا کے ساتھ چل رہا تھا اور پھر جس روز وہ لفافہ جہانگیر کے گھر پہنچایا گیا' اس دن ویرا ان لوگوں کی تحویل میں تھی۔ ایسی مضبوط پوزیشن میں ہیری لفافہ بھجوانے جیسی اضطراری کارروائی نہیں کرسکتا تھا۔

ہوش میں آنے کے بعد سے میرا ذہن مسلسل اسی پہیلی میں الجھا ہوا تھا۔ اس وقت بھی صبح کے پونے آٹھ بج رہے تھے۔ عقب نما آئینے میں میری نگاہیں اس راستے پر جمی ہوئی تھیں جدھر سے غلام رسول والی وین کو آنا تھا۔ لیکن دماغ اسی گتھی میں الجھا ہوا تھا جس کا دور دور تک کوئی سرا نظر نہیں آرہا تھا۔

اگر میرے پاس فیصلہ کرنے کا اختیار ہوتا تو میں غلام رسول کے اغوا کا معاملہ کسی اچھے وقت کے لئے ملتوی کردیتا لیکن مجبوری یہ تھی کہ اس کارروائی کے لئے وقت کا تعین اس شخص نے کیا تھا جو اپنے رتبے اور اختیار کے اعتبار سے حبیب جیوانی سے بہت برتر تھا۔ اس سے ملی ہوئی معلومات کی روشنی میں سارا بندوبست مکمل ہوچکا تھا۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر مستعد اور تیار' اس پولیس وین کے نمودار ہونے کے منتظر تھے جس کے ذریعے غلام رسول کو سینٹرل جیل سے کسی مجسٹریٹ کی عدالت میں پہنچایا جاتا تھا۔ آخری جائزے کے بعد واردات کے لئے قائدِاعظم کے مزار کی عقبی سڑک کا انتخاب کیا گیا تھا جہاں سڑک کے ایک طرف اونچے آہنی جنگلے کے پیچھے مزار کا عقبی ویران احاطہ تھا جہاں درختوں' خودرو جھاڑیوں اور ناہموار ٹیلوں کی وجہ سے کوئی نہیں آتا تھا۔ دوسری طرف بھی اونچی دیوار کے پیچھے ایک ویران میدان پھیلا ہوا تھا۔ اس سڑک کی کل آبادی' پہلے چوراہے کے قریب بنے ہوئے ان بڑے بڑے دفاتر پر مشتمل تھی جن میں سے ایک کا تعلق مزار کی دیکھ بھال اور انتظام سے تھا۔ ان دفاتر میں عملے کی تعداد اتنی قلیل تھی کہ باہر سے وہ بھی تقریباً غیر آباد ہی نظر آتے تھے۔

آٹھ بج کر چند منٹ بعد مجھے عقب نما آئینے میں ایک پولیس وین چوراہا گھوم کر اپنی طرف آتی ہوئی نظر آئی۔ شہر میں ہر وقت سیکڑوں پولیس کاریں متحرک رہتی ہیں مگر میرے لئے اس مخصوص وین کی پہچان یہ تھی کہ اس سے قدرے فاصلے پر شیر شاہ کی سیاہ لانسر بھی چلی آرہی تھی۔

آناً فاناً میں پولیس وین میرے قریب سے گزر گئی۔ اس کے کیبن میں ڈرائیور کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ عقبی حصے پر بڈ ہونے کی وجہ سے میں صرف ایک سپاہی کی جھلک دیکھ سکا۔ اس کے پیچھے سیاہ لانسر شیر شاہ چلا رہا تھا۔ اس کے ساتھ' گاڑی میں مزید تین افراد موجود تھے۔ وین اور لانسر کا درمیانی فاصلہ قدرے زیادہ تھا لیکن لانسر کے بالکل پیچھے ایک سفید شیراڈ دوڑ رہی تھی جس میں شیر شاہ کے ماتحت' اعظم کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ اسی برق رفتار کار میں غلام رسول کو اغوا کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا تاکہ تعاقب کی نوبت آجائے تب بھی شیراڈ نہ پکڑی جاسکے۔

ان تینوں گاڑیوں کے گزرتے ہی میں نے بھی اپنی کار اسی راہ پر ڈال دی۔ وہ صبح کا وقت تھا۔ سڑکوں پر دفاتر اور کارخانوں کی طرف جانے والوں کی بھیڑبھاڑ شروع نہیں ہوئی تھی اس لئے سفر تیز رفتاری کے ساتھ جاری رہا۔ نئی اور پرانی کاروں کے شورومز کے بعد چند دکانیں آئیں پھر دو رویہ رہائشی مکانات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ جس وقت میں داؤد انجینئرنگ کالج اور اسلامیہ کالج کے سامنے والے چوراہے سے گزر رہا تھا تو سیاہ لانسر اگلا چوراہا گھوم رہی تھی میں نے اپنی کار کی رفتار یک بیک بڑھا دی۔

میں اگلے چوراہے سے مزار کے عقب میں واقع سڑک کی طرف گھوم ہی رہا تھا کہ فضا بریکوں کے شور اور آہنی دھماکے سے لرز اٹھی۔ غالباً طے شدہ حادثہ رونما ہوچکا تھا۔ میں نے اپنی کار کی رفتار مزید بڑھا دی۔

جائے حادثہ پر پہنچتے ہی میری طبیعت باغ باغ ہوگئی۔ مستی خان نے اس دو رویہ سڑک پر مخالف سمت سے آتے ہوئے آئی لینڈز کی درمیانی جگہ سے اتنی مہارت اور تیزی کے ساتھ یوٹرن لینے کی کوشش کی تھی کہ پولیس وین اس کشادہ سڑک کے انتہائی بائیں سرے پر جانے کے باوجود' داہنے **فینڈر** کو شدید تصادم سے نہیں بچاسکی تھی۔

میرے اترنے تک سب کچھ اسی طرح رونما ہوچکا تھا جیسے سوچا گیا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہم سب وہاں کسی ڈرامے کی ریہرسل کررہے ہوں اور پولیس والے ہماری ہدایات پر کام کررہے ہوں۔

سیاہ لانسر ایک دوسرے سے جڑی ہوئی گاڑیوں کے قریب رکی تھی۔ سفید شیراڈ عین پولیس وین کے پیچھے رکی تھی۔ جس کے عقبی حصے میں غلام رسول ہتھکڑی میں ڈرا سہما بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اپنی کار سیاہ لانسر کے برابر میں ترچھی کرکے سڑک بند کردی تھی۔

میں نے اتر کر صرف ایک نظر میں وہاں کا جائزہ لیا۔ مستی خان کی سوزوکی ایف ایکس یوٹرن لیتے ہوئے اس طرح وین سے ٹکرائی تھی کہ اس کا داہنا ہیڈلیمپ وغیرہ چکنا چور ہوگیا تھا اور آہنی چادر اندر تک گھس کر ٹائر میں تقریباً پیوست ہوگئی تھی۔ سوزوکی کی پوزیشن بتا رہی تھی کہ غلطی مستی خان کی تھی لیکن قانونی نکتہ یہ تھا کہ اس کار کا بایاں حصہ وین کے داہنے حصے سے ٹکرایا تھا جب کہ اپنی گاڑی کے داہنے حصے کا دھیان رکھنا' ڈرائیور کی پہلی ذمے داری ہوتی ہے۔

اس کام کے لئے مستی خان کا انتخاب سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا۔ وہ لحیم شحیم ہونے کے ساتھ ہی خوفناک چہرے کا مالک تھا اس لئے اس پر ہاتھ اٹھانا آسان کام نہیں تھا۔ وہ اپنی مسروقہ سوزوکی سے اتر کر پولیس وین کے آگے کھڑا ہوا تھا۔ پولیس وین کا ڈرائیور اپنے ساتھیوں سمیت اسے مغلظات بک رہا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک مشتعل سپاہی نے اپنی بندوق کا کندہ مستی خان کی پنڈلی پر رسید کیا اور مستی خان نے غراتے ہوئے' اس کا گریبان پکڑ کر اسے زمین سے اٹھالیا۔ دوسرے سپاہی نے ہذیانی انداز میں چلاتے ہوئے اس پر بندوق تان لی اور اسے گولی مارنے کی دھمکی دینے لگا۔

مداخلت کرکے الجھاؤ پیدا کرنے کا وہ سنہرا موقع تھا۔ شیر شاہ کے تینوں ساتھیوں نے بڑھ کر سپاہیوں کو سمجھانے بجھانے میں الجھالیا۔ مستی خان سنگین پہاڑی گالیاں دے کر سپاہیوں کا خون کھولاتا رہا۔ جس کے نتیجے میں سپاہی وین اور اس میں موجود قیدی کو بھول کر اچھل اچھل کر چلاتے رہے۔

اسی اثنا میں اعظم اپنی شیراڈ کو واپس گھما چکا تھا اور شیر شاہ دبے **قدموں پولیس وین** کے عقبی حصے میں جاگھسا تھا۔ وہ تمام جھگڑا پولیس وین کے سامنے ہو رہا تھا جب کہ سفید شیراڈ وین کے بالکل عقب میں تھی اس لئے لڑنے والوں کو علم ہی نہ ہوسکا کہ وین میں کیا ہو رہا ہے۔ اس طرح شیر شاہ کو مکمل آزادی میسر آگئی تھی۔

چند ہی ثانیوں بعد شیر شاہ وین سے نکل آیا۔ اس کے پیچھے غلام رسول ہتھکڑی کی آہنی زنجیر اپنے دونوں ہاتھوں میں سنبھالے خوفزدہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا نیچے اترا۔ وہ دونوں شیراڈ کے عقبی حصے میں سوار ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے سفید شیراڈ غلام رسول کو لے کر مخالف سمت میں جدھر سے وہ آئی تھی' ہوا ہوگئی۔

میں نے اپنی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور اسٹیئرنگ کاٹ کر متصادم گاڑیوں کو اوورٹیک کرتا ہوا آگے روانہ ہوگیا۔ اس وقت مستی خان اور اس کے تین ساتھیوں نے پولیس والوں کو اتنی چالاکی کے ساتھ الجھایا ہوا تھا کہ دونوں سپاہیوں اور ان کے ڈرائیور کی پشت وین کی جانب تھی۔ وہ ہاتھ چلا چلا کر مستی خان کو قصوروار ٹھہرا رہے تھے۔ قدرے آگے نکل کر میں نے عقب نما آئینے میں مستی خان کو سپاہیوں پر حملہ آور ہوتے دیکھا۔ اس کے ساتھ وہاں عجیب ہڑبونگ پھیل گئی جس کا مطلب تھا کہ وہ چاروں سپاہیوں کے ہتھیار چھین کر بھاگنے کی تیاری کررہے تھے۔

سفید شیراڈ کو مزار کا طواف کرکے ایم اے جناح روڈ سے ٹریڈ لائن کے دفتر پہنچنا تھا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق جھگڑا کرکے مستی خان کو سپاہیوں کو غیرمسلح کرنا تھا جس کے بعد وہ چاروں سیاہ لانسر سے فرار ہوجاتے۔ مسروقہ سوزوکی وہیں چھوڑ دی جاتی۔ لانسر کے چلتے ہی پولیس والوں کی رائفلیں بھی سڑک پر پھینک دی جاتیں۔ انہیں فائر کرنے کی سخت ممانعت کی گئی تھی کیونکہ [illegible]

آواز سنتے ہی قرب و جوار میں منڈلاتی ہوئی پولیس کی گاڑیاں اس طرف متوجہ ہو سکتی تھیں جب کہ اس منصوبے کو بے داغ بنانے کے لئے پولیس کی دوسری گشتی پارٹیوں سے محفوظ رہنا بے حد ضروری بلکہ ناگزیر تھا۔ حادثے میں ملوث ہونے والی سوزوکی کار کو جائے واردات پر چھوڑنے میں کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ وہ پچھلی رات کو چرائی گئی تھی اور اس کے ذریعے پولیس کو مافیا کے کارندوں کا کوئی سراغ ملنا ناممکن تھا۔ یہی معاملہ سیاہ لانسر کا تھا۔ واردات کے ارتکاب کے دوران میں وہ کار پولیس والوں کی نظروں میں آئی تھی اس لئے وہ بھی رات گئے برنس روڈ کے علاقے سے اٹھائی گئی تھی۔ اس کی نمبر پلیٹ سوزوکی کی نمبر پلیٹ سے تبدیل کردی گئی تھی اور توقع یہ تھی کہ صبح آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک کہیں بھی اسے چیک نہیں کیا جاسکے گا۔ رہا سلطان شاہ تو اسے میں خود بھی کہیں دریافت نہیں کرسکا تھا۔

جائے واردات سے فرار ہونے کے بعد وہ چاروں سیاہ لانسر شہید ملت روڈ پر کہیں چھوڑ کر ٹیکسی سے دفتر پہنچ جاتے۔ اس معاملے میں شیراڈ سب سے اہم گاڑی تھی کیونکہ اسی کے ذریعے مغوی کو ٹریڈ لائن کے دفتر تک لے جانا تھا اس لئے وہ کرائے پر حاصل کی گئی تھی۔ اس کار کے بارے میں یہ طے کرلیا گیا تھا کہ اسے پولیس والوں کی نظروں میں آنے سے بچایا جائے گا' پھر بھی اس کی دونوں نمبر پلیٹوں پر مٹی لتھیڑ کر نمبروں کو مسخ کردیا گیا تھا۔ میں نے جائے واردات پر جو منظر دیکھا تھا اس کی بنا پر مجھے پورا یقین تھا کہ کسی پولیس والے نے سفید شیراڈ کی جھلک بھی نہیں دیکھی ہوگی۔

میرا اس معاملے میں کوئی عملی کردار نہیں تھا اس لئے میں نے ڈنکے کی چوٹ پر اپنی کار استعمال کی تھی البتہ احتیاطاً اس کی بھی نمبر پلیٹ کو دھول مٹی میں پوشیدہ کردیا تھا تاکہ کسی بھی مرحلے پر نمبر نوٹ کرنے کی نوبت نہ آسکے۔

میں دفتر پہنچا تو شیر شاہ اپنی کامیابی پر بہت خوش تھا۔ سینڈو کی موت کے بعد وہ پہلا کام تھا جو اس نے براہِ راست اپنی نگرانی میں پایۂ تکمیل کو پہنچوایا تھا۔ اس نے عقل مندی یہ کی تھی کہ غلام رسول کو براہِ راست میرے دفتر میں لانے کے بجائے رہائشی حصے میں پہنچادیا تھا۔ شیر شاہ قفل شکنی میں خاصی مہارت رکھتا تھا اس لئے اُس نے دفتر پہنچنے سے پہلے راستے میں ہی غلام رسول کو ہتھکڑی اور اس سے منسلک آہنی زنجیر سے نجات دلادی تھی۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر پہلی بار مجھے خیال آیا کہ میرا چہرہ غلام رسول کے لئے اجنبی نہیں تھا۔

اس کے اغوا کی ہدایت ملنے سے اس لمحے تک صورتِ حال کچھ ایسی رہی تھی کہ مجھے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ پھر رہی سہی کسر زہریلی گیس والے پُراسرار لفافے نے پوری کردی۔ وہ گیس اس قدر تیز اور اثرانگیز تھی کہ کم و بیش چھتیس گھنٹے [illegible] جانے کے بعد بھی میں اس کے مضر اثرات سے پوری طرح نہیں سنبھل سکا تھا۔

اس وقت مجھے ہوش آیا کہ غلام رسول سے میرا سامنا ہونا میرے حق میں کس قدر خطرناک ہوسکتا تھا۔ سکھر کی کوتوالی میں اس کی گرفتاری کے موقع پر میں اول خان کے ہمراہ ڈی آئی جی کے دفتر میں موجود تھا پھر کراچی میں ایس ٹی ایف کے عارضی دفتر میں اول خان نے میری موجودگی میں غلام رسول سے پُرتشدد بازپرس کی تھی جس کے نتیجے میں اس نے صحرائی سرحدوں کی جانب سے بھارتی چھاپا ماروں کے منظم حملے کی سازش کا انکشاف کیا تھا۔ ہمارے بعد کے تجربات نے ثابت کردیا تھا کہ اکیس ستمبر کو حملے کے بارے میں دی ہوئی غلام رسول کی اطلاعات درست تھیں اور اس نے ہمیں بروقت ہوشیار کردیا تھا۔

ان ملاقاتوں کے نتیجے میں غلام رسول مجھے اپنے بدترین دشمن کے طور پر پہچانتا تھا۔ اگر اغوا کے بعد وہ مجھے اپنے روبرو دیکھ لیتا تو شیر شاہ کے سارے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا۔ غلام رسول مر کر بھی یقین نہیں کرسکتا تھا کہ مجھ جیسا شخص اس کا ہمدرد اور خیر خواہ ہوسکتا ہے اور وہیں سے میرا سارا کھیل بگڑ جاتا۔

"اجازت ہو تو غلام رسول کو حاضر کردوں؟" چند ثانیوں بعد شیر شاہ نے ادب سے دریافت کیا۔

"بالکل نہیں" میں نے سختی سے اسے منع کردیا "اسے مجبوراً یہاں لایا گیا ہے ورنہ اصل پروگرام میں اسے یہاں لانا شامل نہیں تھا۔ ہمارے کسی آدمی کو غیر ضروری طور پر اس کے سامنے آنے کی ضرورت نہیں۔ تم اور اعظم اس کی نظروں میں آگئے ہو تو اب تم ہی دونوں کو اس کی ضروریات کا خیال رکھنا ہوگا۔ اس سے کوئی غیر ضروری بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ بس یہ جتاتے رہنا کہ اب وہ اپنے دوستوں کی تحویل میں ہے جہاں اس کی جان یا آزادی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"اگر یہ کوئی خطرناک دوست ہے تو پھر میں اس کا دوسرا بندوبست بھی کرسکتا ہوں" شیر شاہ نے کہا "وہ جاگتا رہے گا تو سب کچھ دیکھے اور سنے گا۔ اجازت ہو تو میں کھلانے پلانے کے بعد اسے خواب آور دوا دے دوں۔ ہر ڈوز چھ سات گھنٹے کے لئے کافی ہوگا۔ وہ ہوش میں آکر اپنی شکم پُری کرے گا اور پھر سو جائے گا۔"

"کم از کم آج کے لئے ایسا ہی کرو' کل کے بارے میں سوچ کر بتاؤں گا..... اور ہاں' اس نے تمہارے بارے میں جاننے کی کوشش تو ضرور کی ہوگی؟ تم نے اپنے بارے میں اسے کیا بتایا ہے؟"

"ایک لفظ بھی نہیں بتایا" اس نے پورے اعتماد سے جواب دیا "بس یہی دلاسا دیتا رہا کہ بہت جلد اسے سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔ آخر میں تو وہ اتنا متجسس ہوگیا تھا کہ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ ہمارا تعلق یہیں سے ہے یا ہم سرحد پار سے یہاں بھیجے گئے ہیں۔ میں نے خاموشی سے مسکرا کر اُس کے سوال ٹال دیئے تھے۔ وہ ابھی تک ہماری اصلیت کے بارے میں فکرمند ہے۔"

شیر شاہ کے چلے جانے کے بعد میں نے حبیب جیوانی کے گھر کا نمبر ملایا تاکہ اسے فون پر اپنی کامیابی کی اطلاع دے دوں۔ وہ مافیا کا سربراہ ہوتے ہوئے بھی اپنے دوسرے ماتحتوں سے اس قدر الگ تھلگ رہنے کا عادی تھا کہ بہت سی ضروری باتوں تک سے لاعلم رہتا تھا۔ جب تک سینڈو زندہ تھا تو وہ حبیب جیوانی کا مخبر بنا ہوا تھا۔ اس کی موت کے بعد حبیب جیوانی کی چابی میرے قبضے میں آگئی تھی جس سے مجھے خاطر خواہ فائدہ ہوسکتا تھا۔

غلام رسول بظاہر ایک نیک نام اور نرم دل سیاست داں کے روپ میں اپنے علاقے کے لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کررہا تھا۔ لیکن میں نے اسے گرگٹ کی طرح پل پل رنگ بدلتے ہوئے سنا اور دیکھا تھا۔ سب سے پہلے میں نے ٹرانسیٹر پر اس کی اور ملا سرکار کی گفتگو سنی تھی۔ ملا سرکار اس کے ذریعے رجب علی نامی ڈاکو کو دھوکے سے سادھو بیلہ بلا کر قتل کرنا چاہتا تھا۔ غلام رسول نے اس گھٹیا کام میں ملا سرکار کا آلۂ کار بننے سے سختی سے انکار کیا تو ملا سرکار نے اس کی سرحد پار کی خفیہ اور باغیانہ سرگرمیوں کے ویڈیو کیسٹوں کا ذکر کرکے بھونچکا کردیا اور غلام رسول کو ملا سرکار کی اس کھلی بلیک میلنگ کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑگئے۔ پھر اس نے سکھر کوتوالی میں انسپکٹر علی اسد کو اپنے اثر و رسوخ سے ڈرانا چاہا' اس حربے کی ناکامی پر بھاری رشوت کی پیشکش بھی کی جسے حقارت سے ٹھکرادیا گیا۔ وہ بہت ڈھیٹ اور خود سر مجرم تھا۔ اول خان کی تحویل میں اس نے بدترین تشدد کے سامنے بھی اعترافِ جرم نہیں کیا لیکن اس کے دل کے کسی گوشے میں اپنے وطن سے لگاؤ کا موہوم سا جذبہ آخری سانسیں لے رہا تھا جس سے مجبور ہوکر اُس نے اکیس ستمبر کے آپریشن کا راز فاش کردیا۔ وہ غلام رسول کا آخری روپ تھا۔

مگر مَیں اس کی پُرپیچ شخصیت کے بارے میں مزید جاننے کا خواہش مند تھا۔ اپنی شناخت کے خوف سے میں اپنے اصل روپ میں اس کے سامنے نہیں جاسکتا تھا۔ نقاب استعمال کرتا تو شیر شاہ کو میری طرف سے شبہ ہوسکتا تھا اس لئے آخر کار میرا دھیان حبیب جیوانی کے دفتر کی طرف گیا جہاں میں خود کو مکمل تاریکی میں رکھ کر غلام رسول سے کھلی گفتگو کرسکتا تھا اور اس کے تاثرات پر کڑی نظر بھی رکھ سکتا تھا۔

حبیب جیوانی نے مجھے اپنے دفتر کے استعمال کی کھلی چھوٹ دی ہوئی تھی۔ وہ اس وقت اپنے گھر پر موجود نہیں تھا جب کہ میں اُس سے بات کئے بغیر دفتر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس لئے میں نے اس فرصت سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور شیر شاہ کو ہدایات دیتا ہوا اپنے دفتر سے نکل کر حبیب جیوانی کے دفتر میں پہنچ گیا۔ وہ دفتر میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ میں نے حبیب جیوانی کی کرسی سنبھال کر روشنیوں کو اس انداز میں جلایا کہ میں خود گھور اندھیرے میں چھپا رہا اور میز کے دوسری جانب کا حصہ روشنی میں نہا گیا۔

چند منٹ بعد فنگر پرنٹ اسکینر پر شیر شاہ کی انگلیوں کے نشانات ابھرے۔ میں نے یکے بعد دیگرے دو بٹن دبائے اور اس مشین نے شیر شاہ کے نشاناتِ انگشت کو پہچان کر دروازے کا قفل کھول دیا۔

شیر شاہ کے آگے غلام رسول سہمے ہوئے انداز میں دفتر میں داخل ہوا۔ میری ہدایت کے مطابق اس کی آنکھوں پر سیاہ پٹی بندھی ہوئی تھی اور شیر شاہ بازو تھام کر اُس کی رہنمائی کررہا تھا۔

مجھے یہ دیکھ کر ذہنی جھٹکا لگا کہ غلام رسول اس قلیل سی مدت میں ہڈیوں کے ڈھانچے میں.... تبدیل ہوگیا تھا اور چہرے سے وہ مدقوق نظر آنے لگا تھا۔ غالباً آنے والے دنوں کی دہشت نے اسے دہشت زدہ کررکھا تھا۔

"اس کی آنکھوں سے پٹی کھول کر تم باہر انتظار کرو" میں نے بھاری آواز میں شیر شاہ کو حکم دیا' جس نے فوراً ہی غلام رسول کی آنکھوں سے سیاہ پٹی اتاری اور خود دفتر سے باہر نکل گیا۔ میں نے میز کے نچلے حصے میں لگا ہوا سوئچ دبا کر دفتر کے باہر سرخ بلب روشن کردیا جس کا مطلب تھا کہ کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں تھی۔

غلام رسول کی بڑی بڑی' سیاہ آنکھیں حلقوں میں اندر دھنسی ہوئی تھیں۔ پٹی کھلنے کے بعد وہ تیز روشنی سے بوکھلا گیا۔ کئی ثانیوں تک کسی ایسے الّو کی طرح جسے اندھیرے سے اچانک روشنی میں پھینک دیا گیا ہو' وہ اپنی پلکیں تیزی کے ساتھ جھپکاتا رہا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا "خدا کے لئے یہ روشنی کم کردو ورنہ میری بینائی جاتی رہے گی۔ میں اندھیرے یا زیادہ سے زیادہ ملگجی روشنی میں پُرسکون رہتا ہوں۔"

"تم ہمارے معزز دوست ہو لیکن مجھے افسوس ہے کہ دوستوں کے لئے بھی اس دفتر کے طور طریقے نہیں بدلے جاسکتے۔ تم چاہو تو اپنی آنکھیں بند کرسکتے ہو" میں نے بدلی ہوئی بھاری آواز میں کہا۔

"میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے مجھے اپنا دوست کہا" اس نے نقاہت سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "ورنہ میں نے تو سمجھ لیا تھا کہ مجھے زندگی بھر جیل سے باہر قدم رکھنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔ تم نے مجھے قید خانے کی عقوبت سے بچاکر میرے اوپر بہت بڑا احسان کیا ہے لیکن میں ابھی تک اپنے محسنوں سے تعارف حاصل نہیں کرسکا۔"

"غیر ضروری باتیں سوچ کر اپنی توانائیاں ضائع نہ کرو۔ ہم درمیانی کڑیاں ہیں۔ جب تم اپنی اصل منزل پر پہنچو گے تو تمہیں ہر ایک کو جاننے کا موقع مل جائے گا..... فی الحال یہ بتاؤ کہ تمہیں کس جرم میں پکڑا گیا تھا؟"

"پکڑے جانے کے لئے مجرم ہونا ضروری نہیں ہوتا" وہ کرب آلود آہ لے کر بولا "اس ملک میں مجرم دندناتے پھرتے ہیں اور عزت دار گرفتار کرلئے جاتے ہیں۔ یہاں کچھ لوگوں کو وہم ہوگیا ہے کہ میں ملک کے دشمنوں سے ملا ہوا ہوں مگر یہ سب سفید جھوٹ ہے۔ میری پگڑی اچھالنے والوں کو مر کر بھی چین نہیں مل سکے گا' میں بالکل بے گناہ ہوں۔"

"لیکن ہم نے تو تمہاری ویڈیو فلموں کی کہانیاں سنی ہیں۔ وہ شاید سرحد پار بنائی گئی تھیں۔"

"یہ اس ملک کی بدقسمتی ہے کہ یہاں نااہل حکمران ہو گئے ہیں۔ جو کچھ ہمارے لئے اچھا ہے' اسے وہ بہت برا سمجھتے ہیں۔ وہ ہم سب کو تصادم اور تباہی کی راہ پر لے جارہے ہیں۔ میرا قصور **صرف اتنا ہے** کہ میں نے ان کی راہ روکنے کی کوشش کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ **اس** ملک میں میری زندگی خطرہ میں ہے۔ اس ملک میں تم بھی مجھے زیادہ دنوں تک نہیں بچا سکو گے۔ ان کے راشی اور نمک حرام کتے مجھے سولی پر چڑھائے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔"

"پھر تم کہاں جانا چاہتے ہو؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر نرمی سے سوال کیا۔

لمحہ بھر کے لئے اس کی آنکھوں میں امید کی چمک کوندا اٹھی مگر پھر بے رونقی نے ڈیرے ڈال دئے اور وہ مرجھائی ہوئی آواز میں بولا "مجھے معلوم ہے کہ میری خواہش بہت مشکل ہے۔ آج کل سرحدوں پر کہرام برپا ہوگا۔ تم مجھے اس ملک سے نہیں نکال سکتے۔ کاش ایسی کوئی صورت بن جائے کہ میں سرحد پار کرسکوں! نئی دہلی میں بیٹھ کر میں اپنے لوگوں کی زیادہ خدمت کرسکوں گا۔ زندہ اور آزاد رہنے کے لئے مجھے سرحدوں کی زنجیر توڑنی ہوگی۔"

میں نے بھانپ لیا کہ جیل میں اسے بیرونی حالات سے بے خبر رکھا جارہا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اس کی سازشوں کے نتیجے میں اگر جنگ نہیں چھڑی تھی تو سرحدوں پر بدترین کشیدگی ضرور پیدا ہو چکی **تھی**۔ "تو کیا تم واقعی اپنے لوگوں کی خدمت کرنی چاہتے ہو؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"آج کے دور میں کوئی کسی کی خدمت نہیں کرتا" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "ہر ایک کرسی پر چڑھنے کی فکر میں رہتا ہے لیکن سیاست میں خدمت ہی کی بات کرنی پڑتی ہے۔ کرسی مل جائے تو پھر اپنوں کی خدمت کا پورا پورا موقع ملتا ہے۔ میں بھی اسی فکر میں تھا لیکن میرے مقدر کی سیاہی میرے آڑے آگئی۔"

"ہم کوشش کریں گے کہ تمہیں سرحد پار پہنچا سکیں" میرے ان الفاظ پر اس کا استخوانی چہرہ ناقابلِ بیان مسرت سے دمک اٹھا' اس کی دھندلائی ہوئی اور بے نور آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی اور وہ فرطِ جذبات سے کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا "تمہاری کوششیں کامیاب ہوگئیں تو میری سات **پشتیں** بھی تمہارا احسان نہیں بھولیں گی۔ میرا بچہ بچہ تمہارا غلام ہو جائے گا۔ مجھے اس زمین پر کبھی حکومت مل گئی تو میں تمہیں اپنے سر کا تاج بنالوں گا۔"

"تمہارے جذبات قابلِ قدر ہیں' غلام رسول!" میرے پیچھے سے ایک نئی آواز ابھری اور میں حیرت اور خوف سے اپنی کرسی میں بری طرح اچھل پڑا۔

"سکون سے بیٹھو!" اندھیرے میں سے وہی آواز دوبارہ ابھری اور اس بار میں نے پہچان لیا کہ بولنے والا' حبیب جیوانی تھا جو یقینی طور پر خفیہ راستے سے اپنے دفتر میں پہنچا تھا۔ میں اس کی آمدورفت میں کام آنے والی سُرنگ اور اس کا میکانزم دیکھ چکا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ کوئی خفیف سی سرسراہٹ بھی پیدا ہوئے بغیر وہ وزنی راستہ کھلا اور بند ہو گیا تھا جب کہ مجھے چند فٹ کے فاصلے پر کچھ بھی نہیں سنائی دیا تھا اور حبیب جیوانی خاموشی سے میرے پیچھے آموجود ہوا **تھا**۔ اس کی آواز پہچانتے ہی میں نے اس کی نشست چھوڑ دی اور سرگوشیانہ لہجے میں کہا "تم نے تو میرا دم ہی نکال دیا تھا۔"

"تم لوگ مجھے بیٹھنے کے لئے نہیں کہو گے؟" غلام رسول کی سرسراتی ہوئی آواز ابھری۔ وہ اصل صورتِ حال کا ادراک نہیں کرسکا تھا لیکن اس نے یہ ضرور بھانپ لیا تھا کہ اندھیرے میں ایک سے زیادہ افراد موجود تھے۔

"جیل میں کنکر ملی ہوئی' پتلی دال اور اکڑی ہوئی روٹیاں کھا کھا کر میری صحت جواب دے چکی ہے" وہ فریادی لہجے میں کہہ رہا تھا "میری پنڈلیاں زیادہ دیر تک میرا بوجھ نہیں سہار سکیں گی۔"

"ہمت سے کام لو!" حبیب جیوانی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر غلام رسول سے کہا "تمہیں ہمت سے کام لے کر خود کو لمبے سفر کے لئے تیار کرنا ہے۔ چند منٹ میں تمہاری پنڈلیاں جواب دے گئیں تو تمہیں کون پشت پر لادے پھرے گا؟ تمہیں اپنی ہمت اور حوصلے سے یہ ثابت کرنا ہے کہ ابھی تم معذور اور مفلوج نہیں ہوئے ہو۔"

اس کی بات نشانے پر بیٹھی اور غلام رسول نے جلدی سے کہا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم چاہو تو میں سارا دن ایک ٹانگ پر کھڑا رہ سکتا ہوں۔ یہاں کرسی ملنے کی امید تھی اس لئے وہ بات زبان پر آگئی......"

حبیب جیوانی زور سے ہنس پڑا "اس کرسی کو چھوڑو اور بڑی کرسی پر نگاہ رکھو کیونکہ وہی تمہاری منزل ہے اور ہاں' یہ تو بتاؤ کہ ہم لوگوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"تم لوگ بہت نرم دل اور عظیم ہو" اس کی آواز ممنونیت کے جذبات سے لبریز ہوگئی "تم جیسے ہمدرد اور نیک لوگوں کے دم سے ہی یہ دنیا قائم ہے۔ میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھول سکوں گا۔"

"لیکن اگر ہم اسمگلر اور منشیات فروش ثابت ہوئے تو کیا تم ہمارے احسانات بھلا دو گے؟" حبیب جیوانی نے میرا شانہ دبا کر چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"ہرگز نہیں!" غلام رسول نے مضبوطی کے ساتھ کہا "محسن صرف محسن ہوتا ہے۔ جس کے احسان کا بدلہ اس کے پسندیدہ انداز میں اتارا جاتا ہے۔ تم اسمگلر ہو تو میں تمہارے لئے سرحدیں کھول دوں گا۔ ڈاکو ہو تو تمہیں مال و دولت سے لاد دوں گا۔ دراصل میں کسی کے فعل پر نہیں جاتا' اس کی نیت کو دیکھتا ہوں۔ مجھ پر ایک الزام ڈاکوؤں اور قاتلوں کی سرپرستی کا بھی ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ سب مظلوم ہیں اور ظلم کے خلاف لڑنے کا ارادہ کرکے اٹھے ہیں۔ ظالموں کا صفایا کرنے کے لئے وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں سب جائز اور ٹھیک ہے۔ میں اقتدار سے باہر ہوتے ہوئے ان لوگوں کا ساتھ دے رہا ہوں تو کرسی پر بیٹھنے کے بعد مجھے کون اپنے دوستوں کی حمایت سے روک سکے گا؟"

میرے لئے اس کی وہ گفتگو گھناؤنی اور کراہت آمیز تھی۔ اقتدار اس کے خواب و خیال سے بھی دور تھا اور وہ خود اس دھرتی کا ناقابلِ معافی مجرم تھا جس دھرتی پر وہ کھڑا ہوا تھا لیکن اقتدار کے بارے میں اس کی بددیانتی ابھی سے عیاں ہو رہی تھی۔ اسی ایک تضاد سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ بے وقعت اور بے نوا غلام رسول کے مقابلے مقتدر و معتبر غلام رسول کس قدر بھیانک درندہ ثابت ہو سکتا تھا۔

حبیب جیوانی نے میری چھوڑی ہوئی کرسی اس وقت تک نہیں سنبھالی تھی۔ اس نے کھڑے کھڑے سرخ بلب بجھا کر باہر لگا ہوا سبز بلب روشن کیا۔ پھر اسکینر کے بٹن دبائے اور اگلے ہی لمحے شیر شاہ دروازہ کھول کر اندر آگیا۔

"اسے واپس لے جاؤ" حبیب جیوانی نے حکم دیا۔ اس کی آواز سن کر شیر شاہ بھی بوکھلا گیا۔

"لے جانے سے پہلے اسے بلائنڈ فولڈ کردو" میں نے اضافہ کیا کیونکہ چیف شاید اس احتیاط سے بے خبر تھا۔

شیر شاہ نے پھرتی کے ساتھ' غلام رسول کی آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھی اور اس کا بازو تھام کر اسے باہر لیتا چلا گیا۔

حبیب جیوانی نے ایک مرتبہ پھر بیرونی سرخ بلب کا سوئچ آن کیا اور مسکراتے ہوئے اپنی کرسی پر براجمان ہو گیا کیونکہ میں نے غلام رسول کے جاتے ہی کمرے کے تاریک حصے کو بھی روشن کردیا تھا۔ چیف کے بیٹھنے کے بعد میں نے اس کے سامنے دوسری کرسی سنبھال لی۔

"یہ کیا ڈرامہ ہو رہا تھا؟" اس نے خوش دلی کے ساتھ مجھ سے سوال کیا۔

"میں اس کے درشن کرنے چاہ رہا تھا اور غیر ضروری طور پر اس کے سامنے بھی نہیں آنا چاہتا تھا۔ اعظم اور شیر شاہ کے علاوہ میں نے ہر ایک کو اس سے دور رہنے کی ہدایت کی ہے تاکہ وہ ہمارے آدمیوں کو نہ پہچان سکے۔ اسی وجہ سے میں نے تمہارے دفتر کا اندھیرا اجالا استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ تم میری بے خبری میں کب اور کیسے وہاں آکھڑے ہوئے؟ اگر تم پیچھے سے میرے سر میں پگھلا ہوا سیسہ بھی اتار دیتے تو مجھے علم نہ ہوتا۔"

"اس راستے کی یہی خوبی ہے کہ ہر چیز آواز پیدا کئے بغیر حرکت کرتی ہے۔ میں اس وقت پہنچا تھا جب وہ روشنی کم کرنے کی التجا کر رہا تھا۔ یہ تم نے بہت اچھا کیا کہ اپنے آدمیوں کو اس سے غیر ضروری میل جول سے روک دیا ہے۔"

"جب تک یہ سرحد پار نہیں پہنچ جاتا' مجھے اس کی طرف سے خطرہ ہی رہے گا۔ ہو سکتا ہے کہ راستے میں ہی یہ ہماری تحویل سے نکل کر فوج یا رینجرز کی گرفت میں آجائے۔ بے خبر رہے گا تو ایسی صورتِ حال میں ہماری نشان دہی نہیں کرسکے گا ورنہ یہ شخص اپنے مفاد کے لئے اپنی اولاد کی بھی گردن کٹوانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔"

"تمہیں مبارک ہو کہ تم نے اس اہم کام کا پہلا مرحلہ سر کرلیا۔ اب یہ بتاؤ کہ اسے باہر بھجوانے کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟ اسے زیادہ دن تک یہاں روکے رکھنا ہمارے بڑوں کی پالیسی کے خلاف ہوگا۔"

"اونٹ یا گدھے کی پشت پر بیٹھ کر صحرائی باشندوں کے بھیس میں سرحد عبور کرنے کا خیال مجھے فرسودہ اور خطرناک لگتا ہے۔ اس کے لئے میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں جس میں ہمارے لئے کم سے کم خطرات ہوں۔"

"ذرا مجھے بھی تو معلوم ہو کہ تم کن خطوط پر سوچ رہے ہو؟" اس نے اپنی کرسی پر جھولتے ہوئے کہا۔

"آج کل ریکروٹنگ کے کاروبار میں چند گندی مچھلیوں نے بڑا اودھم مچایا ہوا ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا "ان لوگوں کی بنائی ہوئی جعلی سفری دستاویزات اور ویزوں کی شناخت میں بڑے بڑے ملکوں کے حکام دھوکا کھا رہے ہیں۔ ان ہی میں سے کسی کے ذریعے غلام رسول کو ہوائی جہاز پر چڑھانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔"

"ایسا نہ ہو کہ وہ جہاز پر قدم رکھنے سے پہلے ہی دھر لیا جائے۔ حکام نے اس کا نام اور تصاویر ہر ایگزٹ پوائنٹ پر پہنچا دی ہوں گی۔ اس کی بو پاتے ہی خفیہ ادارے اس پر بری طرح ٹوٹ پڑیں گے۔"

"یہ فرضی نام پر حلیہ بدل کر سفر کرے گا۔ امیگریشن والے اکیلے مسافروں کی زیادہ دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ریکروٹنگ ایجنٹوں کے ذریعے گروپوں میں سفر کرنے والے' ان کے باقاعدہ **بھتوں** کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ان پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی' ایسے ہی کسی گروپ کے ساتھ غلام رسول بھی چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکل جائے گا۔"

"تم شاید پنک میں ہو" حبیب جیوانی استہزائیہ ہنسی کے ساتھ بولا "ریکروٹنگ ایجنٹ لوگوں کو بھارت جیسے مفلس ملک میں نہیں بلکہ مشرقِ وسطیٰ کی امیر منڈیوں میں بھیجتے ہیں' وہاں غلام رسول کیا جھک مارے گا؟"

"وہ دودھ پیتا بچہ نہیں' گرگِ باراں دیدہ ہے۔ اس کے پاسپورٹ پر دوبئی وغیرہ کے علاوہ بھارت کا ویزا بھی موجود ہوگا۔ مشرقِ وسطیٰ کی منزل سے وہ حسبِ مرضی بھارت یا کہیں اور جاسکے گا۔ میری دانست میں اس کا اصل مسئلہ بھارت پہنچنا نہیں بلکہ پاکستان سے نکلنا ہے۔ ایک بار وہ پاکستانی حکام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہو گیا تو دنیا کی کوئی طاقت اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گی۔"

میرے اس جواب نے حبیب جیوانی کو سوچنے پر مجبور کردیا۔ اس میں سب سے بڑی خرابی یہی تھی کہ وہ اپنے بڑوں کے احکام میں عقل کے استعمال کو حرام اور گناہ تصور کرتا تھا۔

چند ثانیوں کے غور و فکر کے بعد اس نے میری تجویز پر ایک اعتراض جڑ ہی دیا "میاں ان والے اس کو بھارتی سرزمین پر اپنے آدمیوں کی تحویل میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ پاکستان سے نکلنے کے بعد غلام رسول نے کسی اور ملک میں سیاسی پناہ حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا تو تم کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔"

"یہ رِسک لینا ہوگا" میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا "اس وقت وہ ذہنی طور پر بالکل مفلوج ہو کر رہ گیا ہے اور ہمارے ذہنوں سے سوچنے پر مجبور ہے۔ وہ ہماری ہدایات سے سرِمو بھی انحراف کرنے کی جرات نہیں کرسکے گا۔ احتیاطاً ہم اسے ذرا بھی دیں گے کہ اس نے ہمارے دیئے ہوئے پروگرام کے خلاف کوئی قدم اٹھایا تو اس کی نگرانی کرنے والے خاموشی کے ساتھ اس کا نرخرا کاٹ ڈالیں گے۔ اس نے جیل کی کوٹھری میں موت کو بہت قریب سے دیکھا ہوا ہے۔ اس دھمکی کے بعد وہ بے چون و چرا نئی دہلی کا ہی رخ کرے گا۔ کچھ اور ہوا تو وہ ہماری بدقسمتی کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔"

"یہ کام میں نے تمہیں سونپ دیا ہے۔ اس کی اونچ نیچ تم ہی کو دیکھنی ہے۔ پھر بھی میں نے اپنے خدشات تمہارے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ ان کا سدِباب بھی تم ہی کرو گے۔ میں صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ کسی گڑبڑ کی صورت میں 'میں کوئی ذمے داری قبول کئے بغیر تمہارا سرادکھلی میں دے دوں گا۔ پھر تم جانتا اور تمہارا کام۔"

"تمہاری پیشگی وارننگ کا شکریہ!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ اس بار تمہارے یونٹ کو سرخروئی اور نیک نامی ہی حاصل ہوگی جس میں بیشتر حصہ تمہارا ہوگا کیونکہ تم مجھے کام کرنے کی پوری آزادی دے رہے ہو۔"

"تم واقعی بہت بدمعاش ہو" وہ خفت آمیز انداز میں ہنس پڑا۔ "ہر بات میں اپنی مرضی کے معنی نکال لیتے ہو۔ جب میں سزا میں تمہارا حصہ دار بننے کو تیار نہیں تو جزا میں کیسے شریک ہوسکوں گا؟ اگر تم مجھ پر طنز کرنا چاہ رہے تھے تو میں اعتراف کرتا ہوں کہ اس کوشش میں تم پوری طرح کامیاب رہے ہو۔"

میں اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتا ہوا کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا "اب تم مجھے کانٹوں میں گھسیٹنے پر تل گئے ہو اس لئے مجھے یہاں سے رخصت ہو جانا چاہئے۔ میں غلام رسول کے بارے میں اپنی کارکردگی سے تمہیں باخبر کرتا رہوں گا۔"

وہ فراخ دلی کے ساتھ ہنسنے لگا لیکن اس نے مجھے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

اپنے دفتر آکر میں نے شیر شاہ کو غلام رسول کے بارے میں مزید کچھ ہدایات دیں پھر دفتر سے نکل کھڑا ہوا۔

اس وقت شہر میں ٹریفک کا ہجوم بہت زیادہ ہو چکا تھا اور فضا گاڑیوں کے کثیف دھوئیں سے بوجھل ہونی شروع ہوگئی تھی اس لئے میں اس بھیڑ میں پھنسنے کے بجائے ناور سے سیدھا آگے نکلتا چلا گیا اور ریلوے برج کو عبور کرنے کے بعد بائیں جانب مولوی تمیز الدین خان روڈ پر گھوم گیا جہاں کسی بھی وقت ٹریفک کا ازدحام نہیں ہوتا۔

اس صاف ستھری سڑک پر میں تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سلطان شاہ جہانگیر سے ملی ہوئی کار دوڑاتا ہوا میرے برابر میں آیا اور کچھ آگے جا کر اُس نے کار روک دی۔ میں نے بھی کی اس کی تقلید کی۔

میرے اترنے سے پہلے ہی سلطان شاہ اپنی کار چھوڑ کر تیر کی طرح میری طرف آیا تھا۔ اس وقت اُسے دیکھ کر میری کھوپڑی بھنّا کر رہ گئی تھی۔ میں نے اسے اغوا کی واردات کے دوران میں اپنی دیکھ بھال پر مامور کیا تھا۔ وہاں کی کارروائی نمٹنے کے بعد اسے گھر لَوٹ جانا چاہئے تھا مگر وہ مستقل میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔

"تم یہاں کیا جھک مار رہے ہو؟" میں اس کے بولنے سے پہلے ہی برس پڑا "تمہیں تو اس وقت فلیٹ پر ہونا چاہئے تھا۔"

"مم..... میں وہیں سے آرہا ہوں" اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہنا چاہا لیکن میں نے مشتعل ہو کر اُس کی بات کاٹ دی۔

"فلیٹ سے آرہے ہو اور میں اتفاقاً یہاں نظر آگیا' یہی کہنا چاہتے ہو تم؟" میں نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"میں تمہیں ٹریڈ لائن تک پہنچا کر فلیٹ چلا گیا تھا لیکن وہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ ویرا اور غزالہ دونوں غائب ہیں۔ میں گھبرا کر ٹریڈ لائن واپس آیا تو تمہاری کار پارکنگ لاٹ میں موجود تھی۔ میں دور رہ کر تمہارے نکلنے کا انتظار کرتا رہا اور پھر تمہارا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آگیا۔"

"ویرا اور غزالہ غائب ہیں تو ایسی کیا قیامت آگئی کہ تم یہاں تک دوڑے چلے آئے؟" اس کی وضاحت سن کر میرا پارہ اور چڑھ گیا "وہ دونوں اکثر باہر جاتی رہتی ہیں۔ تمہیں وہیں رک کر ان کی واپسی کا انتظار کرنا چاہئے تھا۔"

"تم پوری بات تو سن لو" اس نے تھکی ہوئی آواز میں بے چارگی سے کہا "پھر جو چاہو' کہہ لینا۔"

میں خاموش ہو کر اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔

"وہاں ڈریسنگ ٹیبل پر کولڈ کریم کی شیشی کے نیچے ایک رقعہ رکھا ہوا تھا جس پر ویرا کی تحریر میں ایک پیغام تھا۔ یہ تم خود ہی پڑھ لو!" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ایک رقعہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے اس کی تہ کھول کر پڑھنا شروع کیا تو یک بیک میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

وہ ویرا کا الوداعی پیغام تھا اور اس کا لب و لہجہ ضرورت سے زیادہ تلخ تھا۔



ویرا کا وہ الوداعی پیغام نہ صرف تلخ بلکہ بہت زیادہ ہولناک بھی تھا۔

اس خط میں غصے کے بجائے افسوس اور صدمے کا عنصر حاوی تھا۔ اس کی ایک ایک سطر سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں نے عملی زندگی کے میدان میں ویرا بیگم کا ساتھ دینے کے بہت سے عہد و پیمان کئے ہوں اور ان میں سے کسی کو بھی نباہنے کی ضرورت محسوس نہ کی ہو۔

اس کا سب سے بڑا اور بھرپور شکوہ یہ تھا کہ اس نے اپنی تمام کشتیوں کو آگ لگا کر' ہمیشہ کے لئے میرا ساتھ دینے کا ارادہ کرلیا تھا۔ یہاں اس نے وضاحت کردی تھی کہ اس ارادے کے ذریعے وہ میری زندگی کے نجی گوشوں میں دخیل ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی بلکہ میرے مشن اور عزائم کی تکمیل میں صدقِ دل کے ساتھ میری مدد کرنے کا عزم کرچکی تھی۔ وہ اپنی دانست میں اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ اس نے' آخر کار شی اور جمی لائیڈ سے قطع تعلق کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ اس کشیدگی کی بنیاد اسی وقت پڑ گئی تھی جب اس نے ملا سرکار کے باغیانہ منصوبوں کی تکمیل کے لئے ہتھیاروں کی بھاری مقدار کی اسمگلنگ میں رخنہ اندازی کی تھی۔

کہنے کو وہ ایک رقعہ تھا لیکن اس پر ویرا کی باریک انگریزی تحریر میں پوری کہانی مرقوم تھی۔ اسے شکوہ تھا کہ میں نے اس کی قربانیوں کی کوئی قدر کی اور نہ ہی اس کے تعاون کو کوئی اہمیت دی۔ اس کے برعکس 'میں اسے ہمیشہ اپنا دشمن یا حریف تصور کرتا رہا۔

میں اسے اہم معاملات سے بے خبر رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ کوئی خفیہ بات اتفاقاً ویرا کے علم میں آجاتی تو میں اسے پیچ دے کر ویرا کو مفروضات میں الجھا دیا کرتا تھا جس کی وجہ سے ویرا کی بددلی بڑھتی چلی گئی۔ اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ مجھے اس پر ذرا بھی اعتماد نہیں تھا لیکن میں اس کی مدد سے شی کو کمزور تر بنانے کے لئے' مسلسل اسے بے وقوف بنائے جارہا تھا اور میرے غیر دوستانہ رویّے میں تبدیلی کے کوئی آثار نہ دیکھ کر' اس نے ہمیشہ کے لئے مجھ سے دوستی کا رشتہ ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

اسی کے ساتھ ویرا نے مجھے یہ بھی جتایا تھا کہ شی اتنی حقیر اور کمزور نہیں تھی جتنی میں سمجھتا تھا۔ شی والوں نے اپنی مصلحتوں اور ترجیحات کی بنا پر پاکستان میں خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ جس میں میرے دباؤ یا کوششوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ پاکستان میں نچلی سطح پر شی کی تنظیم ضرور ختم کردی گئی تھی لیکن بے پناہ اختیارات کے ساتھ' ان کا آئی مین پاکستان میں موجود تھا جو جمی لائیڈ کے ایک اشارے پر شی کی تنظیمِ نو کرنے کا پوری طرح اہل تھا۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ جس دن بھی شی کا آئی مین میدانِ عمل میں کود پڑا' اس دن جہانگیر مجھ سے گہری دوستی کے تمام تر دعووں کے باوجود' کسی بھیگی بلی کی طرح شی کے لئے کام کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

یہاں تک اس کی تحریر قابلِ فہم اور اس کی بڑھتی ہوئی مایوسیوں کی آئینہ دار تھی لیکن اس سے آگے ویرا کے الفاظ نے میرے وجود کو سن کر کے رکھ دیا۔

اس نے لکھا تھا "میں نے انتقاماً غزالہ کو ایک بار پھر اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ کرلیا تھا۔ اسی نیت سے میں نے اس کی تصاویر بھی بنالی تھیں۔ لیکن اب میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ اس کی جعلی سفری دستاویزات تیار ہیں مگر میں اسے پاکستان سے باہر نہیں لے جاؤں گی کیونکہ وہ تمہیں دل و جان سے چاہتی ہے اور تم سے دور رہ کر زندہ نہیں رہ سکے گی۔ اس نے مایوس ہو کر خودکشی وغیرہ کرلی تو میرا ضمیر زندگی بھر مجھے ملامت کرتا رہے گا' اس لئے اب وہ پاکستان میں ہی رہے گی اور کچھ عرصے کے بعد خود بخود تم تک پہنچ جائے گی۔ تم نے مجھ سے کئی بار کہا تھا کہ تم غزالہ کے خوب صورت اور گداز بدن پر نہیں مرتے بلکہ اس کے اندر چھپی ہوئی مشرقی عورت سے پیار کرتے ہو۔ شاید تم سچ ہی کہتے ہو۔ کیونکہ میرا بدن' غزالہ کے جسم سے کہیں زیادہ حسین' متناسب' گداز اور کشش انگیز ہے لیکن تمہارے دل و دماغ پر نہیں چھا سکا۔ اس کی وجہ شاید یہی تھی کہ میں کسی بھیڑ بکری کی طرح بے زبان اور غلام نہیں بن سکتی۔ یہ مشرقی عورت کا زیور سمجھا جاتا ہے جب کہ مغرب میں عورت محبت اور شادی کے بعد بھی آزاد اور خود مختار ہوتی ہے۔ میں تمہاری اس بات پر پورے خلوص کے ساتھ یقین کرتی ہوں کہ تمہیں غزالہ کے جسم سے نہیں' بلکہ اس کی روح اور سوچ سے پیار ہے۔ وہ جب تمہارے پاس لوٹے گی تو اس کا ذہن وہی ہوگا' اس کی آبرو بے داغ ہوگی' اس کی روح اور سوچ میں بھی کوئی تبدیلی لانے کی کوشش نہیں کی جائے گی لیکن یہ یاد رکھنا کہ اس کا جسم اور اس کے دلفریب نشیب و فراز وہ نہیں رہیں گے جو اَب ہیں۔ تم اس کے جسم کے بھوکے نہیں ہو' اس لئے اس تبدیلی سے' غزالہ کے لئے تمہاری محبت میں کوئی کمی نہیں آنی چاہئے۔ وقت ملا تو میں یہ سرزمین چھوڑنے سے پہلے تم کو فون ضرور کروں گی۔ یہ یاد دلانے کے لئے کہ تم نئے بدن اور پرانی روح والی غزالہ کو مایوس نہیں کرو گے۔ تمہاری ٹھکرائی ہوئی ایک حسین و دلفریب مغربی عورت

————ویرا۔"

"اور ویرا کے ساتھ غزالہ بھی گھر سے غائب ہے؟" میں نے پیغام پڑھنے کے بعد' تھکی ہوئی اور مایوسانہ آواز ایک ایسا سوال کیا جس کا جواب وہ پہلے ہی دے چکا تھا۔

وہ سرہلا کر رہ گیا۔ اس کی نظریں یوں جھکی ہوئی تھیں جیسے وہ خود کو غزالہ کے غائب ہونے کا مجرم سمجھ رہا ہو اور میرے ردِعمل سے خائف ہو۔

"گھر میں زبردستی یا تشدد کے کوئی آثار تو موجود نہیں تھے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں!" اس کی آواز' اس کے حلق میں پھنس رہی تھی۔

"خط میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ویرا کے ذہن کا زہر ہے۔ غزالہ کو تو شاید علم ہی نہیں ہوسکا ہوگا کہ ویرا کے ذہن میں کیا لاوا پک رہا ہے۔ ویرا' کوئی بہانہ کرکے نہایت اطمینان سے اسے اپنے ساتھ

لے جانے میں کامیاب ہوگئی ہوگی۔"

"چلو! فلیٹ کی طرف ہی چلو!" میں نے ویرا کا خط اپنی جیب میں اڑستے ہوئے اس سے کہا اور انجن اسٹارٹ کرکے کار تیزی کے ساتھ آگے بڑھادی۔

غزالہ کے بارے میں ویرا کے ہولناک عزائم سے آگاہ ہوتے ہی میرے ہاتھ پیروں میں دہشت اور مایوسی کی وجہ سے بائٹے آنے شروع ہوگئے تھے' ریڑھ کی ہڈی کے نچلے حصے میں درد کی لہریں سرایت کرنے لگی تھیں اور پیٹ میں آنتیں اینٹھنی شروع ہوگئی تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ تمام اضطراری کیفیات غصہ اور بے بسی کے ملے جلے ردِ عمل کا اعصابی اظہار تھا جس پر قابو پانا میرے بس سے باہر تھا۔

ویرا نے میرے یا اپنے بارے میں کچھ ہرزہ سرائی کی تھی' اس کی مجھے ذرا سی بھی پروا نہیں تھی لیکن غزالہ کے بارے میں' اس کے منتقمانہ ارادے بہت بھیانک اور پریشان کن تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ ویرا نے کئی بار اپنا اور غزالہ کا موازنہ کرتے ہوئے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ حسن وجمال' ناز و ادا اور جسمانی ساخت وتناسب میں وہ غزالہ سے ہر اعتبار سے بہت بہتر اور کشش انگیز تھی پھر کیا وجہ تھی کہ میں غزالہ کو بھول کر اُس کی ذات میں گم ہونے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تھا؟

ایسی ہر بحث میں' میں نے ویرا کو سمجھانا چاہا کہ محبت صرف جسم سے نہیں کی جاتی۔ سچی محبت میں جسم بے معنی ہوتا ہے اور اصل اہمیت روح اور جذبوں کی ہوتی ہے۔ غزالہ کے خیالات میں جتنی پاکیزگی تھی' ویرا اسی قدر حیوانی جذبوں کی یلغار میں مبتلا رہتی تھی۔ شاید میری وہی بات اس کے دل میں چبھ گئی تھی اور وقت آنے پر وہ مجھ سے' میرے الفاظ کا ناقابلِ تصور انتقام لینا چاہتی تھی۔

اس کی تحریر سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ تشدد یا جبری سرجری کے ذریعے غزالہ کے جسمانی حسن کو تباہ کرکے اسے ایک کھوکھلے مجسّمے کے روپ میں واپس لوٹانا چاہتی تھی۔ میرے لئے وہ تصور ہی دل گداز اور روح فرسا تھا۔ دنیا میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی نے پتھر کی حسین ترین مگر ٹھنڈی مورتوں سے ٹوٹ کر محبت کی ہو یا پھر کسی نے اچھے خیالات اور رومان پرور جذبوں سے سرشار کسی استخوانی ڈھانچے کو اپنی محبوبہ قرار دیا ہو۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں' ویرا کو لاجواب کرنے کے چکر میں اعتدال کی حد سے گزر گیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حسن اور جذبوں کا ایک لطیف سا امتزاج ہی انسان کو محبت پر مائل کرسکتا ہے جبکہ ویرا نے میرے الفاظ پکڑ لئے تھے اور مجھے ایک ناقابلِ فراموش دکھ دینے پر تل گئی تھی۔

کار چلاتے ہوئے' میں نے چشمِ تصور سے اعضا بریدہ غزالہ کو دیکھا جس کے بدن کا ہر فراز جراحت کے نشتر سے کاٹ ڈالا گیا تھا اور میں نے جھرجھری لے کر فوراً ہی' اضطراری طور پر اپنی دونوں آنکھیں بھینچ لیں۔ اس عمل کے دوران میں شاید غیر ارادی طور پر' اسٹیئرنگ پر میرا ہاتھ بہک گیا کیونکہ معاً دو تیز ہارن بج اٹھے اور میں نے ہڑبڑا کر اپنی آنکھیں کھولیں تو میری کار داہنی سمت والی گاڑی کو دباتی ہوئی' سڑک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے والی گھاس کی پٹی پر چڑھنے والی تھی۔ میں نے بوکھلاہٹ کے عالم میں بدقت تمام کار کو اپنے قابو میں کیا اور دل ہی دل میں ویرا کو گالیاں دینے لگا جس نے مجھے بے اندازہ ذہنی اذیت میں مبتلا کردیا تھا۔

میں نے اپنی کار کی رفتار کم کرلی تاکہ کسی حادثے سے بچ سکوں۔ میرے لئے اس وقت امید کی صرف ایک ہی کرن روشن تھی کہ ویرا نے پاکستان چھوڑنے سے قبل مجھ سے فون پر بات کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس رذیل اور کمینی عورت سے بات ہوجاتی تو یہ امکان تھا کہ میں اسے غزالہ پر کوئی ظلم کرنے سے روک دیتا۔

وہ بس ایک موہوم سی امید ہی تھی کیونکہ ویرا اپنے تمام تر جسمانی ہتھیاروں اور بروقت ذہنی قلابازیوں کے باوجود ایک عام سی لڑکی یا عورت ثابت ہوئی تھی جو غزالہ کے بارے میں رقابت کے بدترین جذبات کا شکار ہوچکی تھی۔ اس نے مجھے اپنے جال میں پھانسنا چاہا اور ناکام ہونے کے بعد اس ہستی سے انتقام لینے پر تل گئی جو میرے سانسوں میں بسی ہوئی تھی۔ ویرا بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ غزالہ کو بھول جانا میرے بس سے باہر تھا۔ یہ دوسری بار ہوا تھا کہ مجھے دکھ پہنچانے کے لئے ویرا نے غزالہ پر ہاتھ ڈالا تھا۔

پچھلی بار ویرا نے اسے صرف اغوا کیا تھا۔ وہ غزالہ کو غیر معیّنہ مدت تک مجھ سے دور رکھ کر مجھے بلیک میل کرنا چاہتی تھی لیکن اس بار ویرا کے تیور مختلف اور بہت خوفناک تھے جس سے میں بہت زیادہ پریشان ہوگیا تھا۔

میں سست رفتاری سے کار چلا رہا تھا اس لئے سلطان شاہ مجھ سے بہت پہلے فلیٹ پر پہنچ گیا۔ اسے میری ذہنی ابتری کا اندازہ نہ ہوسکا تھا' نہ میری بگڑی ہوئی ڈرائیونگ کا خیال آسکا تھا' اس لئے وہ کافی دیر سے میرے فلیٹ کا داخلی دروازہ کھولے ہوئے میری واپسی کا منتظر تھا۔

"بڑی دیر لگادی۔" مجھے دیکھتے ہی اس نے خوش دلانہ لہجے میں کہا "میں تو سوچنے لگا تھا کہ تم کہیں راستے میں سے ہی ویرا کی تلاش میں نہ نکل پڑے ہو۔"

"تمہیں خرمستیاں سوجھ رہی ہیں؟" میں اسے گھورتے ہوئے' غصیلی آواز میں غرایا۔

"برا مان گئے؟" میرے ردِ عمل پر وہ یک بیک ہی بہت زیادہ سنجیدہ ہوگیا۔

"میں راستے میں کئی جگہ حادثے سے دوچار ہونے سے بال بال بچا ہوں اور تم کو مذاق سوجھ رہا ہے۔" میں نے ڈرائنگ روم کی راہ اختیار کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"جو کچھ ہوچکا' اسے واپس لوٹانا میرے اور تمہارے بس سے



...ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا "اگر ہم دل گرفتہ بیٹھے رہے تو ...پیش رفت نہیں کرسکیں گے۔ اس لئے کیوں نہ ہنس کھیل کر ...برے وقت کو ٹالنے کی کوشش کی جائے جو ویرا نے ہم پر مسلط ...رہا ہے۔"

"...ہنس کھیل کر ہم وقت برباد کریں گے۔" میں نے بے چینی ...ٹہلتے ہوئے کہا "ابھی تک ویرا کو پاکستان سے باہر نکلنے کا موقع ...مل سکا ہوگا۔ ہم جتنا وقت ضائع کریں گے وہ ویرا کے لئے ...کا سبب بنے گا۔ ہمیں ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر اس کو ...برنے کی فکر کرنی چاہئے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ ویرا اس بار غزالہ کو اپنے ساتھ نہیں ...لے جارہی۔" اس نے کہا "وہ غزالہ کو یہیں چھوڑ کر جائے گی اور ...چند روز بعد تم سے آملے گی۔ میرا اندازہ ہے کہ اس وقت تک ...کراچی ہی میں رکی رہے گی۔"

"لیکن وہ کہاں ہوسکتی ہے؟" میں نے اس کی طرف پلٹ کر ...لہانہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ ملین ڈالر کا سوال ہے۔ ہماری دانست میں تو اس کے ...سے رابطے ٹوٹے ہوئے تھے۔ ان حالات میں وہ کہیں بھی ...تی ہے لیکن اس نے اپنے خط میں کسی آئی مین کی کہانی چھیڑی ...وہ کون ہوسکتا ہے؟"

"پہلے جو لوگ بڑے کہلاتے تھے' ان سب کا تیا پانچا ہوگیا تھا۔ ان کے بعد' میں اکبر نامی ایک شخص سے واقف تھا جو شی کے معاملات میں گہری دلچسپی لیتا تھا اور شاید آئی مین ہی تھا۔"

"کیوں نہ اسی سے اپنے کام کی ابتدا کی جائے!" اس نے برجستہ کہا۔ "اس وقت ہمارے پاس وہی ایک سراغ ہے جس کے سہارے ویرا' بلکہ غزالہ تک پہنچا جاسکتا ہے اور ہم ویرا کے منصوبے کو خاک میں ملا سکتے ہیں۔ اگر اکبر کا تعلق کراچی ہی سے ہے تو ہم بہ آسانی اس کو دبوچ سکتے ہیں۔"

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے تو اکبر ایک خطرناک آدمی ہے۔ وہ کراچی میں رہتا ہے لیکن جوئے اور عورتوں کا بہت بڑا شوقین ہے اس لئے سال کے دس مہینوں میں وہ لندن یا پیرس میں مقیم رہتا ہے۔ جوئے میں حسین و جمیل اور کمسن دوشیزاؤں کو جیت کر' لمبی رقمیں ہارنا اس کی ہابی ہے۔ اگر وہ آج کل کراچی ہی میں مقیم ہے تو یہ ہماری خوش نصیبی ہوگی۔ ویرا نے اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے اسی سے رابطہ کیا ہوگا۔"

"تو کیوں نہ اسے ٹٹول کر دیکھا جائے؟" سلطان شاہ نے رائے ظاہر کی۔

ایک اور ایک گیارہ والی مثال اس وقت صادق آئی تھی کیونکہ مسئلہ میرے سامنے تھا' شی اور اکبر کے روابط سے بھی میں

ہی باخبر تھا۔ ان تمام حقائق سے سلطان شاہ کا دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ لیکن پریشانی کے ان لمحات میں مجھے اس سے ٹکرانے کا خیال تک نہیں آسکا تھا۔ لیکن سلطان شاہ نے اپنی چھیڑ چھاڑ کے دوران میں ہی، میرے ذہن کو صحیح راستے پر ڈالنے کی کامیاب کوشش کی تھی۔ مشکل لمحات میں اکیلے آدمی کو سامنے کی چیز بھی نہیں سجھائی دیتی لیکن اسے بروقت کوئی دوست، ہمدرد یا مشیر میسر آجائے تو اس کی مدد سے بہت سی گتھیاں خود بخود سلجھنے لگتی ہیں۔

میں اکبر کے نام اور وجود سے باخبر تھا۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ وہ کراچی ہی میں مقیم تھا لیکن میں نے کبھی اس کا گھر نہیں دیکھا تھا۔ میرے پاس اس کا فون نمبر ضرور موجود تھا لیکن وہ بہت پرانی بات تھی اور مجھے یہ یاد نہیں تھا کہ اس کا نمبر میں نے کب اور کہاں لکھا تھا۔ وہ ان دنوں کی بات تھی جب میں خود شی میں سرگرم عمل تھا۔ میرے ذہن میں شی سے بغاوت کے جراثیم ضرور پرورش پانے لگے تھے لیکن میں نے عملی طور پر، شی سے براہِ راست تصادم کی راہ اختیار نہیں کی تھی۔

اس کے بعد بہت کچھ ہوچکا تھا۔ شی والوں کے ایما پر میری پلاسٹک فیکٹری کو آگ لگادی گئی تھی۔ میرے گھر میں نقب زنی کی گئی اور میں اپنا گھر چھوڑنے پر مجبور ہوگیا جہاں میرا تمام اسباب اور کاغذات وغیرہ تھے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اکبر کا فون نمبر کہاں تھا لیکن میں نے امید کا دامن نہیں چھوڑا اور اپنی جیبوں میں موجود کاغذات کا جائزہ لینا شروع کردیا۔

سلطان شاہ ان کوششوں میں میری مدد کررہا تھا۔

کافی دیر کے بعد، جب میں اپنی ڈائری وغیرہ کی تلاشی کے بعد مایوس ہوچکا تھا، تو سلطان شاہ اچانک ہی نعرہ مار کر اچھل پڑا۔

اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک رقعہ دبا ہوا تھا جو اس نے ڈائری کی جلد پر چڑھے ہوئے پلاسٹک کور میں سے برآمد کیا تھا۔ اس کاغذ پر اکبر کے نام کے ساتھ فون نمبر بھی لکھا ہوا تھا۔

اس وقت غزالہ کے بارے میں ہمارے پاس کوئی سراغ نہیں تھا اس لئے اکبر کا فون نمبر ملتے ہی سلطان شاہ یک بیک جوش میں آگیا اور فوری طور پر فون کی طرف بڑھ گیا۔ میں خاموشی کے ساتھ اپنی جگہ پر بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ اس وقت میں ذہنی طور پر بالکل مفلوج ہوچکا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ غزالہ کی بحفاظت بازیابی کے لئے ہم کیا کرسکیں گے۔ اکبر کا فون نمبر ضرور مل گیا تھا لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ ویرا نے غزالہ کو اسی کے سپرد کیا ہو۔ بالفرض غزالہ اسی کی تحویل میں تھی تو وہ اتنا شریف نہیں ہوسکتا تھا کہ ہماری طرف سے فون پر غزالہ کی واپسی کا مطالبہ ہوتے ہی دست بستہ اسے ہماری خدمت میں پیش کردیتا۔

سلطان شاہ نے ریسیور اٹھا کر اکبر کا فون نمبر ڈائل کیا مگر پھر درمیان میں ہی کریڈل دبا کر لائن منقطع کی اور ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا۔

"نمبر تو مل گیا ہے لیکن میں اس سے کیا کہوں گا؟" اس نے



الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"ٹیلی فون ڈائرکٹری نکالو۔" میں نے بوجھل انداز میں کہا "اس میں ترتیب وار نمبروں کے ساتھ ہر صارف کا پتا درج ہوتا ہے۔ ہمیں براہِ راست اکبر کے گھر پر چھاپا مارنا ہوگا۔"

بات سلطان شاہ کی سمجھ میں آگئی اور وہ فوراً ہی درازوں میں مطلوبہ ڈائرکٹری تلاش کرنے لگا۔

ڈائرکٹری میں مطلوبہ پتا نہایت آسانی کے ساتھ مل گیا۔ وہ فون نمبر، پی ای سی ایچ سوسائٹی میں رازی روڈ پر واقع ایک مکان سے تعلق رکھتا تھا اور غالباً اکبر وہیں رہتا تھا۔

ہمارے فلیٹ سے اس مقام تک کی مسافت چند منٹ سے زیادہ نہیں تھی اس لئے میں نے فوراً ہی اکبر کے مکان پر دھاوا بولنے کا ارادہ کرلیا تاکہ اسے غزالہ کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی مہلت نہ مل سکے۔

سلطان شاہ دو منٹ کی مہلت لے کر باتھ روم میں گیا تو میں نے وقت گزاری کے لئے اضطراری طور پر سگریٹ سلگائی اور وہیں ٹہلنے میں مصروف ہوگیا۔

اسی اثنا میں اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی اور میں بری طرح چونک پڑا۔

ریسیور اٹھانے پر دوسری طرف سے ویرا کی چہکتی ہوئی آواز سن کر میرا خون کھول اٹھا لیکن میں نے مصلحتاً اپنے اشتعال پر قابو پاتے ہوئے نرم لہجے میں کہا "تمہارا نیا مذاق میری سمجھ سے بالا ہے، ویرا!"

"اب اتنے بھولے بھی نہ بنو!" اس کی استہزائیہ آواز ابھری۔ "یہ مذاق نہیں، سوفیصد حقیقت ہے اور میں اپنے ارادوں پر پوری طرح عمل کرنے کا مصمم عزم کرچکی ہوں۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی سفاک بھی ہوسکتی ہو۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"یہی تمہاری سب سے بڑی غلطی تھی کہ تم میری نرمی سے دھوکا کھا کر میری اصلیت کو یکسر فراموش کربیٹھے تھے۔ تمہیں یہ بات ہر وقت یاد رکھنی چاہئے تھی کہ میرا نام ویرا الائیڈ ہے اور میں اپنی انا کی خاطر کسی بھی حد تک جاسکتی ہوں۔ یہ یاد رکھتے تو تم کبھی بھی میرے جذبوں کی توہین اور تحقیر نہ کرتے......"

"میں نے کیا زیادتی کی ہے تمہارے ساتھ؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"محبت کے نشے میں چور عورت کو دھتکار کر بھی تم کو اپنی زیادتی کا احساس نہیں ہے؟" اس کی آواز کاٹ دار ہوگئی۔ "میرے بس میں ہوتا تو میں زہریلی ناگن کا روپ بدل کر تم کو اسی لمحے ڈس لیتی جب تم نے پہلی بار میرے ارمانوں اور پندار کا خون کیا تھا مگر میں پھر بھی تمہیں ڈھیل دیتی رہی۔ صرف اس امید پر کہ شاید تم کسی وقت اپنی غلطی کا احساس کرکے اس کا ازالہ کرنے کے لئے تیار ہوجاؤ۔ لیکن اپنی غلطی کو ماننا تمہاری سرشت ہی میں نہیں

۔ یہ محبت اور نفرت کی نہیں، بلکہ شاید میری اور تمہاری انا کی جنگ تھی جس میں سارا خسارہ غزالہ کو اٹھانا پڑے گا۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ غزالہ بہت مظلوم اور دکھی لڑکی ہے۔ ے اپنے ستم کا نشانہ بنا کر تمہیں کچھ بھی نہیں مل سکے گا۔ تم نے ے یرغمال بنا ہی لیا ہے تو اس کے سہارے مجھ سے اپنی کچھ شرائط ...کتی ہو۔"

ریسیور پر اس کی پُرغرور ہنسی کی آواز سنائی دی، پھر وہ بولی۔ ...رے لئے وہ مظلوم اور دکھی لڑکی نہیں بلکہ تمہاری محبوبہ ہے۔ ے یہ تو بتاؤ کہ تم مجھ سے کن شرائط کی توقع کررہے ہو؟"

"مجھے معلوم ہے کہ تم آج بھی شی کی ہمدرد اور ہم نوا ہو۔ وقتی ...ں وعناد کے باوجود تم اپنے باپ کی تنظیم سے نفرت نہیں ...کتیں۔ تم مجھے شی کے خلاف محاذ آرائی جاری رکھنے سے روک ...ہو۔"

"یہ تمہاری بہت بڑی بھول بلکہ خام خیالی ہے۔ ہاتھی چلتا ہے ...ے خبری میں ہزاروں چیونٹیوں اور کیڑے مکوڑوں کو اپنے بھاری ...ں تلے روندتا چلا جاتا ہے لیکن کوئی چیونٹا یا کیڑا، اپنی پوری ...شش کے باوجود ہاتھی کو اپنے وجود کا احساس دلانے میں کامیاب ...ہوتا۔ تم شی کے مقابلے میں بہت حقیر اور بے بس ہو۔ تم نے ...ی کی سونڈ میں گھسنے کی کوشش ضرور کی تھی لیکن بری طرح ناکام ...ہے۔ ویسے بھی اب پاکستان میں شی کا مشن پورا ہوچکا ہے۔ اسے ...ری حمایت یا مخالفت سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ تمہارا ملک ...ئن برآمد کرنے والوں کی صف سے نکل کر خود افیم اور ہیروئن ...مد کرنے کا محتاج ہوچکا ہے۔ اب تم لوگ امریکی نوجوانوں کو ...ئن کی لت میں مبتلا کرنے کے اہل نہیں رہے ہو اس لئے شی کو ...ارے ملک سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ تم چاہو تو شوق سے ایک ...کی دشمن سے لڑ کر خود کو ہلکان کرتے رہو۔ میں تمہیں ہرگز نہیں ...وں گی۔"

"لیکن یہاں تمہارا آئی مین موجود ہے...." میں نے بے بسی ...ے کہنا چاہا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی۔

"آئی مین اپنی ذات میں صرف ایک خاموش نگراں ہوتا ہے ...اپنے نیچے والوں کی کارکردگی جانچ کر فیصلے صادر کرتا رہتا ہے۔ ...ہماری تنظیم ختم ہوجانے کے بعد آئی مین ان معاہدوں پر عمل ...در کی خفیہ اور غیر سرکاری نگرانی کرے گا جن کی رُو سے ...ارے حکمرانوں نے افیم کی پیداوار سے تائب ہوکر کروڑوں ڈالر ...امداد وصول کی ہے۔ جس دن ان وعدوں سے انحراف کی ...وتیں ملیں گی، اسی دن کچھ ڈوریاں ہلائی جائیں گی اور عہد شکنی ...نے والے، دوسروں کے لئے عبرت کا نمونہ بنادیے جائیں ...اب شی کو گلیوں اور بازاروں میں دھکے کھانے کی ضرورت ...ہاری۔ اس کا ہدف اقتدار کے وہ ایوان ہیں جہاں تم لوگوں کی ...وں کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ تم جو چاہو کرتے رہو، شی کی

صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔"

"تم جانتی ہو کہ میرے پاس دو سلور آئیز موجود ہیں....." میں نے زبان کھولی مگر اُس نے پھر میری بات کاٹ دی۔

"کاش تمہیں وہ بیش قیمت طلائی سکے آزمانے کا موقع مل سکے جن پر خوابناک نقرئی آنکھ ابھری ہوئی ہے۔" اس کی آواز تلخ اور بہت زیادہ استہزائیہ ہوگئی۔ "تم دیکھو گے کہ اب وہ سکے موت کا پیغام ثابت ہوں گے۔ تمہاری پے در پے بدمعاشیوں کی وجہ سے ہمارے بروں کی شناخت کے طریقے بدل دیے گئے ہیں۔ تم ہر اعتبار سے پٹ چکے ہو۔ درحقیقت میں تمہیں مار ڈالنے کا ارادہ کرچکی تھی۔ تمہیں ملنے والے خالی لفافے میں اعصاب زدہ کرنے والی گیس کی جگہ زہریلی گیس بھی ہوسکتی تھی۔ مگر آخری لمحات پر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ تم مکمل شکست کھا کر، زندگی بھر اپنے زخموں کو چاٹتے رہو گے تو مجھے زیادہ سکون ملے گا۔ اپنے حریفوں کو بدترین کرب اور اذیت میں مبتلا دیکھ کر مجھے ناقابلِ بیان تسکین ملتی ہے......"

"تو وہ لفافہ بھی تم ہی نے بھیجا تھا؟" میں نے حیرت اور غصے سے پوچھا "تم تو اس وقت ہیری کیسنجر کی قید میں تھیں جہاں تمہارا کسی سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔"

"ہیری کیسنجر کے مُنہ سے ابھی تک شیرِ مادر کی بو آتی ہے۔" اس کی تحقیر آمیز آواز ابھری۔ "اس نے چالاکی سے کام لے کر مجھے روک ضرور لیا تھا لیکن میرا نام بھی ویرا ہے۔ بدترین حالات بھی کبھی میری راہ نہیں روک سکے۔ ہیری جیسے جوشیلے مردوں کو تو میں آج بھی اپنی ٹانگوں میں دبوچ کر لوریاں سناسکتی ہوں۔"

"اگر تم نے یک بیک ہی مجھ سے اتنی دشمنی پیدا کرلی ہے تو پھر اس فون کال کا کیا مقصد ہے؟"

"میں نے یہ فیصلہ یک بیک نہیں کیا، مسٹر ڈینی!" اس کی آواز سرد اور گمبھیر ہوگئی۔ "میں شب و روز تمہارے رویّے کا تجزیہ کرتی رہی ہوں۔ یہ میرا بہت سوچا سمجھا فیصلہ ہے۔ رہی اس فون کی بات تو میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ اپنے حریفوں کو کرب اور اذیت میں مبتلا دیکھ کر مجھے ناقابلِ بیان خوشی ملتی ہے۔ تمہارے ایک ایک لفظ سے اذیت اور مایوسی ٹپک رہی ہے جو میرے لئے بے اندازہ خوشی کا باعث بن رہی ہے۔"

"اور غزالہ کہاں ہے؟" میں نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سوال کرنے پر مجبور ہوگیا۔

"میرے قدموں میں بے ہوش پڑی ہے۔" اس کی فاتحانہ آواز ابھری۔ "میرے پیر اس کی چھاتی پر رکھے ہوئے ہیں۔ تمہاری پسند کو اپنے قدموں تلے روند کر میں دل ہی دل میں خوش ہورہی ہوں۔ کل یا زیادہ سے زیادہ پرسوں تک اس کے بدن سے وہ تمام لوتھڑے کاٹ لئے جائیں گے جن پر اسے یا تمہیں ناز ہے۔ تمہارے ملک میں انسانوں کے ساتھ ہی بہتیرے جانور بھی بھوکے

پیاسے رہتے ہیں۔ یہ لوتھڑے یقیناً کئی آوارہ کتوں کی آتش شکم سرد کرسکیں گے۔ میرا خیال ہے کہ تم میری اس نیکی کو کبھی نہیں بھول سکو گے۔"

"ویرا!" میرے حلق سے بے اختیار ایک غضبناک غرّاہٹ آزاد ہوگئی۔ اس کی ہرزہ سرائی پر میرے لئے خود پر قابو پانا دشوار ہوگیا تھا۔

ریسیور پر اس کی قلقاری سنائی دی۔ "ٹوٹ گیا نا صبر کا بندھن؟" اس کی آواز طنزیہ تھی۔ "میں یہی تو سننا چاہتی تھی۔ کمزور اور بے بس انسان کا سب سے بڑا ہتھیار اس کا غصہ ہوتا ہے۔۔۔ ابھی تم مشتعل ہو کر گالیوں پر اتر آؤ گے تو مجھے زیادہ لطف آئے گا۔"

"اس میں تمہارا نہیں، تمہارے نطفے کا قصور ہے ویرا!" میں نے فی الفور اپنی کھوپڑی پر قابو پاتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "مغرب میں حرامی بچوں کو معصوم اور بے قصور سمجھ کر معاشرے میں قبول کرلیا جاتا ہے لیکن تمہارے انسانیت دوست مفکر یہ نکتہ بھول جاتے ہیں کہ جس وجود نے گناہ کی کوکھ سے جنم لیا ہو، وہ سراپا معصوم کیسے ہوسکتا ہے؟ ان حرامیوں کی ریل پیل نے ہی مغربی معاشرے کو غلاظت کے ڈھیر میں بدل کر رکھ دیا ہے۔ تم خود بھی ایسے ہی حالات کی پیداوار ہو۔ جمی لائیڈ نے تمہاری ماں سے شادی نہیں کی تھی مگر تم پیدا ہوگئیں۔ تم جیسی بنت الحرام سے وہی کچھ توقع کی جاسکتی ہے جو تم کررہی ہو۔"

"کھل کر مجھے بھی گالیاں دو۔۔۔۔ عربی میں تو بنت الحرام بڑا معزز لفظ معلوم ہوتا ہے۔" وہ اس وقت گفتگو کو طول دے کر مجھے چڑانے پر تلی ہوئی تھی اور میں خود بھی اس سے گفتگو جاری رکھنے پہ مجبور تھا کیونکہ وہ اس سے شاید میری آخری گفتگو تھی اور میری کوشش تھی کہ اس کی زبان سے کوئی ایسی بات یا فقرہ اگلوا سکوں جس سے اس کی کمین گاہ کی کوئی نشان دہی ہوسکے۔

"تم بالکل الّو کی پٹھی ہو ویرا!" میں نے سنجیدگی سے کہا "تم سمجھ رہی ہو کہ غزالہ کو اپنے ساتھ لے جاکر تم نے مجھے اذیت پہنچائی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم خود بھی محرومی کے جہنم میں سلگ رہی ہو۔ اس کا ثبوت تمہاری یہ فون کال ہے۔ تم غزالہ کے ساتھ جو سلوک چاہو کرسکتی ہو لیکن پھر بھی ناکام اور محروم رہو گی۔ عورت اور مرد کی سوچ میں یہی بنیادی فرق ہوتا ہے۔ مرد اپنی محبوبہ کو بہ زور اغوا کرکے لے جاتا ہے اور اپنے وجود میں بھڑکتی ہوئی حیوانی آگ کو ٹھنڈا کرلیتا ہے لیکن تم کو معلوم ہے کہ تم مجھے اٹھا کر نہیں لے جاسکتیں، نہ تم مجھ کو زبردستی خود سے محبت کرنے پر آمادہ کرسکتی ہو اس لئے تم نے آسان ترین راستہ اختیار کیا اور اپنے محبوب کے بجائے اس کی محبوبہ کو دھوکے سے لے گئیں۔ غزالہ کے ساتھ ظلم کرکے تم مجھے نہیں جھکا سکو گی۔ تم یہ بھول رہی ہو کہ مرد بہت ہرجائی اور طوطا چشم مخلوق ہے۔ غزالہ کا حسن اجڑ گیا تو مجھے وقتی طور پر صدمہ ضرور ہوگا لیکن وقت بہت بڑا مرہم ہے۔ غزالہ اپنی بدبختی سے سمجھوتا کرلے گی اور میں اسے بھول کر کسی اور نازک اندام کے تعاقب میں لگ جاؤں گا۔ زندگی صرف ایک بار ملتی ہے، اسے کسی ایک عورت کے پیچھے تباہ نہیں کیا جاسکتا۔ غزالہ خود جانتی ہے کہ میں نے اسے اپنانے کے لئے کتنی قربانیاں دی ہیں۔ وہ خود بھی نہیں چاہے گی کہ میری زندگی پر اپنے بھدے اور بھونڈے وجود کا سایہ ڈالے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ خودکشی ہی کرلے۔ میں آزاد ہوجاؤں گا لیکن یہ میری جیت ہوگی کہ تم مجھے اپنے قدموں میں نہیں جھکا سکو گی۔"

"ہمیشہ کی طرح، تم اب پھر مجھے بہکانے کی کوشش کررہے ہو۔" اس کی غصیلی آواز ابھری۔ "کاش اس وقت غزالہ ہوش میں ہوتی اور میرے پاس اسپیکر فون ہوتا تو میں اسے سنواتی کہ اس کے بارے میں تمہارے خیالات کس قدر سطحی اور عامیانہ ہیں۔ تم حد سے زیادہ خود غرض اور مکار ہو۔"

مجھے اپنا داؤ چلتا ہوا نظر آرہا تھا، اس لئے میں نے برجستہ کہا "وہ ہوش میں آئے تو تم نمک مرچ لگا کر پوری کہانی دہرا دینا۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیلیٰ کے فراق میں گریبان چاک کرکے صحرا کی خاک پھانکنے کا زمانہ صدیوں پیچھے رہ گیا ہے۔ اب حقائق دوَر ہے اور سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ غزالہ اب کنواری نہیں ہے بلکہ تمہارے دلدار آغا کی بیوہ ہے جب کہ میں اپنی تمام بے اعتدالیوں کے باوجود کنوارا ہوں۔ جب تک غزالہ نے ڈی ڈی سے شادی نہیں کی تھی تو میں اخلاقی طور پر اس کا پابند بلکہ اسیر تھا لیکن ڈی ڈی کی جواں سال بیوہ کا مجھ پر کوئی حق نہیں رہا۔ تمہاری بدمعاشیوں کے بعد اُس کا وجود میرے خوابوں میں رنگ بھرنے کے قابل رہا تو میں اسے اپنے سر کا تاج بنالوں گا ورنہ اسے بھول کر کسی پری چہرہ اور نازک اندام دوشیزہ کی تلاش میں چل دوں گا جس کے دامن پر کسی ڈی ڈی کے آلودہ ہاتھوں کے گھناؤنے نشانات نہ ہوں۔ یہ میں تم سے بھی کہہ رہا ہوں اور قدرے نرم الفاظ میں غزالہ کو بھی سنا سکتا ہوں۔"

"تم بالکل بلاڈی باسٹرڈ ہو۔" فون پر اُس کی زخم خوردہ غراہٹ سنائی دی۔ "اور جھوٹ بول رہے ہو۔ میرا دعویٰ ہے کہ تم قبر تک بھی غزالہ ہی کے خواب دیکھتے رہو گے۔۔۔۔"

"خوابوں کی اور بات ہے ویرا ڈارلنگ!" میں نے اس کی بات کاٹ کر خوش دلانہ لہجے میں کہا "خواب میں آدمی وہی کچھ دیکھتا ہے جو وہ چاہتا اور پسند کرتا ہے۔ خواب میں تو برطانیہ کی ملکہ معظمہ بھی لباس اپنے پرستاروں میں اچھال کر، میری بانہوں میں آسکتی ہے۔ میں خوبرو اور خوش بدن غزالہ کے خواب دیکھنا ضرور پسند کروں گا لیکن جیتی جاگتی زندگی میں ایک معذور اور مکروہ پیکر کو اپنے گلے کا ہار نہیں بنا سکوں گا۔ یہ زندگی کی بہت تلخ اور سنگین حقیقت ہے جسے غزالہ بہت آسانی کے ساتھ ہضم کرلے گی۔ میں تم سے ۔۔۔ کہہ چکا ہوں کہ زندگی بار بار نہیں، صرف ایک بار ملتی ہے۔ میں ۔۔۔ اس اکلوتی زندگی کو غزالہ کی بدنصیبیوں کی بھینٹ نہیں چڑھا ۔۔۔ سکتا۔"

"شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ اپنے اچھے مستقبل کا ذکر کرکے میرے زخموں پر نمک چھڑک رہے ہو۔" ویرا کی قہربار آواز ابھری۔ "اگر تمہارے یہی عزائم ہیں تو میں تمہیں جوتے مار مار کر اپنے قدموں میں جھکاؤں گی۔"

"میرے لئے یہ سزا زیادہ ناخوشگوار نہیں ہوگی۔ پہلے بھی میں کئی بار یہ شرف حاصل کرچکا ہوں۔ اگر تم مجھے مستقل طور پر اپنے ۔۔۔ طبل میں نہ باندھ لو تو میں کئی دن تک یہ سزا، ہنسی خوشی جھیل ۔۔۔ سکتا ہوں۔ رہا میرا مستقبل، تو وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ میں نے تو ۔۔۔ یمان داری کے ساتھ وہ کھری کھری باتیں کہہ ڈالی ہیں جو میرے ۔۔۔ ل میں ہیں۔ ان کا ہونا یا نہ ہونا میرے اختیار سے بالکل باہر ہے۔"

"تم بہت کمینے اور خود غرض حیوان ہو۔" اس کی بھنّائی ہوئی ۔۔۔ ہرِلی آواز ابھری۔ "تم غزالہ کے ہوسکتے ہو نہ میرے۔ لیکن میں ۔۔۔ جیسے قابل نفرت آدمی کو زندگی بھر گھٹنوں اور ہتھیلیوں کے بل چلنے ۔۔۔ ضرور مجبور کرسکتی ہوں۔ میں تم کو بار بار، اپنا ہی تھوکا ہوا چاٹنے پر ۔۔۔ بور کردوں گی۔"

"یہ ایک اچھی خبر ہے۔" میں نے اسے مزید اشتعال دلانے کی ۔۔۔ نیت سے پُرسرور لہجے میں کہا "کبھی کبھی میں بھی گھٹنوں اور ۔۔۔ تھیلیوں کے بل چل کر خوش ہوتا ہوں۔ ویسے یہ تھوکنے اور ۔۔۔ چاٹنے والی بات ناقابلِ فہم ہے۔ اس پر آمادہ کرنے کے لئے تمہیں ۔۔۔ انتوں پسینہ آجائے گا۔ کامیاب ہوگئیں تو تم کو مُنہ مانگا انعام دوں گا۔"

"شٹ اپ!" اس کی غضبناک غرّاہٹ سنائی دی۔ "تم مجھے حرامی ہونے کا طعنہ دے رہے ہو لیکن میں کرائسٹ کو گواہ کرکے کہتی ہوں کہ میں نے زندگی میں تم سے بڑا حرامی نہیں دیکھا۔ مجھے ابھی تک یہ اندازہ نہیں ہوسکا کہ تم مجھے سلگانے کے لئے یہ بکواس کررہے ہو یا یہ تمہارے حقیقی خیالات ہیں؟"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" اس کی بے چینی محسوس کرکے میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا "سامنا ہوگا تو سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔ یہ بتاؤ تم کراچی ہی میں ہو یا کہیں اور۔۔۔۔؟"

"یہ نہ سمجھنا کہ تمہیں زیادہ مہلت مل جائے گی۔" اس کی بھڑکی ہوئی آواز ابھری "میں کراچی میں تمہارے سر پر سوار ہوں اور جب تک تمہاری ایسی کی تیسی نہیں کرلوں گی، یہاں سے نہیں جاؤں گی۔"

"اس عزت افزائی کے لئے شکر گزار ہوں لیکن خدا کے لئے اس دوران غزالہ کو رہا نہ کردینا۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ مجھے خوشی تھی کہ میرے سوال پر اُس نے اضطراری طور پر کراچی میں اپنی موجودگی کا اعتراف کرلیا تھا۔

"بکواس مت کرو۔ غزالہ کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ساتھ وہی ہوگا جو میں نے سوچا ہوا ہے لیکن اب میرا کام بڑھ چکا ہے۔ مجھے تمہارے اغوا پر بھی کام کرنا ہوگا۔"

"بس، بس، میں بھی یہی چاہتا تھا کہ غزالہ کو میرے اور تمہارے معاہدے کا علم نہ ہو۔ وہ تھوڑی سی حسّاس طبیعت کی مالک ہے اور ذرا ذرا سی بات پر ہفتوں سوچ بچار کرتی رہتی ہے۔ تمہیں یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ میں نے کبھی پارسائی کا دعویٰ نہیں کیا لیکن غزالہ کے سامنے ضرور پارسا بنتا رہا ہوں۔"

اس نے ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا اور بولی۔ "مجھے ایک پوائنٹ اور مل گیا۔ اب تو سب کچھ اسی کے سامنے ہوگا تاکہ وہ بھی تمہارے اصل روپ سے واقف ہوجائے۔ اس کی کاٹ چھانٹ دو روز بعد بھی ہوسکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ پے درپے شکستوں کی وجہ سے تمہارا دماغ چل گیا ہے اور تم یہ بات بھول بیٹھے ہو کہ اب میں تمہاری دوست نہیں رہی بلکہ اول درجہ کی دشمن ہوگئی ہوں۔"

"دوستوں کی دشمنی بھی نیاری ہوتی ہے۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا "مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے مار تو سکتی ہو لیکن حد سے زیادہ اذیت نہیں پہنچا سکتیں۔"

"یہ تمہاری خام خیالی ہے، ڈینی!" اس کی سفاکانہ آواز ابھری۔ "میں وہ شاخ ہی نہیں رہنے دوں گی جس پر غزالہ یا اس جیسی دوسری بلبلیں اپنا آشیانہ بنانے کے بارے میں سوچ سکتی ہیں۔"

"اور غزالہ کو بھی اعضابریدگی کے عذاب میں ضرور مبتلا کروگی؟" میں نے پوچھا۔

"وہ تو میرے انتقام کی پہلی اور بنیادی کڑی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کارروائی تمہاری تذلیل سے پہلے کی جائے یا بعد میں! اس بارے میں میرے مشیر زیادہ بہتر رائے دے سکیں گے۔"

"کون ہیں تمہارے مشیر؟" میں نے پُرتجسس لہجے میں وہ چبھتا ہوا سوال کیا۔

"وقت آنے پر تم اُن کو دیکھ لو گے۔" وہ غرائی ہوئی آواز میں بولی "وہ دوستوں کے بہترین دوست اور دشمنوں کے بدترین دشمن ثابت ہوتے ہیں۔۔۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں دیکھوں گا کہ تم میرا کیا بگاڑ لیتی ہو۔" دوسری طرف سے مزید کچھ کہے بغیر، فون کا سلسلہ یکلخت منقطع کردیا گیا۔

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم اس کم ظرف عورت کو کیوں مشتعل کررہے تھے؟" میرے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ مجھ سے الجھ پڑا۔

"تم صرف میری گفتگو سن رہے تھے اس لئے ایسا سوچ رہے ہو۔"

میں نے نرمی سے کہا "وہ غزالہ کے ساتھ جو کچھ کرنے والی ہے۔ میں اسے ٹالنا چاہتا تھا۔ اس گفتگو کے بعد وہ میری بھی دشمن ہو گئی ہے اور غزالہ کی اعضا بریدگی کو فی الحال ملتوی کر کے میرے پیچھے پڑ گئی ہے۔"

"وہ تمہارے سارے معاملات سے باخبر ہے اور بہت آسانی کے ساتھ تم پر ہاتھ ڈال سکتی ہے۔" سلطان شاہ فکرمند نظر آنے لگا۔ "یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ کیا اچھا تھا اور کیا برا۔ تم قطعی فکر نہ کرو۔ اب ویرا سے ٹھن گئی ہے تو میں بھی مافیا والوں کو میدان میں لے آؤں گا۔ اس بار ویرا کے فتنے کا سدِباب کرنا ہو گا۔"

میں سلطان شاہ کو اپنی اور ویرا کی گفتگو کا خلاصہ سنانے لگا جو زیادہ طویل نہیں تھا۔

"اگر وہ کراچی ہی میں ہے تو ہمیں سرعت کے ساتھ پیش قدمی کرنی ہو گی۔ جسے پہل کرنے کا موقع مل گیا' وہی فائدے میں رہے گا۔" سلطان شاہ نے اضطراری طور پر کہا۔

اس کے خدشات اپنی جگہ پر درست تھے۔ سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ ویرا ہمارے ٹھکانے سے پوری طرح باخبر تھی جبکہ ہمیں اس کی کمین گاہ کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ کام کی ابتدا کے لئے فوری طور پر اکبر کا نام ہمارے سامنے تھا لیکن یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ویرا اسی کے ساتھ مقیم ہو گی۔

میں نے سلطان شاہ کو ضروری سامان سمیٹنے کی ہدایت کرتے ہوئے فون سنبھال لیا۔

میری پہلی کال اکبر کے نمبر پر تھی۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہاں کون رہ رہا ہے۔

دوسری گھنٹی پر ہی فون اٹھا لیا گیا اور ایک بھاری مردانہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

وہ آواز میرے لئے یکسر اجنبی تھی اور میری آواز پہچان لئے جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا مگر میں نے پھر بھی آواز بدل کر سوال کیا۔

"فرزانہ صاحبہ سے بات ہو سکتی ہے۔"

"یہاں کوئی فرزانہ نہیں رہتی۔ تم نے کس نمبر پر فون کیا ہے؟" خشک لہجے میں پوچھا گیا۔

میں نے بلا تامل اسی کا نمبر دہرا دیا "یہ نمبر مجھے فرزانہ نے دیا تھا۔"

"نمبر یہی ہے لیکن یہاں کوئی فرزانہ نہیں رہتی۔ تمہارے ساتھ مذاق کیا گیا ہے۔" اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

میرا خیال تھا کہ فون اٹھانے والا اکبر ہی تھا۔ میں نے صرف اس توقع پر وہ نمبر ملایا تھا کہ شاید ویرا وہیں موجود ہو اور غلطی سے خود ہی ریسیور اٹھا لے۔ ایسی صورت میں میرا کام بہت آسان ہو سکتا تھا۔

اس سے فارغ ہو کر میں نے سیٹھ حبیب جیوانی سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"کیا پھر تمہارے ذہن میں کسی نئے خیال نے سر ابھارا ہے؟" مجھ سے سلام دعا ہونے کے بعد حبیب جیوانی نے ہلکے پھلکے لہجے میں سوال کیا "غلام رسول تو خیریت سے ہے نا؟"

"وہ دفتر میں شیر شاہ کی تحویل میں ہے۔" میں نے اسے بتایا۔ "لیکن اب ایک نئی مشکل سامنے آ گئی ہے۔ ٹی والے ایک مرتبہ پھر میری راہ پر لگ گئے ہیں اور مجھے ان سے دو دو ہاتھ کرنے ہی پڑیں گے۔"

"لیکن وہ لوگ تو غالباً میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے ہیں' مارکیٹ سے ان کے بارے میں کوئی خبر نہیں آ رہی۔ ان سے تمہارا ٹکراؤ کہاں اور کیسے ہو گیا؟" میری اطلاع نے اسے حیران کر دیا تھا۔

"ویرا شہر میں موجود ہے۔ میں نے ابھی اس کی کال وصول کی ہے۔ وہ اس بار پھر شرارت کے موڈ میں ہے۔" میں نے اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ اب مجھے اس کا قصہ ختم ہی کر دینا چاہئے۔"

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے ابھی تک اسے دانستہ ڈھیل دیتے رہے ہو۔" اس کی آواز تحیر زدہ سی ہو گئی۔ "ارے بھائی' اس جیسی موذی عورت کو تو پہلا موقع ملتے ہی مار ڈالنا چاہئے تھا۔۔۔ لیکن تم یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہو؟ اس کا سراغ نکالو اور اس کی گردن کاٹ ڈالو۔"

"بتانے کا مقصد یہی تھا کہ میں چند آدمیوں کو اس کام پر مامور کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"میرے سارے آدمی تمہاری تحویل میں ہیں۔ انہیں جہاں چاہو لگا سکتے ہو۔ اگر تم مجھے صرف مطلع کر رہے تھے تو بہت بہت شکریہ لیکن اجازت لینا چاہ رہے تھے تو یہ نری حماقت ہے۔ میں اپنے اور تمہارے فیصلوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ تم جو کچھ کرو گے' ہمارے مفاد میں ہی کرو گے۔"

"بس میں تمہیں باخبر رکھنا چاہ رہا تھا۔" میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس دوران میں سلطان شاہ روز مرہ کے کپڑوں کے ساتھ وہ ہتھیار وغیرہ بھی جمع کر چکا تھا جو فلیٹ میں موجود تھے۔ اس نے سارا سامان قرینے کے ساتھ ایک سوٹ کیس میں جما لیا تھا۔ ہمارا مقابلہ ویرا جیسی سفاک عورت سے تھا جو ہم پر کوئی وار کر سکتی تھی اس لئے ہمارا مسلح ہونا بہت ضروری تھا بلکہ یہ ہو چکا تھا۔ دوسری طرف ہمیں یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ ایک فلیٹ سے نکل پڑنے کے بعد ہم دوبارہ کب ادھر کا رخ کرنے قابل ہو سکیں گے۔ اس لئے ہتھیار وہاں چھوڑنا بے سود تھا۔ ویرا حیرت ناک پیش قدمی کر کے اپنے حریفوں کو ششدر کر دینے میں ملکہ رکھتی تھی اس لئے میں نے فلیٹ میں ٹھہر کر شیر شاہ کا انتظار کرنے

...دینے کے بجائے فوراً ہی وہاں سے چل دینے کا فیصلہ کر لیا۔

...سلطان شاہ نے باہر جانے کے لئے فلیٹ کا دروازہ کھولا ہی تھا ...یک اچھل کر پیچھے آ گیا۔ اس کی حیرت اور خوف سے پھٹی ...آنکھیں' کھلے ہوئے دروازے سے باہر فرش پر جمی ہوئی ...

...وہ دروازے کے سامنے سے ہٹا تھا نہ ہی اس نے کہیں آڑ ...کوشش کی تھی اس لئے میں نے اندازہ لگایا کہ باہر جو کچھ بھی ...سے فوری نوعیت کا کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔

...میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھا تو سلطان شاہ کی حیرت کا سبب ...سامنے آ گیا۔ دروازہ کے باہر ایک بے جان بلی پڑی ہوئی تھی ...کے سر میں موجود تازہ زخم سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے مرے ...زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ تھوڑی دیر پہلے ہم دونوں آگے ...فلیٹ میں واپس آئے تو بیرونی راہداری صاف پڑی تھی اس کا ...ب تھا کہ بلی کی لاش ہماری واپسی کے بعد وہاں ڈالی گئی تھی۔

"چلو' جلدی نکلو یہاں سے۔" میں نے ایک فوری خیال کے ...سلطان شاہ کا بازو تھام کر اسے دروازے کی طرف دھکیلتے ...کہا "کھیل میری توقع سے پہلے شروع ہو چکا ہے۔"

"لل۔۔۔ لیکن دروازہ پر سے بلی کی لاش تو ہٹانے دو۔ دوسرے ...میں سے کسی کی نظر پڑ گئی تو پوری بلڈنگ میں سنسنی پھیل ...گی اور نت نئی کہانیاں جنم لینے لگیں گی۔"

"لعنت بھیجو۔۔۔۔ یہ مری ہوئی بلی ہے' کوئی ایٹم بم نہیں جس ...خوف و ہراس پھیل جائے۔ اسے کوئی اور بھی اٹھا کر پھینک ...ہے۔ اس کے ڈالے جانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ ہمیں الجھایا ...ئے۔ ہم رک گئے تو تھوڑی ہی دیر میں کوئی اور ناگہانی افتاد ...ے سروں پر نازل ہو جائے گی۔"

...غنیمت ہوا کہ میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور وہ سوٹ ...سنبھالے کر باہر نکل گیا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی اور دروازہ ...بند کر کے مردہ بلی پر سے ہوتا ہوا' زینوں پر بڑھ گیا۔

کار پارکنگ والے وسطی فلور پر ایک نئی الجھن ہماری منتظر تھی۔ ...دونوں ہمارے تصرف میں دو گاڑیاں ہوا کرتی تھیں' ان میں ایک ...میرے مستعار لی ہوئی تھی جب کہ دوسری کا تعلق مافیا سے تھا۔ ...دونوں گاڑیوں کے اگلے دونوں ٹائروں کی ہوا غائب تھی۔ اگر ...ایک ٹائر ناکارہ کیا گیا ہوتا تو اسے فوری طور پر فاضل ٹائر سے ...ہر گاڑیوں کو حرکت میں لایا جا سکتا تھا لیکن ہر کار کے دو ٹائر ...ٹ کر کے یہ کوشش کی گئی تھی کہ ہم کہیں جانا چاہیں تو ٹائر کھول کر ...پمپ سے ہوا ڈلوائے بغیر وہاں سے حرکت نہ کر سکیں۔

لیکن ان گاڑیوں کو استعمال کرنا میرے پروگرام میں شامل ...نہ تھا۔ جس طرح ویرا ہمارے فلیٹ سے واقف تھی' اسی طرح ...ان دونوں گاڑیوں کو بھی اچھی طرح پہچانتی تھی۔ ان چلتے پھرتے ...نشانوں کے ساتھ ہم کہیں بھی پہچانے اور پکڑے جا سکتے تھے

اس لئے ان گاڑیوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر ہم نیچے آئے اور وقت ضائع کئے بغیر' قریب ہی کھڑے رکشا میں صدر کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس وقت مجھے احساس ہوا کہ ویرا نے میری مخالفت کا فیصلہ عاجلانہ طور پر نہیں کیا تھا بلکہ وہ کئی دنوں سے اس فیصلہ پر عمل کرنے کی تیاریاں کر رہی ہو گی اسی وجہ سے اس نے مجھے فون کرنے کے لئے ایسے وقت کا انتخاب کیا جب اس کا کوئی کرگا میرے فلیٹ کے باہر مردہ بلی ڈالنے کے بعد گاڑیوں کے ٹائروں سے ہوا خارج کر چکا تھا۔

فلیٹ کے قرب و جوار میں ملنے والی ان تخریبی شہادتوں کی بنا پر مجھے شبہ ہوا تھا کہ کہیں کوئی شخص فلیٹ کی نگرانی نہ کر رہا ہو لیکن ہمارا رکشا روانہ ہونے کے بعد جب کافی دور تک کوئی تعاقب کرنے والا نظر نہیں آیا تو مجھے اطمینان ہو گیا اور میں نے سمجھ لیا کہ ویرا نے وہ حرکتیں مجھے خائف کرنے کے لئے کی تھیں جو میری دانست میں نہایت طفلانہ اور کتابی تھیں ویرا اچھی طرح جانتی تھی کہ میں گیدڑ بھبکیوں میں آنے والا نہیں تھا لیکن مجھ سے مخاصمت مول لینے کے بعد وہ شاید۔۔۔۔ احساسِ کمتری میں مبتلا ہو گئی تھی اور اوچھی حرکات کے ذریعے مجھے یہ جتانا چاہتی تھی کہ وہ جب اور جہاں چاہتی' مجھ پر ہاتھ ڈال سکتی تھی لیکن اس احمق عورت کو یہ معلوم نہیں کہ کسی ویران راہداری کے بند دروازہ کے باہر مردہ بلی ڈال کر فرار ہو جانا مردانگی کا کام نہیں تھا بلی پھینکنے والا شخص اگر ہمارے فلیٹ میں گھسنے کی کوشش کرتا تو نہ صرف اسے چھٹی کا دودھ یاد آ جاتا بلکہ اسے قیدی بنا کر ہلاک بھی کیا جا سکتا تھا۔

صدر کے پُر ہجوم اور بارونق علاقہ میں ایک جگہ ہم نے رکشا چھوڑ دیا اور متوسط درجہ کے ایک صاف ستھرے ہوٹل میں پہنچ گئے جہاں دوہرے بستر والا کمرا مناسب دام پر مل گیا۔

کمرے میں سوٹ کیس رکھ کر ہم دونوں نے بھرے ہوئے پستول اپنے لباس میں چھپائے اور چند منٹ بعد ہی ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔

کچھ فاصلہ سے ٹیکسی پکڑ کر میں ٹریڈ لائن کے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا جہاں غلام رسول' شیر شاہ اور اس کے ساتھیوں کی قید میں تھا۔ سلطان شاہ مافیا والوں کے لئے کوئی نیا آدمی نہیں تھا۔ سینڈو کی زندگی ہی میں' میں اسے مافیا والوں سے متعارف کرا چکا تھا۔ میں نے صاف طور پر سینڈو کو بتا دیا تھا کہ سلطان شاہ میرا معتمدِ خاص تھا اور مافیا کے اہم معاملات میں میرا دستِ راست بنا رہے گا' شاید وہ خبر حبیب جیوانی کو بھی مل چکی تھی لیکن اس کا سلطان شاہ سے سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

میں ٹریڈ لائن کے دفتر سے تھوڑی دیر پہلے ہی گیا تھا اس لئے مجھے دوبارہ وہاں موجود دیکھ کر عملہ میں کھلبلی سی مچ گئی اور راستہ ہی میں شیر شاہ مجھ سے آملا۔ وہ میری آمد کی اطلاع پا کر غالباً دوڑتا ہوا آیا

تھا کیونکہ اس کا سانس، میری طرح پھولا ہوا تھا۔ اس نے ادب سے سلام کیا لیکن سلطان شاہ کو پہچان کر اُس سے باقاعدہ مصافحہ کیا جس سے مجھے خوشی ہوئی اور میں ان دونوں کے ساتھ اپنے دفتر میں داخل ہو گیا۔

"تم نے کبھی شی کا نام سنا ہے؟" میں نے دفتر میں اپنی جگہ سنبھالتے ہوئے شیر شاہ سے پوچھا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور بولا "کچھ عرصہ پہلے تک شی ہی ہماری سب سے بڑی حریف تھی۔"

"وہ لوگ اب دوبارہ سر اٹھا رہے ہیں اور ان کی سربراہی ویرا نامی عورت کر رہی ہے۔"

"ویرا!" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "سینڈو اس عورت کی دلیری اور بے خوفی کی بہت سی کہانیاں سناتا رہتا تھا لیکن ہم سب نے اس کا نام ہی نام سنا ہے۔ کبھی اسے دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔ سنا تھا کہ ایک مقابلہ میں وہ تمہارے ہاتھوں زخمی بھی ہو گئی تھی۔"

"دشمن کی خوبیاں گنوا کر تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو، شیر شاہ؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے، قدرے ناخوشگوار لہجہ میں سوال کیا۔

"سوری باس۔" وہ فوراً ہی سنبھل گیا "میں اپنے بہکنے پر معافی چاہتا ہوں۔"

"میں تمہیں صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس بار ہمارا مقابلہ ویرا سے ہے اس لئے تمہیں بہت ہوشیار رہنا ہو گا۔ فی الحال تم کو رازی روڈ کے ایک مکان کے بارے میں معلوم کرنا ہے کہ وہاں کتنے افراد مقیم ہیں اور ان کے کیا معمولات ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ خود ویرا بھی وہیں پائی جاتی ہو۔"

"بہت بہتر باس!" اس نے اپنے سر کو خم دے کر کہا "میں کل تک ساری معلومات جمع کر لوں گا۔"

"کل نہیں، یہ کام آج ہی اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہو جانا چاہئے۔" میں نے سپاٹ لہجہ میں کہا "ابھی تو پورا دن پڑا ہوا ہے اور تم کل کی بات کر رہے ہو۔"

"میں ابھی نکلتا ہوں اور جلد از جلد واپس لوٹنے کی کوشش کروں گا۔"

"یہ کام سلطان شاہ بھی بحسن وخوبی کر سکتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ اسے دشمن کی صفوں میں پہچان لیا جائے گا۔ اس وجہ سے یہ بوجھ تم پر ڈالا گیا ہے۔ کوئی خاص بات معلوم ہو تو مجھے فون پر اطلاع دے دینا میں تمہاری واپسی تک یہیں انتظار کروں گا۔"

"تم یہاں کیوں آ بیٹھے ہو؟" اس کے چلے جانے پر سلطان شاہ نے رازدارانہ لہجہ میں پوچھا۔

"ہوٹل کے فون سے کھل کر بات نہیں کی جا سکتی تھی۔" میں نے کہا "یہاں نہ صرف فون کی سہولت موجود ہے بلکہ میں ان لوگوں سے بھی کام لے سکتا ہوں۔ اس بار میں ویرا کے ساتھ ذرا بھی رعایت نہیں کروں گا۔"

معاً مجھے خیال آیا کہ میں ٹریڈ لائن میں اپنے ماتحت عملہ سے بہت زیادہ مانوس نہیں تھا۔ لوگوں سے میرا تعارف ضرور تھا۔ ان میں سے بعض کی کارکردگی بھی میرے سامنے تھی لیکن میری براہ راست بات چیت، پہلے سینڈو اور اب شیر شاہ تک محدود تھی۔ یہ کوئی اچھی صورت حال نہیں تھی جسے ختم ہونا چاہئے تھا۔

ایک سگریٹ ختم کرنے کے بعد میں نے انٹرکام پر آپریٹر سے چائے کی فرمائش کرنے کے بعد شیر شاہ کے بارے میں پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ ایک آدمی کو ساتھ لے کر نکل چکا تھا۔ میں نے آپریٹر ہی سے کہا کہ وہ فوری طور پر امیر خان کو میرے دفتر میں بھیج دے۔

امیر خان پستہ قد اور گٹھے ہوئے جسم والا ایک طاقتور شخص تھا۔ اپنی اس غیر معمولی طلبی پر وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے آتے ہی فوجی انداز میں ایڑیاں بجا کر مجھے سلام کیا اور دونوں ہاتھ سینہ پر باندھ کر احترام سے کھڑا ہو گیا۔ اُس کا انداز ایسا تھا جیسے مجھ سے اشارہ ملتے ہی وہ ایک دم ہوا میں تیرنا شروع کر دے گا۔

"اندر کی کیا خبر ہے، امیر خان؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"اکسٹھ کلو چھ سو گرام مال آیا ہے، باس!" اس نے مشینی انداز میں جواب دیا "اس کے پیکٹ بنائے جا رہے ہیں، باقی مال رات تک آ جائے گا۔"

وہ اُس سو کلو گرام ہیروئن کا ذکر کر رہا تھا جو حبیب جیوانی نے دونوں افغانوں سے پہلی کھیپ کے طور پر خریدی تھی۔ اس کھیپ کو فوری طور پر لاس اینجلز روانہ کیا جانا تھا جہاں اس میں دگنی ملاوٹ کر کے مختلف بازاروں میں پھیلانے کا منصوبہ تیار تھا۔

"اور قیدی کا کیا حال ہے؟" میں نے اگلا سوال غلام رسول کے بارے میں کیا۔

"ناشتہ پانی کرانے کے بعد اسے سلا دیا گیا تھا۔ وہ تین بجے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔ وہ بہکی بہکی باتیں کر رہا تھا اس کے ساتھ یہ بھی جاننا چاہ رہا تھا کہ ہم لوگ کون ہیں۔"

"وہ جب بھی ہوش میں آئے، اس کی دو چار تصویریں بنا لو تاکہ اس کے سفری کاغذات تیار کرائے جا سکیں۔ اسے چند روز ایک لمبے سفر پر روانہ ہونا ہے۔"

"باس کا حکم سر آنکھوں پر۔" اس نے اپنا سر جھکا کر خالص غلامانہ انداز میں کہا۔

اسی وقت ایک نازک اندام سی لڑکی چائے کی ٹرے لے آئی اور امیر خان میرا اشارہ پا کر واپس لوٹ گیا۔ اس لڑکی نے ہی میں رک کر ہمارے لئے چائے بنانی چاہی لیکن میں نے ٹرے سلطان شاہ کے سامنے چھوڑ کر واپس جانے کی ہدایت کی اور خود ٹیلی فون ڈائرکٹری میں امریکن کاؤنسلیٹ کے نمبر تلاش کرنے لگا۔

ڈائرکٹری پرانی تھی اور ہیری کیسنجر نیا آدمی تھا۔ اس



ڈائرکٹری میں اس کے بجائے آرنٹ کا نام موجود تھا۔ میں نے فوری طور پر اسی نمبر کو آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔

"کیا مسٹر ہیری کیسنجر سے بات کر سکتا ہوں؟" دوسری طرف سے غیر ملکی لب ولہجے میں ایک مردانہ ہیلو سن کر میں نے انتہائی شائستہ لہجے میں سوال کیا۔

"ایک منٹ!" آواز آئی اور اگلے ہی لمحے میں ہیری کیسنجر فون پر موجود تھا۔

"مجھے افسوس ہے مسٹر کیسنجر کہ اپنوں کے دغا کی وجہ سے تمہارا ایک اہم مشن ناکام ہو گیا۔" میں نے ہمدردانہ لہجے میں براہ راست بات چھیڑ دی کیونکہ وہ میری ایک سوچی سمجھی کوشش تھی جس کا مقصد اس اہم سفارت کار کو ویرا کی جانب سے بدظن کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

"تم کون ہو اور کس مشن کی بات کر رہے ہو؟ کیا میں تمہیں جانتا ہوں؟" اس کی سرد آواز ابھری۔

"تم مجھے نہیں جانتے لیکن میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں اور تمہارا ہمدرد ہوں۔"

"میں اجنبی لوگوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا، گفتگو کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنا تعارف کراؤ ورنہ میں فوری طور پر فون بند کر دوں گا۔" وہ بہت زیادہ محتاط معلوم ہو رہا تھا۔

"تم امریکن ہو کر بھی ان واہیات باتوں میں یقین رکھتے ہو؟" میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا "امریکن تو ہیلو کہہ کر کسی سے بھی بغل گیر ہو جانے کی شہرت رکھتے ہیں۔ میں تمہیں اتنا کٹر اور دقیانوسی آدمی نہیں سمجھتا تھا۔"

"اگلے فقرہ میں تم نے اپنا تعارف نہ کرایا تو میں فون بند کر دوں گا۔" اس کا لہجہ سرد ہو گیا۔

"میرا نام جان اسمتھ ہے، میرا تعارف اس لئے بے سود ہے کہ تم نام سے مجھے نہیں پہچان سکتے۔ میں اس شہر میں شی کے لئے کام کرتا تھا۔ تنظیم کی سرگرمیاں موقوف ہونے کے بعد سے مفت کی روٹیاں توڑ رہا ہوں لیکن اپنی آنکھیں ہر وقت کھلی رکھتا ہوں۔ اس لئے بہت سی ایسی باتوں سے بھی واقف ہو جاتا ہوں جو دوسروں کے لئے بہت اہم اور خفیہ ہوتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ویرا لائیڈ آج کل کراچی میں ہے اور تم شدت کے ساتھ اس کی تلاش میں ہو کیونکہ اس نے حال ہی میں تمہیں ایک گہری زک پہنچائی ہے۔"

"تمہیں کوئی شدید غلط فہمی ہوئی ہے، مسٹر اسمتھ!" اس کی آواز جذبات سے یکسر عاری ہو گئی۔ "اگر تم دوست ہی ہو تو میرے دفتر میں آ کر مجھ سے مل سکتے ہو۔ میں تمہاری غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"میں اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے تمہارے سامنے آنے سے قاصر ہوں لیکن تمہیں یہ ضرور بتانا چاہتا ہوں کہ ویرا تم سے ہونے والی گفتگو کا ایک لفظ بھی ریکارڈ نہیں کر سکی تھی۔ اس کی دھمکی بالکل کھوکھلی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ الحدید والے مشن کی تباہی میں اسی کا دماغ کارفرما تھا۔"

اس کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی...... پھر وہ بولا۔

"تمہاری باتیں دلچسپ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری ویرا نامی عورت سے کوئی کھٹ پٹ ہو گئی ہے اور تم اس سے بدلہ لینے کے لئے مجھے استعمال کرنا چاہ رہے ہو۔" اس نے ویرا سے اپنی کسی بھی شناسائی کے اظہار سے بچتے ہوئے محتاط الفاظ میں کہا "لیکن میں دوسروں کے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کا قائل نہیں ہوں۔ ہماری سفارتی ذمہ داریاں ہمیں ایک حد سے آگے جانے کی اجازت نہیں دیتیں۔"

وہ اپنی پوزیشن صاف کرتا جا رہا تھا لیکن اسی کے ساتھ اُس نے فون بھی بند نہیں کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ میری زبان سے انکشافات سننا چاہتا تھا۔

"تمہیں اس سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔ اس نے تمہاری دسترس سے خوف زدہ ہو کر اپنے جسم سے چپ نکلوا دیا ہے لیکن وہ ابھی تک اسی شہر میں ہے۔ تم کوشش کرو تو تمہارے شکاری کتے اب بھی اس کو تلاش کر سکتے ہیں۔"

"میں سوچوں گا کہ تمہاری ان باتوں کا میری ذات اور ہمارے سرکاری مفادات سے کیا تعلق ہے۔ اگر تم اپنے دل کی بھڑاس نکال چکے ہو تو میں اب ریسیور رکھ دوں؟" اس بار وہ کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ میری اس فون کال کو بھی ویرا کی کوئی چال سمجھ رہا ہو۔

پچھلی بار ذہنی دباؤ کے عالم میں، مجھے ملّا سرکار سمجھ کر وہ ایک سنگین غلطی کر چکا تھا۔ اس نے مجھ سے ایسی ایسی باتیں کی تھیں جن کا انکشاف اس کی زندگی تباہ کر سکتا تھا پھر اُس کی اسی غیر محتاط گفتگو کے حوالے سے ویرا نے اسے بلیک میل کر کے خود سے دور رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ یہ سمجھنے میں حق بجانب تھا کہ کہیں ویرا کسی اور کے ذریعے اس پر جال ڈال کر اُس کی نیت کا اندازہ لگانے کی کوشش نہ کر رہی ہو۔

"میری باتوں پر سنجیدگی سے غور کرنا، میں خود ہی فون بند کر رہا ہوں۔" میں نے لائن منقطع کر دی۔

ویرا کے لئے ہیری کیسنجر بہت بڑا خطرہ ثابت ہو سکتا تھا۔ اسے نہ صرف سرکاری مفادات کے لئے ویرا کی تلاش رہی تھی بلکہ اس تلاش میں ذاتی عناد کا عنصر بھی شامل ہو گیا تھا۔ وہ ایک عالمی طاقت کی نمائندگی کر رہا تھا اور ہمارے مقابلے میں اس کے وسائل بھی بہت زیادہ اور حساس تھے۔ اگر وہ اپنی تمام تر توجہ ویرا کی طرف مرکوز کر دیتا تو ویرا کے لئے اس شہر کی وسعت تنگ پڑ سکتی تھی۔

"اس بار تمہارے عزائم واقعی خطرناک نظر آ رہے ہیں۔"

میرے فارغ ہوجانے کے بعد سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن ہمارے لئے وقت سب سے زیادہ اہم ہے۔ وہ پاگل عورت کسی بھی وقت غزالہ پر اپنے بے رحمانہ تشدّد کا آغاز کرسکتی ہے۔ ہمیں اس سے پہلے ہی اس پر ہاتھ ڈالنا ہوگا۔"

"میں جو کچھ کررہا ہوں' اس سے زیادہ اور کیا کرسکتا ہوں؟" میں نے بے بسی سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے ابھی ہم ایک محاذ کو بھولے ہوئے ہیں۔" اس نے پُرخیال آواز میں کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ "تمہیں کوئی بات سوجھ رہی ہے تو کھل کر بات کرو۔"

"ہم نے فلیٹ چھوڑ دیا ہے لیکن ویرا سب سے پہلے ہمارے اُسی ٹھکانے کا رخ کرے گی۔ تم اپنے دس پانچ مسلح آدمی فلیٹ کے گرد پھیلا دو تو اسے وہاں بھی گھیرا جا سکتا ہے۔ وہ فلیٹ کو خالی پاکر صحیح سلامت واپس نکل گئی تو اشتعال کے عالم میں غزالہ کے لئے زیادہ خطرناک ثابت ہوگی۔"

اس کا خیال بالکل درست اور منطقی تھا۔ میں نے مزید ایک لفظ بھی کہے بغیر' فوری طور پر امیر خان کو اپنے دفتر میں طلب کرلیا تاکہ اسے بریفنگ دے کر فوراً روانہ کرسکوں۔

میرا فلیٹ شاید ان میں سے کسی کے لئے بھی اجنبی نہیں تھا۔ جن دنوں مَیں مافیا میں شامل نہیں ہوا تھا لیکن ڈان تھری کی ہدایت پر سیٹھ حبیب جیوانی کے ماتحت خفیہ طور پر' ویرا اور اس کے خون آشام ساتھیوں سے میرا دفاع کررہے تھے ان دنوں فلیٹ کے قرب و جوار میں ان لوگوں میں ہولناک فائرنگ کا تبادلہ ہوا تھا جس کے نتیجے میں ویرا اور اس کے ساتھی ہمارے فلیٹ پر حملہ آور ہونے میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے۔ اس یادگار مقابلے میں شریک کوئی بھی فرد اس فلیٹ کو نہیں بھول سکتا تھا۔

"بالکل واقف ہوں' باس!" امیر خان نے میرے سوال کے جواب میں بلا تردّد کہا "یہ وہی مقام ہے نا جہاں ہم لوگوں نے کچھ بدمعاشوں کو روکا تھا؟"

"تم ٹھیک سمجھے۔ یہ بالکل وہی جگہ ہے۔ تمہیں ایک بار پھر اسی فلیٹ کی نگرانی کرنی ہے لیکن اس بار تم کسی کو وہاں گھسنے سے روکنے کی کوشش نہیں کروگے بلکہ جو بھی وہاں گھسے' اسے زندہ یا مردہ پکڑنے کی کوشش کروگے۔ تم چاہو تو اپنے ساتھ دو چار آدمی لے جا سکتے ہو جو باری باری' دن رات اس فلیٹ کی نگرانی کریں گے۔ اس بارے میں ایک لمحہ کی غفلت بھی مہنگی پڑسکتی ہے۔"

"تم بالکل بے فکر رہو باس۔" وہ خوش ہوکر بولا "خالی بیٹھے بیٹھے ہم لوگوں کے ہاتھ پیروں میں زنگ لگ رہا تھا۔ میں اپنے آدمیوں کو پوری تیاری کے ساتھ لے جاؤں گا۔"

"خوش قسمتی سے اس بار بھی دشمن وہی ہے جس سے پچھلی بار مقابلہ ہوا تھا۔ ویرا اُن لوگوں کے ساتھ شامل ہو یا نہ ہو لیکن مقابلہ اسی سے ہے۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا۔ میں آدھے گھنٹے میں روانہ ہوجاتا ہوں۔ تمہارا قیدی مستی خان کی تحویل میں رہے گا۔ شیر شاہ لہر میرے بعد وہی سب سے سینئر ہے۔"

"یہاں کے معاملات میرے اوپر چھوڑ دو اور اپنا پورا دھیان اس کام پر مرکوز رکھو جو میں نے تمہیں سونپا ہے۔ کامیابی کی صورت میں قیدیوں کو بے ہوش کرکے یہیں لانا ہے۔"

"اور اگر اُن میں سے کوئی مارا گیا؟" اس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"خارش زدہ کتّوں کی لاشوں کو کوئی لادے نہیں پھرتا۔" میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا "ان کی لاشیں جہاں گریں' وہیں چھوڑ آنا۔ البتہ مرنے والوں کے کان کاٹ سکو تو ان کے ساتھی دہشت زدہ ہوجائیں گے۔"

"کیا یہ ہماری کوئی نئی پہچان ہے کہ ہم اپنے مردہ دشمنوں کے کان کاٹ لیا کرتے ہیں؟"

"امیر خان تم بہت زیادہ بولتے ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا "معلوم ہوتا ہے کہ آدھا گھنٹا تو تم یہیں باتوں میں گزاردوگے۔"

"معافی چاہتا ہوں' باس" وہ بوکھلا کر معافی مانگتا ہوا میرے دفتر سے باہر چلا گیا۔

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔" اس کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے تعریفی لہجے میں کہا "میرا خیال ہے کہ اب ویرا کے گرد تمہارا گھیرا خاصا تنگ ہوگیا ہے۔"

"تم بھی ضرورت سے زیادہ بولنے لگے ہو۔" میں نے خشک لہجے میں کہا "ہوسکتا ہے کہ ہماری یہ کارروائی پسِ مرگ واویلا ثابت ہو اور وہ فلیٹ کو تہس نہس کرکے واپس جاچکی ہو۔ تمہیں یہ تجویز پہلے کیوں نہیں سوجھی تھی؟"

"تمہارا مطلب ہے کہ دیر سے ذہن میں آنے والی اچھی بات کو پی جانا چاہیئے؟" وہ تیوریاں چڑھا کر بولا۔

میں بے اختیار مسکرا دیا کیونکہ میرا مقصد اسے پھٹکارنا نہیں تھا بلکہ میں اسے چھیڑ کر اپنے اعصاب کا بوجھل پن دور کرنے کی کوشش کرنی چاہ رہا تھا۔

"ہمیں دیر نہیں ہوئی ہے۔" قدرے توقف کے بعد سلطان شاہ سنجیدگی سے بولا "پیشہ ور مجرم ایسی وارداتوں کے لئے رات کے اندھیرے کا سہارا لیتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ویرا سورج غروب ہونے سے پہلے کوئی خطرہ مول نہیں لے گی۔ وہ ایسے معاملات میں وقت اور موقع کی اہمیت کو خوب سمجھتی ہے۔"

میں سگریٹیں پھونکتا اور سلطان شاہ کے ساتھ باتوں میں وقت گزارتا رہا۔ اسی دوران میں مجھے اول خان کا خیال آیا اور میں نے اس کی خیریت معلوم کرنے کے لئے اس کے گھر فون کیا تو اس کی بیوی خاصی دل گرفتہ تھی۔ اس کی اول خان سے بات ہوچکی تھی اور اسے شکوہ تھا کہ اس کے ایمان دار اور فرض شناس شوہر کو کسی ناکردہ گناہ کی پاداش میں کراچی سے کھڑے گھاٹ بدل دیا گیا۔

اس سیدھی سادی' خانہ دار عورت کی نگاہ میں وہ تبادلہ کسی ناکردہ گناہ کا خمیازہ تھا لیکن مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ وہ گھوڑا کریک پر الحدید کی رنگے ہاتھوں گرفتاری کا شاخسانہ تھا۔ ملک میں مہلک اور جدید ترین ہتھیاروں کی اس بڑی کھیپ کی اسمگلنگ میں جن عالمی طاقتوں کے مفادات ملوّث تھے وہ یہ برداشت کرہی نہیں سکتی تھیں کہ کمزور اور چھوٹے ملک کے اہل کار' اپنی سرزمین پر انہیں من مانی کرنے کی اجازت نہ دیں۔ وہ دنیا کے ہر خطے میں عسکری' معاشی' معاشرتی اور مجرمانہ جوڑ توڑ کو اپنا حق سمجھتی تھیں اور اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والے کو ایک لمحے کے لئے بھی برداشت نہیں کرسکتی تھیں۔ الحدید والے منصوبہ کی ناکامی سے ان کے یہاں یقیناً صفِ ماتم بچھ گئی ہوگی اور انہوں نے غضب ناک ہوکر اُن .... عناصر کے سروں کا مطالبہ کردیا ہوگا جو اُن کے عزائم کو ملیا میٹ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

قابلِ غور بات یہ تھی کہ ایسا شدید سیاسی دباؤ سرکاری سطح پر ہی ڈالا جانا ممکن تھا جب کہ دوسری طرف الحدید والا قصہ ہر اعتبار سے غیر قانونی اور غیر اخلاقی تھا۔ اس حوالے سے کسی بھی برہمی کے اظہار کا مطلب یہ ہوتا کہ متعلقہ ملک اس گھناؤنے جرم کے سلسلے میں پوری پوری ذمے داری قبول کرلیتا۔ جو ہر اعتبار سے ایک مشکل اور ناقابلِ فہم بات تھی مگر حالات سے ظاہر ہورہا تھا کہ کوئی درمیانی راہ نکال کر' متعلقہ بڑی طاقت نے کھل کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کردیا تھا اور حکام کو ایسی مشکل میں ڈال دیا تھا کہ ان کے لئے اس شکایت کا ازالہ کرنے کے علاوہ کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔ انہوں نے اپنے قوی ترین دوست کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اول خان کو قربانی کا بکرا بنایا تھا اور اس آپریشن کی کامیابی کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا تھا۔

اس طرح عام حالات میں سرخروئی اور فخر کا باعث بننے والی اس کارکردگی کو ملامت میں تبدیل کردیا گیا تھا۔ مجھے حیرت یہ تھی کہ کسی گمنام اور نکھٹو افسر کو کامیابی کا بکرا بنا کر غیر ملکی دوستوں کو خوش کرنے کی کوشش کے بجائے اسپیشل ٹاسک فورس جیسے اہم ترین اور خفیہ ادارے کے اس قابل اہل کار ہی کو نشانہ بنایا گیا تھا جو الحدید کے معاملے میں واقعی پیش پیش رہا تھا۔ جبکہ سرکاری طور پر کبھی بھی یہ تسلیم نہیں کیا گیا تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کا کسی سرکاری' نیم سرکاری یا سرکاری سرپرستی میں چلنے والے کسی ادارے سے کوئی تعلق تھا۔ اسے ہمیشہ ایک ایسے گروپ کے طور پر پیش کیا گیا تھا جو سرکاری اثر و نفوذ سے ماورا رہ کر کٹر قوم پرستانہ کردار ادا کررہا تھا اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے مجرمانہ کارروائیوں سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ یہ بات بھی مجھے اپنے طور پر معلوم ہوئی تھی ورنہ مقامی پریس میں کبھی ایس ٹی ایف کا نام سامنے نہیں آیا تھا۔

اول خان جیسے اہم کردار کی سزایابی سے صرف ایک ہی بات سامنے آتی تھی کہ ہیری کیسنجر کے آقا نہ صرف اسپیشل ٹاسک فورس کے وجود کے بارے میں پُریقین تھے بلکہ اس تنظیم کے اہم ارکان کی انفرادی کارکردگی سے بھی باخبر رہتے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ جب تک ان کے مفادات کو بڑی زک نہیں پہنچی تھی وہ اپنی زبان بند کئے بیٹھے رہے لیکن الحدید کا بھیانک مشن ناکام ہوتے ہی بلبلا کر پوری قوت سے چیخ پڑے۔

ان حالات کا ادراک کرنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ تبادلے کی صورت میں اول خان کو سزا نہیں بلکہ بہت بڑی رعایت دی گئی تھی ورنہ وہ کسی ناگہانی حادثے کا شکار ہوکر اس طرح غائب ہو سکتا تھا کہ روئے زمین پر اس کا نام ونشان بھی نہ ملتا۔

وہ لوگ عالمی سطح پر اتنے طاقتور اور بااثر تھے کہ اپنی ہدایات سے انحراف کرنے والے خود مختار حکمرانوں کو عبرتناک انجام سے دوچار کرنے کی کھلی دھمکیاں دیتے رہتے تھے اور اکثر و بیشتر اپنے رسوائے زمانہ' خفیہ اداروں کے ذریعے ایسے سرکش حکمرانوں کا تختہ الٹوا کر انہیں اپنے ہم وطنوں ہی کے ذریعے عبرت کا دلدوز نمونہ بنا دیتے تھے اور کسی کو ان پر انگشت نمائی کرنے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔

ہیبت اور دبدبے کے مالک شہنشاہوں کو جلاوطنی کی موت نصیب ہوئی' مقبول حکمرانوں کی لاشوں کو ان ہی کے وطن کی گلیوں اور بازاروں میں گھسیٹا گیا' کئی گستاخ اور سرکش کج کلاہوں کو سولی پر سجا دیا گیا...... ایسے میں اول خان کی کیا بساط اور گنتی تھی؟

سوچا جائے تو اس کے لئے یہ بہت بڑا انعام تھا کہ کروڑوں ڈالر کے مہلک ہتھیاروں کی کھیپ کی اسمگلنگ کو ناکام بنانے کے باوجود وہ زندہ تھا۔ بھیڑیے یقیناً اس کا لہو مانگتے ہوں گے لیکن ان سے معاملہ کرنے والے بہت زیرک اور ہوش مند تھے کہ انہوں نے اول خان کے لہو سے کم پر سودا کرلیا تھا اور اول خان زندہ تھا۔

اس دن وقت کی رفتار کچھ دھیمی ہوگئی تھی۔ میں نے سلطان شاہ سے دنیا بھر کے موضوعات پر تبادلۂ خیال کر ڈالا اور جب ہمارے درمیان الفاظ اور موضوعات کا ذخیرہ ختم ہوگیا تو ہم دونوں بے زاری کے ساتھ ایک دوسرے کو گھورنے میں مصروف ہوگئے۔ آخر کار فون کی گھنٹی بجی اور میں نے بے تابی سے ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے شیر شاہ دھیمی آواز میں بول رہا تھا۔

"زور سے بولو۔ تمہاری آواز سمجھنے میں دقت ہورہی ہے۔" میں نے اسے جھاڑا۔

"میں ایک پبلک کال آفس سے بول رہا ہوں' باس۔ آواز اونچی نہیں کرسکتا۔"

"آواز پر لعنت بھیجو اور خبر سناؤ!" میں نے اضطراری طور پر کہا اور فوراً ہی محسوس کیا کہ اس کے ساتھ میرا وہ انداز گفتگو نامناسب اور ناشائستہ تھا۔ اگر میں غزالہ کی وجہ سے پریشان اور دل گرفتہ تھا تو اس میں شیر شاہ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ اپنا کام پوری ایمانداری سے انجام دے رہا تھا۔ تندہی سے کام کرنے والوں سے بلاوجہ ڈانٹ پھٹکار کی جائے تو وہ عموماً بددل ہو کر ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

لیکن شیر شاہ کچھ زیادہ ہی پُرجوش تھا۔ اس لئے وہ میری برہمی کا کوئی اثر لئے بغیر بولا "پڑوسیوں سے پتا چلا ہے کہ وہاں میر اکبر خان نامی کوئی شخص پچھلے دس بارہ سال سے رہتا چلا آرہا ہے۔ وہ مجرّد اور علیحدگی پسند ہے۔ پڑوسیوں سے اس کا میل جول رسمی سلام دعا سے زیادہ نہیں ہے۔ اس طرح اُس کے یہاں آنے جانے والوں کی تعداد بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ خاص طور پر اس کے گھر میں کبھی بھی کسی عورت کو آتے جاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ وہ ایک ملازم کے ساتھ رہتا ہے......"

اکبر کا نام سنتے ہی میرا دل زور سے دھڑکا تھا۔ شیر شاہ کی حاصل کی ہوئی وہ معلومات قابلِ قدر تھیں۔ یہ یقین ہوجانے کے بعد کہ ٹی کا آئی مین اسی مکان میں مقیم تھا' میرے لئے اپنی بے چینی پر قابو پانا دشوار ہوگیا اور میں نے اُس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"یہ بتاؤ کہ اس مکان میں داخل ہونے کے کیا امکانات ہیں؟"

"وہ ایک ہزار گز کے رقبے پر چار دیواری سے گھرا ہوا ایک بنگلا ہے جس کے ایک طرف خالی پلاٹ پر غلاظت اور ملبے کا ڈھیر مدتوں سے پڑا ہوا ہے..... لیکن تم نے ابھی میری پوری بات نہیں سنی۔"

"بات جلدی پوری کرو!" میں نے اضطراری طور پر لقمہ دیا۔

"عورتوں کے بارے میں پڑوسیوں سے ملنے والی معلومات کے باوجود یہ بات حیرت ناک ہے کہ میر اکبر خان کے مکان میں کم از کم ایک عورت موجود ہے۔" اس کی دھیمی آواز سنسنی خیز ہوگئی۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" میرے دل میں شیر شاہ کے لئے یک بیک عزت کے جذبات اُمڈ آئے۔

"روشنیاں جلنے کے بعد میں نے پہلی منزل کی کھڑکیوں پر پڑے ہوئے پردوں کے پیچھے دوبار ایک عورت کا متحرک سایہ دیکھا ہے....."

"قیدی معلوم ہوتی ہے؟" اس کے پے در پے انکشافات میرا دورانِ خون تیز کرتے جارہے تھے۔

"دونوں بار وہ اکیلی ہی تھی اور اس کی چال میں کوئی لغزش تھی نہ لڑکھڑاہٹ۔ اس کے ساتھ کوئی دوسرا تھا تو کم از کم پردے پر اُس کا سایہ نظر نہیں آرہا تھا۔ مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میرے لئے یہ جاننا بہت ضروری ہے' شیر شاہ!" میں نے اپنے الفاظ پر زور دے کر کہا۔ "تم فوراً وہیں واپس جاؤ' ایسا نہ ہو کہ تمہاری لاعلمی میں عورت کو وہاں سے نکال دیا جائے۔"

"میں تاجے کو ساتھ لے آیا تھا۔ میری غیر حاضری میں وہ چیل کی طرح اس گھر پر آنکھ لگائے بیٹھا ہوا ہوگا۔ اب ہمارے لئے کیا حکم ہے' باہر رکیں یا رات کو اندر گھس جائیں؟"

"فی الحال باہر رکو۔ میں جلد از جلد وہاں پہنچ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"شارع فیصل والی سروس لائن پر تاجا تمہارا انتظار کرے گا۔ وہی تمہیں بتادے گا کہ میں کہاں بیٹھا ہوا ملوں گا۔ شاید تم کو اپنی گاڑی دور ہی چھوڑنی پڑے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ بس میں نکل رہا ہوں۔" میں نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"کیا ہوا؟ کیا غزالہ نظر آگئی؟" میرے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ نے سوال داغ دیا۔

"کچھ نہیں کہا جاسکتا۔" میں نے ہیجان آمیز لہجے میں کہا "اس مکان میں اکبر خان ہی رہ رہا ہے جو شاید اب پاکستان میں ٹی کا واحد آئی مین ہے۔ وہ لوگوں اور خصوصاً عورتوں سے دور رہنے کی شہرت رکھتا ہے۔ لیکن شیر شاہ نے پہلی منزل کی ایک کھڑکی کے پردے پر کسی عورت کا متحرک سایہ دیکھا ہے۔ وہ ویرا بھی ہوسکتی ہے اور غزالہ بھی۔ ہمیں وہاں چل کر خود ہی صورتِ حال کا جائزہ لینا ہوگا۔"

"غزالہ ان کی قیدی ہے۔ وہ اسے آزاد نہیں چھوڑ سکتے۔" سلطان شاہ سوچتے ہوئے بولا "وہ کھڑکی کا پردہ ہٹا کر اچانک ہی مدد کے لئے چلّانا شروع کردے تو وہ لوگ کیا کرسکیں گے؟ میرا خیال ہے کہ ویرا ہی ہوسکتی ہے۔ فلیٹ سے بھاگ کر اُس نے وہیں پناہ لی ہوگی۔"

"لیکن غزالہ بھی اسی کے ساتھ تھی۔ اگر وہ اکبر کے گھر پر مقیم ہے تو غزالہ کو بھی وہیں ہونا چاہئے۔ یہ اور بات ہے کہ انہوں نے غزالہ کو آزاد رکھنے کے بجائے کسی کمرے میں باندھ کر ڈالا ہوا ہے۔"

"چلو' پھر ہمیں یہاں رک کر سوچ بچار میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔"

ٹریڈ لائن کے دفتر میں گاڑیوں کی کمی نہیں تھی اس لئے میں نے وہاں سے ایک کار لی اور ہم شہر کے قلب سے روانہ ہوگئے جہاں ٹریفک کا ہجوم اپنے عروج پر تھا۔

شیر شاہ سے جو خبریں ملی تھیں ان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ہمارے اصل معرکہ کا مرکز رازی روڈ ہی بنے گا۔ ہمیں وہاں اکبر کے مکان کے محاصرہ کے لئے نفری کی ضرورت بھی پیش آسکتی تھی اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ شرف آباد میں ہمارے فلیٹ کی نگرانی پر مامور' امیر خان کی جماعت کو بھی وہاں سے ساتھ لے لینا چاہئے اس طرح ان کا وقت برباد ہونے کے بجائے ہماری مہم میں کام



تھا۔

ہم دونوں آنے والے کٹھن لمحات کے بارے میں تبادلۂ خیال [کرتے] ہوئے' کشاں کشاں شہید ملت روڈ پر نکلے تو اس کشادہ [سڑک] پر کار چلاتے ہوئے میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

[...] چوراہے سے بائیں طرف گھومنے کے بعد ہم جوں ہی شرف [آباد ج]انے والے راستے پر نکلے تو وہاں لوگوں کی ٹولیوں کو جابجا [د]یکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ آگے بڑھنے کے بعد دکانیں وغیرہ بھی [بند نظ]ر آئیں۔ اسی کے ساتھ فضا میں خوف و ہراس کی علامات بھی [محسوس] ہونے لگیں۔

اگلے چوراہے پر جہاں سے ہمارے فلیٹ والی گلی میں داخل [ہوا جا س]کتا تھا' راستہ بند تھا کیونکہ لوگوں کے ٹھٹ ٹھٹ لگے ہوئے [تھے۔]

"[...]دال میں کچھ کالا نظر آرہا ہے۔" سلطان شاہ پُرتشویش آواز [میں] بڑبڑایا۔

[...]وہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر میرا ابھی ماتھا ٹھنک چکا تھا۔ میں نے اس [...]یں کار آگے بڑھانے کے بجائے وہیں فٹ پاتھ کے ساتھ لگا [...]ک کردی اور اگنیشن آف کرکے نیچے اتر آیا۔

[...]ہ بھیڑ بھاڑ اور افراتفری دیکھ کر مجھے فلیٹ کا دھیان ضرور آتا [...]ن میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اگر ویرا' میر اکبر خان کے [گھر] میں پناہ گزین تھی تو وہاں کون آسکتا تھا؟ ویسے بھی ویرا ان [اپ]نے جھنڈ سے بچھڑی ہوئی تھی۔ اس کے لئے یہ ناممکن تھا کہ [اتنی] سی مدت میں اپنے حامیوں کی بھیڑ جمع کرلیتی۔

نیچے اترتے ہی جلے بارود کی تیز بُو میرے نتھنوں میں گھسی اور [ا]ندازہ ہوگیا کہ ہمارے پہنچنے سے قبل وہاں خاصی دھواں دھار [فائرنگ] ہوئی ہے۔ شاید اسی وجہ سے دکانیں وغیرہ بھی بند کردی گئی [تھیں]۔

[...]آگے بڑھے تو لوگوں کی چہ میگوئیوں سے میرے اندازے کی [تصدی]ق ہوگئی۔ ہمارے فلیٹ والی گلی میں کچھ دیر قبل ایک گولی چلی [تھی ج]س کے بعد وہاں قیامت کا سماں بندھ گیا اور کافی دیر تک [...]دھند فائرنگ ہوتی رہی جس کی زد میں آکر وہاں سے گزرنے [والے] کئی افراد زخمی ہوئے تھے۔ تماشائیوں میں دو تین اموات کی [افواہیں] بھی اڑی ہوئی تھیں۔ لوگوں میں اس سوال پر شدید تشویش [پائی ج]اتی تھی کہ اس علاقے میں ایسے کون سے لوگ آگئے تھے جن [کی وج]ہ سے وہ گلی آئے دن کی قتل و غارت گری کی آماجگاہ بن گئی [تھی۔]

[...]میں لوگوں کے تبصرے سنتا اور بھیڑ میں اپنا راستہ بناتا ہوا [گلی] کی طرف بڑھتا رہا جدھر تمام متجسس نگاہیں مرکوز تھیں۔ [سلطا]ن شاہ کو میں نے وہیں رک کر اپنا انتظار کرنے کی ہدایت کی [تاکہ ا]گر کسی ہنگامی صورتِ حال میں ہمیں وہاں سے بھاگنا پڑے تو [ایک د]وسرے کی تلاش میں دقت نہ ہو۔

اس وقت گلی میں پولیس کی بھاری نفری موجود تھی اور انہوں نے ہر طرف سے گلی میں آمدورفت کا راستہ بند کیا ہوا تھا۔ گلی میں ایک خاص حد سے آگے بڑھنے والے' زیادہ متجسس لوگوں کو ایک سپاہی بید کی مدد سے دور رکھنے کی کوشش کررہا تھا۔ وہاں پتا چلا کہ اس واردات میں چار افراد زخمی ہوئے تھے جنہیں فائرنگ رکتے ہی پرائیویٹ گاڑیوں میں اسپتال منتقل کردیا گیا تھا۔ پولیس اس کے بعد جائے واردات پر پہنچی تھی۔

دو سپاہی آس پاس کی کچھ زمین اور سڑک پر سے' چلی ہوئی گولیوں کے ناکارہ خول جمع کررہے تھے۔ بقیہ ٹولیاں جائے واردات کا معائنہ کرنے اور دکانوں وغیرہ میں پھنسے ہوئے لوگوں سے معلومات حاصل کرنے میں مصروف تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ اس مقابلے میں دوسرا فریق جو بھی رہا ہو' ایک فریق امیر خان ضرور تھا اور وہ لوگ اتنے کچے نہیں تھے کہ فائرنگ روک دینے کے بعد خود بھی وہیں رک کر پولیس کی آمد کا انتظار کرتے۔

میرے لئے وہ معمّا ناقابل فہم تھا۔ ویرا' میر اکبر خان کے مکان کے روشن پردوں کے پیچھے ٹہل رہی تھی تو اس علاقے میں تصادم کا آغاز کس نے کیا تھا؟ زیادہ امکان یہی تھا کہ زخمی ہونے والوں میں دونوں فریقوں میں سے کسی کا کوئی آدمی شامل نہیں رہا ہوگا۔ پیشہ ور بدمعاشوں کے باہمی تصادم میں ایک یہی خرابی ہوتی ہے کہ وہ خود کم مرتے ہیں اور غیر متعلق لوگوں کو زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں۔

وہاں کی صورتِ حال ناسازگار تھی امیر خان اور اس کے مسلح آدمیوں کو اپنے ساتھ رازی روڈ لے جانے کا منصوبہ خاک میں مل چکا تھا۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں شہر کی پُرہجوم سڑکوں سے گزر کر بولٹن مارکیٹ تک جاتا اور وہاں سے کمک لے کر دوبارہ رازی روڈ کا رخ کرتا۔

واپسی سے پہلے' میں نے ٹولیوں میں گھرے ہوئے' دہشت زدہ چشم دید گواہوں کی کہانیاں سن کر یہ یقین ضرور کرلیا کہ وہاں آخری گولی چلے ہوئے دس منٹ سے زیادہ مدت گزر چکی تھی۔

اس علاقے میں افراتفری اور خوف و ہراس کی وجہ سے کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا۔ اس لئے میں سلطان شاہ کے ساتھ کار میں گلیوں سے گزرتا ہوا' بہادر آباد کے چوراہے کی طرف چل دیا۔

"اپنے آدمیوں میں سے کوئی نظر آیا؟" کار کے حرکت میں آتے ہی سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"ان میں سے کوئی بھی یہاں ہوتا تو پولیس کی تحویل میں نظر آتا' برخوردار!" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا "اتنی زیادہ فائرنگ کے بعد ہاتھوں اور لباس پر سے جلے ہوئے بارود کے ذرّات صاف کرنا آسان کام نہیں ہوتا اور پولیس والے اس مخصوص بُو کو دور ہی سے پہچان کر اپنے شکار پر کسی عقاب کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں۔ مجھے بس یہ ڈر ہے کہ ان کا کوئی آدمی زخمی ہو کر اسپتال نہ پہنچ گیا ہو

جہاں پولیس اس پر ہاتھ ڈال سکتی ہے۔"

"تو کیا تم اسپتال جارہے ہو؟" اس نے بے ساختہ لہجے میں پوچھا۔

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔" میں نے مُنہ بنا کر کہا۔ "زخمی ملزموں کی ضمانت اور عیادت کے لئے آنے والوں کو بھی ہماری پولیس ملزم بلکہ مجرم تصور کرتی ہے۔ میں ٹریڈ لائن فون کرنے کے ارادے سے نکلا ہوں۔"

ملنے پر مستی خان نے فون اٹھایا۔ کیونکہ پانچ بجے دفتری عملے کی چھٹی ہوجاتی تھی۔ ان لوگوں کو مقررہ وقت کے بعد کسی بھی حال میں دفتر کی عمارت میں رکنے کی اجازت نہیں تھی۔ پانچ بجے کے بعد ہر فون کال براہِ راست شیر شاہ کے نمبر پر منتقل ہوجاتی تھی۔ لیکن اس کی اور امیر خان کی غیر حاضری میں وہ کام مستی خان نے سنبھال لیا تھا کیونکہ وہی مافیا کا تیسرا سینئر رکن تھا۔

"کہیں سے کوئی خیر خبر؟" میں نے مبہم لہجے میں اس سے پوچھا۔

"کچھ نہیں..... لیکن اوپر سے کچھ آہٹیں سنائی دے رہی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی پارٹی واپس لوٹ آئی ہو۔" اس نے پوری فرض شناسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اصل صورتِ حال بیان کردی۔

"میں آنے والوں میں سے کسی سے بات کرنی چاہتا ہوں۔" میں نے کن انکھیوں سے اپنے قرب وجوار کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "وہ جو بھی ہو' اسے اتنا ضرور بتادینا کہ میں پبلک کال آفس سے بول رہا ہوں۔"

"میں ابھی ایک سیکنڈ میں واپس آتا ہوں" وہ شاید ریسیور رکھ کر اوپر دوڑ گیا۔

چند ثانیوں بعد مجھے ریسیور میں امیر خان کی ہانپتی ہوئی آواز سنائی دی "آج سب کچھ چوپٹ ہوتے ہوتے رہ گیا' باس! ہمیں بہت بڑی چوٹ دی گئی ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ ہم سب کسی ٹوٹ پھوٹ کے بغیر واپس لوٹ آنے میں کامیاب ہوگئے۔ میرا خیال ہے کہ وہ مرا نہیں تو بری طرح زخمی ضرور ہوگیا ہے۔"

"کس کی بات کررہے ہو؟" میں نے غراتے ہوئے پوچھا "مختصر الفاظ میں کھل کر بات کرو۔ میں ایک پی سی او سے بول رہا ہوں جہاں کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں۔"

"وہ شاید ایک ہی آدمی تھا۔ اس نے کسی کا نشانہ لئے بغیر ایک ستون کی آڑ سے فائر کیا تھا اور میرے تمام آدمیوں نے بیک وقت گولیاں چلانی شروع کردیں" وہ شاید اوپر سے بھاگتا ہوا فون تک آیا تھا کیونکہ اس کا سانس چڑھا ہوا تھا "کافی دیر تک ہمیں اندازہ ہی نہیں ہوسکا کہ ہم سب ایک دوسرے کی فائرنگ سے بدک کر گولیاں چلارہے تھے اور ہمارے سامنے کوئی حریف نہیں تھا۔ پہلی گولی چلانے والا اگلے ہی لمحے میں چیخ مار کر سڑک پر آگرا تھا۔ کافی راؤنڈ ضائع کرنے کے بعد مجھے ہوش آیا کہ ہم لوگ بلاوجہ اپنا



میگزین برباد کررہے تھے۔ اگر ہمیں فرار کا فیصلہ کرنے میں ذرا بھی تاخیر ہوجاتی تو آج ہم اسی گلی میں پھنس کر رہ جاتے کیونکہ علاقے کے لوگوں نے ہمت کرکے میزیں' کرسیاں' ڈرم اور بوتلوں کے خالی کریٹ پھینک کر فرار کے سارے راستے مسدود کرنے شروع کردیئے تھے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم سب کو آرام کی ضرورت ہے" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا "اپنا کام میں خود ہی دیکھ لوں گا" میں نے غصہ سے فون بند کیا اور کال کے پیسے ادا کرکے باہر آگیا۔

"حرامزادے!" کار چلاتے ہوئے میں غصے میں غیر ارادی طور پر بڑبڑایا تو سلطان شاہ چونک پڑا۔

"کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟" اس نے بہت سنبھل کر پوچھا تھا۔

میں نے اسے امیر خان والی جماعت کی احمقانہ حرکت سے آگاہ کرتے ہوئے کہا "ان الّو کے پٹھوں نے سارا کام بگاڑ دیا۔ ویرا ہمیں چوٹ دینے میں کامیاب ہوگئی۔"

"امیر خان اور اس کے آدمیوں کی حماقت سے قطعِ نظر' اس واقعہ میں ویرا کی کامیابی کا کون سا پہلو ہے۔"

"میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں اور وہ میری رگ رگ سے واقف ہے۔ اس نے فون کرکے چیک کرلیا ہوگا کہ فلیٹ ویران پڑا ہوا ہے اور وہ سمجھ گئی ہوگی کہ میں نے مردہ بلّی اور چھلے ہوئے ٹائر دیکھنے کے بعد وہاں سے نکل کر اُس کے لئے جال پھیلانے کی کوشش کی ہوگی۔ اس جال کا سراغ لگانے کے لئے اس نے کسی لفنگے کو تھوڑی سی رقم کا لالچ دے کر اُس علاقے میں ہوائی فائر کرنے پر مامور کیا ہوگا اور امیر خان کے آدمی اسے حملے کا آغاز سمجھ کر اندھا دھند گولیاں چلانے لگے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کی کھوپڑیوں پر برف جمی ہوئی تھی۔"

"تمہارے خیال میں انہیں اگلے فائر کا انتظار کرنا چاہئے تھا؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"یہ سب ناقص منصوبہ بندی کا فتور ہے' سلطان صاحب!" میں نے تاؤ میں آکر کہا "پہلے فائر کے جواب میں صرف ایک فائر ہونا چاہئے تھا۔ ان میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ پہلا فائر کون کرے گا اور دوسروں کو کس مرحلے پر اس کا ساتھ دینا ہوگا اس لئے سب ہی بیک وقت شروع ہوگئے۔"

"وہ کوئی نشہ باز بھی ہوسکتا ہے جس نے بہک کر ایک گولی چلادی ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم ویرا کو بعض اوقات غیر ضروری کریڈٹ دینے لگتے ہو۔ وہ خود تو امیر خان کے بنگلے میں گھسی ہوئی ہے۔ اس نے فائر کرنے والے کو رقم کیسے پہنچائی ہوگی؟ یہ لوگ پیشگی رقم لئے بغیر تو فرمائشی انگڑائی بھی نہیں لیتے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ ویرا کوئی نیک پروین نہیں بلکہ چھٹی ہوئی غنڈی ہے" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "وہ فون پر بھی کسی کو دو چار ہزار کی رقم دلاسکتی ہے۔ اس دن وہ برقع پہن کر کسی جیپ میں

...ت کرنے نہیں گئی تھی۔ اس کے باہر بھی رابطے ہیں جنہیں وہ ...ت حرکت میں لاسکتی ہے۔"

"تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہوگے لیکن اب اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو۔ ...نہ ہو کہ جھلاہٹ میں رازی روڈ والے پلان میں کوئی گڑبڑ کر... اگر تمہارا قیاس درست ہے تو اب تک ویرا کو اپنے ذرائع ...یہ اطلاع مل چکی ہوگی کہ اس کا شبہ درست تھا اور تم نے اس ...لئے چوہے دان تیار کیا ہوا تھا۔"

میں نے بحث سے بچنے کے لئے سگریٹ سلگالی تاکہ اپنے ذہن ...نے والے حالات پر مرکوز کرسکوں۔

شیر شاہ نے مجھے شارع فیصل کی سروس لین میں آنے تک ...کی ہدایت کی تھی اس لئے میں طارق روڈ کے عقبی حصے سے ...ی روڈ پر جانے کے بجائے نرسری پر نکلا اور وہیں سے گاڑی ...س روڈ پر ڈال دی۔

اس راستے پر رازی روڈ کے کراسنگ سے ذرا پہلے شیر شاہ کی ...ی دیکھ کر مجھے ذہنی جھٹکا لگا۔ میری کار کی رفتار سست تھی اس ...ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے' شیر شاہ نے مجھے پہچان کر گاڑی ...نکال لے جانے کا اشارہ کیا اور اسی کے ساتھ اُس کی کار بھی ...ت میں آگئی۔

رازی روڈ کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے لمحہ بھر میں ...س کی موبائل وین کی چھت پر گردش کرنے والی نیلی روشنی دیکھ ...س کے انعکاس میں رازی روڈ کے اندرونی حصے میں خاصے لوگ ...رہے تھے۔

پٹرول پمپ سے آگے جاکر میں نے گاڑی روکی تو شیر شاہ اپنی ...ی میرے برابر میں لایا اور بولا "یہاں رکنا مخدوش ہے' سیدھے ...ازی کی طرف نکل چلو۔ وہیں رک کر بات کروں گا۔"

امیر خان کی ناکامی کے بعد شیر شاہ کے پُرتشویش لب ولہجے نے ...خلجان میں مبتلا کردیا۔ اس وقت غزالہ کی سلامتی کے لئے ایک ...لمحہ بیش قیمت تھا لیکن وہ لوگ وقت کی لگامیں ڈھیلی کئے دے ...ہے تھے۔

"ٹھہرو" میں نے غرا کر شیر شاہ کو حکم دیا پھر سلطان شاہ سے ...ب ہوگیا "تم اس کی گاڑی لے کر میرے پیچھے آؤ اور اسے اپنی ...بھیج دو۔ میں زیادہ دیر انتظار نہیں کرسکتا۔"

میری ہدایات پر بہت پھرتی کے ساتھ عمل کیا گیا۔ لمحہ بھر بعد ...شاہ خوف زدہ انداز میں میرے برابر والی نشست پر براجمان تھا ...سلطان شاہ اس کی گاڑی کا اسٹیئرنگ وہیل سنبھال چکا تھا۔

"منہ لٹکا کر بیٹھنے کے بجائے بلا تمہید اصل بات پر آجاؤ" میں ...کار آگے بڑھاتے ہوئے تند لہجے میں کہا۔

"اس مکان کے سامنے کسی نے تاجے کی کھوپڑی میں پگھلا ہوا ...اتار دیا" شیر شاہ نے مجھے مضمحل آواز میں آگاہ کیا "اس کی ...پولیس کے قبضے میں ہے۔"

"اس نے تمہیں کیوں زندہ چھوڑ دیا؟" میں نے اسٹیئرنگ وہیل پر مکا مار کر غصے سے پوچھا "معلوم ہوتا ہے کہ آج کی رات تم سب نے ناکام ہونے کا عہد کیا ہوا ہے.... وہ کون تھا اور کیسے بچ نکلا؟"

"میں بالکل بے قصور ہوں باس!" وہ تقریباً رُندھی ہوئی آواز میں بولا "میں نرسری سے تمہیں فون کرکے واپس آیا تو تاجا سڑک پر تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہوچکا تھا۔ اس کے گرد قرب وجوار کے مکین اور ان کے ملازمین موجود تھے لیکن وہ سب بھی اس کے لئے کچھ نہیں کرسکے کیونکہ گولی داہنی کنپٹی سے اندر داخل ہوکر اس کے چہرے کا بایاں حصہ اور کھوپڑی اُڑاتی ہوئی پار نکل گئی تھی۔ پولیس کے آنے سے پہلے ہی میں وہاں سے کھسک لیا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اس پر کسی چلتی ہوئی کار سے بہت قریب سے فائر کیا گیا تھا۔"

"بکواس" میں نے بے اعتباری سے کہا "سڑک پر چلتے ہوئے آدمی کی کھوپڑی کار کی کھڑکی سے بہت بلند ہوتی ہے۔ ایسے فائر کے نتیجے میں گولی کنپٹی سے گھس کر سر کے اوپری حصے سے نکلنی چاہئے تھی' دوسری طرف سے نہیں۔ تمہاری بتائی ہوئی صورت اسی وقت پیش آسکتی ہے جب فائر کسی اونچی کار کی کھڑکی سے یا کہیں اور سے کیا گیا ہو' اتنی بنیادی بات تو تمہیں لاش دیکھتے ہی سمجھ لینی چاہئے تھی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن لوگوں کی اس رائے کا سبب یہ تھا کہ گولی بہت قوت سے آرپار گزری تھی۔ اگر وہ دور کا فائر ہوتا تو گولی کی رفتار کم ہوچکی ہوتی اور وہ اندر ہی رہ جاتی۔ گولی کے دوسری جانب سے نکل جانے کی وجہ سے قریب سے فائر کی بات کی گئی تھی پھر وہاں کوئی موجود بھی نہیں تھا اس لئے چلتی ہوئی کار سے فائر کی کہانی بن گئی۔ میں نے تمہاری طرح اس کی جزئیات پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی۔"

"اور لاش میر اکبر خان کے مکان کے سامنے ہی پڑی ہوئی تھی؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔

"ہاں' مکان کے بالکل مقابل' سڑک کی دوسری جانب پڑی ہوئی تھی۔"

"لاش کا اس مکان سے فاصلہ کتنا رہا ہوگا؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"احاطہ کی دیوار سے سو فٹ اور اصل عمارت سے کم از کم دو سو فٹ ضرور رہا ہوگا۔"

"اسی وجہ سے تم نے اس مکان سے فائر کو خارج ازامکان سمجھ لیا۔"

"شاید یہ بھی ایک وجہ تھی" اس نے اعتراف کیا "اتنی دور سے رائفل کی گولی ہی کاری زخم لگاسکتی ہے لیکن وہ رائفل کے فائر کا زخم نہیں تھا۔ رائفل اس کا پورا چہرہ مسخ کردیتی۔ عجیب بات یہ ہے کہ فائر کی آواز کسی نے نہیں سنی۔ سب لوگ اُس کی چیخ سن کر

ہی وہاں پہنچے تھے۔"

"ہلاکت کا سبب بننے والی گولی ملے گی تو پولیس اسی مکان کی طرف توجہ دینے کی ضرورت محسوس کرے گی۔ مجھے یقین ہے کہ تاجا خود کو ان لوگوں کی نظروں سے چھپائے رکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اُس پر لمبی نال اور زیادہ رینج والے کسی بے آواز پستول سے فائر کرکے موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے۔ تم یہ نہ بھولو کہ ہمارا مدِمقابل کوئی معمولی حریف نہیں بلکہ ویرا ہے جو جدید ترین ہتھیاروں کے استعمال پر پوری پوری مہارت اور دسترس رکھتی ہے۔ اس کے سامنے غفلت دکھانے کی سزا صرف اور صرف موت ہوتی ہے۔"

"میں تم سے پوری طرح متفق ہوں" وہ تھکی ہوئی آواز میں بولا "پولیس کے آجانے کے بعد وہ جگہ ہمارے لئے مخدوش ہوچکی ہے ورنہ تم تاجے کی لاش دیکھ کر زیادہ بہتر رائے قائم کرسکتے تھے۔"

"یہ قلیل سی مدت میں ہماری دوسری بدترین ناکامی ہے" میں نے تلخ لہجے میں کہا "تم نے نہ صرف تاجے کو کھودیا بلکہ ویرا کو بھی ہوشیار کردیا۔ اگر تم لوگوں کی یہی کارکردگی رہی تو ہمیں ویرا کو بھول جانا ہوگا۔ ہم اس پر اوچھے وار کرتے رہے تو وہ تم سب کی دُموں میں نمدہ باندھ کر، تمہیں اپنی ڈگڈگی پر نچانا شروع کردے گی۔ ایک چالاک عورت کے مقابلے میں اپنی یہ تحقیر میری برداشت سے باہر ہوگی۔"

"تو کیا ہم نے کہیں اور بھی چوٹ کھائی ہے؟" اس نے میرے خاموش ہونے پر سوال کیا۔

"امیر خان نے بھی آج مُنہ کالا کرایا ہے" میں نے بدمزگی سے کہا "ویرا نے ایک معمولی سی چال چل کر اسے اور اس کے آدمیوں کو الو کو پٹھا بنادیا۔ اس میں منصوبہ بندی کی ذرا سی بھی اہلیت نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ آج کی رات ہمارے ستارے گردش میں ہیں ورنہ وہ اتنا بے وقوف نہیں ہے۔"

میں نے جلے کٹے لہجے میں اسے شرف آباد کے واقعات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا "میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم لوگوں پر انحصار کرکے میں اپنا سر پیٹتا رہ جاؤں گا اس لئے اب خود ہی ویرا کو دیکھوں گا۔"

"ایک لغزش کی اتنی بڑی سزا نہ دو، باس!" وہ دکھی آواز میں منمنایا "ہم لوگوں کے سامنے بڑے بڑے سورماؤں کا پتا پانی ہوتا ہے۔ سینڈو کا زخم تازہ تھا کہ آج تاجا ہمارا ساتھ چھوڑ گیا۔ اس کی روح کی سرخروئی اسی طرح ہوسکتی ہے کہ ہم اس کی قاتلہ کی گردن میں رسّی کا پھندا ڈال دیں۔ تم ہمیں چند روز کی مہلت اور آزادی دے دو پھر دیکھنا کہ ہم ویرا کو کس حال میں تمہارے روبرو پیش کرتے ہیں۔"

"نہیں، شیر شاہ!" میں نے سختی سے کہا "تمہاری انا کی تسکین کی خاطر میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ ویرا ہماری ایک نمبر دشمن ہے۔ اب اس کا سر کچلا جانا چاہئے۔ جب تک تمہاری مہلت پوری ہوگی، وہ ہمیں دو چار نئے چرکے لگاکر، ہماری گرفت سے بہت دور جاچکی ہوگی۔"

شیر شاہ کو چپ لگ گئی۔ اس نے اپنی التجا پر اصرار ترک کردیا اور میں خاموشی کے ساتھ ٹریڈ لائن کی طرف کار چلاتا رہا۔ سلطان شاہ اس کی کار میں میرے پیچھے آرہا تھا۔

ٹریڈ لائن کے دفتر کے قریب پہنچ کر کار پارک کرنے کے بجائے میں نے فٹ پاتھ کے کنارے روکی تو شیر شاہ انجن بند ہونے کے انتظار میں اپنی سیٹ پر ہی بیٹھا رہا۔

"تم اترو اور دفتر میں جاؤ" میں نے انجن بند کئے بغیر اسے ہدایت کی "سلطان شاہ پہنچ جائے تو اس سے اپنی گاڑی کی چابی لے لینا؟"

"کک.... کیا تم کسی مشن پر جارہے ہو؟" اس نے ہچکچاتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے کچھ نہ کچھ سوچنا ہوگا، شیر شاہ!" میں نے زور دے کر کہا "دشمن چاق وچوبند اور زندہ وسلامت ہو تو عقل مند لوگ کبھی گہری نیند نہیں سوتے، دشمن کو سُلانے کے بعد ہی سونے میں لطف آتا ہے۔"

"تمہارے منصوبے میں میری کوئی گنجائش نکل سکے تو میں تمہیں پورا یقین دلاتا ہوں کہ اس بار تمہیں مجھ سے مایوسی نہیں ہوگی" وہ میرے سرد مہرانہ رویّے سے بہت زیادہ دل گیر نظر آ رہا تھا۔

میں نے ایک بار غور سے اس کی طرف دیکھا اور ایک گہ[ری] سانس لے کر کہا "تمہیں اپنے ساتھیوں کی بھی بہت فکر رہ[تی] ہے۔ تمہیں تاجے کی لاش کے حصول کے لئے بھی بھاگ دوڑ کر[نی] ہوگی...."

"نہیں، باس!" وہ تڑپ کر بولا "سینڈو کی بات اور تھی۔ وہ [ہم] سب کا استاد اور باپ تھا۔ اس کی موت پُراسرار حالات میں ہ[وئی] تھی۔ تاجے بے چارے نے تو اپنی ہی کسی غلطی کی بھاری قیمت ا[دا] کی ہے۔ اس کی بیوی اسی شہر میں رہتی ہے۔ میرا کوئی بھی آدمی [مردہ] خانے سے لاش وصول کرنے میں اس کی مدد کردے گا۔ تم چا[ہو تو] ویرا کی بیخ کنی تک میں دن رات تمہارے پیچھے دم ہلاتا رہوں گا۔"

وہ واقعی ایک ذمے دار اور فرض شناس کارکن تھا ا[ور] احساسِ ندامت سے زمین میں گڑا جارہا تھا۔ مجھے ویسے بھی افرا[دی] قوت کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔ اس لئے میں نے اپنے رویّے میں لچک پیدا کرنے کا فیصلہ کرلیا اور کہا "ٹھیک ہے۔ تم [تیار] رہنا۔ ضرورت پیش آئی تو میں تمہیں طلب کرلوں گا۔ لیکن یہ [یاد] رکھنا کہ اس بار امیر خان یا تاجے جیسی غلطیوں کے ارتکاب [کو] برداشت نہیں کیا جائے گا۔"



"تم گریٹ ہو، باس" وہ یک بیک کِھل اٹھا "میں تم کو کسی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ مجھ سے ذرا سی بھی لغزش ہوجائے تو تم اپنے ہاتھوں سے میری کھال میں بھس بھردینا۔ میں اف بھی کرجاؤں تو میرے مُنہ پر پیشاب کردینا۔ میں نے اپنا مقام بہت محنت سے بنایا ہے جسے کھوکر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"اب جاؤ، سلطان شاہ آگیا ہے" میں نے عقب نما آئینہ میں دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجہ میں کہا "تمہیں مختصر نوٹس پر تیار رہنا ہوگا۔ کوئی خاکہ بنتے ہی میں تمہیں فون کروں گا۔"

وہ باربار میرا شکریہ ادا کرتا ہوا کار سے اتر گیا اور میں نے کھڑکی سے ہاتھ ہلاکر سلطان شاہ کو اپنی طرف بلالیا۔ کیونکہ میں فوری طور پر ہوٹل واپس جاکر مزید کچھ تیاری کرنا چاہتا تھا۔

سلطان شاہ کے سوار ہوتے ہی میں تیز رفتاری کے ساتھ ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا۔

تاجے کی موت سلطان شاہ کے لئے حیرت اور صدمہ کا باعث ثابت ہوئی۔ اس کی رائے تھی کہ اس بار ویرا اپنے معمول سے کچھ زیادہ ہی مستعد اور پھرتیلی نظر آرہی تھی۔

"اس نے تمہاری دونوں چالیں ناکام بنادیں" وہ متاسفانہ لہجے میں بولا "اب جب بات کھل ہی گئی ہے تو تم اس سے میر اکبر خان کے فون پر بات کیوں نہیں کرلیتے۔"

"ہرگز نہیں" میں نے اس کی تجویز سختی کے ساتھ رد کردی۔ "ان کامیابیوں نے اس کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچادیا ہوگا اور وہ دل سے چاہ رہی ہوگی کہ میں فون پر اس سے رابطہ کروں تاکہ وہ مجھے میری بے بسی کا احساس دلاسکے۔ اب تو اس پر اچانک ہی ہاتھ ڈالنا ہوگا۔"

"تو کیا تمہارے ذہن میں کوئی منصوبہ بن چکا ہے؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"ہمارے لئے وقت کی سب سے زیادہ اہمیت ہے" میں نے اپنی نشست میں بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا "ایک بار غزالہ کے بدن پر نشتر چل گئے تو سب کچھ بیکار ثابت ہوگا۔"

"لیکن تم کس راہ پر سوچ رہے ہو؟" وہ بھی خاصا مضطرب تھا۔

"آج اس نے دو مرتبہ کامیابی حاصل کی ہے اس لئے وہ سوچ بھی نہیں سکے گی کہ میں تیسری مرتبہ ادھر کا رخ کروں گا۔ میں آج رات ہی کارروائی کرکے اسے متحیر کردینا چاہتا ہوں۔"

"اس بار پھر مافیا کے آدمیوں سے کام لوگے؟ مجھے تو آج ان کے ستارے ہی گردش میں نظر آتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ پھر زخم کھاکر بھاگ نکلنے پر مجبور ہوجائیں۔"

"اس مکان میں گھسنے کے لئے ہم دونوں کو کسی نہ کسی کو ساتھ لینا پڑے گا" میں نے پُرخیال انداز میں کہا "ایسا نہ ہو کہ ہم اندر گھسنے کے بعد پیچھے سے گھیر لئے جائیں۔ کسی نہ کسی کو باہر رہ کر پیچھے کا دھیان بھی رکھنا پڑے گا۔ اصل کارروائی ہم خود کریں گے لیکن احتیاطاً شیر شاہ کو بھی شامل کرلیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔"

"اسے تمہاری اور ویرا کی باتیں سننے کا موقع مل گیا تو مافیا والوں کو پتا چل جائے گا کہ پہلے وہ تم سے ملی ہوئی تھی اور اب تم دونوں ذاتی اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے ہو۔"

"تم بھول رہے ہو کہ ہم ویرا سے مذاکرات کرنے نہیں بلکہ مقابلہ کرنے جارہے ہیں۔ مذاکرات اور نوک جھونک کا زمانہ اب خواب وخیال ہوچکا ہے۔ اس نے غزالہ پر دوسری مرتبہ ہاتھ ڈال کر کمینگی کا ثبوت دیا ہے۔ اب میرے دل میں اس کے لئے کوئی گنجائش پیدا نہیں ہوسکتی۔"

"لیکن اس کے دل کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں اپنے روبرو دیکھ کر اس کے دل میں دبی ہوئی چنگاریاں ایک بار پھر بھڑک اٹھیں۔ غزالہ کے دوبارہ اغوا سے یہ بات تو ثابت ہوجاتی ہے کہ ویرا اس کے مقابلے میں حسد اور رقابت کے جذبات میں مبتلا ہوچکی ہے۔"

میری دانست میں وہ بحث برائے بحث تھی جس کا کوئی اختتام نہیں ہوسکتا تھا اس لئے میں نے بالکل ہی چپ سادھ لی اور میر اکبر خان کے مکان میں داخلے کے امکانات پر غور کرنے لگا۔ شیر شاہ کی فراہم کی ہوئی معلومات کے مطابق یہ بات حوصلہ افزا تھی کہ وہاں صرف ایک ملازم رہتا تھا۔ اس اعتبار سے اس چھت کے نیچے حریف کی سہ نفری جماعت کے مقابلے میں ہم بھی تین ہی ہوتے اور ہمیں پہل کا فائدہ ہوتا جس کے نتیجے میں ہم ان پر غالب آنے کی قوی امید کرسکتے تھے۔

اپنے ہوٹل میں پہنچ کر میں نے سب سے پہلے نہادھوکر تکان سے نجات حاصل کی پھر ایک بیرے کو طلب کرکے اس سے معنی خیز لہجے میں وہاں دستیاب تفریحی سہولتوں کے بارے میں دریافت کیا تو یہ خوشگوار انکشاف ہوا کہ اس چھوٹے سے ہوٹل میں مناسب اخراجات پر تفریح کے سارے لوازم فراہم ہوسکتے تھے۔ میں نے اپنے منتشر خیالات کو یکجا کرنے کے لئے ڈیلکس اسکاچ کی ایک بوتل منگوانے پر اکتفا کیا۔ ویٹر تھوڑی ہی دیر میں برف کے ڈلوں سے بھرے ہوئے آئس پاٹ اور سوڈے کے ساتھ ہی، اخباری کاغذ میں لپٹی ہوئی بلیک ڈاگ کی بوتل بھی لے آیا اور ٹپ میں بیس روپے وصول کرکے خوشی خوشی رخصت ہوگیا۔

سلطان شاہ غسل خانے میں گھسا ہوا تھا، میں کسی اہتمام کے بغیر اپنے شغل میں مصروف ہوگیا۔

پہلی بار ہم ہوٹل سے نکلے تھے تو ہم نے بھرے ہوئے پستول اپنے ساتھ لے جانے پر اکتفا کیا تھا۔ لیکن نئے منصوبے میں زیادہ شور شرابے کی گنجائش نہیں تھی۔ رات کے سناٹے میں ویسے بھی پستول کی آواز دور تک گونج کر، دوسروں کو جائے واردات کی طرف

متوجہ کرسکتی تھی۔ اس لئے میں بیم گن ساتھ لے جانے کی ضرورت محسوس کررہا تھا جس کی مدد سے حریف کو خاموشی کے ساتھ ختم کیا جاسکتا تھا۔

دس بجے تک میں ذہنی طور پر خاصا پُرسکون ہوچکا تھا۔ اس لئے ہم نے کمرے ہی میں کھانا طلب کیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ہوٹل ہی کے فون پر ٹریڈ لائن فون کیا۔ وہاں شیر شاہ شاید فون کے قریب ہی میری کال کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس لئے پہلی گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے ہی ریسیور اٹھالیا گیا۔

"ٹھیک بارہ بجے نرسری کے بس اسٹاپ پر آجاؤ" میں نے کسی تمہید کے بغیر اسے ہدایت دی۔

"کوئی تیاری وغیرہ؟" اس نے مبہم لہجے میں سوال کیا اور میں چڑ گیا۔

"اگر تم پنگ پانگ کھیلنے آرہے ہو تو ریکٹ وغیرہ لیتے آنا" میں نے غراتے ہوئے کہا "کان کھول کر یہ بھی سن لو کہ تم کار سے نہیں بلکہ کسی رکشا یا ٹیکسی سے آؤ گے۔"

"م.... میں بالکل سمجھ گیا" فون پر اس کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری۔

میں نے اس سے مزید کوئی بات کئے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

ہم نے اپنی تیاریاں مکمل کرکے پونے بارہ بجے ہوٹل چھوڑ دیا۔ ہر لحاظ سے وہ مناسب وقت تھا لیکن صدر کی سڑکوں پر اتنی رونق تھی جیسے ہم قبل ازوقت ہی اپنے مسکن سے نکل آئے ہوں۔ وہ کراچی کا ایسا غریب پرور علاقہ تھا جو شہر میں وقتاً فوقتاً بھڑک اٹھنے والی نفرت کی آگ سے اکثروبیشتر محفوظ ہی رہا کرتا تھا۔ شہر کے مختلف علاقوں میں محنت مزدوری کرکے اپنی روزی کمانے والے مزدوروں اور کلرکوں وغیرہ کے لئے' رات کے ان اوقات میں ایمپریس مارکیٹ کا علاقہ جنکشن کا کام کرتا تھا جہاں وہ اپنے گھروں کے لئے بس یا منی بس بدلنے سے قبل کسی سستے ہوٹل میں سستا کھانا کھاکر چائے کی ایک پیالی پینے کے لئے ضرور رکتے تھے۔

اس علاقے میں رائج ون وے سسٹم کی عنایت سے اس علاقے کا چکر کاٹ کر ہم فلیٹ کلب سے آگے بڑھے تو رات کا اصل روپ نمایاں ہونے لگا۔ ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔ دن بھر پُرہجوم رہنے والی سڑکوں پر برائے نام ٹریفک رواں تھا اور آبادیوں کے کناروں پر آوارہ کتے جمع ہوکر اجتماعی طور پر اپنی رات بھر کی حکمتِ عملیوں پر بلند آوازوں میں غوروخوض کررہے تھے۔

صدر سے نرسری تک کا فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا اس لئے سلطان شاہ نہایت اطمینان سے کار چلا رہا تھا۔ جس کے نتیجے میں ہم ٹھیک بارہ بجے نرسری کے بس اسٹاپ پر پہنچ گئے جہاں شیر شاہ خان ایک تاریک گوشے میں کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔

ہماری رینگتی ہوئی کار کو پہچان کر اُس نے فوراً ہی سلگتی ہوئی سگریٹ ایک طرف اچھال دی اور کار رکنے سے لمحہ بھر پہلے ہی عقبی دروازہ کھول کر عقبی نشست پر سوار ہوگیا۔ سلطان شاہ نے پچھلا دروازہ بند ہونے کی آواز سننے سے پہلے ہی کار کی رفتار بڑھادی۔

"تم سب ہی احمق اور عقل سے پیدل ہو یا میرے ساتھ اداکاری کرنے کی کوشش کرتے ہو؟" میں نے مڑ کر شیر شاہ سے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"کیوں' باس؟" اس کی آواز سے حیرت جھلک رہی تھی "کیا مجھ سے پھر کوئی غلطی ہوگئی؟"

"تیاری کے بارے میں کوئی سوال پوچھے بغیر تم کو سمجھ لینا چاہئے تھا کہ ایسی مہمات میں کن چیزوں کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اس قسم کے غیر ضروری سوالات سے مجھے سخت کوفت ہوتی ہے۔"

"میرا مطلب تھا کہ پستول' بے ہوشی کی دوا اور قفل شکنی کے آلات کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت ہوتی تو میں وہ بھی ساتھ لے آتا۔ بعض اوقات عین موقعے پر کسی چیز کی کمی پریشان کردیتی ہے۔"

"بے ہوشی کی کون سی دوا لائے ہو؟" اس کی معاملہ فہمی کا اندازہ ہوتے میرا لہجہ نرم پڑگیا۔

"خالص کلوروفارم اسپرے ہے۔ ناک پر پہلی پھوار پڑتے ہی شکار انٹاغفیل ہوجاتا ہے۔"

"وہ مجھے دے دو!" میں نے شیشی اس سے لے کر اپنی جیب میں ڈال لی۔

رازی روڈ پر سے گزرتے ہوئے شیر شاہ نے میر اکبر خان کے مکان کی نشان دہی کی تو وہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے مکان کے مقابل اس مقام کی طرف بھی اشارہ کیا جہاں تاجے کی لاش گری تھی۔

میں نے شیر شاہ سے اس مکان کی جزئیات سن کر اپنے ذہن میں جو نقشہ بنایا تھا' اصل مکان اس سے سرِمو بھی مختلف نہیں تھا۔ وہاں مکمل اندھیرے کا راج ہونا ہمارے حق میں بہتر تھا لیکن اس تاریکی کی وجہ سے مجھے یہ نیا خوف لاحق ہوگیا کہ کہیں مکان کے احاطے میں رکھوالی کرنے والے خوف ناک کتوں کا راج نہ ہو کیونکہ ہم میں سے کسی نے بھی کتّوں کو بے بس کرنے کی ضرورت کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔

اس وقت اس سڑک پر ایسا سکون اور سناٹا تھا کہ یہ کہنا دشوار تھا کہ چند گھنٹے قبل وہاں قتل کی کوئی واردات ہوئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں سب کچھ ٹھیک اور نارمل نظر آرہا تھا۔



"میں نے اس بات پر دھیان نہیں دیا تھا مگر میرا خیال ہے کہ اس مکان میں کتے نہیں ہیں" میرے سوال پر شیر شاہ نے خفت آمیز لہجے میں کہا "میں کئی بار اس مکان کے سامنے سے گزرا تھا لیکن مجھے ایک بار بھی پھاٹک کے پیچھے کسی حرکت کے آثار نظر نہیں آئے۔"

"کتے رات گئے' اسی وقت کھولے جاتے ہیں جب مکین سونے کی تیاریاں کرنے لگتے ہیں" سلطان شاہ نے پہلی مرتبہ میری اور اس کی گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا۔

"کراچی اب بہت بدل چکا ہے" اس نے قدرے جارحانہ لہجے میں کہا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے اندازے سے زیادہ تیز وطرار آدمی تھا۔ شاید وہ میرے سامنے دانستہ ہی بھیگی بلی بنا رہتا تھا۔

"یہ اس وقت کی باتیں ہیں جب چور اور ڈاکو رات ڈھلنے سے پہلے اپنے دھندے پر نہیں نکلتے تھے۔ اب تو یہاں ہتھیاروں کے زور پر دن دہاڑے ڈاکے ڈالے جاتے ہیں۔ لوگ اپنے حفاظتی انتظامات ہر وقت ہی تیار رکھتے ہیں" وہ کہہ رہا تھا "کسی تقریب یا متوقع مہمان کی آمد کے موقع پر کتوں وغیرہ کو بند کردیا جائے تو اور بات ہے ورنہ اب یہ دس برس پہلے والا کراچی نہیں رہا ہے۔"

"کیا تم ابتدا ہی سے کراچی کے باشندے ہو؟" وقت گزاری کے لئے میں نے پوچھا۔

"میری پیدائش ہی یہیں کی ہے۔ شیر شاہ کے علاقے میں پیدا ہوا تھا۔"

سلطان شاہ بے ساختہ ہنس پڑا "اچھا ہی ہوا کہ تم گیدڑ یا مچھر کالونی میں پیدا نہیں ہوئے ورنہ تمہارا وہی نام ہوتا۔"

"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا" اس نے اپنی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا "تین باتوں پر کسی کا کوئی اختیار نہیں ہوتا کہ کون' کب' کس جگہ پیدا ہوتا ہے اور اس کا کیا نام رکھا جاتا ہے۔ میں نے سرخ وسفید لوگوں کے نام کالے خان سنے ہیں اور ڈراؤنے چہرے والے تازہ گل کہلاتے ہیں۔"

"ان فضولیات پر بحث کرنے کے بجائے خاموش رہ کر اپنی صلاحیتیں مجتمع کرنے کی کوشش کرو" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ سلطان شاہ پر حاوی ہونے کی کوشش کررہا تھا جب کہ میں اسے اپنی موجودگی میں ذرا سی بھی ڈھیل دینے پر آمادہ نہیں تھا۔

ویران اور روشن سڑکوں کا ایک لمبا چکر لگانے کے بعد ہم جائزہ لینے کی نیت سے دوبارہ اس مکان کے سامنے سے گزرے اور اس بار میں نے فیصلہ کرلیا کہ ہمیں کیا کرنا تھا۔

تیسرے چکر میں سلطان شاہ نے میر اکبر خان کے مکان سے ملحق خالی پلاٹ کے قریب کار روک کر ہمیں اتارا اور پھر فوراً ہی کار ایک گنجان درخت کے نیچے پارک کرکے لاک کردی۔

اس خالی پلاٹ پر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر سے خاصا تعفن اٹھ رہا تھا۔ میرے لئے یہ سمجھنا دشوار تھا کہ اکبر اپنے پڑوس میں ایسی ناگوار بدبو کیونکر برداشت کرتا تھا۔ وہاں کوڑے کے ساتھ ہی بہت سا تعمیراتی ملبہ بھی بکھرا پڑا تھا جس نے جابجا ٹیلوں کی صورت اختیار کی ہوئی تھی۔ اکبر کے مکان کے احاطے کی دیوار کے ساتھ بعض جگہ یہ ٹیلے اتنے اونچے تھے کہ ان پر کھڑے ہوکر اکبر کے لان وغیرہ کا جائزہ لیا جاسکتا تھا۔

میں ایسے ٹیلوں پر سے اکبر کے مکان پر نظریں ڈالتا ہوا ایک تاریک تر عقبی حصے میں جاکر رک گیا جہاں اکبر کے مکان میں اگے ہوئے' برگد کے ایک تناور درخت کی گھنی شاخوں نے سایہ کیا ہوا تھا۔ سڑک سے گزرنے والا کوئی بھی شخص اس مقام پر ہماری موجودگی کا احساس نہیں کرسکتا تھا۔

سلطان شاہ' اس دوران میں ہم دونوں سے آملا تھا' چند ثانیوں تک ہم تینوں سانس روک کر اندر کی کوئی سن گن لینے کی کوشش کرتے رہے لیکن وہاں مکمل سناٹے کا راج تھا' کوئی آہٹ تھی اور نہ ہی کسی وحشی کتے کی تیز سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

پھر سلطان شاہ نے طے شدہ پروگرام کے مطابق' یکے بعد دیگرے تین ہلکے کنکر' اکبر کے مکان کے احاطے میں اچھالے۔ اس کا مقصد صرف اتنا کہ کتے کہیں دور بیٹھے ہوں تو کنکروں کی آواز سن کر غراتے ہوئے اس طرف آئیں اور ہم ان کی موجودگی کا اندازہ لگاسکیں۔

مجھے کتوں سے ڈر نہیں لگتا تھا۔ ان سے سامنا ہو ہی جاتا تو میں بڑی آسانی کے ساتھ دوچار کتوں کے جبڑے چیر سکتا تھا۔ لیکن ان کے دانتوں اور پھر کتّے کے کاٹ لینے کے بعد' پیٹ میں گھونپے جانے والے متعدد انجکشنوں کے تصور سے مجھے خوف آتا تھا اس لئے میں اندر کودنے سے پہلے' ہر طرح سے اپنا اطمینان کرنا چاہتا تھا۔

کئی منٹ گزر گئے لیکن اکبر کے مکان پر چھائے ہوئے پُرہول سناٹے کے تسلسل میں کوئی فرق نہیں آیا تو میں نے شیر شاہ کے پہلو میں ہاتھ مار کر اسے پیش قدمی کرنے کا اشارہ کیا۔ وہ کسی بندر کی سی پھرتی کے ساتھ احاطے کی دیوار پر چڑھا اور پلک جھپکتے میں اندر کود گیا۔

دھم کی ہلکی سی آواز کے بعد وہاں پھر اسی بے [illegible] سناٹے کا راج ہوگیا۔

اندر کتے ہوتے تو غراتے ہوئے شیر شاہ سے لپٹ جاتے' اندر

کچھ بھی نہیں ہوا اس لئے میں نہایت اطمینان کے ساتھ دیوار سے دوسری طرف کود گیا۔ میرے پیچھے سلطان شاہ بھی نرم زمین پر آرہا۔

"تم آگے جاکر کونے پر ٹھہرو تاکہ مکان کی دونوں سمتوں پر نظر رکھ سکو" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں شیر شاہ سے کہا "جب تک جان کا خطرہ نہ ہو' گولی چلانے سے گریز کرنا۔ سلطان شاہ تمہارے مخالف کونے پر رک کر مکان کے بقیہ دو پہلوؤں پر نظر رکھے گا اور میں اندر جاؤں گا۔ قفل شکنی کے اوزار مجھے دے دو۔"

شیر شاہ نے ایک چھوٹا سا چرمی پاؤچ میرے حوالے کیا جو آہنی اوزاروں کی وجہ سے خاصا وزنی تھا۔ پھر وہ تیزی کے ساتھ میری بتائی ہوئی پوزیشن کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

میں سلطان شاہ کے ساتھ مکان کے عقبی حصے کی طرف ہو لیا۔

اکبر کے مکان کی ساخت بہت مضبوط اور مستحکم نظر آرہی تھی۔ تمام کھڑکیوں پر اندر سے پردے پڑے ہوئے تھے اور باہر مضبوط آہنی گرل نصب تھی جسے کاٹے بغیر اندر تک رسائی ممکن نہیں تھی۔ مکان کے عقبی حصے میں پہلی منزل پر تعمیر کی کوئی علامت نظر نہیں آرہی تھی جس کی بنا پر میں نے اندازہ لگایا کہ اوپری منزل پر شاید سامنے کی سمت میں ہی کمرے بنانے پر اکتفا کرکے بقیہ چھت کو کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔

سلطان شاہ کو مکان کے عقبی نکڑ پر چھوڑ کر' میں بغلی دیوار کے ساتھ ساتھ مکان کے اگلے حصے کی طرف آگیا۔ میری تیز نظروں نے اندھیرے میں شیر شاہ کے مدھم ہیولے کو دیوار سے چپکا ہوا دیکھ لیا۔

وہ ذی حیثیت لوگوں کا علاقہ تھا مگر مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اکبر کے مکان میں کوئی کار نہیں تھی۔ بغلی گیراج کے ساتھ ہی پورچ بھی خالی پڑا ہوا تھا لیکن وہ وقت ان باتوں میں الجھنے کا نہیں تھا اس لئے میں مختصر سا برآمدہ عبور کرکے مکان کے داخلی دروازے پر پہنچ گیا۔

میرا تجربہ تھا کہ جہاں چھوٹے مکانات میں رہنے والے بڑے کنبوں کے افراد' گھر کے کمروں سے لے کر صحن اور چھت' حتیٰ کہ اسٹور تک کو ہر وقت آباد رکھتے ہیں وہاں بڑے مکانات کا اگلا حصہ عموماً ویران اور غیر آباد رہتا ہے کیونکہ ایسے گھروں میں سب سے آگے ڈرائنگ اور ڈائننگ روم ہوتے ہیں۔ جو صرف مہمانداری کے اوقات میں استعمال کئے جاتے ہیں ورنہ مکین عام طور پر اپنا وقت لابی' کچن یا خواب گاہوں میں گزارنے کے عادی ہوتے ہیں اور جدید طرز تعمیر میں مکان کے یہ حصے وسط سے شروع ہو کر عقبی حصے میں ختم ہوتے ہیں۔ اس لئے عام تصور کے برعکس بڑے مکانات میں نقب زنی کے لئے اگلا حصہ ہی سب سے محفوظ اور موثر ثابت ہوتا ہے۔

میری معلومات کے مطابق اکبر کا مکان بہت کم آباد تھا۔ وہاں کل چار نفوس ہوسکتے تھے جن میں غزالہ قیدی تھی اور ویرا مہمان۔ شیر شاہ کے مشاہدے کے مطابق ویرا کو اوپری منزل پر ہونا چاہئے تھا اس لئے نچلی منزل پر شی کے آئی مین' میرا اکبر خان کے علاوہ صرف اس کے ملازم کو موجود ہونا چاہئے تھا۔

اپنے اس ذہنی حساب کتاب کے تحت میں نے دروازے کے قریب' فرش پر بیٹھ کر چرمی پاؤچ میں سے ٹٹول کر تین مڑے تڑے اوزار نکالے اور پوری احتیاط کے ساتھ دروازے کے بند قفل پر طبع آزمائی شروع کردی۔

مجھے پہلی کوشش میں اندازہ ہوگیا کہ وہ کوئی مضبوط غیر ملکی تالا تھا جس کے لیوروں کو آسانی کے ساتھ حرکت میں لانا ممکن نہیں تھا۔ میں نے فوری طور پر اپنا پہلا اوزار بدل لیا۔

اس وقت صورتِ حال پر ہماری گرفت بہت مضبوط تھی' کہیں سے کسی مداخلت کا کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن میرے ذہن پر یہ احساس مسلط تھا کہ میں ایک بہت خطرناک اور غیر قانونی کام کررہا تھا اس لئے قفل کے میکانزم سے لڑتے ہوئے' چند ہی لمحوں میں میری ہتھیلیاں پسینوں میں بھیگ گئیں اور خم دار اوزار بار بار میری گرفت سے پھسلنے لگا جس کی وجہ سے ایک بار خفیف سا کھٹکا بھی ہوا اور میں اپنی جگہ پر دہل کر ساکت ہوگیا۔ کسی جوابی نقل و حرکت کے انتظار میں گزارے ہوئے وہ چند لمحے میرے لئے صدیوں طویل ثابت ہوئے۔ اطمینان ہوجانے کے بعد میں نے رومال سے ہاتھ صاف کرکے دوبارہ کام شروع کردیا اور دوبارہ ہتھیلیاں بھیگنے سے پہلے تالا کھولنے میں کامیاب ہوگیا۔

وہ مرحلہ سر کرنے کے بعد میں نے چند ثانیوں تک اپنا سانس درست کیا پھر ناب گھما کر پٹ پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ اندر کی طرف سرکنے پر آمادہ نظر آیا اور میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ دروازہ اندر سے بولٹ نہیں کیا گیا تھا ورنہ ہمیں کسی پائپ کے سہارے چھت پر پہنچ کر' کمروں کے ذریعے مکان میں اترنے کی راہ تلاش کرنی پڑتی۔ میں نے بہت احتیاط اور آہستگی کے ساتھ دروازہ بند کرکے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

کونے پر پہنچ کر میں نے فضا میں ہاتھ لہرایا تو عقبی حصے میں تاریکی میں دبکا ہوا سلطان شاہ جو میری ہدایت کے مطابق میرے اشارے کا منتظر تھا.... فوراً ہی اپنی کمین گاہ سے نکل کر میری طرف بڑھتا چلا آیا۔

اس کے آتے ہی ہم دونوں داخلی دروازے کی طرف گئے اور دروازہ کھول کر پنجوں کے بل ایک تاریک راہداری میں داخل ہوگئے۔ اپنے عقب میں دروازہ بند کرتے ہوئے مجھے اکبر کے ذوق کی داد دینی پڑی کہ برسوں قبل بنے ہوئے اس مکان کے دروازوں کے قبضوں کو باقاعدگی سے تیل وغیرہ دیا جاتا تھا جس کی وجہ سے وہ



بالکل بے آواز تھے۔ ورنہ عام طور سے لوگ قبضوں کے شور پر توجہ نہیں دیتے بلکہ مکان کے دور افتادہ حصوں میں بیٹھ کر انہی آوازوں کے ذریعے لوگوں کی آمد و رفت کا اندازہ لگانے کے عادی ہو جاتے ہیں۔

دروازہ بند ہونے کے بعد ہم اندھیرے کی گھور چادر میں گھر گئے۔ ہم دونوں کئی سیکنڈ تک وہیں کھڑے' ایک دوسرے کے چڑھے ہوئے سانسوں کی آوازیں سنتے رہے پھر میں نے اپنی جیب سے پنسل ٹارچ نکال لی۔ مجھے احساس ہوچکا تھا کہ بھرا ہوا پستول سلطان شاہ کے ہاتھ میں موجود تھا اور وہ کسی بھی ناگہانی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔

اندھیرے کی چادر میں روشنی کی پُراسرار لکیر ہمارے قدموں سے شروع ہو کر آہستہ آہستہ گردش کرنے لگی اور مجھے اندازہ ہوا کہ ہم ایک سجی ہوئی پُرتکلف لابی میں کھڑے ہوئے تھے جس کے فرش پر دبیز قالین پڑا ہوا تھا۔ داہنی طرف غالباً ڈرائنگ روم کا دروازہ تھا۔ اس سے ملحق کھانے کا کمرا اور پھر کچن تھا۔ آخری سرے سے ایک خوبصورت زینہ اوپری منزل کی طرف جارہا تھا اور بائیں طرف دو بند دروازے تھے جو شاید خوابگاہوں میں کھلتے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ میرا اکبر خان انہی میں سے کسی کمرے میں سو رہا تھا۔

"تم آگے بڑھ کر اوپر والے زینے پر نگاہ رکھو!" میں نے سلطان شاہ کے کان میں سرگوشی کی۔ "میں ان کمروں کو دیکھتا ہوں۔ زینے کے نیچے والے کمرے سے ہوشیار رہنا۔ وہ سرونٹ روم معلوم ہوتا ہے۔"

سلطان شاہ نے خاموشی سے سرہلا دیا اور بائیں طرف کے پہلے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میرے لئے وہ تصور ہی نہایت ہیجان انگیز تھا کہ میں اس وقت اپنی بدترین دشمن کی کمین گاہ میں گھسا ہوا تھا جہاں غزالہ بھی قید تھی اور میں کسی بھی لمحے اپنے دشمنوں سے دو دو ہاتھ کرسکتا تھا۔

پہلا دروازہ مقفل نہیں تھا۔ میں نے آہستگی سے اسے کھول کر اندر جھانکا لیکن وہاں رچی ہوئی خنکی میں کسی انسانی وجود کے سانسوں کی بو نہیں تھی۔ میں نے بے دھڑک اندر داخل ہو کر پنسل ٹارچ روشن کی تو ایک بے داغ اور خالی ڈبل بیڈ' دیگر لوازمات کے ساتھ میرے سامنے تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میرا پہلا شکار برابر والے کمرے میں تھا۔

اس آراستہ لیکن خالی خوابگاہ سے نکل کر میں نے اس سے متصل کمرے کا رخ کیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ نشان دہی ہوتی جارہی تھی کہ کون کہاں تھا اس لئے میرا اعصابی تناؤ بڑھتا جارہا تھا۔ دوسرے دروازے پر طبع آزمائی کرنے سے پہلے میں نے اپنے داہنے ہاتھ میں بیم گن سنبھال لی جو چشم زدن میں کسی بھی وجود کو اُس کی اصل سے محروم کرکے بھسم کرسکتی تھی۔

دوسرا دروازہ کھولتے ہی' میں اضطراری طور پر بھڑک کر پیچھے ہٹ گیا کیونکہ وہ خوابگاہ بالکل تاریک نہیں تھی بلکہ وہاں ڈبل بیڈ کے سرہانے ایک لیمپ میں زیرو واٹ کا سبز بلب روشن تھا اور بستر پر ایک دیوہیکل وجود' شب خوابی کے لباس میں سویا ہوا تھا۔ لمحہ بھر بعد میں سنبھالا لے کر اندر داخل ہوگیا۔

وہ یقینی طور پر میرا اکبر خان ہی ہوسکتا تھا۔ اس کے بھرے بھرے چہرے پر چڑھی ہوئی' گھنی مونچھیں موجود تھیں۔ اس کے قدو قامت کے لحاظ سے وہ کنگ سائز مسہری بھی اس کے لئے بس کافی ہی نظر آرہی تھی۔ اس سوئے ہوئے دشمن کو چھیڑنے سے پہلے' حفظِ ماتقدم کے طور پر میں نے اس کے قرب و جوار کی تلاشی لینے کا فیصلہ کرلیا۔

اس کی نیند میں خلل ڈالے بغیر میں بستر کے قریب پہنچا تو مجھے اس کے تکئے کے نیچے سے ایک پستول کا سیاہ دستہ جھانکتا ہوا نظر آگیا۔ اکبر کے سر کا سارا بوجھ تکئے کے اس حصے پر نہیں تھا پھر بھی میں نے پوری احتیاط سے کام لیتے ہوئے خود کو مسہری کے برابر میں' قالین پر گرا کر آہستہ آہستہ وہ پستول باہر کھینچ لیا۔

پستول کا میگزین بھرا ہوا تھا اور سیفٹی کیچ ہٹا کر اُس سے پے درپے سات فائر کئے جاسکتے تھے۔

میں پستول اپنی جیب میں اڑس ہی رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ ایک لفافے پر پڑی جو سائیڈ ٹیبل پر سگریٹ کے پیکٹ کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ میں نے کسی خاص ارادے کے بغیر وہ لفافہ اٹھالیا لیکن اسے پلٹتے ہی میں چونک پڑا کیونکہ اس پر ویرا کی مانوس تحریر میں ڈینی دی ڈیم فول لکھا ہوا تھا۔

اس سفید لفافے میں یقیناً کوئی پیغام بند تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ واقعی ویرا کا دن تھا اور وہ بار بار مجھے حیران کئے دے رہی تھی۔ آخر اسے کیسے یقین تھا کہ میں اکبر تک پہنچ سکوں گا اور پھر وہ خود کہاں تھی؟ غزالہ کہاں تھی؟ اس خط میں کیا پیغام تھا؟ اب وہ مجھ سے کیا چاہتی تھی؟

میرے ذہن میں یک بیک ہزاروں سوالات جنم لینے لگے اور میں میرا اکبر خان کو چھیڑے بغیر' تیزی کے ساتھ اس خوابگاہ سے باہر نکل آیا۔ اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ میں اس لفافے میں بند پیغام کے متن سے آگاہی حاصل کرتا تاکہ اکبر کو مجھے کوئی فریب دینے کا موقع نہیں ملتا۔

مجھے باہر نکلتا دیکھ کر سلطان شاہ چونکا لیکن میں اسے اشارہ کرتا ہوا تیزی کے ساتھ خالی خوابگاہ کی طرف بڑھتا چلا گیا جہاں میں اطمینان سے لفافے کا پوسٹ مارٹم کرسکتا تھا۔

لفافے پر میرا پتا نہیں تھا اس لئے یہ بات تو طے تھی کہ ویرا کا پیغام مجھے دستی طور پر ملنا تھا۔ وہ کتنا ہی کامیاب قیاس کیوں نہ کرتی' اس کے لئے یہ اندازہ لگانا ناممکن ہی تھا کہ میں سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر' سوئے ہوئے آئی مین کے سرہانے پہنچنے میں

کامیاب ہو جاؤں گا اور پھر وہ لفافہ کھول کر اُس کا پیغام پڑھ لوں گا۔ اس لفافے کو مجھ تک پہنچانے کی ذمے داری اس نے یقیناً میرا اکبر خان کے سپرد کی تھی اس لئے یہ ضروری تھا کہ میں لفافے کو احتیاط سے کھولتا تاکہ دوبارہ بند کئے جانے پر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اسے پہلے بھی کھولا جا چکا ہے۔

میں نے بہت احتیاط سے لفافے کے چپکے ہوئے حصے کو لب کی نمی کے سہارے کھولا اور پنسل ٹارچ کی روشنی میں عجلت میں لکھی گئی۔ اس قلمی تحریر کا مطالعہ کرنے لگا جس کی ابتدا لفافے پر لکھے ہوئے خطاب سے کی گئی تھی۔ خطاب کے فوراً بعد ہی شروع ہونے والے پیغام کا متن کچھ یوں تھا۔

"یہ بند لفافہ اکبر نے تمہیں دیا ہے اس کا مطلب ہے کہ تم میری توقعات کے عین مطابق اس تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہو۔ مجھے پہلے ہی شبہ ہوا تھا کہ تم اکبر کے وجود سے باخبر ہو اور آج یہ شبہ درست ثابت ہو گیا۔ تم بہت چالاک' مکار اور خود غرض ہو لیکن تم نے دیکھ لیا کہ میں بھی اپنی ہٹ پر اتر آؤں تو اپنے باپ کا نام اونچا رکھتی ہوں۔ کرائے پر حاصل کئے گئے دو ٹکے کے ایک لوفر نے تمہیں پہلا چکما دیا اور پھر میں نے تمہارے اس آدمی کو جہنم واصل کر دیا جو اکبر کے مکان کے گرد منڈلا رہا تھا۔ کاش میں نے کسی بے گناہ آوارہ گرد کو نہ مارا ہو اور وہ تمہارا ہی آدمی رہا ہو۔ میری آرزو تھی کہ میں کچھ دن اور یہاں رہ کر تمہیں ایسے ایسے کچوکے لگاتی کہ تم اپنا سر پیٹنے پر مجبور ہو جاتے لیکن ایک اہم کام سے فوری طور پر تمہارا ملک چھوڑنا پڑ رہا ہے۔ غزالہ میرے ساتھ ہے اور اپنی مرضی سے تعاون کر رہی ہے کیونکہ اسے یہ معلوم ہے کہ تم بھی میرے آدمیوں کی قید میں ہو۔ اس نے فرار ہونے یا کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میں تمہیں اذیت دے کر مروا دوں گی۔ میرے وعدے کے مطابق وہ تمہارے پاس ضرور آئے گی لیکن اس میں ذرا سی تاخیر ہو جائے گی۔ مجنوں نے زندگی بھر لیلیٰ کا انتظار کیا لیکن وہ اسے پھر بھی نہیں مل سکی تھی۔ تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں کٹی پھٹی محبوبہ تو مل ہی جائے گی۔ میرے بارے میں زبان کھلوانے کے لئے اکبر کو بالکل نہ چھیڑنا۔ یہ شی کا عظیم آئی مین ہے۔ جس نے برے دنوں میں بھی شی کو مایوس نہیں کیا۔ تم نے اس کے ساتھ کوئی بدتمیزی کی تو میں اس کی سزا غزالہ کو دوں گی۔ یہ نہ سمجھنا کہ دور جا رہی ہوں۔ میں روز فون پر اکبر سے اس کی خیریت معلوم کرتی رہوں گی اور جس دن مجھے تمہاری کوئی شکایت ملی اس دن میں غزالہ کو تڑپا کر رکھ دوں گی۔ تم جانتے ہو کہ میرے الفاظ وزن رکھتے ہیں اور میں جتنی مہربان ہوں' اس سے کہیں زیادہ سفاک بھی ہوں۔

"تمہاری سابقہ دوست......ویرا۔"

وہ خط پڑھ کر میں سن ہو کر رہ گیا۔ شام کو ویرا' غزالہ سمیت اسی مکان میں موجود تھی لیکن اب لاپتا ہو چکی تھی جس کا مطلب تھا کہ میری ساری بھاگ دوڑ رائیگاں گئی تھی۔ اس صورتِ حال کا ادراک ہوتے ہی میرے بدن میں یک بیک کروڑوں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔

میں خاصی دیر تک اسی حالت میں گم صم کھڑا رہا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ویرا نے جو لکھا تھا وہی کر گزرنے پر قادر تھی اور میرے لئے یکے بعد دیگرے تمام راستے بند ہو چکے تھے۔

آخر کار میں نے ایک خوفناک فیصلہ کر لیا۔ وہ ایک جوا تھا جو کامیاب بھی ہو سکتا تھا اور ناکام بھی۔

میں نے اس لفافے کو دوبارہ اسی طرح بند کیا اور اس کمرے سے باہر نکل آیا۔

"سرونٹ روم میں سے اس کے ملازم کو بھی اسی کی خوابگاہ میں گھسیٹ لاؤ!" میں نے لابی میں آ کر دھیمی آواز میں سلطان شاہ سے کہا' میری آواز دھیمی ضرور تھی مگر سرگوشی سے بہت بلند تھی جس پر سلطان شاہ نے مضطرب ہو کر پوری قوت سے میرا بازو تھام لیا۔

"آہستہ بولو!" وہ ہذیانی انداز میں میرے کان کے نیچے غرایا۔ "وہ اٹھ گیا تو ابھی ہمارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"بگڑنے کے لئے اب کچھ باقی نہیں رہا۔" میں نے تلخ اور شکست خوردہ لہجہ میں کہا "اس وقت یہاں اکبر اور اس کے ملازم کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ وہ غزالہ کو لے کر جا چکی ہے۔"

میرے اس انکشاف پر سلطان شاہ بھونچکا رہ گیا۔ میں اسے حیران و پریشان چھوڑ کر دوبارہ میرا اکبر خان کی خوابگاہ میں داخل ہوا اور لفافہ پوری احتیاط کے ساتھ' اصل پوزیشن میں سائیڈ ٹیبل پر سگریٹ کے پیکٹ کے نیچے دبانے کے بعد میں نے بیڈ سائیڈ سوئچ دبا کر سرہانے لگی ہوئی تیز بتیاں روشن کر دی۔

سوئے ہوئے شکار نے نیند ہی کے عالم میں لاشعوری طور پر ایک جھرجھری لی اور اپنا چہرہ ایک نرم تکئے میں چھپا لیا جو اس کے سرہانے ہی پڑا ہوا تھا۔

میں چند ثانیوں تک اسے خونخوار نظروں سے گھورتا رہا پھر میں نے اس کے چہرے پر سے تکیہ گھسیٹ کر' پوری قوت کے ساتھ اس کے چہرہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کر دیا۔

چٹاخ کی آواز کے ساتھ ہی' خوابیدہ شکار کے حلق سے گھگھیانے کی عجیب و غریب آوازیں برآمد ہوئیں اور وہ ہڑبڑا کر بستر سے اٹھ بیٹھا۔

اس کی نیند کے خمار سے بوجھل نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد لحہ بھر میں ہی میرے چہرہ پر آ جمیں اور خوف یا حیرت سے پیشانی پر چڑھتی چلی گئیں۔ وہ اس سے میری پہلی ملاقات تھی لیکن میں ان پھٹی پھٹی آنکھوں میں' جو میرے چہرہ سے پھسل کر بیم گن پر مرکوز ہو چکی تھیں' اپنے لئے شناسائی کی جھلک دیکھ رہا تھا۔

وہ اس وقت پوری طرح میری زد میں تھا لیکن اس کے ذہن



ے شاید نیند کی دھند پوری طرح صاف نہیں ہوئی تھی اس لئے س کا ہاتھ شاید غیر ارادی طور پر تکیہ کی طرف رینگا لیکن میں نے سے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ پستول پہلے ہی وہاں سے نکل کر یری جیب میں منتقل ہو چکا تھا۔

پستول کو اس کی جگہ پر نہ محسوس کر کے اس نے ایک شدید جھرجھری لی پھر تکیہ الٹ ڈالا۔ وہاں بستر کی سفید چادر اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا اور میرے لبوں پر زہرناک مسکراہٹ دیکھ کر نظریں جھکا لیں۔

"تم کون ہو؟" آخر اس نے بوجھل اور ننداسی آواز میں پہلا سوال کیا۔

میں نے جواب میں بیم گن کا رخ بلور کے ایک اونچے گلدان کی طرف کیا اور ٹریگر پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ بیم گن کی نال سے لیزر شعاعوں کی باریک سی نیلگوں دھار نکلی اور گلدان راکھ میں بدل کر قالین پر ڈھیر ہو گیا۔ راکھ میں بدلنے سے قبل بلور کے تڑخنے کی آوازیں خاصی اعصاب شکن تھیں۔

"یہ میرا جواب تھا۔" میں نے سفاکانہ لہجہ میں کہا۔ "پہچانے اب بھی کوئی شبہ ہے؟"

"تم ذینی ہو۔" وہ بستر سے نیچے اتر آیا۔ میں نے محفوظ فاصلہ پر سرک کر اسے کھڑا ہونے کی جگہ دے دی۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں ولا "مجھے معلوم تھا کہ تم جلد یا بدیر' یہاں تک ضرور پہنچو گے لیکن یہ توقع نہیں تھی کہ تم اتنی پھرتی دکھاؤ گے۔ تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھا کر اپنے حق میں کانٹے بو لئے ہیں جن کا خمیازہ تمہیں جلد ہی بھگتنا پڑے گا۔"

اسی وقت اندر سے ایسی گھٹی گھٹی غراہٹیں سنائی دیں جیسے کسی زندہ انسان کا گلا دبایا جا رہا ہو۔ وہ بری طرح چونکا مگر میں اسی طرح پرسکون انداز میں کھڑا' اسے گھورتا رہا۔ پھر ان غراہٹوں میں ایسی آوازیں بھی شامل ہو گئیں جیسے کوئی توانا شکار خود کو کسی درندہ کی گرفت سے نکالنے کے لئے ہاتھ پیر مار رہا ہو۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اکبر میرے شانوں پر سے کھلے ہوئے دروازہ کی طرف دیکھتا ہوا' بے چینی سے بولا "میں قسم کھا رہا ہوں کہ تمہیں یہ حرکتیں بہت مہنگی پڑیں گی اور تم اپنا سر پکڑ کر روؤ گے۔"

میں اس کی دھمکی کا جواب بھی نہیں دینے پایا تھا کہ سلطان شاہ اس کے موٹے تازے ملازم کو گریبان سے گھسیٹتا ہوا وہیں لے آیا اور اسے خوابگاہ کے ایک گوشے میں دھکیل دیا۔ سلطان شاہ نے شاید اس کے منہ پر کچھ ضربات بھی لگائی تھیں کیونکہ اس کے دہانے سے خون بہہ رہا تھا۔

میرا اکبر خان غور سے اپنے ملازم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے اس کے چہرے پر پہلی بار تشویش کی علامات نمودار ہوتی ہوئی نظر آئیں پھر وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "تم کیا چاہتے ہو؟"

"تم سے میرا کوئی جھگڑا نہیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "مجھے ویرا یا اُس کا سراغ چاہئے۔ تم نے اس بارے میں تعاون نہیں کیا تو میں ویرا کو بھول کر تمہیں کچا چبا جاؤں گا۔"

"تو کیا تمہیں غزالہ کی بازیابی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ ویرا کا ایک خود ساختہ مفروضہ ہے۔" میں نے سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت کہا "میری زندگی میں سیکڑوں لڑکیاں آتی اور جاتی رہی ہیں۔ خود ویرا بھی کسی زمانہ میں اسی گنتی میں شامل تھی۔ میرے لئے غزالہ اور کسی اور لڑکی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ویرا نے شی سے غداری کی ہے اور اگر تم اپنی زبان نہیں کھولو گے تو میں تمہیں بھی سازشی اور اس کا ساتھی سمجھوں گا۔"

"کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے یہ پڑھ لو!" اس نے اپنی سائیڈ ٹیبل پر سے سفید لفافہ اٹھا کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ تم کو صحیح فیصلے پر پہنچنے میں بہت زیادہ مدد دے سکتا ہے۔"

"یہ کیا ہے؟" میں نے کسی تجسس کا مظاہرہ کئے بغیر سرد اور سپاٹ لہجہ میں پوچھا۔

"یہ تمہارے لئے ویرا کا نجی اور خفیہ پیغام ہے جس کے مندرجات سے میں خود بھی لاعلم ہوں۔"

اس کا لفافہ والا ہاتھ بدستور میری طرف بڑھا ہوا تھا۔ میری نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں اور میں نے اس کے بشرے کے تاثرات سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اپنی چمڑی بچانے کے لئے سفید جھوٹ بول رہا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ویرا نے اس لفافے میں کیا پیغام بند کیا تھا۔

پہلے میں چاہ رہا تھا کہ اس لفافہ کو ہاتھ ہی نہ لگاؤں لیکن مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میرا اکبر خان کو دوبارہ چپکائے ہوئے حصہ کی وجہ سے میری حرکت کا علم نہ ہو جائے اس لئے میں نے اس کے ہاتھ سے لفافہ چھینا اور اشتعال کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے پھاڑ ڈالا۔

میرے دونوں ہاتھوں کے مصروف ہوتے ہی اس کے قدم حرکت میں آئے تھے لیکن سلطان شاہ چوکنا تھا۔ اس کی للکار پر' اکبر جہاں تھا' دوبارہ وہیں منجمد ہو کر رہ گیا۔

اس لفافے کو پرزہ پرزہ کر کے میں نے قالین پر پھینک دیا اور حقارت سے کہا "مجھے معلوم ہے کہ ویرا نے مجھے پھر کسی سمجھوتے کی پیشکش کی ہو گی لیکن اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا ہے۔ اب اسے خود کو میرے حوالے کرنا ہو گا۔ ورنہ میں خود اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔"

"تم نے بہت برا کیا کہ یہ لفافہ پھاڑ دیا۔ اس کا پیغام بہت اہم تھا۔" اکبر کی نیند کافور ہو چکی تھی۔

اس کا زخمی ملازم سکڑا سہما ہوا وہیں بیٹھا ہوا تھا جہاں سلطان شاہ نے اسے لا پھینکا تھا اور خوف زدہ نظروں سے وہاں رونما ہونے

والے ناقابل فہم واقعات کو دیکھ رہا تھا۔

"ایک غدار کا کوئی بھی پیغام اہم نہیں ہو سکتا۔ تم بتاؤ کہ زبان کھولو گے یا مجھے دوسرا راستہ اختیار کرنا ہو گا؟"

"اس پر الزام تراشی تمہیں زیب نہیں دیتی۔ تم خود شی کے غدار ہو۔" وہ میرے آخری سوال کا جواب دیئے بغیر، میری توقع کے مطابق بولا "تمہیں کب سے شی کے مفادات کی فکر ہو گئی ہے؟"

"ہوش میں رہ کر بات کرو، اکبر۔" میں نے درشت لہجے میں کہا "وہ پرانی باتیں تھیں۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ میں شی میں واپس آچکا ہوں اور اب یہاں تمہارا اہم منصب ہوں۔"

"شی میں آج تک کسی غدار کو واپس نہیں لیا گیا۔ میں تمہارا یہ دعویٰ کیسے مان لوں؟"

"شی کا کوئی باغی خود کو اتنے عرصہ تک بڑوں کے انتقام سے بچا بھی [illegible] کا تھا۔ انہوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ جہاں میری بہت سی غلطیاں تھیں وہاں ان کا دامن بھی صاف نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں بھی ایک عظیم آئی مین ہوں۔"

"ثبوت اور شناخت کے بغیر میں نہیں مان سکتا۔" اس نے بے اعتباری سے کہا۔

میں نے خاموشی کے ساتھ اپنی جیب سے سلور آئی نکال کر اُس کی طرف بڑھا دی۔

**ویرا**، غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر وہاں سے نکل چکی تھی اور میری دسترس سے باہر تھی۔ اس نے مجھے بلیک میل کرنے کے لئے جو پیغام چھوڑا تھا، وہ بہت خوفناک اور روح فرسا تھا۔ اس پیغام میں ویرا نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے میر اکبر خان کے ساتھ کوئی زیادتی کی تو وہ میری اس حرکت کا انتقام غزالہ سے لے گی۔ میری موہوم سی جیت یہ تھی کہ میں نے میر اکبر خان کی لاعلمی میں وہ پیغام پڑھ کر، لفافہ اسی جگہ رکھ دیا تھا جہاں سے اسے اٹھایا تھا اور جب میر اکبر خان نے خوف و ہراس کے عالم میں وہ لفافہ مجھے دینا چاہا تو میں نے اس پر نگاہ ڈالے بغیر، لفافے کے پرزے اڑا دیئے۔ میری اس غیر متوقع حرکت نے میر اکبر خان کے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔

میر اکبر خان نہ صرف شی کا ایک طاقتور آئی مین تھا بلکہ ویرا کا خیر خواہ بھی تھا۔ اسی لئے ویرا نے، شرف آباد والے فلیٹ سے فرار ہو کر، رازی روڈ کے اس مکان میں پناہ لی تھی جہاں میر اکبر خان ایک طویل مدت سے اپنے واحد ملازم کے ساتھ رہ رہا تھا۔

میں جانتا تھا کہ میرے بارے میں ویرا کی کہانی حقائق پر مبنی رہی ہو گی۔ اس نے میر اکبر خان کو وہی کچھ بتایا ہو گا جو اس کو معلوم تھا اور اس کہانی میں غزالہ کا کردار کلیدی نوعیت کا ہو گا جو ویرا کی قید میں تھی۔ اس بنا پر میر اکبر خان کو بھی یہ امید ہو گی کہ میں غزالہ کی سلامتی کے لئے ان لوگوں کی ہر شرط بے چون و چرا منظ[ور کرو]ں گا اور کوئی جارحانہ حرکت کرنے کی ہمت نہیں کر سکوں گا۔

مگر میں نے ویرا کے چھوڑے ہوئے لفافے کی بات آنے سے قبل ہی، میر اکبر خان کو یہ کہہ کر حیران کر دیا تھا کہ میرے نزدیک غزالہ کی اہمیت ایک عام لڑکی سے کسی بھی طرح زیادہ نہیں تھی۔ جہاں میں نے سیکڑوں دوسری لڑکیوں سے دوستی کر کے رفتہ رفتہ انہیں بھلا دیا، وہیں غزالہ کو بھی آسانی کے ساتھ بھلایا جا سکتا تھا۔ لفافے میں بند پیغام کو پڑھے بغیر پرزوں میں تبدیل کر کے میں نے اس پر یہ ظاہر کر دیا تھا کہ مجھے ویرا کی کسی خفیہ پیشکش سے کوئی دلچسپی نہیں تھی جس کا ایک ہی مطلب تھا کہ غزالہ میرے لئے یکسر غیر اہم تھی۔ اس نتیجے پر پہنچتے ہی، میر اکبر خان کے ذہن میں اس سوال کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا کہ جب غزالہ کے بارے میں ویرا کی کہانی بودی بلکہ بے بنیاد تھی تو پھر میری اور اس کی دشمنی کی وجہ کیا تھی اور وہ غزالہ کو اپنے ساتھ کیوں لئے پھر رہی تھی؟

پہلے سوال کا جواب میں نے خود ہی فراہم کر دیا تھا کہ ویرا، شی کی غدار تھی، اس لئے میں اُس کے لہو کا پیاسا بن چکا تھا کیونکہ ایک ذمے دار آئی مین اپنے ماتحتوں میں کسی غدار کے وجود کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اس تمام کھیل میں وہ شخص یہی نتیجہ اخذ کر سکتا تھا کہ میرے اور غزالہ کے تعلق کے بارے میں ویرا کو کوئی سنگین غلط فہمی ہوئی تھی جب ہی وہ غزالہ کو یرغمال بنائے پھر رہی تھی۔

میر اکبر خان سے اپنی گفتگو کو میں نے ایک سوچے سمجھے ڈھب پر رکھا تھا۔ اس کی زبان کھلوانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ میں اسے یہ یقین دلا سکوں کہ میں ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر صرف شی کے مقاصد کی بالادستی کے لئے ویرا کے پیچھے لگا ہوا تھا۔

اس تسلسل میں میر اکبر خان کا یہ سوال قطعی منطقی تھا کہ شی میں میرے متنازعہ کردار کے بعد، میرے پاس اس امر کا کیا ثبوت تھا کہ میں اپنے ماضی سے تائب ہو کر دوبارہ شی سے وفاداری کا دم بھرنے لگا تھا اور شی کے بڑوں نے بھی میری اس نئی پوزیشن کو تسلیم کر لیا تھا؟

یہی وہ نازک اور سنگین موڑ تھا جہاں میں نے اندھا جوا کھیلنے کا فیصلہ کر لیا۔

فلیٹ سے فرار ہونے کے بعد ویرا نے فون پر گفتگو کرتے ہوئے، مجھ پر یہ واضح کرنا چاہا تھا کہ شی میں سلور آئی کا کوئی مصرف باقی نہیں تھا۔ اس کے بیان کے مطابق، وہ اہم ترین سکے میری تحویل میں آنے کے بعد شی میں آئی مین کی شناخت کا نظام بدل دیا گیا تھا۔

لیکن میر اکبر خان کی لاعلمی میں، ویرا کا پیغام پڑھتے ہوئے مجھے خیال آیا تھا کہ شی مختلف براعظموں میں پھیلی ہوئی ایک بین الاقوامی تنظیم تھی جس میں ہر سطح کے ہزاروں کارکن شامل تھے ان لوگوں کے لئے یہ بات ناقابل عمل تھی کہ تنظیم میں برسوں سے [ر]ائج ایک مقدس شناختی علامت کو بیک جنبشِ قلم منسوخ کر کے، [ا]س کی جگہ کوئی دوسرا سلسلہ شروع کر سکیں۔ اس موضوع پر غور [ک]رنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ سلور آئی کے بارے میں ویرا کے [ال]فاظ ایک کھوکھلے فریب سے زیادہ نہیں تھے۔

میں اس بے جان سکے کی طلسماتی طاقت، میر اکبر خان پر آزما [س]کتا تھا۔

زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ وہ سلور آئی کو تسلیم کرنے سے [ا]نکار کر دیتا۔ میری دانست میں اس کا وہ انکار صورتِ حال کو مزید [خ]راب نہیں کر سکتا تھا۔ سلور آئی کے درمیان میں آئے بغیر بھی وہ [می]را دشمن اور حریف تھا، جسے میں نے بیم گن کی ہلاکت خیز دھار پر [ر]کھا ہوا تھا۔ سلور آئی مسترد ہونے کے بعد بھی وہ صورتِ حال [ج]وں کی توں برقرار رہنی تھی۔

دوسری طرف اگر میر اکبر خان سلور آئی کے جھانسے میں [آ] جاتا تو صورتِ حال میرے حق میں ایک ڈرامائی موڑ لے سکتی تھی [اس] کے نتیجے میں وہ میرا حلیف بن جاتا اور ویرا ہم دونوں کے [مق]ابلہ میں کچھ عرصے کے لئے تنہا رہ جاتی۔ میں جانتا تھا کہ وہ [ص]ورتِ حال زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکتی تھی۔ میری طویل [خام]وشی کے بعد، منظرِ عام پر آمد کی خبریں جمی لائیڈ جیسے گھاگ اور [ہ]ر شخص سے زیادہ دنوں تک پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں۔ وہ اصل [ص]ورتِ حال کا علم ہوتے ہی، میرے بارے میں نئے احکام جاری [ک]رکے میر اکبر خان کو خبردار کر سکتا تھا لیکن اس وقت میرے لئے وہ [س]ب غیر اہم تھا۔ میر اکبر خان کی چند گھنٹوں کی غلط فہمی ہی میری [ک]امیابی کی کلید بن سکتی تھی۔ اس سے سب کچھ اگلوانے کے بعد، [می]ں اسے ذبح کر کے واپس لوٹ سکتا تھا، اس طرح کسی کو کانوں کان [ب]ھی علم نہیں ہو سکتا تھا کہ اسے کس نے اور کیوں مارا ہے؟ جب [ت]ک اس کی لاش سے تعفن اٹھنا شروع نہ ہو جاتا، اس کی دریافت کے امکانات بھی کم ہی تھے۔ اس دوران میں، میں ویرا پر ہاتھ ڈال [س]کتا تھا۔

وہ ایک خاصا طویل تجزیہ تھا مگر میں نے پل بھر میں ان تمام [ام]کانات پر غور کرنے کے بعد، ڈرامائی انداز میں سلور آئی، [م]یر اکبر خان کی طرف بڑھائی تو اس کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی کے ساتھ پھیلتی چلی گئیں۔

"نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی [ہ]وئی آواز برآمد ہوئی۔ "تم آئی مین نہیں ہو سکتے۔ میں نے سنا تھا کہ [ک]وئی سلور آئی تمہارے قبضے میں چلی گئی تھی۔ شاید یہ وہی مسروقہ [س]لور آئی ہے۔ اس کے ذریعے تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے..."

"گڑے مردے اکھیڑنے کی کوشش نہ کرو اکبر خان!" میں نے [آ]نکھیں نکال کر درشت لہجے میں کہا۔ "یہ نہ بھولو کہ ان واقعات کا [ح]والہ دے کر تم میری تحویل میں موجود سلور آئی کا تقدس پامال [ک]رنے کی کوشش کر رہے ہو جس کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔" سلور آئی، شی کی برسوں پرانی روایات کا ایک مقدس حصہ تھی۔ اس کا احترام اور اس کے مالک کی تابعداری شی کے ہر چھوٹے اور بڑے پر لازم تھی۔ اس لئے میری تنبیہہ پر میر اکبر خان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور اس نے جھکتے ہوئے، اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر سر جھکا دیا۔

"شاباش!" میں نے اس پر اپنی نفسیاتی بالادستی برقرار رکھنے کی نیت سے بزرگانہ انداز میں کہا۔ "سلور آئی کے سامنے اپنا سر جھکا کر تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تمہیں اپنا عہد یاد ہے۔ سلور آئی کی تحقیر کے لئے جتنی بھی افسانہ طرازیاں کی جائیں، یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اس کی عظمت کو سلام نہ کرنے والوں کو روئے زمین پر کہیں امان نہیں ملتی اور وہ جنگلی بھیڑیوں کی طرح اپنے بھٹ سے باہر نکال کر روند ڈالے جاتے ہیں۔ اب تم نے سر جھکا ہی دیا ہے تو سنو کہ میں نے ایک نہیں بلکہ دو سلور آئیز حاصل کر لی تھیں لیکن میں ان کا بوجھ نہیں سنبھال سکا۔ مجھ پر پے در پے ایسے ایسے مصائب نازل ہوئے کہ میں بوکھلا کر جمی لائیڈ سے باعزت صلح کی راہیں تلاش کرنے پر مجبور ہو گیا۔ دوسری طرف وہ خود میری ڈھٹائی اور سخت جانی سے متحیر بلکہ خوف زدہ تھا، اس لئے ہمارے درمیان میں آخر کار صلح ہو ہی گئی جو ویرا کو ایک آنکھ بھی نہ بھائی۔ جمی لائیڈ نے صلح ہوتے ہی مجھے آئی مین کا منصب عطا کر دیا جسے ویرا نے اپنی تذلیل سمجھتے ہوئے، میرے خلاف درپردہ ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ اس کی گھٹیا حرکتوں کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ آج تم نے اپنی زندگی میں شاید پہلی بار سلور آئی کو شبہ کی نگاہ سے دیکھا ہے۔"

وہ مجھ سے نگاہیں ملائے بغیر، بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ویرا نے اپنی لچھے دار باتوں سے میری عقل پر پردہ ڈال دیا تھا۔ تمہارے بارے میں اس کی کہانیاں بہت ہولناک اور لرزہ خیز تھیں۔ اس کا کہنا تھا کہ تم غزالہ نامی لڑکی کو دل و جان سے چاہتے ہو۔ اسی لئے ویرا نے اسے یرغمال بنایا ہوا ہے تاکہ اس کی موت کی دھمکی دے کر تمہیں شی کے خلاف گھناؤنی اور مکروہ سازشوں سے باز رکھ سکے۔ میں نے سلور آئی کے بارے میں ناپاک الفاظ زبان سے نکالنے سے قبل یہ حقیقت فراموش کر دی تھی کہ تمہارے پاس آئی مین والی دونوں نشانیاں موجود ہیں۔ ایک ہاتھ میں سلور آئی اور دوسرے میں بیم گن ہو تو شی کا کوئی اندھا کارکن بھی ایسے شخص کی عظمت کو سلام کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دوسری سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم نے آتے ہی غزالہ نامی لڑکی سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کر دیا تھا جب کہ ویرا کا خیال تھا کہ تم غزالہ کی حفاظت کے لئے ہر سودے بازی پر آمادہ ہو جاؤ گے۔"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "ویرا ایک خود سر اور رنگین مزاج عورت ہے۔ اپنے پسندیدہ مردوں کے حصول کے لئے، اس نے بارہا شی کے ضابطوں کی دھجیاں اڑائی ہیں اس لئے وہ مجھے بھی اسی پیمانے سے دیکھ رہی ہے۔ آج کل اس کا مشن صرف اتنا رہ گیا ہے کہ مجھے ایک ناکام آئی مین ثابت کر سکے جب کہ میں اس کے خلاف ٹھوس شہادتیں جمع کر لینے کے بعد اب اُس کے [illegible] کا پیاسا

بن چکا ہوں۔"

"دو بڑوں کی لڑائی میں 'مَیں بلاوجہ پِس جاؤں گا۔" وہ مظلومانہ آواز میں بولا۔ "میں اصولاً تمہارا ساتھ دینے کا پابند ہوں لیکن ویرا کو میری اس حمایت کا علم ہوگیا تو وہ میری دشمن ہوجائے گی۔ تم جانتے ہی ہوگے کہ وہ اپنی کینہ پروری کے لئے پوری تنظیم میں بدنام ہے۔"

مجھے اچانک ایک اور پہلو سوجھ گیا اور میں نے برجستہ کہا۔ "تم نے میرے الفاظ پر شاید غور نہیں کیا کہ آئی مین کے منصب پر میرے تقرر کو ویرا نے اپنی تذلیل تصور کیا تھا۔"

"ہاں، تم نے یہ بات کہی تو تھی۔" وہ اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"اس بات سے تم نے کیا نتیجہ اخذ کیا؟" میں نے پیچتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"سامنے کی بات ہے کہ تمہیں اس کی مرضی کے خلاف آئی مین بنادیا گیا۔"

"اتنی سی بات نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس بار ویرا تم سے ملی تو اس نے تمہیں اپنی سلور آئی دکھائی تھی یا اس کے بغیر ہی تمہیں الو بنا کر چلی گئی؟"

اس کا جواب میری توقع کے عین مطابق تھا۔

وہ خفت آمیز لہجے میں بولا "اس نے سلور آئی دکھائی نہ میں نے اس کی ضرورت محسوس کی۔ شی میں سب ہی جانتے ہیں کہ وہ برسوں سے سلور آئی کی مالک ہے۔"

"بس اس بار اُس نے اسی ساکھ کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔" اپنے شبہ کی تصدیق ہوتے ہی میں نے بے دھڑک ہوکر نئی چال چل دی۔ "اس کی تذلیل کا سبب یہ ہے کہ اُس سے سلور آئی واپس لے کر مجھے سونپی گئی ہے۔ آج وہ عملاً بے اختیار ہوچکی ہے لیکن اپنی پچھلی ساکھ کے سہارے، تم جیسے وفادار لوگوں کو الو بناتی پھر رہی ہے۔ کاش تم نے اس سے سلور آئی دیکھنے کا مطالبہ کیا ہوتا تو تمہیں اسی وقت اندازہ ہوجاتا کہ وہ اپنے منصب سے معزول ہوچکی ہے۔"

میری بات سن کر میر اکبر خان کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "اب وہ آئی وومن نہ سہی، ہماری کارکن تو ہے نا؟"

"جب تک اوپر والوں سے کوئی نئی خبر نہیں ملتی، وہ ہماری صفوں میں شامل رہے گی۔" میں نے متانت کے ساتھ جواب دیا۔ "لیکن اب وہ میری یا تمہاری برابری نہیں کرسکتی۔ اسے ہم لوگوں کے احکام کے سامنے اپنا سر جھکانا پڑے گا۔ اس نے ایسا نہ کیا تو وہ بدترین خسارے میں رہے گی۔"

"خدا میرے حال پر رحم کرے!" وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ "میں نے اس کی صورت دیکھ کر تنظیم کے اس اصول سے انحراف کیا کہ کوئی بھی آئی مین یا آئی وومن سلور آئی دکھائے بغیر اپنا حکم منوانے پر اصرار نہیں کرسکتی مگر میں نے اسے پہچان کر اُس کی ہربات مان لی۔"

"تم فکر نہ کرو!" میں نے بڑھ کر اُس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو وہ نجانے کس کس کو چرکے لگائے گی۔ بہرحال تم کو آئندہ محتاط رہنا ہوگا۔ میں دوسری لغزش برداشت نہیں کروں گا۔"

"وہ ایک بے ہوش لڑکی کے ساتھ یہاں آئی تھی۔" میرے بڑھتے ہوئے دباؤ کے سامنے وہ خود بخود زبان کھولنے پر مجبور ہوگیا۔ "اس کا کہنا تھا کہ غزالہ نامی وہ لڑکی، تمہاری چہیتی محبوبہ ہے جسے اپنی قید میں رکھ کر وہ تمہیں اپنی شرائط ماننے پر مجبور کرنا چاہتی تھی۔ ویرا میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ خود کو جمی لائیڈ کی ناجائز اولاد کہنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ اُس کے اس دعوے پر جمی لائیڈ نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اسے بھی سلور آئی کا مالک بنایا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے میں نے ویرا سے کوئی شناخت طلب کئے بغیر، اس کی ہربات پر یقین کرلیا اور اسے یہاں پناہ دے دی۔ وہ یرغمالی لڑکی کے ساتھ اوپر کی منزل پر چلی گئی۔" اس مرحلہ پر اس نے خاموش ہوکر بے بسی کے ساتھ اپنے زخمی ملازم کی طرف دیکھا اور ترحم آمیز لہجے میں بولا۔ "اس بے چارے کو تم نے خاصا زخمی کرڈالا ہے۔ میرے خیال میں اس کی یہاں موجودگی غیر ضروری ہے۔ غلط فہمیاں دور ہوجانے کے بعد اس کی گلوخلاصی ہوجانی چاہئے تاکہ یہ اپنا حلیہ دُرست کرسکے۔"

رازدارانہ گفتگو کے آغاز سے قبل وہ تخلیہ کا خواہاں تھا اس لئے میں نے اپنی جیب سے کلوروفارم کی اسپرے والی شیشی نکال کر سلطان شاہ کے حوالہ کرتے ہوئے کہا۔ "اسے عزت اور احترام کے ساتھ اس کے کمرے میں پہنچا کر واپس آجاؤ۔"

اسے ہدایت دیتے ہوئے، میں نے آنکھ سے مخصوص اشارہ بھی کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس اشارے کی بنا پر سلطان شاہ کلوروفارم کی شیشی کا مصرف سمجھ لے گا۔

میرے الفاظ مکمل ہونے سے پہلے ہی، میر اکبر خان کا سہا ہوا اور زخمی ملازم پھرتی کے ساتھ اپنے قدموں پر کھڑا ہوچکا تھا۔

وہ جس قدر توانا اور صحت مند نظر آرہا تھا، اس سے کہیں زیادہ بزدل بھی نظر آرہا تھا ورنہ سلطان شاہ جیسے سبک اندام شخص کے لئے، اسے زیر کرنا اتنا آسان ثابت نہ ہوتا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ سلطان شاہ اسے کسی شرارتی بچے کی طرح مارتا اور رگیدتا ہوا اس کمرے میں لایا تھا۔

وہ دونوں میر اکبر خان کی خوابگاہ سے چلے گئے تو میں دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمارے درمیان شکوک و شبہات کی فضا برقرار نہیں رہی ہے۔" میر اکبر خان نے میرے ہاتھ میں دبی ہوئی بیم گن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس لئے بیم گن کی ضرورت ختم ہوچکی ہے۔ تم اجازت دو تو ہم دونوں بیٹھ کر، سکون سے گفتگو جاری رکھ سکتے ہیں۔"



میں نے محض ایک تائیدی ہنکارا بھر کر، بے پروایانہ انداز میں بیم گن اپنی جیب میں ڈال لی۔ میں اس کی طرف سے پوری طرح مطمئن نہیں تھا مگر میں اسے یہ تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ میرے ذہن میں اس کی طرف سے کچھ اندیشے بدستور موجود تھے۔ میں خوابگاہ میں پڑے ہوئے صوفے پر جا بیٹھا۔ وہ بھی آہستہ آہستہ چلتا ہوا میرے مقابل آبیٹھا۔ آتے ہوئے، وہ سائیڈ ٹیبل سے سگریٹ کا پیکٹ اٹھانا نہیں بھولا تھا۔

ہم دونوں نے بیک وقت اپنی اپنی سگریٹیں سلگائیں پھر اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولنا شروع کردیا "شام کو ویرا نیچے آئی تو بہت مضطرب اور متفکر تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ایک مشکوک شخص اس مکان کی نگرانی کررہا تھا۔ میں نے باہر جا کر اسے چیک کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ویرا مجھ سے متفق نہیں تھی۔ اس کو پورا یقین تھا کہ وہ آدمی تمہارا اگرگا تھا۔ اس نے مجھ سے کسی بے آواز ہتھیار کے بارے میں استفسار کیا تو میں نے اپنا ایک خاص پستول پیش کردیا جو سائیلنسر سے لیس ہے۔ اس کی نال کو ضرورت کے وقت لمبا کرکے، اس کی رینج میں کئی گنا اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت ویرا نے مجھے بتایا کہ تم نے اس کے لئے کسی فلیٹ کے قرب و جوار میں آدمی چھپائے ہوئے تھے لیکن اس نے فون پر اپنے کسی ہمدرد کو ہدایات دیں اور پھر کرائے کے ایک معمولی سے آدمی کے ایک فائر نے تمہارے آدمیوں کو بری طرح بوکھلا دیا اور وہ سب اندھا دھند فائرنگ کرنے لگے۔ اپنی دانست میں تمہارے ایک منصوبے کو ناکام بنانے کے بعد وہ خوں ریزی پر تل گئی تھی اور اس مکان کی نگرانی کرنے والے کو، فوری طور پر موت کے گھاٹ اتارنا چاہتی تھی تاکہ تم اس کی جمع کی ہوئی معلومات سے کوئی استفادہ نہ کرسکو۔ نشانہ خطا ہونے کے خوف سے میں ویرا کے اس اقدام سے مخالفت کرتا رہا لیکن اسے اپنی نشانہ بازی پر بلا کا اعتماد تھا۔ جب اس کے سر پر خون سوار تھا تو میں اس کے ہمراہ اوپر ہی تھا۔ غزالہ ایک کمرے میں مقفل تھی۔ مشتبہ آدمی، چہل قدمی کے انداز میں ٹہلتا ہوا، جوں ہی میرے مکان کے سامنے آیا، ویرا نے ایک کھلی ہوئی کھڑکی میں سے نشانہ لے کر اُس کی متحرک کھوپڑی پر فائر کردیا اور وہ شخص ایک بھیانک چیخ مار کر وہیں ڈھیر ہوگیا۔ بے آواز فائر کی وجہ سے کسی کو شبہ تک نہیں ہوسکا کہ گولی میرے مکان کی اوپری منزل سے چلائی گئی ہے۔"

"اسے میرا فوبیا ہوگیا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "میرا کوئی آدمی یہاں نہیں تھا۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ جب میں یہاں آیا تو کوئی مجھے تمہاری اس خوابگاہ میں داخل ہونے سے نہیں روک سکا۔"

"خود میرا بھی یہی خیال تھا۔" اس نے میری ہاں میں ہاں ملائی۔ "میرا اندازہ تھا کہ وہ کوئی بدقسمت چور، آوارہ گرد یا نشہ باز تھا جو ویرا کی درندگی کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت میں نے سمجھ لیا تھا کہ ویرا کے دل و دماغ میں تمہاری دہشت بیٹھی ہوئی تھی اور وہ اپنے سائے سے بھی بری طرح بھڑک رہی تھی۔"

"لیکن وہ یہاں سے اچانک کہاں چلی گئی؟" میں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

اس دوران میں سلطان شاہ واپس آکر ایک صوفہ پر براجمان ہوچکا تھا۔

"اس کی منزل کے بارے میں، مَیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اس نے کہا۔ "میرے ٹیلی فون کی ایک لائن میری خوابگاہ میں ہے اور دوسری لائن اوپری منزل پر ہے۔ ویرا کے آنے کے بعد سے میں اپنے انسٹرومنٹ پر مسلسل ڈائلنگ کی آوازیں سنتا رہا جس کا مطلب تھا کہ وہ ملک میں اور بیرونِ ملک فون کررہی تھی..."

"بیرونِ ملک؟" میں نے چونک کر اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ اندازہ کیسے لگالیا تم نے؟"

"ڈائلنگ کی آوازوں سے۔" اس نے جواب دیا۔ "کئی نمبر ایسے تھے جن کے لئے اس نے سب سے پہلے ڈبل زیرو ڈائل کیا تھا جو پاکستان سے باہر رابطہ کے لئے ملانا پڑتا ہے۔ کئی بار اس نے پہلا ہندسہ زیرو کا ڈائل کیا تھا جس سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ پاکستان کے دوسرے شہروں میں بات کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ میرا خیال ہے کہ بیرونِ شہر اور بیرونِ ملک ہونے والی کالز ہی میں اسے کوئی پیغام ملا ہوگا جس کے نتیجے میں وہ بہ عجلت یہاں سے روانہ ہوگئی۔"

"باہر تمہارے پورچ یا گیراج میں تمہاری کار نظر نہیں آرہی؟" میں نے بغور اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ میری گاڑی ہی لے گئی ہے۔" اس نے بلا تردد اعتراف کرلیا۔ میں نے اس کے لب و لہجے سے اندازہ لگایا کہ وہ دیدہ و دانستہ کوئی بات چھپانے کی کوشش نہیں کررہا تھا۔ "اس نے کہا تھا کہ وہ فون پر مجھے بتادے گی کہ اس نے میری گاڑی کہاں چھوڑی ہے۔ اس کے پیغام کی روشنی میں، مَیں اپنی گاڑی واپس منگوالوں گا۔"

"گاڑی کے بارے میں وہ تمہیں کب فون کرے گی؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

وہ ایک گہرا سانس لے کر صوفے کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ وہ آزاد منش عورت ہے۔ وہ کب فون کرتی ہے، یہ اس کی سہولت اور طبیعت پر منحصر ہے۔"

"بے ہوش لڑکی کو وہ اپنے ساتھ لادے [illegible] رہی ہوگی؟" میں نے دانستہ غزالہ کا نام لئے بغیر بے پروایانہ اند[illegible] میں سوال کیا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ غزالہ بے ہوشی [illegible] حالت میں

یہاں لائی گئی تھی لیکن پھر اسے ہوش آگیا تھا' ویرا نے اسے کوئی ایسی پٹی پڑھائی تھی کہ ہوش میں آنے کے بعد اس نے یہاں کوئی اودھم یا ہنگامہ نہیں کیا بلکہ رضا کارانہ طور پر ویرا کے اشاروں پر ناچتی رہی۔ پھر بھی ویرا نے اسے تنہا چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لیا۔ وہ دو مرتبہ مجھ سے بات کرنے کے لئے نیچے آئی تو اس نے غزالہ کو ایک محفوظ کمرے میں مقفل کردیا تھا۔ یہاں سے جاتے ہوئے' غزالہ پوری طرح ہوش وحواس میں تھی اور اپنے قدموں سے چل کر میری کار میں سوار ہوئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ اُس کی وجہ سے ویرا کو کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا ہوگا۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ تمہاری ہی کار میں' سرحد عبور کرکے کسی پڑوسی ملک میں نکل جائے۔" میں نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد اس سے استفسار کیا۔

"وہ لاابالی طبیعت کی مالک ہے۔ اس سے ہروقت' ہر حرکت کی توقع کی جاسکتی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے اس بار وہ کسی طے شدہ پروگرام کے تحت سفر پر نکلی ہے اس لئے وہ اپنی مقررہ سمت میں ہی سفر کرے گی۔ میرا اندازہ ہے کہ میری کار ائرپورٹ پر پائی جائے گی۔"

"روانگی سے پہلے اس نے تمہارے سامنے اپنی سفری دستاویزات وغیرہ کا ذکر بھی کیا ہوگا؟"

"بالکل نہیں۔ وہ ہروقت دو چار متبادل ناموں پر سفر کرنے کے لئے تیار رہتی ہے۔ ان ہی کاغذات میں سے کسی ایک سیٹ میں ردوبدل کرکے اس نے غزالہ کے سفر کا بندوبست بھی کرلیا ہوگا۔"

میں مزید کچھ کہے بغیر' چند ثانیوں تک اسے تیز نگاہوں سے گھورتا رہا اور اس نے سٹپٹا کر اپنے لئے ایک نئی سگریٹ روشن کرلی تاکہ میری طرف سے اپنا دھیان ہٹا سکے۔

"اس نے تمہاری چھت کے نیچے کتنا وقت گزارا تھا؟" آخر کار میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔ سیدھی انگلیوں سے جو گھی نکل سکتا تھا وہ میں نے نکال لیا تھا اور میری دانست میں ٹیڑھی انگلیاں استعمال کرنے کا وقت آچکا تھا۔ اس مرحلہ پر میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ مزید کچھ اور بھی جانتا تھا ور وہ کوئی ایسی بات تھی جو میرے سوالات کی گرفت میں نہیں آسکی تھی اس لئے وہ سچ بول کر بھی ویرا کا حقِ نمک ادا کررہا تھا۔

اس نے میرے بدلے ہوئے لہجے پر' چونک کر میری طرف دیکھا اور صوفے میں پہلو بدلتے ہوئے اضطراری لہجہ میں بولا۔ "آٹھ دس گھنٹے.... مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

میرے نزدیک یہ بات قابلِ قبول نہیں ہے کہ آٹھ دس گھنٹے ایک ہی مکان میں گزارنے کے باوجود اس نے تم سے ایسی کوئی بات نہ کہی ہو جس سے اس کے اگلے پروگرام پر روشنی پڑتی ہو۔"

"میں حلف اٹھانے کو تیار ہوں کہ میں نے تمہارے ہر سوال کا درست جواب دیا ہے۔"

"تمہارے ان محتاط فقروں سے ظاہر ہورہا ہے کہ میرے سوالات کے علاوہ بھی تم بہت کچھ جانتے ہو جو ابھی تک تمہاری زبان پر نہیں آیا ہے۔ شی کے مفاد میں' مَیں سب کچھ سننا چاہتا ہوں۔"

"تم مجھ پر الزام لگارہے ہو!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں احتجاج کیا۔

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ میری طرف سے مطمئن ہونے کے باوجود تمہارے دل میں ویرا جیسی خود سر اور غدار عورت کے لئے نرم گوشہ کیوں موجود ہے؟" میں نے اُس کے احتجاج کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "تم ایک آئی مین ہو۔ تمہیں میری طرح ویرا کا دشمن ہونا چاہئے۔ وہ ہماری صفوں میں شامل رہ کر ہماری بنیادیں کھوکھلی کررہی ہے۔ اس سے سلور آئی واپس لی جاچکی ہے لیکن وہ خود کو آئی وومن ظاہر کرکے ایک بہت بڑے جرم کا ارتکاب کررہی ہے اور تم اس جرم میں اُس کے شریک بنتے جارہے ہو۔ یہ نہ بھولو کہ ہم دونوں ایک ہی منصب پر ضرور فائز ہیں لیکن اس وقت بالادستی مجھے ہی حاصل ہے۔"

"تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ اب تم مجھے دھمکیاں دینے پر تل گئے ہو؟"

"تم نے اس حقیقت کا ادراک نہ کیا تو ہمیں تمہاری کم عقلی پر ماتم کرنا پڑے گا۔" میں نے بے رحمانہ ہنسی کے ساتھ کہا۔ "شی کا مفاد میری یا تمہاری زندگی سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔"

اس دوران میں' مَیں نے اپنی جیب سے بیم گن دوبارہ نکال لی تھی اور اسے انگلیوں میں اس طرح گھمانا شروع کردیا تھا کہ میر اکبر خان اس ہولناک ہتھیار کی دہشت سے مرعوب ہوتا رہے۔

"یہ میری بدقسمتی ہے کہ اس وقت ہم برابری کے ساتھ مذاکرات نہیں کررہے۔" چند ثانیوں کے گمبھیر سکوت کے بعد اس نے پژمردہ آواز میں کہا "تم طاقت کے زور پر مجھ پر مسلط ہوگئے ہو لیکن تم یقین کرو کہ میں بھی شی کا اتنا ہی وفادار ہوں جتنا تم خود کو سمجھتے ہو۔ اس لئے میں وہی کچھ کررہا ہوں جو شی کے حق میں بہتر سمجھتا ہوں' اگر تم کو میرے رویّے سے کوئی شکایت ہے تو مجھ پر دھونس اور دھاندلی آزمانے کے بجائے تم کو بڑوں سے رجوع کرنا چاہئے جو آخر کار سچائی تک پہنچ ہی جاتے ہیں۔"

"میں اپنے بڑوں سے کٹا ہوا ہوں۔ اگر تم کو ان میں سے کسی کا فون نمبر معلوم ہے تو ابھی سلسلہ ملاؤ۔ میں تم کو ان کا فیصلہ بھی سنوادوں گا۔ تم اپنے موٹے ملازم کے ساتھ اس مکان کی بند دیواروں میں محصور ہوکر چین کی بانسری بجاتے رہے ہو۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ یہ ملک شی کی عالمی حکمتِ عملی میں یک بیک کیا اہمیت اختیار کرچکا ہے۔ ہیروئن کے بارے میں ہم نے اس ملک کے عوام اور حکمرانوں کے غرور کو خاک میں ملا دیا ہے۔ یہ لوگ اب باہر کی منڈیوں میں پہنچنے کی صلاحیت سے محروم ہوچکے ہیں۔



یہاں کے گلی کوچوں میں کمسن بچے غول در غول ہیروئن کے نشے میں دھت نظر آتے ہیں...."

میر اکبر خان' جو حیرت سے آنکھیں پھاڑے میری تقریر سن رہا تھا' اس مرحلہ پر قطع کلامی سے باز نہ رہ سکا اور ملامت آمیز لہجہ میں بولا۔ "تو کیا معصوم پاکستانی بچوں کو ہیروئن کا عادی بنا کر تم بھی فخر اور خوشی محسوس کرتے ہو؟ میرا تو خیال تھا کہ تمہارے اندر کہیں نہ کہیں ملک و قوم کا درد موجود ہوگا۔"

میں اس وقت شی کے فدائی کی اداکاری کررہا تھا اس لئے میں نے نہایت بے رحمی کے ساتھ اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "ملک و قوم کا درد بانٹنے کے لئے وہ سیاسی مداری کافی ہیں جو مگرمچھ کے آنسو بہا کر پہلے ووٹ لوٹتے ہیں پھر مسند ہاتھ لگتے ہی بھوکے درندوں کی طرح نحیف و نزار قوم پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ جس قوم کے حکمراں قوم کے کپڑے اتروا کر اپنی تجوریاں بھرنے میں لگے رہتے ہوں' اس قوم سے ہمدردی جتا کر تمہیں کیا مل سکتا ہے؟ میں صرف اور صرف شی کا آئی مین ہوں اور اس کے مقاصد کا حصول میری منزل ہے۔ تم منافق اور ریاکار ہو۔ ایک طرف شی کے آئی مین بنے پھرتے ہو۔ چوری چھپے یہاں ہیروئن کو فروغ دیتے رہے ہو اور اب معصوم بچوں کے لئے اپنے درد کے نوحے سنا رہے ہو۔ ویرا کی ذات ہو یا شی کے مفادات' تم ہر جگہ دوغلے ثابت ہورہے ہو۔ ہمیں ایسے لوگوں کی گردن ماردینی چاہئے جو ہماری آستین کے سانپ بنے ہوئے ہیں۔"

"تم حد سے بڑھ رہے ہو۔" وہ پہلی بار غرّایا۔ "میں نے خود پاکستانیوں اور ان کے بچوں کو ہیروئن کے جہنم میں جھونکا ہے۔ میں تو یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ میری باتوں پر تمہارا ردِعمل کیا ہوتا ہے۔"

"مائی ڈارلنگ' اکبر خان! اس ملک میں ہیروئن کا مسئلہ دس بیس برس کے لئے حل ہوچکا ہے۔ اپنے شہروں اور دیہاتوں کو اس موذی وبا سے بچانے کے لئے یہ خود باؤلے ہوجائیں گے۔ اب شی کا ہدف بدل چکا ہے۔ یہاں ایٹمی ہتھیار بنانے کی باتیں شروع ہوگئی ہیں اس لئے اب ہمیں نئی سمتوں میں کام کرنا ہوگا۔ اس مشن کے آغاز سے پہلے ہمیں ویرا جیسے فتنوں کا بھرپور سدِباب کرنا ہوگا۔ میں نے تمہیں کہا ہے کہ تم کو کسی بڑے کا نمبر معلوم ہو تو اس سے سلسلہ ملاؤ' باقی باتیں میں خود کرلوں گا۔"

"کاش میں اس پوزیشن میں ہوتا!" اس نے حسرت آمیز لہجہ میں کہا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ میں نے تمہیں آئی مین تسلیم کرلیا ہے اور تم سے تعاون کررہا ہوں لیکن ویرا کو میں شک کا فائدہ دینے پر مجبور ہوں۔ میں نے تمہارے الزامات سن لئے ہیں لیکن ویرا کو ان کی وضاحت کا موقع ضرور ملنا چاہئے۔ اسی کے بعد میں ویرا کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ کرسکوں گا۔ فی الحال میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ آئی وومن رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن وہ شی کے عظیم تر مفادات کے لئے کام کررہی ہے اور میں اس کی راہ میں روڑے اٹکانا پسند نہیں کروں گا۔"

وہ کھل کر سامنے آگیا تھا۔ میری باتوں کے ہیر پھیر میں آکر اس نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی تھی اس لئے وہ میری ہر بدسلوکی کا مستحق بن چکا تھا۔ میں نے بیم گن بائیں ہاتھ میں لے کر بیٹھے ہی بیٹھے اپنا داہنا ہاتھ اس کے مُنہ پر رسید کیا۔ وہ غضبناک غراہٹ کے ساتھ ایک پہلو پر جھکا تو میں نے بے اختیار' اس کی چڑھی ہوئی مونچھوں کا ایک سرا نوچ لیا۔

موٹے اور لمبے لمبے بالوں کا ایک گچھا اس کے اوپری لب کے بائیں سرے سے اکھڑ کر میری چٹکی میں آگیا۔ اس بار میر اکبر خان کی اضطراری چیخ بہت کریہہ اور تیز تھی۔

سلطان شاہ نہ صرف ہم دونوں کی پوری گفتگو سن رہا تھا بلکہ گفتگو کے رخ کو بھی بخوبی سمجھ رہا تھا اس لئے میرا ہاتھ چلتے ہی اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور جب میر اکبر خان اپنے اوپری ہونٹ کے اذیت ناک زخم کو سہلاتا ہوا صوفے سے اٹھا تو سلطان شاہ نے فضا میں اڑ کر اُس کے سینہ پر اپنی دونوں لاتوں سے ایسی شدید ضرب لگائی کہ وہ صوفے کو الٹتا ہوا' کسی وزنی لاش کی طرح دور جاگرا۔

"اس کی حرام مونچھ کا ایک ایک بال اکھاڑ لو!" میں نے تحکمانہ لہجے میں سلطان شاہ کو ہدایت کی اور وہ غراتا ہوا' میر اکبر خان کی چوڑی چکلی چھاتی پر سوار ہوگیا۔

جسمانی طور پر' میر اکبر خان ہم میں سے ہر ایک پر بھاری تھا لیکن اس وقت اُس کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے۔ سلطان شاہ اس کی مونچھیں نوچنے کے لئے کوشاں تھا اور وہ خبیث لڑنا بھول کر' دونوں ہاتھوں سے اپنے دہانہ اور اس پر چھائی ہوئی گھنی مونچھوں کو سلطان شاہ کی دسترس سے بچانے کی کوشش کررہا تھا۔

میرے لئے وہ کھیل خاصا انوکھا اور دلچسپ ثابت ہوا۔ جب بھی سلطان شاہ اس کی مونچھوں کے دو چار بال نوچنے میں کامیاب ہوتا تو اکبر خان کی بے ساختہ چیخیں نکل پڑتیں۔

میں اس تماشے میں منہمک تھا کہ اچانک میرے پیچھے سے ایک سہمی ہوئی' سرگوشیانہ آواز ابھری۔ "باس! خیریت تو ہے نا؟ یا میں بھی آجاؤں؟"

وہ شیر شاہ تھا جسے میں بالکل ہی فراموش کر بیٹھا تھا۔ شاید وہ میر اکبر خان کی بلند آہنگ چیخیں سن کر' اندر کی صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے وہاں آپہنچا تھا۔

میرے نئے کھیل میں شیر شاہ کا کوئی کردار نہیں تھا بلکہ اس کی موجودگی میرے لئے خطرناک ثابت ہوسکتی تھی کیونکہ وہ مافیا کا آدمی تھا جب کہ میں ایک ذاتی معاملے میں شی کے آئی مین سے لڑ رہا تھا۔ میری ساری لڑائی صرف اور صرف غزالہ کے لئے تھی جب کہ سیٹھ حبیب جیوانی یہ جانتا تھا کہ میں مافیا کی بالادستی قائم کرنے کے لئے ویرا کی راہ پر لگا ہوا تھا۔ اگر شیر شاہ اس بار، ہماڑ

میں موجود رہتا تو اسے اصل معاملہ کی بھنک مل سکتی تھی جو میرے حق میں ہرگز مفید ثابت نہ ہوتی۔

اس کی صورت دیکھتے ہی میں اُس پر برس پڑا۔ "تمہیں جہاں چھوڑا گیا تھا' وہیں واپس جاؤ اور ہر طرف نگاہ رکھو۔ یہاں کچھ بھی ہوجائے' تمہیں اپنی جگہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ زلزلہ بھی آجائے تو تم میری ہدایت ملنے تک اپنی جگہ پر جمے رہو گے۔"

"ٹھیک ہے باس!" اس نے سر جھکا کر ادب سے کہا۔ "لیکن رات کے سناٹے میں اس کی بے ساختہ چیخیں دور تک سنی جاسکتی ہیں' اس کا منہ باندھ دیا جائے تو بہتر رہے گا۔"

اپنی بات پوری کرنے کے بعد وہ میرا جواب سننے کے لئے نہیں رکا تھا اور فوراً ہی باہر چلا گیا تھا مگر میں اس کی بات کی معقولیت پر غور کرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔

سلطان شاہ اور میر اکبر خان اتنے انہماک کے ساتھ ایک دوسرے سے لڑنے میں مصروف تھے کہ انہوں نے شاید شیر شاہ کی آمد کا نوٹس ہی نہیں لیا تھا اور اگر ان میں سے کسی نے اسے دیکھا بھی تھا تو مجھے پورا یقین تھا کہ ان میں سے کسی نے شیر شاہ کی کہی ہوئی کوئی بات نہیں سنی تھی اس لئے میں نے فوراً ہی سلطان شاہ کو للکارا۔ "یہ مردود اس طرح قابو میں نہیں آئے گا۔ اچھی طرح جبڑے سہلانے کے بعد اسے باندھ ڈالو۔"

سلطان شاہ بھی شاید مونچھیں نوچنے کے کھیل سے اکتا گیا تھا کیونکہ اس نے فوراً ہی میر اکبر خان کے جبڑے پر زوردار مکّوں کی یلغار کردی اور اکبر اسے اپنے سینہ پر سے اچھال پھینکنے کے لئے زور لگانے لگا۔ اس دوران میں' مَیں نے کمرے میں کسی ڈوری کی تلاش شروع کردی جس کی مدد سے اکبر خان کو بے دست وپا کیا جاسکے۔ آخر کار مجھے ایک تپائی کے نیچے سے ریشم کی مضبوط ڈوری کا لچھا مل ہی گیا جس کا سرا کھولتے ہوئے' میں بھی سلطان شاہ کی مدد کو پہنچ گیا۔

اکبر خان لاکھ جسیم اور قد آور سہی لیکن ہم اس کے مقابلہ میں دو تھے۔ پھر وہ مدافعانہ جنگ کر رہا تھا جب کہ ہم دونوں کے تیور نہایت جارحانہ تھے اس لئے تھوڑی سی مار دھاڑ کے بعد ہم نے اس کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے بالکل بے بس کردیا۔

یہ اچھا ہی ہوا کہ اس نے شیر شاہ کا تبصرہ نہیں سنا تھا ورنہ وہ آخری لمحات میں شوروغل مچا کر ہمیں فرار کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کرسکتا تھا۔ اس علاقے کے مکین ایک دوسرے سے لاتعلق رہنے کے عادی ضرور تھے لیکن کسی شخص کی بے پناہ چیخ وپکار انہیں اس حد تک دخل اندازی پر مجبور کرسکتی تھی کہ وہ فون پر پولیس کو اپنے قرب وجوار میں کسی واردات کے ارتکاب کی اطلاع دے سکتے تھے۔

اس دوران میں اکبر خان کا چہرہ بری طرح بگڑ چکا تھا۔ سلطان شاہ کے مکّوں کی بے رحمانہ ضربات نے اس کے ہموار چہرے پر جا بجا نیلے اودے جزیرے ابھار دیے تھے۔ اس کی تقریباً نصف مونچھیں غائب ہوچکی تھیں اور اکھڑے ہوئے بالوں کی جڑوں سے کافی خون رس رہا تھا جس کی وجہ سے اس کا اوپری ہونٹ سوج کر تقریباً ناک سے جا ملا تھا مگر اتنی درگت بننے کے باوجود وہ خائف نظر نہیں آرہا تھا۔

"تم اپنے حق میں بہت برا کر رہے ہو" ہم دونوں کے الگ ہو جانے کے بعد وہ غصے اور بے بسی کے عالم میں بولا۔ "تم میرے اوپر اپنی مرضی مسلّط نہیں کرسکتے۔ اپنے ستاروں کی یاوری سے تم آئی مین ضرور بن گئے ہو لیکن یہ نہ بھولو کہ میں تم سے بہت سینئر ہوں۔"

"تم فکر نہ کرو۔ وقت آیا تو اپنی جواب دہی میں خود کرلوں گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا پھر سلطان شاہ کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ دراصل میں اکبر خان کو اپنے عزائم سے آگاہ کرنا نہیں چاہتا تھا اس لئے مجبوراً اشارے کا سہارا لینا پڑا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اشارہ سلطان شاہ کے لئے ناکافی ثابت ہوگا لیکن مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ فوراً ہی میرا مدعا بھانپ گیا۔

اس نے میر اکبر خان کی طرف پشت کرکے' مسہری کے ایک تکیے پر سے سوتی غلاف اتارا اور پلٹ کر دوبارہ اس کے سینے پر سوار ہوگیا۔ اکبر کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے اس لئے وہ زیادہ مزاحمت کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا اس لئے غلاف دیکھتے ہی وہ سلطان شاہ کا مقصد سمجھ کر خوف زدہ نظر آنے لگا۔

اکبر نے قالین پر اپنا سر اِدھر اُدھر پٹک کر' خود کو سلطان شاہ کے چنگل سے بچانے کی سرتوڑ کوششیں کیں لیکن وہ کسی جونک کی طرح اکبر سے لپٹ گیا اور چند ثانیوں میں ہی اس کے دہانے میں حلق تک غلاف ٹھونس دیا۔ غلاف کا کپڑا اتنا زیادہ تھا کہ اکبر خان کا منہ بند کرنے کے باوجود باہر لٹکتا رہا۔ سلطان شاہ مزید احتیاط کے طور پر اس کے مُنہ پر ڈوری بھی باندھنا چاہ رہا تھا لیکن میں نے اسے روک دیا۔ بے دست وپا ہونے کی وجہ سے میر اکبر خان اپنے دہانے سے کپڑا نکالنے پر قادر نہیں رہا تھا۔

"اب بتاؤ کہ ویرا کے بارے میں تم اور کیا جانتے ہو؟ میرے سوالات کا جواب تم اپنے سر کی جنبش سے بہ آسانی دے سکتے ہو۔" میں نے صوفہ اس کی طرف گھما کر' بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

اس کا سر تیزی کے ساتھ نفی میں ہلنے لگا۔ اس وقت اُس کی آنکھوں میں نفرت' خوف اور دہشت کی ملی جلی علامات نظر آرہی تھیں جن سے اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ویرا غصے میں اندھی ہوچکی ہے اور اس کے اقدامات ٹی کو کسی بھی وقت ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتے ہیں اس لئے اُس کو لگام دینی ضروری ہوگئی ہے۔ اگر اتنی پیش رفت کے بعد بھی تم نے اپنی زبان نہ کھولی تو میں یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہوجاؤں گا کہ درپردہ تم بھی اس سے ملے ہوئے ہو اور پھر تم سے



وہی سلوک کیا جائے گا جو ٹی کے غداروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔"

وہ خاموشی کے ساتھ قہربار نظروں سے مجھے گھورتا رہا۔ اس کی نگاہوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کسی بھی قیمت پر اپنے موقف سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہیں تھا۔

میں یک بیک سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ اپنا بایاں پاؤں میر اکبر خان کے بستر پر رکھے اسے کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لمبی اور لچک دار بید دبی ہوئی تھی۔

"اس کے موٹے ملازم کا کیا حال ہے؟" میں نے سلطان شاہ سے دریافت کیا۔

"وہ اپنے کمرے میں بے خبر پڑا ہوا ہے۔ کہو تو اس کا نرخرا کاٹ آؤں۔"

"فی الحال اس کی ضرورت نہیں۔ ابھی ہمیں اکبر کے کَس بل نکالنے ہیں۔ تم کچن سے ایک تیز دھار چھری لے آؤ۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ کتنی دیر تک ویرا کا دم بھر سکے گا۔"

سلطان شاہ کسی سعادت مند ماتحت کی طرح اس خواب گاہ سے نکلتا چلا گیا۔

میں دانستہ اکبر خان کی طرف پشت کئے بیٹھا رہا لیکن چند ثانیوں بعد ہی' اس کے حلق سے نکلنے والی چند گھٹی گھٹی اور بے معنی آوازوں نے مجھے اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کردیا۔

وہ میری طرف دیکھتے ہوئے اپنے سر اور جسم کو بہت تیزی کے ساتھ ہلا رہا تھا۔ اس کے سر کی جنبشوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ اپنے حلق میں ٹھنسے ہوئے کپڑے سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میں اس کا مقصد سمجھتے ہوئے بھی انجان بنا رہا اور پُرسکون آواز میں بولا۔ "اب تم اسی طرح پڑے رہو۔ میرا ساتھی تمہارے دونوں کان کاٹ لے گا۔ تمہیں پھر بھی عقل نہ آئی تو تمہاری ناک جڑ سے کاٹ لی جائے گی اور ہم تمہیں اسی حالت میں یہاں بند کرکے چلے جائیں گے۔ اگر تمہارے خون میں تیزی کے ساتھ جمنے کی صلاحیت ہے تو بہت زیادہ خون نہیں بہے گا اور تم بھوک اور پیاس کے باوجود کئی دن بلکہ ہفتوں تک زندہ رہ سکو گے لیکن یہ یاد رکھنا کہ ویرا کے علاوہ' یہاں کوئی تمہاری مدد کے لئے نہیں آئے گا۔ میرے ساتھی باہر رہ کر تمہارے گھر کی نگرانی کرتے رہیں گے۔ ویرا یہاں آئی تو اس چوہے دان میں گھیر لی جائے گی اور وہ نہ آئی تو تم اسی حالت میں سسک سسک کر مرجاؤ گے۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چل سکے گا کہ ٹی کے ایک سینئر آئی مین کو کس نے اس حال میں پہنچایا۔ تمہارا موٹا ملازم بھی اسی حالت میں اپنی کوٹھری میں بند پڑا رہے گا۔ تم زمین پر گھسٹتے ہوئے بھی اس تک نہیں پہنچ سکو گے کیونکہ ہم جاتے ہوئے' تمہاری خوابگاہ کا دروازہ مقفل کردیں گے۔ تم دونوں اس چھت کے نیچے اپنی موت کا انتظار کرتے رہو گے لیکن ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کرسکو گے۔"

اس کے سر کی جنبش تیز ہوتی چلی گئی۔ میرے عزائم کی تفصیلات سن کر وہ بری طرح مضطرب ہوگیا تھا مگر میں اس کے ہر ردِعمل کو نظرانداز کرکے یکسوئی کے ساتھ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا جہاں بے بسی یا سپردگی کے بجائے بدستور نفرت کے الاؤ سلگ رہے تھے۔

میر اکبر خان کے اضطراب میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا رہا۔ رفتہ رفتہ اس کی نگاہوں میں رقصاں نفرت میں بھی قابلِ ذکر کمی آچکی تھی مگر میں سلطان شاہ کی طرف سے مضطرب تھا جسے کچن میں گئے ہوئے کافی دیر ہوگئی تھی۔ آخر کار وہ واپس لوٹا تو اسے دیکھتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

اس کے ہاتھ میں لمبے پھل والی ایک تیز دھار چھری دبی ہوئی تھی لیکن جو بات تشویشناک تھی' وہ یہ تھی کہ چھری کے پھل کے ساتھ ہی سلطان شاہ کے دونوں ہاتھ تازہ تازہ خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔

"یہ کیا ہے؟ کیا کرکے آرہے ہو' تم؟" اس پر نگاہ پڑتے ہی میں نے اضطراری طور پر اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"اس سے پہلے اس کے حرام خور ملازم کے دونوں کان کاٹ آیا ہوں۔" سلطان شاہ نے میر اکبر خان کی طرف دیکھتے ہوئے سرد اور سفّاکانہ لہجے میں کہا۔ "اس چھری کی دھار واقعی بہت تیز ہے تم چاہو تو میں آناً فاناً اس کے گھٹنوں کے جوڑ کھول کر' پنڈلیاں باہر پھینک سکتا ہوں۔"

اس بار میر اکبر خان کا چہرہ خوف اور دہشت سے تاریک پڑگیا۔ اس کی نگاہوں میں بھی یک بیک دہشت سمٹ آئی اور وہ رحم طلب نظروں سے ہم دونوں کو دیکھتے ہوئے اپنا سر تیزی سے پٹکنے لگا۔

مجھے حیرت تھی کہ اس بار سلطان شاہ نے میری ہدایت کے بغیر ہی ایک احمقانہ حرکت کا ارتکاب کر ڈالا تھا۔ میر اکبر خان ٹی کا خاص کارندہ سہی' لیکن اس کا موٹا ملازم میری نظروں میں بالکل بے گناہ تھا۔ اس کے بارے میں' مَیں نے جو کچھ کہا' اس کا مقصد اکبر کو خوف زدہ کرکے راہِ راست پر لانا تھا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ میں اسے ذرا بھی گزند پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

مجھے سلطان شاہ کی اس کارروائی سے صدمہ پہنچا تھا لیکن وہ ایسا موقع نہیں تھا کہ میں میر اکبر خان کے سامنے اسے لعن طعن کرکے اس کے اقدام کے دہشت ناک اثرات کو زائل کرنے کی کوشش کرتا۔

سلطان شاہ خون آلود چھری کو لہراتا ہوا' میر اکبر خان کے قریب پہنچا پھر یک بیک میری طرف مڑ گیا۔ "میں نے اس موٹے کے کان ڈسٹ بن میں پھینک دیے ہیں۔" اس نے مجھ سے مخاطب ہوکر آنکھ ماری اور میں نے دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا' وہ سفید جھوٹ تھا۔ چھری کے پھل اور اس کے ہاتھوں پر لگا ہوا تازہ خون اس کے کسی کرتب کا نتیجہ تھا اور اکبر

کا ملازم بالکل محفوظ تھا۔

"یہ بہت زیادہ اچھل کود کر رہا ہے۔ ذرا اس کے مُنہ سے کپڑا تو نکالو تاکہ پتا چل سکے کہ یہ اب کیا کہنا چاہتا ہے۔" میں نے سرسری اور پُراطمینان لہجے میں سلطان شاہ سے کہا۔

سلطان شاہ نے اس کے دہانے سے باہر نکلا ہوا حصہ پکڑ کر ایک ہی جھٹکے میں غلاف باہر کھینچ لیا۔ مُنہ کے حساس اندرونی حصوں پر سوتی کپڑے کی تیز رگڑ سے میر اکبر خان بلبلا اٹھا اور اس کی آنکھوں میں پانی آگیا۔ اس نے فوری طور پر کچھ کہنا چاہا لیکن اس کی اینٹھی ہوئی، خشک زبان نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ سوتی کپڑے کے غلاف نے اس کے مُنہ کی ساری رطوبت جذب کرکے اس کے حلق میں کانٹے ڈال دیئے تھے۔

وہ کئی سیکنڈ تک خالی مُنہ چلا کر اپنے عضلات کو معمول پر لانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کی وہ حرکات مجھے کسی ایسے کتے کی یاد دلا رہی تھیں جو پورا زور لگا کر، اپنے حلق میں پھنسی ہوئی ہڈی کو اُگلنے یا نگلنے کی سرتوڑ جدوجہد کررہا ہو اور ناکام ہو۔

"پپ... پانی!" آخر کار، بدقت تمام اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز برآمد ہوئی۔

اس کے سرہانے تھرماس رکھا ہوا تھا۔ سلطان شاہ نے اس کا ڈھکن کھول کر، یخ بستہ پانی کئی فٹ کی بلندی سے اس کے مُنہ پر انڈیل دیا۔ میر اکبر خان نے بلبلا کر اپنا مُنہ ٹھنڈے پانی کی دھار کی سیدھ میں کیا لیکن پہلا بڑا گھونٹ لینے کی کوشش میں اسے اُچھو لگ گیا اور سلطان شاہ نے تھرماس خالی کرکے بے دردی کے ساتھ اس کے بستر پر پھینک دیا۔

"جلدی بولنا شروع کرو۔" میں نے ترش لہجے میں میر اکبر خان کو پھٹکارا۔ "تمہارے نخروں میں ہم اپنی ساری رات یہاں کالی نہیں کرسکتے۔ ہمارے پاس ویرا تک رسائی کی دوسری راہیں بھی ہیں۔"

"وی... ویرا ایران گئی ہے۔" وہ تقریباً ہانپتے ہوئے، جلدی سے بولا۔ "میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک آئی مین دوسرے آئی مین کے ساتھ ایسا بے رحمانہ سلوک کرسکتا ہے۔"

"غنیمت ہے کہ تمہیں اپنے کانوں سے محروم ہوئے بغیر اس حقیقت کا اندازہ ہوگیا۔" میں نے تضحیک آمیز لہجے میں کہا۔ "یہ آئی مین کا نہیں بلکہ ایک غدار تک رسائی کا معاملہ ہے۔ شاید تم بھول گئے ہو کہ شی اپنے غداروں کے بارے میں کس قدر سخت اور سفاکانہ رویّہ اختیار کرتی ہے۔ اگر اس بار بھی ویرا بچ نکلی تو سارا الزام تمہارے عدم تعاون پر آئے گا اور تم اپنی چمڑی نہیں بچا سکو گے۔"

"مجھے کچھ نہیں معلوم... میرا دماغ ماؤف ہو رہا ہے۔" وہ آنکھیں موند کر کراہا۔ تھوڑے سے تشدد اور سلطان شاہ کے نفسیاتی حربے نے واقعی اس کے اعصاب کو ناکارہ کردیا تھا۔

"وقت برباد مت کرو اور یہ بتاؤ کہ ویرا کس روٹ سے گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہم راستے میں ہی اسے پکڑ سکیں۔ اس کی سازشوں کی وجہ سے ہمارا گھوڑا کریک آپریشن بری طرح ناکام ہوا ہے۔ اس ناکامی سے ہم پر ہمارے دوستوں کا اعتماد تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔ ویرا نے دشمنوں کے ساتھ مل کر ہمیں ناقابلِ تلافی مالی اور سیاسی نقصان پہنچایا ہے جس پر اسے معاف نہیں کیا جاسکتا۔"

میرے ان الفاظ پر اس نے چونک کر اپنی آنکھیں کھولیں اور تحیرزدہ آواز میں پوچھا "تو کیا گھوڑا کریک پر پکڑا جانے والا اسلحہ اور گولا بارود ہمارا ہی تھا؟"

"تم برے وقتوں کے آئی مین ہو اس لئے ان نئی نزاکتوں سے لاعلم ہو۔ وہ ہمارا بہت اہم آپریشن تھا۔ اس کے ذریعے ہم اس ملک میں بدترین خانہ جنگی کی کیفیت پیدا کرکے موجودہ حکومت کا تختہ الٹوانا چاہتے تھے تاکہ افراتفری کے خلا میں اپنے پسندیدہ لوگوں کو برسرِاقتدار لاسکیں۔"

"لل.... لیکن اس کی ضرورت کیا ہے؟" اس نے کہا مگر میں نے بھانپ لیا کہ وہ محض ایک سوال نہیں تھا بلکہ میر اکبر خان کے ذہن میں بھی کچھ نہ کچھ لاوا پک رہا تھا اور وہ میرے جواب کی روشنی میں اپنے الفاظ کا وزن جانچنا چاہتا تھا۔

میرے نزدیک یہ بات کسی بھی شک و شبہے سے بالاتر ثابت ہوچکی تھی کہ شی درحقیقت امریکی مفادات کی پروردہ ایک تنظیم تھی جس کے تمام معاشی اور معاشرتی جرائم کا مقصد امریکا کے سیاسی مفادات کا تحفظ کرنا تھا۔ اس کے وجود کی ضرورت شاید اس لئے پیش آئی تھی کہ امریکا کا رسوائے زمانہ خفیہ ادارہ، سی آئی اے عالمی پیمانے پر بدنام ہوچکا تھا اور بیشتر عالمی جرائم میں اس کے ملوث ہونے کے ثبوت خود امریکی پریس میں منظرِعام پر لائے جاچکے تھے۔ ایک پرانے اور بدنام ادارے کے مقابلے میں کسی نئی اور نسبتاً گمنام تنظیم کی تشکیل امریکا کی ہر حکومت کی ایک ناگزیر ضرورت تھی تاکہ اس کے ذریعے امریکی حکمراں کرۂ ارض پر اپنی ان بڑھتی ہوئی خواہشات کو حاصل کرسکیں جن کا حصول اخلاقی اور قانونی ذرائع سے کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا۔ اس پس منظر میں، میں نے فوراً ایک کہانی تراش لی۔

"شاید تم شی کی ہیئت سے پوری طرح واقف نہیں ہو" میں نے کہنا شروع کیا "جمہوری حکومت کسی ایک جماعت کی ہو یا دوسری کی، اس کی پشت پر عوامی حمایت ہوتی ہے اور ذرا سی بھی عوامی حمایت رکھنے والی کوئی حکومت اپنے عوام کی امنگوں کے برعکس کوئی فیصلہ نہیں کرسکتی اسی لئے مضبوط آمرانہ حکومتیں ہمیں راس آتی ہیں۔ اس ملک میں کسی نہ کسی حد تک جمہوریت ہے اس لئے یہ لوگ گھاس کھا کر بھی ایٹمی ہتھیار بنانے کا عزم رکھتے ہیں مگر یہ سب زبانی باتیں ہیں۔ جب گھاس کھانے کا وقت آئے گا تو یہ گوشت خور، چار دن میں بلبلا اٹھیں گے مگر ہم اُس وقت تک



ار نہیں کرسکتے۔ یہاں ہماری مرضی کی حکومت آگئی تو ہم
رے ہی دن اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں
۔ اس مقصد کے حصول کے لئے آپریشن گھوڑا کریک کلیدی
ت کا حامل تھا مگر ویرا کی غداری نے ہمارے پورے منصوبے کو
میٹ کرکے رکھ دیا۔"

"میں یہ سب جانتا ہوں" اس بار میر اکبر خان کی تھکی ہوئی
از نے مجھے چونکا دیا۔

میں خود کو اس سے بالادست اور باخبر ظاہر کرنے کے لئے اپنے
زمرہ تجزیوں کی بنیاد پر وہ من گھڑت کہانی چھیڑ بیٹھا تھا جس میں
ری دانست میں حقیقت کم اور افسانہ زیادہ تھا لیکن میر اکبر خان
غیرمشروط تائید نے مجھے ہکا بکا کردیا۔

"میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم کس حد تک باخبر ہو" وہ
ہ رہا تھا "ویرا نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ گھوڑا کریک پر پکڑا جانے
لا اسلحہ ہمارا ہی تھا لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ ایٹمی
نٹ کے حساس آلات اور اہم مشینوں کی ترسیل رکوانے کے لئے
یران گئی ہے۔ جو مقصد تم بتارہے ہو، وہی مشن اس کا بھی ہے۔
ری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تم دونوں میں سے کسے صحیح اور کسے
ط سمجھوں؟"

"تمہارے لئے اب انتخاب کا وقت باقی نہیں رہا" میں نے
گن کی نال کو جنبش دیتے ہوئے کہا "تم ویرا کی پوری کہانی سنا
لو اور فیصلہ مجھ پر چھوڑ دو۔ یہ یقین رکھو کہ اگر وہ بدنیت نہیں ہے
اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ میں خود اس کی حفاظت کا فرض
رانجام دوں گا۔"

"وہ فضائی راستے سے گئی ہے۔ اب تک اتنی دور نکل چکی
وگی کہ تم اس کی گرد کو بھی نہیں پاسکوگے۔ مجھے صرف اتنا معلوم
ہے کہ وہ ایران گئی ہے لیکن ایران بہت بڑا ہے۔ پتا نہیں اس نے
کس شہر کی راہ اختیار کی ہوگی۔ اس کا پیچھا کرکے تم اپنا وقت برباد
کروگے۔"

"میرا وقت تم برباد کر رہے ہو" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔
راچی
یہاں سے صرف تہران کے لئے پروازیں چلتی ہیں۔ وہ جہاں بھی
جانا چاہے، پہلے اسے تہران میں اترنا ہوگا۔ اب اگر تم نے براہِ
راست اپنی کہانی شروع نہیں کی تو میں دوبارہ تمہارے حلق میں کپڑا
ٹھونس کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"مجھے کچھ نہیں معلوم کہ اُس کی کس سے بات ہوئی تھی" وہ
ب گہرا سانس لے کر آہستہ آہستہ بولنے لگا "مگر میں یہ ضرور جانتا
ں کہ اس کی منزل ایران ہے۔ شہنشاہ کے دورِ حکومت میں
یکی حکومت نے ایران میں ایک جدید ایٹمی پلانٹ کی تنصیب
ے لئے حساس ترین آلات اور سازوسامان کی ایک بہت بڑی
یپ بھیجی تھی لیکن ایران میں انقلاب رُونما ہونے کی وجہ سے
ا منصوبے پر کام کا آغاز نہیں ہوسکا۔ ابتدائی دنوں میں نئے

ایرانی حکمراں اپنے اندرونی معاملات میں الجھے رہے۔ بعد میں اس منصوبے کی تیاریوں کی جانچ پڑتال کی گئی تو پتا چلا کہ ایران میں موجود ایٹمی سازوسامان اہم ہونے کے باوجود ادھورا تھا جس کی مدد سے پلانٹ کی تعمیر ناممکن تھی۔ ان لوگوں نے درپردہ پاکستان سے رجوع کرکے کھلی عالمی منڈیوں سے بقیہ آلات وغیرہ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن امریکا کی بدترین اور کھلی مخالفت کی وجہ سے انہیں کہیں کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔ ان لوگوں نے ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد چھ سو ٹن وزنی آلات اور ایٹمی سازوسامان کی وہ کھیپ پاکستان کو دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ یہ کھیپ نئے پلانٹ کی تعمیر کے لئے غیراہم ہے لیکن پاکستان میں موجود ایٹمی سہولتوں کی مرمت، تجدید اور توسیع میں نہایت اہم ثابت ہوسکتی ہے۔ سفارتی دباؤ کے ذریعے ایرانی حکومت کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کرنے کی کوششوں میں ناکامی کے بعد اب یہ مشن شی کو سونپ دیا گیا ہے، ہم لوگوں کو یہ کھیپ ایران ہی کی سرزمین پر تباہ کرنی ہے تاکہ پاکستان کی بڑھتی ہوئی ایٹمی صلاحیتوں میں کوئی بہت بڑا، ڈرامائی اضافہ نہ ہوسکے۔"

میں دل ہی دل میں اس ملعون کی ضمیرفروشی پر لعن طعن کرکے رہ گیا۔ تھوڑی دیر قبل وہ معصوم پاکستانی بچوں کی ہیروئن نوشی پر کڑھنے کی اداکاری کررہا تھا اور اب پاکستان ہی کی بیخ کنی پر مُتلا ہوا نظر آرہا تھا۔ وہ بھول چکا تھا کہ وہ خود بھی اپنی پیدائش اور زندگی کے لئے اسی سرزمین کا مرہونِ احسان تھا جس کے مفادات کو وہ دوسروں کے ہاتھ بیچ چکا تھا۔

"وہ سازوسامان ایران کے کس شہر میں ہے؟" میں نے اس پر پیچ و تاب کھاتے ہوئے پُرسکون آواز میں پوچھا مگر میرے دلی جذبات، میرے لب و لہجے پر غالب آہی گئے۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور بے ساختہ پوچھا۔ "اب تم مجھ پر برہم کیوں ہو؟"

"یہی باتیں تم مجھے پہلے بھی بتا سکتے تھے، تم نے میرا خاصا وقت برباد کیا ہے۔"

"میں بتاچکا ہوں کہ وہ ہوائی جہاز سے گئی ہے۔ تم آتے ہی چلے جاتے، پھر بھی اسے نہیں پکڑ سکتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ پہلے تہران ہی گئی ہو لیکن میں اس کی اگلی منزل سے لاعلم ہوں۔"

"تمہیں بھی ویرا کی بے گناہی کا یقین ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"پوری کہانی سن لینے کے بعد تمہیں بھی اس کی نیت پر شبہ نہیں کرنا چاہئے" اس نے سنجیدگی سے کہا "اگر اسے شی کو نقصان پہنچانا ہوتا تو وہ عجلت میں تہران کے لئے روانہ نہ ہوئی ہوتی۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایٹمی سازوسامان کی کھیپ اپنی حفاظت اور نگرانی میں پاکستان لانے کے لئے ایران گئی ہوگی۔ وہاں جاکر وہ اپنے کسی شعبدے کے ذریعے گوداموں یا مال بردار کارواں

کو تباہ تو کرسکتی ہے لیکن ایرانی یا پاکستانی حکام کی کوئی مدد نہیں کرسکتی۔ بے سروسامانی کے عالم میں اس کی یہاں سے روانگی ہی اس کی بے گناہی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔"

میرا دل چاہ رہا تھا کہ اسے بلاتوقف موت کے گھاٹ اتار دوں لیکن وہ میرے حریف کا ہم راز تھا۔ میری خواہش تھی کہ اسے مارنے سے پہلے' میں اس کے دل میں پوشیدہ ہر بات اگلوالوں۔

"وہ شی کو زک پہنچانا چاہتی تو ایران جانے کے بجائے خاموشی کے ساتھ یہیں رُوپوشی اختیار کرلیتی" وہ کہہ رہا تھا "اور چند روز بعد منظرِ عام پر آکر اپنے بڑوں کو اپنی ناکامی کی کوئی اثر انگیز کہانی سنادیتی۔"

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ فضائی راستے سے ہی سفر پر روانہ ہوئی ہے؟"

"میں نے اسے بتادیا تھا کہ میری کار کسی طویل سفر کے قابل نہیں ہے" وہ بولا "اس کے بعد ہی اس نے کئی ائرلائنز کو فون کئے تھے۔ دفاتر کا وقت ختم ہوجانے کی وجہ سے اس نے ائرپورٹ کے دفاتر سے رابطہ کیا تھا۔ نمبروں کی تلاش میں خود مَیں نے اس کی مدد کی تھی۔"

"تو کیا پہلے وہ کار سے جانا چاہتی تھی؟" میں نے چونکے بغیر سوال کیا۔

"میرا یہی اندازہ تھا کیونکہ اس نے میری پرانی فورڈ کے انجن اور بریکوں وغیرہ کے بارے میں تفصیل سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اسی وقت ویرا کو بتادیا تھا کہ میری دس برس پرانی کار طویل اور اجنبی راستوں پر زیادہ دور تک اس کا ساتھ نہیں دے سکے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہاری کار ائرپورٹ کی پارکنگ لاٹ میں ہونی چاہئے؟"

"اس نے غلط جگہ پر پارکنگ کی ہوگی تو اسے لفٹر بھی لے جاسکتا ہے۔"

"ائرپورٹ پر لفٹر سے اٹھائی جانے والی گاڑیاں بھی پارکنگ لاٹ ہی کے ایک حصے میں اتاری جاتی ہیں۔ وہاں تمہاری کار کی تلاش میں کوئی قابلِ ذکر دقت نہیں ہونی چاہئے۔ تمہاری فورڈ کا رنگ اور رجسٹریشن نمبر کیا ہے؟ میں پہلے اسی کا سراغ لگاؤں گا۔"

اس نے بلا تردّد اپنی سیاہ فورڈ کا رجسٹریشن نمبر بتادیا جو سلطان شاہ نے فوراً نوٹ کرلیا۔

"تمہاری خیریت معلوم کرنے کے لئے اس کی پہلی فون کال کس وقت متوقع ہے؟"

"اپنی پہلی منزل پر پہنچنے کے بعد وہ کسی بھی وقت فون کرسکتی ہے۔ اسے میری طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو وہ غزالہ پر تشدد شروع کردے گی۔ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ تم نے اس کا پیغام پڑھے بغیر پھاڑ دیا۔ اسے امید تھی کہ تم جلد یا بدیر مجھ تک پہنچ جاؤ گے۔ اپنے خط میں اس نے اسی بات پر زور دیا تھا کہ اگر اسے فون پر میری طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو وہ انتقاماً غزالہ کو بدترین سزا دے گی۔ اسے تمہارے اور غزالہ کے تعلق کے بارے میں شدید غلط فہمی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اس کی فون کال آنے تک تم یہیں ٹھہرے رہو۔ میرے بعد تم بھی اس سے بات کرلینا۔ ہوسکتا ہے کہ اس مرحلے پر تم دونوں کے درمیان صلح کی کوئی راہ نکل آئے۔ میری اب بھی یہی رائے ہے کہ وہ سب کچھ ہوسکتی ہے مگر شی کی غدار نہیں ہوسکتی۔"

"اور میرے بارے میں اب تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

لمحہ بھر کے لئے وہ گڑبڑا گیا پھر سنبھل کر بولا "تم بہت زیادہ مغلوب الغضب اور جذباتی ہو اس لئے غلطی بھی کرسکتے ہو۔ ٹھنڈے دل ودماغ کے ساتھ واقعات کی کڑیاں ملاؤ گے تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ ویرا شی سے وفاداری کے معاملے میں تم سے کم نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپریشن گھوڑا کریک کے سلسلے میں تمہیں کوئی سنگین غلط فہمی ہوئی ہو۔ یہ بات میں اُس کی طرف داری میں نہیں کہہ رہا بلکہ میں دو مخلص اور سینئر کارکنوں کے درمیان صلح صفائی کرانی چاہتا ہوں۔"

"اب تم نے اس موضوع پر مزید سمع خراشی کی تو میں واقعی تمہارے کان کٹوادوں گا۔"

"تم پھر مشتعل ہوگئے" وہ آزردگی کے ساتھ بولا "تمہارا ساتھی پہلے ہی میرے بے گناہ ملازم کو کانوں سے محروم کرچکا ہے۔ پتا نہیں وہ بے چارہ زندہ ہے یا جریانِ خون سے مرچکا ہے؟"

"تم مکّار اور فریبی ہو" میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا "جب سے میں یہاں آیا ہوں' تم نے گرگٹ کی طرح کئی رنگ بدلے ہیں لیکن یہ بات اٹل ہے کہ تمہاری نس نس میں شی سے وفاداری رچی ہوئی ہے اور میں شی والوں کے لہو کا پیاسا ہوں' میرا نام ڈینی ہے۔"

اس کی آنکھوں میں دہشت سمٹ آئی۔ اپنے دفاع کے لئے اس نے اپنے بندھے ہوئے ہاتھ فضا میں بلند کئے' چیخنے کے لئے اس کا بگڑا ہوا اور خون آلود دہانہ حرکت میں آیا لیکن اس کے حلق سے کوئی نحیف سی آواز بھی نکلنے سے پہلے سب کچھ ختم ہوگیا۔

میرے ہاتھ میں دبی ہوئی بیم گن کے ہولناک آہنی دہانے سے ہرشے کو خاکستر کردینے والی نیلگوں شعاعوں کی پتلی سی دھار خارج ہوکر میرا اکبر خان کے چہرے پر پھیلی اور پھر وہاں صرف راکھ کا ڈھیر پڑا رہ گیا۔ اس کا بغیر سر کا مجسم دو تین بار بری طرح تڑپا اور پھر اُچھل اُچھل کر بے جان ہوگیا۔

میری اس اچانک کارروائی پر سلطان شاہ حیران رہ گیا اور بولا "یہ تم نے برا کیا؟"

"کیوں؟" میں نے اس کی طرف گھوم کر سوال کیا تو میرے



[آو]از سے درشتگی مترشح تھی۔

"بیم گن جیب میں رکھو!" سلطان شاہ اس مہلک ہتھیار کی زد [سے] بچتے ہوئے بوکھلا کر بولا "اس وقت تم پر خون سوار ہوگیا ہے' [کہ]یں مجھ پر ہی فائر نہ کردینا۔"

میں نے بیم گن اپنی جیب میں رکھ لی اور پوچھا "اس کے [مر]نے میں کیا خرابی ہے؟"

"ویرا کا پہلا فون آنے تک یہ زندہ رہتا تو غزالہ بہت سی [پر]یشانیوں سے محفوظ رہ سکتی تھی۔"

"پہلے میں بھی یہی سوچ رہا تھا لیکن بعد میں' مَیں نے اپنا ارادہ [بد]ل دیا" میں نے کہا "ہم ویرا کے فون کے انتظار میں یہاں بیٹھے رہ [ک]ر اپنا وقت برباد نہیں کرسکتے تھے۔ دوسری طرف مجھے اکبر پر اعتماد [نہ]یں تھا۔ اگر ہم اسے زندہ چھوڑ کر چلے جاتے تو تنہائی میں وہ ویرا کو [سا]ری کہانی سے آگاہ کردیتا۔"

"لیکن اب غزالہ کا کیا بنے گا؟" اس نے پُرتشویش لہجے میں [سو]ال کیا۔

میں نے بڑھ کر فون کا ہینڈ سیٹ کریڈل سے اتار کر نیچے رکھ دیا [او]ر کہا "پاکستان میں ٹیلی فونوں کا کئی کئی دن کے لئے خراب رہنا [ای]ک معمول کی بات ہے۔ جب ویرا کو یہ نمبر انگیج ملے گا تو وہ یہ [سو]چنے پر مجبور ہوجائے گی کہ اکبر کا نمبر خراب ہوچکا ہے۔ دوسری [او]ر زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ویرا پاکستانی زبان اور رسوم ورواج سے [وا]قف ہونے کی وجہ سے یہاں ہر طرح سے آزادی محسوس کرتی [تھ]ی لیکن ایران اس کے لئے ایک اجنبی ملک ہوگا۔ وہاں وہ محفوظ [ٹھک]انوں کی سہولت سے محروم ہوگی اس لئے غزالہ کو زیادہ پریشان [نہی]ں کرسکے گی۔ اب ہمیں جلد از جلد اس تک پہنچنا ہوگا کیونکہ [غز]الہ کے اغوا کے ساتھ ہی اب ہمیں ویرا کے نئے مشن کے [با]رے میں بھی معلوم ہوچکا ہے۔"

"ہاں! اگر میرا اکبر خان سچ بول رہا تھا تو ویرا کو ناکام بنانا [ض]روری ہوگیا ہے" وہ تشویش سے بولا۔

"اس کی گوشمالی کرلی جائے گی لیکن تم یہ بتاؤ کہ وہ خون والا [مع]مہ کیا تھا؟" میں ابتدا ہی سے چھری اور سلطان شاہ کے ہاتھوں پر [لگ]ے جانے والے خون کے بارے میں خلش کا شکار تھا۔

میرے استفسار پر اس نے اپنی عادت کے برعکس ہنسنے سے [گری]ز کیا اور سنجیدگی سے بولا "میں نے سمجھ لیا تھا کہ تم اکبر خان کو [خو]ف زدہ کرنا چاہ رہے تھے۔ اس کے ملازم کو اُس کے کمرے میں [بے] ہوش کرنے کے بعد میں کچن میں پہنچا تو چھری سے پہلے ہی مجھے [ای]ک پنجرے میں پالتو طوطا نظر آگیا۔ وہ پالتو پرندہ بہت مسکین اور بے زبان ثابت ہوا اور کوئی آواز نکالے بغیر میری گرفت میں آگیا۔ [تم] نے میرے ہاتھوں وغیرہ پر اسی کا خونِ ناحق دیکھا تھا۔ میرا اندازہ [تھ]ا کہ اکبر خون دیکھتے ہی سراسیمہ ہوجائے گا اور وہی ہوا۔ میں اتنا [سنگد]ل نہیں تھا کہ تمہاری مرضی کے بغیر اس کے ملازم کو زخمی کردیتا۔"

"اب اسی کا مسئلہ سب سے ٹیڑھا نظر آرہا ہے۔ وہ ہمیں پہچان چکا ہے۔ اس کا زندہ رہنا ہمارے لئے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے اور کسی بے گناہ کو ہلاک کرنا میرے اصولوں کے خلاف ہے۔"

"تم فکر نہ کرو" وہ چند ثانیوں بعد اپنے کندھے اچکا کر بولا۔ "اسے ہوش میں آنے دو۔ میں اسے اس بری طرح دہشت زدہ کروں گا کہ وہ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔"

مجھے خیال آیا کہ باحیثیت لوگ عموماً اپنے گھریلو ملازمین کے کوائف مقامی تھانے میں درج کرادیتے ہیں تاکہ کسی بدنیت ملازم کے خلاف انہیں تحفظ حاصل رہے لیکن میرا اکبر خان کے بارے میں وہ نظریہ قابلِ ذکر نہیں تھا۔ وہ خود مجرموں کا سردار تھا اور ایسے لوگ ہرحال میں پولیس تھانے سے دور ہی رہنا پسند کرتے ہیں تاکہ کسی ناگہانی اتفاق کی وجہ سے ان کی سیاہ کاریوں کا پردہ چاک ہونے کا امکان باقی نہ رہے۔

"اب ہمیں اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا پڑے گا" میں نے کہا۔

"مجبوری ہے' مجھے کلوروفارم کا کوئی توڑ نہیں معلوم ورنہ اسے ابھی کھڑا کردیتا۔"

میرے سامنے فوری کام' میرا اکبر خان کی سیاہ فورڈ کی تلاش کا تھا۔ اگر وہ ائرپورٹ پر یا شہر کے کسی حصے میں مل جاتی تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی کہ ویرا فضائی راستے سے روانہ ہوئی تھی جس کا امکان کم ہی نظر آتا تھا۔

میرا اکبر خان نے دفتری اوقات گزر جانے کی وجہ سے مختلف فضائی کمپنیوں کے ائرپورٹ پر واقع دفاتر کو فون کرنے کی کہانی سنائی تھی جس پر میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ اس نے کبھی کوئی قابلِ ذکر فضائی سفر کیا ہی نہیں تھا یا پھر اس نے ائرپورٹ پر واقع سہولتوں کا تفصیلی جائزہ لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

مجھے علم تھا کہ ائرپورٹ پر چیدہ چیدہ فضائی کمپنیوں کے دفاتر اور چیک اِن کاؤنٹر موجود تھے جو ان کی اپنی پروازوں کی آمدورفت کے اوقات میں کھلتے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی ٹکٹوں کی فروخت یا اجرا کا مجاز نہیں تھا۔ ائرپورٹ پر صرف پی آئی اے کا سیلز آفس قائم تھا جو عموماً اندرونِ ملک پروازوں کے ٹکٹ فروخت کرتا تھا۔ وہاں سے کسی بین الاقوامی روٹ کا ٹکٹ خریدنا ممکن نہیں تھا۔

ویرا سورج غروب ہونے کے بعد وہاں سے روانہ ہوکر اکبر کے بیان کے مطابق ائرپورٹ کی طرف گئی تھی اور یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ وہاں سے تہران کے لئے ٹکٹ خرید کر کسی قریب ترین پرواز پر نشست حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتی۔ اگر اسے طیارے سے تہران جانا تھا تو وہ رات کراچی ہی میں گزارنے پر مجبور تھی اور

اکبر کی سیاہ فورڈ اس کی کمین گاہ کی نشاندہی کر سکتی تھی۔

اصل صورتِ حال سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہم میں سے کسی ایک کا ائرپورٹ جانا ناگزیر بن چکا تھا۔ خاصے غور کے بعد میں نے وہ کام خود سرانجام دینے کا فیصلہ کرلیا۔

"تم یہیں رک کر اکبر کے ملازم کے ہوش میں آنے کا انتظار کرو اور پھر اسے یہاں سے دوڑا دو۔ میں اکبر کی کار کی تلاش میں ائرپورٹ جارہا ہوں۔ شیر شاہ میرے ساتھ جائے گا۔ وہ یہاں رکا رہا تو تمہارے بارے میں اپنا تجسس دور کرنے کی کوشش کرے گا۔"

شاید غزالہ کے دوبارہ اغوا کی وجہ سے سلطان شاہ کے مزاج پر افسردگی غالب تھی اس لئے اس نے کسی نوک جھونک کے بغیر مجھے روانگی کی اجازت دے دی۔ اتنی رات گئے ایک وسیع و عریض مکان میں بغیر سر کی ایک لاش اور ایک تومند حریف کے ساتھ یکہ و تنہا ٹھہرنا بہت زیادہ دلیری نہ سہی تو ہمت کا کام ضرور تھا اور سلطان شاہ نے میرا فیصلہ قبول کرکے عالی ہمتی کا ثبوت دیا تھا۔

"یہ یاد رکھنا کہ ہم اکبر کے ملازم کو مزید کوئی گزند نہیں پہنچانا چاہتے لیکن اگر وہ وبال ثابت ہونے لگے تو اس کے مستقبل کا فیصلہ تمہاری مرضی پر منحصر ہوگا" میں نے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "ایک امکان یہ بھی نظر آتا ہے کہ وہ بھی شی کا کوئی پرانا گرگا ہو جسے اکبر نے اپنی خدمت پر مامور کرلیا ہو۔ ہم حق اور انصاف کے علم بردار نہیں ہیں بلکہ حتی الامکان اپنی حدود میں رہ کر اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اس جنگ میں اگر کوئی ہماری راہ میں رکاوٹ بنتا ہے تو اسے نیست و نابود کرنا ضروری ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ تمہارے ساتھ رہ کر اب میں بھی بہت چالاک ہوگیا ہوں۔"

میرے باہر نکلتے ہی اس نے داخلی دروازہ بند کرلیا اور میں اندھیرے میں احاطے کی دیوار سے چپکے ہوئے شیر شاہ کی طرف بڑھ گیا۔ گھور اندھیرے میں اس کی روشن آنکھیں بلور کی گولیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ مجھے پہچانتے ہی وہ اپنی جگہ چھوڑ کر تیزی سے میری طرف آیا تھا۔

"میرے ساتھ چلے آؤ" میں نے رکے بغیر سپاٹ لہجے میں کہا۔ "ہمیں باہر نکلنا ہے۔"

"سلطان شاہ کہاں رہ گیا" چند قدم خاموشی سے طے کرنے کے بعد اس نے دبی دبی آواز میں پوچھا۔

"وہ قیدیوں کی نگرانی کر رہا ہے۔ واپسی پر ہمیں یہیں آنا ہے۔"

ہم دونوں تیزی کے ساتھ مکان کے تاریک عقبی حصے کی طرف بڑھنے لگے جہاں برگد کے تناور درخت کی مضبوط شاخیں برابر کے خالی پلاٹ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ فضا پر بیکراں سناٹا محیط تھا۔ کبھی کبھار اکا دکا جھینگروں کا شور سنائی دے جاتا تھا یا پھر ہمارے جوتوں سے نیچے آنے والی بجری اور روڑیوں کی آواز گونج رہی تھی۔

○☆○

مجھے معلوم تھا کہ تمام بین الاقوامی پروازیں ائرپورٹ کے ٹرمینل نمبر دو اور تین سے روانہ ہوتی تھیں لیکن پھر بھی میں نے اپنی تلاش کی ابتدا پہلے ٹرمینل کے اطراف میں پھیلے ہوئے اس وسیع رقبے سے کی جہاں کسی بھی کار کے پارک کئے جانے کا امکان ہوسکتا تھا۔

کراچی میرا اپنا شہر تھا۔ جوانی کے بے لگام دنوں میں لاہور کو خیرباد کہنے کے بعد میں نے اسی شہر میں اپنا بیشتر وقت گزارا تھا لیکن مجھے کبھی بھی یہ شعوری احساس نہیں ہوسکا کہ لاگت، کفایت اور کارکردگی کے اعتبار سے جاپانی کاروں نے ہر مغربی کار کو کراچی کی سڑکوں سے نکال پھینکا تھا۔ اس روز مجھے میر اکبر خان کی دس برس پرانی سیاہ فورڈ کی تلاش تھی اس لئے میں ہر سیاہ کار کے نام اور نمبروں کو دیکھتا جارہا تھا۔ میں نے وسیع و عریض پارکنگ لاٹ کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن وہاں سرے سے ایک بھی فورڈ کار دریافت کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

"شہر میں اس ماڈل کی شاید دو چار ہی گاڑیاں باقی رہی ہوں گی ورنہ بقیہ سب شیر شاہ پہنچ کر دم توڑ چکی ہیں" شیر شاہ نے میری ہدایت پر ٹرمینل نمبر دو اور تین کا رخ کرتے ہوئے مایوسانہ لہجے میں کہا "تمہاری مطلوبہ کار یہاں موجود ہوئی تو دور ہی سے نظر آجائے گی۔"

"اپنی جنم بھومی کے بارے میں تمہارا تجزیہ خاصا حقیقت پسندانہ ہے" میں نے کہا۔

"دراصل لوگوں نے شیر شاہ کو صرف کباڑی بازار سمجھا ہوا ہے ورنہ اس وسیع آبادی میں لاکھوں انسان بھی آباد ہیں اور کباڑی بازار والوں کی مہارت کا یہ عالم ہے کہ صرف دو گھنٹے میں بڑی سے بڑی کار کے انجن سے لے کر دروازوں اور ٹائروں تک، ہر چیز الگ کر ڈالتے ہیں۔ کھوکھلے آہنی ڈھانچے خود اپنے مالکوں کی شناخت تک سے محروم ہوجاتے ہیں۔ ان کے برعکس وہاں کے عام باشندے بہت ملنسار اور خوش اخلاق ہیں۔ ان کی ایمانداری کے بارے میں یہ ضرب المثل مشہور ہے کہ وہ اپنے گھر میں اپنے مہمان کے سر کی جوئیں تک مرنے نہیں دیتے۔ مقدر کی بات ہے کہ میں اپنی بھیڑ سے الگ ہوگیا ہوں۔"

میں وقت گزاری کے لئے اس کے ساتھ باتوں میں مصروف رہا۔ اس دوران میں ہماری کار نے سواریاں اتارنے والی پتلی گزرگاہوں سے لے کر ہر پارکنگ لاٹ کا چکر بھی لگالیا لیکن میر اکبر خان کی سیاہ فورڈ کہیں نظر نہیں آسکی۔ مجھے پہلے ہی توقع تھی کہ کم سے کم وقت میں ویرا کا فضائی سفر پر روانہ ہونا ممکن نہیں تھا مگر پھر بھی میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

میر اکبر خان مارا جاچکا تھا مگر مارے جانے سے پہلے وہ کہہ چکا



تھا کہ ویرا طیارے سے تہران گئی تھی اس لئے اس امکان پر حتی الامکان محنت کرنا ضروری تھا۔ میں نے شیر شاہ کو ہدایت کی کہ وہ کار کو پارکنگ لاٹ میں چھوڑ دے تاکہ میں ٹرمینل کی عمارت میں جاکر مزید چھان بین کرسکوں۔

چند منٹ کے مختصر سے وقفے میں دوسری بار پارکنگ لاٹ میں داخل ہوتے ہوئے مجھے یک بیک فکر ہوگئی کہ پارکنگ فیس وصول کرنے والوں کے ساتھ موجود ائرپورٹ سیکیورٹی فورس کے مسلح اہلکار ہماری کار پہچان کر کسی شبہ کا شکار نہ ہوجائیں۔ کار کی تلاش کی حد تک مجھے کوئی فکر نہیں تھی لیکن جامہ تلاشی کی نوبت آجاتی تو ہم دونوں ہی مسلح حالت میں دھر لئے جاتے۔

ائرپورٹ سیکیورٹی کے نوجوان عام طور پر شہری پولیس سے زیادہ مستعد اور چاق و چوبند نظر آتے ہیں لیکن اس وقت جو لوگ ڈیوٹی پر تھے ان کا مشاہدہ تیز نہیں تھا۔ ہم دوسری بار بھی صرف پارکنگ ٹوکن خرید کر لاٹ میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے۔

"تم یہیں میرا انتظار کرو، میں تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے، میں کار سے اتر کر ٹرمینل نمبر تین کی عمارت کی طرف چل دیا جو برسوں سے احمقانہ طور پر ٹرمینل نمبر ایک اور دو کے درمیان میں واقع ہے۔

تنہائی میسر آتے ہی میرا ذہن تیزی کے ساتھ صورتِ حال کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا۔

سب سے پہلے مجھے اسپیشل ٹاسک فورس کا اول خان یاد آیا جس نے سندھ میں شی کے ناپاک عزائم کو ناکام بنانے میں بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ یہ اسی کی محنت کا ثمر تھا کہ بحرِ ہند اور بحیرۂ عرب کے اتھاہ پانیوں میں پاکستانی بحریہ نے ہتھیاروں کی بہت بڑی کھیپ لانے والی لانچ کی تلاش کی مہم شروع کی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ بعد میں ایرانی انٹیلی جنس نے انہیں خلیج کے دہانے پر واقع ابو موسیٰ المبارک نامی جزیرے پر ایک مشتبہ لانچ کی موجودگی کی اطلاع دی۔ بعد میں الحدید نامی اسی لانچ پر جدید ترین اور مہلک ہتھیاروں کے ساتھ گولا بارود کی بہت بھاری غیر قانونی کھیپ لدی ہوئی پائی گئی اور بحریہ کے فرض شناس افسروں اور جوانوں نے خون خرابے کے بغیر کھلے سمندر میں الحدید اور اس کے عملے پر قابو پالیا جسے بعد میں گھوڑا کریک لاکر فوجی حراست میں لے لیا گیا۔ وہ ایک بہت بڑا اور دوررس واقعہ تھا جس نے اس گھناؤنی سازش کے باخبر ذمے داروں کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ لوگ بالا دست اور سیاسی محاذ پر ضرورت سے زیادہ بارسوخ تھے اس لئے اس کامیابی کا محرک ان کی انتقامی کارروائی کا پہلا نشانہ بنا اور اسے کھڑے کھڑے کراچی سے اندرونِ ملک تبدیل کردیا گیا۔

ان لوگوں کو اس خطے میں اپنی من مانی کرنے سے روکنے میں سرکاری سطح پر دو ملک ملوث تھے، پہلا ایران کا انٹیلی جنس کا محکمہ تھا جس نے سب سے پہلے الحدید کی نشان دہی کی اور دوسرا پاکستان تھا جس کی بحریہ نے الحدید کے مشن کو عبرت ناک ناکامی کا ایک شاہکار بنادیا۔ اور وہ دونوں ہی ملک بیک وقت شی کی ہٹ لسٹ پر آگئے تھے۔ اس کا کھلا ثبوت تھا کہ پاکستان میں درمیانی اور بھاری جنگی ہتھیاروں کی غیر قانونی ترسیل میں ناکام ہوتے ہی شی نے ویرا کو اس ایٹمی سازو سامان کی تباہی پر مامور کردیا تھا جو آخرکار پاکستان اور ایران کے باہمی مفاد اور استحکام کے لئے ایک سنگِ میل ثابت ہوسکتا تھا۔

وہ لوگ اپنے مفادات کے تحفظ اور حصول کے لئے حد سے زیادہ مستعد اور خطرناک حد تک باخبر ثابت ہو رہے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ مجھ جیسا بے بساط شخص ان کی دستبرد سے کیسے بچا ہوا تھا؟

بظاہر اس کا ایک ہی سبب نظر آتا تھا کہ جہاں جہاں ان کے مفادات وابستہ تھے وہاں ان کے مخبر اور گرگے پھیلے ہوئے تھے جو اپنے آقاؤں کو پل پل کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے جب کہ میں فردِ واحد تھا اور اپنی مرضی سے نقل و حرکت کرنے کے لئے آزاد تھا۔ ان کے لئے یہ ممکن ہی نہیں رہا تھا کہ وہ میرے عزائم سے پیشگی آگاہی حاصل کرسکیں۔ اس لئے میں اپنی مرضی سے ان پر وار کرکے، کوئی کاری گھاؤ لگاتا ہوا، صاف بچ نکلتا تھا اور وہ اپنا سر پیٹتے ہوئے مدافعانہ انداز اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔

لیکن یہ بہت برا ہوا تھا کہ غزالہ ویرا کی تحویل میں چلی گئی تھی۔ اگر ویرا اس پر اپنی گرفت مضبوط کرنے میں کامیاب ہوجاتی تو وہ میرے لئے سنگین مسائل پیدا کرسکتی تھی۔ میری سرکشی کی صورت میں وہ غزالہ کی اعضا بریدگی کے بارے میں اپنے عزائم پہلے ہی ظاہر کرچکی تھی۔

ان خیالات میں غلطاں و پیچاں، میں نے معلومات والے کاؤنٹر سے رجوع کیا جہاں شفاف شیشے کے عقب میں ایک خوبرو خاتون اپنے نوجوان ساتھی کے ساتھ کسی نرم و نازک بحث میں الجھی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھ لینے کے بعد بھی ان کے انہماک میں کوئی فرق نہیں آیا تو میں نے بہ آوازِ بلند ان کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ چند ثانیوں بعد ہی شکن آلود پیشانی اور تنی ہوئی بھوؤں کے نیچے سے دو خشمناک مردانہ آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔

میں نے محسوس کیا کہ سیدھے سادے انداز میں بات کرکے میں اس شخص سے کوئی مدد حاصل نہیں کرسکوں گا اس لئے میں نے جیب میں سے سلور آئی نکال کر دور سے دکھاتے ہوئے، دھیمی آواز میں کہا۔ "میرا تعلق ملٹری سیکرٹ سروس سے ہے اور مجھے کچھ معلومات درکار ہیں۔ یہ میرا خفیہ شناختی نشان ہے۔"

سلور آئی کی جھلک دیکھ کر وہ متجسسانہ انداز میں کاؤنٹر پر میری طرف جھکا مگر میں نے اسی اثنا میں سلور آئی دوبارہ اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔ "آج یہاں سے تہران کے لئے کتنی پروازیں گئی ہیں؟"

اس نے اپنے سامنے پڑے ہوئے کلپ بورڈ میں لگے ہوئے کاغذات کی ورق گردانی کرنے کے بعد ایک جگہ رکتے ہوئے بتایا۔ "آج ٹرکش ائرلائنز کی ایک پرواز سوا دو بجے گئی ہے۔"

"اس سے پہلے یا بعد میں کوئی اور پرواز؟" میں نے زور دے کر سوال کیا۔

اس نے احتیاطاً ایک مرتبہ پھر' اپنے سامنے کھلے ہوئے کاغذ پر نگاہ دوڑائی اور مایوسانہ انداز میں سرہلاتا ہوا بولا۔ "آج صرف یہی ایک پرواز گئی ہے ..." پھر جھجکتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔ "کیا کوئی جاسوسی معاملہ ہے؟"

"اس پرواز کے مسافروں کی لسٹ مل سکے گی؟" میں نے آواز دھیمی ہی رکھی۔ "دراصل بلیک لسٹ پر موجود دو افراد ملک سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ ان کی اگلی منزل کا سراغ لگانے کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔"

"ٹرکش ائرلائنز یا پھر ائرپورٹ منیجر کے دفتر ہی سے کچھ مدد مل سکتی ہے۔ مسافروں کی آمدورفت سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ سب ٹریفک ڈپارٹمنٹ کا کام ہے۔"

"میں اس کام میں زیادہ لوگوں کو ملوث کرنا نہیں چاہتا ہوں' نہ اس کی تشہیر پسند کروں گا۔" میں نے خالص افسرانہ لہجے میں کہا۔ "یہاں مفروروں کے ہمدرد بھی ہوسکتے ہیں۔ وہ دونوں بہت بارسوخ تھے۔ تمہارے تعاون سے وہ ہاتھ آگئے تو تمہیں انعام واکرام کے ساتھ شہرت بھی مل سکتی ہے۔"

اس کی آنکھوں میں چمک عود کر آئی۔ "کوئی بھی پرواز روانہ ہونے کے بعد' طیارے پر سوار مسافروں کی فہرست خفیہ رکھی جاتی ہے۔ فہرست لانا مشکل ہے۔ تم مجھے ان کے نام دے دو تو میں چیک کرنے کی کوشش کرسکتا ہوں۔"

"ہوسکتا ہے کہ انہوں نے مفروضہ ناموں پر سفر کیا ہو۔ ایسی صورت میں تمہاری کوشش رائیگاں جائے گی۔"

"پھر تو تمہیں بھی فہرست سے کیا معلوم ہوسکے گا؟" اس نے معقول اعتراض جڑدیا۔

"وہ دونوں عورتیں ہیں۔" اسے معقولیت پر آمادہ پاکر مجھے مجبوراً بتانا پڑا۔ "انہیں ایک ساتھ بورڈنگ کارڈ جاری کئے گئے ہوں گے۔ ان کی نشستیں بھی ساتھ ساتھ ہوں گی۔ یہ باتیں لسٹ سے ہی معلوم ہوسکتی ہیں۔"

"دیکھو' میں کوشش کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے فون پر سے ریسیور اٹھایا اور چار ہندسے ڈائل کرکے غالباً فون سے انٹرکام کا کام لیتے ہوئے اپنے کسی ساتھی سے باتیں کرنے لگا۔ دورانِ گفتگو میں اس کے چہرے پر شوخی ابھر آئی۔ ایک بار وہ زور سے ہنسا اور چند ثانیوں بعد اس نے سلسلہ منقطع کردیا۔

"تمہارا مسئلہ حل ہوگیا۔ ان دونوں نے کم از کم تہران کا رخ نہیں کیا ہے۔" وہ میری طرف متوجہ ہوکر بولا۔ "اس پرواز پر کراچی سے صرف ایک حاملہ خاتون سوار ہوئی تھی۔ طیارے کے ٹیک آف سے قبل درد شروع ہوجانے کی وجہ سے اسے بھی ایمرجنسی میں آف لوڈ کردیا گیا۔ اس طرح آج کراچی سے کوئی عورت تہران کے سفر پر روانہ نہیں ہوئی۔ تم ان دونوں کو کراچی ہی میں تلاش کرنے کی کوشش کرو۔"

میں گرمجوشی کے ساتھ اس کا شکریہ ادا کرتا ہوا واپس کار کی طرف چل دیا۔

ویرا اور غزالہ کے فضائی سفر کا امکان ختم ہوجانے کے بعد جہاں مجھے یہ خوشی ہوئی کہ ان دونوں کو کراچی ہی میں تلاش کیا جاسکتا ہے وہاں یہ فکر بھی لاحق ہوگئی کہ کہیں ویرا شہر بھر میں بھٹکنے کے بعد شب بسری کے لئے دوبارہ میر اکبر خان کے گھر نہ جائے جہاں سلطان شاہ اس کی لاش کی رکھوالی کررہا تھا۔

"واپس رازی روڈ چلو!" میں نے کار میں سوار ہوکر شیر شاہ سے کہا۔ میرا موڈ دیکھ کر اسے مجھ سے کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ اس نے انجن اسٹارٹ کرکے' تیزی کے ساتھ کار باہر نکال لی۔

میں راستے میں سگریٹ نوشی کے درمیان اسی چیستاں میں الجھا رہا لیکن ٹیپو سلطان روڈ اور شارع فیصل والے سگنل عبور کرتے ہی میری نگاہ کافی آگے' داہنی طرف مکانوں کے درمیان سے اٹھتے ہوئے کثیف دھوئیں اور شعلوں پر پڑی اور میں مضطرب ہوگیا۔

"رفتار بڑھاؤ!" میں نے اضطراری طور پر شیر شاہ سے کہا اور اسی لمحے کار ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

کثیف دھوئیں کے بادلوں میں لپٹے ہوئے لہو رنگ شعلوں سے فاصلہ کم ہونے کے ساتھ ہی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں کیونکہ آتشیں دھوئیں کا مخرج کم وبیش وہی علاقہ نظر آرہا تھا جہاں میر اکبر خان کا آسیبی مکان واقع تھا۔ میرا دل سلطان شاہ کی سلامتی کے لئے دہلنے لگا۔

میں اس وقت ائرپورٹ سے شہر آنے والی راہ پر تھا اس لئے رازی روڈ پر داخل ہونے کے لئے پہلے مجھے آگے جانا پڑا جہاں سے یوٹرن لے کر' میں رازی روڈ پر جاسکتا تھا۔ آگے جاتے ہوئے میں نے دیکھا کہ رازی روڈ پر لوگوں کا ہجوم اور متعدد گاڑیاں موجود تھیں اور آگ بھی وہیں لگی ہوئی تھی۔

میرے لئے وہ خیال' کہ سلطان شاہ کو اس مکان میں بند کرکے زندہ جلا دیا گیا ہوگا' سوہان روح تھا۔ رازی روڈ کی صورتِ حال دیکھ کر' شیر شاہ بھی مجھ سے کچھ پوچھے بغیر میرے اندیشوں کی تہہ تک پہنچ چکا تھا اس لئے اس نے رازی روڈ پر پہنچنے میں بہت پھرتی سے کام لیا تھا۔

اس وقت رات ڈھل چکی تھی اور صبح بہت قریب تھی۔ وہ ایسا وقت تھا جب بے خوابی کے دائمی مریضوں کو بھی نیند آلیتی ہے۔

لیکن دن بھر نسبتاً غیر معروف اور ویران رہنے والی اس سڑک پر لوگوں کا بہت بڑا ہجوم جمع تھا جس کی وجہ سے کار آگے لے جانا مشکل نظر آرہا تھا۔ اس بھیڑ سے آگے دو د مکلوں کا وردی پوش عملہ پانی کی تیز دھاروں سے آگ بجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس رات ہوائیں چل رہی تھیں اس لئے کثیف دھوئیں کی چادر میں لپٹے ہوئے شعلے فضا میں رخ بدل بدل کر بھڑک رہے تھے۔

میرے ایما پر شیر شاہ نے کار ایک کنارے پارک کردی اور ہم دونوں اس کے دروازے لاک کرکے تیزی کے ساتھ ہجوم کی طرف بڑھ گئے۔ وہاں اس قدر شدید آگ لگی ہوئی تھی کہ اس کی تپش دور تک محسوس کی جارہی تھی۔ میر اکبر خان کے قرب و جوار میں رہنے والوں پر خوف و دہشت کی ہولناک لہر مسلط تھی۔ بستروں سے نکلنے والے مرد' عورتیں اور بچے اپنے ہاتھوں میں زیورات کے ڈبے اور قیمتی مال و متاع کی گٹھریاں ہاتھوں میں سنبھالے' ناامیدی کے عالم میں فلک بوس شعلوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ یہ خوف ان کے چہروں پر کندہ تھا کہ اگر اس آگ پر قابو نہ پایا جاسکا تو بھڑکتے ہوئے شعلے ان کے گھروں کو بھی چاٹ جائیں گے۔

کچھ مکانوں میں چیخ و پکار سے قیامت کا سماں بندھا ہوا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے معلوم ہوتے تھے جو مرتے دم تک دنیا کی آسائشوں اور مال و متاع کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ وہ آگ کے پھیلنے سے قبل اپنے گھروں کا سارا مال واسباب سمیٹ لینا چاہتے تھے تاکہ ان کے گھر کے در و دیوار کے علاوہ کوئی فاضل تنکا بھی شعلوں کی زد میں آکر راکھ میں تبدیل نہ ہوسکے۔

وہ میرا سرسری سا مشاہدہ تھا۔ زندگی کی ان تلخ حقیقتوں سے روشناس ہونے کے لئے میں ایک لمحے کے لئے بھی کہیں نہیں رکا بلکہ بھیڑ کو چیر کر' اپنی راہ بناتا ہوا مسلسل آگے بڑھتا رہا۔

آخر کار میں نے کافی فاصلے سے وہ دلخراش منظر دیکھ ہی لیا۔ میر اکبر خان کا پورا مکان بھیانک شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔ پہلی ہی نظر میں اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ آگ مکان کے اندر سے شروع نہیں ہوئی تھی۔ ایسا ہوا ہوتا تو وہاں آگ کے شعلے کھڑکیوں اور روشندانوں سے باہر لپکتے ہوئے نظر آتے لیکن وہاں آگ باہر سے اندر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ میں نے لوگوں سے سنا کہ آگ لگتے ہی وہاں ایک دھماکے کی آواز کے ساتھ فضا میں پٹرول کی تیز بو محسوس ہوئی تھی۔ اس بنا پر تماشائیوں میں قیاس کیا جارہا تھا کہ وہاں اتفاقیہ آگ نہیں لگی تھی بلکہ دیدہ و دانستہ پٹرول چھڑک کر آگ لگائی گئی تھی۔

آگ بجھانے والی گاڑیوں کا عملہ اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر' نمایت کم فاصلے سے آگ سے لڑ رہا تھا لیکن آثار بتا رہے تھے کہ وہ کافی دیر تک ان شعلوں کو سرد کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔ پھر آگ بجھ جانے کے بعد بھی میر اکبر خان کے مکان کے جلے ہوئے ڈھانچے میں فوری طور پر داخل ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وہ مکان آگ کی حدت سے بھٹی کی طرح دہک رہا ہوتا پھر یہ خطرہ بھی لاحق ہوتا کہ آگ اور پانی کی پیکار میں مجروح ہونے والی چھتیں اور دیواریں چیخ کر کہیں یک بیک نیچے نہ آرہیں۔ یعنی دن طلوع ہونے سے پہلے مکان کے اندر پھنسے ہوئے افراد کے مقدر کے بارے میں کچھ بھی جاننا ممکن نہیں تھا۔

میں وہاں جو حالات چھوڑ کر ائرپورٹ کے لئے روانہ ہوا تھا وہ ہر طرح سے اطمینان بخش اور سلطان شاہ کے قابو میں تھے۔ میر اکبر خان بیم گن کا نشانہ بن کر جہنم واصل ہوچکا تھا۔ اس کا تنومند ملازم کلوروفارم کے زیر اثر پڑا ہوا تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ ملازم' سلطان شاہ کے لئے کسی خطرے کا باعث بنتا' اس لئے میرے ذہن میں بس ویرا کا نام جم کر رہ گیا۔

اس وقت پورے شہر میں صرف وہی ہمارے لہو کی پیاسی تھی۔ میر اکبر خان نے میرے تشدد کے تحت ویرا کی حمایت اور مخالفت میں بہت سی باتیں کی تھیں جن سے اس کی صحیح نیت کا اندازہ لگانا بہت دشوار کام تھا۔ اس کے بیان کے مطابق' ویرا فضائی راستے سے تہران جاچکی تھی لیکن میر اکبر خان کی سیاہ فورڈ کے ائرپورٹ پر نہ پائے جانے سے وہ مفروضہ غلط ثابت ہوچکا تھا۔

مجھے یہ سوچ کر وحشت ہورہی تھی کہ تہران روانگی کا پروگرام ملتوی ہوجانے کی وجہ سے ویرا شب بسری کے لئے وہاں آئی ہوگی اور اندر کسی سنگین گڑبڑ کا اندازہ لگانے کے بعد اس نے نہایت محتاط طریقے پر اندر کی صورت حال کا کھوج لگایا ہوگا جس کے نتیجے میں اسے مکان کے اندر سلطان شاہ کی موجودگی اور اکبر کی ہلاکت کا علم ہوگا۔ اکبر کی لاش سامنے آتے ہی اسے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ سلطان شاہ بیم گن سے مسلح تھا۔ دوسری طرف وہ خود غزالہ کو ساتھ لئے پھر رہی تھی جسے اندر کے حالات کا کوئی علم نہیں تھا۔ ان حالات میں ویرا کے لئے بہترین راہ یہی تھی کہ سلطان شاہ سے ٹکرا کر غزالہ کے فرار کا خطرہ مول لینے سے گریز کرتے ہوئے مکان کے گرد پٹرول چھڑک کر آگ لگادے تاکہ سلطان شاہ اندر ہی جل کر بھسم ہوجائے۔

**اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات دسویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں**